ولا يأتونك بمثل إلا جئناك بالحق وأحسن تفسيرا

(الفرقان ۲۵-۳۳)

بیان القرآن

یعنی

اردو ترجمۃ القرآن

مع حل لغات وحواشی تفسیریہ

جلد دوم

از ابتدائے سورۃ الاعراف تا آخر سورۃ المومنون

تالیف

حضرت مولٰنا مولوی محمد علی صاحب مؤلف انگریزی ترجمۃ القرآن

باہتمام ماسٹر فقیر اللہ صاحب مہتمم تصنیفات چھپوا کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا

سنہ ۱۳۴۱ھ

[illegible]

فہرست مضامین بیان القرآن جلد ثانی

سورۃ یونس ١٠ از ٨٩٣ تا ٩٢٧

سورة الاعراف مكية وهي مائتان وست آيات واربع وعشرون ركوعا

نام

نام۔ اس سورت کا نام الاعراف ہے اور اس میں چوبیں رکوع اور دو سو چھ آیتیں ہیں۔ الاعراف کے معنی بلند مکان ہیں اور اس سورت کے پانچویں اور چھٹے رکوع میں کچھ لوگوں کا ذکر ہے جو اعراف پر ہونگے اور یہ لوگ جیسا کہ ۴۶:۵ میں دکھایا گیا ہے انبیاء کا گروہ ہے اور چونکہ اس سورت میں ضرورت نبوت پر بحث ہے اسلئے اس کے نام میں انبیاء کے مقام بلند کی طرف توجہ دلائی ہے۔

خلاصہ مضمون

خلاصہ مضمون۔ جس طرح پچھلی سورت میں توحید پر بحث تھی اس سورت میں نبوت پر بحث ہے اسی اصل مضمون کے مطابق اسکی ابتدا اس بات سے کی ہے کہ نزول کتاب اللہ کی غرض کیا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے یہ پہلے رکوع کا مضمون ہے۔ دوسرے رکوع میں حضرت آدم کا ذکر کرکے ضرورت نبوت کو بتایا ہے۔ تیسرے میں بتایا کہ وحی الٰہی ہی انسان کو شیطان کے حملوں سے محفوظ کر سکتی ہے۔ چوتھے میں وحی الٰہی کے رد کرنیوالوں کا انجام بتایا ہے اور پانچویں میں قبول کرنیوالوں کا ذکر ہے۔ اسی رکوع کے آخر پر اور چھٹے رکوع کے شروع میں اعراف والوں کا ذکر ہے یعنی خود انبیاء علیہم السلام کے مقام بلند کا اور بقیہ رکوع ششم میں قبول کرنیوالوں اور رد کرنیوالوں کا مقابلہ ہے۔ ساتویں رکوع میں عالم جسمانی کی مثالیں دیکر حق کی تدریجی ترقی اور آخری کامیابی کی خوشخبری سنائی۔ آٹھویں میں حضرت نوح کا۔ نویں میں حضرت ہود کا۔ دسویں میں حضرت صالح اور لوط کا۔ گیارھویں میں حضرت شعیب کا ذکر کرکے سمجھایا کہ کسطرح حق کی مخالفت کرنیوالے آخرکار ناکام ہوتے رہے ہیں اور بارھویں میں سزا کا عام قانون بیان فرماکر مخالفین قرآن کو تنبیہ کی اور پھر تیرھویں رکوع سے لیکر اکیسویں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل ذکر کیا۔ چنانچہ تیرھویں میں حضرت موسیٰ کی بعثت کا ذکر کیا۔ چودھویں میں ساحروں کے آپ سے مقابلہ کا۔ پندرھویں میں بنی اسرائیل کی تکالیف کا ذکر کرکے ان کا علاج بتایا اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ ایسی ہی تکالیف ان پر آئیں تو وہ بھی یہی طریق اختیار کریں۔ سولھویں میں فرعونیوں پر وبائیں آنے اور بنی اسرائیل کی نجات کا ذکر کیا۔ سترھویں میں حضرت موسیٰ کو شریعت ملنے کا۔ اٹھارھویں میں بچھڑے کی عبادت کا۔ انیسویں میں حضرت موسیٰ کی قوم کی بے اعتدالیوں کا ذکر کرتے ہوئے اصل غرض کی طرف توجہ دلائی ہے جسکی وجہ سے حضرت موسیٰ کا اتنا لمبا ذکر کیا یعنی موسیٰ کا آنحضرت صلعم کی نسبت پیشگوئی کرنا اور ان پیشگوئیوں کا توریت میں موجود ہونا۔ بیسویں میں آنحضرت صلعم کی رسالت عامہ کے ذکر کے بعد پھر قوم موسیٰ کے ذکر کیطرف رجوع کیا اور اکیسویں میں یہود کی خلاف ورزی میثاق اور انکی سزا کا ذکر کیا۔ بائیسویں رکوع میں میثاق شریعت سے میثاق فطرت کیطرف رجوع کیا کیونکہ میثاق شریعت میثاق فطرت کو ہی قوت دینے کیلئے آتی ہے۔ اور ہر انسان کی فطرت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر گواہ ہے اور اسی کیطرف انبیاء بلاتے ہیں۔ تیئیسویں رکوع میں آنحضرت صلعم اور اسلام کے اعداء کے انجام کا ذکر کیا اور کہ کس طرح ان پر سزا تدریجاً اور آہستگی سے وارد کی جائے گی۔ چوبیسویں اور آخری رکوع میں بتایا کہ اس مخالفت میں خود مسلمانوں کو کیا راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ یہ سورت کل کی کل نبوت پر ہے۔

تعلق

تعلق بلحاظ مضمون۔ الانعام اور الاعراف کا تعلق ظاہر ہے۔ الانعام کا مضمون توحید ہے اور الاعراف کا نبوت اور توحید کے بعد نبوت کا ذکر لازم تھا۔ مذہب کی یہی دو عظیم الشان بنیادیں ہیں اور یہ بھی ضروری تھا کہ توحید کے ذکر کے بعد نبوت کا ذکر آتا اسلئے الانعام گو اس قدر لمبی نہیں مگر اسے الاعراف سے پہلے رکھا گیا کیونکہ ترتیب مضمون کا تقاضا یہی تھا اور الانعام کے آخری حصہ کو دیکھا جائے تو وہاں بھی نہایت صفائی سے توحید سے نبوت کیطرف مضمون کا رخ بدل دیا ہے۔ جہاں آنحضرت صلعم کی توحید کے مقام بلند کو پیش کیا ہے قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین صرف یہ کہہ دینا کہ خدا ایک ہے انسان کو فائدہ نہیں دے سکتا جبتک کہ اسکی تمام حرکات و سکنات توحید باری کے رنگ میں رنگین نہ ہو جائیں اور یہ مقام بدون نبوت حاصل نہیں ہو سکتا۔ نظارۂ قدرت سے جس توحید پر انسان پہنچ سکتا ہے وہ محض ایک خشک عقیدہ ہے مگر نبوت جس توحید پر لا کھڑا کرتی ہے وہ ایک باروار درخت ہے۔ یوں توحید سے نبوت کیطرف مضمون کا انتقال سورۃ الانعام کے آخر میں کرکے سورۃ اعراف کے مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

۱ ۲ الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

میں اللہ بہت جاننے والا بہترین فیصلہ کرنیوالا ہوں ۱۰۴۶ یہ کتاب ہے تیری طرف نازل کی گئی تو تیرے سینہ میں اس کی وجہ سے کوئی تنگی نہ ہو تاکہ تو اس کے ساتھ ڈرائے اور مومنوں کیلئے نصیحت ہے ۱۰۴۷

زمانہ نزول ۔ اس سورت اور سورۃ انعام کے نزول کا وقت قریبًا ایک ہی ہے اور یہ دونوں سورتیں مکی زمانہ کے آخر کی ہیں جب مخالفت کمال کو پہنچ چکی تھی ۔ خاص خاص آیات اس سورت کی جن کو ظن کی بناء پر مدنی کہا گیا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کا تعلق سورتکے اصل مضمون سے اس قسم کا ہے کہ وہ علیحدہ زمانہ کی نہیں ہو سکتیں ۔ عیسائی مورخین نے یہ کوشش کی ہے کہ آیت ۱۵۷ و ۱۵۸ کو جن میں آنحضرت صلعم کے متعلق پیشگوئیوں کا ذکر ہے جو توریت و انجیل میں ہیں مدنی قرار دیں کیونکہ ان میں توریت و انجیل کا نام آتا ہے مگر اس سے بڑھکر بودی دلیل کوئی نہیں اور آیت ۱۵۶ جس میں قوم موسیٰ کا ذکر ہے اس کا تعلق ۱۵۷ سے جس میں نبی امی کا ذکر ہے ایسا گہرا ہے کہ یہ دونوں آیتیں بلحاظ مضمون صاف طور پر ایک ہی وقت کی نظر آتی ہیں ۔

<u>۱۰۴۶</u> الم کے ساتھ ص بڑھایا ہے جو صادق کے قایم مقام ہے جیسا کہ ضحاک سے روایت ہے (د) یا افصل کے یعنی بہترین فیصلہ کرنیوالا جیسا کہ ابن عباس سے روایت ہے (ج) نیز دیکھو ۵ ۔

<u>۱۰۴۷</u> ذکریٰ ۔ ذکر سے زیادہ بلیغ ہے اور اس کے معنی کثرت ذکر ہیں اور ذکر کسی شے کا قلب میں حاضر کرنا ہے (غ) ۔ قرآن شریف کا نام ذکر یا ذکریٰ یا تذکرۃ اس لحاظ سے ہے کہ وہ ان باتوں کو یاد دلاتا ہے جو فطرت انسانی میں ہیں مگر غفلت کی وجہ سے دبی رہتی ہیں ۔ وحی الٰہی ان کو یاد دلاکر انسان کو فطرت کے صحیح قوانین پر چلاتی ہے یا چونکہ ذکر کے معنی شرف ہیں (ل) اسلئے قرآن کریم کا نام ذکر ہے کہ یہ انسان کو بلند مقام پر پہنچاتا ہے ۔

فلا یکن فی صدرک حرج منہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے ۔ اور اصل غرض نزول کتاب کی بتائی کہ تو اسکے ساتھ ڈرائے اور مومنوں کیلئے وہ نصیحت ہو ۔ اور یہ جو فرمایا کہ تیرے سینہ میں تنگی نہ ہو تو یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس کتاب کے نزول نے پیغمبر خدا کو شرح صدر عطا کر دی تھی ۔ جیسا کہ فرمایا الم نشرح لک صدرک (الم نشرح ۹۴ : ۱) پس نزول کتاب کا فائدہ یہ بتایا کہ مصلح کے سینہ میں تنگی نہ رہے کیونکہ اصلاح میں جو جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ ایک آدمی کے گھبرا جانے کیلئے کافی ہوتی ہیں لیکن جب ایک شخص کو خدا ایک کام پر کھڑا کرتا ہے تو اسے وسعت اخلاق کامیابی پر ایمان اور دیگر ان صفات سے متصف فرماتا ہے ۔ جنکے بغیر اسے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی ۔ سو اس جملہ معترضہ میں بھی ایک ضرورت نزول وحی کو ہی ظاہر کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان مشکلات کیطرف بھی اشارہ ہو جو اس سورت کے نزول کے وقت آنحضرت صلعم کو پیش آرہی تھیں کہ آپ کی دس بارہ سال کی کوششوں کے باوجود مخالفت بڑھ رہی تھی ۔ تو گویا یوں فرمایا کہ مشکلات تو بیشک بہت ہیں مگر چونکہ کتاب خدائے علیم و صادق الوعد کیطرف سے نازل ہوئی ہے اسلئے ان مشکلات کے سبب کوئی گھبراہٹ تمہارے سینہ میں نہ آئے ۔

نزول کتاب کی اصل غرض دو لفظوں میں بتائی ہے ۔ بدی کے انجام بد سے ڈرانا اور بتا دینا کہ بدی کا انجام نیک کبھی نہیں ہو سکتا اور دوسرا مومنوں کیلئے ذکر یا ذکریٰ یعنی ان کیلئے موجب شرف اور بلندی مرتبہ ہے یا انکو فطرت کے صحیح قوانین پر چلاتا ہے اسلئے یہاں بشارت کی بجائے ذکریٰ کا لفظ استعمال فرمایا ہے ۔

چونکہ اس سورت میں اصل نبوت کی بحث ہے جیسا کہ پچھلی میں اصل توحید کی بحث تھی اسلئے اس کی ابتدا اس کلام سے نہایت موزون ہے ۔

۳ اِتَّبِعُوا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○

اسکی پیروی کرو جو تمہارے رب سے تمہاری طرف اتارا گیا اور اس کو چھوڑ کر اور اولیا کی پیروی نہ کرو بہت ہی کم تم نصیحت قبول کرتے ہو

۴ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ○ ۵ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ

اور کتنی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا سو ہمارا عذاب اُن پر رات کو وقت آیا یا جبکہ وہ دوپہر کو آرام کر رہی تھی ۱۰۴۸ سو اُن کی پکار

۶ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ

جب ہمارا عذاب ان پر آیا سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ انہوں نے کہا بیشک ہم ظالم تھے سو یقیناً ہم ان سے پوچھیں گے جن کی طرف

۷ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ○ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ○

رسول بھیجے گئے اور یقیناً ہم رسولوں سے بھی پوچھیں گے ۱۰۴۹ پھر ہم ان پر علم کے ساتھ بیان کرینگے اور ہم کبھی غیر حاضر نہیں ہوتے

۸ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ࣙالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

اور وزن آج کے دن حق ہے سو جس کی نیکیاں بھاری ہوگئیں تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں ۱۰۵۰

بیات — **۱۰۴۸** بیاتاً ۔ بَیَت سے مصدر ہے اور اسکے اصل معنی قَصْدُ العدو لیلاً ہیں یعنی رات کے وقت دشمن کا قصد کرنا (غ)

قال یقیل — قائلون ۔ قال یقیل سے ہے ۔ دوپہر کے وقت آرام کرنے کو کہتے ہیں (غ) +

۱۰۴۹ کیا سوال ہوگا جن کیطرف رسول بھیجے گئے ان سے سوال ہوگا الم یاتکم نذیر (الملک ۶۷ - ۸) الم یاتکم رسل منکم (الانعام ۶ - ۱۳۱) کیا تمہارے پاس رسول نہ آئے تھے ۔ اور رسولوں سے سوال ہے ماذا اجبتم (المائدۃ ۵ - ۱۰۹) تمہاری قبولیت کیسی ہوئی +

وزن — **۱۰۵۰** الوزن ۔ اصل میں کسی شیٔ کے اندازہ کے پہچاننے کو کہتے ہیں ۔ راغب کہتے ہیں کہ عام طور پر وزن وہ سمجھا جاتا ہے جو ترازو کے ساتھ ہو (بلکہ حدیث میں بھی ترازو کا ذکر ہے) اور قرآن شریف میں ہے واقیموا الوزن بالقسط (الرحمٰن ۵۵ - ۹) اور وزنوا بالقسطاس المستقیم (بنی اسرائیل ۱۷ - ۳۵) اور یہاں مراد تمام افعال واقوال انسانی میں عدل و انصاف کا لحوظ رکھنا ہے اور ایسا ہی وانبتنا فیھا من کل شیٔ موزون (الحجر ۱۵ - ۱۹) جہاں مراد ہے کہ جو کچھ پیدا کیا اعتدال کی حالت میں پیدا کیا جیسا کہ فرمایا انا کل شیٔ خلقنٰہ بقدر (القمر ۵۴ - ۴۹) اس سے وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ الوزن یومئذ الحق (الاعراف ۷ - ۸) میں اشارہ محاسبہ میں عدل کیطرف ہے (غ) اور مجاہد کا قول ہے کہ وزن سے مراد یہاں قضاء یعنی فیصلہ ہے (ج) +

وزن اعمال سے مراد — اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ میزان کا لفظ قرآن میں وسیع معنی میں آیا ہے ایک جگہ رسولوں کے بھیجنے کے ذکر میں آتا ہے وانزلنا معھم الکتاب والمیزان ہم نے انکے ساتھ کتاب اور میزان اُتاری ہے جس سے مراد کسی صورت میں ترازو نہیں ۔ اور نہ کسی مفسر نے ایسا کہا ہے ایسا ہی والسماء رفعھا و وضع المیزان میں میزان کے رکھنے سے مراد کسی ترازو کا رکھنا نہیں بلکہ مراد عدل کا قایم کرنا ہے جس پر سارے آسمانوں اور زمین کا بھی مدار ہے ۔ اور حق یہ ہے کہ احادیث میں بھی جس ترازو کا ذکر ہے اس سے مراد بھی محض اس قسم کا ترازو لینا جس سے اجسام کو وزن کیا جاتا ہے صحیح نہیں ۔ اس ترازو کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اس دنیا کی چیزوں پر اس کا قیاس نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اگر کہیں اعمال کے وزن کا ذکر ہے تو کہیں کتب اعمال کا اور کہیں صاحب اعمال کا اور ایک قوم کے اعمال دنیوی کا ذکر کر کے جو قیامت میں کسی کام نہ آئینگے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا (الکہف ۱۸ - ۱۰۵) ان کیلئے ہم قیامت میں کوئی وزن قایم نہیں کرینگے یعنی قیامت کے

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا ٩

اور جس کی نیکیاں ہلکی ہوگئیں تو وہی ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کے بارہ میں

يَظْلِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ ١٠

ناانصافی کرتے تھے اور یقیناً ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانا بنایا اور تمہارے لئے اسکے اندر روزی کے سامان رکھے بہت کم تم شکر کرتے ہو ۱۰۵۱

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا ١١

اور یقیناً ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو سو انہوں نے فرمانبرداری کی

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ ١٢

مگر ابلیس نے (نہ کی) وہ فرمانبرداروں میں سے نہ ہوا ۱۰۵۲ (اللہ نے) کہا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھ کو حکم دیا ۱۰۵۳

دن ان کے دنیوی صنعتوں پر زور لگا دینے کو کوئی وزن نہیں دیا جائیگا +

موازین - موزون کی جمع بھی ہوسکتی ہے اور میزان کی بھی پہلی صورت میں مراد اعمال موزونہ ہیں یعنی نیکیاں اور میزان یا میزانوں کا بوجھل یا ہلکا ہونے سے بھی مراد یہی لی گئی ہے کہ نیکیوں کا پلہ بوجھل یا ہلکا ہو جاتے جس میں علاوہ اس دقت کے کہ میزانیں بہت سی ہونگیں بہت کچھ ماننا پڑتا ہے - اس لئے صحیح یہی ہے کہ یہ موزون کی جمع ہے اور مجاہد سے موازین کے معنی حسنات یعنی نیکیاں ہی مروی ہیں +

اعمال کا وزن یعنی ہر ایک عمل کا حساب میں آنا ایک ایسا امر ہے جس کیطرف صرف وحی الٰہی نے ہی ہدایت کی ہے اسلئے قرآن کریم کے نزول کی اغراض کو بیان کرتے ہوئے وزن اعمال کا ذکر کیا ہے انسان کا کمال اسی پر منحصر ہے کہ جو اعمال اسکی فطرت کو صحیح راہ پر چلانیوالے ہیں انکو کرے اور جنسے فطرت انسانی کو نقصان پہنچتا ہے ان سے بچے اسیلئے اگلی آیت میں فرمایا کہ جنکے وہ اعمال جو وزن میں آتے ہیں ہلکے ہیں انہوں نے اپنی فطرت کو خسارہ میں رکھا۔

۱۰۵۱ معایش - معیشۃ کی جمع ہے یعنی عیش یا روزی کے سامان لفظ عیش حیوان کی زندگی سے مخصوص ہے یعنی ایسی زندگی سے جس سے جسمانیت کا جزو غیر منفک ہے اور حیوٰۃ کا لفظ وسیع ہے اللہ تعالیٰ اور ملائکہ پر بھی بولا جاتا ہے (غ) قرآن شریف میں معیشۃ ضنکا (طٰہٰ ۲۰ - ۱۲۴) میں اور عیشۃ راضیۃ (القارعۃ ۱۰۱ - ۷) میں روحانی زندگی پر بھی لفظ عیش بولا گیا ہے +

اس آیت میں یہ بتایا کہ جب تمہارے جسم کیلئے ہم نے زمین کے اندر ہر قسم کے سامان پیدا کر رکھے ہیں تو جو حصہ تم میں حیوانیت سے بالاتر ہے یعنی ملکیت کا حصہ یا تمہاری روحانیت کیا اس کیلئے کوئی سامان خدا تعالیٰ پیدا نہ کرتا - یوں اس آخری آیت میں ضرورت وحی کو بیان کرتے ہوئے اگلے رکوع کیساتھ اسکا ربط کر دیا ہے

۱۰۵۲ اس رکوع میں ضرورت نبوت بتائی ہے اور آدم کا ذکر کیا ہے جو سورۂ بقرہ میں مفصل گزر چکا ہے - مگر یہاں اس نے کے ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جو کل نئے ہیں سب سے پہلے یہاں یہ قابل غور ہے کہ اوپر کی آیت میں سارے انسانوں کو خطاب تھا اس عام خطاب کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تم سب کو پیدا کیا پھر تم سب کی صورت بنائی پھر فرشتوں کو آدم کی فرمانبرداری کیلئے کہا جس سے صاف معلوم ہوا کہ اس رنگ میں ہر ایک ابن آدم آدم ہے اور فرشتوں سے آدم کی فرمانبرداری کرانے میں ابنائے آدم کا بھی ذکر ہے اور فی الحقیقت غور کیا جائے تو اگر وہ واقعات ہمکو پیش نہیں آتے جو آدم کو پیش آئے تھے تو اس قصہ کے قرآن میں رکھنے سے فائدہ کیا ہوسکتا ہے غرض تو ہماری تعلیم ہے پس آدم کے تذکرہ میں ہم کو سمجھایا ہے اور ابن آدم ہونیکی وجہ سے جو کچھ آدم کو پیش آیا وہی ابن آدم کو پیش آتا ہے اس طرح ابن آدم شیطان کو جسمانی رنگ میں نہیں دیکھتا بلکہ شیطان صرف وسوسہ اندازی کرتا ہے اسیطرح آدم کیصورت میں سمجھنا چاہئے باقی امور کیلئے دیکھو ۵۲ و ۵۲ اور ۵۳ +

۱۰۵۳ بظاہر جہاں جہاں سجدے کا حکم آتا ہے ملائکہ کو آتا ہے لیکن یہاں اذ امرتک سے معلوم ہوا کہ شیطان کو بھی حکم تھا - ملائکہ چونکہ اعلے

۱۳ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا

اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ۱۰۵۴ کہا پھر اس (حالت) سے نکل جا

فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ○

کیونکہ تیرے لیے یہ شایاں نہیں کہ تو اس میں تکبر کرے سو نکل جا بیشک تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے ۱۰۵۵

ہستیاں ہیں اسلئے ان کو حکم دینے میں جن یا شیاطین جو ادنیٰ ہستیاں ہیں وہ بھی شامل ہو گئیں ہیں۔

جنوں کا آگ سے اور انسان کا مٹی سے پیدا ہونا

۱۰۵۴ سورۃ بقرہ میں فرمایا تھا کہ اس نے انکار اور تکبر کیا۔ یہاں اس کی تشریح کی ہے وہ اپنے آپ کو آدم سے فضل قرار دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ آدم کی پیدائش مٹی سے ہے اور میری پیدائش آگ سے ہے۔ دوسری جگہ عام طور پر جنات کے متعلق ہے والجان خلقناہ من قبل من نار السموم (الحجر ۱۵۔ ۲۷) جنوں کو ہم نے پہلے نار سموم سے پیدا کیا۔ یہ زمین بھی پہلے خود ایک شعلۂ نار تھی اس لئے پہلی مخلوق کا اسی رنگ کا ہونا عین قرین قیاس ہے اور آگ سے ہونے کی وجہ سے ہی وہ غیر مرئی ہستیاں بھی ہیں یعنی ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے لیکن اس سے علاوہ آگ یا مٹی سے پیدا ہونا یہ معنی بھی رکھتا ہے کہ وہی صفت ان میں غالب ہو جیسے انسان کے متعلق فرمایا خلق الانسان من عجل (الانبیاء ۲۱۔ ۳۷) انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے یعنی اس میں جلد بازی ہے۔ یا فرمایا خلقکم من ضعف (الروم ۳۰۔ ۵۴) اب طین یا مٹی کی صفت نرمی ہے۔ چنانچہ عرب کہتے ہیں ما زت بصحیفتہٖ طین خاتمہا جس کے معنی کئے ہیں لَیّن خاتمہا یعنی طین سے مراد نرمی ہے (ل)، اور قرآن مجید میں دوسری جگہ دوسری ترکیب اختیار کی ہے ءاسجد لمن خلقت طینا (بنی اسرائیل ۱۷۔ ۶۱) اے خلقتہ فی حال طینتہ (ل)، اور آگ کی صفت تیزی ہے اور حدیث میں ہے اتقوا الغضب فانہ جمرۃ توقد فی قلب ابن آدم غضب سے بچو وہ ایک انگارا ہے جو ابن آدم کے قلب میں جلایا جاتا ہے پس شیطان کہتا ہے کہ میں ناری صفت ہو کر کس طرح طینی صفت انسان کے سامنے جھک سکتا ہوں ۔

صغر

صاغر

۱۰۵۵ الصاغرین۔ صِغَر ضد کبر ہے اور چھوٹا یا بڑا ہونا بلحاظ عمر بھی ہوتا ہے اور بلحاظ جسم بھی اور بلحاظ قدر و منزلت بھی اور صاغر وہ ہے جو ذلیل مرتبہ پر راضی ہو جائے (غ)۔

شیطان کے ہبوط سے مراد

منہا میں ضمیر کس طرف جاتی ہے یعنی کس سے نکل جا۔ مفسرین میں سے کسی نے سماء کہا ہے کسی نے زمرۂ ملائکہ مگر یہ دونوں باتیں نہ سند رکھتی ہیں نہ قیاس صحیح یہ چاہتا ہے۔ سماء کا تو اوپر ذکر نہیں اور نہ یہ ہبوط مکانی تھا۔ ملائکہ کا ذکر اوپر ہے مگر دور اور شیطان ملائکہ میں سے نہ تھا جس پر کان من الجن (الکہف ۱۸۔ ۵۰) نص صریح ہے۔ قریب تر ذکر اس کا اپنی فضیلت کو پیش کرنا ہے اور اسی سے ہبوط کا حکم ہے اس نے کہا تھا انا خیر منہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس حالت سے نکل جا۔ اور اگلے الفاظ خود اس معنی کے موید ہیں کیونکہ فرمایا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ خیر ہونا اور تکبر ایک جگہ جمع ہو سکیں۔ بلکہ متکبر ذلیل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ ومن تکبر وضعہ اللہ یعنی جو شخص اللہ کے لئے جھکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا رفع کرتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ اسے ذلیل کرتا ہے۔ اصل سبق انسان کے لئے ہے کہ تکبر کا نتیجہ ذلت ہے جتنا انسان دوسروں سے اپنی بڑائی جتاتا ہے اسی قدر ان کی نظروں میں ذلیل ہوتا ہے

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ○ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ ۱۴ ۱۵ ۱۶

کہا مجھ کو اس وقت تک مہلت دیجئے جب وہ اٹھائے جائیں ۱۰۵۶ کہا بیشک تو ان میں سے ہے جنکو مہلت دی گئی ۱۰۵۷ کہا اس لئے کہ تو نے مجھ پر

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ ۱۷

نالت کا حکم لگایا میں ضرور تیری سیدھی راہ پر انکے لئے گھات میں بیٹھوں گا ۱۰۵۸ پھر میں ضرور ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے

مِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شٰکِرِیْنَ ○

سے اور اُن کے داہنے سے اور اُن کے بائیں سے ان پر آؤں گا اور تو اُن میں سے اکثر کو شکر کرنے والے نہ پائے گا ۱۰۵۹

۱۰۵۶ یوم یبعثون سے کیا مراد ہے۔ اگر قیامت کا دن مراد لیا جائے جو مردوں کے جی اُٹھنے کا وقت ہے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ جبتک یہ عالم موجود ہے اس وقت تک انسان کے ساتھ خواہشات سفلی اور ان خواہشات کے ساتھ شیطان کا رہنا ضروری ہے مگر بعث کا لفظ وسیع معنی میں آتا ہے و البعث یکون بعثا للقوم الی وجه من الوجوه (ل) وتادیل البعث ازالة ما کان یحبسه من التصرف (ل) یعنی جو چیز کسی امر میں تصرف سے روکتی ہو اس کا دور کردینا بھی بعث ہے پس یوم یبعثون سے مراد ہر انسان کی بعثت روحانی کا وقت بھی ہو سکتا ہے یعنی وہ وقت جب شیطان پر اسکو پورا تصرف حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ ۴۷۵ میں دکھایا گیا ہے یہ کوئی واقعی مکالمہ نہیں شیطان جو رحمت الٰہی سے دور پڑا ہوا ہے اس کو مکالمہ سے کیا حصہ؟ صرف ایک حالت کا اظہار ہے۔ اور چونکہ مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ ہر انسان کے لئے ایک الگ ملک یعنی فرشتہ اور ایک شیطان ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہو گیا پس یوم یبعثون میں اگر ایک طرف ذریت آدم کی طرف اشارہ ہے تو دوسری طرف ذریت ابلیس کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ ہر انسان کو بدی کی تحریک کرنے والا وہی شیطان ہے جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے پس شیطان نے جو مہلت مانگی ہے وہ اپنی ذریت کے لئے مانگی ہے جس طرح آدم کے ذکر میں ابن آدم شامل ہے شیطان کے ذکر میں ذریت شیطان شامل ہے۔ اس آیت میں اور اس سے اگلی آیات میں سب کو شامل کر لینا حالانکہ ذکر آدم کا شروع تھا صاف بتاتا ہے کہ اصل میں ذکر آدم میں بنی آدم کا ذکر ہی مقصود ہے

۱۰۵۷ انک من المنظرین۔ ترکیب صاف بتاتی ہے کہ یہ تو پہلے سے ہی فیصلہ شدہ امر ہے۔ یہ نہیں کہ شیطان کی درخواست منظور ہوئی ہے جب انسان کی اس زمینی زندگی کیلئے خواہشات سفلی کا اس میں رکھا جانا ضروری ہوا۔ تو ان خواہشات سفلی کے محرک شیطان کا وجود بھی ضروری ہوا۔ علاوہ ازیں بغیر مخالفت اور مقابلہ کے اور دشمن پر غالب آنے کے کوئی کامیابی کامیابی ہی نہیں کہلا سکتی۔ شیطان یا دشمن پر غالب آنے میں ہی انسان کی اصل کامیابی ہے۔ اگر مقابلہ کوئی نہ ہوتا۔ تو انسان کے کمالات کا اظہار بھی نہ ہو سکتا +

۱۰۵۸ اغویتنی غی سے ہے جس کے معنی میں امام راغب کہتے ہیں الغی جهل من اعتقاد فاسد یعنی غی وہ جہالت ہے جو عقائد فاسد سے پیدا ہو۔ اسی لئے عصی ادم ربه فغوی (طٰہٰ ۲۰ - ۱۲۱) میں غوی کے معنی جہل کئے ہیں۔ اور غوی کے معنی خاب یعنی ناکام رہا بھی کئے گئے ہیں اور فسد عیشه بھی یعنی اس کی زندگی خراب ہو گئی ان کان الله یرید ان یغویکم (هود ۱۱ - ۳۴) میں یغوی کے معنی دو طرح پر کئے گئے ہیں یعاقبکم علی غیکم یعنی تمہاری غی کی تمہیں سزا دے یا یحکم علیکم بغیکم یعنی تمہاری غی کا تم پر حکم لگائے (غ) انہی دو معنوں میں سے کوئی سے معنی یہاں ہیں اور ابن جریر کہتے ہیں اغویتنی اهلکتنی

۱۸ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

کہا اس (حالت) سے نکل جا ذلیل دھتکارا ہوا جو کوئی ان میں سے تیری پیروی کریگا یقیناً میں تم سب سے جہنم کو بھر دونگا ۱۰۶۰

۱۹ وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اور اے آدم تو اور تیری بی بی باغ میں رہو پھر جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے قریب

۲۰ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا

نہ جاؤ ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے اُن دونوں کو وسوسہ ڈالا تاکہ وہ جو ان کے عیب سے ان سے

وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ

چھپایا گیا تھا اُن کے لئے ظاہر کر دے ۱۰۶۱ اور اس نے کہا تمہارے رب نے تم کو اس درخت سے نہیں روکا مگر

یعنی مجھے ہلاک کیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اغواء کے جو معنی بدی کی تحریک کرنا یا دوسرے کو بدراہ پر لگانا ہیں وہ یہاں قطعاً مراد نہیں کیونکہ سارے قرآن کریم میں کسی جگہ بھی یہ ذکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نافرمانی کا حکم دیا تھا بلکہ حکم تو فرمانبرداری کا ہی دیا تھا

قعود — لاقعدن لھم کسی چیز کیلئے قعود سے مراد اس کیلئے انتظار یا گھات میں بیٹھنا ہو (غ) ✦

شیطان کے ہر طرف آنے سے مراد — ۱۰۵۹ شیطان کے چاروں طرف سے آنے کے معنی ہر طرح کی وسوسہ اندازی کرنا ہیں جیسا کہ آگے آدم کے ذکر میں فوسوس لھما الشیطان سے ظاہر ہے اور جیسا کہ شر الوسواس الخناس سے ظاہر ہے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ چاروں طرف سے اس پر غلبہ پالے گا شیطان کو انسان پر کوئی غلبہ نہیں دیا گیا۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان (الحجر ۱۵-۴۲) اور الگ الگ چاروں کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ من بین ایدیھم سے مراد ان کی دنیا ہے یعنی دنیوی لالچ دونگا اور خلفھم سے مراد آخرت ہے یعنی وسوسہ اندازی کرونگا کہ اعمال کی جزا و سزا کچھ نہیں اور من ایمانھم سے مراد ہے کہ ان کو نیکیوں سے روکونگا اور شمائلھم سے مراد ہے کہ بدی کے لئے اُکساؤں گا (ج) ✦

ذأم سے ذؤم — ۱۰۶۰ مذؤما کے معنی مذموم ہیں یعنی عیب لگایا گیا (غ) کیونکہ ذأم عیب کو کہتے ہیں ✦

دحر — مدحورا۔ دَحْر کے معنی نکال دینا اور دور کرنا ہیں ویقذفون من کل جانب دحورا (والصّٰفّٰت ۳۷-۸، ۹) ✦

شیطان کا مردود ہونا — بدی اور اس کا مظہر شیطان واقعی مردود اور حقیر ہے۔ بدی کو اگر کرنے والے سے الگ کر دیا جائے تو خود وہ بھی اسکو اچھا نہ سمجھے کیا کوئی جھوٹ بولنے والا دوسرے کے جھوٹ کو اچھا نہیں کہتا۔ کوئی زنا کرنے والا دوسرے کے زنا کو اچھا نہیں سمجھتا۔ دنیا میں گو بدی کرنے والے رہیں مگر بدی ہمیشہ مردود و ذلیل رہے گی۔ پس شیطان اور جس چیز کی طرف وہ بلاتا ہے فطرت انسانی ان دونوں کو دھکے دیتی ہے مگر پھر بھی انسان اس کا ارتکاب کرتا ہے ✦

وسواس — ۱۰۶۱ وسوس۔ وَسْواس اصل میں اس ہلکی آواز کو کہتے ہیں جو ہوا سے پیدا ہوتی ہے اور شکاری کے چلنے کی آہٹ کو بھی وسواس کہا جاتا ہے (ل) اس لئے وسوسۃ ناقص خیالات ہیں جو دل میں آئیں (غ) ✦

سوأۃ — سوأت۔ سَوْأۃ کی جمع ہے جس کے معنی شرمگاہ ہیں اور خلۃ قبیحۃ (ت) یعنی بری خصلت بھی اور اس کی اصل سوء یعنی برائی ہے بیث نے اس آیت کے الفاظ میں سَوْأۃ کے معنی کئے ہیں کل عمل وأمر شائن یعنی ہر ایک عمل یا امر عیب

اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ۲۱

صرف اس لئے کہ تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ ۱۰۶۲ اور اس نے ان سے قسم کھا کر کہا کہ یقیناً میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں ۱۰۶۳

لگانے والا ہو (ل) اور ابن اثیر نے اس کے ایک معنی کئے ہیں کلّ امرٍ یُستحیٰ منہ ہر ایک امر جس سے حیا آئے قول ہو یا فعل (ن) اور بحر المحیط میں سوأة کے معنی لکھے ہیں مایسوء ھا من المعصیة یعنی نافرمانی جو ان کے دکھ کا موجب ہو۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ شیطان کا آدم کو پھسلانا وسوسہ کے ذریعہ سے تھا جس طرح ہر انسان کو وہ پھسلاتا ہے اور وسوسہ ڈالنے کی غرض بھی یہاں یہ بیان فرمائی ہے کہ انکی سوآت جو ان سے چھپا کر رکھی گئی تھیں یعنی ظاہر نہ ہوئی تھیں وہ ظاہر کر دے۔ آیا فی الحقیقت اس سے مراد کوئی لباس ہے جو ان کو پہنایا گیا تھا اور شیطان کی غرض اس لباس کو اُتار دینا تھا؟ ظاہر ہے کہ اگر یہ کوئی ظاہری لباس ہو تو کسی ممنوع درخت کے پھل کے کھانے سے اس کے رہنے یا اُترنے کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ مفسرین نے بھی اس دقت کو محسوس کیا ہے۔ ابن جریر وہب بن منبہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان پر ایک نور تھا جس کی وجہ سے ان کی سَوآت دیکھی نہ جا سکتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ نور جن سَوآت کو ڈھانک سکتا ہے وہ ظاہری سترگاہیں نہیں بلکہ باطنی عیوب اور قبائح ہیں اور سوأت کے یہ معنی اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اور اس آیت کے معنی کو آیت ۲۷ حل کرتی ہے یٰبنی اٰدم لا یفتننکم الشیطٰن کما اخرج ابویکم من الجنة ینزع عنھما لباسھما لیریھما سوأتھما اے آدم کے فرزندو تمہیں شیطان دُکھ میں نہ ڈالے جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا ان سے ان کا لباس اُتروا دیا تاکہ ان کو ان کی سوآت دکھا دے جہاں مجاہد سے روایت ہے ھو لباس التقوٰی یعنی تقوٰی کا لباس تھا جو اُتار دیا۔ پس سوآت سے مراد بھی عیوب اور قبائح ہی ہو سکتے ہیں۔ اور حدیث میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جہاں مغیرہ بن شعبہ کے متعلق یہ لفظ ہیں ھل غَسَلْتَ سوأتك الا امس جہاں سَوأة میں اشارہ اس بیوفائی کی طرف ہے جو مغیرہ سے ایام جاہلیت میں اپنے ساتھیوں سے وقوع میں آئی (ن) اور روح المعانی میں ایک قول اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے قیل ھو کنایة عن ازالة الحرمة واسقاط الجاہ یعنی اس سے مراد حرمت کا دور کرنا اور مرتبہ سے گرانا ہے۔ پس خود قرآن کریم اور حدیث اور مفسرین کی رائے سے یہ ظاہر ہے کہ سَوأت سے مراد یہاں ان کے عیوب اور کمزوریاں ہیں اور شیطان کی غرض پھسلانے میں یہ تھی کہ وہ پردہ جو انسان کی کمزوریوں پر پڑا رہنا چاہئے دور ہو جائے یعنی اس سے کمزوری کا اظہار ہو۔

۱۰۶۲ شیطان چونکہ جھوٹا تھا اس لئے واقعات کے عین خلاف ان کے دل میں وسوسہ ڈالا یعنی یہ کہ بدی سے تم کو اس لئے روکا گیا ہے کہ تم فرشتے نہ ہو جاؤ یا موت سے بچے رہو۔ گو یا بدی کو اس قدر سجایا اور اس قدر اچھا دکھایا کہ انسان یہ خیال کرنے لگا کہ یہی میری موت سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ پہلا میلان انسان کا بدی کی طرف یہیں سے پیدا ہوتا ہے کہ اسکے ارتکاب میں وہ کوئی لذت دیکھتا ہے یا اسے اپنی زندگی کے سامانوں کا موجب سمجھتا ہے۔ شیطان چونکہ دھوکہ باز ہے اسلئے بدی سے جو حالت پیدا ہوتی ہے عین اس کے اُلٹ ہونے کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ بدی انسان کو ملکوتی صفات سے بہیمی صفات کی طرف لے جاتی ہے اور زندگی سے موت کی طرف اسلئے اس کا اُلٹ کہا کہ اس سے تم ملک بن جاؤ گے اور غیر فانی ہو جاؤ گے۔

۱۰۶۳ قاسم۔ باب مفاعلہ یہ ظاہر کرنے کیلئے اختیار کیا ہے کہ اس نے یقین دلانے کے لئے قسم میں سخت زور لگایا۔

۲۲ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

پس دہوکے سے ان کو گرادیا سو جب انہوں نے درخت کو چکھا اُن کے عیب اُن پر ظاہر ہوگئے اور وہ باغ کے

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ

پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانکنے لگے اور اُن کے رب نے ان کو پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا

۲۳ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا

اور تمہیں (نہیں) کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے ۱۰۶۴ انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

اور اگر تو ہماری حفاظت نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہونگے ۔

دَلْو - اِدلاء تدلی

۱۰۶۴ دلّٰی - دَلْو ڈول کو کہتے ہیں اور اِدْلاء توسّل کو جس کے لئے دیکھو ۲۳۸ اور تَدَلّی بلندی سے پستی کی طرف آنا ہے اور دَلّٰی کے معنی یہاں اِطْماع یعنی طمع دینا بھی کئے گئے ہیں جیسے پیاسے کو پانی کنوئیں کی طرف بھیجتا ہی اور پھر اس میں پانی نہ ملے اور دوسرے معنی اَوْقَعَ یعنی گرا دیا کئے گئے ہیں (ل) ٭

خصف

يَخْصِفٰنِ - خَصَفَ جوتی کے گانٹھنے یا اس کے بعض کو بعض پر چڑھانے پر بولا جاتا ہی اور حدیث میں ہی انہ کان يَخْصِفُ نَعْلَهٗ یعنی آنحضرت صلعم اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے تھے (ل) ٭

ورقة - ورق
اورق

ورق - درخت کے پتوں کو کہتے ہیں وَرَقَةٌ واحد ہی ما تسقط من ورقة (الانعام - ۵۹) اور وَرِق درہم کو کہتے ہیں فابعثوا احدکم بورقکم ھذہ (الکہف ۱۸ - ۱۹) اور اَوْرَقَ فُلَانٌ جسکے لفظی معنی ہیں وہ شخص پتوں والا ہوگیا اس سے مراد ہے - وہ اپنی حاجت نہ پا سکا - گویا کہ وہ بغیر پھل کے پتوں والا ہوگیا - اور بہت مال کو کہتے ہیں (ع) ٭

پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانکنے سے مراد

جب اوپر کی تشریح سے ثابت ہوگیا کہ جو لباس اُترا تھا وہ لباس تقوٰی تھا اور جو سوآت ظاہر ہوئی تھیں وہ اندرونی کمزوریاں تھیں تو باغ کے پتے لگانے کا مفہوم بھی ظاہری نہیں ہو سکتا بلکہ استعارةً مراد اس سے ایسا فعل ہی کہ انسان اپنی کمزوری کا اخفا کرنے لگے اور ورق یا پتوں کا لفظ لاکر بتا دیا کہ یہ وہ انسانی کوشش ہی جو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتی جیسا کہ ورق والا ہو جانے سے مراد ہی حاجت کا نہ پانا گویا پھل اس سے نہیں ملتا صرف پتے ملتے ہیں اور پھل دینے والی وحی الٰہی ہی معصیت کا ارتکاب پہلے پہلے انسان پر پشیمانی لاتا ہی وہی حالت آدم اور ان کی بی بی کی ہوئی - اور جب اپنی کمزوری کا احساس ہوگیا تو اب انسانی کوشش شروع کی ٭

جسمانی افعال میں روحانی امور کی طرف اشارہ

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہی کہ جو بظاہر ایک جسمانی فعل معلوم ہوتا ہی اس کا اشارہ ایک روحانی امر کی طرف ہے معصیت میں مبتلا ہونے سے لباس نہیں اُترا کرتا ہاں احساس پیدا ہوتا ہی کہ انسان سے کمزوری سرزد ہوئی اسی کو زیادہ واضح کرنے کیلئے اگلے رکوع کی پہلی آیت میں لباس کا ذکر کیا ہی - انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشا ولباس التقوٰی ذٰلک خیر - جہاں لباس التقوٰی سے صاف بتا دیا کہ اسی لباس کا ذکر آدم کے متعلق ہی - چنانچہ ینزع عنھما لباسھما میں مجاہد نے کہا ہی ھو لباس التقوٰی یعنی وہ لباس جو اُتار دیا وہ لباس تقوٰی تھا - پس باغ کے پتے لگانے سے مراد بھی

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۲۴

کہا نکل جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور سامان ہے

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ ع يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ ۲۵ ۲۶

کہا اسی میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے ۱۰۶۵ اے بنی آدم بیشک ہم نے تم پر لباس

لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ

اتارا جو تمہارے عیبوں کو ڈھانکتا ہو اور زینت کا موجب ہو اور تقویٰ کا لباس یہی بہتر ہے یہ اللہ کی باتوں میں سے (باتیں)

اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۲۷

ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ۱۰۶۶ اے بنی آدم شیطان تم کو دکھ میں نہ ڈال دے

اپنی انسانی کوشش ہو کیونکہ فطرت انسانی کا یہ خاصہ ہو کہ وہ ایک دفعہ اگر بدی سے مغلوب بھی ہو جاتے تو دوسری دفعہ پھر اُٹھنے کی کوشش کرتی ہو مگر یہ انسانی کوشش کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ حقیقی علاج انزلنا علیکم لباسا میں بتایا ہو یعنی اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ سے وہ علاج کرتا ہو +

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں۔ ایک کھانا ایک لباس کسی چیز کے کھا لینے سے کسی لباس کا اُتر جانا صحیح نہیں ہو سکتا جبتک کہ دونوں سے مراد روحانی امور نہ لئے جائیں یعنی کھانے سے مراد کسی بدی کا ارتکاب تھا لباس کے اُتر جانے سے مراد اپنی کمزوری کا احساس ہو۔ یہی ہم دن رات بنی آدم میں دیکھتے ہیں اس لئے آدم کے لئے کوئی الگ معنی تجویز کرنے انسانی تجربہ کو باطل کرنا ہو +

۱۰۶۵ فیہا تحیون میں بتایا کہ زمینی زندگی تمہارے لئے ضروری ہو یعنی اس سے تمہاری ترقیات پیدا ہوتی ہیں۔ اور زمینی زندگی کا اختتام موت سے ہوتا ہو نہ کسی اور طریق سے اور اس موت کے بعد پھر اُٹھنا ہو جس میں اس زمینی زندگی کے اعمال کا نتیجہ ملتا ہو۔ یہ حصر اسبات پر قطعی شہادت ہو کہ ان انسانوں کی زندگی جو اس زمین پر ہیں اسی زمین پر محدود ہو۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اُٹھایا جانا اس آیت کے خلاف ہو۔ ایسا ہی زمینی زندگی کا انقطاع صرف موت سے ہو سکتا ہو پس جس شخص کی زندگی اس زمین پر ختم ہوگی لازماً وہ موت کا مزہ چکھ کر ہوگی نہ کسی اور طرح +

۱۰۶۶ انزلنا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی نعمتوں اور قفتوں کا انزال یا نازل فرمانا صرف ان کا عطا کرنا ہو اور بعض وقت صرف ان کے حصول کے اسباب پیدا کر دینا اور ان اسباب کی طرف انسان کو ہدایت کر دینا ہی ہوتا ہو (غ) +

لباس۔ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہو جو انسان کے کسی قبیح امر کو ڈھانک لے (غ) اسی لئے بی بی کو خاوند کا اور خاوند کو بی بی کا لباس کہا ہو +

ریش۔ پرند کے پروں یا کلغی کو کہتے ہیں جو بمنزلہ انسان کے لباس کے ہو +

پچھلے رکوع میں یہ بتایا تھا کہ انسان صرف اپنی کوشش سے وساوس شیطانی سے نہیں بچ سکتا۔ اسلئے وحی الٰہی کی ضرورت ہوتی ہو۔ اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے تمام نسل انسانی کو خطاب کرکے بتایا ہو کہ وحی الٰہی کی پیروی سے

کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا ؕ اِنَّہٗ یَرٰىکُمْ

جس طرح تمہارے ماں باپ کو باغ سے نکلوا دیا اُن سے ان کا لباس اتروا دیا تاکہ ان کو انکے عیب دکھا دے ۱۰۶۷ وہ اور

ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا

اس کی فوجیں تم کو ایسی طرح پر دیکھتے ہیں کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے ہم نے شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست بنایا ہے جو

یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْھَآ اٰبَآءَنَا ۲۸

ایمان نہیں لاتے ۱۰۶۸ اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا کرتے پایا

تم شیطان سے بچ سکتے ہو +

لباس اور اسکے اتار دینے سے مراد

لباس کے اُتار دینے سے یہاں کیا مراد ہی ؟ اس میں شک نہیں کہ جس لباس التقوٰی کا یہاں ذکر ہی وہ ایمان اور اعمال صالحہ کا لباس ہی۔ جیسا کہ ابن عباس۔ قتادہ سے مروی ہی تو ایک معنی تو یوں ہونگے کہ وہ ظاہری لباس جو تمہاری پردہ پوشی کرتا ہی۔ پھر صرف پردہ پوشی ہی نہیں بلکہ زینت کا کام بھی دیتا ہی۔ وہ تمہارے جسموں کی حفاظت اور زینت کیلئے بھی۔ آخر خدا نے ہی بہم پہنچایا ہی پس جس خدا نے تمہارے جسموں کیلئے یہ سامان بنایا کیا اس نے انسان کی روحانی کمزوری اس کے اخلاقی عیوب پر پردہ پوشی اور اس کی روحانی زینت کیلئے ہی کوئی سامان نہیں بنایا؟ یوں لباس ظاہری سے لباس باطنی کی طرف توجہ دلائی۔ مگر یوں بھی اس کے معنی ہو سکتے ہیں کہ انزلنا علیکم لباسا سے مراد وحی الٰہی ہی جو انسان کے عیوب کو ڈھانکنے اور اس کی زینت کا موجب ہے کیونکہ اگلی آیت میں صاف طور پر آدم کے لباس کے اُتر جانے کا ذکر کرکے سب انسانوں کو متنبہ کیا ہی کہ جس طرح شیطان نے تمہارے باپ اور ماں کا لباس اُتروا دیا تھا اسی طرح تمہارا لباس نہ اُتاروے۔ دیکھو اگلا نوٹ جس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ یہاں جس لباس کا ذکر ہی وہ لباس روحانی ہی۔ اور اسی لباس کو جو انسان کے عیوب روحانی کے دور کرنے اور اس کی زینت کا موجب ہی لباس التقوٰی کہا ہی۔ اور ہدایت کی ہی کہ ایسے لباس کا پہن لینا یعنی وحی الٰہی پر عملدرآمد کرنا تمہاری بہتری کا موجب ہے، اور انسان کی حقیقی زینت کا موجب بھی لباس روحانی ہے

قبیلۃ

۱۰۶۷ قبیل۔ قبیلۃ کی جمع ہی اور اس جماعت کو کہتے ہیں جو اجتماع کا رنگ رکھتی ہو اور ان کے بعض بعض کی خاطر توجہ کرنے والے ہوں (غ) وجعلنا کم شعوبا وقبائل (الحجرات ۴۹-۱۳) +

آدم اور ابن آدم

یہاں لفظ کما کے استعمال سے صاف بتا دیا کہ جو حملہ شیطان کا آدم پر تھا وہی ابن آدم پر ہوتا ہی جس طرح اس کو دکھ میں ڈالا کہ باغ سے نکال دیا۔ اسی طرح ہر ابن آدم کو دُکھ میں ڈالنے کا وہ موجب ہو سکتا ہی جس طرح شیطانی وسوسے سے ان میں ایک کمزوری نمودار ہو گئی۔ اسی طرح ہر انسان اس کمزوری کا شکار ہو سکتا ہی یہی معنی امام مجاہد نے کئے ہیں یعنی ینزع عنھما لباسھما کی تشریح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں ...... ھو لباس التقوٰی یعنی اس لباس کے اُتروا دینے سے مراد لباس تقوٰی کا اُتروا دینا یا معصیت کرانا ہی۔ مزید تشریح کے لئے دیکھو ۱۰۶۱ و ۱۰۶۴ +

جنوں یا شیاطین کا دیکھنا

۱۰۶۸ اس سے صاف شہادت ملتی ہی کہ آدم نے بھی شیطان کو نہیں دیکھا جس طرح ہم نہیں دیکھتے نہ کوئی انسان جنوں کو دیکھ سکتا ہی کیونکہ شیطان بھی جنوں میں سے ہی ہاں شیاطین الانس کو بیشک دیکھ سکتا ہی! اور جنوں کو دیکھنے وغیرہ کے جو قصے بنے ہوئے ہیں سب بے بنیاد ہیں ہاں کشفی نظر سے وہ دیکھے جا سکتے ہیں اور وہ انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کے سوا اور کوئی دخل

وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۚ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۚ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

اور اللہ نے ہم کو اسکا حکم دیا کہو اللہ کبھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ پہ جھوٹ وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے ۱۰۶۹

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ ۲۹

کہو میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور اپنے آپ کو ہر سجدہ کے وقت میں درست رکھو اور فرمانبرداری کو اسی کے لئے خالص کرتے

لَهُ الدِّيْنَ ۥ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ○ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۳۰

ہوئے اس کو پکارو جس طرح تم کو پہلے بنایا تم لوٹ کر بھی آؤ گے ۱۰۷۱ ایک گروہ کو ہدایت کی اور دوسرا گروہ ان پر گمراہی ثابت ہو گئی

اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○

کیونکہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنایا اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں ۱۰۷۲

لفظ شیطان کا استعمال بطور اسم جنس

ان کے کاروبار میں نہیں دیتے جیسا کہ اکثر قصے بنے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان کے لفظ کا استعمال اسم جنس کے طور پر ہوا ہے۔ کیونکہ شیطان کا ذکر کرتے کرتے یہاں اس کی جماعتوں کا ذکر بھی کر دیا +

۱۰۶۹ عرب کے لوگ اپنے مشرکانہ رسوم و رواج کو جو ان کے باپ دادا سے چلے آتے تھے خدا کے حکم کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اصول کیا عمدہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ جو سرچشمۂ قدوسیت ہے۔ وہ ناپاکی اور بیحیائی کی باتوں کا حکم نہیں دے رکھا پس جس بات کو فطرت انسانی بیحیائی میں داخل کرتی ہے وہ خدا کا حکم نہیں ہو سکتا +

قسط

۱۰۷۰ قسط کے معنی عدل کا حصہ ہیں پس اس میں ہر قسم کی طاعات داخل ہیں کیونکہ جو دوسرے کا حق لیتا ہے یا اسکا حق دیتا نہیں وہ عدل نہیں کرتا۔ افراط و تفریط قسط یعنی عدل کے خلاف ہیں +

مسجد

مَسْجِد۔ سجدہ کا وقت یا سجدہ کا مکان۔ مراد اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے +

جب فواحش سے روکا تو ساتھ ہی بتا یا کہ اللہ تعالیٰ حکم کن باتوں کا دیتا ہے۔ حقوق انسانی کی ادائگی تو قسط میں آگئی۔ اصول عدل کو ملحوظ رکھو۔ اور دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف توجہ دلائی +

کما بدأکم تعودون میں توجہ دلائی کہ تمہاری تیاری ایک اور زندگی کے لئے ہونی چاہئے جس خدا نے پہلے بنایا وہی تم کو تمہارے اعمال کی جزا و سزا کیلئے پھر بنائیگا +

گمراہی کا فتویٰ

۱۰۷۱ فریقاً حق علیہم الضلالۃ یہاں انہی لوگوں کے وصف میں ہے جن کے متعلق دوسری جگہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا اضلال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اسلئے گمراہ ٹھہراتا ہے کہ گمراہی کا فتویٰ ان پر صادق آتا ہے۔ یا گمراہی ان پر ثابت ہوتی ہے۔ اور گمراہی کن لوگوں پر ثابت ہوتی ہے جو شیطانوں کو دوست بنا کر ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں جس نے بدی کو نیکی سمجھ لیا اس کا بدی سے نجات پانا محال تک پہنچ جاتا ہے +

٣١ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

اے بنی آدم ہر ایک سجدہ کے وقت اپنی زینت کو اختیار کیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور زیادتی نہ کرو کیونکہ وہ زیادتی کرنے والوں

٣٢ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ

ع ٨ ١١ — وحی الٰہی کو رد کرنے والوں کا انجام

سے محبت نہیں کرتا ١٠٧٢ کہو کس نے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کیلئے نکالی ہے اور کھانے کی ستھری چیزوں کو حرام کیا ہے

قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

کہو وہ دنیا کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان لائے قیامت کے دن خالص (انکے لیے) اسی طرح ہم باتوں کو ان لوگوں

٣٣ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

کیلئے کھول کر بیان کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں ١٠٧٣ کہو میرے رب نے صرف بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو چھپی ہوں

عرب کا عبادت کے وقت کپڑے اتار دینا

١٠٧٢ سجدہ یا فرمانبرداری کے وقت میں زینت لینے سے مراد اکثر مفسرین نے کپڑوں کا پہننا لیا ہے اس لئے کہ عرب کے لوگ حج کے وقت یا دعا کے وقت کپڑے اتار دیا کرتے تھے یہاں تک کہ عورتیں بھی برہنہ ہو جایا کرتی تھیں اس خیال سے کہ جن کپڑوں میں گناہ کیا ہے ان کپڑوں میں عبادت نہیں کرنی چاہئے +

نماز کے وقت زینت سے مراد

لیکن ہو سکتا ہے کہ زینت سے مراد روحانی زینت ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو۔ تو ان سب سامانوں کو بھی ساتھ رکھو جو انسان کی حقیقی زینت کا موجب ہیں گویا اخلاق حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرو۔ چنانچہ اس رکوع کی سب سے پہلی آیت میں جب لباس کو پردہ پوشی اور زینت کا سامان قرار دیا تو ساتھ ہی فرمایا کہ اس سے بہتر ایک لباس اور بھی ہے اور وہ لباس تقویٰ ہے یعنی نیکی سے آراستہ ہونا پس اگر زینت سے لباس کا پہننا یا اچھے لباس میں ملبوس ہونا مراد ہے تو ساتھ ہی یہ بھی مراد ہے کہ حقیقی زینت روحانیت ہے اسکو بھی ساتھ رکھو اور اپنے آپکو تقویٰ سے آراستہ کرکے مسجدوں میں جاؤ۔ اور جس طرح اخلاق حسنہ کی طرف توجہ دلائی۔ ساتھ ہی کھانے پینے کے متعلق بھی ہدایت فرمائی جس کے چار

کھانے پینے میں اعتدال کی تعلیم

پانچ لفظوں میں نصف طب آجاتی ہے۔ کھاؤ اور پیو اور زیادتی نہ کرو یعنی کھانے پینے تک میں افراط و تفریط سے بچو۔ اس میں ہر قسم کی افراط و تفریط آجاتی ہے۔ مثلاً خاص قسم کی چیزیں کھانا یا خاص قسم کی چیزیں ترک کر دینا سب اسراف میں داخل ہے۔ گوشت کھاتا ہے تو سبزی نہیں کھاتا۔ یا سبزی کھاتا ہے تو گوشت نہیں کھاتا۔ ایسا ہی جس مقدار غذا کی انسان کیلئے ضرورت ہے اس میں ضرورت سے زیادہ کھا لینا یا جس قدر ضرورت ہو اس سے کم کھانا یہ سب افراط و تفریط میں داخل ہیں۔ اور کھانے پینے میں اصول اعتدال نہ صرف صحت جسمانی کو قائم رکھنے والی چیز ہے۔ بلکہ اس سے انسان کی ساری خواہشات سفلی حالت اعتدال پہ آجاتی ہیں اور شیطان جو ان خواہشات سفلی کا محرک ہے وہ اس کا فرمانبردار ہو جاتا ہے +

اچھی چیزوں کا استعمال خلاف شریعت نہیں

١٠٧٣ اچھی چیزوں کو روحانی ہوں یا جسمانی اللہ تعالیٰ نے منع نہیں کیا۔ نہ اچھے کھانوں کو۔ نعمائے دنیا بھی اگر مومن کو میسر ہوں تو ان سے فائدہ اٹھائے۔ آنحضرت صلعم حالانکہ نہایت درجہ کی سادگی سے گزارہ کرتے تھے۔ نہایت ہی سادہ غذا نہایت ہی سادہ لباس نہایت ہی سادہ مکان لیکن اگر کھانے کیلئے کوئی اچھی چیز آجائے تو اسے رد نہ کرتے تھے پہننے کیلئے اچھا کپڑا ملجائے تو اسے پھینک نہ دیتے تھے۔ مسلمانوں میں افراط و تفریط ہے ایک گروہ تو دنیا کی آسایش کی تلاش

وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا

اور گناہ کو اور ناحق بغاوت کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسکو شریک کرو جس کے لئے اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ اللہ

عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً ۳۴

پر جھوٹ وہ کہو جو تم نہیں جانتے ۱۰۷۴ اور ہر ایک قوم کے لئے ایک میعاد ہے پھر جب ان کی میعاد آ پہنچتی ہے تو ایک گھڑی پیچھے نہیں ہٹ سکتے

وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ ۙ ۳۵

اور نہ پہلے جا سکتے ہیں ۱۰۷۵ اے بنی آدم اگر کبھی تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں میری آیات تم پر پڑھتے ہوں

فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

تو جو کوئی تقویٰ کرے اور اصلاح کرے ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ پچھتائیں گے ۱۰۷۶

میں اتنا منہمک ہوا ہے کہ اس سے اوپر نظر نہیں اٹھتی اور ایک گروہ وہ بھی ہے جو صاف کپڑا رکھنا صاف جسم رکھنا۔ یا اچھا کھانا کھانا حرام سمجھتا ہے قیامت کے دن نعماء خاص طور پر مومنوں کا ہی حصہ ہیں یعنی کافر اس دن نعماء سے متمتع نہ کئے جائینگے۔ یا خالصۃ سے یہ مراد ہے کہ اس دنیا میں نعماء کے ساتھ رنج اور حزن کی باتیں بھی ملی ہوتی ہیں۔ نعمائے قیامت ان سے پاک ہونگی۔ تعلق اس آیت کا اصل مضمون سے یہ ہے کہ وحی الٰہی اچھی چیزوں کو حرام نہیں کرتی بلکہ اچھی چیزوں کی طرف ہدایت کرتی ہے +

فواحش۔ اثم۔ بغی

۱۰۷۴ اس میں بتایا کہ وحی الٰہی صرف ان چیزوں سے روکتی ہے جو یا خود بری ہیں یا ان کا انجام برا ہے۔ اول فواحش یعنی بیحیائی کی باتوں کا ذکر کیا خواہ وہ علانیہ کی جائیں یا چھپکر۔ مثلاً زنا اور اس کے مبادی سب فواحش میں داخل ہیں علے الاعلان ہوں یا چھپکر خواہ کوئی دیکھتا ہو یا نہ دیکھتا ہو۔ پھر اثم کا یعنی جسے انسان کی ضمیر بتا دیتی ہے کہ وہ برا کام ہے یا جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے اور پھر بغی کا یعنی دوسرے لوگوں پر زیادتی۔ اثم کا اثر لازماً دوسرے پر نہیں۔ بغی صرف دوسروں پر زیادتی ہے +

۱۰۷۵ لا یستاخرون کے معنی پیچھے رہنے کا ارادہ نہ کریں گے اور لا یستقدمون آگے جانے کا ارادہ نہ کرینگے (غ) یعنی وقت مقررسے پہلے بھی وہ عذاب نہیں آ سکتا اور جب آ جائے تو ٹل بھی نہیں سکتا +

رسولوں کے بھیجے کا عام قانون اور ختم نبوت

۱۰۷۶ یہاں اور اس سے پیشتر چند باتیں عام طور پر ساری نسل انسانی کو مخاطب کرکے کہی ہیں۔ یٰبنی اٰدم قد انزلنا علیکم لباسا۔ یٰبنی اٰدم لا یفتننکم الشیطان۔ یٰبنی اٰدم خذوا زینتکم۔ اور یہاں یٰبنی اٰدم اما یاتینکم رسل جس کا مطلب یہ ہے کہ لباس سارے بنی آدم کیلئے ہے۔ شیطان کے فتنہ سے سب بنی آدم کو متنبہ کیا ہے۔ سب بنی آدم کو خدا کی عبادت کرتے وقت زینت اختیار کرنے کو کہا۔ اور بالآخر سب بنی آدم کو بتایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی اپنا رسول بھیجے تو اس کو قبول کرنا چاہئے کیونکہ رسولوں کو قبول کرنے سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے اور ان کا رد کرنا موجب خسران ہے۔ بعض ختم نبوت کے منکر اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ اس کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی رسول آتے رہنے چاہئیں اس آیت سے رسولوں کے آنحضرت صلعم کے بعد آنے کا نتیجہ اول بہاء اللہ نے اور بعد میں ان کی نقل کرکے میاں محمود احمد

۳۶ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں اور ان سے تکبر کریں وہ آگ والے ہیں اسی میں رہیں گے ۱۰۷۷

۳۷ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ

پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے ان لوگوں کو ان کا

نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ لا

حصہ کتاب سے ملتا رہیگا یہاں تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے اُنکے پاس آئیں گے کہ ان کو وفات دیں

قادیانی کے مریدوں نے نکالا ہے حالانکہ اس آیت کو نہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے خود اور نہ ان کی زندگی میں ان کے مریدوں نے کبھی پیش کیا۔ ایک شرطیہ جملہ سے یہ نتیجہ نکالنا کمال نادانی ہے۔ مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ اگر بنی آدم کے پاس خدا کا رسول آئے تو اس کو قبول کرنے میں ان کی بہتری ہے۔ سو وہ رسول محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کی ذات بابرکات کے متعلق یہ اعلان ہے کہ اگر اس کو قبول کروگے تو تمہاری بہتری کا موجب ہے اگر رد کروگے تو تمہارے نقصان کا موجب ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ رسل کا لفظ جمع کیوں استعمال کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلئے کہ خطاب کل بنی آدم کو ہے اور بنی آدم کی طرف رسول بھیجنے کا عام ذکر ہے۔ تو بلاشبہ آنحضرت صلعم سے پہلے بنی آدم کے پاس رسول آتے رہے اور سب کے آخر حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کو بھیجا گیا کہ دنیا کی کل قوموں کو ایک سلسلہ اخوت میں منسلک کریں اور اس بات کی شہادت کہ آپکے بعد رسول نہ آئینگے دوسری جگہ سے ملتی ہے جہاں فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ رسول تو دین سکھانے کے لئے آتے تھے جب اللہ تعالے نے دین کو کامل کرکے پہنچا دیا تو پھر رسولوں کے آنے کی ضرورت بھی باقی نہ رہی جب کمال شریعت اور شریعت کے آنے کیلئے مانع ہوگیا تو کمالِ نبوت بھی اور نبی کے آنے کے لئے مانع ہوگیا۔ جو ضرورت تھی وہ پوری ہوگئی۔ آفتاب رسالت شمس نصف النہار کی طرح چمک رہا ہے اس لئے اب کسی رسول کی ضرورت دنیا کو نہیں۔ اور وہ لوگ جو رسول کے آنے کا جواز نکالتے ہیں مگر شریعت کا آنا نہیں مانتے ان کے لئے خود یہاں لفظ موجود ہیں یقصون علیکم اٰیتی یعنی رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام بھی لائینگے۔ وہی پیغام شریعت ہے اور اگر کہا جائے کہ یہ کسی پہلے رسول کی آیات ہیں تو پھر تکذیب تو ان آیات کی ہے۔ دیکھو اگلا نوٹ ایسے رسول کی تکذیب کوئی شے نہ ہوئی +

رسول کے ساتھ پیغام کا آنا ضروری ہے

۱۰۷۷ اس آیت سے صاف شہادت ملتی ہے کہ رسولوں کے آنے سے مراد ایسے رسولوں کا آنا ہے جن کے ساتھ اللہ تعالے کا کوئی پیغام بھی ہوتا ہے چنانچہ جس طرح پہلے فرمایا تھا اما یاتینکم منی ھدی (البقرۃ ۲-۳۸) اور اسکے متعلق دو گروہوں کا ذکر کیا ایک فمن تبع ھدای اس ہدایت کی پیروی کرنے والے۔ اور دوسرے والذین کفروا وکذبوا باٰیٰتنا یعنی اس ہدایت اس پیغام کا انکار کرنے والے اسی طرح یہاں دو گروہ ہیں ایک اصلاح کرنیوالے دوسرے آیات یعنی پیغام الٰہی کی تکذیب کرنے والے پس دونوں آیتوں کا مطلب ایک ہے اور دونوں گروہوں کی جزا کا ذکر یکساں الفاظ میں ہے۔ دونوں میں سزا تکذیب پیغام کی ہے۔ اور رسولوں کے ختم ہو جانے پر واقعات عالم بھی گواہ ہیں جس قسم کے لوگ پہلے آیا کرتے تھے اور ایک عالم کو اپنے پیچھے لگا لیتے تھے اب تیرہ سو سال سے اس قسم کا کوئی انسان دنیا میں ظاہر نہیں ہوا

قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى

کہیں گے وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوائے پکارتے تھے کہیں گے وہ ہم سے جاتے رہے اور اپنی جانوں پر

اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ ۳۸

گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے ۱۰۷۸ کہے گا اُن قوموں میں جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں

مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا

سے گزر چکیں آگ کے اندر داخل ہو جاؤ جب کبھی کوئی جماعت داخل ہوگی اپنی ساتھی (قوم) پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ

ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ

سب اس کے اندر ایک دوسرے کو پالیں گے اُن کے پچھلے انکے پہلوں کو کہیں گے اے ہمارے رب انہوں نے ہمیں گمراہ کیا سو ان کو

عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ ۳۹

دوچند عذاب آگ کا دے کہے گا ہر ایک کے لئے دوچند ہی لیکن تم نہیں جانتے ۱۰۷۹ اور اُن کے

اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ

پہلے اُن کے پچھلوں کو کہیں گے تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں سو اس کے عوض جو تم کماتے تھے عذاب چکھو

۱۰۷۸ نصیبہم من الکتاب ۔ کتاب بمعنی مکتوب بھی ہو سکتا ہے یعنی جو حصہ ان کے لئے لکھا گیا ہے۔ مگر الکتاب سے مراد یہی قرآن بھی ہو سکتا ہے یعنی وہ قرآن کو رد کرکے اس حظ سے بہرہ ور ہونگے جو رد کرنیوالوں کیلئے قرآن نے قرار دیا ہے۔

شہدوا علیٰ انفسہم اپنے نفسوں پر شہادت دینے سے مراد یہ ہے کہ الزام قبول کریں گے اور اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے یا یہ کہ ان کی حالت خود بنا دے گی کہ وہ کافر تھے اور جو طاقتیں انسان کی ترقی کے لئے انسان کے اندر ودیعت کی گئی تھیں ان کو انہوں نے دبا دیا ۔

اخ ۔ اخت — **۱۰۷۹** اختہا ۔ اخ اور اخت کا لفظ ہر قسم کی مشارکت پر بول دیا جاتا ہے۔ خواہ ولادت کے لحاظ سے ہو یا رضاعت کے لحاظ سے یا دین یا صنعت یا معاملہ یا دوستی کے لحاظ سے ۔ کفر میں شریک بھی سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور اسلام میں شریک بھی سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں ۔ یہاں اختہا بلحاظ سیاق انکے اولیاء ہیں (غ) یا یہ کہ تابع متبوع پر لعنت کریں گے اور متبوع تابع پر ۔

اولیٰ ۔ اخریٰ — اخراہم ۔ اولٰہم سے پچھلے اور پہلے بلحاظ مرتبہ مراد ہیں یعنی تابع اور متبوع ۔ یا ضعفا اور کبرا ۔

دوچند عذاب سے مراد — لکل ضعف یعنی اگر متبوع زیادہ عذاب کے مستحق ہیں اسلئے کہ انہوں نے دوسروں کو گمراہ کیا ۔ تو تابع بھی زیادہ کے مستحق ہیں اسلئے کہ انہوں نے آنکھیں بند کرکے تقلید کی ۔ دوسری توجیہ دوچند عذاب کی یہ ہے کہ ظاہر و باطن کا عذاب مراد ہے یوں ہر ایک کیلئے اس کا دوچند ہے جو نظر آتا ہے ۔ گو دوسرا نہ جانتا ہو ۔ امام راغب نے یہی معنی لئے ہیں ۔

ع ۵ ۸ ۱۴

وحی کو قبول کرنیوالے

۴۰ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ

جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اُن سے سرکشی اختیار کرتے ہیں اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور وہ جنت میں

۴۱ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَهُمْ

داخل نہ ہونگے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گذر جائے اور اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں ۱۰۸۰ع اُن کے لئے

مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

جہنم کا بچھونا ہوگا اور اُن کے اوپر (اسی کے) اوڑھنے اور اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں ۱۰۸۱ع

۴۲ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ

اور جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں ہم کسی شخص پر کچھ لازم نہیں کرتے مگر اسکی وسعت کے مطابق

آسمان کے دروازے نہ کھولنے سے مراد

ع۱۰۸۰ لا تفتح لهم ابواب السماء - مراد یہ ہے کہ ان کے اعمال اوپر نہیں جاتے یا ان کی ارواح کا رفع نہیں ہوتا صالح عمل کو اللہ تعالیٰ رفع دیتا ہے والعمل الصالح یرفعه (فاطر ۳۵ - ۱۰) ایسا ہی مومنوں کو بھی اللہ تعالیٰ رفع دیتا ہے - چنانچہ اللہ تعالےٰ کا اسم الرافع ہے اس لئے خواہ یہاں کفار کے اعمال مراد لئے جائیں - یا ان کی ارواح مطلب ایک ہی ہے ان کو رفع عطا نہیں ہوتا - اسی لحاظ سے فرمایا کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے +

جمال - جمل

جمل - جمال حسن کو کہتے ہیں اور جَمَل اونٹ کو اس لئے کہ وہ اونٹ کو اپنے لئے خوبصورتی کا موجب سمجھتے تھے

جمالة

اس کی جمع جِمَالَة قرآن شریف میں آئی ہے کانه جمالة صفر (المرسلٰت - ۳۳) اور جمال بھی آئی ہے +

سمّ

سم - تنگ سوراخ کو کہتے ہیں جیسے سوئی کا ناکہ یا ناک یا کان میں جو چھید کیا جاتا ہے اور سَمّ زہر کو کہتے ہیں اسلئے

سموم

کہ وہ اپنے لطفِ تاثیر سے بدن کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور سموم تیز گرم ہوا کو کہتے ہیں جو زہر کا سا اثر رکھتی ہے - فی سموم وحمیم (الواقعة ۵۶ - ۴۲) والجان خلقناه من قبل من نار السموم (الحجر ۱۵ - ۲۷) (غ) +

یلج الجمل فی سم الخیاط جمل یا اونٹ کو عرب بڑائی میں بطور مثال بیان کرتے ہیں اور سوئی کے ناکے کو تنگی مسلک میں - یہاں یہ بتایا کہ ان کے اعمال نے ان کیلئے جنت میں داخل ہونا ایسا ہی مشکل کر دیا ہے جیسا اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا مشکل ہے - ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو وہاں پہنچا دے یا سزا دینے کے بعد تو یہ اور معاملہ ہے

اصل غرض بمقابلہ رد کرنے والوں کے وحی کو قبول کرنے والوں کا ذکر ہے اس مقابلہ کے اظہار کیلئے پہلی دو آیتوں میں پچھلے رکوع کے مضمون کو جاری رکھا ہے +

غاشیة

ع۱۰۸۱ غواش - غاشیة کی جمع ہے ڈھانکنے والی چیز - اور ایسی مصیبت کو بھی کہا جاتا ہے جو ڈھانک لے تاتیهم غاشية (یوسف ۱۲ - ۱۰۷) اور قیامت کو بھی هل اتاك حديث الغاشية (الغاشية - ۱) +

جہنم کے اوڑھنا اور بچھونا ہونے سے مراد یہ ہے کہ چاروں طرف سے عذاب ان پر محیط ہوگا +

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ ۴۳

یہی جنت والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے ہمیشہ ۱۰۸۲ اور جو کچھ ان کے سینوں میں رنج ہونگے ہم نکال دینگے

تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ

اُن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور وہ کہیں گے سب تعریف اللہ کو لئی ہے جس نے ہمکو اسکے لئے ہدایت دی اور ہم تو ہدایت پا سکتے

لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ

اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا یقیناً ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے اور اُن کو ندا دی جائیگی کہ اس جنت کا تم کو

ثلثة

أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَن ۴۴

اس کے بدلہ میں وارث کیا گیا جو تم کرتے تھے ۱۰۸۳ اور جنت والے آگ والوں کو پکاریں گے کہ بیشک

قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا

ہم نے جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا سچ پایا تو کیا تم نے بھی جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا سچ پایا کہیں گے

نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ○

ہاں۔ تب ایک پکارنے والا ان کے درمیان پکاریگا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو

غِل

ع ۱۰۸۲ غِلّ۔ کے معنی عداوت ہیں (غ)، یا کینہ رنج حسد +

نعمائے دنیا کے ساتھ یہ بھی لگا ہوا ہو کہ سینوں میں کسی قدر غل وغش رہتا ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ کینہ یا حسد ہوتا ہے۔ جنت کی نعماء کے ساتھ یہ باتیں نہ ہونگی۔ درجات میں اگر ایک دوسرے سے بلند بھی ہونگے تو بھی دلوں میں کوئی حسد نہ ہوگا۔ وہ نعماء ہر قسم کی ردی آمیزش سے پاک ہوں گی۔ اور یا یہ مراد ہے کہ مومنوں میں بھی بعض وقت غلط فہمیوں سے ایک دوسرے سے رنج ہو جاتا ہے۔ قیامت میں وہ نہ ہوگا +

وراثة

ع ۱۰۸۳ اورثتموھا۔ وراثۃ اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مال کسی غیر سے بلا کسی عہد کے یا بلا ایسی چیز کے جو عہد کے قایم مقام ہو پہنچے۔ پھر اس کا استعمال ایسے مال پر ہوتا ہے جو میت سے پہنچتا ہے اور ایسے حصول مال پر بھی ہوتا ہے جو بلا مشقت ملے اور ایسا ہی جب کسی کو کوئی نعمت عطا کی جائے جو اس کے لئے خوشگوار ہو (غ)۔ یہاں جنت کو مومن کے لئے ورثہ بتانے میں یہ اشارہ ہو کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہو۔ اعمال کا بدلہ تھا ساتھ فرمایا مگر سچ یہی ہو کہ اعمال صالحہ جو انسان کرتا ہو تو وہ اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ ان پر نعماء کا عطا کرنا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہو +

۴۵ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۘ — وقف لازم

وہ جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور آخرت کے بھی منکر تھے ۱۰۸۴

۴۶ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا ۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ

اور ان کے درمیان پردہ ہوگا ۱۰۸۵ اور اعراف پر کچھ مرد ہونگے جو سب کو ان کے نشانوں سے پہچانتے ہونگے ۱۰۸۶

عوج

۱۰۸۴ عوج - عَوَج وہ ٹیڑھا پن ہے جو آنکھ سے نظر آ جائے اور عِوَج وہ جو بصیرت سے معلوم ہو۔ یبغونہا عوجا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین کو استقامت دی ہے تو یہ اس حالت سے اس کو بدلنا چاہتے ہیں ⁂

دوسری زندگی کے حواس اور کیفیات

۱۰۸۵ یعنی اہل جنت اور اہل نار کے درمیان پردہ حائل ہوگا۔ پس وہاں کے حواس الگ ہی ہیں اور وہاں کی کیفیات بھی الگ ہیں۔ دونوں کے درمیان پردہ بھی حائل ہے باایں ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھتے بھی ہیں۔ یہاں کے مکان کی کیفیات وہاں کے مکان کی کیفیات نہیں ⁂ نیز دیکھو ۱۸۳۸

عرف - اعراف

۱۰۸۶ الاَعْراف - عُرْف کی جمع ہے اور وہ ہر ایک بلند مرتفع مکان کو کہتے ہیں اور زجاج کا قول ہے کہ اعراف وہ بلند مکان ہیں جو دیوار کے اوپر ہوں۔ اور ایسا ہی جو بلند زمین ہو وہ بھی عُرْف کہلاتی ہے۔ اور ہواؤں اور بادلوں کے اَعْراف وہ ہیں جو پہلے آئیں اور جو بلند ہوں (ل) ⁂

سیما

سیما - سام سے ہے اور اس کے معنی علامت ہیں ⁂

اصحاب اعراف سے مراد

اصحاب اعراف کون لوگ ہیں - اکثر مفسرین کا یہ خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہیں اور وہ اعراف کو حجاب قرار دیتے ہیں جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہے۔ مگر لفظ کے لغوی معنی کی رو سے یہ تاویل درست معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اعراف بلند مقاموں کا نام ہے۔ دوسرے ان کے مرتبہ کی بلندی اس سے ظاہر ہے کہ وہ سب کو پہچانتے ہیں یعنی اہل دوزخ کو اور اہل جنت کو نشانوں سے پہچانتے ہیں یہ ان کی معرفت بلند کا نتیجہ ہے۔ تیسرے ان کو رجال کہا ہے اگر وہ گروہ مراد ہوتا جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہیں تو رجال کی خصوصیت کے کوئی معنی نہیں کیونکہ ایسی عورتیں بھی ہونگی اور مرد بھی ہونگے۔ رجال کی خصوصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسل اور انبیاء کا گروہ ہے کیونکہ رسالت مردوں سے مخصوص رہی ہے۔ اور لسان العرب میں ایک قول اصحاب الاعراف کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ وہ انبیاء ہیں۔ اور گو ایک گروہ مفسرین کا اس طرف بھی گیا ہے کہ اس سے مراد ملائکہ ہیں مگر اس میں بھی رجال کے لفظ کی خصوصیت باقی نہیں رہتی پس حق یہی ہے کہ یہ انبیاء کا گروہ ہے جو اپنی اُمتوں کو پہچانتے ہیں کہ کون جنت میں جانے والے اور کون دوزخ میں اس کی تائید قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے بھی ہوتی ہے کیونکہ انبیاء کو ایک خصوصیت دی گئی ہے کہ انہیں اپنی اپنی اُمتوں پر شہید کہا گیا ہے فکیف اذا جئنا من کل اُمۃ بشہید (النساء - ۴۱) اور یہ ایک الگ ہی گروہ قرار دیا گیا ہے۔ ہاں اُمت محمدیہ کو یہ فضیلت دی گئی ہے کہ اس کے کامل الایمان لوگوں کو بھی اس گروہ میں داخل کیا ہے جیسے فرمایا لتکونوا شہداء علی الناس (البقرۃ ۲ - ۱۴۳) اور اسی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ قرآن کریم نے دوسری جگہ تین گروہ ہی بنائے ہیں ایک سابقون یا مقربوں کا گروہ۔ ایک اصحاب الیمین یا اہل جنت کا گروہ ایک اصحاب الشمال یا اہل دوزخ کا گروہ دیکھو سورۃ الواقعۃ اسلئے یہاں اہل جنت اور اہل نار کے علاوہ جس تیسرے گروہ کا ذکر ہو سکتا ہے وہ یہی سابقین اور مقربین کا گروہ ہے۔ اور لسان العرب میں ہے کہ ابن

وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝ وَاِذَا ٤٧

اور وہ جنت والوں کو پکاریں گے کہ تم پر سلامتی ہو وہ ابھی اس میں داخل نہیں ہوئے اور وہ امید رکھتے ہونگے ١٠٨٧ اور جب

صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ان کی آنکھیں آگ والوں کی طرف پھریں گی کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ظالم قوم کے ساتھ نہ کیجیو ١٠٨٨

ع ٦ ١٣

رد کرنے والوں اور قبول کرنے والوں کا مقابلہ

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ ٤٨

اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے جن کو وہ انکے نشانوں سے پہچانتے ہونگے کہیں گے تم کو تمہاری جمعیت نے کچھ فائدہ نہ دیا

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ٤٩

اور (نہ) اس نے جو تم تکبر کرتے تھے ١٠٨٩ کیا یہ وہی ہیں جو تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر رحمت نہیں کرے گا

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝

جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم پچھتاؤ گے ١٠٩٠

عباس سے دریافت کیا گیا کہ اس قول کے کیا معنی ہیں اهل القراٰن عُرُفاء اهل الجنة تو آپ نے فرمایا رؤساء اهل الجنة یعنی عرفا سے مراد سرداران اہل جنت ہیں +

١٠٨٧ یعنی اہل جنت ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہاں اُمیدوار ہیں لیکن یہ مقربین کا گروہ چونکہ بلند مقام پر ہے اس لئے اہل جنت کو پہچانتا ہے +

١٠٨٨ یہ اسلئے کہینگے کہ ابھی وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے صرفت ابصارھم میں انہی اہل جنت کا ذکر ہے +

١٠٨٩ جمعکم سے مراد جمعیت بھی ہو سکتی ہے اور مال و دولت کا جمع کرنا بھی یہ الفاظ کہ اعراف والے دوزخ والوں میں سے خاص لوگوں کو پکارینگے اور ان کو انکی جمعیت اور ان کا تکبر یاد دلائینگے اسی نتیجہ کے موید ہیں جس پر ہم اوپر پہنچے ہیں کہ اصحاب اعراف سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور وہ رجال جنکو وہ پکارینگے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنے مال اور جتھے کو حق کی مخالفت پر لگایا۔ ان لوگوں کو جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں حق کے ان مخالفین سے کیا تعلق اور ان کے انہیں پہچاننے کا کیا مطلب؟ ہاں انبیاء ان کو پہچانتے ہونگے اس لئے کہ ان کی مخالفت ان لوگوں نے کی اور اگلی آیت میں اپنے متبعین کا ذکر کرتے ہیں +

١٠٩٠ یہ اہل جنت کی طرف اشارہ کرکے کہا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ لوگ جو اب جنت میں جا رہے ہیں ان کے متعلق تم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نہیں کریگا کیونکہ مخالفین حق مومنوں کو ذلیل سمجھا کرتے تھے چنانچہ ان کے اس قسم کے اقوال دوسری جگہ موجود ہیں اهؤلاء الذین من الله علیهم من بیننا (الانعام ٦-٥٣) کیا یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا ہے یعنی استہزا کے طور پر انکو کہتے تھے کیونکہ وہ غریب تھے آیت کے پچھلے حصہ میں خطاب اہل جنت کو کرتے ہیں جو ان انبیاء کے پیرو ہیں +

۵۰ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ

اور آگ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہم پر کچھ پانی بہاؤ یا اس سے (دو) جو اللہ نے تم کو رزق دیا ہے

۵۱ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّ

کہیں گے اللہ نے ان کو کافروں پر حرام کیا ہے ۱۰۹۱ جنہوں نے اپنے دین کو بے حقیقت مشغلہ اور کھیل بنایا اور

غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا

ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ دیا سو آج ہم ان کو چھوڑ دیں گے جس طرح وہ اپنے اس دن کی ملاقات کو بھول گئے اور اس لئے

۵۲ بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً

کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ۱۰۹۲ اور یقیناً ہم نے ان کو کتاب دی جسے ہم نے علم کے ساتھ کھول کر بیان کیا ہے ہدایت اور رحمت

۵۳ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں کیا وہ اس کے دبائے ہوئے انجام ہی کا انتظار کرتے ہیں جس دن اس کا دبایا ہوا انجام آئیگا وہ لوگ جنہوں نے

نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ

اسے پہلے بھلا رکھا تھا کہیں گے بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے پس کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں

فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

جو ہمارے لئے سفارش کریں یا ہم لوٹائے جائیں تو (اور) عمل کریں اس کے خلاف جو ہم عمل کرتے تھے انہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ع

اور وہ جو افترا کرتے تھے اُن سے جاتا رہا ۱۰۹۳

اہل نار کی رزق۔ محرومی کی وجہ

۱۰۹۱ جو لوگ اس دنیا میں کھانے پینے کے ہی خیال میں منہمک رہے وہاں بھی یہی خیال سر میں رہیگا اور انکو جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ رزق اب مانگنے سے نہیں مل سکتا۔ انکے قویٰ ہی اس قابل نہیں کہ وہ روحانی ثمرات حاصل کریں جن کا موقعہ انہوں نے خود گنوا دیا۔ وجہ اگلی آیت میں بتائی ہے +

۱۰۹۲ یعنی دنیا میں ان کو موقع دیا گیا تھا جسکو انہوں نے ضائع کر دیا۔ دین کو ایک کھیل سمجھا اور حیوانی خواہشات پر ہی گرے رہے۔ اسلئے ان کے روحانی قویٰ مر گئے اور وہ اس رزق کے اہل ہی نہیں رہے گویا اہل جنت بخل نہیں کرتے بلکہ انہیں بتاتے ہیں کہ وہ رزق تو خاص قویٰ کے حصول سے مل سکتا ہے مگر تم نے خود دنیا میں ان قویٰ کو بیکار کر دیا۔ نسیان کے معنی کیلئے دیکھو ۹۲

۱۰۹۳ تاویل کے معنی کیلئے دیکھو ۳۷۶ یہاں مراد اس کا بیان کردہ انجام ہے یعنی وہ وعید جو انکو دیئے گئے مطلب

ع ۵ ۱۴
ق کی تدریجی ترقی اور
امیابی کی خوشخبری

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۵۴

بیشک تمہارا رب اللہ ہی جس نے آسمان اور زمین چھ وقتوں میں پیدا کئے ۱۰۹۴

یہ ہے کہ اصلاح کا وقت تو یہی ہے کہ وعید کے آنے سے پہلے پہلے کرے جب بدی کا انجام بد ظاہر ہو گیا تو پھر وہ ٹل کس طرح سکتا ہے +

۱۰۹۴ یوم کے معنی ۳ میں بیان ہو چکے ہیں۔ ایک لمحہ سے لے کر پچاس ہزار سال کو بھی یوم کہا جا سکتا ہے ظاہر ہے کہ وہ یوم جس کو ہم دن کہتے ہیں جو آفتاب کے طلوع اور غروب سے تعلق رکھتا ہے وہ آسمانوں اور زمین کی پیدایش کے بعد ظہور میں آیا۔ پس آسمانوں اور زمین کی پیدایش کے ذکر میں کبھی بھی مراد چوبیس گھنٹے کا دن رات نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے عام معنی وقت ہی مراد ہیں جو تمام حد بندیوں سے آزاد ہے +

اس رکوع میں یہ بتایا ہے کہ وہ حق جو وحی لائی ہے۔ ضرور کامیاب ہوگا۔ مگر اس کی ترقی جیسا کہ قدرت کے تمام نظارہ میں ہے تدریجی ہوگی۔ اور اس لئے ابتدا یوں کی کہ آسمانوں کو اور زمین کو بھی اللہ تعالےٰ نے چھ وقتوں میں پیدا کیا یعنی ان کی پیدایش کی جو آخری حالت ہے چھ زمانوں میں چھ حالتوں سے گزار کر ان کو اس حالت تک پہنچایا۔ ان معنوں کی صحت پر یہ امر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون کے پہلے رکوع میں انسان کی پیدایش کے بھی چھ ہی مراتب بیان کئے ہیں۔ نطفہ۔ علقہ۔ مضغہ۔ مضغہ میں ہڈیوں کا پیدا ہونا۔ پھر سارے اعضا کا ٹھیک ہو کر ہڈیوں پر گوشت کا چڑھ جانا۔ پھر اس میں زندگی کا پیدا ہونا۔ اور اس کے مقابل پر وہیں یعنی سورۃ المومنون میں چھ ہی مراتب خلق روحانی کے بیان فرماتے ہیں۔ زمین کی پیدایش کو اگر لیا جائے تو سائنس سے موجودہ حالت تک پہنچنے میں چھ مرتبے ثابت ہوتے ہیں۔ ایک وہ حالت جب یہ انگارے کی صورت میں تھی۔ دوسری وہ حالت جب وہ انگارہ ٹھنڈا ہونا شروع ہوا اور پانی وغیرہ الگ ہوئے تیسری وہ حالت جب اس کی سطح کا اوپر کا حصہ کافی موٹا ہو گیا اور پہاڑ وغیرہ بن گئے۔ چوتھی وہ حالت جب نباتات بنیں پانچویں وہ حالت جب حیوانات پیدا ہوئے۔ چھٹی وہ حالت جب خلاصہ مخلوقات انسان بنا۔ اسی طرح زمین و آسمان کی ہر چیز کی پیدایش میں چھ مرتبے نظر آتے ہیں صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بھی چھ مرتبے بتائے گئے ہیں یعنی اول مٹی کا پیدا ہونا پھر اس میں پہاڑوں کا بننا۔ پھر درختوں کا پیدا ہونا۔ پھر مکروہات کا پیدا ہونا۔ پھر نور کا پیدا ہونا۔ پھر جانداروں کا پیدا ہونا۔ پھر انسان کا پیدا ہونا۔ اور یوم الاحد یوم الاثنین وغیرہ کا جو ذکر بعض روایات میں ہے تو اس سے مراد واقعی یہی اتوار پیر وغیرہ کے ایام نہیں بلکہ پہلا دوسرا دن مراد ہیں۔ اور یوم الجمعۃ سے مراد جمع ہونے کا دن ہے یعنی جس میں آدم کی پیدایش کی وجہ سے ساری مخلوقات جمع ہو گئی ابن جریر میں ایسی ہی ایک روایت کے بعد یہ لفظ آتے ہیں کہ ان چھ دنوں میں سے ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ پس معلوم ہوا یہ دن مراد کبھی نہیں لئے گئے بلکہ اس سے مراد چھ اور زمانے ہیں۔ خواہ وہ ایک ہزار سال کے ہوں خواہ پچاس ہزار کے خواہ دس لاکھ کے +

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف

پھر وہ عرش پر غالب ہے ۱۰۹۵

استوٰی

۱۰۹۵ استوٰی کے لئے دیکھو ۴۴ اس کا استعمال ایک چیز پر اس کی اپنی ذات میں حالت اعتدال پر ہونے پر ہوتا ہے اذا استویت انت (المومنون ۲۳-۲۸) لتستووا علیٰ ظھورہ (الزخرف ۴۳-۱۳) فاستوٰی علیٰ سوقہ (الفتح ۴۸-۲۹) اس معنی میں استوٰی کے معنی تمکن اور مضبوط ہونا ہو سکتے ہیں یا قرار پکڑنا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ استوٰی کا صلہ علیٰ ہو تو اس کے معنی استیلا یا غالب ہونا ہوتے ہیں اور استوٰی علی العرش کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں استوٰی لہٗ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض اَیْ اِسْتَقَامَ الْکُلُّ عَلٰی مُرَادِہٖ بِتَسْوِیَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِیَّاہُ یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اس کے لئے حالت اعتدال میں ہو گیا یا اس کے ارادہ کے مطابق حالت استقامت میں ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اعتدال پر بنایا ہے۔

عرش

العرش۔ راغب کہتے ہیں کہ عرش اصل میں مسقف چیز کو کہتے ہیں اور بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ یعنی تخت کو عرش اس کے علو کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ اس سے مراد عزّ یعنی غلبہ اور سلطان اور مملکت بھی لیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے ثُلَّ عرشُہٗ (جیسا کہ حضرت عمر کی روایت میں ہے) اور مراد اس سے لی جاتی ہے کہ اس کا غلبہ اور قدرت جاتی رہی۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ اللہ کا عرش ایک ایسی چیز ہے جس کو فی الحقیقت کوئی بشر نہیں جانتا۔ اور جو عوام الناس کا وہم ہے وہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں عرش اللہ تعالیٰ کو اٹھانے والا ہوتا۔ حالانکہ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک ذو العرش وغیرہ میں عرش سے مراد اس کی مملکت اور غلبہ ہے نہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ۔ جس سے وہ پاک ہے۔

استوٰی علی العرش

استوٰی علی العرش سے کیا مراد ہے۔ سو اول الفاظ کے استعمال سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ وہی لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جو انسان کے لئے ہوتے ہیں مگر ان کی حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خدا کے بھی ہاتھ ہیں۔ وہ سنتا ہے دیکھتا ہے مگر اس کو انسانوں کے ہاتھوں پر ان کے سننے پر ان کے دیکھنے پر قیاس کرنا صریح غلطی ہے۔ اسی طرح اگر ایک عرش بادشاہ کا ہے اور ایک عرش خدا کا ہے تو ان دونوں سے ایک ہی معنی تخت مراد لینا صریح غلطی ہے۔ بادشاہ کی بادشاہت تخت سے وابستہ ہے مگر خدا کی بادشاہت ان باتوں سے پاک ہے۔ بادشاہ کے تخت پر بیٹھنے سے مراد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ اس کی قدرت اور حکومت کا نفاذ ہو گیا۔ یہی مراد نہ تخت پر بیٹھنے کا ظاہری فعل خدا کے استوٰی علی العرش سے ہو سکتی ہے دیکھو ۲ جہاں دکھایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف الفاظ منسوب ہوں تو جو ان میں آلہ یا ذریعہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ صرف فعل کی آخری غرض منسوب ہوتی ہے اور چونکہ انسان کے لئے استوٰی علی العرش سے مراد تخت پر بیٹھنے کے ذریعہ سے اس کی حکومت کا نفاذ پانا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا استوٰی علی العرش صرف نفاذ حکومت و قدرت ہے۔

قرآن کریم کو دیکھیں تو خود اپنے مطلب کو واضح کر دیا ہے سورۃ یونس میں فرمایا ثم استوٰی علی العرش یدبّر الامر جہاں استوٰی علی العرش کی تفسیر خود ہی یدبّر الامر سے فرما دی یعنی تدبیر امور کرتا ہے۔ پھر خاص اس موقعہ پر پہلے زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے پھر استوٰی علی العرش کا اور آیت کا خاتمہ ان الفاظ پر ہے لہ الخلق والامر پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے اور امر بھی اسی کا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ استوٰی علی العرش میں امر الٰہی کے نفاذ کا ذکر ہے اور خود طرز بیان بھی اسی کو چاہتی ہے۔ کیونکہ پیدا کرنا ایک کام ہے اور پیدائش میں نفاذ امر دوسرا کام۔ قدرت دونو

يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ

رات کو دن کا لباس پہناتا ہے وہ اس کے پیچھے لگا تار چلا آتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم سے کام

بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ ۵۵

میں لگائے گئے ہیں دیکھو پیدا کرنا بھی اسی کے لئے ہے اور حکم بھی اللہ جہانوں کا رب برکت والا ہے ۱۰۹۶ اپنے رب کو عاجزی سے اور

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

چھپ چھپ کر پکارو کیونکہ وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا ۱۰۹۷

سے کامل ہوتی ہے پیدا بھی کرے اور اسی کا امر بھی اس میں نفاذ پاتے یہی معنی قفال نے کئے ہیں (ر)۔

کرسی اور عرش دونوں کے متعلق عوام میں ایک غلط فہمی ہے۔ اول الذکر کو بخاری نے رفع کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے کرسی کے معنی علم کئے ہیں دیکھو ۳۲۹ ب اس سے بھی عرش کے معنی قدرت یا نفاذ امر کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کرسی سے مراد علم ہے تو عوام کا خیال تو خود باطل ثابت ہوا مشہور معنی کے لحاظ سے جس قدر روایات بیان کی جاتی ہیں انکو بیہقی نے بیان کر کے سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھو روح المعانی۔ اور اس پر ایک یہ بھی شہادت ہے کہ قرآن کریم میں بار بار ذکر ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ تعالیٰ کا ہے اور کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر یہ کہیں نہیں کہ جو کچھ کرسی اور عرش میں ہے وہ بھی اس کا ہے یا وہ اسے جانتا ہے حالانکہ اگر کرسی اور عرش دو ایسے فلک ہوتے تو ایسا ذکر ضرور ہونا چاہئے تھا۔

حثیثاً۔ حثیث ۱۰۹۶ حثیثاً حَثٌّ کے معنی ہیں ملنے میں جلدی کرنا اور حثیث کے معنی ہیں جلدی کرنے والا (ل)۔

تسخیر۔ سخرۃ، سخریّ مسخرات۔ تسخیر کے معنی ہیں غالب ہو کر کسی خاص غرض کی طرف چلانا پس مُسَخَّر وہ ہے جو اس طرح کام میں لگایا جائے (غ)۔ اور مُسَخَّر وہ جو اس طرح کام میں لگایا جائے اور سُخْرِیّ وہ ہے جس پر دوسرا غالب آجائے پھر وہ اپنے ارادہ سے مسخر ہو جائے لیتخذ بعضکم بعضا سخریا (الزخرف ۴۳-۳۲)، مگر یہ تسخیر سے بھی ہو سکتا ہے اور سُخْرِیَّۃ سے بھی یعنی تمسخر کرنے سے (غ)۔

تبارک تبارک۔ برکۃ کسی چیز میں الٰہی خیر کا قائم ہو جانا ہے۔ اور تبارک میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان خیرات کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر تبارک کے ساتھ ہے۔

رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں یہ اشارہ ہے کہ اس ظلمت کے بعد جو دنیا میں پھیل رہی ہے اب نور ظہور پذیر ہوگا۔ اسی مناسبت سے سورج چاند اور ستاروں کا ذکر ہے۔

مصائب میں دعا ۱۰۹۷ اسلام پر مصائب کا زمانہ ہے۔ اس لئے دعا کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اب بھی مسلمان دعا کی طرف متوجہ ہوں تو مصائب سے نکلیں۔ لا یحب المعتدین میں بتایا کہ جو لوگ خدا کے حضور عاجزی سے دعا نہیں کرتے وہ دنیا میں ظلم اور زیادتی کرنے لگ جاتے ہیں مگر زیادتی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس لئے تم ہمہ تن دعا کی طرف متوجہ ہو جاؤ تاکہ

تضرع کی دعا کامیاب ہو کر ظلم اور زیادتی سے بچو اور اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے تضرع کی دعا وہ ہے جس میں انسان خدا کے حضور گڑگڑاتا اور زور سے دعا کرتا ہے۔ خفیہ یا چھپکر دعا کرنا بھی اچھا ہے مگر دعا میں تضرع سے ایک خاص کیفیت انسان کے قلب پر پیدا ہوتی ہے۔

۵۶ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ

اور زمین کے اندر اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔ اور خوف کرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اس کو پکارو بیشک اللہ

۵۷ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

کی رحمت احسان کرنے والوں سے قریب ہے ۱۰۹۸ اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری دیتے ہوئے بھیجتا ہے

حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا

یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل کو اٹھا لاتی ہیں ہم اس کو ایک مردہ زمین کی طرف چلاتے ہیں پھر ہم اس کے ساتھ پانی اتارتے ہیں پھر اس کے

۵۸ بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَالْبَلَدُ

ساتھ ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مردوں کو نکال کھڑا کرینگے تاکہ تم نصیحت قبول کرو ۱۰۹۹ اور اچھی

الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ

زمین کا سبزہ اس کے رب کے حکم سے (خوب) نکلتا ہے اور جو خراب ہے (وہاں) نکلتا بھی ہے تو تھوڑا

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝

اسی طرح ہم ان لوگوں کے لئے جو شکر کرتے ہیں بار بار باتیں بیان کرتے ہیں ۱۱۰۰

۱۰۹۸ یہاں مخلوق خدا کے ساتھ نیکی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کیونکہ مخلوق خدا کے ساتھ نیکی بھی رحمت الٰہی کی جاذب ہے اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ وہ کامیاب ہوں تو پھر فساد نہ پھیلائیں *

قِلَّۃ - اقل

۱۰۹۹ اقلت - اس کا مادہ قِلَّۃ ہے۔ اور اَقْلَلْتُ کے معنی ہیں میں نے اسے تھوڑے بوجھ کا یا ہلکا پایا اور یہ بعض وقت دوسری چیز کی قوت کی نسبت سے ہوتا ہے پس اَقَلَّتْ کے معنی ہیں ہواؤں نے اسے اُٹھایا اور اپنی قوت کے لحاظ سے اسے قلیل پایا (غ)۔ اس لفظ کے استعمال میں لطیف اشارہ ہے کہ ہواؤں میں کس قدر طاقت ہے جو لاکھوں اور کروڑوں من پانی کا بوجھ اُٹھائے پھرتی ہیں *

روحانی بارش کا اثر

قدرت کا ایک عام نظارہ بیان کرکے کہ ٹھنڈی ہوائیں کس طرح بارش کی خوشخبری لاتی ہیں اپنی روحانی بارش کی طرف توجہ دلائی کہ اس کے آگے آگے بھی ٹھنڈی ہوائیں چلی آرہی ہیں۔ یہ ٹھنڈی ہوائیں اسلام کی ہلکی ہلکی قبولیت کی خوشخبریاں ہیں پھر اس کے بعد وہ وقت بھی آتا ہے کہ یہ روحانی بارش ایک مردہ زمین پر پڑ کر اسے زندہ کردے۔ کذٰلک نخرج الموتٰی میں مضمون کو بالکل صاف کردیا ہے اور اشارہ انہی مردوں کی طرف ہے جن کے متعلق دوسری جگہ فرمایا و من کان میتا فاحییناہ (الانعام ۶: ۱۲۳)

نکد

۱۱۰۰ نکد۔ نَکَدٌ یا نَکِدٌ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے طالب کی طرف تنگی سے نکلتی ہے (غ)

قبولیت حق میں اختلاف استعداد

اس میں بتایا ہے کہ جس طرح بظاہر یں دیکھتے ہو کہ سب زمینیں یکساں نہیں۔ بارش تو ایک ہی سب پر ہوتی ہے مگر بعض کی استعداد قبولیت اچھی ہوتی ہے۔ ان میں روئیدگی بھی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے بعض زمین ناقص ہوتی ہے اسلئے روئیدگی اس میں

ع ١٥ — نوح کا ذکر

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ ٥٩

بیشک ہم نے نوح کو اسکی قوم کی طرف بھیجا سو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لئے کوئی

غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ ٦٠

معبود نہیں ہیں ضرور تم پر ایک بڑے دن کا عذاب آنے سے ڈرتا ہوں ۱۰۱۱ اس کی قوم کے سرداروں نے کہا

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

ہم یقیناً تجھ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں

نکلے بھی تو نہایت قلیل اور مردہ سی کہ ترقی نہیں کرتی۔ اسی طرح طبائع انسانی کی استعداد میں اختلاف ہی اپنی اپنی استعداد کے مطابق خدا تعالیٰ کی اس روحانی بارش سے فائدہ اٹھائینگے سب پر یکساں توقع غلط ہی ؎

۱۰۱۱ نوح - نبی کا نام ہی۔ اور نَوْح کے معنی نوحہ کرنا ہیں (غ) ؎

نوح

انبیاء کے ذکر کی غرض

وحی الٰہی کے جھٹلانے کے برے نتائج سے قریش اور دشمنان اسلام کو آگاہ کرکے اب کچھ مثالیں پہلی تاریخ سے پیش کی ہیں کہ کس طرح جن لوگوں نے پہلے پیغمبروں کے ساتھ عداوت کرکے ان کو تباہ کرنا چاہا ان کا انجام خطرناک ہوا پیغمبروں کا ذکر جو قرآن کریم میں آتا ہی اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قصوں کے رنگ میں نہیں اور اسی لئے ساری تفصیلات کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ صرف ان امور کا ذکر کیا جاتا ہی جن کے ذریعہ سے اعدائے اسلام کو متنبہ کرنا مقصود ہو۔ مثلاً تعلیم میں سے عموماً یہ موٹا اصول لے لیا ہی جو سب انبیاء کی تعلیم میں مشترک ہے کہ خدا ایک ہی اسکی عبادت کرو تقویٰ اختیار کرو مخلوق خدا کے ساتھ نیکی کرو۔ لوگوں نے کیا سلوک کیا اس کی تفصیلات کو عموماً چھوڑ دیا ہی امر مشترک کہ نبی کو جھوٹا کہا اس کے تباہ کرنے کی کوشش کی اس کی مخالفت پر کھڑے ہو گئے اس کو بیان کر دیا ہی۔ اور پھر آخر بتا دیا ہی کہ اعدا ہلاک ہو گئے اور تعلیم حق پھیل گئی۔ عموماً یہ ذکر کی سورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہی۔ جہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا کسی کو وہم بھی نہ ہو سکتا تھا اور جہاں اعدا کی طاقت کے نیست و نابود ہونے کا کسی کو شبہ بھی نہ ہو سکتا تھا پس ان انبیاء کا ذکر درحقیقت ایک پیشگوئی کے طور پر ہی کہ جس طرح پہلوں کے اعدا تباہ ہو گئے اسی طرح محمد رسول اللہ صلعم کے دشمن بھی تباہ ہو جائینگے ؎

یہاں جن انبیاء کا ذکر کیا ہی وہ تاریخی ترتیب سے ہی۔ اور چند نہایت مشہور انبیاء کا ذکر کر دیا ہے۔ آدم کا ذکر تو پہلے ضرورت وحی میں ہی آچکا۔ اب سب سے پہلے نوح کا ذکر کیا ہے۔ گو یا یوں سمجھنا چاہیئے کہ عرب کے ارد گرد جس قدر نبی ہوئے ان میں سے تاریخی طور پر جن انبیاء کا ذکر باقی رہ گیا ہے ان میں حضرت نوح ہی سب سے پہلے نبی تھے۔ اس لئے ان کے ذکر سے ابتدا کی۔ حضرت نوح کا ذکر علاوہ اس موقعہ کے ذیل کے مقامات پر آتا ہی:۔

حوالجات جہاں جہاں حضرت نوح کا ذکر ہے

آل عمران[3] ۳۲ - الانعام[6] ۸۵ - یونس[10] ۷۱ تا ۷۳ - ہود[11] ۲۵ تا ۴۸ - ابراہیم[14] ۹ - بنی اسرائیل[17] ۳ - الانبیاء[21] ۷۶ ۷۷ - المومنون[23] ۲۳ تا ۲۹ - الفرقان[25] ۳۷ - الشعراء[26] ۱۰۵ تا ۱۲۲ - العنکبوت[29] ۱۴ - ۱۵ - الصافات[37] ۷۵ تا ۸۲ - الذاریت[51] ۴۶ - النجم[53] ۵۲ - القمر[54] ۹ تا ۱۶ - التحریم[66] ۱۰ - الحاقۃ[69] ۱۱ - ۱۲ - نوح[71] ؎

۶۲ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اُبَلِّغُكُمْ

اس نے کہا اے میری قوم مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں بلکہ میں جہانوں کے رب کا رسول ہوں ۱۱۰۲ میں تم کو

۶۳ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ اَوَعَجِبْتُمْ

اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیرخواہی کرتا ہوں اور میں اللہ سے جو کچھ جانتا ہوں تم نہیں جانتے ۱۱۰۳ اور کیا تم تعجب کرتے ہو

اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَ

کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعہ سے نصیحت آئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تاکہ تم تقویٰ کرو اور

۶۴ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ

تاکہ تم پر رحم کیا جائے پر انہوں نے اسکو جھٹلایا سو ہم نے اسکو اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں نجات دی

۶۵ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ○ وَ

ع ۸ ۱۶ — ہود کا ذکر

اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا بلاشبہ وہ اندھی قوم تھی ۱۱۰۴ اور

اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے سوائے

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○

اس کے کوئی معبود نہیں پس کیا تم تقویٰ اختیار نہ کرو گے ۱۱۰۵

عصمت انبیاء — **۱۱۰۲** بتایا کہ رسول میں ضلالت نہیں ہو سکتی عصمت انبیاء پر قرآن کریم کی یہ شہادت بھی کافی ہے +

نصح، نصوح — **۱۱۰۳** نصیحت۔ نُصْح ایسے فعل یا قول کا قصد ہے جس میں دوسرے کی صلاحیت یا بھلائی ہو اور اسی سے ناصح ہوا اور نصح کے اصل معنی ہیں خالص کیا اسی سے ہے توبۃ نصوحا (التحریم ۸) یعنی خالص توبہ +

طوفان نوح — **۱۱۰۴** طوفان کے متعلق مفصل ذکر آگے آئیگا لیکن کلام پاک کے یہ الفاظ واغرقنا الذین کذبوا بایتنا صاف بتاتے ہیں کہ صرف وہی لوگ غرق ہوئے جن کی طرف حضرت نوح پیغام لائے اور جنہوں نے آپ کو جھوٹا کہا اور آپ کی مخالفت کی اور حضرت نوح کا پیغام صرف اپنی قوم کی طرف تھا جیسا کہ آیت ۵۹ سے ظاہر ہے نہ کل عالم کی طرف اس سے سارے عالم پر محیط ہونے والے طوفان کا خیال غلط ٹھہرتا ہے +

قوم عاد — **۱۱۰۵** نوح کی قوم کے بعد بلحاظ ترتیب زمانی عاد کا ذکر کیا ہے یہ ایک بڑی زبردست قوم تھی جو عرب کے جنوب میں الاحقاف میں آباد تھی اور جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے ان کا عروج اس قدر ہو گیا تھا کہ یہاں سے نکل کر انہوں نے بہت سے بعض ملکوں پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ خود عاد جس کے نام پر اس قوم کا نام ہوا ارم کا پوتا تھا جو نوح کا پوتا تھا۔ اور اس قوم کو

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ ۶۶

اس کی قوم میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے سرداروں نے کہا ہم تجھے حماقت میں دمبتلا، دیکھتے ہیں اور ہم تجھے جھوٹوں

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ ۶۷

میں سے سمجھتے ہیں اس نے کہا اے میری قوم مجھ میں حماقت کوئی نہیں بلکہ میں جہانوں کے رب کا رسول

الْعٰلَمِيْنَ ○ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ○ اَوَعَجِبْتُمْ ۶۸ ۶۹

ہوں میں تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں ؁۱۱۰۶ اور کیا تم تعجب کرتے ہو

اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ

کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم میں سے ہی ایک شخص کے ذریعہ نصیحت آئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور یاد کرو جب

جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ

اس نے تم کو نوح کی قوم کے بعد حاکم بنایا اور تم کو بناوٹ میں قوت میں بڑھایا

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ؁۱۱۰۷

وقت عاد اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اور ثمود کو جو اس قوم کی ایک شاخ تھی عاد ثانیہ کہا جاتا ہے۔ اس قوم کے تاریخی نشانات اور کتبے بھی ملے ہیں۔ انہوں نے اپنے چار دیوتا قرار دیئے ہوئے تھے۔ ساقیہ۔ حافظہ۔ رازقہ۔ سالمہ یعنی بارش کا دیوتا۔ دشمنوں سے بچانے والا دیوتا۔ رزق کا دیوتا صحت کا دیوتا۔ حضرت ہود کو جو انکی طرف مبعوث ہوئے انکا بھائی اسی قوم میں سے ہونے کی وجہ سے کہا ہے +

حوالجات ذکر عاد — عاد کا ذکر علاوہ اس واقعہ کے ذیل کے مقامات پر ہے:—

ہود[11] ۵۰ سے ۶۰۔ ابراہیم[14] ۹۔ الفرقان[25] ۳۸۔ الشعراء[26] ۱۲۳ سے ۱۴۰۔ العنکبوت[29] ۳۸۔ حم[41] ۱۳ سے ۱۶۔ الاحقاف[46] ۲۱ سے ۲۶۔ الذاریات[51] ۴۱-۴۲۔ النجم[53] ۵۰۔ القمر[54] ۱۸ سے ۲۱۔ الحاقہ[69] ۴ و ۶ تا ۸۔ الفجر[89] ۶ تا ۸ +

امین — ؁۱۱۰۶ امین۔ امن طمانیت نفس کا نام ہے اور امین وہ ہے جس کے متعلق ایسی طمانیت نفس حاصل ہو (غ) پس امین وہ ہے جو ایسی ہر طرح کی خوبیوں سے متصف ہو کہ اسکے متعلق سب کو طمانیت نفس حاصل ہو اور چونکہ امانۃ کا لفظ بھی ان تمام فرائض کے لئے بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذمہ رکھے ہیں (ل) اس لئے امین وہ ہے جو تمام فرائض انسانی کو ادا کرنے والا ہو۔ ایک رسول کو امین یعنی ہر طرح سے راستباز قرار دے کر تمام رسولوں کی عصمت کے اصول کو بیان کر دیا ورنہ یہ مطلب نہیں کہ حضرت ہود تو امین تھے اور حضرت عیسیٰ امین نہ تھے اس لئے کہ ان کے متعلق یہ لفظ قرآن شریف میں نہیں آیا +

رسولوں کا امین ہونا اور عصمت انبیاء

بسط۔ بصطۃ — ؁۱۱۰۷ بصطۃ۔ بَسْط سے ہے جس کے معنی فراخی ہیں (غ) وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم (البقرۃ[2] ۔ ۲۴۷) اور بسطۃ یا بصطۃ سے مراد قوت اور زیادتی جسم ہے +

۷۰ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ

انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہی کہ ہم اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور اس کو چھوڑ دیں جسکی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے

۷۱ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ

سو اگر تو سچوں میں سے ہی تو ہم پر وہ (عذاب) لے آجس سے تو ہمیں ڈراتا ہی اس نے کہا یقیناً تمہارے رب کی طرف

مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ

سے تم پر پلیدی اور ناراضگی آچکی کیا تم میرے ساتھ (ان) ناموں کے بارہ میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا

تمہارے باپ دادا نے نام رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کے لئے کوئی مضبوط دلیل نہیں اتاری سو انتظار کرو

۷۲ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ۱۱۰۸ سو ہم نے اس کو اور اُن کو جو اس کے ساتھ تھے اپنی طرف سے رحمت سے نجات دی

۷۳ وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِلٰى ثَمُوْدَ

ع ۱۰/۱۴/۱۷

صالح اور لوط کا ذکر

اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ مومن نہ تھے اور ثمود کی طرف

اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط

وقف لازم

اُن کے بھائی صالح کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں

خلق

الخلق - سے مراد ابداع یعنی پیدایش یا بناوٹ بھی ہو سکتی ہی - اور مخلوق بھی ؀
قوم عاد قوت میں اور غالباً قوت جسمانی میں بھی اپنے ہمعصروں پر فوقیت لے گئی تھی اور بڑے حصہ دنیا کو اپنی قوت سے اپنے تصرف میں کر لیا تھا ؀

۱۱۰۸ اسماء کے لفظ میں ان دیوتاؤں کی طرف اشارہ ہی جو انہوں نے اپنے لئے مقرر کر رکھے تھے دیکھو ۱۱۰۵ ان کو محض نام کہا ہے جن کے نیچے حقیقت کوئی نہیں ؀

قوم ثمود

۱۱۰۹ قوم ثمود جو ارم کے ایک دوسرے پوتے کے نام پر مشہور ہوئی قوم عاد سے قریبی تعلق رکھتی ہی مگر عاد کے دو سو سال بعد اس کا عروج ہوا - یہ قوم مدینہ کے شمال میں الحجر کے علاقہ میں آباد تھی جو پہاڑی علاقہ ہی - بعض نے کہا ہی کہ ثمود ان کا نام ثَمَد سے ہی جس کے معنی قلیل پانی ہیں جس کا مادہ کوئی نہ ہو (غ) یہ پہاڑی علاقہ تھا اور معلوم ہوتا ہی کہ بارش کا پانی اکٹھا کر کے گزارہ کرتے تھے اور چشموں کی بہت قلت تھی - اس قوم کا ذکر علاوہ اس موقعہ کے ذیل کے مقامات پر ہوا ہی :-

حوالجات ذکر ثمود

ہود[11] - ۶۱ تا ۶۸ - ابراہیم[14] - ۹ - الحجر[15] - ۸۰ تا ۸۴ - الفرقان[25] - ۳۸ - الشعراء[26] - ۱۴۱ تا ۱۵۹ - النمل[27] - ۴۵ تا ۵۳ - العنکبوت[29] - ۳۸

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ

بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آچکی ہے اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشان ہے سو اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین میں

اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ ۷۴

چرے اور اسکو کوئی دکھ نہ پہنچاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا عـ۱۱۱ا اور یاد کرو جب تم کو عاد کے بعد

مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ

حاکم بنایا اور تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا تم اس کے میدانوں میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش

الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○

کر کوٹھیاں بناتے ہو سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے مت پھرو عـ۱۱۱۲

حٰمٓ ۴۱: ۱۳ و ۱۴، ۱۷ و ۱۸ - الذاریات ۵۱: ۴۳ تا ۴۵ - النجم ۵۳: ۵۱ - القمر ۵۴: ۲۳ تا ۳۱ - الحاقۃ ۶۹: ۴ و ۵ - الفجر ۸۹: ۹ - الشمس ۹۱: ۱۱ تا ۱۵۔

ناقۃ اللہ — عـ۱۱۱ا ناقۃ اللہ - یہ اضافت محض تعظیم کے لئے ہے جیسے بیت اللہ میں - اور ادنیٰ ملابست کی اضافت ہے - کیونکہ اللہ کی طرف سے وہ اونٹنی بطور نشان قرار دی گئی کہ جو کوئی اس کو مارے گا وہ خود تباہ کر دیا جائیگا جسطرح بیت اللہ کو ایک نشان قرار دیا گیا کہ جو کوئی اس کو برباد کرنا چاہے وہ خود برباد کر دیا جائے گا - باقی باتیں کہ یہ اونٹنی پتھر سے

صالح کی اونٹنی — پیدا ہوئی تھی اور تنہا ساری قوم کا پانی پی جاتی تھی محض قصے ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں - اونٹنی کا نشان تکذیب کے بعد دیا گیا - اور وہ عذاب کے آنے کے لئے محض ایک نشان کے طور پر تھا جیسا کہ جآءتکم بینۃ من ربکم سے ظاہر ہے یعنی حق کی دلائل تو آچکیں - مگر چونکہ ان دلائل کی پروا نہیں کی اس لئے اب عذاب آتا ہے - یہ ذکر زیادہ تفصیل سے سورۃ ہود میں اور سورۃ شعراء میں موجود ہے - اور موخرالذکر سورت میں لمبی بحث کے بعد وہ خود نشان مانگتے ہیں فات بایۃ ان کنت من الصٰدقین (الشعراء ۲۶: ۱۵۴) اور اس اونٹنی کے مارنے میں بھی درحقیقت ایک تمہید معلوم ہوتی ہے کہ اس کے بعد وہ خود حضرت صالح کو مارنا چاہتے تھے - چنانچہ حضرت صالح کے خلاف ان کی اس سازش کا ذکر سورۃ النمل ۲۷: ۴۸ و ۴۹ میں موجود ہے کہ آپ کے اور آپ کے سب ساتھیوں کو قتل کرنے کا منصوبہ وہ کر چکے تھے لنبیتنہ واھلہ یس اس اونٹنی کا مار دینا آخری نشان تھا کہ اب وہ حضرت صالح کو قتل کر دینگے - اور حضرت صالح کا یہ فرمانا کہ اسے چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرے یا یہ کہ اس کو بھی پانی پینے دو یہ بتانے کو تھا کہ اگر تمہیں عداوت ہے تو مجھ سے ہے ایک بے زبان جانور کو دکھ نہ پہنچاؤ ٭

سھل — عـ۱۱۱۲ سھول - سَہْل کی جمع ہے - سہولت یا آسانی - اور سَہْل صاف اور ہموار زمین کو کہتے ہیں جو حَزْن کی ضد ہے یعنی اونچی نیچی زمین (غ) ٭

الیٰ — اٰلآء - مادہ الی ہے اور اس کے معنی نعمتیں ہیں - واحد اَلًی یا اِلًی ہے (غ) ٭

نحت — تنحتون - نحت - لکڑی یا پتھر اور سخت اجسام کے تراشنے پر بولا جاتا ہے ٭

۷۵ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ

ان لوگوں کے سرداروں نے جنہوں نے اس کی قوم میں سے تکبر کیا ان کو جو کمزور تھے۔ ان کو جو ان میں سے ایمان لائے کہا

أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝

کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے انہوں نے کہا جو کچھ وہ دیکر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں

۷۶ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ

جو متکبر تھے انہوں نے کہا ہم اسکا جسپر تم ایمان لائے انکار کرنے والے ہیں پس انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا

وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا اے صالح وہ (عذاب) لے آجس سے تو ہم کو ڈراتا تھا اگر تو مرسلوں میں سے ہے [۱۱۱۲]

۷۸ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَ

تب ان کو زلزلہ نے آپکڑا سو وہ اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے [۱۱۱۳] پس اس نے ان سے منہ پھیرا اور

قَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ۝

کہا اے میری قوم یقیناً میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو دوست نہیں رکھتے [۱۱۱۴]

۸۰ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝

اور لوط کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم کو کہا کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلی قوموں میں سے کسی نے نہیں کی [۱۱۱۵]

عقر

۱۱۱۲۔ عقر و اعقر کسی چیز کا اصل ہے اور عَقَرتہ کے معنی ہیں اسکے اصل یا سر کو کاٹ دیا اور کھجور کا عقر اسکا کاٹ دینا اور اونٹ کا عقر اس کا ذبح کرنا یا مار دینا ہے (غ) +

رجف - ارجاف، رجفة

۱۱۱۳۔ الرجفۃ رَجْف اضطراب شدید کو کہتے ہیں یوم ترجف الارض والجبال (المزمل - ۱۴) ترجف الراجفة (النزعٰت - ۶) اور ارجاف کے معنی ہیں اضطراب شدید میں ڈال دینا قول سے ہو یا فعل سے والمرجفون فی المدینة (الاحزاب - ۶۰) اور رجفۃ زلزلہ ہے +

جثم

جٰثمین جثم پرندے کے متعلق کہا جاتا ہے جب وہ زمین پر بیٹھ جائے اور اس سے لگ جائے پس جٰثمین سے مراد ہے جہاں تھے وہیں رہ گئے (غ) جیسا زلزلہ میں دبکر لوگ رہ جاتے ہیں۔ یہاں الرجفۃ کا لفظ استعمال کرکے صاف بتا دیا کہ ثمود کی قوم کا عذاب بھونچال تھا صیحۃ صاعقۃ وغیرہ نام سب زلزلہ پر صادق آتے ہیں کیونکہ سخت زلزلہ کے ساتھ خطرناک آواز بھی ہوتی ہے +

۱۱۱۴۔ چونکہ اعدائے حق کی عادت ہمیشہ یہی چلی آئی ہے اور اس وقت بھی مخالفین حق کی یہی حالت تھی جیسے آج بھی ہے اس لئے استمرار کو ظاہر کرنے کے لئے مضارع استعمال کیا +

حضرت لوط

۱۱۱۵۔ ترتیب زمانی کے لحاظ سے ثمود کے بعد ابراہیم کا ذکر چاہئے تھا۔ مگر اس ذکر کو بالکل چھوڑ کر لوط کا ذکر شروع کر دیا ہے۔

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ ۸۱ وَمَا

تم تو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے آتے ہو بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو اور اس کی

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ○ ۸۲

قوم کا جواب کچھ نہ تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا ان کو اپنی بستی سے نکال دو کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پاک بنتے ہیں [۱۱۱۶]

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ○ ۸۳

سو ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو نجات دی سوائے اس کی عورت کے وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوئی [۱۱۱۷]

اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت ابراہیم کا ذکر پہلے الگ، سورۃ الانعام میں کر دیا گیا ہے۔ اور یہ علیحدہ ذکر بھی بلا وجہ نہیں جس قدر انبیاء کا یہاں ذکر کیا ہو وہ اس غرض کیلئے ہو کہ بتایا جائے کہ ان کے اعدا ہلاک ہو گئے۔ اس لئے حضرت ابراہیم کو جن کی قوم پر ایسے عذاب کے آنے کا کوئی ذکر نہیں ان انبیاء سے الگ کر دیا۔ اور آنحضرت صلعم کے اعدا کے ساتھ سلوک حضرت ابراہیم کے اعدا والا ہوا یعنی ان کو تباہ نہیں کیا گیا مگر ان کی قوت توڑ کر ان کا استیصال کرکے ایک رنگ میں دوسرے انبیاء کے اعدا کے ساتھ ان کو شامل کر دیا۔

حضرت لوط اور بائبل میں تحریف

حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے مگر علیحدہ قوم کی طرف مبعوث ہوئے یعنی سدومیوں کی طرف بائبل میں جو ذکر لوط کا ہی اس میں حضرت لوط کو بدترین افعال شنیعہ کا مرتکب بیان کیا گیا ہو یعنی یہ کہ وہ نعوذ باللہ من ذٰلک اپنی بیٹیوں سے تعلق ناجائز کے مرتکب ہوئے۔ مگر جس طرح کئی ایک انبیاء کے متعلق بائبل میں تحریف ہو کر غلط باتیں راہ پا گئیں اسی قسم کی یہ ایک غلطی ہو جو بائبل کی تحریف کو ثابت کرتی ہی۔ چنانچہ خود مسیل نے اس بات کا اعتراف کیا ہو کہ لوط انبیاء میں سے تھے اور عیسائی اس بارہ میں مجبور ہیں گو بائبل کو تحریف کے الزام سے بچانے کے لئے انکار بھی کر دیں کیونکہ پطرس کی شہادت ۲ پطرس ۲: ۷ و ۸ میں یوں مرقوم ہے "اور راستباز لوط کو جو شریروں کی ناپاک چالوں سے دق ہوا رہائی بخشی کہ وہ راستباز ان میں رہ کر ان کے بے شرع کاموں کو دیکھ سنکے ہر روز اپنے سچے دل کو شکنجے میں کھینچتا تھا" بھلا جو شخص ایسے گندے فعل کا ارتکاب کرے یعنی بیٹیوں سے ناجائز تعلق رکھے وہ راستباز کہلا سکتا ہے اور اس کا دل دوسروں کے اسی قسم کے گندے فعل سے کیوں دکھے گا پس بائبل کو خود بائبل غلط ٹھہراتی ہو اور صحیح فیصلہ قرآن کا ہو کہ لوط انبیاء میں سے تھے۔

حوالجات ذکر لوط

لوط کا ذکر علاوہ اس مقام کے ذیل کے مقامات پر آیا ہی الانعام [۶] - ۸۶ - ہود [۱۱] - ۷۷ تا ۸۳ - الحجر [۱۵] - ۶۱ تا ۷۴ - الانبیاء [۲۱] - ۷۴ و ۷۵ - الشعراء [۲۶] - ۱۶۰ تا ۱۷۴ - النمل [۲۷] - ۵۴ تا ۵۸ - العنکبوت [۲۹] - ۳۲ تا ۳۵ - والصّفّت [۳۷] - ۱۳۳ تا ۱۳۸ - الذاریات [۵۱] ۳۲ تا ۳۷ - النجم [۵۳] - ۵۳ و ۵۴ - القمر [۵۴] ۳۳ تا ۳۸ - التحریم [۶۶] - ۱۰ ۔

[۱۱۱۶] حضرت لوط باہر سے آکر ان کی بستی میں آباد ہوئے تھے۔ یہ محض ان کی اصلاح کے لئے تھا اور حکم خداوندی کے ماتحت آئے تھے۔

اہل

[۱۱۱۷] اہل - ایک شخص کے اہل میں وہ سب لوگ داخل ہیں جن کو ایک گھر یا ایک نسب یا ایک شہر یا ایک دین جمع کرے (غ) یہاں اہلہ سے مراد حضرت لوط کے متبع ہی ہیں (ج) اور بلاشبہ انبیاء کے ساتھ انکے متبع ہی بچائے جاتے ہیں اور اوپر اناس یتطہرون میں حضرت لوط کے پیروؤں کا ہی ذکر تھا۔

غابر - غبار

غابرین - غابر اس کو کہا جاتا ہو جو اپنے ساتھیوں کے چلا جانے کے بعد باقی رہ جائے اور غُبار وہ ہو جو مٹی اڑنے پر

۸۴ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝ ۸۵ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ

اور ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا پس دیکھ مجرموں کا انجام کیسا ہوا ۱۱۱۸ اور مدین کی طرف ان کے بھائی

شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ

شعیب کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس کھلی دلیل آچکی ۱۱۱۹

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ

سو ماپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد

۸۶ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ

فساد نہ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مان لو ۱۱۲۰ اور ہر ایک رستہ پر مت

صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ

بیٹھو تم ڈراتے ہو اور اللہ کی راہ سے اسے روکتے ہو جو اس پر ایمان لاتا ہے اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو

(ع ۱۱ — شعیب کا ذکر)

غبرة — باقی رہ جاتا ہے اسی سے غَبَرَة ہے۔ عليها غَبَرَة (عبس-۴۰) اور یہ کنایہ ہے غم کی وجہ سے چہرہ پر تغیر آجانے سے (غ) +

مطر۔امطر — ۱۱۱۸ مَطَر مطلق بارش کو کہتے ہیں لیکن مَطَر بھلائی میں اور اَمْطَرَ عذاب میں استعمال ہوتا ہے (غ) +
یہ بارش کیا تھی اس کا ذکر دوسری جگہ آتا ہے کہ پتھروں کی بارش تھی (ہود[11]-۸۲-الحجر[15]-۷۴) جس سے معلوم ہوا کہ آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا تھا +

حضرت شعیب — ۱۱۱۹ شعیب حضرت ابراہیم کی نسل میں سے پانچویں پشت میں ہیں اس لئے ان کا ذکر تاریخی ترتیب میں حضرت لوط کے بعد آیا ہے۔ بائبل میں ہے کہ مدیان ابراہیم کے ایک بیٹے کا نام تھا جو ان کی تیسری بی بی قتورہ کے بطن سے پیدا ہوا اسی نام کا ایک شہر بحیرہ قلزم پر ہے جہاں مدیان کی نسل آباد ہوئی۔ شعیب کا ذکر ذیل کے مقامات پر بھی آیا ہے۔ ہود[11]-۸۴ تا ۹۵-الحجر[15]-۷۸ و ۷۹-الشعراء[26]-۱۷۶ تا ۱۹۱-العنکبوت[29]-۳۶ و ۳۷ +

کیل۔اکتیال — ۱۱۲۰ کیل۔کَیْل (ماضی کَالَ) کے معنی غلہ کا ماپ کردینا اور اِکْتَال علیہ دوسرے سے ماپ کرلینا اذا اکتالوا علی الناس یستوفون و اذا کالوھم (التطفیف[83]-۲-۳) اور یہ گو ماپ میں خاص ہے مگر مراد تمام معاملات میں جہاں لینا یا دینا ہو انصاف کا مدنظر رکھنا ہے اور کیل بعیر (یوسف[12]-۶۵) سے مراد مقدار حمل بعیر ہے یعنی اونٹ کے بوجھ کی مقدار فارسل معنا اخانا نکتل (یوسف[12]-۶۳) (غ) +

میزان — میزان۔ دیکھو ۵۰۱ اور وزن کرنا یا وزن یا میزان کا قایم کرنا عام ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ تمام اقوال و افعال میں جنہیں انسان مدنظر رکھتا ہے عدل کی رعایت ملحوظ رکھے (غ) +

بخس — تبخسوا۔ بَخْس تھوڑی ناقص چیز کو کہتے ہیں۔ وشروہ بثمن بخس (یوسف[12]-۲۰) اور ظلم کے طریق پر کسی چیز کے کم کرنے کو کہا جاتا ہے (غ) +

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے پھر تم کو بہت کر دیا اور دیکھو لو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا ۱۱۲۱

وَاِنْ كَانَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَاۗىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا ۸۷

اور اگر تم میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اس پر ایمان لایا ہے جو مجھے دیکر بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو

الجزو التاسع

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ۸۸

یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ (سب) فیصلہ کرنے والوں سے اچھا ہے اُن لوگوں کے سرداروں نے جنہوں نے اس کی قوم میں سے تکبر کیا

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ

کہا اے شعیب ہم تجھ کو اور اُن کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ضرور اپنی بستی سے نکال دینگے یا تمہیں ہمارے مذہب میں لوٹ آنا ہوگا اس نے کہا

اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا ۸۹

اور کیا خواہ ہم ناپسند ہی کرتے ہوں ۱۱۲۲ یقیناً ہم نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا اگر ہم تمہارے مذہب میں لوٹ آئیں اسکے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی ہے اور ہمیں

يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ

کس طرح شایاں ہے کہ ہم اس میں لوٹ کر آئیں ہاں اگر اللہ ہمارا رب چاہے ۱۱۲۳ ہمارا رب (اپنے) علم میں تمام چیزوں پر حاوی ہے

۱۱۲۱ رستوں میں بیٹھنا حقیقی معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی ڈاکہ مارنے کے معنی میں جیسے قطع طریق آتا ہے اور مجازی معنی میں بھی۔ یعنی مراد اس سے صرف لوگوں کا روکنا ہو اور کل صراط سے مراد ہر ایک حق کا رستہ ہو۔ نبی کریم صلعم کے اعدا بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اور انہی کی طرف اشارہ کرنے کو اس کا ذکر کیا +

۱۱۲۲ لتعودن۔ عود کے اصل معنی ہیں ایک چیز سے انصراف یعنی پھر جانے کے بعد اس کی طرف رجوع کرنا خواہ اپنی ذات سے یا محض قول سے یا عزیمت سے (غ) بعض اہل لغت نے عاد بمعنی صار بھی لیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کبھی حالت ضلالت میں نہیں ہوتے چہ جائیکہ ان کی طرف کفر منسوب کیا جاسکے۔ عود کا لفظ محض اسلئے استعمال کیا کہ قوم کی حالت عام طور پر کفر کی تھی۔ یا وہ ایک قومی مذہب تھا یہی وجہ ہے کہ یہاں کفار ملتنا کہتے ہیں یعنی اس مذہب کو اپنا مذہب قرار دیتے ہیں اور حضرت شعیب جواب میں ملتکم کہتے ہیں یعنی تمہارا مذہب اور اس لئے بھی عود کا استعمال جائز ہے کہ یہاں اکیلے حضرت شعیب کا ذکر نہیں بلکہ والذین اٰمنوا کا ذکر بھی ساتھ ہے اور یہ لوگ بلاشبہ حالت کفر سے نکل کر حالت اسلام کی طرف آئے تھے۔ قرآن کریم کی یہ اس دلیل ہے کہ جب ہم ایک عقیدہ سے دل سے بیزار ہیں تو اس کی طرف کیونکر آسکتے ہیں۔ وہ لوگ غور کریں جو ایسے مہدی کا آنا مانتے ہیں جو تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان کریگا۔ خواہ دل سے وہ ان عقاید کو ناپسند ہی کرتے ہوں +

تلوار سے مسلمان کرنے کے خلاف دلیل

۱۱۲۳ الا ان یشاء اللہ ربنا۔ ایک طرف تو یہ زور سے کہا ہے کہ ہم کہاں کفر کی حالت میں جا سکتے ہیں دوسری طرف یہ بھی کہا ہے کہ اگر اللہ چاہے تو جس طرح وہ چاہے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ہر کہ عارف تر است ترساں تر۔ اور انبیاء کا ایمان بھی بین الخوف

٩٠ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ○ وَقَالَ

ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا اے ہمارے رب ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور تو (سب) فیصلہ کرنیوالوں سے اچھا ہے ١١٢٤ اور

٩١ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ فَاَخَذَتْهُمُ

ان لوگوں کے سرداروں نے جنہوں نے اس کی قوم میں سے کفر کیا کہا اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تب تم یقیناً نقصان اٹھانے والے ہو گے سو انکو زلزلہ

٩٢ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا

مع
عند المتقدمین

نے آپکڑا پس وہ اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے وہ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا کہ وہ ان میں رہے ہی نہ تھے

٩٣ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ○ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ

وہ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی نقصان اٹھانے والے ہوئے تب اُس نے اُن سے منہ پھیر لیا اور کہا اے میری قوم یقیناً

اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ○

میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی سو میں کافر قوم پر کس طرح افسوس کروں ١١٢٥

والرجاء ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی بشر ہیں لیکن اصل بات جس کی طرف یہاں توجہ دلاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت شعیب کو اور آپ کے ساتھیوں کو بالاکراہ کفر کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔ اور مومن سب یکساں نہیں ہوتے بعض حالت اجبار و اکراہ میں نبی کا ساتھ نہیں دے سکتے اس لیے فرمایا کہ اگر اللہ کو منظور ہے کہ کوئی ان مومنوں میں سے پھر جائے تو جیسا وہ چاہے ورنہ ہم اپنے اختیار سے تو کبھی پھر نہیں سکتے۔ اس اکراہ و اجبار کے ذکر میں بھی مسلمانوں پر جو جبر کیا جاتا تھا اسکی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی دوسرے کے ذکر میں بتا دیا کہ مسلمان ہو کر پھر کوئی شخص کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتا۔ اور مسلمانوں کے متعلق تاریخی شہادت موجود ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جو پہلے منافقت کے طور پر یا در اسلام کی دشمنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام میں داخل ہوئے مسلمانوں میں سے کوئی لوگ مرتد نہیں ہوئے +

مسلمانوں میں ارتداد نہ تھا

فتح

١١٢٤ افتح ۔ فاتح ۔ فَتْحٌ کے اصل معنی زنجیروں اور بیڑیوں کا دور کرنا ہیں پھر یہ یا مادی طور پر ہو سکتا ہے یعنی جو آنکھوں سے دیکھا جا سکے جیسے فتح الباب وغیرہ ولما فتحوا متاعهم (یوسف ١٢ – ٦٥) یا ذہنی طور پر جو بصیرت سے معلوم ہو سکے۔ جیسے ہم و غم کا دور کرنا مال و دولت دیکر فتحنا علیهم ابواب کل شیٔ (الانعام ٦ – ٤٤) لفتحنا علیهم برکات من السماء والارض (٩٦) یا علوم کا عطا فرمانا جیسا کہ انا فتحنا لك فتحا مبینا (الفتح ٤٨ – ١) میں بعض لوگوں نے مراد لیا ہے کہ مراد اس سے ان علوم و ہدایات کا دیا جانا ہے جو ثواب اور مقام محمود تک پہنچانے کا اور یوں غفر ذنوب کا ذریعہ ہو گئے۔ اور دو شخصوں کے درمیان فتح یا فتح قضیۃ کے معنی ہیں باہمی اختلاف یا جھگڑے کا فیصلہ کر دینا اور یہی معنی یہاں مراد ہیں (غ) +

انبیاء میں غمخواری

١١٢٥ انبیاء میں غمخواری مخلوق کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ مگر جب حق تبلیغ ادا کر چکے تو اب افسوس کیا کریں جہاں تک ممکن تھا انکی خیر خواہی کی جب انہوں نے نہ سُنا اور نہ مانا تو پھر خدا کی قضا پر رضا کا اظہار کیا اب افسوس کرنے سے کیا فائدہ۔ ہاں جب غمخواری کرنے کا وقت ہوتا ہے تو خطرناک مخالفت کے باوجود غمخواری بھی اس قدر کرتے ہیں اور کفار کی خاطر اسقدر انکے دل میں درد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لعلك باخع نفسك الا یكونوا مومنین (الشعراء ٢٦ – ٣) شاید تو اپنے آپکو ہلاک کر دیگا کہ وہ مومن نہیں ہوتے +

ع ۱۲/۶

سزا کا عام قانون اور تنبیہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ۹۴

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کے رہنے والوں کو سختی اور دکھ میں پکڑا تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں [1125]

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ ۹۵

پھر ہم نے تکلیف کی جگہ بھلائی بدل دی یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے ہمارے باپ دادوں کو بھی دکھ اور

وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۞ وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا ۹۶

خوشی پہنچتے رہے تب ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ محسوس نہ کرتے تھے [1126] اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور

وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰھُمْ

تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تب ہم نے ان کو اسکی

بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۞ اَفَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّھُمْ ۹۷

سزا میں پکڑ لیا جو وہ کماتے تھے تو کیا بستیوں والے نڈر ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر رات کے وقت آئے جب وہ

نَآئِمُوْنَ ؕ اَوَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّھُمْ یَلْعَبُوْنَ ۞ ۹۸

سو رہے ہوں اور کیا بستیوں والے نڈر ہو گئے کہ ہمارا عذاب اُن پر چاشت کے وقت آئے جب وہ کھیل رہے ہوں [1127]

اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ ۹۹

سو کیا وہ اللہ کی تدبیر سے نڈر ہو گئے تو اللہ کی تدبیر سے کوئی نڈر نہیں ہوتا مگر وہی لوگ جو گھاٹے میں پڑنے والے ہیں

ضرع

تضرع

۱۱۲۵ یضرعون۔ اصل یتضرعون ہے ضَرْعٌ اونٹنی بکری وغیرہ کے پستان کو کہتے ہیں اور ضرع البھم کے معنی ہیں چارپایہ کے بچے نے اپنی ماں کے پستان کو لیا۔ اسیطرح ضرع الرجل کے معنی ہیں وہ عاجز ہو گیا (غ) گویا اس میں عاجز ہو کر دوسرے سے قوت حاصل کرنا ہے۔ اور یہی تضرع سے مطلب ہے یعنی اللہ تعالےٰ کے آگے عاجزی کر کے اس سے طاقت چاہنا۔ انبیاء اور ان کے مخالفین کی چند مثالیں پیش کر کے اب بتاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ

عذاب بطور سزا نہیں علاج کے طور پر ہے

کا قانون اس دنیا میں عذاب کا اس لئے ہے کہ تا دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہو کر لوگ عاجزی اختیار کریں اور اللہ کی طرف رجوع کریں گویا وہ بھی بندوں کی بھلائی کیلئے ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب آئیگا وہ محض سزا کے طور پر نہیں بلکہ انسان کی اصلاح اسکی اصل غرض ہے اسلئے دوزخ کا عذاب بھی انسان کی اصلاح کیلئے اور بطور علاج ہی ہو سکتا ہے نہ صرف بطور سزا +

عفا

۱۱۲۶ عفوا۔ عَفٰی کے معنی نشان کا مٹانا بھی آتے ہیں اور بڑھنا بھی جیسے عفا النبت (غ) یہی معنی یہاں ہیں یعنی ایک دکھ جب ایک قوم پر آتا ہے اور وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتی بلکہ الٹا حق کیساتھ عناد کرنے میں ترقی کرتی ہے تو پھر نتیجہ اسکا تباہی ہوتی ہے تاکہ کوئی دوسری قوم اسکی جگہ لے +

۱۱۲۷ پہلی آیت میں نائم یا سونے والوں سے اور دوسری میں کھیلنے والوں سے مراد غافل اور دنیا کے لہو ولعب میں مشغول اور حقیقت زندگی سے بے خبر لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ اس میں عرب والوں کو صاف تنبیہ ہے +

۱۰۰ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ

کیا ان لوگوں کے لئے واضح نہیں ہوا جو اس کے (پہلے) رہنے والوں کے بعد زمین کے وارث ہوئے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو انکے گناہوں کی وجہ سے انکو مصیبت میں ڈالیں

موسیٰ کی بعثت

۱۰۱ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ

اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں سو وہ نہیں سنتے ۔ یہ بستیاں ہم ان کے کچھ حالات تجھ پر ذکر

أَنْبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ

کرتے ہیں اور یقیناً ان کے رسول ان کے پاس کھلی دلائل لیکر آئے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ اس پر ایمان لاتے جس کو پہلے

۱۰۲ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ

جھٹلا دیا اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگاتا ہے ۱۱۲۷ اور ہم نے اُن میں سے بہتوں میں عہد

۱۰۳ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا

(پر قیام) نہ پایا اور یقیناً ہم نے ان میں سے بہتوں کو نافرمان پایا ۱۱۲۸ تب ہم نے اُن کے پیچھے موسیٰ کو اپنی آیات کے ساتھ

هدی

۱۱۲۷ یہد ۔ هَدَیتُ لَکَ کے معنی ہیں بَیَّنتُ لَکَ یعنی ایک امر کو واضح کر دیا (دل) اور یہاں اس کا استعمال بمنزلہ لازم کے ہے +

طبع ۔ طبیعة

یطبع ۔ طَبْع اصل میں یہ ہے کہ کسی شئے کو کوئی سی صورت دی جائے اور یہ ختم سے عام اور نقش سے خاص ہے اور طَبِیْعَة گویا نفس پر کسی صورت کا نقش ہونا ہے خواہ وہ پیدائش کی وجہ سے ہو یا عادت سے اور پیدائش کے لحاظ سے اغلب ہوتا ہے اور طبع اور ختم ایک ہی طرح پر ہیں اور بعض نے طَبَع کے معنی دَنَس لئے ہیں یعنی اسے زنگ آلود کر دیا جیسے فرمایا بل ران علی قلوبهم (غ)

مہر لگنے سے مراد

یہاں صفائی سے بتایا کہ پہلے انسان گناہ کرتا ہے تب خدا کی طرف سے مہر لگتی ہے ۔ اور خود لفظ طَبَع کا استعمال یہی بتاتا ہے کیونکہ ایک خاص صورت کا نقش کرنا ہے اور جس طرح عادت طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے یہی حالت گناہ کی ہے کہ جب انسان بار بار گناہ کرتا ہے تو اس کا ایک نقش دل پر ہوتا چلا جاتا ہے یہانتک کہ بکثرت اس کو دوہرانے سے ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ بوجہ عادت کے طبیعت کا ایک جزو ہو جاتا ہے اور مہر لگنا یہی ہے کہ جب انسان جھٹلا دیتا ہے تو پھر ایمان لانے کی توفیق نہیں ملتی ۔ جھٹلانا حق کی مخالفت پر کھڑا ہو جانا ہے ۔ اور مخالفت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اس کے کسی اچھے پہلو کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا بلکہ سارا زور اسکے نیست و نابود کرنے پر لگاتا ہے اس لئے دل کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ پھر ایمان کی طرف اس کا میلان ہی نہیں ہوتا پس یہی خدا کی مہر ہے +

عہد فطرت

۱۱۲۸ عہد سے مراد یا تو عام ہے یعنی جب کبھی وہ کوئی عہد کرتے ہیں ۔ اس کو پورا نہیں کرتے ۔ جو انسان کسی عہد کا پابند نہیں ہوتا وہ انسانیت کے اعلےٰ مقصد کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا ۔ اور یا عہد سے مراد عہد فطرت ہے یعنی جو کچھ ان کی فطرت میں مرکوز ہے اس پر وہ قایم نہیں رہتے ۔ یہاں تک کہ وہ نور فطرت بجھ جاتا ہے ۔ دوسرے معنی قابل ترجیح ہیں +

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ○

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا مگر انہوں نے انکا انکار کیا تو دیکھو فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا ۱۱۲۹

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ ۱۰۴ ۱۰۵

اور موسےٰ نے کہا اے فرعون میں جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں اس کا اہل کہ اللہ پر

لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي

سوائے حق کے کچھ نہ کہوں میں تمہارے پاس تمہارے رب سے کھلی دلیل لایا ہوں سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ

إِسْرَائِيلَ ○ قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ○ فَأَلْقَىٰ ۱۰۶ ۱۰۷

بھیج دے ۱۱۳۰ اس نے کہا اگر تو کوئی نشان لایا ہے تو وہ لے آ اگر تو سچا ہے تب اس نے اپنا

عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ○ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ○ ۱۰۸

عصا ڈالا تو ناگہان وہ صریح اژدہا تھا اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو ناگہان وہ دیکھنے والوں کیلئے سفید تھا ۱۱۳۱

حضرت موسیٰ — ۱۱۲۹ درمیان میں بہت سے انبیاء کا ذکر چھوڑ کر حضرت موسیٰ کا ذکر شروع کیا ہے اور اس کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے جس کی وجہ آنحضرت صلعم کو حضرت موسیٰ کے ساتھ کئی ایک امور میں مماثلت کا ہونا ہے کیونکہ آپ استثناء ۱۸: ۱۸ اکی مثیل والی پیشگوئی کا مصداق ہیں حضرت موسیٰ کا ذکر قرآن کریم میں ذیل کے مقامات پر آتا ہے۔ البقرۃ[۲] ۔ ۴۹ تا ۷۲ ۔ النساء[۴] ۔ ۱۵۳ المائدۃ[۵] ۔ ۲۰ تا ۲۶ ۔ الاعراف[۷] ۱۰۴ تا ۱۵۶ ۔ یونس[۱۰] ۔ ۷۵ تا ۹۲ ۔ ہود[۱۱] ۔ ۹۶ تا ۹۹ ۔ بنی اسرائیل[۱۷] ۱۰۱ تا ۱۰۴ ۔ الکہف[۱۸] ۶۰ تا ۸۲ مریم[۱۹] ۵۱ و ۵۲ ۔ طٰہٰ[۲۰] ۹ تا ۹۸ ۔ المومنون[۲۳] ۔ ۴۵ تا ۴۹ ۔ الشعراء[۲۶] ۱۰ تا ۶۸ ۔ النمل[۲۷] ۷ تا ۱۴ ۔ القصص[۲۸] ۳ تا ۴۸ ۔ والصفٰت[۳۷] ۱۱۴ تا ۱۲۲ ۔ المومن[۴۰] ۲۳ تا ۵۵ ۔ الزخرف[۴۳] ۴۶ تا ۵۶ ۔ الدخان[۴۴] ۱۷ تا ۳۳ ۔ الذاریٰت[۵۱] ۳۸ تا ۴۰ ۔ الصف[۶۱] ۵ ۔ النازعات[۷۹] ۱۵ تا ۲۶ +

حقیق — ۱۱۳۰ حقیق بمعنی جدیر ہے یعنی سزاوار اور علیٰ بمعنی ب یعنی اسبات کا اہل ہوں +

حضرت موسیٰ کی بعثت کی اصل غرض — حضرت موسیٰ کا اصل کام فرعون کو تبلیغ کرنا نہ تھا بلکہ بنی اسرائیل کو فرعون سے چھڑانا کیونکہ وہ مبعوث صرف اپنی قوم کے لئے ہوئے تھے جیسا کہ فرمایا اخرج قومك من الظلمٰت الی النور (ابراھیم[۱۴] ۔ ۵) اسی لئے سب سے پہلے انہوں نے اسبات کو پیش کیا ہے کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے ہاں جب ان کا واسطہ فرعون سے پڑنا ضروری تھا تو فرعون کو نصیحت بھی ضروری تھی یہی انہوں نے کی +

بیضاء ۔ الید البیضاء — ۱۱۳۱ عصا کیلئے دیکھو ۸۸ اور بیضاء کے معنی سفید یا روشن اور الید البیضاء کے معنی ہیں الحجۃ المبرھنۃ (ل) یعنی روشن یا واضح دلیل

حضرت موسیٰ کے دو معجزے — حضرت موسیٰ کے ان دونوں معجزات کا ذکر بائبل میں بھی ہے۔ ان دونوں معجزات کا ظہور دو دفعہ ہونا قرآن شریف اور بائبل میں بھی مذکور ہے یعنی ایک اس موقعہ پر جب حضرت موسیٰ کو رسالت کے عہدہ پر ممتاز کیا جاتا ہے اور دوسرا فرعون کے سامنے جب پہلے گئے ہیں تو اس وقت ان معجزات کا ظہور ہوا۔ البتہ بائبل میں دوسرے موقعہ پر یعنی فرعون کے سامنے ید بیضاء کے معجزہ کا ذکر نہیں جو صریحاً تحریف ہے اسلئے کہ خروج ۴: ۸ میں حضرت موسیٰ کو خداوند کا یہ ارشاد ہے کہ اگر وے تجھ پر ایمان نہ لاویں اور نہ پہلے معجزہ کے سننے والے ہوں تو وے دوسرے معجزہ کے معتقد ہونگے علاوہ ازیں دوسرے معجزہ کا دینا بے معنی تھا اگر فرعون کے سامنے اسکا اظہار نہ ہونا تھا

۱۴ ع ۱۴ ۴

موسٰی اور ساحروں کا مقابلہ

۱۰۹ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۝ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ

فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا یقیناً یہ ساحر علم والا ہے ۱۱۳۲ وہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے

مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝

ملک سے نکال دے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو ۱۱۳۳

حضرت موسٰی کے معجزات کا پہلا ظہور کن حالات میں ہوا

البتہ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہی کہ معجزہ کا ظہور عموماً اعدائے حق کے مقابلہ میں ہوتا ہی اور انہی کو عاجز کرنا مقصود ہوتا ہی لیکن حضرت موسٰی کو پہلے یہ معجزات اس وقت دکھائے جاتے ہیں جب وہ اکیلے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہیں۔ اور جب ان پر وہ حالت طاری ہی جس حالت میں اللہ تعالیٰ کا کلام انبیاء علیہم السلام سے ہوتا ہی یہ حالت جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں خاص حالت ہوتی ہی جس میں نبی ایک امر کو دیکھتا ہی اور ایک آواز کو سنتا ہی مگر پاس بیٹھنے والے اسے نہیں دیکھتے اور نہ سنتے ہیں چنانچہ احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ بعض وقت حضرت نبی کریم صلعم اصحاب میں بیٹھے ہوتے تھے جب آپ پر حالت وحی وارد ہوتی اور آپ کی حالت بدل جاتی اور فرشتہ آپکے سامنے آتا اور آپ سے کلام کرتا مگر فرشتہ کو پاس بیٹھے ہوئے صحابہ نہ دیکھتے نہ ہی وہ فرشتہ کی آواز سنتے۔ اور آنحضرت دیکھتے اور سنتے بھی پس اس حالت میں بھی جب حضرت موسٰی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام تھے۔ ان معجزات کا ظہور ایک کشفی رنگ رکھتا ہی ہاں فرعون کے سامنے بھی ان معجزات کا ظہور ہوا ہی لیکن بعض اوقات کشفی نظارہ کے دیکھنے میں دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے تصرف تام سے شریک کر دیتا ہی۔ اور یہی اعجاز ہی۔ ورنہ حضرت موسٰی کے سونٹے میں یہ خاصیت نہ تھی کہ جب زمین پر ڈالیں تو اژدہا بن جائے۔ نہ ہی سوائے ان دونوں موقعوں کے اور کبھی دشمن کے بالمقابل بھی اس کے اژدہا بننے کا ذکر ہی وہ ایک معمولی سونٹا تھا۔ جیسا کہ خود حضرت موسٰی کے الفاظ ہیں۔ کہ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور بکریوں کیلئے اس سے پتے جھاڑتا ہوں اور اور کام بھی لے لیتا ہوں۔ کہاں سے وہ سونٹا آیا تھا اس کے متعلق کوئی صحیح اور معتبر روایت پیش نہیں کی جا سکتی ✦

ان معجزات میں کیا سمجھایا

ہاں عصا کے اژدہا بننے اور ید بیضا کے ایک معنی بھی تھے یعنی اول میں یہ اشارہ تھا کہ حضرت موسٰی کے پیروؤں کی جماعت (کیونکہ عصا کا لفظ جماعت پر بھی بولا جاتا ہی دیکھو ۵۳) اپنے فریق مخالف پر غالب آئیگی اور ید بیضا میں اشارہ حضرت موسےٰ کی دلائل نیرہ کی طرف تھا۔ جو دلوں کو کھا جائینگی۔ چنانچہ فرعونیوں کا غرق ہونا اور ساحروں کا حضرت موسےٰ پر ایمان لانا ان دونوں معجزوں کی اصل حقیقت پر شاہد ہی ✦

سحر

۱۱۳۲ ساحر۔ سحر کرنیوالا۔ اور سحر کے لئے دیکھو ۱۲۹ لسان العرب میں ہی کہ سحر وہ افسون ہی جو آنکھ پر قبضہ کر لیتا ہی یہانتک کہ یہ گمان ہوتا ہی کہ اصل بات اسیطرح ہی جسطرح وہ دیکھ رہا ہی حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں اور پھر لکھا ہے کہ سحر افسون ہی اور ہر ایک چیز جسکا ماخذ لطیف اور دقیق ہو وہ سحر ہی۔ اور پھر لکھا ہی کہ سحر نہایت درجہ کی ذہانت کا بیان ہی اور حدیث اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا کو پیش کیا ہی جس کے معنی ابو عبید نے یوں کئے ہیں کہ ایک شخص کسی کی تعریف کرے یہانتک کہ اپنی صداقت کا لوگوں کو قائل کر لے پھر مذمت کرے یہانتک کہ لوگوں کو اپنی صداقت کا قائل کرے اور ابن الاثیر نے اسکے معنی کئے ہیں کہ وہ سامعین کے دلوں کو اپنی طرف پھیر لیتا ہی۔ گو سچ نہ بھی ہو (ل) الساحر العالم الفطن یعنی بڑے ذہین عالم کو ساحر کہا جاتا ہی (ت) انبیاء کو ان کے مخالف کیوں ساحر کہتے تھے صرف اسی وجہ سے کہ ان کی باتوں کا اثر دلوں پر ہوتا تھا اور وہ دلوں کو پھیر دیتے تھے ✦

انبیاء کو ساحر کہنے کی وجہ

امر۔ ائتمار

۱۱۳۳ تامرون۔ امر سے ہی اور ائتمار مشورہ کو کہتے ہیں اور یہاں تامرون اسی مشورہ کے معنی میں ہی۔ فماذا تامرون

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۙ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ○ وَجَآءَ السَّحَرَةُ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳

انہوں نے کہا اس کے اور اس کے بھائی کے معاملہ کو پیچھے ڈال دے اور شہروں میں اکٹھے کرنے والے روانہ کر دے وہ تیرے پاس ہر ایک ساحر علم والے کو لے آئیں ۱۱۳۴ اور ساحر

فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ○ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ ۱۱۴

فرعون کے پاس آئے کہنے لگے ہم کو اجر تو ضرور ملے گا اگر ہم ہی غالب رہے اس نے کہا ہاں اور تم یقیناً مقربوں میں سے (بھی) ہو گے

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ○ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ ۱۱۵ ۱۱۶

انہوں نے کہا اے موسیٰ یا تو تو ڈال یا ہم (پہلے) ڈالنے والے ہوں اس نے کہا تم ڈالو سو جب

اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ○

انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں کو دھوکا دیا اور ان کو ڈرایا اور ایک بڑا فریب بنا کھڑا کیا ۱۱۳۵

فرعون کا قول ہو جو ان کی بات سُنکر کہا گیا ہو جیسا کہ سیاق عبارت سے ظاہر ہو۔

ارجاء

۱۱۳۴ ارجہ۔ اصل میں ارجئہ ہو اور ارجاء کسی معاملہ کو توقف یا تاخیر میں ڈال دینے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ فوراً ان کے معاملہ میں کارروائی نہ ہو جو اس علم کے ماہر ہیں وہ سب جمع ہو کر مقابلہ کریں۔

حضرت موسیٰ کا ساحروں سے مقابلہ اور ان کی رسیاں اور سونٹیاں

۱۱۳۵ وہ کیا چیز تھی جو انہوں نے ڈالی۔ دوسری جگہ آتا ہو حبالھم وعصیھم (الشعراء ۲۶-۴۴) ان کی رسیاں اور ان کی سونٹیاں۔ آیا یہ سچ مچ کی رسیاں اور سونٹیاں تھیں یا حبل ہر ایک ذریعہ کو کہا جاتا ہو۔ اس لئے اس سے مراد اس قدر ہو سکتی ہو کہ جو ان سے بن پڑا۔ اور عصا کا استعمال مجاز کے رنگ میں ہوا ہو۔ مثلاً قرعہ بعصا الملامۃ کے لفظی معنی ہیں اسکو ملامت کے سونٹے سے مارا مگر مراد صرف یہ ہو کہ خوب ملامت کی۔ ایسا ہی قشرت لہ العصا کے لفظی معنی ہیں میں نے اسکے لئے سونٹے کا چھلکا اتارا اور مراد ہے جو کچھ میرے دل میں تھا زبان سے ظاہر کر دیا اور تاج العروس میں العصا کے معنی اللسان یعنی زبان بھی دیئے ہیں پس ممکن ہو کہ کوئی رسیاں اور سونٹیاں وہ ساتھ لائے ہوں اور ان کو ڈالا ہو۔ اور ممکن ہو کہ مراد اس سے صرف باطل کی حمایت میں جھوٹے سامان اور جھوٹی تقریریں ہوں۔ یا یافکون سے جو آگے آتا ہو دوسرے خیال کی تائید ہوتی ہو۔ اور دوسری جگہ انہی واقعات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہو فحشر فنادی فقال انا ربکم الاعلیٰ (النزعت ۷۹-۲۳، ۲۴) یعنی لوگوں کو اکٹھا کیا اور یہ اعلان کیا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں جو اسی موقعہ کا ذکر ہو۔ گویا ساحروں سے یہ اعلان کرایا کہ وہی سب سے بڑا دیوتا ہو اور اسکے سوا کوئی خدا نہیں ما علمت لکم من الہ غیری (القصص ۲۸-۳۸) اور اسکے بالمقابل حضرت موسیٰ یوں فرماتے ہیں فلما القوا قال موسیٰ ما جئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین ویحق اللہ الحق بکلمتہ ولو کرہ المجرمون (یونس ۸۱، ۸۲) یعنی جو کچھ تم لائے ہو یہ تو سحر ہو اور اللہ اسکو یوں باطل کر دے گا کہ اپنے کلمات کے ساتھ حق کو حق کر دکھائیگا پس یہ تمام امور اسکے موید ہیں کہ ایک طرف سے فرعون کی خدائی پر زور دیا جاتا تھا دوسری طرف حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلائل دیں۔ لیکن ظاہر الفاظ کو بھی اگر لیا جائے اور واقعی لوگوں کو مرعوب کرنے کیلئے فرعون نے چالاک آدمیوں سے کچھ فریب کاری اس قسم کی کرائی ہو جس سے لوگوں کو خیال ہو جائے کہ فرعون میں کچھ خدائی ہو تو یہ امر بھی بالکل قرین قیاس ہو کیونکہ عموماً مشرک قومیں توہم پرست بھی بہت ہوتی ہیں جو لوگ ہواؤں اور بجلیوں اور

۱۱۷ ۱۱۸ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تو اپنا سونٹا ڈال پس وہ فوراً اسے نگل گیا جو وہ جھوٹ بناتے تھے ۱۱۳۶ سو حق ظاہر ہو گیا

۱۱۹ ۱۲۰ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۚ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ

اور جو وہ کرتے تھے باطل ہو گیا پس وہیں مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر لوٹ گئے اور ساحر سجدہ کرتے

۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ سٰجِدِيْنَ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ

ہوئے گر گئے کہا ہم جہانوں کے رب پر ایمان لائے موسیٰ اور ہارون کے رب پر ۱۱۳۷ فرعون نے کہا

اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ

تم اس پر ایمان لائے قبل اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں یہ تدبیر ہے جو تم نے مخفی طور پر شہر میں کی ہے

بارشوں اور آگ اور درختوں اور پتھروں اور جانوروں کے سامنے سر جھکا دیتے ہوں انکو اس قسم کی شعبدہ بازی سے مرعوب کر لینا بہت آسان ہوتا ہے پس فرعون نے بڑے بڑے دانا آدمیوں کو اکٹھا کر کے ان سے کوئی اس قسم کی شعبدہ بازی کرائی اور اس خاص طرز کو ممکن ہے انہوں نے اس لئے اختیار کیا کہ فرعون کے سامنے حضرت موسیٰ کے عصا کے اژدہا بننے کا معجزہ مشہور ہو چکا تھا انہوں نے سمجھا یہ کوئی چالاکی ہے ہم بھی اسی قسم کی چالاکی سے کام نکال لینگے۔ مگر اسکا پول حضرت موسےٰ نے کھول دیا جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے +

لقف ۱۱۳۶ تلقف ۔لقف کے معنی ہیں ایک چیز کو دانائی سے لے لینا خواہ منہ سے ہو یا ہاتھ سے (غ) +

افک یافکون ۔اِفْكٌ ۔حق سے باطل کی طرف پھیرنے کو کہتے ہیں اسلئے ہر چیز کو جو اس حالت سے پھری ہوئی ہو جس پر اسے ہونا چاہئے اِفْكٌ کہا جاتا ہے اسی لئے اِفْكٌ مطلق کذب کو بھی کہتے ہیں ان الذین جاؤ بالافک (النور ۲۴ - ۱۱) (غ) +

ساحروں کی سونٹیاں اور عصائے موسےٰ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ کے عصا میں یہ صفت نہ تھی کہ جب ڈالا جائے تو اژدہا بن جائے اور حضرت موسےٰ نے اسے خود ڈالنے کی جرأت بھی نہیں کی جبتک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں ہوئی۔ عصا کے ڈالنے کا نتیجہ کیا ہوا۔ جو کچھ ساحروں نے افک یا جھوٹ بنایا تھا یا جو حق کو باطل سے پھیرا تھا اسکو وہ عصا کھا گیا اور ان کا کچھ باقی نہ رہنے دیا کس طرح یہ ہوا اس کی تفصیل قرآن شریف میں نہیں نہ کہیں یہ ذکر ہے کہ یہ عصا اژدہا بن گیا تھا نہ یہ ذکر ہے کہ ان کی سونٹیاں سانپ بن گئی تھیں۔ صرف اس قدر ذکر ہے کہ ان کے سحر سے وہ دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اور حضرت موسیٰ نے جب عصا ڈالا تو وہ ساحروں کے جھوٹ کو کھا گیا اور حق ظاہر ہو گیا۔ اور یہ خیال کہ اژدہا بنکر ہی نگلا ہو گا محض خیال ہی ہے یہی عصا جب سمندر سے گزرنے کیلئے ضرورت پیش آئی تو وہاں اژدہا نہیں بنا اور جو کچھ ہوا اس کا نتیجہ یہ بتایا کہ ساحر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے اور ان کے اس قول سے کہ اٰمنا بآیات ربنا (۷ - ۱۲۶) یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف عصا کا معجزہ نہ تھا کیونکہ وہ ایک ہی آیت ہوتی اور ایمان درحقیقت معجزات پر نہیں لایا جاتا بلکہ اللہ تعالےٰ کے احکام پر پس کیا بعید ہے کہ ایک بت پرست قوم کے دل اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلائل سے کھائے گئے ہوں +

ساحروں کا ایمان لانا اور بائبل ۱۱۳۷ جادوگروں کے ایمان لانے کا ذکر بائبل میں نہیں جہاں اس مقابلہ کا ذکر ہے مگر یہودیوں کی روایات میں یہ ذکر

لِيُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ ١٢٤

تاکہ اس کے رہنے والوں کو اس سے نکال دو سو تم (نتیجہ) جان لوگے میں ضرور تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مقابل کی اطراف

خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ ١٢٥ ١٢٦

سے کاٹ دوں گا پھر میں ضرور تم کو صلیب کی موت ماروں گا انہوں نے کہا ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں اور تو ہم کو کوئی

مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا

عیب نہیں لگا سکتا سوائے اس کے کہ ہم اپنے رب کی باتوں پر ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آگئیں اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہم کو فرمانبردار

مُسْلِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا ١٢٧

بنا کر وفات دیجیو [١١٣٨] اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑتا ہے تاکہ وہ ملک میں

فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ

فساد کریں اور تجھے اور تیرے خداؤں کو چھوڑ دے اس نے کہا ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے

وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ ١٢٨

اور ہم ان کے اوپر غالب ہیں موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی مدد مانگو اور صبر کرو

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ڐ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

بیشک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسکا وارث بناتا ہے۔ اور (اچھا) انجام متقیوں کیلئے ہے [١١٣٩]

موجود ہے۔ اور اس کی تائید خروج ١٢ : ٣٨ سے ہوتی ہے جہاں بنی اسرائیل کے مصر سے جانے کے ذکر میں لکھا ہے کہ "ایک دوسری بڑی گروہ مل جلکر انکے ساتھ گئی" جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلیوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے۔ اور یہودی انسکلو پیڈیا میں ہے "کیونکہ مصری جب موسے کی پہاڑ سے واپسی کا وقت گزر گیا ان میں سے چالیس ہزار اکٹھے ہو کر آئے دو مصری جادوگروں بینس اور یمبرس کے ساتھ" اور ینیس اور یمبریس وہی جادوگر تھے جو حضرت موسے کے مقابلہ پر آئے جیساکہ ٢ تمطاؤس ٣ : ٨ سے ظاہر ہے ✦

١١٣٨ مومن اور کافر میں یہ فرق دکھایا ہے کہ یہی جادوگر جو حالت کفر میں روپوں کا اجر فرعون سے طلب کرتے تھے اب جان تک کی ان کو پروا نہیں اس لئے کہ خدا کو پالیا ✦

بنی اسرائیل کے ذکر میں مسلمانوں کی مشکلات کا علاج

١١٣٩ قرآن کریم نے جن گزشتہ واقعات کو بیان کیا ہے ان سب میں اور بالخصوص بنی اسرائیل کے ذکر میں اسلام کی تاریخ لکھی ہوئی ہے جو کچھ حالت بنی اسرائیل کو پیش آئی وہی مسلمانوں کو پیش آنے والی تھی۔ اسلئے بنی اسرائیل کے واقعات کا ذکر کرکے جو ان کو حضرت موسیٰ کی معرفت علاج بتایا ہے وہ مسلمانوں کی مشکلات کا علاج ہے۔ بنی اسرائیل ایک دوسری قوم

۱۲۹ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

انہوں نے کہا ہمیں دکھ دیا گیا اس سے پہلے کہ تو ہمارے پاس آتا اور اسکے بعد کہ تو ہمارے پاس آیا اس نے کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے

يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ع

دشمن کو ہلاک کردے اور تم کو زمین میں حاکم بنائے پھر دیکھے تم کس طرح عمل کرتے ہو ۱۱۳۹ف

کی غلامی میں تھے۔ اور دوسری قوم ان پر حکمران تھی۔ حاکم قوم ان کو روز بروز کمزور کرتی چلی جاتی تھی اور ایسی تدابیر انکے متعلق اختیار کرتی تھی کہ جن سے انکی قومی زندگی مٹتی چلی جائے بسبب ذلت کے کام ان سے لئے جاتے تھے انکے بیٹوں کو قتل کیا جاتا اور عورتوں کو زندہ رکھا جاتا تھا تاکہ یہ قوم آہستہ آہستہ فنا ہو جائے۔ آج یہی نقشہ مسلمانوں کا نظر آتا ہے صرف اس قدر فرق ہے جو حالات زمانہ سے پیدا ہونا لازم تھا۔ آج مسلمان عموماً ساری دنیا میں اور بالخصوص اس ملک ہند میں ایک دوسری قوم کی غلامی میں ہیں وہ دوسری قوم ان پر حکمران ہے اور حکومت کی تدابیر اس قدر مضبوط ہیں کہ محکوم قوم انکا مقابلہ نہیں کرسکتی محکوم قوم کے اعلیٰ درجہ کے جوہر مٹتے چلے جارہے ہیں دنیا کے مال کے لالچ کیلئے وہ دین ایمان بیچتے چلے جاتے ہیں شجاعت اور مردانگی کا جوہر مفقود ہوتا چلا جاتا ہے دین اسلام کی محبت اور غیرت کم ہوتی چلی جاتی ہے دنیوی شان و شوکت تو مدت سے رخصت ہو چکی جو کچھ باقی رہی تھی اس کا اس جنگ نے فیصلہ کردیا۔ ہاں وہاں اگر بیٹوں کو قتل کرتے تھے تو یہاں مجازی طور پر ان کا قتل ہے۔ کیونکہ مردانگی اور شجاعت کی اعلیٰ صفات کا مرجانا ہی مجازاً قوم کے فرزندوں کا قتل ہے۔ آرائش و زیبائش جسمانی مال و دولت دنیا دنیا کی دلفریبی کے ظاہری سامانوں پر فریفتگی یہ وہ زنانہ صفات ہیں جو نستحی نساءھم کے قائم مقام ہو رہی ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان مشکلات کا علاج کیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ آج ہماری قوم کو بالکل وہی حالات پیش آئے ہیں جو بنی اسرائیل کو فرعون کے ماتحت پیش آئے تھے۔ تو اللہ تعالےٰ نے جو حضرت موسیٰ کی زبان سے علاج بتایا ہے وہ ہماری ہی مشکلات کا علاج ہے اور وہ علاج کیا ہے؟ استعینوا باللہ واصبروا اللہ کی مدد چاہنا اور صبر اختیار کرنا۔ آج کل کے لیڈروں کی نظر میں یہ ایک لغو سی بات ہے وہ اس طرف توجہ نہیں کرتے انکو اپنی قوت بازو پر بھروسہ ہے کہ ہم اس حاکم قوم کو عدم تعاون سے مار لینگے اور اگر عدم تعاون سے یہ قوم نہ مری تو پھر ہم تلوار اُٹھا لینگے۔ خدا کے کلام کی تصریح کے خلاف ان باتوں کیطرف جانا عمداً قوم کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ فرعون کی اس قدر زیادتیوں کے باوجود بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنیکے باوجود خدا کی عبادت سے روکنے کے باوجود بنی اسرائیل کو جو ایک محکوم قوم تھی یہ حکم نہیں دیا جاتا کہ تم فرعون کے خلاف جنگ کرو۔ بلکہ یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ کی مدد چاہو اور صبر کرو۔ یہی علاج آج ہماری مشکلات کا تھا ہم بنی اسرائیل کی طرح دوسری قوم کی غلامی میں ہیں اس ذلت کیحالت سے ہم حاکم قوم سے جنگ کرکے نہیں نکل سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے خدا کے آگے گرگرا اور اپنی کمزوری کا علاج اللہ تعالیٰ کی قوت کو سمجھکر نکل سکتے ہیں۔ قرآن کریم کا ایک لفظ بھی اس بات کی تائید میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ کہ محکوم ہو کر حاکم قوم کیساتھ جنگ کرنے کی اجازت دیجائے اور درحقیقت یہ جنگ نہ ہوگی خودکشی ہوگی قوم کے ملکی رہنماؤں کو اور علمائے اسلام کو یہ چاہئے کہ حالات پیش آمدہ میں اپنی مشکلات کا حل قرآن کریم سے سوچیں۔ استعانت باللہ اور صبر سے ہی قوم کے اندر وہ جوہر پیدا ہونگے جن سے یہ قوم زندہ رہنے کے قابل بنیگی۔ رہا ان لوگوں کا سوال جو اس وقت اسلام کے دشمن ہمیں نظر آتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ انکی ہلاکت کے کوئی اسباب پیدا کردے اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ انکو دشمنان اسلام کے حلقہ سے نکالکر حلقہ بگوشان اسلام بنادے عسى الله ان يجعل بينكم وبين الذين عاديتم منهم مودة (الممتحنة ۷) ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم اپنی اصلاح کریں اور اسلام کی خوبیوں کو دوسروں کے سامنے کھولکر رکھیں یہی راہ ہے جو حالات پیش آمدہ میں قرآن کریم نے ہمیں صراحت سے بتادی ہے جبتک مسلمان اس راہ سے منہ موڑ رہے ہیں فلاکت و ادبار کی حالت سے باہر نہیں نکل سکتے ٭

بادشاہت کے حصول کا طریق ۱۱۳۹ف اس سارے بیان میں یہی بتایا ہے کہ جب ایک قوم حد سے زیادہ مخلوق کو دکھ دیتی ہے تو بادشاہت اس سے لیکر دوسری

ع ۱۶ / ۱۴

فرعونیوں پر دباؤں اور ہلاکت کا آنا اور بنی اسرائیل کی نجات

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ ۱۳۰

اور البتہ ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط اور پھلوں کی کمی میں پکڑا تاکہ وہ نصیحت قبول کریں نمبر ۱۱۴۰

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا ۱۳۱

سو جب ان کو سکھ پہنچتا کہتے یہ ہمارا حق ہے اور اگر ان کو دُکھ پہنچتا موسیٰ اور اس کے

بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ساتھیوں کی بدشگونی بتاتے دیکھو ان کی بدقسمتی صرف اللہ کی طرف سے ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۱۱۴۱

قوم کو دی جاتی ہے۔ باوجود ان سارے دکھوں کے جو بنی اسرائیل کو ملتے ہیں باوجود اس کے کہ ایک سخت غلامی کی حالت میں وہ پڑے ہوئے ہیں اور حاکم قوم بڑی زبردست ہے اور یہ صرف چند بیگار کے کام کرنے والے لوگ ہیں جن کو حکومت میں بھی کوئی رسوخ حاصل نہیں حضرت موسیٰ کا ایمان کس قدر ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ تمہارا دشمن ضرور ہلاک ہوگا اور تم بادشاہ بنو گے مگر پھر تمہارے عملوں کو بھی اللہ تعالےٰ دیکھے گا جب تم اس طرح مخلوق خدا کو دکھ دینے لگو گے تو تم سے بھی حکومت لے لی جائیگی۔ موسیٰ کے ساتھیوں کی تکالیف میں مسلمانوں کی اس وقت کی تکالیف کا نقشہ کھینچا ہے گو دونوں رنگوں میں کچھ فرق ہو کہ دوسری قوموں کے ہاتھ میں یہ لوگ ذلیل اور مقہور رہ رہے ہیں +

سنة

ع ۱۱۴۰ سنین۔ سنة کی جمع ہے جس کے معنی سال ہیں مگر اس کا زیادہ استعمال قحط کے سال پر ہے (غ) یہاں تک کہ اس سے مراد قحط کا سال ہی سمجھا جانے لگا +

تطیر۔ اطیر

ع ۱۱۴۱ یطیروا۔ طائرہ۔ طَیر بمعنی پرندے ہے۔ اور تَطَیُّرٌ اور اِطَّیُّرٌ پرندوں سے شگون لینے کو کہتے ہیں پھر اس کا استعمال ہر ایک قسم کی بدشگونی اور بری فال لینے پر عام ہوگیا ہے (غ) اہل عرب اگر پرندوں کو بائیں جانب اُڑتا دیکھیں تو اسے بدشگونی سمجھتے تھے (ت) اور طائرھم میں طائر سے مراد ان کی شوم یعنی وہ بدقسمتی ہے جس کے متعلق وہ بدشگونی لیتے تھے۔

طائر

طائر اصل میں انسان کے عمل کو کہتے ہیں خیر ہو یا شر کیونکہ وہ اس سے اُڑ جاتا ہے جیسا کہ کل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقه میں ہے (غ) ابو عبیدہ کہتے ہیں حظ یا بہرہ پر جو انسان کو ملے یہ لفظ اطلاق پاتا ہے (ت) طائرھم عند اللہ سے مراد ہے کہ جو کچھ ان پر مصیبت آتی ہے وہ ان کا حظ یا بہرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی انہی کی بدعملیوں کی سزا ہے +

مسلمانوں کے مصائب اور مجدد صد چہاردہم

جب کوئی راستباز آتا ہے اور وہ ایک اچھی راہ کی طرف بلاتا ہے اور بری راہ سے روکتا ہے اور لوگ اس کی بات کو نہ ماننے سے اور مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کریں اور راہ حق کو قبول کریں یوں کہنے لگتے ہیں کہ یہ مصائب اس شخص کی وجہ سے ہم پر آرہی ہیں۔ ان کو توجہ دلائی ہے کہ داعی خیر کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے اپنے اعمال بد کی وجہ سے ان پر مصائب آتی ہیں۔ آج مسلمانوں کا یہی حال ہے جب چودھویں صدی کے سر پر ایک مجدد آیا اور اس نے بتایا کہ تمہاری کامیابی اپنی اصلاح اور اشاعت اسلام میں ہے تو بجائے اس کے کہ اس حق بات کو قبول کرتے اسکی مخالفت کی اور غلط راہوں پر پڑے وہ مصائب اور بھی بڑھیں تو اب لگے کہنے کہ ہماری مصائب تو اس کے آنے سے اور بھی زیادہ ہوئیں کاش مسلمان ان آیات قرآنی سے کچھ سبق لیں +

۱۳۲ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا

اور انہوں نے کہا جو کوئی نشان بھی تو ہمارے پاس لائے تاکہ اس کے ساتھ ہم کو دھوکا دے ہم تیری بات کو نہیں ماننگے ۱۱۴۲ سو ہم نے

عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا

ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈکیں اور خون کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر انہوں نے تکبر کیا

۱۳۳ وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا

اور وہ مجرم قوم تھے ۱۱۴۳ اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا کہتے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر جیسا اس نے

عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ

تجھ سے عہد کیا ہے اگر تو ہم سے عذاب دور کردے ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئینگے اور ضرور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو

۱۳۵ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝

بھیج دینگے لیکن جب ہم ان سے ایک وقت کے لئے جس کو وہ پہنچنے والے تھے عذاب دور کردیتے تو فوراً عہد شکنی کرتے ۱۱۴۴

۱۳۶ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝

پس ہم نے ان پر سزا وارد کی سو ان کو دریا میں غرق کردیا اس لئے کہ وہ ہماری باتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے لاپروا تھے

مہما

۱۱۴۲ مہما۔ مہ اور ما سے مرکب ہے اور مہ اسم فعل بمعنی توقف ہے۔ اور ما شرطیہ۔ یا ما ما سے مرکب ہے۔ پہلا ما شرطیہ ہے اور دوسرا تعمیم کے لئے +

مطلب یہ تھا کہ یہ تمہارے معجزات محض دھوکا ہیں۔ اسلئے ان کو دیکھکر ہم ایمان نہیں لاتے +

طوف۔ طوفان

۱۱۴۳ طوفان۔ طَوْف سے ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کے گرد گھومنا۔ اور طوفان ہر وہ حادثہ ہے جو انسان کو چاروں طرف سے گھیرے (غ) اسی سے اس کا استعمال بڑے سیل پر ہوا ہے۔ طوفان کے معنی بخاری میں موت کثیر دیئے ہیں +

جراد

جراد۔ ٹڈی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین کو سبزی سے خالی کردیتی ہے (غ) اور جَرْد کے معنی ہیں ایک چیز کا چھلکا اتارنا +

قمل۔ ضفادع

قُمَّل۔ جوں۔ چیچڑی۔ پسو وغیرہ پر بولا جاتا ہے ضفادع۔ ضِفْدَعْ کی جمع ہے مینڈک +

حضرت موسیٰ کے نونشان

بائبل میں ذیل کی نشانیوں کا ذکر ہے۔ دریا کا لہو بن جانا۔ مینڈکوں کی آفت۔ جوئیں۔ مچھر۔ مویشی پر مری۔ پھوڑوں کی آفت۔ اولے۔ ٹڈی۔ تاریکی۔ قرآن کریم نے جو آفات بیان کی ہیں وہ سات ہیں جن میں سے پانچ یہاں۔ اور دو آیت ۱۳۰ میں یعنی قحط اور پھلوں کی کمی۔ اور ان سات کے ساتھ عصا اور ید بیضا کے معجزات ملا کر کل نو نشان ہو جاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ذکر ہے +

نکث

۱۱۴۴ ینکثون۔ نکث کاتے ہوئے اور بنے ہوئے کے توڑنے پر استعمال ہوتا ہے اور استعارۃً نقض عہد پر (غ)

خروج ۶ سے ۱۱ باب تک ان نشانات کی تفصیل اور فرعون کے اقرار و عہد شکنی کا ذکر ہے +

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي ۱۳۷

اور ہم نے اس قوم کو جس کو کمزور خیال کیا جاتا تھا اس زمین کے مشرقی حصوں اور اس کے مغربی حصوں کا وارث کردیا

بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ

جس میں ہم نے برکت دی تھی اور تیرے رب کی اچھی بات بنی اسرائیل کے حق میں پوری ہوئی اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا

الربع

وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ○ وَجَاوَزْنَا ۱۳۸

اور ہم نے وہ سب تباہ کردیا جو فرعون اور اس کی قوم بناتے تھے اور جو وہ عمارتیں بناتے تھے ۱۱۴۵ اور ہم نے بنی اسرائیل

بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ ۚ قَالُوا

کو دریا سے گزار دیا تب وہ ایک قوم پر آئے جو اپنے بتوں کی پرستش کرتے تھے انہوں نے کہا

يَا مُوسَى اجْعَل لَنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ○

اے موسیٰ ہمیں بھی دیوتا بنا دے جیسے ان کے دیوتا ہیں اس نے کہا بلاشبہ تم جاہل قوم ہو ۱۱۴۶

الارض ۱۱۴۵ الارض سے مراد ارض مقدس یعنی شام کی زمین ہے اس کے مشرق و مغرب کا مالک کردیا یعنی ساری ارض مقدس کا وارث کردیا گویا یہ بہت بڑا واقعہ ہے +

تمام تمت کلمۃ ربک الحسنیٰ ۔ تمام یا انتہا کو پہنچ جانے سے مراد اس کا پورا ہونا ہے اور کلمۃ الحسنیٰ یا اچھی بات وہ وعدہ ہے جو ان کو دیا گیا تھا کہ تمہیں ارض مقدس کا وارث بنایا جائیگا یا اس وعدہ کی طرف اشارہ ہے جو اوپر فرمایا عسیٰ ربکم ان یہلک عدوکم (۱۲۹) +

عرش یعرشون ۔ کے معنی ابوعبیدہ نے یبنون کئے ہیں یعنی جو عمارتیں وہ بناتے تھے (غ) یا باغات مراد ہوسکتے ہیں +

امت کی کامیابی تلوار سے نہیں یہاں بنی اسرائیل کی کامیابی کو ان کے صبر کا نتیجہ بتایا ۔ اور حسن سے مروی ہے کہ اگر لوگ جب ان کو اپنے بادشاہ کی طرف سے کسی قسم کی تکلیف پہنچے صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو بہت دیر نہ لگے گی کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کردے گا لیکن وہ گھبرا کر تلوار کی طرف جاتے ہیں سو اسی کے سپرد کردیئے جاتے ہیں اور انہی سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کو جو کچھ ملا ان کے صبر سے ہی ملا ۔ اور یہ امت جب تلوار کی طرف دوڑے گی ۔ تو کبھی نتیجہ اچھا نہ ہوگا (ر) ان روایات کو نقل کرکے مصنف روح المعانی لکھتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو ۱۲۴۸ سال تک دیکھا کہ وہ جب تلوار کی طرف دوڑے ہیں تو ان کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا نہ ان کی مراد پوری ہوئی نہ کوئی محمود امر ہوا +

صنم ۱۱۴۶ اصنام ۔ صنم کی جمع ہے اور وہ جسم ہے جو چاندی تانبے لکڑی وغیرہ سے بنایا جائے ان کی عبادت کرتے تھے اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس سے حاصل ہوتا ہے اور بعض نے صنم سے مراد ہر اس چیز کو لیا ہے جس کی من دون اللہ پرستش کی جائے بلکہ ہر چیز جو اللہ تعالیٰ سے دوسری طرف لے جانے والی ہو (غ) +

بنی اسرائیل پر مصریوں کا اثر مصری لوگ ہر چیز کی پرستش کرتے تھے اس قسم کی بت پرست قوم میں رہ کر بنی اسرائیل کی عادات میں

۱۳۹ ۱۴۰ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ

(سب) یہ سو جس معاملہ میں یہ پڑے ہوئے ہیں وہ تباہ کر دیا جائیگا اور جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں باطل ہے[۱۱۴۷] اس نے کہا کیا میں اللہ کے سوا

۱۴۱ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

تمہارے لئے معبود چاہوں اور اس نے تم کو مخلوقات پر فضیلت دی ہے[۱۱۴۸] اور جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی وہ تمہیں

سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ

برا دکھ پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی

۱۴۲ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ

طرف سے بڑی آزمایش تھی اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا اور ان کا اتمام دس (اور) کے ساتھ کیا

مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ

یوں اس کے رب کا مقرر کردہ وقت چالیس رات پورا ہو گیا[۱۱۴۹] اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا

ع ۱۶/۷ — حضرت موسیٰ کو شریعت کا ملنا۔

مسلمانوں پر ہندوؤں کا اثر

بت پرستی داخل ہو گئی تھی۔ اس لئے بار بار بت پرستی کی طرف ان کا میلان پایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں پر ہمسایہ قوم کا اثر بہت ہوا ہے یہاں تک کہ قبر پرستی پیر پرستی کے رنگ میں طرح طرح کے مشرکانہ عقیدے ان میں پھیل گئے ہیں۔ اور ہر قسم کی مشرکانہ رسوم و رواج ان میں جڑ پکڑ گئے ہیں +

تبر — متبر تتبیر — تباد

[۱۱۴۷] متبّر۔ تبر اس سونے یا دوسری معدنی چیز کو کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی حالت میں یعنی ذرات کی صورت میں مٹی میں ملی ہوئی ہو اور تَبَّرَہٗ کے معنی ہیں ایک چیز کو توڑ دیا اور ہلاک کر دیا پس مُتَبَّرٌ کے معنی توڑ کر ہلاک کر دیا گیا۔ اور تباد ہلاکت ہے ولا تزد الظالمین الا تبارا (نوح ۷۱ - ۲۸) وکلا تبرنا تتبیرا (الفرقان ۲۵ - ۳۹) +

بت پرستی کے نابود ہونے کی پیشگوئی

ماھم فیہ جس معاملہ میں یہ ہیں یعنی بت پرستی یا ان بتوں کو حصول قرب بارگاہ الٰہی کا ذریعہ خیال کرنا بالفاظ دیگر مذہب بت پرستی آخرکار دنیا سے اٹھ جائیگا۔ ابتک دنیا کی تاریخ سے اس پر شہادت ملتی ہے کہ بت پرستی کا مذہب دنیا میں علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ کمزور ہوتا چلا گیا ہے۔ اور یقیناً وہ وقت آنے والا ہے کہ یہ مذہب بالکل نابود ہو جائیگا اور خدائے واحد کی عبادت دنیا میں قایم ہو گی +

شرک کے خلاف دلیل

[۱۱۴۸] اس میں شرک کے خلاف اعلیٰ درجہ کی دلیل دی ہے جو فطرت انسانی کو اپیل کرتی ہے یعنی فرمایا کہ خدا نے انسان کو تو ساری مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ پھر کیا اسی مخلوقات میں سے تمہارے لئے معبود تجویز کیا جائے اور فطرت انسانی کو اس چیز کے آگے جھکایا جائے جس پر اس کو فضیلت حاصل ہے +

عبادت کی چالیس خاص راتیں

[۱۱۴۹] سورۃ بقرہ میں صاف فرمایا کہ موسےٰ سے ہم نے چالیس رات کا وعدہ کیا تھا اور یہاں بھی چالیس رات کو ہی میقات ربہ یعنی رب کا مقرر کردہ وقت کہا ہے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ پہلے تیس رات کا وعدہ کیا تھا اور اس کے گزر جانے کے بعد پھر دس راتیں اور بڑھا دیں۔ بلکہ مطلب صرف ایک ماہ اور دس دن کو ظاہر کرنے کا ہے۔ کیونکہ تیس رات کا ایک پورا

اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ○ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا ١٤٣

میری قوم میں میری جگہ رہنا اور اصلاح کرنا اور فساد کرنیوالوں کی راہ کی پیروی نہ کرنا ۱۱۵۰ اور جب موسےٰ ہمارے وقت مقررہ پر آیا

وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۙ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ

اور اسکے ربنے اس سے کلام کیا اس نے کہا میرے رب مجھے (اپنا آپ) دکھا کہ میں تیری طرف دیکھوں۔ کہا تو مجھے نہیں دیکھ سکتا لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ

فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ

اگر یہ اپنی جگہ ٹھہرا رہ گیا تو تو مجھے بھی دیکھ لے گا پس جب اس کے ربنے پہاڑ پر تجلی فرمائی اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسےٰ

مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ○

بیہوش ہو کر گر گیا پھر جب ہوش میں آیا تو کہا تو پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانیوالا ہوں ۱۱۵۱

مہینہ بنتا ہو اور اس تقسیم میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہو کہ سنت انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے بھی چالیس راتیں مقرر کی ہیں تیس راتیں رمضان کی اور دس ذی الحج کی جو خاص طور پر عبادت کی راتیں ہیں +

خلف

ن۱۱۵۰ اخلفنی۔ خَلَفَ فلانٌ فلاناً سے مراد ہوتی ہو اس کی طرف سے حکومت کے کام کو سنبھالا۔ قام بالامر عنہ (غ) +

ہارون کی خلافت سے مراد

نبی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں تھے۔ مگر حکومت اور سرداری کا منصب حضرت موسیٰ کو حاصل تھا اسلئے اخلفنی سے مراد صرف یہی ہو کہ حکومت کا کام جو حضرت موسیٰ کے سپرد تھا وہ ان ایام میں حضرت ہارون کریں۔ نہ یہ کہ ان کی جگہ نبوت کا کام کریں۔ کیونکہ نبی وہ خود اصالتاً تھے (د) +

جلو۔ جلاء

جلوۃ۔ تجلی

صعق

۱۱۵۱ تجلّٰی۔ جَلْو کے معنی ہیں کھلے طور پر ظاہر یا الگ کر دینا اسی سے جَلَاء ہو یعنی وطن سے نکال دینا لولا ان کتب اللّٰہ علیہم الجلاء (الحشر ۵۹-۳) اسی سے جَلْوَۃ ہو اور تَجَلّی کبھی بالذات ہوتی ہو جیسے والنہار اذا تجلّی (الیل ۹۲-۲) اور کبھی امر اور فعل سے جیسے یہاں

صعقا۔ صَعِقَ الانسانُ کے معنی اس کو غش آگیا اور ایسے شخص کو صَعِق کہا جاتا ہو (ل) +

موسیٰ کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال

جیسا کہ ۸۷ میں دکھایا جا چکا ہو۔ اصل سوال حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کا تھا لن نؤمن لک حتی نری اللّٰہ جہرۃ (البقرۃ ۲-۵۵) انہی کی خاطر حضرت موسےٰ نے یہ سوال کیا تھا جس طرح حضرت عیسیٰ نے حواریوں کی درخواست کو اللہ تعالےٰ کے حضور پیش کیا انزل علینا مائدۃ من السماء حالانکہ اس سوال کو ناپسند بھی کرتے تھے۔ اور اپنے متعلق درخواست اسلئے کی کہ بنی اسرائیل کے وہ سردار تو خدا سے بہت دور پڑے ہوئے تھے۔ اس لئے اگر انسان کے لئے ان آنکھوں سے خدا کو دیکھنا ممکن ہو تو خدا کا ایک نبی اسے دیکھ سکتا ہو جس کے ساتھ وہ کلام بھی کرتا ہو جواب ملا ہو کہ اللہ تعالیٰ ان آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ بلکہ وہ اپنی تجلیات سے دیکھا جاتا ہو۔ اور اس کی تجلیات کیا ہیں۔ قدرت کے سب کام اس کی تجلیات میں ہیں۔ اور

الٰہی تجلیات

بعض تجلیات دوسروں سے بڑھکر ہوتی ہیں۔ سو اللہ تعالےٰ نے اس وقت اپنی تجلّی کا ایک زبردست نمونہ دکھایا جس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا یہی وہ رنگ ہو جس میں اللہ تعالیٰ کا طاقتور ہاتھ دنیا میں کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہو بڑے بڑے انسان اور بڑی بڑی قومیں جو پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے طاقتور ہاتھ کے سامنے یوں پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ کہ گویا کچھ بھی نہ تھے۔ اور شاید اس تجلّی کے دکھانے میں یہ بھی اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے سامنے مشکلات کے پہاڑ بھی ہونگے تو اُڑ جائینگے +

۱۴۴ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ

کہا اے موسیٰ میں نے تجھے اپنے پیغاموں اور اپنے کلام سے (دوسرے) لوگوں پر ممتاز کیا سو جو میں نے تجھے دیا ہے وہ لے لے

۱۴۵ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۞ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ

اور شکر کرنے والوں میں سے ہو ۱۱۵۲ اور ہم نے اس کیلئے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور

تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ

ہر چیز کی تفصیل لکھ دی سو اس کو مضبوطی سے پکڑلے اور اپنی قوم کو حکم کر کہ اس کی بہترین باتوں کو پکڑے رہیں میں تم کو نافرمانوں

۱۴۶ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

کا گھر (بھی) دکھا دوں گا ۱۱۵۳ میں اپنی آیات سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی کامل تجلی

حضرت موسیٰ کے لئے اللہ تعالیٰ کی اس تجلی میں ایک اور اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کامل تجلی حضرت موسے کے لئے مقدر نہ تھی بلکہ اس کا ظہور محمد مصطفیٰ صلعم کیلئے مقدر تھا۔ اسی لئے حضرت موسیٰ کے اس ریزہ ریزہ شدہ پہاڑ کے مقابل پر رسول اللہ صلعم پر تجلی کے مقام کو بلد امین کے نام سے موسوم کیا ہے وطور سینین وھذا البلد الامین (التین ۹۵ ۔ ۲ ۔ ۳) +

اللہ تعالیٰ کو دیکھنا

حضرت موسیٰ کے ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قیامت کے دن بھی مومن اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکیں گے کیونکہ وہ اور حواس ہونگے +

کلام الٰہی اور رسالت

۱۱۵۲ یہاں رسالت اور کلام کو الگ الگ کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کلام ان سے بھی کرتا ہے جنکے سپرد رسالت کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ جیسے اس اُمت کے مجددین۔ رسالت پیغام ہے جو عموماً حکم کے رنگ کا ہوتا ہے اور کلام میں پیشگوئیاں وغیرہ وغیرہ

کتاب

۱۱۵۳ کتبنا۔ کتاب بمعنی اثبات۔ ایجاب۔ فرض بھی آتا ہے (غ) پس مراد یہاں فرض کر دینا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو انسان کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اس کی تحریر انسان کی تحریر کی طرح نہیں ہو سکتی اس کا لکھنا اس کا فرض کر دینا ہی ہے جیسے کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (المجادلۃ ۵۸ ۔ ۲۱) میں بھی یہی مراد ہے۔ ایسا ہی کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت (البقرۃ ۲ ۔ ۱۸۰) میں یا کتب علیکم الصیام (البقرۃ ۲ ۔ ۱۸۳) میں۔ ان تمام موقعوں پر فعل کتاب اللہ کی طرف منسوب ہے اس لئے اگر

اللہ تعالیٰ کے توریت لکھنے سے مراد

توریت کو الواح میں خدا نے خود لکھا تھا تو قرآن میں بھی یہ احکام خود ہی لکھے۔ یہ کہنا کہ توریت اپنے ہاتھ سے لکھی اور قرآن اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا ایک بے معنی تفریق ہے۔ اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے اگر کتابوں میں کوئی کتاب خصوصیت سے ممتاز ہے تو وہ قرآن کریم ہے اس کے مقابل میں توریت کے علوم سمندر کے مقابل میں ایک چھوٹی سی ندی کا حکم بھی نہیں رکھتے +

توریت میں ہر چیز کی تفصیل سے مراد

لکل شیء یعنی ہر چیز جن کی اُن کو اس وقت حاجت تھی۔ کیونکہ باوجود اس تفصیل کے بعد میں جو انبیاء آئے ان کو کتابیں بھی دی گئیں جیسے داؤد کو زبور اور عیسےٰ کو انجیل اور ان کتابوں میں ان باتوں کی تفصیل تھی جن کی ضرورت ان انبیاء کے وقت میں پیش آئی +

باحسنھا تعلیم جو خدا کی طرف سے آتی ہے سب ہی احسن ہوتی ہے مگر چونکہ یہاں ایک بلند مقام کی طرف اشارہ ہے

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ

اور اگر وہ ہر ایک نشان بھی دیکھ لیں تو اس پر ایمان نہ لائیں اور اگر وہ راستی کی راہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) رستہ نہ ٹھہرائیں

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا

اور اگر وہ گمراہی کا رستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) رستہ بنا لیں یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے

غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۗ هَلْ يُجْزَوْنَ ١٤٧

لاپرواہ رہے ۱۱۵۴ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے عمل ضائع ہوئے ان کو کوئی بدلہ

ع ١٨ — بچھڑے کی عبادت

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا ١٤٨

نہ ملے گا مگر وہی جو عمل کرتے تھے اور موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا لیا ایک جسم جس میں سے

وقف لازم

لَّهٗ خُوَارٌ ۗ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝

آواز نکلتی تھی ۱۱۵۵ کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ وہ ان سے کلام نہیں کرتا اور نہ انکو رستہ دکھاتا ہے اس کو (معبود) بنا لیا اور وہ ظالم تھے

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ ١٤٩

اور جب وہ پشیمان ہوئے اور دیکھ لیا کہ وہ یقیناً گمراہ ہو گئے تھے

اس لئے خصوصیت سے احسن وجہ پر قایم رہنے کا حکم دیا ہے۔ اگر نبی کے پہلے متبعین ہی اعلے مقامات پر نہ پہنچیں تو پچھلے بہت ہی گر جائینگے۔ اسی کی طرف دار الفاسقین میں اشارہ کیا ہے یعنی اس قوم کی حالت ایک وقت نافرمانی کی ہو جانیوالی ہے اور فاسقوں کا جو انجام ہوتا ہے وہ بھی تم دیکھ لوگے دار الفاسقین سے یہی مراد ہے یا یہ کہ تم کو دکھا دونگا کہ فاسقوں کا انجام کیا ہوتا ہے +

۱۱۵۴ ہوسکتا ہے کہ اس کلام کا خطاب کفار مکہ سے ہو اور ہوسکتا ہے کہ بنی اسرائیل سے ہی یہ خطاب منقول ہو۔ متکبر اپنے کبر کی وجہ سے حق اور صداقت سے دور جا پڑتا ہے یہاں تک کہ غلطی اسے اچھی معلوم ہوتی ہے اور دلائل اور نشانات کی وہ کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ تکبر تمام بدیوں کی جڑ ہے +

حلی — ۱۱۵۵ حُلِیّ حَلْی کی جمع ہے۔ زیورات۔ اسی سے ہے یحلون فیہا من اساور من ذھب (الکہف [18] - ۳۱) وحلوا اساور من فضۃ (الدھر [76] - ۲۱)

حلیۃ — اور حلیۃ کے معنی بھی زیور ہیں اومن ینشؤا فی الحلیۃ (الزخرف [43] - ۱۸) جنگل میں اور مال و دولت تو کیا ہوگا زیورات جو کچھ پاس تھے انکو اکٹھا کر کے یا ان میں سے بطور چندہ لیکر ایک بچھڑے کی صورت بنالی +

جسداً عجلاً سے بدل ہے یا اس کی صفت یعنی وہ محض ایک جسم تھا جس کے اندر کوئی جان نہ تھی +

خوار — خوار۔ گائے کی آواز کو کہتے ہیں +

بچھڑے کے معبود بنانے کے خلاف جو دلیل یہاں دی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ رستہ بتاتا تھا

اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا منقطع نہیں ہوسکتا — پس معلوم ہوا معبود وہ ہو سکتا ہے جو کلام بھی کرے اور رستہ بھی دکھائے جو لوگ اس زمانہ میں خدا کا کلام کرنا بالکل

۱۵۰ قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ

کہنے لگے اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو یقیناً ہم نقصان اٹھانیوالوں میں سے ہو جائینگے ۱۱۵۶ اور جب موسیٰ اپنی قوم

إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ

کیطرف لوٹ کر آیا غضبناک افسوس کرتا ہوا کہا کیا ہی بُرا وہ کام ہے جو تم نے میرے پیچھے کیا ۱۱۵۷ کیا تم نے اپنے رب کے امر

رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ

کو جلد چاہا ۱۱۵۸ اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اس کو اپنی طرف کھینچا اس نے کہا ماں کے بیٹے قوم نے مجھے

اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ

کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے سو دشمنوں کو مجھ پر خوش ہونے کا موقع نہ دے اور مجھے ظالم لوگوں کے

۱۵۱ الظَّالِمِينَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ع

ساتھ نہ ملا ۱۱۵۹ (موسیٰ نے) کہا میرے رب میری اور میرے بھائی کی حفاظت فرما اور ہمکو اپنی رحمت میں داخل کر اور تو سب رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہے

منقطع مانتے ہیں وہ اس کی معبودیت کے خلاف اسی دلیل سے اپنے آپ کو ملزم ٹھہراتے ہیں +

سقوط. سقط فی ایدیہم

۱۱۵۶ سقط فی ایدیہم ۔ سُقُوط ایک چیز کا بلند مکان سے پست مکان میں گرنا ہے اور سقط فی ایدیہم بطور محاورہ کے نادم ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے +

اسف

۱۱۵۷ اسفا ۔ اَسَف وہ غم ہے جسکے ساتھ غضب بھی ملا ہوا ہو گو صرف بمعنی غم و بمعنی غضب بھی آتا ہے (غ) حضرت موسیٰ کو بذریعہ وحی قوم کی اس لغزش کا علم ہو گیا تھا قال فانا قد فتنا قومك من بعدك و اضلهم السامری (طٰہٰ ۔ ۸۵) اس لئے آپ قوم کے اس مشرکانہ فعل پر غصہ میں تھے ۔ ایسے امور میں غضب کا آنا مذموم نہیں بلکہ مستحسن ہے +

عجل عن الامر

۱۱۵۸ عجلتم امر ربکم کے معنی کئی طرح پر کئے گئے ہیں ۔ عجلتم عن امر ربکم یعنی تمہارے رب نے جو وعدہ تم سے کیا تھا اسکے بارہ میں جلدی کی کشاف میں عجلتم عن امر ربکم مراد لیکر عجل عن الامر کے معنی کئے ہیں ترکہ غیر تام یعنی اسے ناتکمل چھوڑا ۔ لیکن سورۃ طہٰ میں اس کی تفسیر خود موجود ہے جہاں آیت ۸۶ میں ایسا ہی ذکر کر کے فرمایا افطال علیکم العهد ام اردتم

امر

ان یحل علیکم غضب من ربکم یعنی کیا چالیس رات کا عہد تمہیں لمبا معلوم ہوا ۔ یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو ۔ پس امر ربکم سے مراد رب کی سزا یا اس کا غضب ہی ہے ۔ اور امر بمعنی سزا قرآن کریم میں آیا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ سزا تو قوم پر پیچھے دیر سے آیا کرتی ہے مگر تم نے اسکو میری زندگی میں اور میرے سامنے اس قدر جلدی لانا چاہا +

شمت ۔ شماتۃ تشمیت

۱۱۵۹ تشمت ۔ شمت سے ہے اور شَمَاتَۃ اس خوشی کو کہا جاتا ہے جو دشمن کے مبتلائے مصیبت ہونے پر ہو اور تَشْمِیت چھینکنے والے کو جو دعا دی جائے اسے کہتے ہیں گویا اس طرح اس سے شماتت کا ازالہ کیا جاتا ہے (غ) +

قرآن کا ہارون کے بچھڑا بنانے سے انکار اور بائبل کی اصلاح

ان الفاظ سے قرآن کریم نے حضرت ہارون کے بچھڑا بنانے میں شرکت سے صاف انکار کیا ہے اور یوں بائبل کے اس بیان کو غلط ٹھہرایا ہے کہ ہارون نے ہی یہ بچھڑا بنایا تھا ۔ حضرت ہارون جیسا کہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے صرف اسلئے خاموش رہے

۱۹ ع صلعم — موسٰی کی قوم اور بچھڑا

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۱۵۲

جن لوگوں نے بچھڑا بنایا ان کو ان کے رب کی طرف سے ناراضگی اور دنیا کی زندگی میں رسوائی پہنچ کر رہے گی

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ۝ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا ۱۵۳

اور اسی طرح ہم افترا کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں ۱۱۶۰ اور جنہوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کی

وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ ۱۵۴

اور ایمان لائے یقیناً تیرا رب اس کے بعد بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور جب موسٰی کا غصہ کم ہوا

أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ۝

تختیاں لیں اور ان کی تحریر میں ان لوگوں کیلئے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے رب کیلئے خوف رکھتے ہیں ۱۱۶۱

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۖ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ ۱۵۵

اور موسٰے نے اپنی قوم کے ستر آدمی ہمارے وعدہ کے لئے چن لئے ۱۱۶۲ پھر جب ان کو زلزلے نے آلیا کہا میرے رب اگر تو چاہتا

کہ انہیں خوف تھا کہ اگر انہوں نے حکما روکا تو لوگ انہیں قتل کر دینگے۔ حضرت موسٰی کا سر پکڑ کر انکو کھینچنا اس غصہ کی وجہ سے تھا جو انکو صحیح طور پر تھا۔ اور انہیں یہ بھی خیال ہوگا کہ ہارون نے کیوں ان کو حکما اس سے نہیں روک دیا۔ آخر جب وجہ سمجھ آئی تو بھائی کو اپنے ساتھ دعا میں شامل کیا۔ حضرت ہارون کا ابن اُم سے خطاب کرنا رحمت کی طرف توجہ دلانے کو ہے +

۱۱۶۰ ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ البقرۃ ۲ - ۵۴ میں جو فاقتلوا انفسکم کا حکم ہے اس سے مراد فی الواقع قتل نہیں کیونکہ یہاں سزا صرف اللہ تعالٰی کی ناراضگی اور دنیا میں رسوائی بتائی ہے۔ اور اگلی آیت میں اس سزا کے ٹل جانے کی صورت توبہ بتائی ہے +

۱۱۶۱ خروج ۳۲ - ۱۹ میں ہے کہ موسٰے نے غصہ میں تختیاں توڑ ڈالیں مگر قرآن اس کا مؤید نہیں اور نہ یہ نبی کی شان کے شایاں ہے۔ قوم پر ناراض ہو کر احکام خدا کا استخفاف نبی کا کام نہیں ہو سکتا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم توریت سے نقل نہیں کرتا بلکہ اصل سرچشمہ کوئی اور ہے اسی لئے موقعہ موقعہ پر بائبل کی غلطیوں کی اصلاح کرتا چلا جاتا ہے۔ اسی ایک واقعہ میں تین اہم امور میں بائبل کے قصہ کی اصلاح فرمائی ہے اول حضرت ہارون کی شرک عجل میں علیحدگی حالانکہ بروے بائبل ہارون ہی بچھڑا بنانے والے تھے دوم یہی تختیوں کا توڑنا سوم بچھڑے کو جلا کر اس کی خاکستر کو پانی میں ملا کر بنی اسرائیل کو پلانا جو ایک بے معنی بات ہے +

موسٰی کے تختیاں توڑنے کے معاملہ میں بائبل کی اصلاح

۱۱۶۲ ذکر عجل کے بعد کلام کا رجوع پھر اسی اصل واقعہ کی طرف کیا ہے جو حضرت موسٰی کے طور پر جانے کا واقعہ ہے۔ یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ قرآن کریم نے حضرت موسٰی کی صرف ایک ہی میقات کا ذکر کیا ہے توریت میں دو دفعہ طور پر جانے کا ذکر ہے جس کی وجہ توریت کی تختیوں کا ٹوٹ جانا ہے یعنی چونکہ پہلی دفعہ جو تختیاں حضرت موسٰے لاتے تھے وہ غصہ میں آکر توڑ دیں اسلئے دوبارہ پھر تختیاں وہیں سے لینے گئے مگر چونکہ قرآن کریم اس تختیوں کے توڑنے کے واقعہ کو ہی تسلیم ہی نہیں کرتا اسلئے دوسری میقات کا اس میں نہ کوئی ذکر ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور مفسرین کا یہ خیال کہ بچھڑے کی پرستش کی وجہ سے جو ناراضگی اللہ تعالٰی کی طرف سے ہوئی اسکے لئے پھر جانیکی ضرورت پیش آئی یا حضرت موسٰی پر ہارون کے قتل کا الزام جب بنی اسرائیل نے لگایا تو اسکی صفائی کیلئے ہارون کی قبر پر ان ستر

حضرت موسٰی کی میقات طور پر ایک ہی تھی

اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ

ان کو اور مجھے پہلے سے ہی ہلاک کر دیا ہوتا۔ کیا تو ہم کو اس کے لئے ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا یہ صرف تیری آزمائش ہے

تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ

تو اس کے ساتھ جس کو چاہتا ہے ہلاک کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ہی ہمارا ولی ہے سو ہماری حفاظت فرما اور ہم پر رحم کر اور تو

۱۵۶ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ

سب سے بہتر حفاظت کرنیوالا ہے [۱۱۶۳] اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی مقدر کر دے اور آخرت میں بھی۔ کیونکہ ہم تیری طرف

اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

رجوع کرتے ہیں (اللہ نے) کہا میرا عذاب اس سے میں جس کو چاہوں تکلیف میں ڈالوں اور میری رحمت ہر شئے پر حاوی ہے۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

سو میں اس کو ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں [۱۱۶۴]

آدمیوں کو لیکر حضرت موسےٰ گئے محض قصے ہیں۔ پس یہ ستر آدمی وہی تھے جو اس وقت حضرت موسیٰ کے ساتھ گئے جب آپ کو شریعت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے طور پر بلایا تھا۔ اور انہوں نے ہی کہا تھا لن نؤمن لك حتى نرى الله جهرة (البقرة ۲: ۵۵) اور اس کے مطابق ابن جریر میں ایک روایت بھی موجود ہے اور ذکر عجل کے بعد پھر طور والے واقعہ کا ذکر اس لئے کیا۔ کہ اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو توریت میں حضرت موسیٰ کو بتائی گئی۔ جیسا کہ آیت ۱۵۷ میں صاف اس کی تصریح فرما دی +

صاعقۃ سے مراد

۱۱۶۳ الرجفة کے لئے دیکھو [۱۱۱۳] سورۂ بقرہ کی آیت ۵۵ میں اسی کو الصاعقة کہا ہے جس کو یہاں الرجفة کہا ہے۔ اور دونوں جگہ ایک ہی واقعہ کا ذکر ہے فاخذتهم الرجفة وهي الصاعقة (ج) اب گو الصاعقة کئی معنوں میں آتا ہے مگر الرجفة صرف زلزلہ کے معنی میں آتا ہے اور چونکہ صاعقۃ کے معنی صوت شدید یعنی سخت آواز ہیں اس لئے اس سے مراد وہ آواز ہے جو بڑے زلزلہ سے پہلے آتی ہے +

حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کو طور پر صرف غشی کا آنا

یہاں بعض مفسرین نے صرف غشی کا واقع ہونا مراد لیا ہے قيل غشي عليهم ثم افاقوا (ر) یعنی انکو صرف غشی آئی تھی پھر افاقہ ہو گیا اذا صعقهم فسلب افهامهم (ج) یعنی ان پر صاعقہ بھیجا اور ان کے فہموں کو سلب کر لیا اور یہی حق ہے جیسا کہ [۹۷] میں دکھایا جا چکا ہے اور جو بیوقوفوں نے کیا اس سے مراد تھا یہ کہنا ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کو کھلا کھلا نہ دیکھ لیں ہم ایمان نہ لائیں گے

وسعت رحمت الٰہی

۱۱۶۴ رحمتي وسعت كل شيء۔ اس قدر وسیع رحمت الٰہی کا علم محمد رسول اللہ صلعم کو ہی اللہ تعالیٰ نے دیا۔ جو دنیا کی تمام اشیاء پر حاوی ہے جس میں مسلم اور کافر۔ فرمانبردار اور عاصی دونوں آجاتے ہیں۔ وہ رحمان ہے اور اس کی رحمت بلا عمل کام کرتی ہے اسلئے کفار کو بھی اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ مگر مومنوں کے لئے خصوصیت سے اس کا اثبات کیا ہے +

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۱۵۷

وہ جو رسول نبی اُمی کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا

وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ

پاتے ہیں وہ ان کو بھلی باتوں کو حکم دیتا اور ان کو بری باتوں سے روکتا ہے اور ان کیلئے ستھری چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر

عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان سے ان کا بوجھ اُتارتا ہے اور وہ طوق بھی جو ان پر تھے سو جو لوگ اس پر ایمان لائیں

بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ع

اور اس کی تعظیم کریں اور اسکو مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اُتارا گیا ہے وہی کامیاب ہونگے ۱۱۶۵

۱۱۶۵۔ الامّی ۔ اُمّی ناخواندہ کو بھی کہتے ہیں اور اس شخص کو بھی جو ام القریٰ یعنی مکہ کی طرف منسوب ہو دیکھو ۱۰۳ اور نبی اُمی سے مراد نبی عربی ہی ہے جیسا کہ آگے دکھایا جائیگا ۔

اصر ‏ اِصرھم ۔اِصر کے معنی کیلئے دیکھو ۳۶۵ یہاں مراد ایسا عہد ہے جس کا نقض خیرات سے محروم کر دیتا ہے جیسے وہ عہد جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے لیا جاتا ہے اور عام طور پر کسی امر کو کہا جا سکتا ہے جو خیرات سے روک دے (غ) ۔

غلّ ‏ اغلال ۔ غُلّ کی جمع ہے دیکھو ۸۵۰ وہ لوہا جس کے ذریعہ سے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے جاتے ہیں ۔ اس سے مراد بھی ایسی چیز ہے جو انسان کو کام سے روک دے ۔

تعزیر ‏ عزروہ ۔تعزیر۔ اس نصرت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تعظیم ملی ہوئی ہو اور اسی سے تعزیر سزا کے معنی میں ہے کیونکہ وہ بھی ایک نصرت ہے جو ظلم سے روکتی ہے (غ) ۔

توریت میں آنحضرت کی پیشگوئی ‏ حضرت موسیٰ کو توریت ملنے کے ذکر میں اس پیشگوئی کا ذکر کر دیا ہے اور ضروری تھا کہ کیا جاتا جو توریت میں آنحضرت صلعم کی آمد کے متعلق ہے بلکہ اسی غرض کیلئے حضرت موسیٰ کا ذکر بھی کیا تھا اس پیشگوئی میں رسول نبی اُمی کا ذکر کیا ہے امی کے معنی اگر ناخواندہ لئے جائیں تو پیشگوئی میں کسی ناخواندہ رسول کے آنے کا کوئی ذکر نہیں ۔ لیکن اس کے معنی اگر منسوب بہ ام القریٰ یعنی مکی یا عربی لئے جائیں تو پیشگوئی میں رسول عربی کا ذکر ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کی اس پیشگوئی میں جو استثناء ۱۸ : ۱۵ - ۱۸ میں ہے ۔ بنی اسرائیل کو خطاب کرکے یہ صاف ذکر ہے کہ تیرے بھائیوں میں سے ایک نبی اُٹھاؤں گا اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کی بھائی قوم بنی اسمٰعیل ہی تھی ۔ گویا یوں بتا دیا کہ وہ رسول عربی ہوگا ۔ اور پھر فاران سے اس کے طلوع کا ذکر بھی موسیٰ کی کتاب میں موجود ہے ۔

انجیل میں آنحضرت کی پیشگوئی ‏ دوسری بات اس رسول کے متعلق یہ بتائی کہ اس کا ذکر توریت میں ہی نہیں بلکہ انجیل میں بھی ہے ۔ انجیل میں یہ ذکر دو طرح پر موجود ہے ایک اس طرح پر کہ اسی مثل موسیٰ رسول کا ذکر انجیل میں ہے دیکھو یوحنا ۱ : ۲۱ کہ وہ اس وقت تک نہ آیا تھا اور دوسرے اس طرح پر کہ انجیل میں حضرت عیسیٰ کی پیشگوئی دوسرے فارقلیط کے آنے کی ہے ۔ دیکھو یوحنا باب ۱۴ - ۱۶ یہ کھلی کھلی پیشگوئیاں ہیں جو اور کسی کے حق میں پوری نہیں ہوئیں ۔

رکوع ۵ / ۲۰
آنحضرت کی رسالت اور موسیٰ کی قوم

۱۵۸ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاْ ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

کہو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں وہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت

الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ

ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی اُمّی پر جو

۱۵۹ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ

اللہ اور اس کے کلموں پر ایمان لاتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ ۱۱۶۶ اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ہے

۱۶۰ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ

جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے اور اس کے ساتھ عدل کرتے ہیں ۱۱۶۷ اور ہم نے ان کو بارہ قبیلوں میں (الگ الگ) قومیں بنا کر تقسیم کر دیا

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی جب اس کی قوم نے اس سے پانی مانگا کہ اپنے عصا کو چٹان پر مار

رسول موعود کی صفات

اس کے بعد اس رسول کی صفات بیان کی ہیں۔ اِصْر اور اغلال کے دور کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان تمام باتوں کو دور کرتا ہے جن سے انسان نیکیوں کے کرنے میں رکتا ہے۔ گویا بدیوں کی جڑ کاٹتا ہے اور انسان کی ترقی کی حقیقی راہ کھولتا ہے اہل کتاب کے لئے یہ ایک کھلا نشان آنحضرت صلعم کی صداقت کا تھا کہ کس طرح وہ لوگ جن کی اصلاح سے یہودی اور عیسائی دونوں عاجز آچکے تھے آنحضرت صلعم کی قوت قدسی سے ہر قسم کی بدیوں سے پاک ہوتے چلے جاتے تھے کس طرح صدیوں کی بدیوں اور رسم و رواج کی قیدوں سے وہ آزاد ہوتے چلے جاتے تھے۔ اس طرح پر نیکی کا دنیا میں پھیلانا سوائے صادق کے دوسرے کا کام نہ ہو سکتا تھا اس لئے جب پیشگوئی کا ذکر کیا تو یہ بھی بتایا کہ جن بیڑیوں کو تم نہیں کاٹ سکے ان کو عرب کے ایک اُمی نے کاٹ دیا اور یہی اسکے منجانب اللہ ہونے کا کافی نشان ہے ۔

ساری نسل انسان کا نبی

۱۱۶۶ یہ اس نبی عربی کی خصوصیت بتائی۔ اور بتایا کہ اس کے لئے یہ پیشگوئیاں اس کا توریت و انجیل میں ذکر بے معنی نہ تھا۔ بلکہ اس قدر اہمیت اس کے ذکر کو اس لئے دی گئی کہ اس نے دنیا کی سب قوموں کی طرف رسول ہو کر آنا تھا آپ سے پہلے تمام رسول ایک ایک قوم کی طرف آتے جیسا کہ خود ان انبیاء کے ذکر سے جو اس سورت میں ہو چکا ظاہر ہے کیونکہ اس وقت کے حالات اسی کے مقتضی تھے لیکن اس کا نتیجہ قومی تفریق اور بُعد ہوا اس لئے سب سے آخر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا رسول بھیجا جو ساری قوموں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرے اور ساری نوع انسانی میں وحدت پیدا کرے۔ دنیا کے جس قدر مذاہب اسلام سے پہلے ہوئے وہ سب قومی مذاہب تھے۔ اور جس قدر نبی ہوئے وہ سب قومی نبی تھے۔ مگر کل نسل انسانی کا مذہب اور کل نبی نوع انسان کا نبی ایک ہی ہوا وہی جس کے منہ میں یہ لفظ ڈالے گئے انی رسول اللہ الیکم جمیعاً

۱۱۶۷ یہ بتانا مقصود ہے کہ ساری قوم نافرمان نہ تھی ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو حق کے ساتھ دوسروں کو ہدایت بھی کرتے۔ اس لئے خود بھی حق پہ قایم ہوتے اور معاملات میں بھی حق کے ساتھ عدل کا معاملہ کرتے ۔

فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ

تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر ایک قوم نے اپنا گھاٹ جان لیا اور ہم نے ان پر بادل کا

الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَ

سایہ کیا اور ہم نے ان پر من اور سلویٰ اُتارا ستھری چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں کھاؤ اور

مَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ ۱۶۱ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ

انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے اور جب ان کو کہا گیا اس بستی میں

الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ

رہ پڑو اور جہاں سے چاہو اس سے کھاؤ اور کہو ہمارے گناہ معاف کئے جائیں اور دروازے میں فرمانبرداری کرتے ہوئے داخل ہو

خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ○ ۱۶۲ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي

ہم تمہاری خطائیں بخش دینگے (اور) احسان کرنیوالوں کو ہم بڑھکر دینگے۔ مگر ان لوگوں نے جو ان میں سے ظالم تھے اس بات کے سوائے جو

قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ○ ۱۶۳ وَسْأَلْهُمْ عَنِ

ان کو کہی گئی تھی دوسری بات بدل دی سو ہم نے ان پر آسمان سے وبا بھیجی اس لئے کہ وہ ظلم کرتے تھے ۱۱۶۸ اور ان سے اس بستی

ع ۲۱ — یہود کی خلاف ورزی میثاق

الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ

وقف لازم

کا حال پوچھ جو دریا پر واقع تھی جب وہ سبت کے بارہ میں حد سے تجاوز کرتے تھے جب ان کے سبت کے دن ان کی مچھلیاں

يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○ ۱۱۶۹

النصف — عند المتاخرین — مع

پانی کے اوپر انکے سامنے آجاتیں اور جس دن ان کا سبت نہ ہوتا انکے سامنے نہ آتیں اسیطرح ہم ان کو آزماتے رہے اسلئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

۱۱۶۸ ان واقعات کو تیسری دفعہ بیان کیا ہے پہلی دفعہ سورۃ بقرہ میں حضرت موسےٰ کے ذکر میں۔ دوسری دفعہ سورۃ نساء میں حضرت عیسیٰ کے ذکر میں تیسری دفعہ یہاں آنحضرت صلعم کے ذکر میں اور ہر مقام پر لانے میں ایک خاص غرض ہے۔

۱۱۶۹ القریۃ اس بستی کو بعض نے ایلہ کہا ہے جو مدین اور طور کے درمیان بحیرہ قلزم پر واقع ہے اور بعض نے خود مدین

حوت — حیتان حوت کی جمع ہے مچھلی۔

شرع — شرعا۔ شارع کی جمع۔ شرع سے ہے جس کے معنی میں اظہار و تبیین ہے اسلئے شرعا کے معنی ہیں ظاھرۃ علی وجہ الماء یعنی پانی کے اوپر نظر آنیوالیاں۔ سبت کے دن مچھلیوں کا پانی کے اوپر آجانا اور دوسرے دنوں میں نہ آنا یہودیوں کیلئے موجب ابتلا ہوا اسلئے کہ سبت کے دن انکو شکار کی ممانعت تھی۔ اور مچھلیوں کے اس دن اوپر آنے کی وجہ بھی یہی تھی

سبت کے دن مچھلی کا شکار

١٦٤ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تم کیوں اس قوم کو وعظ کرتے ہو جسے اللہ ہلاک کرنیوالا ہے یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے

١٦٥ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ

انہوں نے کہا تاکہ تمہارے رب کے سامنے معذور ہوں اور شاید کہ وہ بچیں سو جب انہوں نے وہ چھوڑ دیا جس کی انکو نصیحت کی گئی تھی

يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو بدی سے روکتے تھے اور جو ظالم تھے انکو سخت عذاب میں پکڑ لیا اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

١٦٦ ١٦٧ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـٕـيْنَ ○ وَاِذْ تَاَذَّنَ

سو جب انہوں نے اس سے سرکشی کی جس سے روکے گئے تھے ہم نے ان کو کہا ذلیل بندر ہو جاؤ ۱۱۷۰ اور جب تیرے رب نے

رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ

خبر دے دی کہ ان پر قیامت کے دن تک ایسے لوگوں کو اٹھاتا رہے گا جو ان کو برا

الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

عذاب دینگے بیشک تیرا رب بدی کی سزا دینے میں جلدی کرنیوالا ہے اور یقیناً وہ بخشنے والا رحم کرنیوالا بھی ہے ۱۱۷۱

کہ اس دن اس کا شکار نہ کیا جاتا تھا۔ اور جانور کی یہ عادت ہے کہ وہ وقت کو پہچانتا ہے +

یہودیوں کا نقشہ کی اور مدنی سورتوں میں ایک ہے۔

اس رکوع میں بھی یہود کی سرکشی کی مثالیں دی ہیں۔ نبی کریم صلعم کو تسلی دینے کیلئے ان مثالوں کو اس وقت پیش کیا ہے جب ابھی یہود سے آپکا معاملہ نہیں پڑا تاکہ جب یہ قوم آپکے ساتھ سرکشی سے پیش آئے تو آپکو رنج نہ ہو اور یہ علم ہو کہ اس قوم کی عادت ہی سرکشی رہی ہے۔ ان لوگوں نے کس قدر غلطی کھائی ہے جنہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ پہلے پہلے نبی کریم صلعم یہود کو اچھا کہتے تھے اور جب مدینہ میں اس قوم نے آپکی مخالفت کی تب انکو برا کہنا شروع کیا۔ حالانکہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ اور اس وقت بھی قرآن کریم یہود کے اسی نقشہ کو پیش کرتا ہے جسکو بعد میں سورۂ بقرہ میں مدینہ میں پیش کیا ہے +

یہود کے بندر بننے سے مراد

۱۱۷۰ ان کے قردۃ یا بندر بننے کی تشریح ۹۴ میں گزر چکی ہے۔ یہاں یہ بات مزید قابل غور ہے کہ ایک طرف تو ان کے بندر بنانے کا ذکر کیا اور ساتھ ہی دوسری آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک ان پر ایسے لوگوں کو حاکم بناتا رہے گا جو ان کو سخت دکھ دیتے رہینگے حالانکہ حاکم انسانوں پر بنائے جاتے ہیں اور عذاب بھی انسانوں کو ہی دیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کی صورتیں بندروں کی سی نہ بنی تھیں بلکہ انسانوں ہی کی رہی تھیں +

تاذّن

۱۱۷۱ تاذّن ۔ اِذن کے معنی کیلئے دیکھو ۱۲۳ اور تاذّن کے معنی اَعْلَمَ ہیں یعنی یہ علم دیدیا یا خبر دیدی +

یہودیوں کے متعلق پیشگوئی

یہودیوں کے ہاتھ سے حکومت اسلام کے آنے سے پہلے نکل چکی تھی اور جہاں جہاں یہ قوم محکوم ہونے کی حالت میں تھی سخت ذلت کی حالت میں رہی۔ ہاں اسلام کے آنے سے پہلے یہ قوم صرف چند ایک قریب قریب کے ممالک میں ہی آباد تھی۔ اسلام

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ ۱۶۸

اور ہم نے ان کو زمین میں گروہ گروہ کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کچھ ان میں سے صالح ہیں اور کچھ اس سے ہٹے ہوئے ہیں اور ہم ان کو آسائش

بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ○ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا ۱۶۹

اور تکلیف سے آزماتے رہے تاکہ وہ رجوع کریں پھر ان کے پیچھے ایسے ناخلف لوگ آئے جو کتاب کے وارث

الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ یَّاْتِهِمْ

ہوئے وہ اس نچلی زندگی کا سامان لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو بخش دیا جائے گا اور اگر ان کے پاس اسی قسم

عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا

کا اور سامان آ جاتا ہے اسے بھی لے لیتے ہیں کیا ان سے کتاب کے ذریعے عہد نہ لیا گیا تھا کہ اللہ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہیں گے

عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ

اور جو کچھ اس میں ہے اسے پڑھتے ہیں اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو تقوی اختیار کرتے ہیں۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ○ ۱۷۰

سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۱۱۷۲ اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں ہم کبھی صلاح کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتے

کے بعد دنیا کے تمام ملکوں میں پھیل گئی اور جہاں کہیں رہی حکام وقت کی طرف سے بڑی بڑی خطرناک تکلیفیں اٹھاتی رہی۔ اور اس مصیبت کے متعلق جس کے نیچے اس وقت یہودی تھے۔ قرآن کریم نے یہ پیشگوئی کی کہ آئندہ بھی وہ رہینگے۔ ہاں انه لغفور رحیم میں خوشخبری بھی دی کہ کچھ رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف کریں تو ان کی بدیوں کو بخش بھی دیگا یعنی اس سزا سے انکو نکال دیگا۔

خَلْف — ۱۱۷۲ خَلْف کے عام معنی پیچھے ہیں لیکن بالخصوص یہ لفظ برے محل پر استعمال ہوتا ہے بمقابلہ خَلَف کے جو اچھی جگہ پر بولا جاتا ہے یعنی خَلْف کے معنی ہیں المتأخر المقصور منزلته یعنی ایسا پیچھے آنے والا جو مرتبہ میں گر گیا ہو (غ)۔

عرض — عَرَض۔ متاع دنیا کو کہتے ہیں یا ایسے مال کو جس کے لئے ثبات نہ ہو (غ)۔

قول — یقولون۔ قول۔ یہاں بمعنی اعتقاد ہے یعنی دین کو چھوڑ کر دنیا کو لیتے ہیں اور پھر امید رکھتے ہیں۔ کہ ہم بخشے جائیں گے منہ سے کہنا مراد نہیں۔

میثاق الکتاب — میثاق الکتاب سے مراد وہ میثاق ہے جو کتاب یعنی توریت میں مذکور ہے گویا اضافت بمعنی فی ہے۔

گناہ کی مغفرت کا اصول — مطلب یہ ہے کہ پہلے لوگوں میں تو صالح بھی تھے مگر جو پیچھے آئے وہ اکثر ناخلف ہی تھے۔ مال دنیا کے حصول کے لئے دین اور اخلاق کی ان کو پرواہ نہ رہی۔ اور اعتقاد یہ رکھا کہ گناہ تو اللہ تعالیٰ بخش ہی دے گا لیکن حالت یہ تھی کہ اپنے گناہوں پر اصرار تھا۔ حالانکہ مغفرت کی امید تو اس حال میں رکھنی چاہیئے جب انسان گناہ پر اصرار نہ کرے۔ یہ اصول گناہوں کی مغفرت کا بتایا۔ یہ بنی اسرائیل کے قصے میں مسلمانوں کا نقشہ ہے۔

۱۷۱ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ

اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو زور سے ہلا یا گویا کہ وہ سایہ کرنے والا بادل تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرنیوالا ہے جو کچھ ہم نے تمکو دیا ہے

۱۷۲ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ

مضبوطی سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں ہے یاد رکھو تاکہ تم بچ جاؤ ۱۱۷۳ اور جب تیرے رب نے بنی آدم سے (یعنی) ان کی پیٹھ

ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ

سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے آپ پر گواہ ٹھہرایا کیا میں تمہارا رب نہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔

شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ۝

ہم گواہ ہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کہو ہم تو اس سے بے خبر تھے ۱۱۷۴

۲۲ ع ۱۰ ۱۲ میثاق فطرت

مع عند المتاخرین

نتق

۱۱۷۳ نتقنا۔ نتق کے اصل معنی لغت میں الزعزعة والهز ہیں (ل) یعنی ایک چیز کو حرکت میں لانا اور ہلا دینا چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ونتقوا احلامنا الاثقا فلا ہاں اسکے معنی جذب اور اقتلاع بھی آتے ہیں یعنی ایک چیز کا کھینچ لینا اور جگہ سے اکھیڑ دینا لیکن جب نتقت الشیء کے معنی حرکته صاف لغت میں موجود ہیں۔ اور ابھی پیچھے رجفة یعنی زلزلہ کا ذکر گزر چکا ہے تو یہی معنی یہاں مراد لئے جائینگے۔ اس لئے بھی کہ پہاڑ کو جگہ سے اٹھا کر موسٰے کے لشکر پر لانا اور پھر ان سے اقرار یا بندگی معاہدہ لینا اللہ تعالیٰ کے اس قانون کے خلاف ہے جو اپنی شرائع کے بارہ میں اسنے رکھا ہے فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر۔ (الکہف ۱۸-۲۹)

ظلة

ظُلَّة۔ اس بادل کو کہتے ہیں جو سایہ کرے اور اکثر استعمال اس کا اس میں ہے جسے ناپسند کیا جاتے عذاب یوم الظلة۔ (الشعراء ۲۶-۱۸۹) اور اسکی جمع ظُلَل ہے فی ظلل من الغمام (البقرة ۲-۲۱۰) واذا غشیهم موج کالظلل (لقمٰن ۳۱-۳۲) یعنی اسی کیفیت کا ذکر کیا ہے جب وہ پہاڑ کے دامن میں تھے اور اوپر سے زور کا زلزلہ آیا جس سے انکو معلوم ہوا کہ بس پہاڑ انکے اوپر آ گریگا۔

میثاق فطرت

۱۱۷۴ یہود کی خلاف ورزی میثاق کا ذکر کرتے ہوئے اس میثاق کا ذکر کیا جس کا تعلق کسی خاص قوم سے نہیں بلکہ فطرت انسانی سے تعلق ہونے کی وجہ سے اس کا دائرہ سب انسانوں پر محیط ہے یعنی فطرت انسانی میں ایک نور رکھا گیا ہے جو اسے حق کی طرف ہدایت کرتا ہے یا جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر شہادت دیتا ہے۔ وحی الٰہی اسی نور کی معاون ہو کر اس کی تکمیل کرتی ہے پس یہودیوں کو گویا دونوں طرح پر خطاب کیا۔ اس خاص میثاق کی طرف بھی توجہ دلائی جو ان سے ہوا تھا اور اس فطری میثاق کی طرف بھی جو سب انسانوں سے ہوا اور یوں بھی وحی الٰہی کا مضمون جس پر اس سورت میں خاص بحث ہے نامکمل رہتا اگر اس نور فطرت کی طرف توجہ نہ دلائی جاتی جس کو چمکانے کے لئے وحی الٰہی آتی ہے۔

میثاق فطرت کب اور کس طرح لیا گیا۔

آیا یہ عہد آدم کی ذریت کو بکر نبہ پیدا کرکے لیا گیا تھا جیسا کہ حضرت عمر کی حدیث میں ہے؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس حدیث کی تشریح میں بھی غلطی کی جاتی ہے الفاظ حدیث یہ ہیں ان اللہ تعالیٰ خلق آدم ثم مسح ظهره بیمینه فاستخرج منه ذریة فقال خلقت هولاء للجنة الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا پھر اس کی پیٹھ کو دائیں ہاتھ سے چھوا پھر اس سے ایک ذریت نکالی اور کہا ان کو میں نے جنت کیلئے پیدا کیا ہے۔ ان الفاظ کو اس رنگ میں ظاہر پر محمول کرنا کہ گویا سچ مچ اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھی تھا جس کے ساتھ اس نے فی الواقع آدم کی پیٹھ کو چھوا صحیح نہیں نہ ہی قرآن و حدیث سے

يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ

تو زبان نکال دے یا تو اس کو چھوڑدے (تو بھی) زبان نکال دے یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَذَّبُوا ۱۷۷

سو یہ حال بیان کردے تاکہ وہ فکر کریں ۱۱۷۸ ان لوگوں کی مثال بری ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے

بِآيَاتِنَا وَأَنفُسَهُمْ كَانُوا يَظْلِمُونَ ۝ مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي ۖ ۱۷۸

ہیں اور اپنے آپ پر ہی وہ ظلم کرتے ہیں ۱۱۷۹ جس کو اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت پانیوالا ہے اور

وَمَن يُضْلِلْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ ۱۷۹

اور جس کو وہ گمراہ چھوڑدے تو وہ نقصان اٹھانیوالے ہیں اور یقیناً ہم نے بہتسے جنوں اور انسانوں کو دوزخ کیلئے پیدا کیا ہے

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ

ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھ کا کام نہیں لیتے اور انکی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کے کان ہیں

لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝

جن سے وہ سننے کا کام نہیں لیتے وہ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ وہ زیادہ گمراہ ہیں یہی بے خبر ہیں ۱۱۸۰

لھث — کتے کی مثال — اطمینان قلب کس طرح ملتا ہے

۱۱۷۸ یلہث۔ لھث کے معنی ہیں کتے کا زبان نکالنا اور انحالیکہ اس کا سانس تیز ہو رہا ہو پیاس سے ہو یا تھک جانے سے (مف)۔ ایسے لوگوں کی مثال جو احکام الٰہی کو جھٹلاتے ہیں کتے سے دی ہے جو ہر حال میں ہانپتا ہے خواہ کوئی اس پر حملہ کرے یا نہ کرے گویا قلق اور اضطراب ہر وقت ایسے انسان کے لاحق حال رہتا ہے۔ اور اطمینان قلب اسے کسی حال میں میسر نہیں آتا۔ احکام الٰہی یا وحی الٰہی کی غرض تو یہی ہے کہ انسان کو سکون یعنی اطمینان قلب حاصل ہو پس اس کا رد کرنا لازماً موجب قلق و اضطراب ہے۔ اور اطمینان قلب صرف ذکر اللہ سے میسر آتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد ۱۳ - ۲۸)۔

۱۱۷۹ مثلاً۔ بطور تمیز واقع ہوا ہے۔ اور اصل ترکیب یوں ہے ساء مثلاً مثل القوم الذین ۔

جہنم کیلئے انسانوں کا پیدا کرنا

۱۱۸۰ قرآن کریم کی بہترین تفسیر خود قرآن سے ہی ہوتی ہے جو فرماتا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ (الذاریٰت ۵۱ - ۵۶) یعنی جن وانس کو پیدا کیا تو صرف اس غرض کیلئے کہ وہ عبادت کریں پس جہنم کے لئے پیدا کرنا غرض پیدائش نہیں ہوسکتی۔ اسلئے جیسا کہ روح المعانی میں ہے اکثر مفسرین نے یہاں لام کو لام عاقبت کہا ہے جیسے فالتقطہ آل فرعون لیکون لہم عدوا وحزنا (القصص ۲۸ - ۸) یعنی ان کا انجام یہ ہے کہ وہ جہنم میں جاتے ہیں جس طرح شاعر کہتا ہے لدوا للموت وابنوا للخراب۔ موت کیلئے اولاد پیدا کرو اور ویران ہونے کیلئے عمارتیں بناؤ مطلب یہ نہیں کہ ان میں تمہاری غرض یہ ہے بلکہ انجام تو یہی ہے کہ جو پیدا ہوگا وہ مریگا جو عمارت بنی سو ایک دن ویران ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تو ان کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کی غرض بھی دوسری جگہ عبادت بتا دی، مگر نتیجہ یہ ہے کہ وہ گویا جہنم

۱۸۰ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ

اور اللہ کے لئے سب اچھے نام ہیں سو انکے ساتھ اس کو بلاؤ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اسکے ناموں میں باطل کی طرف جھک جاتے ہیں

۱۸۱ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

انہیں اس کا بدلہ دیا جائیگا جو وہ کرتے ہیں ۱۱۸۱ اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں سے ایک گروہ ہے جو حق کیساتھ ہدایت کرتے ہیں

۱۸۲ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

اور اس کے ساتھ عدل کرتے ہیں ۱۱۸۲ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

ع ۲۴ / ۷ / ۱۳ — مخالفین حق کا انجام

کے لئے ہی پیدا ہوئے تھے کیوں ؟ اس لئے کہ دل اور کان اور آنکھ سے کام نہیں لیتے یعنی اس لئے کہ کام ایسے کرتے ہیں جن کا نتیجہ جہنم ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ آیا وہ لوگ بُرے عمل اس لئے کرتے ہیں کہ خدا نے ان کو پہلے ہی جہنم کے لئے پیدا کیا ہے یا وہ جہنم کے لئے اس واسطے پیدا ہوئے کہ وہ بُرے کام کرتے ہیں۔ سو قرآن شریف کا ایک ایک لفظ اس کا شاہد ہے کہ کوئی شخص اس لئے بُرے عمل نہیں کرتا کہ خدا نے اس کو کوئی الگ قسم کے قویٰ کے ساتھ پیدا کیا ہے یہاں بھی یہی بات فرمائی۔ کہ ان کو بھی وہی دل دیئے ہیں جو دوسروں کو مگر دوسرے ان سے سمجھ کا کام لیتے ہیں وہ نہیں لیتے یوں نہیں فرمایا کہ ہم نے ان کو دل دیئے مگر فقاہت سے خالی یہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوتا اس لئے فرمایا کہ دل بھی ہیں اور فقاہت کی قوت بھی ان میں ہے مگر وہ خود اس قوت فقاہت سے کام نہیں لیتے ایسا ہی ان کو دوسروں کی طرح آنکھ اور کان دیئے مگر وہ خود ان سے دیکھنے اور سننے کا کام نہیں لیتے یہ نہیں کہ ان میں دیکھنے یا سننے کی قوت نہیں ! شرف انسانیت یہی تھا کہ انسان سُنکر اور دیکھ کر اور سمجھ کر ان نتائج پر پہنچتا جن پر حیوان نہیں پہنچ سکتا اس شرف کو انہوں نے گنوا دیا اس لئے چارپایوں کی طرح ہوگئے۔ آخر پر ان کو غافل اس لئے کہا کہ قصور ان کا اپنا ہے کہ وہ اصل مقصد زندگی سے یا شرف انسانیت سے بیخبر ہیں وہ چاہتے تو خبردار ہوسکتے تھے ٭

اسماء — ۱۱۸۱ الاسمآء۔ وہ الفاظ جو معانی مختلفہ پر دلالت کریں۔ یا صفات بھی معنی لئے جا سکتے ہیں پہلے معنی کے لحاظ سے بھی مراد ان کا مفہوم احسن ہونا ہی ہے ٭

الحد — یلحدون۔ اَلْحَدَ کے معنی ہیں حق سے باطل کی طرف مائل ہوا۔ الحاد فی الاسماء سے مراد اس کی طرف ایسی صفات منسوب کرنا ہے جو صحیح نہیں یا اس کی شان کے شایان نہیں (غ) ٭

اسمائے الٰہی سے حصول کمال — یہاں اسمائے الٰہی کا ذکر اس لئے کیا کہ انہی اسماء سے ہی انسان کمال کو حاصل کرتا ہے گویا جس اللہ تعالیٰ کے اسم کو پکارتا ہے اسی کمال کو اپنے اندر بھی چاہتا ہے اور ہر ایک غلط عقیدہ کسی اسم الٰہی میں الحاد سے پیدا ہوتا ہے اور غلط عقیدہ سے خراب عمل پیدا ہوتا ہے ٭

۱۱۸۲ اُمّة یھدون کی تفسیر خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ھذہ امتی یعنی میری اُمت آیت ۱۵۹ سے مقابلہ کرکے جہاں من قوم موسیٰ امة یھدون فرمایا اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے گویا وہاں قوم موسےٰ کا ذکر ہے تو یہاں اُمت محمدیہ کا ٭

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ ۱۸۳

ہم ان کو درجہ بدرجہ (ہلاکت کیطرف) لے جائینگے اس طریق سے کہ وہ جانتے نہ ہوں ۱۱۸۳ اور میں انکو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر مضبوط ہے ۱۱۸۴

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ ۱۸۴ ۱۸۵

اور کیا انہوں نے فکر نہیں کیا کہ ان کے رفیق کو جنون نہیں ہے وہ صرف کھلے طور پر ڈرانے والا ہے ۱۱۸۵ اور کیا

يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ

انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں غور نہیں کیا اور جو کوئی اللہ نے چیز پیدا کی ہے

درجۃ **درج** **استدراج**

۱۱۸۳ سنستدرجہم۔ درجۃ۔ منزلۃ کی طرح ہو لیکن اوپر چڑھنے کے لحاظ سے اور اس سے مراد بلند مرتبہ بھی لیا جاتا ہو للرجال علیہن درجۃ (البقرۃ ۲-۲۲۸) ہم درجات عند اللہ (آل عمران ۳-۱۶۲) اور درج کتاب یا کپڑے کے لپیٹنے کو کہا جاتا ہو اور جو لپیٹا جائے اسے بھی درج کہا جاتا ہو اور اس لئے استعارۃً موت کو بھی درج کہا جاتا ہو اسی سے استدراج ہو جس سے مراد ہو ان کا لپیٹ لینا جس طرح کتاب لپیٹ لی جاتی ہو گویا ان کی حالت غفلت کا ذکر ہو اور استدراج کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ان کو تدریج سے یعنی آہستہ آہستہ پکڑیں گو یا وہ تھوڑا تھوڑا کرکے اپنی ہلاکت کے قریب آتے جاتے ہیں (غ)

ہلاکت میں تدریج

اس رکوع میں آنحضرت صلعم کے مخالفین کے انجام کا ذکر ہو کیونکہ جب نبوت اور اس کی ضرورت پر مفصل بحث ہو چکی تو اب اس قوم کا ذکر ضروری تھا جو حق کو نابود کرنا چاہتی ہو تو اس کے متعلق فرمایا کہ ہم آہستہ آہستہ ان کو ہلاکت کیطرف لیجائینگے اور ان کا نہ جاننا اس لحاظ سے ہو کہ جب ایسی حالت ہوتی ہو تو حق کے مخالف اس مخالفت کے نشہ میں اس قدر سرشار ہوتے ہیں کہ وہ آتی ہوئی ہلاکت کو محسوس بھی نہیں کرتے۔ یہ مکی سورت ہو بعینہ اسی طرح مدینہ میں جاکر اعدائے حق کی مخالفت کا انجام ہوا۔ ایسے رنگ میں کہ محسوس بھی نہیں کرتے تھے۔ حق کے مخالف اپنی تباہی کا سامان اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں مگر ایسے تدریج کے ساتھ پکڑے جاتے ہیں کہ وہ ہلاکت آتی ہوئی بھی ان کو نظر نہیں آتی +

متن **متین**

۱۱۸۴ متین۔ متن بلند اور سخت زمین کو کہتے ہیں گو یا وہ پیٹھ کی دونوں طرفوں سے مشابہ ہو اسلئے متن کے معنی ہیں مضبوط ہوا اسی سے متین ہے (غ) +

مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک چھوٹے دل کے انسان کی طرح نہیں کہ ذرا کسی نے مخالفت کی تو فوراً پکڑ لیا۔ بلکہ وہ مہلت دیتا ہو اسلئے کہ انسان کی طرح اس کو یہ فکر نہیں کہ شاید پھر میرے قابو میں نہ آسکے بلکہ خدا تعالیٰ کی تدبیر بڑی مضبوط ہوتی ہو اور انسان اپنے اوپر قیاس کرکے جب ایک جرم پر ایک دفعہ نہیں پکڑا جاتا تو سمجھ لیتا ہو کہ پکڑنے والا ہی کوئی نہیں +

جِنّۃ

۱۱۸۵ جنۃ۔ جنّ کے معنی ڈھانکنا اور جِنّۃ جنّوں کی جماعت کو بھی کہتے ہیں جیسے من الجنۃ والناس (الناس ۱۱۴-۶) وجعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا (والصّٰفّٰت ۳۷-۱۵۸) اور جنون کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ نفس اور عقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہو (غ)

رسول کو جنون نہیں ہوتا

رسول تو بدی کے بد انجام سے ڈراتا ہو۔ اور یہ کوئی جنون کی بات نہیں قرآن کریم میں غور کرتے تو معلوم ہوتا کہ یہ کسی بلند مقام پر پہنچانا چاہتا ہو اور یہ کام مجنون کا نہیں ہوتا۔ یہ کس قدر تعجب کا مقام ہو کہ انہی لوگوں کو مجنون کہا گیا جو انسان کو بلند سے بلند مقام پر پہنچانا چاہتے ہیں اور بدی کے بد انجام سے ڈراتے ہیں۔ حالانکہ بدی کا انجام بد ہونے پر کل دنیا کا تجربہ شاہد ہو +

۱۸۶ وَاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ مَنْ

اور یہ کہ قریب ہے کہ ان کا وقت نزدیک آگیا ہو　تو اس کے بعد　کس بات پر ایمان لائینگے　جس کو

۱۸۷ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

اللہ گمراہ قرار دے تو اس کے لئے کوئی ہادی نہیں اور وہ ان کو ان کی سرکشی میں چھوڑتا ہے اندھے ہو رہے ہیں تجھ سے گھڑی کے متعلق پوچھتے

السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ

وقف لازم
وقف منزل

ہیں کہ اس کا واقع ہونا کب ہوگا　کہو اس کا علم تو صرف میرے رب کو ہے　اس کو اس کے وقت پر کوئی ظاہر نہیں کریگا مگر وہی

ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ

وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری ہوگی　تم پر اچانک ہی آجائے گی　تجھ سے پوچھتے ہیں گویا کہ تو اس کے متعلق کاوش

عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

کرنیوالا ہے ۔ کہو اس کا علم صرف اللہ کو ہے　لیکن اکثر لوگ　نہیں جانتے ہیں ۱۱۸۶

رسی ۔ ارسی

۱۱۸۶ مرسی ۔ رَسَا کے معنی ایک چیز مضبوط ہو گئی یا گڑ گئی اور اَرْسٰی اسے مضبوط یا قایم کر دیا قدور رّٰسیٰت (السبا ۳۴ ۔ ۱۳) گڑی ہوئی دیگیں رواسی شمخٰت (المرسلٰت ۷۷ ۔ ۲۷) جہاں رواسی جمع ہے اور مراد پہاڑ ہیں بوجہ مضبوطی کے جیسا کہ فرمایا

رواسی

والجبال ارسٰها (النزعٰت ۷۹ ۔ ۳۲) اور مُرْسٰی مصدر بھی ہے اور اسم مکان اور زمان اور مفعول بھی ۔ یہاں مراد اسکے قایم

مرسی

ہونیکا زمانہ ہے اور بسم اللہ مجرٖىها ومرسٰها (ھود ۱۱ ۔ ۴۱) کشتی کا ٹھہرنا یا لنگر ڈالنا (غ) ۔

جلو ۔ تجلی

یجلی ۔ جَلْو سے ہے جس کے معنی کھلے طور پر ظاہر کر دینا ہیں یہی معنی تجلیۃ کے ہیں ۔

ثقل

ثقلت ۔ ثِقَل یا بوجھ کا لفظ اصل اجسام میں بولا جاتا ہے لیکن معانی میں بھی اس کا استعمال ہے فھم من مغرم مثقلون (القلم ۶۸ ۔ ۴۶) اور ثقل القول اس بات کو کہا جاتا ہے جس کا سننا پسند خاطر نہ ہو اسی لحاظ سے یہاں ساعت پر ثقلت بولا ہے

احفاء

حفی ۔ احفاء کے معنی ہیں سوال میں الحاح کرنا یا کسی چیز کا حال معلوم کرنے میں زیادہ کاوش میں لگے رہنا (غ)

قریش کی ساعت وسطے

یہاں الساعۃ سے کیا مراد ہے ۔ ۹۳۱ میں دکھایا گیا ہے کہ ساعتیں یا قیامتیں تین ہیں صغرٰی وسطٰی کبرٰی ۔ ساعت وسطٰی ایک قوم کی تباہی کا وقت ہے ۔ اب ظاہر ہے کہ یہاں اوپر ذکر صاف الفاظ میں اعدائے حق کے پکڑا جانے کا ہے جیسا کہ رکوع کے شروع کی آیتوں میں صفائی سے فرمایا ۔ تو پس جب ان کو استدراج کی خبر دی گئی ۔ اور یہ کہ ان کو تھوڑے وقت کے لئے مہلت دیجاتی ہے تو وہ سوال کرتے ہیں کہ یہ ہماری تباہی اور ناکامی کا وقت کب آئیگا ۔ کیونکہ اس وقت وہ زوروں پر تھے ۔ اس کا جواب یہ دیا کہ کب وہ وقت آئیگا اسکے بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اوپر بتا دیا تھا کہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً آئیگا ۔ ہاں یہ فرمایا کہ وہ کوئی ایسی آسان شے نہیں جس کے متعلق تم بار بار جلدی کرتے ہو اور اس کا ثقیل ہونا اس لحاظ سے بھی ہے کہ وہ اس قوم کے لئے ایک امر ناخوشگوار ہے ۔ اور اس لئے بھی کہ اسے دوسری جگہ خافضۃ رافعۃ (الواقعۃ ۵۶ ۔ ۳) کہا ہے یعنی بعض یعنی کفار کو ذلیل کر دیگی اور بعض یعنی مومنوں کو بلند مقام پر پہنچا دیگی ۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ۱۸۸

کہو میں اپنی جان کے لیئے نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ نقصان کا ہی ہاں جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ

تو بہت سی بھلائی لے لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ چھوتی میں صرف ڈرانے والا ہوں اور ان لوگوں کے لیئے خوشخبری دینے

يُّؤْمِنُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا ۱۸۹

والا جو ایمان لاتے ہیں ۱۱۸۷ وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا

لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ

تاکہ وہ اس سے راحت حاصل کرے پھر جب وہ اس پر پردہ ڈالتا ہے تو وہ ایک ہلکا سا بوجھ اُٹھا لیتی ہے اور اسکے ساتھ چلتی پھرتی ہے پھر جب بوجھ معلوم کرتی ہے

دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

دونوں اللہ اپنے رب کو پکارتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح وسالم (بچہ) دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہونگے ۱۱۸۸

۱۱۸۷ مخالفین کو ان کے بد انجام سے ڈرانے کے بعد۔ قبول کرنے والوں کو خوشخبریاں سنا کر پھر بھی یہی فرمایا کہ رسول عالم الغیب نہیں جس قدر اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا اس قدر سُنا دیا اپنے لیئے بشر سے بڑھکر طاقت کا دعویٰ نہ کرنا دکھاتا ہے کہ کس قدر سادگی آپکے اصول دین میں تھی سب کچھ سنا تو دیا مگر یہ بھی بتا دیا کہ حق کو حق کی خاطر قبول کرو نہ اسلیئے کہ بہت سی آسایش ملجائے۔ اسلام کے اصول کی کامیابی کا اصل راز ان کی سادگی ہے اور شروع سے ہی یہ رنگ نظر آتا ہے صاحب انجیل کی طرح بڑے بڑے دعوے نہیں کہ میں یہ ہوں اور میں وہ ہوں۔ مگر کام اتنا بڑا کیا کہ حضرت عیسیٰ کا کام اسکے سامنے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔

۱۱۸۸ تغشّٰھا غَشِیَ کے اصل معنی ستر یعنی ڈھانک دینا یا پردہ ڈالنا ہیں واذا غشیھم موج (لقمٰن ۳۱-۳۲) فغشیھم من الیم ما غشیھم (طٰہٰ ۲۰-۷۸) اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ (النجم ۵۳-۱۶) وغیرہ اور کنایۃً اس سے مراد جماع لیا جاتا ہے (غ)۔

صالحا صلاح۔ فساد کی ضد ہے۔ اسلیئے صالح بلحاظ افعال بھی ہو سکتا ہے یعنی جس کے افعال میں کوئی فساد نہ ہو اور بلحاظ جسم بھی یعنی جس کے جسم میں کوئی نقصان نہ ہو اور یہی یہاں مراد ہے اس لیئے کہ بچہ کی صلاحیت اس کے جسم کے لحاظ سے ہی ہوسکتی ہے اس رکوع میں یہ بتایا ہے کہ مخالفت میں کیا طریق اختیار کرنا چاہیئے مگر پہلے بتایا ہے کہ انسان کس طرح ناشکری اختیار کرتا ہے جب دکھ اور تکلیف کا وقت ہوتا ہے تو خدا کو پکارتا ہے جب آسایش اور نعمت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر خدا کیساتھ شریک ٹھہرانے لگتا ہے۔

یہاں لفظ تو عام ہیں مگر نفس واحدۃ کے لفظ نے بہت لوگوں کو اس طرف مائل کر دیا کہ یہاں آدم و حوا کا ذکر ہے حالانکہ کسی حدیث میں یہ نہیں۔ اور دوسری طرف الفاظ کو عام رکھنے سے کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جو انسان پیدا ہوتا ہے وہ ایک ہی نفس سے پیدا ہوتا ہے اور بیوی یا جوڑے کا اسی نفس سے پیدا ہونا صرف حوا کے لیئے مخصوص نہیں بلکہ تمام انسانوں کو یہی کہا ہے کہ تم سب کی بیبیوں کو تمہارے ہی نفسوں سے پیدا کیا ہے ومن اٰیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا (الروم ۳۰-۲۱) جہاں سارے لفظ وہی ہیں جو یہاں ہیں پس آدم و حوا پر ان کا لگانا اور اسپر

۱۹۰ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

پھر جب وہ ان کو صحیح سالم (بچہ) دیتا ہے وہ اس کیلئے اس میں جو ان کو دیا شریک ٹھہراتے ہیں مگر اللہ اس سے بلند ہو جو وہ شریک بناتے ہیں

۱۹۱ ۱۹۲ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ

کیا وہ اس کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں اور وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے اور

۱۹۳ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ

نہ اپنے آپ کی مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہیں کرتے تمہارے لئے یکساں ہو

۱۹۴ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کہ تم ان کو بلاؤ یا تم چپکے رہو ۱۱۸۹ع وہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو

عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

تمہاری طرح بندگی کی حالت میں ہیں سو ان کو پکارو تو چاہئے کہ وہ تمہارا جواب دیں اگر تم سچے ہو ۱۱۹۰ع

یہ قصے بڑھانا کہ آدم وحوا کی اولاد نہ جیتی تھی۔ تب انہوں نے ایک بچہ کا نام عبدالحارث رکھا اور حارث شیطان کا نام ہے سب بے بنیاد باتیں ہیں۔ اور محقق مفسرین نے انکو رد کیا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان آیات میں بت پرستی کے شرک کا ذکر ہے جیسا کہ آیت ۱۹۵ میں واضح کر دیا ہے اور کم از کم بت پرستی کی ابتدا حضرت آدم کی طرف آج تک کسی نے منسوب نہیں کی ٭

ع۱۱۸۹ اس آیت میں خطاب مشرکوں کو ہے جیسا اگلی آیت سے واضح ہوتا ہے اور ان کو بتوں کی بے بسی کی طرف توجہ دلائی ہے اور ھدی سے مراد حصول کامیابی کی راہ ہے اور اتباع یا پیروی کرنے سے مطلب حصول مراد میں امداد دینا ہے سواء علیکم اس کو واضح کرتا ہے کیونکہ اگر دعوت الی الحق مراد ہو اور خطاب مسلمانوں کو ہو تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ تمہارے لئے ان کا بلانا نہ بلانا یکساں ہے دعوت الی الحق سے بہرحال بلانے والے کو فائدہ پہنچتا ہے ٭

ھدی۔ اتباع

ع۱۱۹۰ بتوں کو عباد امثالکم اس لحاظ سے کہا کہ وہ انسان کی طرح بندگی یعنی عاجزی کی حالت میں ہیں مسخر ہیں۔ محکوم ہیں۔ یا اس لئے کہ بت انسانوں کی صورت پر بنائے جاتے تھے۔ یا انسانوں کی یادگار کے طور پر تو مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ وہ تمہاری طرح عباد ہیں اور یہ جو فرمایا کہ تم دعا کرو تو پھر چاہئے کہ وہ جواب دیں (یا قبول کریں) تو اس سے معلوم ہوا کہ خدا ضرور دعا قبول کرتا ہے بلکہ اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ اور موحد اور مشرک میں یہی فرق ہے کہ موحد اس ہستی کو پکارتا ہے جو دعاؤں کا جواب دیتی ہے اور مشرک جن کو پکارتا ہے وہ جواب نہیں دیتے ٭

بتوں کا عبد ہونا

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ ۱۹۵

کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ چل سکتے ہیں یا انکے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑ سکتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھ

بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا

سکتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سن سکتے ہیں کہو اپنے شریکوں کو پکارو پھر میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے

تُنظِرُونِ ۞ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ۞ ۱۹۶

مہلت بھی نہ دو ۱۱۹۱ بیشک میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب اُتاری اور وہی صالح لوگوں کی کارسازی کرتا ہے

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ۞ ۱۹۷

اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ اپنے آپ کی ہی مدد کر سکتے ہیں ۱۱۹۲

وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۞ ۱۹۸

اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہ سنیں گے ۱۱۹۳ اور تو ان کو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ دیکھ نہیں دیکھتے

۱۱۹۱ یعنی مشرکوں کی اور انکے فرضی خداؤں کی مخالفت حق کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ مکہ میں سورۂ اعراف کے نزول کا زمانہ وہ ہے جب مخالفت زوروں پر ہے اور ساتھی اول تو تعداد میں کچھ نہیں جو ہیں وہ بھی متفرق۔ پھر وطن سے بے وطن۔ مگر کس قدر تحدی ہے کہ سارا زور لگالو۔ ساری تدبیریں میری ہلاکت کی کرلو مجھے کوئی مہلت بھی نہ دو۔ ایک بیکس انسان جو چاروں طرف سے ستایا جا رہا ہو جس کی زندگی معرض خطر میں ہو جسکے چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہوں ایسے لفظ مُنہ سے نہیں نکال سکتا۔ یہ پر شوکت الفاظ ہی خدائے قادر کے مُنہ سے نکلے ہوئے ہیں جن کے سامنے انسانوں کی مخالفت کوئی وقعت نہیں رکھتی جسکے مقابلہ پر ساری دنیا اگر کوشش کرے تو ناکام ہوتی ہے۔ ایسی بیکسی کی حالت میں اسقدر پر شوکت متحدیانہ دعوی جو ساری دنیا کو مخالفت کیلئے بلا رہا ہے ثابت کر رہا ہے کہ وحی کے الفاظ نہ محمد رسول اللہ صلعم کے بنائے ہوئے ہیں نہ آپکے قلب کا نقشہ ہیں بلکہ یہ کوئی خارجی شے ہے جو انتہائی درجہ کی بیکسی کیوقت ضبط وحی کی قوت کا باعث ہو رہی ہے۔ اگر آج بھی مسلمانوں کو اس کلام پر ایمان ہوتا تو وہ حالات پیش آمدہ میں اتنے مایوس نہ ہوتے۔ سب سے بڑی مایوسی جو آج مسلمانوں کے دلوں میں ہے وہ اسلام کے غلبہ کے متعلق ہے نہ اس امر کے متعلق کہ مسلمانوں کو بادشاہت نہیں ملیگی۔ اسلیئے اشاعت اسلام کے عظیم الشان مقصد کیطرف انکا قدم نہیں اُٹھتا جب دل بیٹھے ہوتے ہوں تو قدم کسطرح اُٹھے

۱۱۹۲ اوپر کی آیات میں تو یہ بتایا تھا کہ وہ آنحضرت صلعم کے خلاف سارا زور لگا کر بھی آپکا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہاں بتایا کہ نہ صرف یہی بلکہ جب مشرک مغلوب ہونگے تو یہ بت انکی کچھ مدد نہ کر سکینگے۔ انکی مدد کرنا تو ایک طرف رہا اپنے آپکو بھی تباہی سے نہ بچا سکینگے یوں نہایت صفائی سے یہ بتا دیا کہ انجام کار مشرک مغلوب ہونگے اور انکے بتوں کی صفائی ہو جائیگی۔ یہی وہ بات تھی جس نے آخر کار ابوسفیان اور دیگر اہل مکہ پر اثر کیا کہ کس طرح جو کچھ بیکسی کی حالت میں رسول اللہ صلعم کے مُنہ سے کہلوایا گیا تھا وہ حرف بحرف پورا ہوا اور مشرک باوجود اپنی ساری طاقت کے آخر کار مغلوب ہوئے۔

۱۱۹۳ اس آیت میں یا اس کے پچھلے حصہ میں خطاب بدل دیا ہے یعنی مسلمانوں کو خطاب ہے کہ اگر تم ان کفار کو ہدایت کیطرف بلاؤ

۱۹۹ ۲۰۰ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

عفو اختیار کر اور نیک کام کا حکم کر اور جاہلوں سے منہ پھیر لے ۱۱۹۴ اور اگر شیطان کی طرف سے تجھے بری بات پہنچے تو اللہ کے ساتھ پناہ چاہو بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے ۱۱۹۵

تو یہ بھی نہیں سنتے۔ یہاں سننے سے مراد قبول کرنا ہے۔ اور اسی طرح یہ نظر تو تیری طرف کرتے ہیں مگر دیکھتے نہیں۔

عفو

۱۱۹۴ یہاں عفو کے معنی ماعفا وسہل وتیسر من اخلاق الناس حضرت عائشہ ومجاہد سے مروی ہیں یعنی جو کچھ لوگوں کے اخلاق سے آسانی سے میسر آسکے اور سہل ہو اس کو قبول کر لو۔ اس پر راضی ہو جاؤ۔ اور ان پر مشقت نہ ڈالو لیکن یہاں صاف ذکر مخالفین کا ہے۔ اور عفو سے مراد صاف یہی ہے کہ جو مخالفت کرتے ہیں دکھ دیتے ہیں ان کے معاملہ میں تم عفو کرتے جاؤ۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہانتک اس حکم پر عمل کیا کہ فتح مکہ کے وقت بھی جو دنیا دار فاتح کے لئے انتقام کا وقت ہوتا کمال درجہ کا عفو دکھایا پس حکم دیا کہ ان کی مخالفت پر عفو اختیار کرو۔ چنانچہ سلف سے یہ معنی بھی مروی ہیں بلکہ شعبی کی ایک روایت میں خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ معنی مروی ہیں ان تعفوا عمن ظلمک یعنی جو تم پر ظلم کرتا ہے تم اس پر عفو اختیار کرو۔ ہاں نیک باتوں کے لئے کہتے جاؤ اور جاہل جو معاملہ تمہارے ساتھ کرتے ہیں اس سے اعراض کرتے رہو۔

دشمنوں کو معافی

نزغ

۱۱۹۵ ینزغنک۔ نزغ کے اصل معنی سوئی یا کسی نوک کا چمڑہ میں داخل کرنا ہیں اس لئے اس کے معنی دخول فی الامر لافسادہ ہی ہیں یعنی کسی امر میں اس کو بگاڑنے کے لئے مداخلت کرنا چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ صاف یہی معنی آتے ہیں نزغ الشیطان بینی وبین اخوتی (یوسف ۱۲-۱۰۰) (غ) شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈلوایا۔ اور لسان العرب میں ہے کہ نزغ وہ کلام ہے جس سے لوگوں کے درمیان فساد ڈال دیا جائے اور نزغ الرجل کے معنی ہیں ذکرہ بقبیح اس کا برے لفظوں میں ذکر کیا اور حدیث میں نوازغ کا لفظ آتا ہے جو نزغ بمعنی طعن وفساد سے ہے اور ایک اور حدیث میں ہے فنزغہ انسان من اھل المسجد بنزیغۃ جس کے معنی کئے ہیں رماہ بکلمۃ سیئۃ یعنی اس کی نسبت برا کلمہ کہا (ن) اور نزغ کے معنی وسوسہ بطور مجاز ہیں اصل معنی نہیں اور نہ ہی وسوسہ یہاں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ حدیث میں صاف آتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا قرین جن مسلمان ہو گیا اور وہ سوائے بھلائی کے اور مجھے کچھ نہیں کہتا اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر (مسلم)۔ پس یہاں نزغ شیطان اپنے حقیقی معنی میں ہے یعنی شیطان تیرا کام بگاڑنا چاہے یا تیری نسبت بری باتیں کہتا پھرے اور شیطان سے مراد انسان شیطان ہی ہیں جو دن رات آپ کے کام کو بگاڑنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور آپ کے متعلق برے کلمات کہکر لوگوں کو آپ کی باتیں سننے سے روکتے تھے۔ تو اس کا علاج بتایا کہ خدا کی پناہ میں آ جاؤ۔ ان شیاطین کے انسان ہونے پر آیت ۲۰۲ بھی شاہد ہے۔

انسان شیطان

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ۲۰۱

وہ لوگ جو (بدی سے) بچتے ہیں جب ان کو شیطان سے کوئی خیال پہنچتا ہے (خدا کو) یاد کرتے ہیں پھر یکایک وہ روشنی حاصل کرنیوالے ہو جاتے ہیں ۱۱۹۶

وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ۝ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ ۲۰۲ ۲۰۳

اور ان کے بھائی ان کو گمراہی میں بڑھا رہے ہیں پھر رکتے نہیں ۱۱۹۷ اور جب تو ان کے پاس کوئی نشان نہیں لاتا

لائف

۱۱۹۶ طائف کے معنی طواف کرنیوالا یا گھومنے والا ہیں طہر بیتی للطائفین (البقرہ ۲ - ۱۲۵) اور خیال یا لِمّہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے یہاں اور حادثہ پر جیسے فطاف علیہا طائف (القلم ۶۸ - ۱۹) اور مجاہد اور ابن عباس سے مروی ہے کہ یہاں غضب مراد ہے (ج) کیونکہ وہ بھی ایک لمہ شیطانی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ طائف جنون ہے مگر چونکہ غضب بھی اپنے اندر جنون کا رنگ رکھتا ہے اسلئے اس پر بولا گیا ۔

علاج

پچھلی آیت میں ان باتوں کا ذکر کیا تھا جو شریر لوگ آنحضرت صلعم کے متعلق مشہور کرتے تھے اور آپکو حکم دیا کہ تم انکے معاملہ میں عفو سے کام لو اور اللہ کی پناہ چاہو اب اسی بات کو عام کیا ہے اور سب مسلمانوں کو بتایا ہے کہ انکو اگر دکھ دینے والے کلمات سنکر غضب آئے تو یہ نہیں چاہیئے کہ انکی طبائع انتقام کی طرف مائل ہوں بلکہ اللہ تعالی کو یاد کریں تو غضب فرو ہو جائیگا اور یہاں طائف من الشیطان سے مراد غضب ہی ہے جیسا کہ مجاہد سے روایت ہے۔ سیاق عبارت بھی اسی معنی کو چاہتا ہے کیونکہ جب شیاطین کی طرف سے مخالفت ہوگی تو بعض وقت غضب آہی جائیگا اور غضب انسان کو اندھا کر دیتا ہے اس لئے اس کا علاج یہ بتایا کہ پھر خدا کو یاد کرو غضب خود فرو ہو جائیگا اور بصارت پیدا ہو جائیگی۔ دعوت الی الحق کا کام کرنیوالوں یا مبلغین اسلام کو اس پاک اصول کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے وہ کبھی غضب میں نہ آئیں بلکہ جب واقعات ایسے ہوں جن سے غصہ پیدا ہو تو اللہ تعالی کی طرف رجوع کریں غضب میں آکر وہ دوسروں کو برا کہینگے نتیجہ یہ ہوگا کہ حق کے ساتھ تنفر اور بڑھیگا بجائے اس کے اگر نرمی اختیار کی جائے تو اللہ تعالے وہ راہ بھی بتا دیگا جس سے الزام کو دلائل سے دور کر دیا جائے اسی کی طرف لفظ مبصرون میں اشارہ ہے مگر آج ہمارے علما کی یہ حالت ہے کہ غیروں سے تو کیا نرمی سے پیش آئینگے اگر ایک مسلمان کے منہ سے کچھ خلاف طبیعت سن لیں تو غضب سے آگ ہو جاتے ہیں ۔

۱۱۹۷ اخوانہم ضمیر شیاطین کی طرف جاتی ہے یعنی شیاطین کے بھائی ۔

مدّ - امداد

یمدونہم - مَدَّ کے معنی لمبا کیا۔ مہلت دی - گمراہی میں لمبا کرنے سے مراد گمراہی میں بڑھانا ہے - راغب نے لکھا ہے - کہ مَدَّ بُرے موقعہ پر بولا جاتا ہے - اور امداد اچھے موقعہ پر - جیسے وامددناہم بفاکھۃ (الطور ۵۲ - ۲۲) یُمددکم ربکم بخمسۃ آلاف (آل عمران ۳ - ۱۲۴) ۔

قصر - اور اقصر

یُقصِرون - قَصَّرَ چھوٹا کرنا ہے - اور اَقصر عنہ کے معنی ہیں کفّ مع القُدرۃ علیہ یعنی باوجود ایک امر پر طاقت رکھنے کے اس سے رک گیا (غ) ۔

شیاطین کے بھائی

یہاں سے معلوم ہوا کہ ایک تو شیطان ہیں اور دوسرے ان کے بھائی جو گمراہی میں ان کو بڑھاتے ہیں - اسلئے شیاطین سے مراد وہ شیطان نہیں ہوسکتے جو بدی کی تحریک کرتے ہیں - کیونکہ ان کو ان کے اتباع گمراہی میں کیا بڑھائینگے بلکہ شیاطین سے مراد وہی کفار کے رؤساء ہیں جن کا ذکر واذا خلوا الی شیاطینہم میں ہے جب لوگ ان کے پیچھے لگتے ہیں تو پھر وہ گمراہی میں اور ترقی کرتے ہیں اس لئے کہ ان کو معاون مل جاتے ہیں - اگر ان کے معاون نہ ہوں تو ان کی شرارتیں خود ہی ختم ہو جائیں ۔

قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ

کہتے ہیں تو خود اسے کیوں نہیں بنا لاتا کہو میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب سے میری طرف وحی کیا جاتا ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے

۲۰۴ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا

روشن دلیلیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ۱۱۹۸ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو

۲۰۵ لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً

سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۱۱۹۹ اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرتا رہ عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے

جبی

جابیۃ۔ اجتباء

۱۱۹۸ اجتبیتہا جبی کے معنی جمع کرنا ہیں یجبی الیہ ثمرات کل شیء (القصص ۲۸ - ۵۷) اسلئے بڑے حوض کو جس میں پانی جمع ہوتا ہو جابیۃ کہا جاتا ہو جس کی جمع جواب ہو وجفان کالجواب (السبا ۳۴ - ۱۳) اور اللہ کا اجتباء عبد طریق اصطفا پر جمع کرنا ہو اور یہاں اجتباء سے مراد یہ ہو کہ خود جمع کرکے کیوں نہیں لے آتا گویا یہ تعریض کی ہو کہ تم تو اختراع کے طور پر ایسی باتیں بنا لیا کرتے ہو (غ) اس کا رد یوں کیا ہو کہ میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں مجھے خود کہاں اختیار ہو کہ نشان بنا لیا کروں ○

فاتحہ خلف امام کا مسئلہ

۱۱۹۹ ظاہر ہو کہ یہاں خطاب کفار سے ہو جن کا قول تھا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون (حم ۴۱-۲۶) اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور ڈال دو تاکہ تم غالب آ جاؤ مگر اس سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہو کہ سورۃ فاتحہ جماعت کی حالت میں مقتدی کو نہ پڑھنی چاہئے۔ چونکہ صحیح احادیث موجود ہیں کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی اس لئے یہ استدلال درست نہیں۔ اول تو مقتدی کے فاتحہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ امام کی قرأت فاتحہ کو سنتا نہیں۔ کیونکہ ہر ایک آیت پر جب امام وقفہ کرتا ہو تو اس وقفہ میں مقتدی اس فقرہ کو دوہرا سکتا ہو۔ اور سورۃ فاتحہ کی آیات ایسی چھوٹی واقع ہوئی ہیں کہ اس وقفہ میں ان کو دوہرانا ذرا بھی مشکل نہیں۔ اسلئے فاستمعوا لہ میں اگر مسلمانوں کو خطاب بھی لیا جائے تو بھی سورۃ فاتحہ کے پڑھنے سے اس حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی دوسرے کل رکعتیں فرض نماز کی سترہ ہیں جن میں سے صرف چھ رکعتوں میں قراۃ بالجہر ہوتی ہو اور باقی گیارہ میں خفیہ ہوتی ہو تو گویا قریباً صرف ایک تہائی رکعات میں فاتحہ بلند آواز سے پڑھی جاتی ہو اور دو تہائی میں منہ میں پڑھی جاتی ہو اب ان دو تہائی رکعات میں تو سننا ہی نہیں۔ نہ اس پر فاستمعوا کا حکم وارد ہوتا ہو۔ اور یہ کہنا کہ مقتدی کو علم ہو کہ امام کچھ پڑھ رہا ہو نہایت بودی بات ہو۔ اس علم سے آواز پیدا نہیں ہو جاتی پس کل رکعتوں میں ایک حکم اگر لگایا جائے تو ترجیح اسی کو ہوگی جس کا تعلق زیادہ رکعات سے ہو۔ اور زیادہ رکعات میں کوئی شے فاتحہ کے پڑھنے میں مانع نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ باقی قرأت مقتدی کیوں نہ پڑھے تو جواب یہ ہو کہ نبی کریم صلعم کا حکم ایسا نہیں۔ فاتحہ کے پڑھنے کیلئے ہو مگر باقی قرأت کیلئے نہیں۔ خود وہ لوگ جو فاتحہ خاموشی کی حالت میں بھی نہیں پڑھتے تسبیحات پڑھتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ایسا حکم نبی کریم صلعم جیسا حکیم انسان نہ دے سکتا تھا کیونکہ فاتحہ کو تو ہر مقتدی جانتا ہے مگر باقی قرأت میں امام کا تتبع کرنا سو مقتدی میں سے ایک کیلئے بھی مشکل ہوتا اور لمبی آیات میں تو یہ ممکن ہی نہ ہوتا۔ اسلئے فاتحہ اور باقی قرأت کا حکم ایک نہیں فاتحہ ایک خاص دعا ہو جو ہر ایک رکعت میں لازماً پڑھی جاتی ہو۔ باقی کسی حصہ قرآن کو یہ امتیاز حاصل نہیں ○

وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

اور ایسی آواز میں جو بہت بلند نہ ہو صبح و شام کے وقتوں میں اور غافلوں میں سے نہ ہو [۱۲۰۰]

السجدة الثالثة ۲۰۶ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝

بیشک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں [۱۲۰۱]

ف ۱۲۰۰ یہاں خطاب عام ہے جیسا کہ عمومیت حکم سے ظاہر ہے۔

دل میں ذکر — فی نفسك۔ دل میں ذکر کرنے سے کیا مراد ہے؟ آواز کا ذکر تو آگے آتا ہے پس معلوم ہوا کہ یہاں مراد ایسا ذکر ہے جس میں انسان کا دل ذکر میں مصروف ہو یعنی آلٰہی عظمت اور ہیبت اور جلال کا اثر دل پر ہو۔

خیفة — خیفة۔ اصل خوفة ہے۔ تضرع بندہ کا عاجزی اختیار کرنا ہے اور خوف عظمت الٰہی کا ہے۔

دون الجهر — دون الجهر۔ عاجزی اور خوف کا یہ تقاضا ہے کہ انسان بہت شور نہ ڈالے دون الجهر سے مراد یہ نہیں کہ آواز اونچی نہ ہو بلکہ یہ منشا ہے کہ زیادہ شور نہ ڈالے گو یا آواز میں بھی اقتصاد ہو۔

غدو — غدو۔ قاموس میں اسے غُدْوَة کی جمع لکھا ہے اور یا یہ مصدر ہے صبح کا وقت۔ اور مفردات میں ہے کہ قرآن کریم میں غُدُوّ کے مقابل پر آصال آیا ہے جیسے یہاں اور غداة کے مقابل پر عَشِيّ جیسے بالغداة والعشی (الانعام ۔ ۵۲)۔

اصل۔ اصیل — آصال۔ اصل یا اصیل کی جمع ہے عصر اور غروب آفتاب کے درمیان کا وقت ہے۔ مراد مطلق شام ہے۔

یہاں اللہ تعالےٰ کے ذکر کا حکم ہے اور وہ دو رنگ میں ہے ایک دل میں اور ایک آواز کے ساتھ جو وہ بھی دون الجهر من القول ہو پس اصل مطلب یہ ہے کہ جب نماز میں یا ویسے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور سب سے بڑھکر ذکر اللہ تعالیٰ کا نماز میں ہی ہے تو ایسا نہ ہو کہ منہ سے کلمات نکلتے ہوں مگر دل اور کہیں ہو۔ اس لئے فرمایا کہ زبان سے ذکر ہو تو دل میں بھی یہی کیفیت ہو اور دل عظمت الٰہی اور ہیبت اور جلال سے بھرا ہوا ہو تاکہ ذکر کا اصل مقصد پورا ہو اور بالغدو والآصال میں نماز کے اوقات بھی آجاتے ہیں یعنی ایک طرف فجر کا وقت دوسری طرف ظہر سے لیکر عشا تک کا وقت۔

ف ۱۲۰۱ عند ربك۔ میں سب مقربین بارگاہ الٰہی داخل ہیں۔

سجدۂ تلاوت — ترتیب قرآن کریم میں یہاں سجدۂ تلاوت پہلی دفعہ آتا ہے سجدۂ تلاوت قرآن کریم کی تلاوت میں خاص خاص مواقع پر نبی کریم صلعم کا حکم ہے خواہ وہاں سجدہ کا حکم ہو۔ یا اور کسی رنگ میں سجدہ کا ذکر ہو سجدۂ تلاوت میں آنحضرت صلعم سے

دعا سجدۂ تلاوت — مختلف دعائیں مروی ہیں۔ مثلاً ایک یہ اللّٰھم لك سجد سوادی وبك آمن فؤادی اللّٰھم ارزقنی علما ینفعنی وعملا یرفعنی اور ایک حدیث میں آپ کی یہ دعا آئی ہے سجد وجھی للذی خلقه وشق سمعه وبصره بحوله وقوته فتبارك اللہ احسن الخالقین سجدۂ تلاوت ایک شہادت ہے کہ مسلمان کو یا قرآن پر ایمان لانے والے کو تعمیل حکم الٰہی میں کس قدر جلدی کرنی چاہیئے۔

سورۃ الانفال مدنیۃ وھی خمس و سبعون آیتہ و عشر رکوعات

نام

نام۔ اس سورت کا نام الانفال ہے اور اس میں دس رکوع اور ۷۵ آیات ہیں۔ الانفال کے معنی ہیں مال غنیمت یا وہ مال جو باقاعدہ جنگ میں دشمن سے ہاتھ آتا ہے۔ اس سورت میں اصل ذکر جنگ بدر کا ہے۔ اور یہ سب سے پہلی باقاعدہ جنگ ہے جو مسلمانوں اور کفار میں ہوئی اور اس میں دشمن سے مال غنیمت ہاتھ میں آیا اور قیدی بھی پکڑے گئے ایسے مال کو جائز قرار دیا ہے دوسری طرف ایک تجارتی قافلہ اہل قریش کا جا رہا تھا اور مسلمانوں میں سے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اس قافلہ پر حملہ کر کے لوٹ لیا جائے اس کو قرآن شریف نے عرض الدنیا یعنی دنیا کا مال قرار دیکر ناجائز قرار دیا تو گویا بتانا یہ مقصود تھا کہ جنگ میں جو مال دشمن سے ملے وہ جائز ہے لیکن مال کا حاصل کرنا اصل غرض نہیں بلکہ جنگ کی اصل غرض کچھ اور ہے۔ اس لحاظ سے سورت کا نام الانفال قرار دیا۔

خلاصۂ مضمون

خلاصہ مضمون۔ اس سورت کا اصل مضمون جنگ بدر اور اس کے متعلقہ واقعات ہیں اسلئے پہلی ہی آیت میں انفال یا مال غنیمت کا ذکر کیا ہے مگر اسبات کو ظاہر کرنے کیلئے کہ اصل غرض جنگ یا جنگوں کے ذریعہ سے حصول مال نہیں فوراً اس طرف توجہ دلائی ہے کہ آپس میں اصلاح کرو اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اللہ کا ذکر کرو نمازیں قایم کرو زکوٰۃ دو تو پکے مومن بنتے ہو۔ اور پھر اصل مضمون جنگ بدر کیطرف عود کیا اور بتایا کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ احقاق حق کرنا چاہتا تھا اور یہ کہ دشمن جو اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں انکا استیصال کر دے دوسرے رکوع میں جنگ بدر میں فتح کا اور ان اسباب کا جن سے فتح ہوئی ذکر ہے اور وہ محض اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی۔ تیسرے میں پھر بتایا کہ فلاح کی حقیقی راہیں کیا ہیں اور مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی چوتھے میں فرمایا کہ جنگ بدر کے بعد بھی کفار لڑائی میں نکلتے رہینگے مگر آخر کار مغلوب ہونگے اور مسلمان خانہ کعبہ کے متولی ہمیشہ کیلئے قرار دیئے جائینگے۔ پانچویں میں بتایا کہ اجتماع بدر مصلحت الٰہی سے ہوا ورنہ مسلمانوں میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اتنی بڑی جمعیت سے مقابلہ کیلئے نکلتے۔ چھٹے میں مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رہنے کی نصیحت کی تاکہ نصرت الٰہی کے جاذب بنیں۔ ساتویں میں کفار کی بدعہدیوں کا ذکر کیا۔ آٹھویں میں بتایا کہ دشمن کے مقابلہ کیلئے ہر وقت تیار اور مستعد رہنا چاہیئے نویں میں تسلی دی کہ کفار کی زیادتی تعداد سے نہ گھبرائیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دگنی اور دس گنی تعداد پر بھی غالب کر دکھائیگا اور اسی میں آخر پر بتا دیا کہ قیدی یا مال غنیمت باقاعدہ جنگ کی صورت میں لئے جاسکتے ہیں دسویں میں مسلمانوں کے باہمی تعلقات قومی بتائے اور فرمایا کہ دین کے معاملہ میں اگر کفار مسلمانوں پر زیادتی کریں تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ انکی مدد کریں سوائے اس صورت کے کہ ایسی کافر قوم سے مسلمانوں کا عہد ہو۔

تعلق

تعلق۔ اس سے پہلے سورۂ اعراف میں ضرورت نبوت پر بحث کرتے ہوئے بتایا تھا کہ گذشتہ اُمتیں جنہوں نے نہ صرف حق کو رد کیا بلکہ خود حق کا استیصال کرنا چاہا انکا انجام کیا ہوا اور اس سورت کے آخر پر بتایا تھا کہ آنحضرت صلعم کے اعدا کو بھی ہم تدریجاً پکڑینگے اس تدریجی گرفت میں سب سے پہلے جنگ بدر کا مقام ہے جس میں کفار کیلئے ایک عبرت آموز سبق تھا اور آنحضرت صلعم کی صداقت کی ایک یقینی دلیل تھی کیونکہ مسلمانوں کے باوجود قلت کے غالب آنیکی پیشگوئیاں مدت پہلے قرآن شریف میں مکہ میں ہو چکی تھیں۔ اسلئے سورۂ اعراف کے مضمون کا تقاضا تھا کہ اسکے بعد فوراً جنگ بدر کا ذکر ہوتا جو آنحضرت صلعم کے مخالفین کی تدریجی گرفت میں پہلی منزل تھی۔

زمانۂ نزول

زمانۂ نزول۔ اس سورت کی تاریخ نزول جنگ بدر کا ہی زمانہ ہے یعنی دوسرا سال ہجرت بعض آیات جن میں کفار کی بار بار عہد شکنی کا ذکر ہے۔ بعد کے زمانہ کی معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ آیات جن میں آنحضرت صلعم کے خلاف کفار مکہ کے منصوبوں کا ذکر ہے یعنی ہجرت سے پہلے کے واقعات کا وہ درحقیقت مکی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کو گذشتہ واقعات کا حوالہ دیکر یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس وقت بھی اسلام کی تائید میں تھا جب آنحضرت صلعم اکیلے دشمنوں کے اندر رہ گئے تھے اور وہ دشمن آپ کے قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اور یوں ان کو تسلی دی ہے کہ وہ اسلام کی ہمیشہ تائید فرماتا رہے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱ / ۱۵ — جنگ بدر کی ابتدا

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ١

تجھ سے مال غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہو مال غنیمت اللہ اور رسول کے لئے ہے سو اللہ کا تقویٰ کرو اور آپس میں

ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ ٢

صلح کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اگر تم مومن ہو[1202] مومن صرف وہی ہیں کہ جب

اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ

اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف محسوس کرتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو انکو ایمان میں بڑھاتی ہیں اور وہ اپنے

يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ٣

رب پر بھروسہ رکھتے ہیں[1203] جو نماز کو قایم کرتے ہیں اور اس سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔

نفل - انفال

۱۲۰۲ الانفال۔ نفل کی جمع ہے جو اصل میں زیادت ہے یعنی جس قدر واجب ہو جو اس سے زیادہ ہو وہ نفل ہے۔ اسی معنی میں نفل عبادت ہے۔ اسی لئے مال غنیمت کو نفل کہا جاتا ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ کس قسم کی غنیمت پر یہ لفظ بولا گیا ہے بعض نے اسے عین غنیمت کہا ہے یعنی انفال اور غنیمت ایک ہی شے ہے۔ دو نام دو حیثیتوں سے رکھے گئے ہیں اس لحاظ سے کہ وہ مال مظفر ہو کر لیتا ہے اسے غنیمت کہا جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فضل ہے اسے انفال کہا جاتا ہے۔ اور بعض نے غنیمت اور نفل میں عموم و خصوص کے لحاظ سے فرق کیا ہے یعنی غنیمت عام ہے محنت سے حاصل ہو یا بلا محنت فتح سے پہلے حاصل ہو یا پیچھے اور نفل وہ ہے جو مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے حاصل ہو۔ یا وہ جو بغیر جنگ کے حاصل ہو مگر ایسے مال کو فئے کہا جاتا ہے۔ گو فئے کیلئے ضروری ہے کہ جنگ کی تیاری ہو چکی ہو اور دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں نفل کے لئے یہ ضروری نہیں +

غنیمت اور انفال میں فرق

فئے اور نفل میں فرق

للہ والرسول سے مراد بیت المال ہے یعنی مسلمانوں کی عام اور مشترکہ ضروریات +

اس سورت میں بالخصوص جنگ بدر کا ذکر ہے اور اسکا تعلق سورت ماقبل سے یوں ہے کہ وہاں انبیائے سابق کے مخالفوں کی ہلاکت کا ذکر ہے یہاں آنحضرت صلعم کے اعدا کی ہلاکت اور ان پر جو عذاب آیا اسکا ذکر ہے اسلئے اسکی ابتدا اس سے ہوتی ہے کہ جنگ میں جو بعض قسم کا مال دشمن سے حاصل ہوتا ہے اس کو کس غرض پر صرف کیا جائے۔ اور اسکے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی عام ضروریات پر خرچ ہو۔ لیکن یہ سمجھانے کیلئے کہ جنگ اصل ضروریات میں سے نہیں بلکہ محض ایک اتفاقی پیش آمدہ امر ہے۔ جنگ کے ذکر کو چھوڑ کر فوراً اس طرف توجہ دلائی کہ تقویٰ باخلاق انسان بنو اور آپس میں صلح کرو +

وجل

۱۲۰۳ وجل۔ استشعار خوف کا نام ہے یعنی خوف محسوس کرنا (غ) انا منکم وجلون (الحجر[15] - ۵۲) وقلوبہم وجلة (المومنون[23] - ۶۰) +

ایمان کا بڑھنا گھٹنا

ایمان کی شاخیں

زادتہم ایمانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کم و بیش بھی ہوتا رہتا ہے۔ گویا برے اعمال سے اس میں نقص واقع ہوتا ہے اور اچھے اعمال سے ایمان بڑھتا ہے۔ بخاری میں حدیث مروی ہے کہ ایمان کی ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں جن میں سے لا الہ الا اللہ سب سے بلند اور رستہ سے

۴ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۚ

یہی سچے مومن ہیں ان کیلئے ان کے رب کے ہاں (بڑے) درجے اور حفاظت اور عزت والا رزق ہے ۱۲۰۴

۵ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ

جس طرح تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے حق کے ساتھ نکالا حالانکہ مومنوں میں سے ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا ۱۲۰۵

دکھ دینے والی چیزوں کو دور کرنا سب سے نچلی شاخ ہے۔ اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔ آج مسلمانوں کا دعوٰی ایمان اور عملی حالت ان آیات اور احادیث کی تکذیب کر رہے ہیں +

مسلمانوں کو عاجزی سکھا کر جنگ کیلئے تیار کرنا

۱۲۰۴ ان تین آیات میں مومنوں کی صفات کو بیان کیا ہے تاکہ زندگی کے اصل مقصد کو سمجھ لیں۔ مسلمانوں کی تیاری جنگ کیلئے اس طرح پر نہیں ہوئی کہ انہیں فنون جنگ میں مہارت کا سبق سکھایا جاتا۔ بلکہ قیام نماز اور انفاق فی سبیل اللہ کا سبق ان کو پڑھا کر اور یہ بتا کر کہ دل میں خوف الٰہی ہونا چاہئے۔ اور متکبرانہ روش سے بچنا چاہئے۔ ان کو جنگ کے لئے تیار کیا ہے۔ اسی سبق کا نتیجہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جنگیں بے وجہ خونریزی سے پاک تھیں۔ اور بڑی بڑی فتوحات کے وقت دشمنوں کے ساتھ کمال عفو اور نرمی کا سلوک تھا اور مخلوق خدا کی ہمدردی مدنظر تھی +

۱۲۰۵ کما۔ میں اشارہ آیت ماقبل کے آخری الفاظ کی طرف ہے یعنی مومن کا اصل کام تو وہی ہے جو ان آیات میں بیان ہوا یعنی دل میں عاجزی کا پیدا کرنا۔ نماز قایم کرنا۔ خدا کی راہ میں اپنی طاقتوں اور مال کا خرچ کرنا۔ اسی راہ پر چلنے سے بلند درجات اور رزق کریم ملتا ہے چنانچہ انہی درجات بلند اور رزق کریم کے دینے کیلئے ہی اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے گھر سے حق کے ساتھ نکالا یعنی جنگ بدر کیلئے مدینہ سے تمکو حق کے ساتھ نکالا بالفاظ دیگر اس وقت اللہ تعالےٰ نے تم کو نکلنے کا حکم دیا جب ضروریات حقہ پیش آچکی تھیں +

جنگ بدر کیلئے آنحضرت کن حالات میں نکلے

جنگ بدر جن حالات میں پیش آئی اس کے متعلق قرآن کریم سے بڑھکر اور کوئی معتبر شہادت نہیں ہو سکتی۔ اور ان آیات میں مختصر مگر جامع الفاظ میں جنگ بدر کے تمام ابتدائی مراحل کی شہادت ہمیں ملتی ہے اس قدر تو مسلّم ہے کہ جب نبی کریم صلعم مدینہ سے نکلے ہیں اس وقت ایک طرف کفار کی ایک زبردست جمعیت ابوجہل کی کمانڈ کے ماتحت مکہ سے نکل چکی تھی بلکہ اس کی خبر بھی نبی کریم صلعم کو پہنچ چکی تھی۔ کیونکہ مقام بدر جہاں مٹھ بھیڑ ہوتی ہے مکہ سے آٹھ یا نو منزل اور مدینہ سے تین منزل پر ہے۔ دوسری طرف یہ بھی درست ہے کہ ایک تجارتی قافلہ شام سے ابوسفیان کی سرکردگی میں مکہ کو واپس آ رہا تھا اور اسکی اطلاع بھی مسلمانوں کو تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا رسول اللہ صلعم اس قافلہ کو لوٹنے کیلئے نکلے تھے یا اس لشکر کی مدافعت کے لئے

ارباب سیر کی غلطی

ارباب سیر نے بعض غیر محتاط روایات سے یہ غلطی کھائی ہے کہ نبی کریم صلعم ابوسفیان کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے گھر سے نکلے تھے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ آپ ابوجہل کے لشکر کے مقابلہ کیلئے نکلے تھے جو مدینہ پر حملہ آور ہونے کیلئے مکہ سے نکلا تھا۔ اس امر پر

اس بات کی وجوہات کہ آنحضرت قافلہ پر حملہ کیلئے نہیں بلکہ لشکر کے مقابلہ کے لئے نکلے تھے

کہ دوسری بات صحیح ہے پہلی شہادت الفاظ اخرجک ربک من بیتک سے ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بیت تو مدینہ ہی ہے۔ اور مدینہ سے آپکے نکلنے کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف منسوب کیا گیا ہے پس معلوم ہوا کہ نبی کریم صلعم اپنی خواہش سے یا لوگوں کے مشورہ کی بنا پر نہیں نکلے بلکہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے نکلے ہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی قافلہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا ہوگا تو یہ اسلئے غلط ٹھہرتا ہے کہ یہ واقع نہیں ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا تو ضرور تھا کہ واقع ہو کر رہتا۔ دوسری شہادت بالحق سے ملتی ہے کسی فعل یا قول کا حق ہونا یہ ہوتا ہے جیسا کہ راغب نے لکھا ہے جب اسکا وقوع بِحَسَبِ مَا يَجِبُ وَبِقَدَرِ مَا يَجِبُ وفی

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ ۝ ٦

تیرے ساتھ حق کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں اسکے بعد کہ ان کیلئے (حق) واضح ہو گیا گویا کہ وہ موت کیطرف ہانکے جاتے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں[1206]

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ ٧

اور جب اللہ تمہارے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ جس کے پاس ہتھیار

الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

نہیں وہ تمہارے لئے ہو اور اللہ ارادہ کرتا تھا کہ اپنی پیشگوئیوں کے ذریعہ سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے[1207]

الوقت الذی یجب ہو یعنی اس کے مطابق جو واجب ہوا ور اس اندازہ سے جو واجب ہوا ور اس وقت میں جو واجب ہو۔ اب اگر تجارتی قافلہ پر حملہ کیلئے نکلا ہوتا تو یہ تینوں لحاظ سے کسی طرح پر بالحق نہ تھا اسلئے کہ اول تو کسی راہ چلتے قافلہ پر حملہ بحسب ما یجب نہیں ہو سکتا (واجب) ہونا چھوڑ اسکی ضرورت ہی کوئی نہیں۔ اور پھر بقدر ما یجب بھی نہیں اسلئے کہ آنحضرت صلعم پوری تیاری کرکے نکلے ہیں جو ممکن تھی حالانکہ قافلہ کیلئے پچاس مسلح آدمی کافی تھے۔ اور فی الوقت الذی یجب بھی نہیں اسلئے کہ قافلہ تو اس وقت بہت دور نکل چکا تھا یہاں تک کہ جنگ بدر میں فتح حاصل کرنیکے بعد اتنا قریب بھی نہ تھا کہ اس پر حملہ کیا جاتا پس اخراج بالحق اسی وقت ہو سکتا ہے کہ اس لشکر کے مقابلہ کیلئے نکلیں جو مدینہ پر مسلمانوں کو کچلنے کیلئے حملہ آور ہو رہا ہے یہ ایک ضرورت حقہ تھی اور پھر تیاری بھی اسی کے مطابق کیگئی اور پھر وقت بھی اسی کے مقابلہ کا تھا۔ اور قافلہ پر حملہ کرنے کیلئے نکلنا اسلئے بھی بالحق نہیں کہلا سکتا کہ قرآن کریم میں حکم ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم اور اس قافلہ نے آپ سے جنگ نہ کی تھی نہ ابھی تک قریش نے ہی آپ پر حملہ کیا تھا یہی وجہ ہے کہ بدر کے دن نبی کریم صلعم پہلے کفار کے حملہ کے منتظر رہے اور جب انہوں نے حملہ کیا تب آپ نے مدافعت کا حکم دیا۔ تیسری قطعی شہادت اس بات پر کہ رسول اللہ صلعم جب مدینہ سے نکلے تو مدینہ پر حملہ آور لشکر کے مقابلہ کیلئے نکلے ان الفاظ سے ملتی ہے کہ آپ جب مدینہ سے نکلے تو اس وقت مومنوں کا ایک حصہ ناخوش تھا۔ اس ناخوشی کی وجوہات اگلی آیت میں بتائی ہیں۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اگر قافلہ پر حملہ کا مطلب ہوتا تو کوئی فریق ناخوش کیوں ہوتا اور اس کو مصیبت کیوں سمجھتا تین سو چھوڑ پچاس آدمی بھی ایک قافلہ کو لوٹنے کیلئے کافی تھے۔ پس مدینہ سے نکلتے وقت مومنوں کی ایک جماعت کی ناخوشی صاف بتاتی ہے کہ وہ مدینہ پر حملہ آور لشکر کے مقابلہ کیلئے نکل رہے تھے +

تردید دلائل کہ آنحضرت دفاع کے لئے نکلے

1206 چوتھی شہادت اس بات کی من بعد ما تبین لہم الحق میں موجود ہے۔ کیونکہ نکلنے کو ناپسند کرنے والے اسے ضرورت حقہ نہیں سمجھتے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ضرورت ظاہر ہو چکی تھی ضرورت ظاہر اسی صورت میں کہلا سکتی ہے جب مسلمانوں کی ہستی معرض خطر میں ہو۔ اور دشمن حملہ آور ہو چکا ہو کیونکہ جنگ کی اجازت ہی انہی لوگوں سے تھی جو پہلے جنگ کریں۔ جیسا اذن للذین یقاتلون۔ (الحج۲۲-۳۹) سے اور پھر وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم (البقرۃ۲-۱۹۰) سے ظاہر ہے۔ قافلہ تو مسلمانوں سے جنگ کرنے نہیں آرہا تھا کہ اسکے ساتھ جنگ کی ضرورت کو الفاظ قرآنی میں واضح اور بیّن کہا جا سکے۔ پانچویں اور نہایت کھلی ہوئی شہادت الفاظ کانما یساقون الی الموت سے ملتی ہے۔ قافلہ پر حملہ کرنے کیلئے نکلنے کو کون موت کے منہ میں جانا کہہ سکتا ہے۔ ہاں وہ طاقتور لشکر جو مدینہ پر حملہ آور ہو رہا تھا اس سے مقابلہ کرنے کیلئے نکلنا واقعی موت کے منہ میں جانا تھا +

شوکۃ

1207 غیر ذات الشوکۃ۔ شوکۃ اصل میں کانٹوں کو کہتے ہیں اور اس سے مراد شدت اور ہتھیار بھی لئے جاتے ہیں (غ) +

احقاق

یحق۔ احقاق سے یہاں مراد وہ احقاق حق ہے جو دلائل اور نشانات کے اظہار سے ہو +

۹ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ

تاکہ حق کا سچ اور باطل کا جھوٹ ہونا ظاہر کردے گو مجرم ناپسند کریں جب تم اپنے رب سے مدد مانگتے تھے سو اس نے تمکو جواب

۱۰ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ

دیا کہ میں ایک ہزار آگے چلنے والے فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرنے والا ہوں ۱۲۰۸ اور اللہ نے اس کو صرف ایک خوشخبری ٹھہرایا

دو گروہوں کا ذکر اور خدا کی ارادہ

اس آیت میں جنگ بدر کی وجوہات کو اور بھی کھولدیا ہے یہاں صاف بتا دیا ہے کہ دو گروہ تھے ایک مسلح اور ایک غیر مسلح یعنی تجارتی قافلہ اور تم (یعنی مسلمانوں میں سے وہ لوگ جنکے خوف کا ذکر اوپر ہے) چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ یعنی قافلہ کیساتھ مقابلہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے خلاف چاہتا تھا یعنی مسلح لشکر سے مقابلہ ہو۔ تو جس صورت میں گھر سے نکالنے والا اللہ تعالیٰ تھا یعنی نکلنا اسکے حکم سے تھا تو صاف معلوم ہوا کہ یہ نکلنا مسلح لشکر کے مقابلہ کیلئے تھا یعنی ابوجہل کے مقابلہ کیلئے اور تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کیلئے نہ تھا جو محض بعض کمزوروں کی خواہش تھی یہ چھٹی دلیل ہے جو ہمارے مدعا کو ثابت کرتی ہے۔ اور جن روایات میں قافلہ پر حملہ کو مدینہ سے نکلنے کی وجہ بتایا گیا ہے وہ اسی بنا پر محمول ہوسکتی ہیں۔ ساتویں دلیل ان الفاظ میں ہے ویرید اللّٰہ ان یحق الحق بکلمٰتہ یہ تو ظاہر ہے کہ کلمات سے مراد کوئی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اب اللہ تعالیٰ کے کلام کو ایک جنگ سے کیا تعلق ہے سوائے اسکے کہ اس جنگ کے متعلق کوئی پیشگوئیاں ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم میں جنگ بدر کے متعلق اور مسلمانوں اور کافروں میں مقابلہ ہو کر مسلمانوں کے غالب آنے کے متعلق صریح پیشگوئیاں ہیں۔ اور کلمات میں انہی پیشگوئیوں کی طرف اشارہ ہے یوں یہ جنگ محض جنگ نہ تھی بلکہ ایک دلیل اور نہایت واضح دلیل اسلام کی صداقت کی تھی لیکن قافلہ پر حملہ کرنے کی نہ کوئی پیشگوئی تھی نہ کوئی ایسی پیشگوئی پوری ہوئی آٹھویں دلیل الفاظ یقطع دابر الکافرین میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا منشا تمہارے مدینہ سے نکالنے میں یہ تھا کہ کافروں کی جڑ کاٹ دے یعنی ان کی طاقت کو کچل دے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کفار کی طاقت ایک قافلہ کو لوٹنے سے نہ کچلی جاسکتی تھی بلکہ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنا پورا زور لگا کر ہلاک ہوں ۔

غوث۔ غیث۔ استغاثۃ

۱۲۰۸ تستغیثون۔ غَوث کا استعمال نصرت کے محل پر ہوتا ہے۔ اور غَیث بارش ہے۔ اور استغاثۃ طلب غوث اور طلب غیث دونوں پر بولا جاتا ہے (غ) یہاں طلب مدد ہی مراد ہے جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے۔ اور دوسری جگہ ہے فاستغاثہ الذی من شیعتہ (القصص ۲۸-۱۵) وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمھل (الکہف ۱۸-۲۹) ۔

ردف۔ اردف

رادف۔ مُردف

فرشتوں کا لشکر اسلام کے آگے چلنا

مردفین۔ رِدْف تابع یعنی پیچھے آنے والے یا پچھلے حصہ کو کہتے ہیں اور اَرْدَفتہ کے معنی ہیں اسے گھوڑے کے پچھلے حصہ پر (یعنی اپنے پیچھے) سوار کرلیا اور رَادِفْ پچھلے کو کہتے ہیں۔ اور مُرْدِف متقدم کو یعنی جسکے پیچھے دوسرا ہو (غ) یعنی رَدِفَ اور اَرْدَفَ کے الگ الگ معنی ہیں جنہوں نے مردفین کے معنی پیچھے آنے والے کئے ہیں انہوں نے رَدِفَ اور اَرْدَفَ کے ایک معنی کرلئے ہیں۔ رہا یہ کہ آگے چلنے والے فرشتوں سے کیا مراد ہے اور انکے پیچھے کون ہے۔ سو ظاہر ہے کہ ملائکہ جیسا کہ آگے صراحت سے مذکور ہے مسلمانوں کو ثابت قدم کرتے اور کفار کے دل میں رعب ڈالتے تھے۔ اذ یوحی ربک الی الملٰئکۃ انی معکم فثبتوا الذین اٰمنوا سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب (۱۲) اسلئے وہ عسکر اسلامی کیلئے متقدم تھے یعنی وہ آگے تھے اور انکے پیچھے لشکر اسلامی تھا۔ راغب نے یہ معنی نقل کئے ہیں قیل المراد المتقدمین للعسکر یلقون فی قلوب العدی الرعب ۔

یہ بھی اسی وقت کا ذکر ہے جیسا کہ اذ کے استعمال سے ظاہر ہے جب نبی کریم صلعم مدینہ سے نکلتے ہیں۔ مسلمان اپنی کمزوری دیکھکر اور دشمن کی طاقت دیکھکر اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں۔ اگر قافلہ پر حملہ مقصود ہوتا تو طلب مدد کا کوئی موقعہ نہ تھا۔

وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اور تاکہ اس کے ساتھ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو اور مدد تو اللہ کی طرف سے ہی ہو بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے ۱۲۰۹

اور ظاہر ہو کہ جب ایک گروہ ڈر رہا ہو کہ ہمیں موت کے منہ میں دیا جاتا ہو وہی وقت طلب مدد کا ہو پس یہ توبین دلیل اس بات پر ہو کہ مسلمان گھر سے لشکر کفار کے مقابلہ کیلئے نکلے تھے نہ قافلہ پر حملہ کرنے کیلئے +

ایک ہزار ملائکہ — ایک ہزار فرشتوں کی خصوصیت کیوں کی؟ ایک ہزار عدد کامل بھی ہو مگر دوسری بات یہ بھی ہو کہ دشمن کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہی تھی۔ اس لئے اسی قدر ملائکہ کی نصرت کا وعدہ دیا دیکھو ۵۱۱ +

ملائکہ سے نصرت کیوں دی — ۱۲۰۹ ملائکہ کے ذریعہ نصرت کا جو وعدہ دیا اسکے متعلق یہاں دو باتیں بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ تمہارے لئے یہ خوشخبری ہو کیونکہ یہ ظاہر ہو کہ تین سو آدمی ایک ہزار کا مقابلہ کیا کرسکتے تھے۔ ملائکہ سے نصرت کا وعدہ دیکر فتح کی خوشخبری مسلمانوں کو دی اور بتایا کہ تمہاری تائید میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہو یہ تو مسلمانوں کو پہلے سے خبر دی گئی تھی کہ کفار کے ساتھ انکی جنگ ہوگی تو وہ مظفر و منصور ہونگے اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے سیھزم الجمع ویولون الدبر (القمر ۵۴ - ۴۵) یہاں یہ بھی بتایا کہ وہ مدد کیونکر ہوگی۔ اسلئے ملائکہ کا ذکر فرمایا کیونکہ تین سو آدمی ایک ہزار پر غالب نہ آسکتے تھے سوائے اسکے کہ کوئی اور اسباب ان کے موافق اور دشمن کے خلاف پیدا ہوجائیں تو ملائکہ کی نصرت کے وعدہ میں یہ بتایا کہ وہ اسباب کوئی انسانی تجاویز کا نتیجہ نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب پیدا ہونگے اور ملائکہ چونکہ وسائط ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کام لیتا ہو اسلئے ان وسائط کا ذکر کیا +

دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ تا تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو۔ قلوب میں اطمینان کا پیدا کرنا بھی ملائکہ کا کام ہے اور یہ عام تجربہ ہو کہ وہی شخص جب اسکے قلب میں اطمینان ہو تو بہت بڑے بڑے کام کرسکتا ہو۔ حالانکہ اگر اس کا قلب اطمینان سے خالی ہو تو اسکے جسمانی قویٰ اور ظاہری سامان اس کو کچھ بھی نفع نہیں دیتے +

تیسری غرض سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب (۱۲) میں بیان فرمائی یعنی ملائکہ کے ذریعہ سے دشمنوں کے دل میں رعب ڈالدیا جائیگا اور یہی صحیح ہو کہ مومن کتنے بھی ثابت قدم ہوتے لیکن اگر مقابلہ میں کفار بھی ثابت قدم ہوتے تو بھی مسلمانوں کو فتح نہ مل سکتی تھی اس لئے فرمایا کہ کافر مرعوب ہوجائینگے اسی کی طرف ملائکہ کیلئے لفظ مردفین اختیار کرنے میں اشارہ ہو یعنی وہ مسلمان لشکر کے آگے آگے کفار کے دل میں رعب ڈالتے جائینگے تاکہ کفار کے لشکر کے مسلمانوں کے سامنے قدم نہ جم سکیں +

ملائکہ نے بدر میں جنگ نہیں کی — ان تین اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ صاف سمجھ آتا ہو کہ ملائکہ کا نزول ایک حقیقت تھی اور اسی نزول سے ہی مسلمانوں کے قلوب کو قوت ملی اور کفار کا لشکر مرعوب ہوگیا۔ رہا یہ سوال کہ آیا ملائکہ نے انسانوں کی صورت میں ہوکر یا کسی اور طرح پر فی الواقع کفار سے لڑائی بھی کی یا نہیں اس بارہ میں مختلف رائیں ہیں۔ ایک روایت میں ایک انصاری کا ذکر ہو کہ وہ ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا کہ اتنے میں اس نے ایک کوڑے کی آواز سنی اور وہ کافر گر گیا اور اس نے یہ ذکر رسول اللہ صلعم سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ملائکہ کی امداد سے تھا۔ اور ایک میں ہو کہ ابوجہل نے ابن مسعود سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی کہ ہم آواز سنتے تھے اور شکل نہ دیکھتے تھے تو انہوں نے کہا یہ ملائکہ تھے۔ ان دونوں سے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہو کہ فرشتوں کو کسی نے دیکھا نہیں۔ اور وہ جنگ کرتے تھے اور بعض لوگوں نے کہا کہ انہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے انسانوں کی صورت میں لڑائی کی مگر قرآن کریم کی صراحت ان دونوں کے خلاف ہو اور اس آیت کے الفاظ قطعی ہیں۔ چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں والذی یدل علی صحۃ ان الملائکۃ ما نزلوا للقتال قولہ تعالیٰ وما جعلہ اللہ الا بشری الخ یعنی یہ آیت اس بات کی صحت پر دلالت کرتی ہو کہ بدر کے دن ملائکہ جنگ کرنے کیلئے نازل نہیں ہوئے اور اسکی تائید میں ایک روایت حضرت ابن عباس سے نقل کی ہو جس میں یہ لفظ آتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے عریش

ع ۲ ۹ ۱۶

جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح

۱۱ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ

جب اس نے تم پر اپنی طرف سے امن کے طور پر اونگھ وارد کردی ن۱۲۱۰ اور اس نے تم پر بادل سے پانی اُتارا تا کہ اس کے ساتھ تمکو پاک کرے اور

يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ؕ

تم سے شیطان کی ناپاکی کو دور کردے اور تا کہ تمہارے دلوں کو قوت دے اور قدموں کو اس کے ساتھ مضبوط کرے ن۱۲۱۱

میں دعا کے بعد حضرت ابوبکر کو فرمایا البشر ابشر نصر اللہ ولقد رایت فی منامی جبرائیل یقدم الخیل یعنی اللہ کی مدد سے خوش ہو جاؤ میں نے اپنی خواب میں جبرائیل کو دیکھا کہ وہ لشکر کے آگے آگے چلتا ہو اور اسکے بعد امام رازی لکھتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ انکے نزول کی غرض صرف یہی بشارت تھی اور اس سے انکے جنگ پر اقدام کرنے کی نفی ہوتی ہو۔ اسی طرح روح المعانی میں اس آیت کے نیچے ہو۔ فی الآیۃ اشعار بان الملئکۃ لم یباشروا قتالاً وھو مذھب لبعضھم اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہو کہ فرشتوں نے لڑائی نہیں کی اور بعض کا یہ مذہب ہے

نوٹ ن۱۲۰۵ سے ظاہر ہو کہ اسبات پر قریبًا اتفاق ہو کہ سوائے بدر کے اور کسی جنگ میں ملائکہ نے لڑائی نہیں کی۔ اور جنگ بدر میں لڑنا خود اوپر کی بحث سے ظاہر ہو اور اگر ادنیٰ تدبر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب تین جنگوں میں ملائکہ کے نزول کا ذکر ہو۔ اور دو کے متعلق اتفاق ہو کہ فرشتے لڑے نہیں۔ تو جس غرض کیلئے دو میں نزول ملائکہ ہوا اسی غرض کیلئے تیسری میں بھی ہوا اسلئے جنگ بدر کو مستثنے کرنا غلطی ہو۔ علاوہ ازیں خود قرآن کریم نے اسکا فیصلہ کیا ہو فارسلنا علیھم ریحا وجنودا لم تروھا (الاحزاب ۳۳-۹) ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔ یہ جنگ احزاب کے متعلق ہو جہاں فرشتوں کو ایسے لشکر قرار دیا ہو جنہیں مسلمانوں نے نہیں دیکھا اور یہ قطعی شہادت اسبات پر ہو کہ فرشتوں کی امداد اور رنگ کی تھی۔ ان کا آنا یوں نہ تھا کہ تین سو مسلمانوں کے ساتھ ایک ہزار فرشتے ملکر تیرہ سو جنگ کرنیوالے ہو گئے ہوں۔ ہاں تین سو کا ہزار پر غالب آنا یقینی شہادت ہو کہ مسلمانوں کو امداد غیبی پہنچی ٭

نعاس

ن۱۲۱۰ نعاس۔ تھوڑی نیند یا اونگھ کو کہتے ہیں مگر راغب نے یہاں نعاس کے معنی سکون بھی قبول کئے ہیں۔ کیونکہ نیند خود بھی سکون ہو۔

میدان جنگ میں نیند کا آنا

جنگ بدر کے ابتدائی مراحل کو بیان کر کے اب میدان جنگ کی کسی قدر کیفیت بیان کی اور اس میں سب سے پہلے یہ بتایا کہ ہم نے تم پر نعاس وارد کر دی۔ نعاس کے عام معنی اونگھ یا نیند کی مقاربت ہیں مگر کسی حدیث صحیح سے یہ ثابت نہیں کہ بدر کے دن لڑائی کے وقت مسلمانوں پر نیند وارد ہوئی تھی۔ البتہ اُحد کے دن خاتمہ جنگ پر نیند کا وارد ہونا ایک مشہور واقعہ ہو۔ ہاں ایک صورت ہوسکتی ہو کہ رات کے وقت نیند کا آنا مراد لیا جائے۔ کیونکہ جنگ اگلے دن صبح شروع ہوئی۔ پس یہاں یا تو یہ مراد ہو کہ رات کو میدان جنگ میں تمہیں نیند آگئی اور یہ امن کی نشانی تھی یعنی مسلمانوں کے دلوں میں جو دشمن کا خوف تھا وہ جاتا رہا۔ اور مجاہد سے مروی ہو کہ بارش نعاس سے پہلے آئی تھی (ث) اور یہ اس معنی کا موید ہو مگر رات کی نیند کے لئے نوم کا لفظ زیادہ موزون تھا اور یا نعاس سے مراد یہاں سکون ہو۔ اور مراد یہ ہو کہ وہ جو حالت خوف تھی کہ بعض سمجھتے تھے کہ ہم موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ میدان جنگ میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو بدل کر دلوں میں سکون وارد کر دیا اور شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ نبی کریم صلعم بہت دعا کرتے کرتے آخر عریش سے باہر تشریف لائے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ لفظ تھے سیھزم الجمع و یولون الدبر یعنی کافروں کی جمعیت بھاگ جائیگی اور پیٹھ پھیر دینگے جو ایک قرآنی پیشگوئی جنگ بدر کے لئے تھی ٭ (ع)

ربط

ن۱۲۱۱ یربط علی قلوبکم۔ رَبط کے معنی باندھنا ہیں اور دلوں پر ربط سے مراد وہی ہو جو سکینت کے نازل کرنے اور روح القدس سے تائید کرنے سے ہو۔

جنگ بدر میں بارش کا اترنا

دوسری نعمت مسلمانوں پر یہ بیان کی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مینہ برسا دیا اور اس مینہ سے کئی ایک فواید حاصل ہوئے۔ اول یہ کہ جہاں مسلمان آترے تھے وہاں پانی کافی نہ تھا۔ دوسرے مسلمانوں کے اُترنے کی جگہ نشیب میں تھی۔ اور ریتلی زمین تھی۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ ۱۲
جب تیرا رب فرشتوں کو وحی کرتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو جو ایمان لائے انکو ثابت قدم رکھو میں انکے دلوں میں جو کافر ہوئے

الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝
رعب ڈال دوں گا سو گردنوں کے اوپر مارو اور ان کی پوروں کو کاٹ ڈالو ۱۲۱۲

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ ۱۳
یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہو تو اللہ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۝ ۱۴
(دینے) کی سخت سزا دینے والا ہے ۱۲۱۳ اس (عذاب) کا مزہ تو (ابھی) چکھ لو۔ اور (جان لو) کہ کافروں کیلئے آگ کا عذاب ہے ۱۲۱۴

جس میں پاؤں دھنستا تھا پس بارش سے ایک تو پانی استعمال کیلئے یعنی وضو غسل کیلئے با فراط ہو گیا۔ اور دوسرے زمین سخت ہو گئی اور اس پر قدم جمنے لگا۔ اور تطہیر سے مراد یا تو وضو غسل وغیرہ ہی ہیں اور یا دوسرے کمزور خیالات کا دور کرنا شیطان کی ناپاکی دور کرنے سے یا تو ان وساوس کا دور کرنا مراد ہے جو شیطان بعض دلوں میں ڈالتا تھا کہ ایک تو تم پہلے ہی کمزور تھے دوسرے جگہ بھی اچھی نہیں ملی اور یا پیاس کا دور کرنا مراد ہے کیونکہ پیاس کو شیطان الفلاۃ کہا جاتا ہے۔ اور دلوں کی قوت اور قدموں کی مضبوطی اسکا لازمی نتیجہ ہے۔ قدموں کی مضبوطی صرف یہی نہیں کہ ریتلی زمین پر بارش کی وجہ سے پاؤں جمنے لگا بلکہ یہ کہ دشمن کے مقابلہ پر قدم مضبوط ہو گئے۔

شیطان الفلاۃ

۱۲۱۲ یہ میدان جنگ کا دوسرا نظارہ ہے پہلا نظارہ وہ ہے جسکا ذکر پہلی آیت میں ہے اور یہاں عین حالت جنگ کا نقشہ کھینچا ہے ملائکہ کا جو کام تھا اس کی تصریح یہاں خود قرآن کریم نے فرما دی ہے۔ اسلئے اختلاف روایات کے اندر صحیح راہ قرآن کریم کے الفاظ کو مدنظر رکھنا ہے۔ ملائکہ کو حکم تھا کہ مسلمانوں کو ثابت قدم رکھیں اور ملائکہ کا تعلق چونکہ قلوب سے ہوتا ہے اسلئے ان کا ثابت قدم رکھنا اسی طرح پر تھا۔ جیسا کہ زجاج نے بھی لکھا ہے کہ ان کے دلوں میں ایسا القا کریں جس سے انکا عزم پختہ ہو اور انکی کوشش مضبوط ہو سالقی فی قلوب والا فقرہ الگ ہے جس میں مسلمانوں کو خطاب ہے کہ تم کفار کو مارو یہ ملائکہ کی وحی میں داخل نہیں فوق الاعناق سے مراد بعض نے سر لئے ہیں کہ انکے سر کاٹ دو۔ اور بعض نے فوق بمعنی علی لیا ہے یعنی انکی گردنوں پر تلواریں مارو۔

فوق الاعناق

بنانۃ بنان۔ بنانۃ کی جمع ہے۔ انگلیوں کی پوروں کو کہتے ہیں کیونکہ انہی سے ہاتھ کام دیتا ہے اور اسی میں انسان کی ساری قوت مخفی ہے پس مراد یہ ہے کہ جن ہاتھوں سے تم پر تلواریں اٹھاتے ہیں ان ہاتھوں کو کاٹ ڈالو۔

شق
شقۃ۔ شقاق

۱۲۱۳ شاقوا۔ شَقّ کے معنی شگاف ہیں ثم شققنا الارض شقا (عبس-۲۶) اور مشقّ کے معنی مشقت ہیں الا بشق الانفس (النحل[16]-۷) اور شُقّۃ وہ جانب ہے جس تک پہنچنے میں مشقت ہو بعدت علیہم الشقۃ (التوبۃ[9]-۴۲) اور شقاق مخالفت ہے وان خفتم شقاق بینہما (النساء[4]-۳۵) ومن یشاقق الرسول (النساء-۱۱۵) (غ)

عذاب دنیا عذاب آخرت کیلئے بطور پیش خیمہ ہے

۱۲۱۴ یہاں صاف طور پر اس عذاب دنیا کو عذاب آخرت کیلئے پیش خیمہ بتایا ہے۔ یہ اس لئے کہ دونوں قسم کے عذاب کا ان سے وعدہ کیا تھا ولنذیقنہم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر۔ سو اس پہلے عذاب کا آجانا ثبوت تھا کہ دوسرا وعدہ بھی سچا ہے۔

۱۵ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝

اے لوگو جو ایمان لائے ہو　جب تم ان سے جو کافر ہوئے جنگ کی حالت میں ملو　تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو ۱۲۱۵

۱۶ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ

اور جو کوئی اس دن ان سے اپنی پیٹھ پھیرے گا سوائے اس کے کہ جنگ کیلئے ایک طرف پھر جائے یا کسی جماعت کے ساتھ پناہ لے

۱۷ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ

تو وہ اللہ کے غضب کا محل ہو گیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے ۱۲۱۶ پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے

اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ

ان کو قتل کیا　اور جب تو نے پھینکا تو تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا　اور تاکہ وہ مومنوں کو اپنی طرف

مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

سے اچھا انعام دے　بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۱۲۱۷

۱۲۱۵ زحف۔ اصل میں پاؤں گھسیٹ کر چلنا ہے جس طرح بچہ چلتا ہے اور لشکر کے کوچ پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اس لئے کہ کثرت سامان وغیرہ کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہے (غ)۔ اسلئے زحف کے معنی جنگ میں دشمن سے مٹھ بھیڑ بھی آتے ہیں جیسے حدیث میں ہے وان فرّ من الزحف ۔ — زحف

جنگ کے ذکر میں بتایا ہے کہ مسلمان کا یہ کام نہیں کہ دشمن کو پیٹھ دکھائے استثنا کا ذکر اگلی آیت میں ہے چونکہ مسلمان کیلئے جنگ کے قوانین بھی منجانب اللہ ہیں اسلئے آجتک مسلمان ان احکام پر عامل ہیں۔ ترکوں کے متعلق بالخصوص یہ ایک مشہور امر ہے کہ گولی کا زخم ان کے سینہ پر یا سامنے کی طرف ہوتا ہے پیٹھ پر نہیں ۔ — جنگ میں پیٹھ دکھانے کی ممانعت

۱۲۱۶ متحرفا۔ حرف سے ہے جسکے معنی کنارہ یا طرف ہیں پس تحرّف کنارہ کشی ہے ۔ — حرف۔ تحرف

متحیّزا۔ حوز اس کا اصل ہے ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ جمع ہونا پس متحیزا کے معنی ہیں صائرا الی حیّز (غ)۔ — حوز۔ متحیّز

جنگ میں دشمن کے سامنے دو حال میں بھاگنا جائز ہے۔ اول اغراض جنگ کیلئے دوسرا جب حصہ لشکر سے کٹ جائے تو اس کے ساتھ ملنے کے لئے ۔

۱۲۱۷ یہاں دو باتوں کا ذکر ہے۔ ایک مسلمانوں کا کفار کو قتل کرنا دوسرے نبی کریم صلعم کا رمی یعنی پھینکنا حنین کے دن نبی کریم صلعم کی رمی مسلم ہے مگر بدر کے دن بھی بعض احادیث میں رمی کا ذکر ہے۔ گو طیبی نے اسکے صحیح احادیث میں ہونے سے انکار کیا ہے اور وہ رمی یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے ایک مٹھی کنکروں کی دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی جو اس کی ہزیمت کا موجب ہو گئی ان دونوں باتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اس سبب سے کہ دونوں میں ایک اعجازی رنگ ہے تین سو مسلمان ہزار کے ساتھ مقابلہ کر کے ان کو کس طرح قتل کر سکتے تھے ایک مٹھی کنکروں کی دشمن کو کسطرح بھگا سکتی تھی دونوں میں اللہ تعالیٰ نے اعجازی رنگ پیدا کر دیا۔ اللہ کے قتل اور رمی سے مراد یہی ہے کہ ان میں اعجازی طاقت پیدا کر دی ۔ — آنحضرت صلعم کی رمی اور لشکر کفار کی ہزیمت

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ○ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ ۱۸ ۱۹

یہ (ابھی لو) اور جان لو کہ اللہ کافروں کی جنگ کو کمزور کر دینے والا ہے[۱۲۱۸] اگر تم فیصلہ کے خواہاں ہو تو فیصلہ تو تمہارے پاس آ گیا[۱۲۱۹]

وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ

اور اگر تم رک جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر (جنگ) کروگے ہم بھی پھر (سزا) دینگے اور تمہارا جتھا تمہارے کچھ بھی کام

ع ۹ / ۱۷

شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۲۰

فلاح کی حقیقی راہیں اور مسلمانوں کو تنبیہ

نہ آئیگا خواہ وہ بہت ہی ہو - اور (جان لو) کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے[۱۲۲۰] اے لوگو جو ایمان لائے ہو

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ○

اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اس سے مت پھرو درانحالیکہ تم سنتے ہو[۱۲۲۱]

جنگوں کے متعلق پیشگوئی

۱۲۱۸ ذٰلك میں اشارہ موجودہ جنگ کے نتائج کی طرف ہے و ان اللہ موھن کید الکافرین میں یہ بتایا کہ اب آگے جنگ جاری تو رہیگی لیکن اللہ تعالیٰ اس کو کمزور کر دیگا یعنی آہستہ آہستہ یہ خود رک جائینگے +

کفار کی دعائے مباہلہ بدر سے پہلے

۱۲۱۹ کفار جب مکہ سے چلے تو استار کعبہ کو پکڑ کر یہ دعا کی اللّٰھم انصر اعلی الجندین واھدی الفئتین واکرم الحزبین اے اللہ دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ لشکر کو اور دونوں جماعتوں میں سے زیادہ ہدایت والی جماعت کو اور دونوں گروہوں میں سے زیادہ معزز گروہ کو مدد دے بعض روایتوں میں ہے کہ ابوجہل نے میدان جنگ میں یہ دعا کی تھی کہ جو ہم دونوں فریق میں سے فساد اور قطع رحمی کا مرتکب ہو اس کو ہلاک کر دے - انہی دعاؤں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے کہ تمہاری اپنی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فیصلہ دیدیا - اب اس فیصلہ کو تو قبول کر لو +

کفار کی جنگوں میں ناکامی کی پیشگوئی

۱۲۲۰ کفار کو نصیحت کی ہے کہ جنگ سے رک جاؤ تو اسی میں تمہارا فائدہ ہے اور پھر جنگ کروگے تو اس کا نتیجہ یہی ہے کہ اور سزا بھگتو گے - اور یہ بھی پیشگوئی کھلے الفاظ میں کر دی کہ کتنے بڑے بڑے لشکر لیکر آؤ کامیاب نہ ہو گے - ان حالات میں جب مسلمانوں کی جمعیت ابھی تین چار سو ہے کل عرب کو مخاطب کر کے یہ کہنا الٰہی طاقت کا جلوہ ہے - ان الفاظ کی صداقت روز روشن کی طرح چمکی جس سے کوئی دشمن بھی انکار نہیں کر سکتا +

مسلمانوں کی حقیقی فلاح کی راہ

۱۲۲۱ پچھلے رکوع کے آخر میں کفار کو صاف کہکر کہ تمہارے بڑے بڑے جتھے اسلام کو نیست و نابود نہ کر سکینگے بلکہ جنگوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کو سزا ملے گی اور مسلمانوں کو بتا کر کہ اللہ انکے ساتھ ہے یعنی وہ کامیاب اور غالب ہونگے اس رکوع میں خود مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے اور انکو بتاتا ہے کہ یہ مت سمجھ لینا کہ بس حکومت اور بادشاہت کا مل جانا اور دشمنوں کا ناکام ہو جانا ہی فلاح ہے بلکہ تمہاری حقیقی فلاح اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی میں ہے - ہماری موجودہ حالت کیلئے ہدایت ہے +

لا تولوا عنہ - یہاں ضمیر اس امر کی طرف ہے جس پر فعل اطاعت دلالت کرتا ہے یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت سے روگردانی نہ کرو - درحقیقت ظاہر میں تو صرف رسول کی ہی اطاعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغام بھی وہی پہنچاتا ہے اسلئے اگر ضمیر صرف رسول کی طرف ہو تو بھی ہرج نہیں یا چونکہ دوسرے رنگ میں رسول کی اطاعت بھی آخر اللہ کی اطاعت ہی ہے اسلئے اللہ کی طرف ضمیر لے لی جائے تو بھی ہرج نہیں +

۲۲ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ

اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنھوں نے کہا ہم سنتے ہیں اور وہ قبول نہیں کرتے بیشک اللہ کے نزدیک سب

۲۳ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا

جانداروں سے بدتر وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ۱۲۲۲ اور اگر اللہ ان میں بھلائی جانتا

۲۴ لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

تو انکو سنوا دیتا اور اگر ان کو سنواتا تو وہ پھر جاتے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں ۱۲۲۳ اے لوگو جو ایمان لائے ہو

اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تم کو اس کے لئے بلاتا ہے جو تمہیں زندگی دیتا ہے ۱۲۲۴ اور جان لو کہ اللہ

يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے اور کہ تم اس کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے ۱۲۲۵

عقل اور مذہب

۱۲۲۲ یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کی اصطلاح میں بہرے اور گونگے وہ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے بعض پیشوایان دین علی الاعلان کہہ رہے ہیں کہ عقل کو مذہب میں کیا دخل ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو انسان ہو کر عقل سے کام نہ لے وہ چارپایوں بلکہ کیڑے مکوڑوں سے بھی بدتر ہے۔ اور یہ ظاہر بھی ہے کیونکہ انکو اللہ تعالیٰ نے عقل نہیں دی ہے۔ اسلئے انسان جس کو وہ نعمت ملی ہے جب اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا تو ان سے بدتر ہوا +

حالت عناد

۱۲۲۳ وہ لوگ جو عقل سے کام نہیں لیتے وہ خیر سے خالی ہیں سننے سے فائدہ تب ہوتا ہے جب انسان اس پر غور کرے یعنی عقل سے کام لے مگر وہ چونکہ غور نہیں کرتے اسلئے انکا سننا نہ سننا برابر ہے۔ یہ انکی حالت واقعی کا اظہار ہے۔ اسکے بعد انکی حالت عناد کا ذکر کیا کہ انہوں نے نہ صرف اپنے آپکو خیر و خوبی سے ہی محروم کر دیا ہے بلکہ حق کی عداوت میں یہانتک ترقی کر گئے ہیں کہ اگر کلمۂ حق ان کے کان میں ڈالا بھی جائے تو بوجہ عناد کے منہ پھیر لینگے۔ غور کرنا تو ایک طرف رہا وہ اعراض کرتے ہیں یعنی کچھ کی کچھ باتیں بناتے ہیں +

مسلمانوں کی زندگی

۱۲۲۴ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کا نتیجہ بتایا ہے کہ وہ تمہاری زندگی کا موجب ہے۔ آج مسلمان قوم جس موت کے نیچے ہے اسی کا علاج یہاں بتایا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تو کوئی حکم نہیں ملا جس کی انہوں نے فرمانبرداری نہ کی ہو اور اسی لئے وہ ایک زندہ قوم تھے۔ مگر آج اسلام کا دعویٰ کرنیوالے اللہ اور رسول کی فرمانبرداری سے باہر نکلے ہوتے ہیں انہی کو یہ زندگی کا پیغام دیا ہے کیا مسلمان اسپر توجہ کرینگے؟ انکی زندگی حکومت و بادشاہت سے نہیں بلکہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری سے ہے۔ حکومت و بادشاہت تو محض غلام ہیں

آنحضرت کا مردے زندہ کرنا

یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول جو مردوں کو زندہ کرتا ہے اس سے مراد احیائے روحانی ہی ہوا کرتا ہے پس اگر حضرت عیسیٰ نے مردے زندہ کئے تو ہمارے نبی کریم صلعم نے اس سے لاکھوں درجہ بڑھکر مردے زندہ کئے +

۱۲۲۵ یحول۔ حَوْل کے معنی ایک چیز کا تغیر اور اس کا دوسرے سے الگ ہو جانا ہیں۔ اور حال کا صلہ جب بَیْنَ ہو تو مراد ان دونوں کے درمیان آجانا ہوتا ہے +

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۤصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا ۲۵

اور اس (عظیم الشان) فتنہ سے بچاؤ کرلو جو خاصکر ان لوگوں کو نہ پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور جان لو

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ ۲۶

کہ اللہ بدی کی سزا دینے میں سخت ہے ۱۲۲۶ اور یاد کرو جب تم تھوڑے زمین میں

فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ

کمزور تھے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو زبردستی پکڑنے جائیں سو اس نے تم کو پناہ دی اور اپنی نصرت کے ساتھ تمہاری تائید کی

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۲۷

اور تم کو اچھی چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم شکر کرو ۱۲۲۷ اے لوگو جو ایمان لائے ہو

اللہ کے انسان اور اسکے قلب میں حائل ہونے سے مراد

اللہ تعالیٰ کے انسان اور اسکے قلب کے درمیان حائل ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس سے سب سے زیادہ قریب ہے، یہانتک کہ قلب انسان اور انسان جن میں کوئی فرق نہیں ان دونوں کے درمیان میں بھی اللہ تعالیٰ حائل ہے جیساکہ دوسری جگہ فرمایا نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ق ۵۰-۱۶) یعنی ہم انسان کی رگ حیات سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں، حالانکہ رگ حیات سے ہی انسان کی زندگی ہے اور اللہ کے قریب ہونے کی طرف اسلئے توجہ دلائی کہ پھر اسکو چھوڑ کر دوسری طرف کیوں جاتا ہے۔ یا یہ فرمانبرداری میں جلدی کرنے کیلئے ترغیب ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ مہلت جو انسان کو دی گئی ہے انسان کے ہاتھ سے نکل جائے اور یہ بھی صحیح ہے کہ قلب انسانی اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہے اسکے عزائم بعض وقت رکھے کے رکھے رہ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی کسی مصلحت سے ان کو فسخ کردیتا ہے اسلئے انسان کو جب نیکی کا موقعہ ملے اس سے فوراً فائدہ اٹھائے ایسا نہ ہو کہ نیکی کو ترک کرتے کرتے اسکے قلب کی حالت یہانتک پہنچ جائے کہ پھر وہ نیک تحریک ہی اسکے اندر نہ ہو۔ اور یا مراد یہ ہے کہ تم اگر فرمانبرداری کرو تو تمہارے ضعف کو اللہ تعالیٰ قوت سے بدل دیگا اور بزدلی کی جگہ تم میں ہمت پیدا کردیگا اور خوف کی جگہ امن دیدیگا +

مسلمانوں کو عظیم الشان فتنہ

۱۲۲۶ فتنہ سے مراد دکھ یا عذاب ہے۔ اور تنوین اس کی عظمت کیلئے ہے جیساکہ سیاق عبارت سے ظاہر ہے اس میں مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ بعض وقت جب ایک قوم میں کثرت سے لوگ مستحق عذاب ہوجاتے ہیں تو پھر وہ دکھ ساری قوم کو ہی پہنچکر رہتا ہے یعنی ظالموں کے ساتھ اچھے بھی پھر اس لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ حدیثوں میں مسلمانوں پر آخری زمانہ میں اسی قسم کے فتنوں کے آنے کا ذکر آتا ہے جو ساری مسلمان دنیا میں عام ہوجائینگے۔ اور کوئی شخص انکو روک نہ سکے گا اور ایک طرف سے اسکو روکنے کی کوشش کیجائیگی تو دوسری طرف سے نمودار ہوجائیگا +

خطف۔اختطاف

۱۲۲۷ یتخطفکم خَطف اور اختطاف کے معنی ہیں تیزی سے کسی چیز کا لے لینا یکاد البرق یخطف ابصارھم (البقرۃ ۲-۲۰) الا من خطف الخطفۃ (والصّٰفّٰت ۳۷-۱۰) اور یتخطف الناس من حولھم (العنکبوت ۲۹-۶۷) میں معنی کئے ہیں لوگ قتل کئے جاتے ہیں اور گرفتار کئے جاتے ہیں (غ) یہی معنی یہاں ہیں +

اٰوی۔ اٰوٰی کے معنی ایک چیز کے ساتھ مل گیا یعنی اس کی پناہ لی اور اٰوٰی کے معنی اسے پناہ دی اور اٰوٰی کے معنی رجوع کی لوٹ آیا بھی آتے ہیں اذ اوی الفتیۃ الی الکھف (الکھف ۱۸-۱۰) اٰوی الیہ اخاہ (یوسف ۱۲-۶۹) وتؤی الیک من تشآء

۲۸ لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ وَاعْلَمُوْٓا

اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور (نہ) اپنی امانتوں میں خیانت کرو درانحالیکہ تم جانتے ہو[1228] اور جان لو

اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمایش ہے اور کہ اللہ کے ہاں بھاری اجر ہے[1229]

(الاحزاب[33]۔۱۰) اور اسی سے مَاْوٰی ہے جو مصدر بھی ہو سکتا ہے جیسے جنۃ الماوٰی (النجم[53]۔۱۵) اور اسم مکان بھی جیسے ماوٰہم جہنم (بنی اسرائیل[17]۔۹۷) (غ)+ — مأوٰی

ایک خوشخبری — ساتھ ہی اس فتنہ عظیم میں ایک خوشخبری بھی دی ہے۔ کہ اگر تم اُس وقت کمزور ہو گئے تو پھر اُس وقت کو بھی یاد کرو جب تم تھوڑے بھی تھے اور کمزور بھی یعنی اسلام کی ابتدائی حالت۔ اور اس وقت تو تمہاری حیثیت اسی قدر تھی کہ لوگ اگر زبردستی تم کو پکڑ کر ہلاک کر دیتے تو تمہارے بس کی بات نہ تھی پس اگر اس وقت بھی تم کو اللہ تعالیٰ نے مصائب سے پناہ دی اور اپنی نصرتوں سے تم کو مضبوط کر دیا تو اب ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہو کر تم کیوں مایوس ہوتے ہو؟

اللہ اور رسول کی خیانت سے مراد اور قومی ترقی کا راز — [1228] اللہ اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ ان کی فرمانبرداری کا اقرار کرکے۔ مسلمان کہلا کر۔ پھر ان کی فرمانبرداری نہ کریں خیانت نقض عہد کا نام ہے دیکھو[276] یا یہ کہ وہ کام کریں جس سے دین اسلام کو اور قوم مسلمان کو نقصان پہنچتا ہو کیونکہ دین ایک امانت تھی جو ان کے سپرد کی گئی تھی۔ مسلمانوں میں یہ خیانت ہی آجکل ان کی بڑی تباہی کا موجب ہو رہی ہے قومی اور دینی اغراض کو اپنی ذاتی اغراض پر قربان کر دیتے ہیں۔ چند پیسوں کے لئے قوم کو اور دین کو نقصان پہنچانے کے کام کر لیتے ہیں۔ ایک ادنیٰ خواہش کے سامنے اپنے اعلیٰ فرائض کو برباد کر دیتے ہیں۔ ایمان فروشی اور قوم فروشی ان کا عام شیوہ ہو گیا ہے۔ بڑی بڑی سلطنتیں اسی سے تباہ ہوئیں کہ ایک شخص نے چند پیسے اپنی جیب میں ڈالنے کے لالچ سے اغراض قومی کو دوسری قوموں کے ہاتھ بیچ دیا۔ ہندوستان میں سلطنت کھو کر اب بھی یہی عام شیوہ ہے کہ ایک خان بہادری یا چند گز زمین کے لئے قومی مفاد اور دینی مصالح کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ گویا اس حصہ آیت میں اغراض قومی اور اغراض دینی کو مقدم کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ قومی ترقی کا راز ہے۔ اپنی امانتوں کی خیانت یہ ہے کہ جو قوٰی اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیئے ہیں ان کو اپنے محل اور موقع پر کام میں نہ لائے اور خداداد طاقتوں کو بیکار کر دے۔ یہ انسانی یعنی افراد قومی کی ترقی کا راز ہے۔ جب تک مسلمان اندرونی اصلاح سے کام کو شروع نہ کریں گے ان کی سوراج اور حکومت حاصل کرنے کی خواہشات کا حشر بھی ناکامی کے رنگ میں ہو گا۔ اصل بیماری جبتک دور نہ ہو بادشاہت سے کیا ملیگا +

اغراض قومی اور دینی کی اہمیت کو نہ سمجھنے کی سزا۔ — [1229] مال اور اولاد مسلمانوں کے لئے فتنہ ہو گئے ہیں اسلئے کہ انہوں نے اسی کو غرض زندگی سمجھ لیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا اسی قدر فرض ہے کہ اپنے لئے کچھ مال کما لیں یا جمع کر لیں۔ اور اپنی اولاد کا کچھ فکر کر لیں۔ اور اغراض قومی اور اغراض دینی کی اہمیت کو کچھ بھی نہیں سمجھا۔ اس لئے سزا بھی اسی مال اور اولاد پر ہی آ کر پڑی یعنی قوموں میں مفلس قوم رہ گئے اور اولاد دوسروں کی محکوم ہو گئی۔ وہ مال جس کو غرض زندگی سمجھا تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اور وہ اولاد بھی ذلیل ہوئی جس کو مدنظر رکھکر فرائض اعلیٰ کو ترک کر دیا تھا +

ع ٩ ١٨

کفار مغلوب کئے جائینگے اور مسلمان نعمتوں سے متولی ہوں گے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ٢٩

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کا تقویٰ کرو تو وہ تمہارے لئے حق و باطل میں فرق کرنیوالا امتیاز قائم کریگا اور تمہاری برائیاں تم سے

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ٣٠

دور کر دے گا اور تمہاری حفاظت کریگا اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے ۱۲۲۹ الف اور جب وہ جو کافر ہوئے تیرے متعلق تدبیریں کرتے تھے۔

لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۗ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ

تاکہ تجھے قید کردیں یا تجھے قتل کر دیں یا تجھے نکال دیں اور وہ تدبیریں کرتے تھے اور اللہ بھی تدبیر کرتا تھا اور اللہ بہترین

الْمٰكِرِيْنَ ○ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ ٣١

تدبیر کرنیوالوں کا ہے ۱۲۲۹ ب اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتے ہیں ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں

لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○

تو اس کی مثل کہہ لیں یہ کچھ نہیں مگر پہلوں کی کہانیاں ہیں

اندرونی فرقان

۱۲۲۹ الف ایک فرقان ظاہری تو وہ تھا جو جنگ بدر کے ذریعہ سے مسلمانوں کو عطا ہوا۔ یہاں اس دوسرے فرقان کا ذکر ہے جو اندرونی طور پر مومن کو عطا ہوتا ہے یعنی اس کے اندر ایک ایسا نور پیدا کر دیا جاتا ہے جس سے اسے دوسروں سے ایک امتیاز مل جاتا ہے ظاہری فرقان یا فتوحات تب ہی مفید ہو سکتی ہیں جب اصلی فرقان یعنی اندرونی نور پیدا ہو۔

ثبات — اثبات

۱۲۲۹ ب يُثْبِتُوكَ۔ ثبات زوال کی ضد ہے۔ اور ثابت بصر سے بھی ہوتا ہے اور بصیرۃ سے بھی اور بصیرۃ کے لحاظ سے ہی کہا جاتا ہے کہ فلاں امر ثابت ہے اور يُثْبِتُوكَ کے معنی ہیں تجھے قید کر دیں اور حیران کر دیں (غ)، گویا اَثْبَتَهٗ کے معنی ہیں اسے ایک مکان میں قائم کر دیا جس سے وہ علیحدہ نہ ہو سکے اور اس حالت پر بھی اثبت بولا جاتا ہے جب بیماری یا زخم سے ایک شخص حرکت کے قابل نہ رہے (ل)، پس يُثْبِتُوكَ کے معنی دونوں طرح ہو سکتے ہیں قید کر دیں یا ایسا زخمی کر دیں کہ حرکت کے قابل نہ رہے مگر پہلے معنی قابل ترجیح ہیں اسلئے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ان میں سے بعض نے کہا اثبتوہ بالوثاق (ل)۔

دار الندوہ میں آنحضرتؐ کے خلاف مشورہ

اس میں مسلمانوں کی تکلیفوں کا وہ نقشہ کھینچا ہے جب خود رسول اللہ صلعم کو بھی کہیں امن نہ ملتا تھا اور دار الندوہ میں اکٹھے ہو کر کفار نے مختلف تجویزیں آپ کے متعلق کیں۔ یہ کہ آپ کو قید کر دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا نکال دیا جائے۔ باقی تجویزیں رد ہو کر آخر اسبات پر اتفاق ہوا تھا کہ آپ کو قتل کیا جائے۔ اسکے بالمقابل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی تمہارے بچانے کے لئے ایک تدبیر کی اور وہی تدبیر کارگر ہوئی۔ ایک طرف سارے اہل مکہ کی متفقہ تدبیر دوسری طرف ایک اکیلے انسان کو بغیر سر و سامان کے انکے اندر سے نکال کر اور انہی کے گھر کے پاس رکھکر بچایا جاتا ہے۔

خیر الماکرین

خیر الماکرین۔ مکر کے معنی مخفی تدبیر اچھی ہو یا بری ۴۴۳ میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں صرف اس قدر ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ لفظ خیر کا ماکر کے ساتھ آنا خود بتاتا ہے کہ ماکرین بجائے خود کوئی شر یا برائی نہیں کیونکہ بری چیز پر خیر کا لفظ بولا ہی نہیں جا سکتا۔

۳۲ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا

اور جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہی تیری طرف سے حق ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر

۳۳ حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

برسا یا ہم پر دردناک عذاب بھیج ۱۲۲۹ج اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان کو عذاب دیتا

۳۴ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَمَا لَهُمْ

حالانکہ تو ان میں تھا اور اللہ ان کو عذاب دینے والا نہ تھا حالانکہ وہ استغفار کرتے ہوں ۱۲۲۹د اور ان کا کیا عذر ہے

اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ

کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے اور وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس کے ولی (رہنے کے قابل) نہیں

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اس کے ولی سوائے متقیوں کے اور کوئی نہیں ہو سکتے لیکن ان میں سے بہت نہیں جانتے ۱۲۲۹ہ

کفار کا عذاب مانگنا

۱۲۲۹ج جب ان سے پہلوں کا ذکر کیا جاتا جسے وہ کہانیاں قرار دیتے ہیں اور ان کی مخالفت حق کا انجام بتایا جاتا تو پھر یہ کہتے کہ اگر محمد رسول اللہ صلعم حق پر ہیں تو ہم پر ایسا ہی عذاب کیوں نہیں آتا۔ بدر میں بھی ان کا اس قسم کی دعا کرنا ثابت ہے دیکھو ۱۲۱۹۔

کفار پر تاخیر عذاب کی وجہ

۱۲۲۹د۔ بتایا ہے کہ عذاب تو تم پر آنا ہی تھا۔ مگر اس وقت کس طرح آتا جب محمد رسول اللہ صلعم ابھی تمہارے درمیان موجود تھے۔ سنت اللہ عذاب کے متعلق یہی ہے کہ جب نبی قوم سے الگ ہو جاتا ہے تب عذاب آتا ہے پس اہل مکہ پر عذاب ضروری تھا کہ ہجرت نبی کریم صلعم کے بعد آتا۔ دوسری وجہ یہ دی ہے کہ ابھی وہ استغفار کرتے تھے یعنی گو بظاہر عناد کی حالت میں عذاب تک مانگ لیتے تھے مگر پھر پچھتاتے تھے اور گھروں میں جا کر استغفار بھی کرتے تھے لیکن جب آخر مقابلہ پر نکل کھڑے ہوئے اور تلوار ہاتھ میں لے لی کہ مسلمانوں کو بالکل نیست و نابود کر دیں تو وہ حالت استغفار پھر باقی نہ رہی۔ اور یا ھم یستغفرون میں اشارہ مسلمانوں کے استغفار کی طرف ہے کہ جب ان میں ایک قوم استغفار کرنے والی تھی تو عذاب ان پر کس طرح آتا۔

مسلمانوں کے خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی پیشگوئی

۱۲۲۹ہ یعنی عذاب کا آنا تو اس لئے ضرور ہے کہ وہ حق کی مخالفت کو ترک نہیں کرتے اور مسجد حرام سے مسلمانوں کو روکتے ہیں۔ حالانکہ بوجہ اپنے مشرک ہونے کے وہ ولایت مسجد حرام کے مستحق بھی نہیں کیونکہ مسجد تو توحید کا گھر ہے اور وہی لوگ اب اس کے اولیاء قرار پائینگے جو مذہب توحید رکھتے ہیں یعنی اہل اسلام متقیوں سے مراد یہاں شرک سے بچنے والے لوگ ہیں بمقابلہ ان مشرکوں کے جن کا ذکر ہے اور یہی ادنیٰ مرتبہ اتقا بھی ہے اس میں یہ پیشگوئی بھی ہے کہ اہل اسلام ہی آیندہ خانہ کعبہ کے متولی رہینگے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا ۳۵

اور ان کی نماز خانہ (کعبہ) کے پاس سوائے سیٹیاں بجانے اور تالی پیٹنے کے اور کچھ نہیں سو عذاب چکھو اسلئے

كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ ۳۶

کہ تم کفر کرتے تھے۔ ۱۲۲۹ذ وہ جو کافر ہیں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے

اللّٰهِ ۭ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ (۱۱)

روکیں سو انکو خرچ کرتے رہینگے پھر وہ انکے لئے حسرت (کا موجب) ہونگے پھر وہ مغلوب کئے جائینگے اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف اکٹھے کئے جائینگے

مکا

۱۲۲۹و مکاء۔ مکا پرند کی آواز نکالنے پر بولا جاتا ہے (غ)، اور سیٹی بجانے پر بھی (ل)۔

صدی۔تصدیۃ

تصدیۃ۔ صدی وہ آواز ہے جو صاف مکان سے لگ کر واپس آتی ہے یعنی گونج اور تصدیۃ وہ آواز ہے جو اس کے قائم مقام ہو یعنی جس میں کچھ فائدہ نہ ہو (غ)۔

مشرکین عرب کی عبادت کا رنگ

ابن عباس سے روایت ہے کہ مشرک حج کے وقت ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ یا اشارہ انکے ان افعال کی طرف ہے جو نبی کریم صلعم کو عبادت سے روکنے کیلئے کرتے تھے۔ گویا ان کی عبادت اب اسی قدر رہ گئی ہے کہ سیٹی اور تالیاں بجا کر دوسروں کی عبادت میں مخل ہوں۔ راغب کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ان کی نماز یا دعا میں حقیقت کچھ نہیں ایسی ہے جیسے سیٹی یا تالی یعنی بےمعنی حرکت یا آواز۔

ابن حضرمی کا قتل

۱۲۲۹ذ یہاں بتایا ہے کہ مسلمانوں سے انکو عداوت اور کسی وجہ سے نہیں بلکہ محض اسلئے کہ وہ مسلمانوں کے دین کو تباہ کرنا چاہتے ہیں جنگ بدر میں بھی اگرچہ عام لوگوں کو اس بنا پر اکسایا گیا تھا کہ ابن حضرمی کو مسلمانوں نے قتل کر دیا ہے مگر اصل کینہ یہی تھا کہ مسلمان ترقی کرتے جاتے ہیں ایسا نہ ہو کہ زور پکڑ جائیں تو پھر ان کا تباہ کرنا مشکل ہو جائے۔ اور ابن حضرمی کا قتل محض ایک بہانہ بنایا گیا تھا۔ ابن حضرمی کے قتل کا واقعہ اتفاقی تھا۔ اور وہ اس طرح پر تھا کہ آنحضرت صلعم نے عبداللہ بن جحش کی سرداری میں کچھ آدمی قریش کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجے تھے۔ غرض یہ تھی کہ ان کی تیاری جنگ کا حال معلوم رہے اور تحریری پروانہ میں صرف اسی قدر ہدایت تھی کہ نخلہ تک جاؤ اور قریش کی خبر لاؤ ان لوگوں نے غلطی سے ابن حضرمی کو جو اس وقت ایک قافلہ کو لئے ہوئے طائف سے آرہا تھا قتل کر دیا ایسے اتفاقی قتلوں میں عرب میں دستور دیت کا تھا مگر ابوجہل نے اسے بہانہ بنا کر مدینہ پر چڑھائی کی۔ سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے اس لشکر کیلئے تیار کئے جس پر بہت سا مال خرچ ہوا۔

جنگ بدر کے بعد اور لڑائیاں اور ان میں کفار کی مغلوبیت کی پیشگوئی

مگر علاوہ اس کے یہاں آئندہ کے لئے بھی پیشگوئی ہے کہ ابھی یعنی جنگ بدر کے بعد اور بھی مال اسلام کی مخالفت پر خرچ کرینگے مگر چونکہ ناکام رہینگے اسلئے یہ خرچ ان کے لئے موجب حسرت رہے گا اور صرف مسلمانوں پر چڑھائیاں ہی ناکام نہ رہینگی بلکہ آخرکار مسلمانوں سے مغلوب بھی ہو جائینگے۔ جنگ بدر کے بعد بھی ایسی صحیح پیشگوئی قیاس انسانی سے بالکل بالاتر تھی اسلئے کہ ان کی طاقت ابھی اسی طرح باقی تھی اور مسلمانوں کی تعداد تین چار سو سے زائد نہ تھی جو میدان جنگ میں لائی جا سکتی۔

۳۷ لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا

تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھتا چلا جائے پھر سب کو ایک ڈھیر بنا دے

۳۸ فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ

پھر اس کو جہنم میں ڈال دے وہی نقصان اٹھانیوالے ہیں ۱۲۲۹ ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہدو اگر وہ رک جائیں تو جو گذر چکا

ع ۵
اجتماع بمصلحت الٰہی ہے ہوا

۳۹ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى

ان کو معاف کر دیا جائے گا۔ اور اگر یہی کام پھر کریں تو پہلوں کا معاملہ گذر ہی چکا ہے ۱۲۲۹ط اور ان کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک

لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

کہ دین کیلئے دکھ دینا نہ رہے اور دین سارے کا سب اللہ کے لئے ہو۔ پھر اگر وہ رک جائیں تو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے جو وہ

۴۰ بَصِيْرٌ ۝ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

کرتے ہیں ۱۲۳۰ اور اگر پھر جائیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا مولےٰ ہے کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے

خبیث طیب

۱۲۲۹ح۔ الخبیث۔ الطیّب۔ خبیث اور طیب کے معنی کے لئے دیکھو ۳۴۳ و ۵۲ اور الخبیث اور الطیب سے برے اور اچھے عمل بھی مراد ہو سکتے ہیں اور برے اور اچھے نفوس بھی یا کافر و مومن (غ)، اور انسانوں میں طیب وہ ہے جو جہل اور فسق اور برے اعمال سے پاک ہو اور علم اور ایمان اور اچھے اعمال کے ذریعہ سے آراستہ ہو (غ)۔

رکم ۔ رکام

یرکمہ۔ رکم کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسرے کے اوپر رکھکر جمع کرتا چلا گیا سحاب مرکوم (الطور ۵۲-۴۴) اور رکام وہ ہے جو ایک دوسرے پر رکھکر جمع کیا جائے ثم یجعلہ رکاما (النور ۲۴-۴۳)۔

یہاں انکے مغلوب ہونے کا نتیجہ بتایا یعنی تاکہ پاک اور ناپاک الگ الگ ہو جائیں خبیث اور طیب انسانوں پر بھی بولے جا سکتے ہیں اور مال وغیرہ پر بھی۔ اگر انسان مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ اس مغلوبیت پر کافروں اور مسلمانوں میں ایک کھلا کھلا امتیاز قائم ہو جائیگا اور ائمۃ الکفر یکے بعد دیگرے جہنم میں پہنچ جائینگے۔ یا انکے لشکر یکے بعد دیگرے آتے رہینگے مگر نتیجہ سب کا ناکامی ہوگا یہی انکا جہنم ہے اور اموال مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ مومنوں اور کافروں کے خرچ کئے ہوئے مال میں تمیز ہو جائیگی ایک کا مال خرچ کیا ہوا کامیابی کا موجب ہوگا۔ دوسرے کا ناکامی کا موجب۔ آیت کے آخری الفاظ پہلی صورت کو مرجح ٹھہراتے ہیں۔

۱۲۲۹ط اس رکوع میں یہ دکھایا ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کا دشمن کے مقابلہ میں نکلنا محض مصلحت الٰہی سے عمل میں آیا ورنہ اگر کفار کی طاقت کا اندازہ انکو ہوتا تو وہ جرأت نہ کرتے۔ اور ایسا اسلئے ہوا کہ تا اللہ تعالیٰ ایک کھلا ثبوت صداقت اسلام کا دے اور حق و باطل میں کھلا کھلا فیصلہ کر دکھائے۔

سنت الاولین

سنت کے معنی طریق ہیں۔ سنت الاولین سے مراد وہ طریق ہے جو پہلے سرکش لوگوں کے ساتھ اللہ نے برتا یعنی مراد پہلوں کا قائم کردہ طریق نہیں بلکہ وہ طریق ہے جو اللہ تعالیٰ نے انکے خلاف قایم کیا یعنی جس طرح انکو سرکشی کی سزا دی اسی طرح تمہیں بھی دیگا۔

یکون الدین کلہ للہ سے مراد

۱۲۳۰ اس پر مفصل بحث ۲۴۶ میں گزر چکی ہے۔ ہاں یہاں الفاظ الدین کلہ قابل غور ہیں جن کے معنی ہیں سب دین جیسے

الجزء العاشر

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي ۴۱

اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم (دشمن سے) حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کیلئے ہے اور (وہ) رسول کیلئے اور قریبیوں

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ

کیلئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے ۱۲۳۱ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو

لیظھرہ علی الدین کلہ میں الدین کلہ سے مراد سب دین ہیں۔ سب دینوں کا اللہ کے لئے ہونا یہی ہے کہ جو دین کوئی چاہے اختیار کرے کسی ایک دین پر مجبور نہ کیا جائے۔ یہ عین اس کے مطابق ہے جہاں دوسری جگہ اسلامی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم ایسی اجازت نہ دیتے تو گرجے اور راہبوں کی کوٹھڑیاں اور دوسرے مذاہب کے عبادتخانے سب تباہ ہو جاتے گویا وہاں بھی سب مذاہب کی حفاظت اسلامی جنگوں کی غرض بتائی ہے اور یہاں بھی +

۱۲۳۱ اغنمتم۔ غنم کے اصل معنی الفوز بالشیٔ ہیں یعنی کسی چیز کا حاصل کرنا۔ راغب نے لکھا ہے کہ غُنم اصل میں غنم یعنی بکریوں کا حاصل کرنا ہے جو بذریعہ فتح ہو۔ پھر ہر ایک چیز پر جو فتح کرکے دشمنوں سے حاصل کی جائے یہ لفظ بولا گیا ہے اس کے معنی لوٹ صحیح نہیں +

تقسیم غنیمت

مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے۔ اللہ کے لئے ہونے سے مراد یہی ہے کہ وہ فی سبیل اللہ خرچ ہو یعنی بیت المال میں داخل ہو کر مسلمانوں کی ضروریات عامہ پر خرچ ہو اور باقی سپاہیوں وغیرہ میں تقسیم ہو یا ان کی تنخواہوں وغیرہ کے کام آئے۔ پھر ان ضروریات عامہ کی تفصیل کر دی یعنی رسول اور قریبی اور یتیم اور مسکین اور مسافر۔ سمجھا گیا ہے کہ ان میں برابر پانچ حصوں میں تقسیم ہو مگر یہ صحیح ثابت نہیں ہوتا۔ امام مالکؒ کا مذہب یہی ہے کہ اس خمس کے برابر پانچ حصے کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ امام اپنی رائے کے مطابق ان اغراض پر جس طرح چاہے صرف کرے خود رسول اللہ صلعم بقدر

آنحضرت کا گذارہ

کفایت لیکر باقی سب ضروریات عامہ مسلمین پر خرچ کر دیتے تھے۔ جناب پیغمبر خدا کس قدر لیتے تھے یہ اس سے ظاہر ہے کہ خیبر کو فتح کرکے جب آپ واپس ہوئے اور حضرت صفیہ سے نکاح کیا تو آپ کی دعوت ولیمہ پر وہی ستو اور کھجوریں وغیرہ تھیں جو لوگ اپنے اپنے گھروں سے لائے تھے۔ اور اس زمانہ میں جب آپ ملک عرب کے بادشاہ تھے آپکے گھر کا سامان ایک کھجور کی چٹائی اور ایک پانی کی مٹھیا تھی۔ اور بیبیوں نے جب کچھ اپنی آسودگی کیلئے مال مانگا تو حکم ہوا اگر مال دنیا چاہتی ہو تو آؤ تمہیں رخصت کردوں اور جب آپکی صاحبزادی حضرت فاطمہ نے خادمہ مانگی کہ چکی پیسنے سے تکلیف ہوتی ہے تو فرمایا کہ نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ آپکے گھر میں مہینوں اس طرح گزر جاتے تھے کہ آگ نہ جلتی تھی اور صرف کھجوروں پر گزارہ کرتے تھے۔ اور اسی خمس کے متعلق ایک حدیث میں آپکے یہ لفظ آتے ہیں مالی الا الخمس والخمس مردود فیکم یعنی پانچواں حصہ جو میرے لئے ہے وہ بھی تمہارے اندر ہی واپس کیا گیا ہے +

ذوی القربیٰ سے مراد

ذوی القربیٰ سے مراد نبی کریم صلعم کے ذوی القربیٰ ہی لئے گئے ہیں مگر اس سے مراد بھی یہ نہیں کہ انکے اغنیا کو دیا جائے بلکہ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا وہ حق صرف اس قدر تھا کہ ان میں سے جو غربا ہوں انکو دیا جائے اور انکی بیوہ کا نکاح کر دیا جائے اور کسی کو جسکے پاس خدمتگار نہ ہو خادم دیدیا جائے اور انکے خاص ذکر کی وجہ یہ ہے کہ بیت المال میں جو صدقات آتے تھے وہ ان پر حرام کئے گئے تھے۔ اور صرف اسی مال میں سے انکو دینا جائز تھا بلکہ یہاں ذوی القربیٰ سے مراد قرب نصرت لیا گیا ہے نہ قرب قرابت یعنی انکو دینا انکی نصرت کی وجہ سے تھا جو وہ دین کی نصرت کرتے تھے۔ نہ انکی قرابت کی خاطر +

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور اس (پر) جو ہم نے اپنے بندہ پر حق و باطل میں فرق کرنے کے دن اُتارا جس دن دو گروہوں میں مٹھ بھیڑ ہوئی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۱۲۳۲]

۴۲ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ

جب تم قریب کے کنارہ وادی پر تھے اور وہ دور کے کنارے پر اور قافلہ تم سے نیچے تھا اور اگر تم (دونوں گروہ)

تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ

آپس میں قرارداد کرتے تو تم میعاد میں اختلاف کرتے لیکن (ایسا ہوا) تاکہ اللہ ایک امر کا فیصلہ کردے جو ہو کر رہنا تھا۔ تاکہ جو ہلاک ہوتا ہے

مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَىَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

وہ کھلی دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ ہوتا ہے وہ کھلی دلیل سے زندہ ہو اور اللہ یقیناً سننے والا اور جاننے والا ہے[۱۲۳۳]

یوم الفرقان

۱۲۳۲ یوم الفرقان۔ یوم بدر ہی ہے۔ کیونکہ حق و باطل میں فرق کر دیا جیسا کہ حضرت مجاہد و دیگر مفسرین سے مروی ہے اور جیسا کہ یوم التقی الجمعٰن سے بھی ظاہر ہے۔ اسدن کیا اُتارا تھا۔ وہ ساری باتیں جو حق و باطل میں فرق کا موجب ہوئیں یعنی نشانات الٰہی۔ نصرت الٰہی۔ فرشتے وغیرہ +

عُدوۃ

۱۲۳۳ العدوۃ۔ عدو بمعنی تجاوز سے ہے اور عُدوۃ وادی کے کنارہ کو کہتے ہیں +

دنیا

دُنیا۔ ادنیٰ کی تانیث ہے۔ اور قریب سے مراد مدینہ سے قریب ہے +

قُصوی قَصیّ

قُصوی۔ اقصی کی تانیث ہے اور قَصیّ بعید کو کہتے ہیں مکاناً قصیاً (مریم [۱۹]-۲۲) اور المسجد الاقصی (بنی اسرائیل [۱۷]-۱) من اقصی المدینۃ (القصص [۲۸]-۲۰) اور یہاں مراد مدینہ کی جانب سے دور کا کنارہ ہے +

رَکْب

الرکب۔ قافلہ جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آرہا تھا۔ راکب کی جمع ہے +

اسفل۔ نیچے یعنی ساحل سمندر کی طرف۔ کیونکہ وہ زمین نیچی ہے +

اختلفتم فی المیعاد ضمیر مسلمانوں کی طرف ہے۔ یعنی جنگ اگر کسی وعدہ کا نتیجہ ہوتا تو ضرور تھا کہ مسلمان وعدہ پورا کرنے سے رہ جاتے اس لئے کہ کفار کی طاقت کا پتہ ہوتا اور اپنے آپکو ان کے مقابل میں کمزور خیال کرکے مقابلہ کے لئے نہ نکلتے۔ مگر یہ سب ایک فوری کارروائی تھی۔ اور مسلمانوں کو کفار کی طاقت اور تعداد کا علم نہ تھا +

مفعول

مفعولاً کے معنی کیا گیا۔ مراد یہ کہ ارادہ الٰہی میں ایسا ضروری ٹھہر چکا تھا کہ ضرور تھا کہ ہو کر رہتا۔ اس میں ان پیشگوئیوں کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدر کے متعلق مدت پہلے سے قرآن شریف میں بیان ہوچکی تھیں اور جن میں وعدہ تھا کہ مسلمانوں اور کافروں میں مقابلہ ہوکر کفار مغلوب کئے جائینگے +

جنگ بدر کیوں فرقان کہلائی

اس آیت میں اول دونوں فوجوں کی حالت بتائی ہے۔ مسلمان مدینہ کے قریب کے کنارہ کی طرف تھے اور کفار دور والے کنارہ کی طرف اس میں یہ بتایا ہے کہ مسلمان کفار سے پیچھے میدان جنگ میں نکلے۔ اور مقابلہ کی غرض یہ بتائی کہ وہ پیشگوئیاں پوری ہوں جو پہلے سے ہوچکی تھیں اور نتیجہ اس کا یہ بتایا ہے کہ کوئی ایسی مضبوط دلیل صداقت اسلام پر قائم ہو کہ ہلاک ہونے والے اور مخالفت کرنیوالے بھی اس کھلی دلیل کو دیکھ لیں اور زندہ ہونیوالی قوم یعنی مسلمان بھی اس کھلی دلیل

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ ۴۳

جب اللہ تجھے تیرے خواب میں ان کو تھوڑا دکھاتا تھا۔ اور اگر وہ تجھے ان کو بہت دکھاتا تو تم ہمت ہار دیتے اور تم معاملہ میں

فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ ۴۴

جھگڑنے لگتے لیکن اللہ نے بچا لیا بیشک وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے ۱۲۳۴ اور جب

يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي

انہیں جب تم ایک دوسرے کے سامنے آئے تمہاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھایا اور ان کی آنکھوں میں تم کو

أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يَا أَيُّهَا ۴۵

تھوڑا کر کے دکھا رہا تھا۔ تا کہ اللہ ایک معاملہ کا فیصلہ کر دے جو ہو کر رہنا تھا اور اللہ کی طرف (سب) کام لوٹائے جاتے ہیں اے

ع ۶ — جنگ میں ثابت قدمی کی نصیحت

الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا

لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو

لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

تاکہ تم کامیاب ہو ۱۲۳۶

کو دیکھ لیں۔ گویا بدر کی فتح اسلئے فرقان نہ تھی کہ کفار کو شکست اور مسلمانوں کو فتح ہوئی بلکہ اس لئے کہ عین ان پیشگوئیوں کے مطابق یہ سب کچھ وقوع میں آیا جو مدت پہلے سے شائع شدہ تھیں جنکا علم کفار کو بھی تھا اور مسلمانوں کو بھی +

۱۲۳۴ نبی کریم صلعم کو رویا میں دشمن تھوڑا دکھایا گیا اسلئے کہ وہ مغلوب ہونیوالا تھا۔ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ تا مسلمانوں کے دلوں کو قوت رہے +

۱۲۳۵ یہ دوسرا واقعہ ہے یعنی میدان جنگ میں جب ایک دوسرے کے سامنے آئے تو اس وقت بھی مسلمانوں کو کافر تھوڑے نظر آئے۔ صرف اپنے سے دو چند حالانکہ تھے سہ چند دیکھو ۳۸۵ اس سے بھی ان کے حوصلے بڑھے اور مسلمانوں کا کفار کی نظر میں تھوڑا ہونا تو مطابق واقع تھا +

۱۲۳۶ یہاں پھر مسلمانوں کو فلاح کے اسباب کی طرف متوجہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ جنگ اور مقابلہ کے وقت بھی اللہ کو یاد رکھو کیونکہ اصل غرض صرف جنگ میں فتح حاصل کرنا نہیں بلکہ اصل غرض فلاح ہے یعنی زندگی کے مقصود حقیقی تک پہنچنا +

ریح ۱۲۳۷ ریح کے معنی ہوا ہیں مگر مفردات میں ہے کہ کبھی ریح کا لفظ بطور استعارہ غلبہ پر بولا جاتا ہے اور قتادہ سے روایت ہے کہ ریح سے مراد ریح النصر یعنی مدد کی ہوا ہے (ج) کیونکہ ہوا بھی نصرت کے خاص سامانوں میں سے ہے چنانچہ جنگ احزاب میں ایک ہوا نے ہی دشمن کے ٹڈی دل لشکر کو پراگندہ کر دیا اور ان کے قدم اکھیڑ دیئے بتایا ہے کہ اتفاق اور مشکلات کے مقابلہ میں ثابت قدمی یہ دو بڑے کامیابی کے راز ہیں +

٤٦ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ

اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار دوگے اور تمہارا غلبہ جاتا رہے گا اور

٤٧ اصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ

صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے [۱۲۳۷] اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فخر کرتے ہوئے اور

دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

لوگوں کو دکھاوے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اللہ اس کا احاطہ

٤٨ يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ

کئے ہوئے ہے جو وہ کرتے ہیں [۱۲۳۸] اور جب شیطان نے ان کو ان کے عمل خوبصورت بنا کر دکھائے اور کہا آج لوگوں میں سے کوئی

الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ

تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا حامی ہوں پھر جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے سامنے آئے الٹے پاؤں پھر گیا۔

وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور کہا میرا تم سے کچھ واسطہ نہیں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ (بدی کی) سزا دینے میں سخت ہے [۱۲۳۹]

بطر

۱۲۳۸ بطر۔ بَطَر کے معنی نشاط ہیں یا متکبرانہ روش (ل) اور بَطَر اور طَرَب قریب قریب ہیں اور وہ خفت یعنی ہلکاپن ہے جو خوشی سے پیدا ہوتا ہے (غ) یا وہ کسی چیز سے کراہیت کرنا ہے حالانکہ وہ کراہیت کی مستحق نہ ہو یا نعمت کے وقت حد سے نکل جانا اور سرکشی کا طریق اختیار کرنا بطرت معیشتها (القصص ۲۸۔ ۵۸) میں اصل ترکیب بطرت فی معیشتها (ل)۔

ابوجہل اور اسکے ساتھی.... مکہ سے نکلے .... تو بڑے ساز و سامان سے نکلے اور ان کو اپنی قوت پر بڑا فخر تھا۔ اور انکا منشا قبایل عرب پر بھی اپنا رعب بٹھانا تھا کہ ہماری طاقت بڑی ہے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ تم فاتح ہو کر کبھی اس غرض کیلئے جنگ نہ کرنا۔ اور نہ اپنی قوت پر ناز کرنا۔

جار۔ جوار

جَور

رئیس بنی کنانہ شیطان کی صورت میں

۱۲۳۹ جار ہمسائے کو کہتے ہیں اور جار یا مُجَاوَرَة کے معنی دوسرے کی حفاظت میں آنا یا حفاظت میں لینا ہیں اور یہاں اسی معنی میں جار ہے اور جار عن الطریق کے معنی ہیں رستہ سے ہٹ گیا جو بلحاظ معنی قریب ہے اور اسی سے جَور بمعنی عدول یا ظلم ہے (غ)

قریش اور بنی کنانہ میں جنگ رہا کرتی تھی اسلئے جب قریش نے مدینہ پر حملہ کیا تو انکو یہ بھی خیال تھا کہ کہیں بنی کنانہ جنگ پر آمادہ نہ ہو جائیں بنی کنانہ کا سردار سراقہ بن مالک تھا اس نے ابوجہل کو یقین دلایا کہ تمہاری طاقت بڑی ہے اور ہم تمہارے ساتھ جنگ نہ کرینگے بلکہ ہم تو تمہارے حامی ہیں مفسرین کہتے ہیں کہ شیطان سراقہ بن مالک کنانی کی صورت اختیار کرکے آیا تھا لیکن اگر سراقہ ہی آیا ہو اور اسی کو شیطان کہا ہو جیسا کہ کئی جگہ پر سرداران کفار کو شیطان یا شیاطین کہا ہے۔ تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ جب قریش کے پاؤں اکھڑے دیکھے تو بھاگ گیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب محض شیطان کی وسوسہ اندازی ہو نہ کوئی واقعی گفتگو۔

ع ۱۰ / ۳

کفار کی بدعہدیاں

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ ۴۹

جب منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے اور جو شخص اللہ پر

عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلَائِكَةُ ۵۰

بھروسہ کرتا ہے تو بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے ۱۲۴۰ اور اگر تو دیکھے جب فرشتے ان کی جو کافر ہیں روح قبض کریں گے

يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ بِمَا ۵۱

ان کے مونہوں اور پیٹھوں کو مارتے ہونگے اور کہیں گے جلنے کا عذاب چکھو یہ اس کی سزا ہے جو

قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ ۵۲

تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کہ اللہ بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں فرعون کے لوگوں کا سا حال ہے

وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ

اور جو اُن سے پہلے ہوئے انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا سو اللہ نے انکو انکے گناہوں کی وجہ سے پکڑا

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً ۵۳

بے شک اللہ طاقتور ہے (اور) سزا دینے میں سخت ہے یہ اس لئے کہ اللہ کبھی کسی نعمت کو نہیں بدلتا

أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۙ

جو اس نے کسی قوم پر کی ہو یہاں تک کہ وہ خود اپنی حالتوں کو نہ بدلیں

کفار کی عہد شکنی

ف ۱۲۴۰ اس رکوع میں اصل ذکر کفار کی بدعہدی کا اور بار بار عہد شکنی کا ہے۔ اور فرعون کے ساتھ مثال دینے کی وجہ بھی غالبًا یہی ہے کہ وہ بھی اسی طرح حضرت موسیٰ کے ساتھ بدعہدی کرتا تھا فلما کشفنا عنهم الرجز الی اجل هم بالغوه اذا هم ینکثون (الاعراف۔۱۳۵) ایسی بدعہدیاں نبی کریم صلعم کے آخری زمانہ میں بھی بہت سی وقوع میں آیئں جیسا کہ سورۂ برآءۃ کے شروع میں ذکر ہے مگر ابتدا میں بھی حالت ایسی ہی تھی اور آنحضرت صلعم نے کفار قریش کی دستبرد سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے کئی ایک اقوام کیساتھ جو حالت کفر پر تھیں عہد نامے کر رکھے تھے۔ مگر جب یہ لوگ ذرا مسلمانوں میں کمزوری دیکھتے تو فوراً عہد شکنی کرتے۔ کیونکہ ان کا اصول مہذب یورپ کے اصول کی طرح یہ تھا کہ کمزور قوم کے ساتھ ایفائے عہد کی کوئی ضرورت نہیں ‎.

مسلمانوں کی کمزوری کو دیکھکر اور بالمقابل چاروں طرف دشمنوں کو دیکھکر منافق لوگ اور کمزور دل یہ کہتے تھے کہ مسلمان ان وعدوں پر بھروسہ کرکے اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں جو محمد رسول اللہ صلعم نے ان کو دے رکھے ہیں اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرنیوالا دھوکا نہیں کھاتا یہی لوگ غالب ہونگے کیونکہ اللہ غالب ہے ‎.

۵۴ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌۙ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ

اور کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہی ۱۲۴۱ فرعون کے لوگوں کا سا حال ہے اور جو اُن سے پہلے ہوئے انہوں اپنے رب کی آیتوں

۵۵ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّ

کو جھٹلایا سو ہم نے اُن کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا اور سب ظالم تھے بے شک

۵۶ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۚۖ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ

اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ ہیں جو کافر ہوئے پھر وہ ایمان لاتے ہی نہیں ۱۲۴۲ وہ جن سے تو عہد کرتا ہے

۵۷ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ

پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ خلاف ورزی عہد سے نہیں بچتے ۱۲۴۳ سو اگر تو ان کو جنگ میں پائے

۵۸ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً

تو اُن (کی عبرت ناک سزا) سے ان کو منتشر کر دے جو ان کے پیچھے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ۱۲۴۴ اور اگر تجھے کسی قوم سے دغابازی کا خوف ہو

قوم سے نعمت کب چھنتی ہے۔

۱۲۴۱ یعنی اللہ تعالیٰ باوجود انکے کفر کے بھی ان سے یہ نعمتیں نہ چھینتا اگر یہ اپنی حالتوں کو خراب نہ کر ڈالتے کسی نے کیا خوب کہا ہی ؎ اے کریمے کہ از خزانہ غیب ۔ گبرو ترسا وظیفہ خور داری ۔ دوستاں را کجا کنی محروم ۔ تو کہ بر دشمناں نظر داری ۔ ہاں جب قوم سے حکومت کی اہلیت چھن جاتی ہی تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو اُٹھا کر دوسری کو اس کی جگہ لے آتا ہی اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمتوں کو نہیں لیتا جبتک کہ انسان خود ہی انکو نہیں پھینکتا۔ آج مسلمانوں کے ہاتھ سے بھی سلطنت دولت کی نعمتیں تب ہی گئیں جب انہوں نے اپنے حالات کو بدل ڈالا پس مقدم ضرورت اپنی حالت میں اصلاح کرنے کی ہی اور اسی کی طرف سے مسلمان غافل ہیں ۔

۱۲۴۲ یعنی ایسے کافر جنہوں نے یہ ٹھان لیا ہی کہ ایمان کسی صورت میں لائینگے ہی نہیں اس لئے وہ حق کی مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں جیساکہ ان کی عہد شکنی سے ظاہر ہی جیساکہ اگلی آیت میں ذکر ہی ۔

۱۲۴۳ یہ حالت بھی اس وقت عام تھی ۔ نبی کریم صلعم چاہتے تھے کہ ان قوموں کے ساتھ جنگ نہ ہو۔ اسلئے آپ نے جہاں تک ہو سکتا تھا معاہدے کر لئے تھے مگر ایفائے عہد ان اقوام میں بہت کم تھا حتی کہ یہودی جو اہل کتاب تھے وہ بھی ایفائے عہد کی پروا نہ کرتے تھے ۔ اور بالخصوص مسلمانوں کی کمزوری ان کو اور بھی زیادہ عہد شکنی کی طرف مائل کرتی تھی۔ اتقاء سے مراد یہاں خلاف ورزی عہد سے بچنا ہی ہی مفسرین نے اس آیت کے نیچے بنو قریظہ یا بعض اور قبائل یہود کا ذکر لکھا ہی۔ مگر تاریخ سے معلوم ہوتا ہی کہ سوائے شاذ و نادر کے جن اقوام نے آنحضرت صلعم سے معاہدات کئے تھے ۔ عموماً عہد شکنی ہی کرتی رہیں ۔

شرد ۔ تشرید

۱۲۴۴ شَرِّد ۔ شَرَدَ کے معنی ہیں بھاگ گیا (غ) اسلئے طرید ۔ شرید اس شخص کو کہتے ہیں جو اکیلا رہ گیا ہو اور تشرید کے معنی نکال دینا یا پراگندہ اور منتشر کر دینا ہیں مفردات میں ہی کہ شرّد بہ کے معنی ہیں اسکے ساتھ ایسا فعل کیا جس نے اسکے غیر کو بھگا دیا یعنی ایسی عبرتناک سزا جو دوسرے کو ایسا فعل کرنے سے روک دے ۔

ع

دشمن کے مقابلہ کے لئے تیاری کی ضرورت

فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ۝ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۵۹

تو ان کا عہد، برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے انکی طرف پھینک دے کیونکہ اللہ دغابازوں سے محبت نہیں کرتا۔[۱۲۴۵] اور جو کافر ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ

سَبَقُوْا ؕ اِنَّھُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ۝ وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ ۶۰

آگے نکل گئے وہ عاجز نہیں کرسکتے[۱۲۴۶] اور جو کچھ طاقت اور گھوڑوں کے سرحدوں پر باندھ رکھنے سے تم سے ہوسکے انکے لئے تیار رکھو

تُرْھِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ ۚ اَللّٰہُ

تم اس کے ساتھ اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ رکھوگے اور انکے سوائے اوروں کو (بھی) ان کو تم نہیں جانتے اللہ

یَعْلَمُھُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

ان کو جانتا ہے اور جو کوئی چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے تم کو پوری واپس دی جائیگی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائیگا[۱۲۴۷]

مراد یہ ہے کہ جو لوگ بار بار بدعہدیاں کرتے اور امن اٹھا دیتے ہیں انکو اگر واقعی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں پائے جائیں تو عبرتناک سزا دینی چاہئے تاکہ دوسرے لوگ اس قسم کی بدعہدی سے باز آئیں +

خوف

۱۲۴۵ تخافن۔ خوف۔ مکروہ امر کی توقع ہے جو ظنی یا معلوم علامات سے حاصل ہو جسطرح رجاء اور طمع محبوب امر کی توقع ہے جو ظنی یا معلوم علامات سے حاصل ہو اور ان خفتم شقاق بینھما (النساء۔ ۳۵) میں خفتم (یا تم ڈرو) کے معنی کئے گئے ہیں عرفتم تم پہچان لو گویا اصل مطلب یہ ہے کہ حالات کے جاننے کی وجہ سے تمہیں خوف ہو (غ) یہی معنی تخافن کے یہاں ہیں یعنی یہ کہ اگر حالات کی واقفیت کیوجہ سے تمہیں ڈر ہو کہ یہ قوم خیانت کرے گی۔

علی سواء

علی سواء۔ برابری کو مدنظر رکھتے ہوئے یعنی ایسا نہ ہو کہ انکو مشکلات کی حالت میں پاکر چھوڑ دیا جائے یا عہد کو اس صورت میں توڑ دیا جائے کہ وہ سمجھ رہے ہوں کہ عہد باقی ہے فریقین کو مساوی حالت میں رکھکر ایسی صورت میں معاہدہ سے دست برداری کرلی جائے۔ دوسرے فریق کو نقصان پہنچانا مدنظر نہ ہو +

یہ اسلام کی تعلیم کا کمال ہے کہ ایک خائن قوم کے ساتھ بھی خیانت کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ فرمایا کہ اگر کسی قوم کی خیانت کا علم ہو جائے تو ان کو برابری کا موقعہ دیکر معاہدہ سے دست برداری کرلی جائے +

کفر اسلام پر غالب نہیں آسکتا

۱۲۴۶ لا یعجزون کا مفعول ذکر نہیں کیا لیکن اگلی آیت میں مسلمانوں کو خطاب کرکے اور انکو دشمن کے مقابلہ کیلئے تیار رہنے کا حکم دیکر صاف بتا دیا کہ یہاں بھی مسلمانوں کو عاجز نہ کرسکنا ہی مراد ہے آج جب مسلمان چاروں طرف سے مایوس ہیں۔ اور بظاہر دنیا پر کفر کا غلبہ ہو رہا ہے۔ یہ آیت کس قدر مایوس دلوں میں امید کی روشنی پیدا کرسکتی ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کو چھوڑ کر اپنے دلوں کو مایوسی کا شکار کر دیا ہے اگر قرآن کریم کے یہ وعدے جو ایک مرتبہ موجودہ حالت سے بڑھکر مایوس کن حالات کے باوجود پورے ہوچکے ہیں ان کی آنکھوں کے سامنے رہتے تو زندہ ایمان ان سے ایثار کے وہ کارہائے نمایاں کرا دیتا جو دنوں میں انکی حالت بدل ڈالتے۔ خدا کی آواز اب بھی وہی یقین ہم کو دلاتی ہے۔ چنانچہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو آج سے کوئی چالیس سال پیشتر یہ الہام ہوا انجام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد۔ مایوسی مسلمانوں کیلئے نہیں نہ اسلام کیلئے مغلوبیت ہے۔ بلکہ جہاں اور جب لوگوں نے خیال کیا کہ اسلام مغلوب ہوا وہی اسکے غلبہ کا وقت تھا +

قوۃ

۱۲۴۷ قوۃ۔ وہ چیز جو موجب تقویت ہو مثلاً جنگ میں طرح طرح کے ہتھیار جیسا کہ ابن عباس نے لکھا ہے۔ اور قلعے۔ جیسا کہ

۶۱ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی اس کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے ۱۲۴۵

عکرمہ نے کہا ہے۔ اور رمی یعنی تیر (یا بندوق یا توپ) کا چلانا۔ جو ایک حدیث میں مروی ہے۔ اور رمی کی تعریف احادیث میں آئی ہے اور اس کے سیکھنے کا حکم بھی احادیث میں پایا جاتا ہے ٭

رباط۔ مرابطہ

رباط الخیل۔ رَبْط باندھنا۔ اور رِباط اور مُرابطۃ کے معنی ہیں دشمن کی سرحد پر لگے رہنا۔ گویا ہر ایک نے اپنے گھوڑے تیار باندھے ہوئے ہیں اور محض حفاظت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ پر بھی رباط بولا گیا ہے (غ) پس جس طرح جہاد پر قایم رہنے اور تیار رہنے پر رِباط بولا جاتا ہے اسی طرح طہارت اور نماز پر قایم رہنے پر بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے۔ رِباط کے ساتھ خیل کا لفظ لانے میں مزید مستعدی پر دلالت ہے ٭

اسلام کے جن دشمن

اُخرین من دونہم یعنی ان دشمنوں کے سوائے جو اب تمہارے مقابل پر ہیں کچھ اور دشمن بھی ہیں جن کو تم نہیں جانتے کسی نے کہا یہود بنو قریظہ کسی نے منافق کسی نے اہل فارس۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد جن ہیں۔ میرے نزدیک ایک معنی سے یہ آخری قول درست ہے۔ کیونکہ جن وہ ہیں جو نظروں سے مخفی ہوں پس اسلام کے وہ دشمن جو ابھی ظاہر نہ ہوئے تھے۔ اور پھر وہ دشمن جنکا حملہ جنوں کی طرح وسوسہ اندازی سے ہو جیسے آج کل کے عیسائی مشنری کہ ان کا حملہ اسلام پر کھلا نہیں بلکہ جن کی طرح مخفی حملہ ہے۔ اور طرح طرح کے اعتراض کر کے وسوسہ اندازی کرتے ہیں انہی کی طرف یہاں اشارہ معلوم ہوتا ہے ٭

دشمن کے ملکی اور مذہبی مقابلہ کیلئے تیاری کا حکم

اس آیت میں دشمن کے مقابلہ کیلئے مسلمانوں کو دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ ایک قوت یعنی دشمن کی مدافعت کا سامان مثلاً جنگوں میں آلات اور قلعے۔ اور فنون جنگ کے واقفیت اور گولہ بارود۔ اور جہاد قلمی میں وہ علمی سامان جس سے دشمن کے اعتراضات کا مقابلہ ہو۔ اور دوسرے مستعد رہنا جس کو یہاں رباط الخیل کہا ہے مطلب یہ ہے کہ دشمن کو اتنا موقعہ نہیں دینا چاہئیے کہ وہ سرحد سے آگے نکل سکے بلکہ اس کا مقابلہ سرحد پر کرنے کے لئے پورا تیار رہنا چاہئیے اگر ظاہری رنگ میں دیکھا جائے تو مسلمانوں کی سلطنتوں کی تباہی کا موجب رباط الخیل سے غفلت ہوئی ہے نہ صرف یہی کہ مسلمان دشمن کے مقابلہ کے لیے سرحد پر تیار نہیں رہے بلکہ انہوں نے دشمنوں کو اپنے ملکوں میں گھس جانیکا موقعہ خود اپنے ہاتھ سے دیا اور دشمنوں نے اندر داخل ہو کر مسلمانوں کی جڑیں کاٹ دیں۔ اب دوسرے پہلو یعنی جہاد قلمی میں مسلمان اسی طرح غافل ہیں۔ دشمن طرح طرح کے سامانوں سے میگزینوں اور رسالوں اور کتابوں اور لکچروں اور تقریروں سے اور مشن قایم کر کے اسلام پر حملہ آور ہو رہا ہے مسلمان خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور دشمن کے مقابلہ کیلئے کوئی سامان نہیں نہ کوئی تیاری ہے۔ تیاری کا فائدہ بتایا کہ دشمن مرعوب رہیگا۔

قلمی جہاد میں مسلمانوں کی غفلت

یورپ میں تبلیغ کا خاص فائدہ

اور حملہ کرنے کی جرأت نہ کریگا بلکہ صلح کی طرف مائل ہوگا۔ اسی لیے اگلی آیت میں صلح کا ذکر ہے۔ آج بعض ناواقف لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ یورپ میں تبلیغ اسلام کی ضرورت نہیں جب خود گھر میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے مگر حق یہ ہے کہ ایک ہی سامان سے دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اور یورپ یعنی تثلیث کے مرکز میں توحید کی آواز کا بلند ہونا رباط الخیل ہے جس سے دشمن پر رعب بیٹھتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو اپنا شکار سمجھے بیٹھے ہیں۔ مسلمان اگر ہمت کر کے یہ دکھا دیں کہ انکے نزدیک خود عیسائی انکا شکار ہیں تو دشمن کی آدھی سے زیادہ قوت ٹوٹ جاتی ہے ٭

اسلام صلح کو مقدم کرتا ہے

۱۲۴۵ کیا یہ اس مذہب کی تعلیم ہوسکتی ہے جو جبراً اپنے آپ کو دنیا میں پھیلانا چاہتا ہو۔ سخت ترین دشمنوں کا ذکر کر کے ان کی غداری کا ذکر کر کے ان کے مقابلہ میں مستعد رہنے کا حکم دیکر پھر بھی فرمایا کہ اصل غرض جنگ نہیں اگر صلح کی طرف دشمن مائل ہو تو تم بھی صلح کر لو بلکہ اس سے اگلی آیت میں فرمایا کہ اگر میلان صلح میں غداری کا ارادہ بھی ان کا پنہاں ہو تو بھی تم صلح کی طرف ہی جھکو

وَاِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ ٦٢

اور اگر اُن کا ارادہ ہو کہ تجھے دہوکہ دیں تو اللہ تجھے بس ہے وہی ہے جس نے اپنی نصرت کے ساتھ اور

وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ٦٣

مومنوں کے ساتھ تجھے قوت دی اور اس نے اُن کے دلوں میں الفت پیدا کردی اگر تو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب خرچ کردیتا

مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا ٦٤

تو ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کرسکتا لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی بیشک وہ غالب حکمت والا ہے ۱۲۴۹ اے

النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

نبی اللہ تیرے لئے بس ہے اور (اس کے لئے) جو مومنوں میں سے تیرا پیرو ہوا ۱۲۵۰

رہی غداری تو اس کے مضرات سے اللہ تم کو بچا دیگا اس زمانہ میں مسلمان بادشاہتوں کو یہ زرین اصول اور بھی زیادہ مد نظر رکھنا چاہئے تھا ایک طرف اپنی طاقت اور قوت کو مضبوط کریں اور اپنی پوری تیاری دکھائیں تو دوسری طرف جنح الوسع جنگ سے بچیں +

۱۲۴۹ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے بڑے پہلو کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ کہ مسلمانوں میں باہمی الفت پیدا کردی۔ بلاشبہ کسی قوم کے دلوں میں اُلفت و محبت کا پیدا ہو جانا اس کی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دلوں میں محبت ہو تو ایک دوسرے پر حسن ظن ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے کام کی قدر ہوتی ہے ذاتی اغراض درمیان میں نہیں آتیں آج مسلمانوں کا جو کام دیکھو اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ ذاتی رنجشیں اور کدورتیں ہیں۔ بدظنی ہے۔ ایک دوسرے کی تحقیر ہے یہی وجہ ہے کہ کسی کام میں برکت نہیں +

لو انفقت میں بتایا کہ وہ ملک جس کی قوم قوم کے خلاف اور قبیلہ قبیلہ کے خلاف شب و روز برسر پیکار رہتا تھا جن کی دشمنی کی آگ قریب تھا کہ انہیں بھسم کر دیتی۔ جیسا کہ فرمایا کنتم علی شفا حفرۃ من النار۔ وہ آگ یہی باہم دشمنی کی آگ تھی اس قسم کی صدیوں کی خطرناک دشمن قوموں کو ملا کر ایک کر دینا ساری دنیا کے خزانے صرف کرنے سے بھی نہ ہو سکتا تھا پس وہ مذہب جس نے ایسی دشمن اقوام میں بھی اُلفت پیدا کردی وہ آج بھی دنیا کی سخت ترین دشمن قوموں میں محبت پیدا کر سکتا ہے۔ کاش مسلمان آپس میں محبت کا نمونہ دنیا کی قوموں کو دکھاتے تو دیکھتے کہ قومیں اس طرح اسلام پر فدا ہوتی ہیں جیسے پروانے چراغ پر +

۱۲۵۰ ظاہری سامانوں کی ضرورت بتا کر اور یہاں دشمن کے مقابلہ کی تیاری کو ضروری قرار دیکر فرمایا کہ یہ سب کچھ کرکے ان چیزوں پر بھروسہ نہ کرو۔ سامان سب کرو مگر بھروسہ اللہ کی ذات پر ہی رکھو۔ نبی کو اگر یہ موحدانہ تعلیم دی تو آپ کے مومن متبعین کو بھی یہی تعلیم دی۔ اور نبی کو اگر ان الفاظ میں بشارت دی کہ دشمن اگر قوی ہے تو نگہبان قوی تر است تو یہی بشارت آج ہمارے لئے بھی ہے بشرطیکہ ہم متبع بنیں یہی اسلامی توکل ہے جسے لوگوں نے غلطی سے یوں سمجھا ہوا ہے کہ وہ کچھ نہ کرنے کا نام ہے حالانکہ یہاں زبردست سامانوں کی تیاری کی تعلیم کے بعد توکل کے لئے کہا +

مسلمانوں کی باہمی محبت

اسلام کی دشمنوں میں محبت پیدا کرنے کی طاقت

سامانوں کے ساتھ توکل

ع ۵ ۹

مسلمان دشمن کی زیادہ تعداد سے نہ گھبرائیں

۶۵ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ

اے نبی مومنوں کو جنگ کی ترغیب دو[۱۲۵۱] اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں

يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ

تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں تو جو کافر ہیں ان میں سے ایک ہزار پر غالب آئینگے یہ اس لئے کہ وہ

۶۶ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ

ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے[۱۲۵۲] موجودہ وقت میں اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے سو اگر

يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئینگے

حرض

تحریض

۱۲۵۱ حَرَض۔ حَرَض اس کو کہتے ہیں جس میں کچھ بھلائی نہ ہو۔ جو ہلاکت کے قریب پہنچ چکا ہو جیسے تکون حرضا۔ (یوسف ۱۲-۸۵) اور تحریض کے معنی ہیں کسی چیز کو بہت اچھا کر کے دکھانا اس پر ترغیب دینے کے لئے گو یا تحریض حرض کا ازالہ ہے جیسے تمریض میں مرض کا ازالہ (غ)۔

مسلمانوں کو جنگ پر تحریض

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو علم ہوتا ہے کہ مومنوں کو جنگ کی ترغیب دو۔ اور لفظ حَرِّض جو یہاں استعمال فرمایا ہے وہ اس غرض سے ہو کہ تا معلوم ہو کہ جنگ میں حَرَض یعنی ہلاکت نہیں۔ جیسا کہ ظاہر نظر سے معلوم ہوتا تھا یعنی جنگ میں ہلاکت نظر آتی تھی اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جنگ کو پسند نہ کرتے تھے۔ دوسرا یہ امر قابل غور ہے کہ القتال سے مراد کیا ساری دنیا کے ساتھ جنگ ہے؟ نہیں بلکہ انہی دشمنوں کے مقابل پر جن کا ذکر اوپر ہو رہا ہے۔ اور اسی قتال پر جس کی اجازت ہو چکی ہے اور وہ قتال کیا ہے قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں صرف ان کے ساتھ جنگ کرو وہ بھی اللہ کی راہ میں نہ انتقام کے لئے نہ بدلہ لینے کے لئے۔ ہاں دین اسلام کی حفاظت کے لئے۔

مسلمانوں کا دہ چند پر غالب آنا اور اس کی وجہ فقاہت قرار دینا

۱۲۵۲ مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابل بہت ہی تھوڑی تھی پس ان کی تسلی کیلئے فرمایا کہ تم صابر بنو یعنی مصائب اور مشکلات کا مقابلہ کرو۔ تو تم میں سے ایک آدمی دس پر غالب آئیگا۔ اس کی وجہ بتائی کہ تمہارے دشمن ایک ایسی قوم ہیں کہ وہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ گویا اسلام مسلمانوں کے اندر وہ بہادری پیدا کرنا نہیں چاہتا جو اندھا دھند کام کرے بلکہ ایسی بہادری پیدا کرتا ہے جو فقاہت کا نتیجہ ہو۔ یعنی انسان سوچ سمجھ کر کہ اس کی زندگی کی یہ غرض ہے پھر اس اصل غرض پر اپنی زندگی کو لگائے جس نے اپنی زندگی کی غرض کو نہیں سمجھا وہ اگر ایک وقت جوش کے ماتحت اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا بھی ہے تو پھر جان بچانے کا خیال اس کی ہمت کو کمزور بھی کر دیتا ہے یہی رنگ علمی پہلو میں بھی ہے بلکہ شاید لا یفقھون اسی کی طرف اشارہ کرنے کو فرمایا۔ دس عیسائی مشنری ایک مسلمان مبلغ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسلئے کہ ان کے عقاید کی بنیاد علم اور فقاہت پر نہیں۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ ٦٧

اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہی ١٢٥٣ ایک نبی کے لئے شایاں نہیں کہ اس کے (قبضہ میں) قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں جنگ کرکے کامیاب ہو

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت کو چاہتا ہی اور اللہ غالب حکمت والا ہی ١٢٥٤

مسلمانوں کا دوچند تعداد پر غالب آنا اور دونوں حالتوں میں فرق

١٢٥٣ اس آیت کو پہلی کی ناسخ سمجھا جاتا ہی حالانکہ یہاں کوئی حکم ہی نہیں جو منسوخ ہوسکتا ہو۔ بلکہ صرف ایک خبر ہی ہاں ان دونوں خبروں میں کہ پہلی جگہ فرمایا کہ مسلمان دہ چند تعداد پر غالب آئینگے اور یہاں فرمایا کہ دوچند تعداد پر غالب آئینگے فرق نظر آتا ہے جسکو الٰئن کا لفظ ہی حل کرنے کیلئے کافی ہی یعنی ان دونوں آیتوں میں دو مختلف حالات کا ذکر کیا ہی۔ ایک مسلمانوں کی حالت نزول آیت کیوقت جسکو فیکم ضعفا سے تعبیر کیا ہی یعنی مسلمانوں میں اس وقت کمزوری ہی اور یہ زمانہ جنگ بدر کا ہی۔ اس وقت دشمن کے مقابلہ پر مسلمانوں میں کئی قسم کی کمزوری تھی اول یہ کہ طاقت کے لحاظ سے وہ سب جنگ کے قابل نہ تھے ان میں بوڑھے اور بچے بھی تھے جنکو میدان جنگ میں جانا پڑتا تھا ان میں کمزور و ناتوان بھی تھے اور تعداد اس قدر تھوڑی تھی کہ بلا لحاظ جنگی قابلیت کے میدان جنگ میں نکلنا پڑتا تھا۔ دوسرے یہ لوگ فنون سپاہگری سے واقف نہ تھے۔ انکو کسی جنگ کے لئے تیار ہی نہ کیا گیا تھا بلکہ یہ جنگ صرف دشمن کی زبردستی کی وجہ سے وقوع میں آئی۔ تیسرے یہ کہ آلات حرب ان کے پاس کافی نہ تھے۔ کیونکہ جنگ یک بیک سر پر آپڑی چوتھے یہ کہ دیگر ضروریات جنگ مثلاً گھوڑے باربرداری کا سامان بھی موجود نہ تھا اسلئے فرمایا کہ اس وقت تو تم ابھی جنگ کیلئے تیار ہی نہیں تم میں طرح طرح کی کمزوریاں ہیں باوجود ان کمزوریوں کے اگر تم صبر اختیار کرو تو پھر بھی اس قدر نصرت تم کو دی جائیگی کہ تم دوچند تعداد پر غالب آؤگے اور پہلی آیت میں جہاں دہ چند پر غالب آنے کی خبر دی ہی اس حالت کا ذکر ہی جب مسلمان ہر طرح سے مسلح اور تیار رہیں جیسا کہ اس سے پہلے رکوع میں اس کا مفصل ذکر بھی کیا ہی کہ تم کو ہر ایک قسم کے آلات حرب اور سامان جنگ تیار کرنا چاہئے اور فنون جنگ سے واقفیت حاصل کرنا چاہئے جب تمہارے پاس یہ سب سامان ہوں تو تم دہ چند تعداد پر غالب آؤگے +

ہر حالت میں یہ یاد رکھنے کے قابل ہی کہ صبر کی شرط ساتھ ہی۔ اور اس آیت کے آخر پر بتا بھی دیا کہ اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہی یعنی نصرت الٰہی صبر کرنے والوں پر نازل ہوتی ہی +

اسیر

١٢٥٤ اَسْرٰی - اسیر کی جمع ہی +

ثخن - اثخان

یثخن ثَخُنَ کے معنی موٹا یا سخت ہوا۔ اور اَثْخَنَ کے معنی غَلَبَ وَ قَهَرَ جیسا کہ ابن الاعرابی کا قول لسان العرب میں منقول ہی یعنی غالب ہوا۔ ہاں اثخان فی القتل کے معنی بہت قتل کرنا ہیں اور عام طور پر کسی شے میں اثخان اس میں مبالغہ اور اکثار کو کہتے ہیں مگر مطلق اثخان کے معنی جیسا کہ دو جگہ یہ لفظ قرآن شریف میں آیا ہی غالب آنا ہی ہیں نہ خونریزی کرنا چنانچہ دوسری جگہ ہی حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق (محمد ٤-٤) جہاں اثخان کے بعد فرمایا کہ ان کو قید کرلو۔ اور قیدی وہی کئے جاسکتے ہیں جن پر غلبہ حاصل ہوا ہو نہ وہ جو قتل کردیئے گئے ہوں +

قیدیان بدر کے بارہ میں مشورہ

امام احمد اور ترمذی وغیرہما کی روایات سے اس قدر معلوم ہوتا ہی کہ نبی کریم صلعم نے جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ رائے دی کہ فدیہ لیکر ان کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمرؓ نے یہ کہ مسلمان ابھی کمزور ہیں قیدیوں کو قتل کردیا جائے۔ اور رسول اللہ صلعم نے حضرت ابوبکر کو فرمایا کہ تمہاری مثال حضرت ابراہیم کی مثال ہی کہ انہوں نے کہا تھا ومن عصانی فانک غفور رحیم اگر کوئی میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہی۔ یا حضرت عیسیٰ کی کہ انہوں نے کہا وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم

۶۸ **لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ**

اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے حکم نہ ہو چکا ہوتا

اور حضرت عمر کو فرمایا کہ تیری مثال نوح کی مثال ہو جنہوں نے کہا لا تذر علی الارض من الکافرین دیاراً۔ یا حضرت موسیٰ کی جنہوں نے کہا ربنا اطمس علی اموالھم۔ اور عمل آپ نے حضرت ابو بکر کی رائے پر کیا اور یہ آیت نازل ہوئی لیکن حضرت ابن عباس سے اسقدر مزید روایت ہو کہ اگلے دن حضرت ابو بکر اور نبی کریم صلعم رو رہے تھے۔ تو حضرت عمر نے وجہ دریافت کی تو اس آیت کا نزول وجہ بتائی گئی یعنی یہ کہ فدیہ لینا خلاف منشائے حکم الٰہی تھا۔ روایت کے اس حصہ کے غلط ہونے پر چونکہ قرآن کریم صراحت سے گواہ ہو اسلئے یہ کسی طرح قبول نہیں کیا جاسکتا۔ ذیل کی وجوہات بتاتی ہیں کہ اسیران بدر کو فدیہ پر چھوڑنا عین حکم قرآن کے مطابق تھا ⁂

بدر کے قیدیوں کا فدیہ مطابق حکم قرآنی تھا

اوّل۔ اگلے رکوع کی پہلی آیت یوں ہو یاایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسریٰ ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا یؤتکم خیرا مما اخذ منکم اے نبی ان قیدیوں کو جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں کہدو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی جانتا ہو تو تم کو اس سے بہتر دیدیگا جو تم سے لیا گیا یعنی جو فدیہ تم سے لیا گیا ہو اس سے بہتر اللہ تعالیٰ تم کو دیدیگا۔ اگر قتل کرنا ضروری تھا تو انکو یہ تسلی کسی طرح نہ دی جاسکتی تھی یہاں تو فدیہ کی رقم سے بھی بہتر کا وعدہ دیا جاتا ہو۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول کے وقت تک قیدی چھوڑے تو گئے نہیں تھے پس اگر رسول اللہ صلعم کو منشائے الٰہی یہ معلوم ہوتا کہ انہیں قتل کرنا ضروری ہو تو اس وقت قتل کرنے میں کون مانع تھا۔

دوم۔ یہ قیدی تو عین اس حکم کے مطابق لئے گئے تھے کہ دشمن پر غالب آکر قیدی پکڑ سکتے ہو بغیر غالب آنے کے نہیں اور جنگ بدر میں دشمن پر غلبہ مل چکا تھا اور باقاعدہ فوج سے جنگ ہو چکی تھی ⁂

سوم۔ دوسری جگہ صراحت سے یہ حکم قرآن شریف میں موجود ہو کہ جب دشمن پر غالب آکر قیدی پکڑو تو یا انکو فدیہ لیکر چھوڑدو یا بطور احسان۔ قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم قرآن شریف میں کہیں نہیں چنانچہ سورۃ محمد[۴۷] میں فرمایا فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء جب کافروں سے تمہاری جنگ ہو تو انکی گردنیں مارو یہانتک کہ جب ان پر غالب آجاؤ تو انکو قید کرلو۔ پھر اس کے بعد یا احسان کے طور پر چھوڑدو یا فدیہ لیکر ⁂

چہارم۔ نبی کریم صلعم نے بعض جنگوں میں ہزاروں کی تعداد میں قیدی پکڑے لیکن کبھی ان کو قتل نہیں کیا (یہود کا معاملہ الگ ہو اسلئے کہ انکے اپنے منتخب کردہ ثالث کا فیصلہ تھا اور انکی شریعت کے مطابق تھا) بلکہ جنگ بدر میں تو فدیہ لیا باقی جنگوں میں عموماً بطور احسان ہی آزاد کیا جس سے معلوم ہوا کہ یہی عملدرآمد مطابق قرآن کریم تھا۔ یہ کس طرح ممکن ہو کہ قرآن میں تو یہ حکم ہو کہ قیدیوں کو قتل کردو اور نبی کریم صلعم کا عمل اسکے خلاف ہو۔ مگر یہ محض ایک خیال ہو کہ قرآن میں کوئی ایسا حکم ہو نہ یہاں کوئی ایسا حکم ہو نہ کہیں دوسری جگہ قرآن شریف میں کوئی ایسا حکم ہو بلکہ اسکے خلاف آزاد کرنے کا حکم ہو ⁂

پنجم۔ فدیہ کے فیصلہ کی تعمیل ہونے میں بہت دن لگے یعنی جیسا تک کہ مکہ سے زرفدیہ آئے اس وقت تک قیدی قبضہ میں تھے جب نبی کریم صلعم کو اپنی غلطی کی اطلاع مل گئی تھی تو اس کی اصلاح کیوں نہ کی؟ پھر بعض قیدیوں سے فدیہ بجائے روپے کے یہ لیا گیا کہ وہ کتابت سکھادیں۔ یہ ایک دن کا کام نہ تھا بلکہ کئی مہینے اس پر لگے ہونگے ⁂

ششم۔ آیت ۶۹ میں فدیہ کو مما غنمتم میں داخل کرکے پھر اسکو صریح طور پر حلال ٹھہرایا ہو۔ غرض یہ بات بالکل خلاف صریح نص قرآن شریف ہو کہ ایسا ہوا ہو۔ اس آیت میں جو ذکر ہو وہ تو صاف ہو کہ مسلمانوں کا ایک گروہ چاہتا تھا کہ قافلہ پر حملہ کیا جائے تودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم (۷) جو شروع سورت میں گزر چکا ہو اس خیال کی نفی یہاں آخر پر اللہ تعالیٰ نے پھر کی ہو کہ قافلہ پر حملہ کرنا نبی کی شان کے شایاں نہ تھا۔ بلکہ ضروری تھا کہ میدان میں جنگ ہو کر پھر قید کیا جاتا یہی اشارہ

لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۶۹

تو تم کو اس بارہ میں جو تم کرنے لگے تھے بھاری عذاب پہنچ کر رہتا ۱۲۵۵ سو اس سے جو تم نے دشمن پر فتح پا کر حاصل کیا ہے حلال طیب کھاؤ اور اللہ کا تقویٰ کرو

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ ۷۰

ع ۱۰ / ۴ — [illegible]انوں کے باہمی [illegible]قات قومی

بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے ۱۲۵۶ اے نبی ان کو جو تیرے ہاتھ میں قیدیوں میں سے ہیں کہہ دو اگر

يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ

اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی جانتا ہے تو تم کو اس سے بہتر دیگا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دیگا اور اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ ۷۱

بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۱۲۵۷ اور اگر وہ تجھ سے دغا بازی کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اللہ کی خیانت بھی کر چکے ہیں سو اس نے

مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا ۷۲

ان پر (تم کو) قابو دے دیا اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۱۲۵۸ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی

تریدون عرض الدنیا میں ہے اور یہ صرف اس گروہ کا ذکر ہے جو قافلہ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے اور نبی کریم صلعم کو اسکے خلاف حکم تھا اور یہاں واللہ یرید الاٰخرۃ اسی کے مطابق ہے جو پیچھے فرمایا تھا ویرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہ (۷) +

اخذ

۱۲۵۵ فیما اخذتم ۔ اخذ فی کذا کے معنی لسان العرب میں دیتے ہیں بدأ یعنی اس کام کو کرنا شروع کیا تھا یا اس کام کو کرنے لگا تھا اسلئے فیما اخذتم سے مراد فدیہ کا لینا درست نہیں بلکہ اس سے مراد ہے وہ کام جو تم کرنے لگے تھے ۔ یعنی قافلہ پر حملہ کرنا ۔ یعنی ایسا کرنا چونکہ مومنانہ شان کے خلاف تھا ۔ گو عام جنگوں میں جائز ہوتا اس لئے اس کا نتیجہ عذاب ہوتا کتٰب من اللہ سبق میں اشارہ اس کی طرف ہے کہ یہ پہلے سے فیصلہ ہو چکا تھا کہ یہ جنگ ہو جیسا کہ فرمایا لیقضی اللہ امرا کان مفعولا (۴۴) +

۱۲۵۶ ان الفاظ میں غنمتم کا ذکر کر کے اسی فدیہ کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی فدیہ کا لینا تمہارے لئے جائز ہے کیونکہ دوسرے مال غنیمت کا ذکر پہلے آچکا ہے اور قیدیوں کا فدیہ یقیناً مال غنیمت میں داخل ہے +

قیدیوں کے فدیہ کی مقدار

۱۲۵۷ عام فدیہ بیس اوقیہ فی قیدی تھا (اور اوقیہ چالیس درہم ہے) اور حضرت عباس کا چالیس اوقیہ ۔ بعض ان میں سے جنگ میں خلاف منشا ۔ بھی شامل ہوئے تھے ۔ جیسے حضرت عباس اور ابو البختری ان کے متعلق رسول اللہ صلعم نے حکم بھی دیدیا تھا کہ ان کو قید نہ کیا جائے +

۱۲۵۸ نبی کریم صلعم کی خیانت سے مراد یہ ہے کہ جو عہد کیا ہے کہ پھر مسلمانوں کے خلاف جنگ نہ کرینگے اس پر قایم نہیں اگر ان کا یہ ارادہ ہو تو بھی تم فکر مت کرو اس لئے کہ وہ اس سے بڑھکر خدا کی خیانت پہلے کر چکے ہیں یعنی بلا وجہ مسلمانوں پر چڑھکر آئے تاکہ ان کو تباہ کریں اور خدا کا نام مٹا دیں +

وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے (انکو) پناہ دی اور مدد دی

اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ

یہ ایک دوسرے کے ولی ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تم پر اُن کی

وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ

ولایت کا کچھ حق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر تم سے دین کے متعلق مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا

النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۷۳ وَ

فرض ہے سوائے اسکے کہ (یہ مدد) اُن لوگوں کے خلاف ہو جنکے اور تمہارے درمیان عہد ہے اور اللہ جو تم کرتے ہو اسے دیکھنا ہے [۱۲۵۹] اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ؕ

جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم ایسا نہ کروگے تو ملک میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا [۱۲۶۰]

ایسے مسلمانوں سے تعلقات ولایت جو کافر قوموں میں بسے ہوئے ہوں

۱۲۵۹ اس آیت میں مسلمانانِ مدینہ کے ان مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کا ذکر ہی جو کفار کے اندر رہتے تھے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی انکے متعلق فرمایا کہ ان کی ولایت کا کوئی حق مسلمانوں پر نہیں یعنی ان مہاجرین اور انصار پر جو مدینہ میں ایک جمعیت بنگئی تھی اور جن کی اپنی حکومت قایم ہوگئی تھی۔ گو محض مسلمان ہونے کے لحاظ سے وہ انکے بھائی ہوں مگر ولایت جس میں لین دین تجارت میراث عہد نصرت وغیرہ کے تعلقات شامل ہیں وہ ان کے ساتھ نہیں۔ کیونکہ ان کافر قوموں کے ساتھ ایسے تعلقات قایم نہیں۔ اور عام حالت ان کافر قوموں کی یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے دشمن تھے اور عموماً ان سے برسرِ پیکار رہتے پس جن کافر قوموں سے مسلمانوں کے تعلقات ولایت نہیں جو مسلمان ان میں بسے رہگئے ہیں اور وہاں سے ہجرت نہیں کرتے انکو بھی انہی قوموں کے حکم میں رکھا ہی۔ اور یہی حق بھی تھا اور دینی تعلق کی وجہ سے ایک حالت کو مستثنےٰ کیا ہی یعنی اگر وہ مسلمان دین کے بارہ میں تم سے مدد مانگیں تو انکو مدد دو اور ظاہر ہی کہ یہ مدد جنگ کی صورت میں ہوگی تاکہ ان کافر قوموں کے ظلم سے انہیں نجات حاصل ہو اس طرح پر انکی مدد کرنا مسلمانوں کا فرض قرار دیا لیکن اس سے پھر ایک حالت کو مستثنےٰ کیا یعنی اگر ایک کافر قوم کے ساتھ تمہارا عہد ہو تو پھر دینی رنگ میں انکی مدد کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسی مدد اس معاہدہ کے خلاف ہوگی جو اس قوم کے ساتھ ہی اور معاہدہ بہرحال مقدم ہی۔ اور ایسا ہی نبی کریم صلعم کا عمل بھی پایا جاتا ہی کہ آپنے معاہدہ کو مقدم کیا رہا یہ سوال کہ اگر ان مسلمانوں کی جو معاہد قوم میں ہوں دینی رنگ میں مدد کرنا جائز نہیں تو کیا ان سے تعلقات ولایت بھی ہونگے یا نہیں سو یہ امر ظاہر ہی کہ جب ایک کافر قوم سے مسلمانوں کا معاہدہ ہی تو ایک حد تک تعلقات ولایت تو ان سے قایم ہیں یعنی ان کے ساتھ لین دین تجارت وغیرہ ہوتی ہی بلکہ بعض اوقات ایسے معاہدات کی رو سے جنگوں میں وہ مسلمانوں کے اور مسلمان ان کے معاون ہوجاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جو مسلمان ان میں ہوں ان سے وہ تعلقات نہ ہوں صرف تعلقات وراثت کو انکی صورت میں بھی جائز قرار نہیں دیا گیا (ج ۔ ر) ✦

مسلمانوں پر مسلمانوں کی دینی مدد فرض ہے

۱۲۶۰ الا تفعلوہ میں کس حالت کا ذکر ہی جس کا نتیجہ یہ بتایا ہی کہ زمین میں فتنہ و فساد کبیر ہوگا فتنة قرآن کریم کی اصطلاح

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا ۷۴

اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد دی

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۷۵

یہی سچے مومن ہیں اُن کے لئے حفاظت اور عزت کا رزق ہے اور جو بعد میں

مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ

ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ تم میں سے ہی ہیں اور رشتہ کے تعلقات والے

الربع

بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اللہ کے حکم میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے[۱۲۶۱]

ہیں مسلمانوں کو بوجہ اسلام لانے کے جو دکھ دیا جاتا تھا اس پہ بولا گیا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ الا تفعلوہ میں کسی فعل کے نہ کرنے کا ذکر ہے اور اوپر جس فعل کے کرنے کا حکم تھا وہ صرف یہی تھا ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر یعنی مسلمانوں کو جہاں کفار بوجہ مسلمان ہونیکے اذیت پہنچاتے ہوں وہاں مسلمانوں کی مدد کرنا مسلمانوں کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ دوسرے مسلمان خاموش بیٹھے دیکھتے رہیں۔ اسلئے اب یہ بتایا کہ اگر ایسا نہ کروگے یعنی وہ اپنے معاملہ میں تمہاری مدد چاہتے ہیں اور تم مدد نہیں کرتے تو پھر زمین میں فتنہ و فساد ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں فرمایا والذین کفروا بعضہم اولیاء بعض یعنی کفار ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو تمہیں بھی ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے ہاں تمہاری ایک دوسرے کی مدد دین کے بارہ میں چاہیئے کفار محض اغراض دنیا کو مدنظر رکھکر بھی ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ یہ گویا اصلاح ہے جو اسلام نے کی۔ اور دوسری اصلاح یہ کی کہ دینی ضروریات کیلئے بھی جنگ کرنی پڑے تو ان لوگوں کے خلاف جنگ نہ کرو جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے گویا عہد کی عزت سکھائی کہ دینی ضروریات کے پیش آنے پر بھی اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

تعلقات رشتہ داری

۱۲۶۱ جب اخوت ایمانی کے تعلقات کا ذکر کیا تو ساتھ ہی تعلقات رشتہ داری کا بھی ذکر کیا۔ یعنی وہ تعلقات بھی اللہ تعالےٰ کے قایم کردہ ہی ہیں۔ اسلئے وہ تعلقات جو اخوت ایمانی سے پیدا ہوتے ہیں ان کی غرض یہ نہیں ہوسکتی کہ تعلقات رشتہ داری جنکے لحاظ سے وراثت کے احکام اجرا پاتے ہیں باطل ہو جائیں جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو عموماً بیکسی کی حالت میں تھے آنحضرت صلعم نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان اخوت قایم کردی تھی جس کی ان سچے مومنوں نے یہانتک عزت کی کہ گھربار مال اسباب تک نصف نصف دینے کو تیار ہوگئے اور وفات کی صورت میں حصہ میراث بھی سو اس سے روکا اس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی مسلمانوں میں تعلقات اخوت کس قدر مضبوط تھے کہ ان میں افراط کا خطرہ ہوگیا تھا۔ جس کو آیت قرآنی نے روک دیا۔ آج اس کی بجائے منافرت اور تباغض و تحاسد میں کمال حاصل کیا جا رہا ہے۔

ابتدائی مسلمانوں کے تعلقات اخوت

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتَّۃَ عَشَرَ رُکُوْعًا

البراءۃ یا التوبۃ نام کی وجہ

نام۔ اس سورۃ کا نام التوبۃ یا البراءۃ ہی اور بھی کئی ایک نام اس کے احادیث میں آئے ہیں جیسے المقشقشۃ یعنی شفا دینے والی گویا نفاق سے شفا دیتی ہی اور المنقرۃ۔ البحوث۔ المبعثرۃ وغیرہ جن ناموں میں اس کے مضمون کی طرف اشارہ ہی۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ سورتوں کے ناموں میں ان کے مضمون کی طرف اشارہ ہی اس سورت میں ۱۶ رکوع اور ۱۲۹ آیات ہیں اور اس کا نام البراءۃ اس کی پہلی ہی آیت میں مذکور ہی براءۃ من اللہ و رسولہ جہاں ان کفار سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان ہی جو اپنے معاہدات پر قائم نہ رہتے تھے اور ایسا ہی اس سورت میں منافقین کو بھی بالکل الگ کر دیا جو اب تک ملے جلے آتے تھے پس اس کے نام میں یہ اشارہ ہی کہ شرک اور نفاق سے مسلمان الگ ہوتے ہیں اور کامل بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور اس کا دوسرا نام التوبۃ لقد تاب اللہ علی النبی (۱۱۷) سے لیا گیا ہی جہاں اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں اور رحمتوں کا ذکر کیا ہی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کئے اسلئے کہ انہوں نے سخت تنگی کے وقت میں نبی کریم صلعم کی آواز پر لبیک کہا یہانتک کہ تیس ہزار آدمی اپنے سب کاروبار کو چھوڑ کر سخت گرمی کے موسم میں پکی ہوتی فصلوں کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے اور ایک لمبا اور صعوبت والا سفر اختیار کیا۔ اور مسلمانوں میں سے صرف تین آدمی پیچھے رہ کر۔

خلاصۂ مضمون

خلاصۂ مضمون۔ جیسا کہ اس سورت کے نام البراءۃ سے ظاہر ہی۔ پہلے رکوع میں ان کفار سے علیحدگی کا اعلان ہی جنہوں نے بار بار عہد شکنی کر کے مسلمانوں کو سخت تکلیف پہنچا رکھی تھی۔ چونکہ اسلام نے ملک عرب میں جنگوں کا خاتمہ کر کے اپنے اصول کو پھیلانا تھا اسلئے اب وقت آگیا تھا کہ کفار کی شرارتوں کا سدباب ہمیشہ کیلئے کیا جاتا ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ صرف کفر و شرک اس علیحدگی کی وجہ نہیں چنانچہ حکم دیا کہ جن کفار نے عہد شکنی نہیں کی۔ ان کے ساتھ تم بھی اپنے عہد کو پورا کرو اور یہ بھی بتایا کہ باوجود مشرکوں کے معاہدات کے اختتام کے اگر ان قوموں میں سے کوئی شخص آکر تمہاری پناہ مانگے تو اسے پناہ دیدو۔ اور اسے اصول اسلام سمجھاؤ اگر وہ مسلمان نہ ہو تو پھر اسے صحیح سلامت اپنی قوم میں پہنچا دو دوسرے رکوع میں وجوہات قطع تعلق دی ہیں اور کچھ ذکر ان لوگوں کا کیا ہی جنکے ساتھ ابھی جنگ ہونیوالی تھی اسلئے کہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیا اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا تیسرے رکوع میں بتایا کہ اسلام مسلمانوں سے پوری مالی اور جانی قربانیاں چاہتا ہی صرف یہ فخر کافی نہیں کہ ہم نے اس قدر مہمان نوازی کر دی یا مسجدوں کی مرمت کر دی یا مسجدیں بنا لیں۔ بلکہ اپنے عزیزوں اپنے اموال اپنی جائدادوں اپنی تجارتوں کو جبتک اسلام کے سامنے قربان کرنے کیلئے تیار نہ ہوں اس وقت تک مسلمان نہیں۔ چوتھے میں بتایا کہ اپنی کثرت پر فخر نہ کرنا بلکہ وہ چیز جو تمہیں کامیاب کر رہی ہی وہ نصرت الٰہی ہی اور فرمایا کہ مشرکوں کو آیندہ خانہ کعبہ کے پاس نہ آنے دو اور اس بات کا خوف مت کرو کہ اس سے تمہاری تجارتوں کو نقصان پہنچیگا اور اہل کتاب بھی اگر تمہارے ساتھ جنگ کریں تو ان کا بھی مقابلہ کرو اللہ تعالیٰ انہیں بھی مغلوب کریگا۔ پانچویں میں اہل کتاب کی اسلام کے خلاف کوششوں کا ذکر کر کے اسلام کے آخری غلبہ کی پیشگوئی کی چھٹے رکوع میں غزوۂ تبوک کا ذکر کیا جس کی ضرورت عیسائیوں کی ہلچل سے پیش آئی اور منافقوں کے پیچھے رہ جانے کا ذکر کیا۔ ساتویں میں بتایا کہ منافق مصائب کے خوف کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں اور اسلئے بھی کہ وہ اسلام کو تباہ ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ آٹھویں میں منافقوں کی ایذا رسانی کا ذکر کیا۔ نویں میں نفاق کا انجام ناکامی بتایا۔ دسویں میں منافقوں سے جہاد کا اور گیارھویں میں ان سے کامل قطع تعلق کا حکم دیا۔ بارھویں میں اعراب کا ذکر کیا جن میں بہت سے منافق تھے۔ تیرھویں میں منافقوں کے مختلف گروہوں

ع ۱

بعض مشرکوں سے قطع تعلق کا اعلان

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۱

یہ علیحدگی (کا اعلان) ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکوں میں سے اُن لوگوں کی طرف جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا [۱۲۶۲]

کا ذکر کر کے بتایا کہ ایک گروہ کو تو دو دفعہ عذاب ملیگا یہ دوسرا عذاب ان کی فضیحت تھی اور ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دیگا اور اسی میں مسجد ضرار کا ذکر کیا چودھویں میں بتایا کہ مومنوں کا خدا کے ساتھ کیا عہد ہے اور وہ انہیں کس طرح پورا کرنا چاہیئے اور کس طرح پورا کر رہے ہیں پندرھویں میں بتایا کہ مومنوں کے حقیقی مجاہدات جن سے وہ مقام قرب حاصل کر سکتے ہیں یہی خدمات دینی ہیں سولھویں میں بتایا کہ رسول اللہ صلعم تو اصل میں دنیا کو گناہ اور ہلاکت سے نکالنے کیلئے آئے ہیں اور اسی پر سورت کا خاتمہ کیا۔

اس سورۃ کا الانفال سے یعنی پچھلی سورت سے ایسا شدید تعلق ہے کہ ان کو ایک ہی سورت کے دو حصے قرار دیکر درمیان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی نہیں لکھی گئی۔ اور اسی تعلق شدید کی طرف اشارہ کرنے کیلئے بسم اللہ کا نزول اس سورت کی ابتدا میں آنحضرت صلعم پر نہیں ہوا۔ سورۃ الانفال میں بالخصوص جنگ بدر کا ذکر تھا اور مخالفین کو سمجھایا تھا کہ یہ جنگ تمہارے لئے ایک نشان ہے اگر تم جنگ سے رک جاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر جنگ کو جاری رکھو تو تمہارا انجام ذلت اور مغلوبیت ہے۔ سورہ براءت میں اس ذلت اور مغلوبیت کا نقشہ کھینچا ہے۔ کہ کس طرح آخر کار کفر کا زور ٹوٹا اور اسے اسلام کے سامنے نیچا دیکھنا پڑا۔ پھر سورۃ انفال میں ذکر تھا کہ مخالف بار بار عہد شکنی کرتے ہیں اس عہد شکنی کا آخری علاج اب سورۃ براءت میں بتایا۔ غرض غور کیا جائے تو دونوں سورتوں کا مضمون بالکل مسلسل معلوم ہوتا ہے حالانکہ الانفال اور اس کے نزول میں سات سال کے قریب فرق ہے جس میں طرح طرح کے واقعات پیش آئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم الٰہی میں کس طرح یہ ان واقعات اور امور میں ایک ربط تھا۔

زمانۂ نزول

براءۃ من اللہ ورسولہ اور سورت کی ابتدائی آیات کا اعلان ہجرۃ کے نویں سال میں ذیقعد میں ہوا پس یہ اسی سال کی نازل شدہ ہیں۔ بقیہ حصہ سورت میں سے کثیر حصہ کا تعلق جنگ تبوک سے ہے اور یہ جنگ نویں سال ہجرت میں پیش آئی پس یہ سورت کل کی کل نویں سال ہجرت کی ہے ہاں اگر ایک دو آیات جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے بعد میں نازل ہوئی ہوں تو ہو سکتا ہے۔ مگر اصل سورت کا نزول یقیناً نویں سال ہجرت کا ہی ہے ❊

بریٓء - براء - تبرّی

۱۲۶۲ براءۃ۔ بُرْءٌ اور بَرَاءٌ اور تَبَرِّی کے معنی ہیں اس سے علیحدگی جس سے انسان کو کراہت ہو۔ اسی لئے بیماری سے اچھا ہونے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور جسے ناپسند کیا جائے اس سے علیحدگی پر بھی اور ایسے شخص کو بری اور قوم کو براء کہا جاتا ہے ان اللہ بریٓء من المشرکین ورسولہ (التوبۃ ۹: ۳) انتم بریئون مما اعمل وانا بریٓء مما تعملون (یونس ۱۰: ۴۱) اذ تبرا الذین اتبعوا (البقرۃ ۲: ۱۶۶) انا برءٰؤا منکم (الممتحنۃ ۶۰: ۴) (غ) ❊

مشرکوں سے علیحدگی کے اعلان کی وجہ

سورۃ انفال جنگوں کی ابتدا کی خبر دیتی ہے تو یہ سورۃ ان کے خاتمہ کی یا وہ کفار کی پہلی کارروائیوں کا ذکر کرتی ہے تو یہ ان کے انجام کا۔ پس سب سے پہلے رکوع میں ان مشرکین سے قطع تعلق کا ذکر ہے جنہوں نے بار بار عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا مسلمانوں کو ایک بڑی تکلیف جو عرب کی مشرک قوموں سے پہنچتی رہتی تھی یہی تھی کہ ایک دن یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ عہد کر لیتے اور مسلمان ان کی طرف سے مطمئن ہو جاتے لیکن اگلے ہی دن ذرا مخالفین کا دباؤ پڑا تو عہد شکنی کر دیتے۔ اب جبکہ فتح مکہ کے بعد ملک عرب میں جنگوں کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ یہ ضروری ہوا کہ ان عہد شکنیوں کی گنجایش کا خاتمہ کیا جائے اور ملک میں ایک عالمگیر صلح کی بنیاد رکھی جائے۔ چنانچہ نویں سال ہجری میں حج کے موقعہ پر اس سورت کی پہلی چند آیات کا تمام اطراف ملک سے جمع شدہ قبایل میں اعلان کیا گیا۔ اس سال حج کے لئے نبی کریم صلعم خود تشریف نہیں لے گئے۔ بلکہ حضرت ابو بکرؓ کو حاجیوں پر امیر مقرر کر کے بھیجا اور

امور جن کا اعلان کیا گیا

آپ کی روانگی کے بعد حضرت علیؓ کو روانہ کیا کہ سورۃ توبہ کی پہلی آیات کا اعلان کر دیں جسکے بعد ذیل کے امور کا اعلان کیا گیا۔ اول

۲ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ

پس چار مہینے ملک میں چلو پھرو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں اور کہ اللہ

۳ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝ وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ

کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ۱۲۶۳ اور (یہ) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو حج اکبر کے دن اطلاع ہو کہ

اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ

اللہ اور اس کا رسول ان مشرکوں سے بیزار ہے پس اگر تم توبہ کرو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر پھر جاؤ

فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں اور جنہوں نے انکار کیا ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو ۱۲۶۴

یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک خانہ کعبہ کے قریب نہ جائیگا۔ دوم یہ کہ کوئی شخص ننگا ہو کر طواف نہ کریگا۔ سوم یہ کہ ہر ایک عہد پورا کیا جائیگا ۔

یہ ظاہر ہے کہ ان آیات میں تمام مشرکین عالم کا ذکر نہیں بلکہ تمام مشرکین عرب کا بھی ذکر نہیں جیسا کہ چوتھی آیت سے ظاہر ہے۔ یہ اعلان صرف ان لوگوں کے متعلق تھا جو بار بار عہد کر کے خلاف ورزی کرتے تھے۔ کیونکہ جنہوں نے عہد کر کے خلاف ورزی نہیں کی انکے ساتھ عہد پورا کرنے کا وہاں صریح حکم موجود ہے۔ اور حضرت علیؓ نے جن باتوں کا اعلان کیا ان میں سے ایک عہد کا ایفا تھا پس ان آیات سے مشرکین دنیا سے عام جنگ کا حکم نکالنا ایسی تاویل ہے جو صریح نص قرآنی کے خلاف ہے ۔

عہدوں کی واپسی کرنے کی وجہ

۱۲۶۳ لکھا ہے کہ اس سال حج بسبب نسی کے (یعنی اس تاخیر کے جو حج کے مہینوں میں کر لی جاتی تھی) ذیقعد میں ہوا۔ ہر حال میں چار مہینے اس وقت سے دیئے گئے جب یہ اعلان حج کے دن ہوا۔ یہ خیال کہ فتح مکہ کی وجہ سے چونکہ مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا تھا اس لئے ان معاہدات کے ختم ہو جانے کا اعلان کیا گیا صحیح نہیں۔ فتح مکہ کا واقعہ رمضان ۸ھ کا ہے اور یہ چودہ ماہ بعد کا واقعہ ہے باوجود فتح مکہ کے جس کا تعلق صرف قریش سے تھا دوسری اقوام عرب کی طرف سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں بلکہ یہاں جو لفظ استعمال فرمائے ہیں کہ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک یہ لوگ اسلام کے خلاف منصوبوں میں لگے ہوئے تھے۔ اس لئے جیسا کہ اس سے پیشتر سورۃ انفال میں مدت پہلے حکم ہو چکا تھا واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیہم علی سواء (الانفال ۵۸) جب بار بار کی عہد شکنی کی وجہ سے ملک میں فتنہ و فساد کا خاتمہ نہ ہوتا تھا تو آنحضرت صلعم نے اس حکم الٰہی کے ماتحت نہایت صفائی سے چار ماہ کی مہلت دیکر ان عہدوں کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ اور یہ بات کہ اصل وجہ اس اعلان کی وہ فتنہ و فساد ہی تھا جو عہد شکنی سے پیدا ہوتا تھا نہ ان لوگوں کا کفر اس سے بھی ظاہر ہے کہ چوتھی آیت میں ان کا فروں کو مستثنے کر دیا ہے جنہوں نے عہد کر کے عہد شکنی نہیں کی ۔

یوم الحج الاکبر

۱۲۶۴ یوم الحج الاکبر۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد قربانیوں کا دن یعنی دسویں ذی الحج ہے یا عرفہ کا دن یعنی میدان عرفات میں اجتماع کا چونکہ تاریخ سے یہی ثابت ہے کہ اعلان یوم النحر یعنی دسویں ذی الحج کو ہوا اس لئے قول اول کو ترجیح ہے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی اسی کی موید ہے۔ کہ آپ نے یوم النحر کو یوم الحج الاکبر فرمایا ۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا ۴

سوائے ان کے جن کے ساتھ تم نے مشرکوں میں سے عہد کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف

عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ○

کسی کو مدد دی تو اُن کے ساتھ ان کا عہد انکی مدت تک پورا کرو بے شک اللہ متقیوں سے محبت رکھتا ہے ۱۲۶۵

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَ ۵

سو جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور

خُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا

ان کو پکڑلو اور ان کو روک دو اور اُن کے لئے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھو پھر اگر توبہ کریں اور نماز

الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

قایم کریں اور زکوٰۃ دیں تو اُن کا رستہ چھوڑ دو بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۱۲۶۶

عہد جو شکنی کئے گئے

۱۲۶۵ یہ استثناء صاف بتاتا ہے کہ مشرکین سے قطع تعلق کی وجہ صرف ان کی عہد شکنی ہوئی تھی جہاں عہد شکنی نہیں ہوئی ان کے ساتھ عہد پورا کرنے کو انتقاء قرار دیا ہے۔ گویا اس اعلان کی اصل وجہ شرک یا کفر نہیں بلکہ عہد شکنی ہے مفسرین نے یہاں صرف بنی حمزہ اور بنی مدلج کا ذکر کیا ہے کہ کنانہ کے یہ دو قبیلے ایسے تھے جن کی مدت عہد باقی تھی لیکن خود خزاعہ جنکی خاطر مکہ پر چڑھائی کی گئی مسلمانوں کے معاہد تھے اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا عہد مدت معینہ تک تھا۔ شاید وہ بھی اسی قسم کے عہد ہوں ۔

۱۲۶۶ الاشہر الحرم سے مراد یہاں وہی چار ماہ ہیں جن کے متعلق اوپر اعلان ہوچکا۔ کہ ان میں جنگ نہ کی جائیگی ان کو حرمت والے مہینے یا تو اسی لئے کہا کہ جنگ ان کے اندر رکی رہیگی اور یا اس لئے کہ ذیقعد اور ذی الحج اور محرم جو ان چار ماہ میں شامل تھے اور بیشتر حصہ ان چار ماہ کا تھے۔ حرمت والے مہینے تھے ۔

حصر۔ احصار

احصروھم۔ حَصَر کے معنی تضییق اور احصروھم کے معنی ہیں ضیقوا علیہم (غ) یعنی ان کو تنگ کرکے روک دو اَحْصَرَہُ العدوّ اذا ضُیِّقَ علیہ محصرًا یعنی جب دشمن کسی کو یہانتک تنگ کردے کہ وہ رک جائے تو احصرہ العدو کہا جاتا ہے اور حَصْر اور اِحْصار کے اصل معنی منع یعنی روک دینا ہیں (ل) اور گو حصر کے معنی حبس یعنی قید کرنا بھی ہیں مگر چونکہ یہاں خذوھم پہلے آچکا ہے جسکے معنی ہیں گرفتار کرلو اسلئے حصر سے مراد کسی دوسری طرح پہ روک دینا ہیں جیسے للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ (البقرۃ ۲۷۳) میں کسی طرح رک جانا مراد ہے نہ قید سے اور ابن جریر نے واحصروھم کے معنی کئے ہیں وامنعوھم التصرف فی بلاد الاسلام ودخول مکۃ یعنی ان کو بلاد اسلامی میں آنے جانے اور مکہ میں داخل ہونے سے روک دو ۔

رصد۔ مرصد۔ ارصاد

مَرصد۔ رَصَد کے معنی گھات میں بیٹھنا اور مرصد گھات کی جگہ ہے لقصد اور ارصاد کے ایک ہی معنی ہیں و ارصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ (التوبۃ ۱۰۷) ۔

وان احد من المشرکین ۶

اور اگر ان مشرکوں میں سے کوئی

تمام مشرکین عالم سے علیحدگی کا اعلان نہیں ہوا۔

وہ معترضین جو قرآن کریم کو اگر دیکھیں بھی تو بالکل سطحی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں اس آیت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام میں ہر کافر کو قتل کر دینے کا حکم ہے۔ کیونکہ یہاں فاقتلوا المشرکین آگیا ہے۔ تعصب کی عینک کبھی انسان کی نظر کو صاف نہیں رہنے دیتی۔ یہاں شروع سے ایک خاص ذکر چلا آتا ہے یعنی ان مشرکوں کا ذکر جنہوں نے بار بار عہد کر کے خلاف ورزیاں کیں ینقضون عہدھم فی کل مرۃ (الانفال ۵۶) پہلے بھی ان کے متعلق آچکا ہے۔ یہاں نہ ان مشرکوں کا کوئی ذکر ہے جن سے کوئی عہد ہی نہیں ہوا نہ ان کا جنہوں نے عہد کر کے خلاف ورزی نہیں کی۔ بلکہ پہلی ہی آیت میں بیزاری کو صرف ان لوگوں تک محدود کر کے جن سے عہد ہوا الذین عاھدتم۔ ان تمام مشرکوں اور کفار کو اس سورت کے مضمون سے بے تعلق کر دیا جنہوں نے مسلمانوں سے کوئی عہد نہ کیا تھا۔ اور عہد کر کے پورا کرنے والوں کو الگ مستثنیٰ کر دیا تو باقی صرف وہ چند مشرک رہ گئے جنہوں نے عہد کر کے بار بار اس کی خلاف ورزی کی اور سزا جو یہاں تجویز کی گئی ہے وہ محض ان کی بار بار کی عہد شکنی کی وجہ سے تھی۔ اس سزا میں بھی صرف قتل کرنا نہیں بلکہ قتل۔ گرفتار کر لینا۔ روک دینا ہے اور اس سزا کی غرض صاف معلوم ہوتی ہے کہ وہ شرارت کرنے سے رک جائیں ان کو قتل کرنا مقصود اصلی نہیں بلکہ شرارت کو روکنا مقصود اصلی ہے اسلئے اگر کسی طریق سے رک جائیں تو وہ طریق کافی ہے ورنہ گرفتار کئے جا سکتے ہیں اور یہ دونوں صورتیں نہ ہو سکیں تو پھر ایسے شریروں کو قتل کرنا حفاظت و امن قایم رکھنے کے لئے ضروری ہے اور یا یہ سزائیں بلحاظ جرم کے الگ الگ ہیں یعنی جو بہت شریر ہیں ان کو قتل کر دو جو کسی طرح سے باز ہی نہیں آتے جو اس سے کم ہیں انہیں گرفتار کر لو جو بغیر قید کئے رکے رہ سکتے ہیں ان کو دوسرے طریقوں سے روک دو اور جو پکڑے نہیں جاتے ان کے لئے گھات میں بیٹھو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ وہ بلاد اسلامی میں آئیں جیسا ابن جریر نے واحصروھم کی تفسیر میں لکھا ہے اور یہ اگلے الفاظ فخلوا سبیلھم سے ظاہر ہے جہاں فرمایا کہ ان کا رستہ کھلا چھوڑ دو اور آیت ۶ سے بھی یہی ظاہر ہے جہاں مشرکوں کی پناہ مانگنے کا ذکر ہے

سزا جو بار بار کی عہد شکنی پر تجویز کی گئی

اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں چونکہ ان لوگوں کے چھوڑ دینے کا حکم ہے جو توبہ کریں اور نماز قایم کریں اور زکوٰۃ دیں اسلئے گویا باقی سب کو قتل کرنے کا حکم ہے تو یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ اسلئے کہ مجرم تو وہی ہیں جنہوں نے عہد شکنی کی۔ ہاں ان مجرموں کے بعض حالات میں چھوڑ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو لوگ اس حکم کے ماتحت تھے ہی نہیں وہ بھی اس استثنا کی وجہ سے زیر مواخذہ آگئے ہیں یعنی سزا دینے کا حکم صرف ان لوگوں کیلئے تھا جو عہد شکنی کریں۔ پھر ان مجرموں میں سے ان کو مستثنیٰ کر دیا جو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ تو اس سے یہ لازم نہ آیا کہ جو مجرم تو کبھی تھے ہی نہیں نہ انہوں نے عہد کیا تھا نہ عہد شکنی کی تھی۔ تو اب وہ محض اسلئے کہ نماز نہیں پڑھتے مجرم بنکر مستحق سزا ہو گئے محض نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے۔ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے اسلام نہ لانے کی وجہ سے قرآن کریم نے کسی شخص کو مستحق سزا قرار نہیں دیا (اس کی سزا عالم آخرت میں ہے) ہاں عہد شکنی کے لئے مستحق سزا قرار دیا اور اس سزا کی جسکے وہ مستحق ہو چکے تھے اس صورت میں معافی کا اعلان کر دیا جب وہ مسلمان ہو جائیں اور یہ صرف ایک صورت ہے کیونکہ اسلام میں داخل ہونے سے ان کی شرارتوں کا کامل طور پر سد باب ہو جاتا تھا۔ دوسری صورتیں یہ بھی ہیں کہ ان کو گرفتار کر لیا جاتے یا ان کو روک دیا جائے مگر چونکہ عرب میں ہر قوم بجائے خود آزاد تھی اسلئے روکنا بغیر اسکے نہ ہو سکتا تھا کہ وہ مغلوب ہو جائیں جس کیلئے قتال کی ضرورت پیش آتی اور اس میں بعض قتل بھی ہو جاتے یہی وجہ ہے کہ صرف قتل کا کہیں حکم نہیں۔ غرض تلوار یا اسلام کا پیش کرنا اسلام پر مخالفین کا محض افترا ہے۔

اس سزا کی معافی کی صورتیں

اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دو یہ اس لئے کہ وہ

قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۞ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ ۷

ع ۸ ۱۰ — وجوہات قطع تعلق

ایسے لوگ ہیں جو جانتے نہیں ۱۲۶۷ ان مشرکوں کے لئے اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک

رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ

عہد کیونکر ہو سکتا ہے سوائے ان کے جن کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا سو جب تک وہ تمہارے لئے (اپنے عہد پر) مضبوط رہیں

فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۞ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ ۸

تم ان کے لئے (اپنے عہد پر) مضبوط رہو بیشک اللہ متقیوں سے محبت کرتا ہے ۱۲۶۸ (عہد) کس طرح ہو حالانکہ اگر وہ تم پر غالب آئیں

استجار

۱۲۶۷ استجارك - تیری مجاورت چاہے یعنی تجھ سے امن چاہے بعد انقضائے مدت معینہ کے۔ یہ لفظ خود بتاتا ہے کہ انہی مجرم عہد شکن مشرکوں کا ذکر ہے جو مجرم نہیں اس کو پناہ مانگنے کی ضرورت ہی نہیں +

پناہ مانگنے والوں کو امن دینا اور بصورت انکار اسلام اپنی قوم میں واپس کر دینا

چونکہ پچھلی آیت میں کہا تھا کہ جو مسلمان ہو جائے اسے معاف کر دو لیکن اسلام لانے کیلئے ضروری تھا کہ مسلمانوں سے ملیں اور دین اسلام کے متعلق دریافت کریں اس لئے فرمایا کہ وہی مشرک جن کا ذکر ان آیات میں ہے کہ وہ مستحق سزا ہیں۔ اگر دین اسلام کے متعلق کچھ باتیں دریافت کرنے کے لئے تم سے امن مانگیں تو ان کو امن دو۔ پھر یہ نہیں کہ وہ مسلمان نہ ہو تو اسے مار ڈالو بلکہ اس حالت میں اسے امن کے ساتھ اپنی قوم کے مقام سکونت میں واپس پہنچا دو۔ یہی تفسیر ابن جریر سے مروی ہے۔ ثم ابلغه مامنه يقول ثم ردہ بعد سماعه كلام الله ان هو ابى ان يسلم ولم يتعظ بما تلوته عليه من كلام الله فيؤمن الى مامنه يقول الى حيث يامن منك وممن فى طاعتك حتى يلحق بداره وقومه من المشركين یعنی ابلغه مامنه سے مراد یہ ہے کہ پھر اسے لوٹا دو بعد اس کے کہ وہ اللہ کا کلام سن لے اگر وہ اسلام لانے سے انکار کرے اور جو کچھ اللہ کا کلام اس پر پڑھا گیا ہے اس سے نصیحت حاصل نہ کرے تو اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیا جائے یعنی ایسے مقام پر جہاں تجھ سے اور ان لوگوں سے جو تیری طاعت میں ہیں امن میں ہو جائے یہاں تک کہ اپنے گھر پہنچ جائے اور اپنی مشرک قوم کے ساتھ مل جائے۔ کاش ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں قرآن کی کہانی بنانے والے کبھی ان الفاظ پر غور کرتے یہ اس مشرک کا ذکر ہے جو مجرم ہو چکا ہے۔ اتفاق سے مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا ہے وہ پناہ مانگتا ہے رسول اللہ صلعم اسے خدا کا کلام سناتے ہیں وہ اسلام لانے سے انکار کرتا ہے۔ یہاں تو کھلا حکم قتل کا ہونا چاہیئے تھا مگر حکم یہ ہے کہ اسے اپنے گھر حفاظت سے واپس پہنچا دو۔ اور وجہ کیا دی ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ اسلام کی تعلیم کی خوبی سے واقف نہیں اور نہیں جانتے کہ اللہ پر ایمان لانے سے انسان کیا فوائد حاصل کرتا ہے +

اسلام میں عہد کی عزت

۱۲۶۸ اس رکوع میں انہی مشرکوں کا ذکر ہے جن کا ذکر پچھلے رکوع میں تھا یعنی عہد شکنی کرنے والے جیسا کہ خود مضمون بھی شاہد ہے اور ان سے قطع تعلق کی وجوہات بیان کی ہیں الا الذين عاهدتم وہی ہیں جن کا ذکر پیچھے آیت ۴ میں ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ عہد کو قائم کرنا بڑا اتقا ہے۔ یہ ہے عہد کی عزت جو اسلام نے سکھاتی ہے مسلمان کبھی عہد نہیں توڑ سکتا۔ خواہ مفاد قومی کو بھی نقصان پہنچتا ہو

لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ

تو نہ تمہارے بارہ میں قرابت کا لحاظ کریں اور نہ اقرار کا وہ اپنے مونہوں سے تم کو راضی کرتے ہیں اور انکے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں سے

فٰسِقُونَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ اِنَّهُمْ سَآءَ

اکثر نافرمان ہیں ۱۲۶۹ اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت لے لی ہیں اس کی راہ سے روکا بے شک جو وہ

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝

کرتے ہیں برا ہے کسی مومن کے بارہ میں قرابت کا لحاظ نہیں کرتے اور نہ عہد کا ہی اور وہ حد سے بڑھے ہوئے ہیں

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

سو اگر توبہ کریں اور نماز قایم کریں اور زکوۃ دیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور اُن لوگوں کے لئے ہم باتیں

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ

کھول کر بیان کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑیں اور تمہارے دین میں

دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اِيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝

عیب لگائیں تو کفر کے سرداروں کے ساتھ جنگ کرو ان کی قسم (کا اعتبار) بھی کچھ نہیں تاکہ وہ رک جائیں ۱۲۷۰

رقب

۱۲۶۹ یرقبون۔ رقب اس دیکھنے کو کہتے ہیں جو حفظ و رعایت کے طریق پر ہو +

الّ

الّ۔ راغب کے نزدیک ہر حالت ظاہری پر بولا جاتا ہے خواہ قسم کے عہد سے ہو یا قرابت کے۔ مگر یہاں جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے قرابت ہی مراد ہے

ذمّ۔ ذمۃ

ذمّۃ۔ ذمّ کے معنی مذمت کرنا یا دوسرے کو برا کہنا ہیں مذموما مدحورا (بنی اسرائیل ۱۷ ۔ ۲۰) اور ذمۃ عہد کے ضائع کرنے پر مذمت کا ہونا ہے (غ)

کفار کا مسلمانوں سے سلوک

یہ حالت عام اہل عرب کی تھی کہ جنکے ساتھ عہد ہو ذرا طاقت پکڑی تو عہد کو توڑ ڈالا جیسا کہ دوسری جگہ قرآن شریف میں مذکور ہے تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امۃ ھی اربی من امۃ (النحل ۱۶ ۔ ۹۲) یہی حال انکا مسلمانوں کے ساتھ تھا اور اسکی وجوہات تو اور بھی قوی تھیں۔ دل سے مسلمانوں کے دشمن تھے۔ عہد صرف ظاہری طور پر کر لیتے تھے حالانکہ دلوں میں بغض مخفی ہوتا اسلئے موقع کی تاک میں رہتے جب کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کا موقعہ ملتا نہ قرابت کا لحاظ کرتے نہ عہد کی خلاف ورزی کا +

مسیلمہ اسود وغیرہ اور انکار زکوۃ والوں سے جنگ کی وجہ

۱۲۷۰ حذیفہ سے یہ روایت ہے کہ اس آیت کے مذکور کفار سے جنگ نہیں ہوئی (رج) اور بعض نے ائمۃ الکفر سے مراد ابوجہل وغیرہ کو لیا ہے جو کسی صورت میں درست نہیں۔ گو آیت ۱۲ کے الفاظ سے خیال اس طرف جاتا ہے اسلئے کہ یہ سورت یقیناً نویں سال کی ہے اور ابوجہل وغیرہ جنگ بدر میں ہلاک ہو چکے تھے لیکن آیت ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ کے الفاظ اسبات کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتے جو حذیفہ سے مروی ہے یعنی یہ کہ ان لوگوں سے کبھی جنگ نہیں ہوئی کیونکہ آیت ۱۴ میں صاف حکم ہے کہ ان لوگوں سے جنگ کرو اور پیشگوئی موجود ہے کہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے انکو عذاب دیگا۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مسلمان ہونیکے بعد اپنے عہد وغیرہ کو توڑ دیں جیسا کہ آنحضرت صلعم کے آخری ایام میں مسیلمہ کذاب نے کیا اور آپ کی وفات کے بعد بعض دیگر اقوام عرب نے جنکے خلاف حضرت ابوبکر نے فوج کشی کی انکار زکوۃ

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ ۱۳

کیا تم اُن لوگوں کے ساتھ جنگ نہ کروگے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کے نکال دینے کا پکا ارادہ کر لیا اور انہوں نے تمہارے ساتھ

اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَاتِلُوْهُمْ ۱۴

ابتدا کی کیا تم اُن سے ڈرتے ہو بلکہ اللہ ہی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو ان کے ساتھ جنگ کرو

يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ

اللہ اُن کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دیگا اور انکو رسوا کریگا اور اُنکے مقابلہ میں تمہیں مدد دیگا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا

مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ۱۵

بخشے گا اور ان کے دلوں کے غصہ کو دور کر دیگا اور اللہ جس پر چاہتا ہے رجوع برحمت کرتا ہے اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا ۱۶

جاننے والا حکمت والا ہے [۱۲۶۱] کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو ابھی الگ نہیں کیا

مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

[۱۲۶۲] جنہوں نے جہاد کیا اور نہ اللہ کے سوا نہ اور نہ اس کے رسول اور نہ مومنوں کے سوا کسیکو دلی دوست بنایا ہے اور اللہ اس سے واقف ہے جو تم کرتے ہو

دینے سے انکار کرنا بھی نکث ایمان تھا اور طعن فی الدین کرنیوالے مسیلمہ اور اسود اور دوسرے لوگ تھے۔ رہی یہ بات کہ انکے متعلق آیت [۱۳] میں فرمایا وھموا باخراج الرسول سو مسیلمہ وغیرہ کا ایسا کرنا ظاہر ہے کہ وہ یہ قصد کر چکا تھا اور قریش کا آنحضرت صلعم کو نکالنا ان الفاظ میں نہیں آسکتا کیونکہ وہ تو یہ کام کر چکے تھے انپر ھموا صادق نہیں آسکتا اور یہ الفاظ کہ یشف صدور قوم مومنین ان و یذھب غیظ قلوبہم بھی مسیلمہ اور اسکے ساتھیوں پر ہی صادق آتے ہیں کہ انکی وجہ سے جو مسلمانوں کو سخت رنج پہنچا تھا انکی ہلاکت سے وہ دور ہو گیا محض طعن فی الدین پر قتل کا فتویٰ ان الفاظ سے نہیں نکل سکتا ✦

۱۲۶۱ یذھب غیظ قلوبہم۔ قلوبہم میں ضمیر مخالفین کی طرف ہے یعنی انکے دلوں میں جو غیظ و غضب اسلام کی تباہی کیلئے پیدا ہوگا اللہ اس کو بھی دور کر دیگا اور یہ دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ کفار کے ذلیل ہو جانے سے بھی اور ان کے مسلمان ہونے سے بھی جسکی طرف ویتوب اللہ علی من یشاء میں اشارہ کیا ہے ✦

۱۲۶۲ ولیجۃ۔ ولوج تنگی میں داخل ہونے کا نام ہے حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (الاعراف - ۴۰) تولج اللیل فی النہار (آل عمران ۲۶) اور ولیجۃ وہ ہے جو انسان کے اہل میں سے تو نہ ہو مگر انسان اسے ایسا دوست بنالے جس پر اعتماد ہو (غ) ✦

یہ کون لوگ ہیں جن کو ممیز کرنے کا یہ ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے سابقین اولین مراد نہیں۔ جو جہاد بھی کر چکے اور اپنا اخلاص اللہ اور رسول کیلئے بھی دکھا چکے ہیں۔ بلکہ ان کا ذکر ولا المومنین میں ہے اور حسبتم میں مخاطب وہ لوگ ہیں جو ادھر ادھر اقوام میں سے چلے دین اسلام میں داخل ہو چکے تھے تو فرمایا کہ ابھی ضرورت ہے کہ تمہارا خلوص اللہ کے لئے ترقی کرے

ع ۳

اسلام مسلمانوں سے کیسی قربانیاں چاہتا ہے

۱۷ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ

مشرکوں کا کام نہیں کہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دیتے ہوئے اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں ان کے

۱۸ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۖۚ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

عمل بے کار ہیں اور وہ آگ کے اندر رہیں گے ۱۰۷۳ اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے

الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ

اور جنہوں نے نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دی اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ کیا سو امید ہے کہ یہ

۱۹ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

ہدایت پانے والوں میں سے ہوں کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا

اسلئے نئی مشکلات تمہارے رستہ میں آئینگی - یا نئے مسلمان مراد ہیں جو اب دین اسلام میں داخل ہوئے تھے انکو بتایا ہے کہ تم کو بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پڑیگا اور اپنے خلوص کا ثبوت دینا ہوگا - یہ ان لوگوں کا بھی جواب ہے جو اسلام پر بجبر مسلمان کرنے کا الزام لگاتے ہیں جو مجبور ہو کر مسلمان ہوئے تھے انہوں نے جہاد کیا کرنا تھا اور اخلاص کیا دکھانا تھا صرف منہ سے کچھ کہہ دینے پر تو اسلام راضی نہیں ہوتا +

عمارۃ

۱۰۷۳ یعمر و اعمارۃ - ویران کرنے کی ضد ہے یعنی آباد کرنا - اور مسجد کے آباد کرنے میں اس میں رہنا یا اس میں آنا بھی داخل ہے اور اس کا تعاہد مرمت وغیرہ بھی داخل ہے +

مساجد اللہ مشرک باقی مسجدوں سے تو کچھ تعلق نہ رکھتے تھے البتہ مسجد حرام پر اپنا حق جتاتے تھے کہ ہم اسکی زیارت کے لئے آتے ہیں تو اسی کو یعنی مسجد حرام کو ہی مساجد اللہ کہا اسلئے کہ وہ سب مسجدوں کا قبلہ ہے - یا ایک خاص دعویٰ کو عام لفظوں میں بیان کر دیا ہے +

اسلام کس قسم کی قربانیاں مسلمانوں سے چاہتا ہے

پچھلے رکوع کے آخر پر ذکر کیا تھا کہ ایک مسلمان کو صرف اتنی بات پر نہیں چھوڑا جاتا کہ منہ سے اپنے آپکو مسلمان کہہ دے بلکہ جہاد اور خلوص کا ظاہر ہونا اس سے ضروری ہے - اسلئے اب یہاں بتایا کہ اسلام کیسی قربانیاں چاہتا ہے اور چونکہ کفار صرف اسی قدر کو بڑی خدمت سمجھتے تھے کہ خانہ کعبہ کے ہم خدمتگذار ہیں - حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں مرمت وغیرہ کرتے ہیں اور یوں اس گھر کو آباد رکھتے ہیں تو یہ سمجھانے کیلئے کہ یہ کوئی بڑے مجاہدانہ کام نہیں کہ مسلمان بھی مسجدوں کے متولی ہونے کو اپنا فخر سمجھیں بلکہ خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانیاں بکار ہیں - شروع یہاں سے کیا کہ مشرک جو ان کاموں پر فخر کرتے ہیں اول تو حق ہی کیا رکھتے ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں - کیونکہ مسجد اللہ کی عبادت کیلئے بنائی گئی ہے اور یہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں - یہ اپنے آپ پر کفر کی شہادت ہے کیونکہ اس وقت خانہ کعبہ بتوں سے بالکل پاک ہو چکا تھا تو اسلئے اب بت پرستوں کا خانہ کعبہ میں جانا یا اسکی کوئی اور خدمت کرنا خود انکے اپنے معتقدات کے خلاف تھا اور اس طرح پر شروع کرنے کی وجہ یہی ہے کہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ آئندہ مشرک خانہ کعبہ کا حج نہ کریں اسکی وجہ بھی بتا دی - اور یہ جو فرمایا کہ انکے عمل بیکار رہیں تو مراد اس سے وہ عمل ہیں جن پر انکو بوجہ خدمت خانہ کعبہ فخر تھا - فرمایا کہ یہ عمل کچھ کام نہیں دے سکتا جب شرک و کفر میں مبتلا ہیں تو خانہ کعبہ

كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ

اس کی طرح ٹھیرایا ہے جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے ہاں وہ برابر نہیں

وقف لازم وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ ۲۰

اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا[۱۲۷۴] جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور وہی

الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ ۲۱

بامراد ہونگے ان کا رب ان کو اپنی رحمت کی اور رضا کی اور باغوں کی خوشخبری دیتا ہے انکے لئے ان میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہونگی[۱۲۷۵]

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا ۲۲

انہی میں ہمیشہ رہیں گے بیشک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے باپوں اور

اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ

اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان سے بڑھ کر کفر سے محبت رکھیں اور جو کوئی تم میں سے انکو دوست بنائیگا

فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ ۲۳

تو یہی ظالم ہیں کہو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی

وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا

اور تمہاری بیبیاں اور تمہارے کنبے اور مال جو تم کماتے ہو

کی خدمت یا خانہ کعبہ کا حج کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ خانہ کعبہ کی تولیت کسی مشرک یا کافر قوم کے سپرد نہیں ہو سکتی ✦

۱۲۷۴ یعنی چھوٹے چھوٹے فیاضی کے کام اور جہاد فی سبیل اللہ جیسا عظیم الشان کام جو کہ حق کو دنیا میں قائم کرنے کیلئے پوری جدوجہد کرنے کا نام ہے یکساں نہیں۔ اس کا شان نزول حضرت عباس کا جنگ بدر میں قید ہو کر آنا اور حضرت علی پر فخر کرنا صحیح نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اس کا نزول ۹ھ کا ہے ✦

۱۲۷۵ اللہ کی رحمت اور اس کی رضا جنت کی وہ عظیم الشان نعماء ہیں جن کا ذکر دوسری ساری نعماء سے الگ کیا ہے ✦

وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ

اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اسکی

وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهٖ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ۝ ع

راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۱۲۷۶

ع ۵ / ۱۰ — مسلمانوں کیلئے نصرت الٰہی

۲۵ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ

یقیناً اللہ نے تمہیں بہت سے میدانوں میں مدد دی اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت تمہیں اچھی لگی پھر وہ تمہارے

عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝ ج

کچھ بھی کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگ ہوگئی تب تم پیٹھ دیتے ہوئے پھر گئے ۱۲۷۷

مسلمانوں کی زندگی کا اعلا الاصول

۱۲۷۶ اس آیت میں مسلمانوں کی قومی زندگی کا ایک اصول بیان کیا ہے جس کو آج مسلمانوں نے یہاں تک بھلا رکھا ہے کہ ایک مترجم قرآن نے اپنے ترجمہ کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے کہ یہ حکم ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کیلئے تھا ہمارے لئے نہیں۔ گویا یہاں تک اس حالت سے جو ان کی اصل زندگی کا موجب ہوتی تھی وہ دور پڑ گئے ہیں کہ اب وہ اس اصول کو قابل عمل ہی نہیں سمجھتے۔ اس آیت کی رو سے مسلمانوں کو اس سے منع نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے عزیزوں اور قریبیوں سے تعلق رکھیں یا مال کمائیں یا تجارتیں کریں یا بڑے بڑے مکانات بنائیں بلکہ انکے سارے تعلقات دنیا کا ذکر کیا۔ انکی ایسی تجارتوں کا ذکر کیا جن سے ذرا توجہ ادھر اُدھر ہو تو مندی پڑ جائیں۔ انکے بڑے بڑے محلات و مکانات کا ذکر کیا۔ یہ سب کچھ مسلمان رکھیں اس کے لئے کوشش کریں مگر اصول یہ دکھیں کہ یہ چیزیں اللہ اور اسکے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری نہ ہوں یعنی اگر خدا کیلئے انکو قربان کرنے کی ضرورت پڑے تو قربان کردیں حق کے قبول کرنے یا پھیلانے میں تعلقات رشتہ داری چھوڑنے پڑتے ہیں تو چھوڑیں۔ مال برباد ہوتے ہیں تو ہوں تجارت جاتی ہے تو جائے غرض ان چیزوں کو اسلام پر قربان کرنے کیلئے تیار رہیں۔

دین کو دنیا پر مقدم کرنا

اسی آیت قرآنی کا یہی خلاصہ ہے جو اس صدی کے مجدد نے اپنے ساتھیوں سے یہ اقرار لیا ہے "میں دین کو دنیا پر مقدم کرونگا" یہ سب چیزیں وسائل میں داخل ہیں مگر خدا اور اس کا رسول اصل غرض ہیں وسائل کو حصول غرض کیلئے قربان کرنا ضروری ہے۔ آخر پر فرمایا کہ اگر ایسا نہ کروگے اگر انہیں چیزوں کو تم اصل غرض زندگی بنا لوگے تو پھر تمہارے ساتھ فاسقوں والا معاملہ ہوگا ؁

وطن۔ موطن

۱۲۷۷ مواطن۔ مَوْطِن کی جمع ہے اور وَطَنْ وہ جگہ ہے جہاں انسان اقامت رکھتا ہے اسے مَوْطِن بھی کہا جاتا ہے اور اس سے مراد لڑائی کا میدان بھی لیا جاتا ہے (ل)

حنین

حنین۔ مکہ اور طائف کے درمیان وادی ہے۔ مکہ سے صرف تین میل کے فاصلہ پر ہے ؁

جنگ حنین

مکہ کو فتح کرنے کے بعد رسول اللہ صلعم کو خبریں پہنچیں کہ ہوازن اور ثقیف مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ اسلئے آپنے مناسب سمجھا کہ قبل اسکے کہ وہ زور پکڑیں اس شورش کو دبا دیا جائے۔ چنانچہ آپ اسی دس ہزار جمعیت کے ساتھ جسکو لیکر مکہ فتح کیا تھا اور جس میں اب دو ہزار طلقاء ملکر کل تعداد بارہ ہزار ہوگئی تھی باہر نکلے۔ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر فخر ہوا

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۲۶

تب اللہ نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مومنوں پر نازل کی اور وہ لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ۲۷

اور ان کو جو کافر تھے عذاب دیا اور یہی کافروں کی سزا ہے ۱۲۷۸ پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہے

ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ ۲۸

رجوع برحمت کرے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو مشرک ضرور

نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ

پلید ہیں سو اپنے اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آئیں ۱۲۷۹

بالمقابل دشمن صرف چار ہزار تھے۔ ہوازن اور ثقیف مشہور تیرانداز تھے۔ اور پہاڑوں کے تنگ رستوں پر قابض تھے۔ پہلے حملہ میں ہی مسلمانوں پر اس قدر زور سے تیروں کی بوچھاڑ ہوئی کہ جو فوج آگے بڑھی تھی اور جس میں اکثر طلقا تھے۔ اس نے پیٹھ پھیر لی اس کا اثر پچھلی فوج پر پڑا اور آن کی آن میں بارہ ہزار کی فوج بھاگ اٹھی قدرت خداوندی کا نظارہ تھا۔ مگر نبی کریم صلعم اپنی خچر پر سوار اور حضرت عباس آپ کی رکاب پکڑے ہوئے برابر دشمن کی طرف بڑھتے جا رہے تھے اور بلند آواز سے یوں پکار رہے تھے انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب میں نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ یہ ہمت اور شجاعت کا نظارہ ایسا نہ تھا کہ بے اثر رہتا۔ تھوڑی ہی دیر میں لوگ آپ کے گرد جمع ہونا شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ ساری فوج کا رخ پلٹا۔ اور دوبارہ حملہ کرکے دشمن کو شکست دی۔ زمین کے تنگ ہونے سے مراد یہی پسپائی کی حالت ہے جب بھاگنے کو جگہ نہ ملتی تھی یہاں اس گزشتہ واقعہ کا ذکر اس لحاظ سے کیا کہ مسلمان متنبہ رہیں کہ ان کیلئے فتح و ظفر کا موجب نصرت الٰہی ہے نہ انکی کثرت وہ اپنی کثرت پر کبھی نازاں نہ ہوں +

آنحضرت کی شجاعت

۱۲۷۸ جنود الم تروھا۔ ملائکہ کی نصرت ہے۔ اور لم تروھا انکو تم نے دیکھا نہیں ثابت کرتا ہے کہ ملائکہ کا نزول جو جنگوں میں ہوا وہ ان آنکھوں سے نہیں دیکھا گیا ہاں کسی صحابی نے کشفی نظر سے دیکھ لیا ہو تو الگ بات ہے +

ملائکہ ان آنکھوں سے نہیں دیکھے جاتے

۱۲۷۹ نجس۔ نجاسۃ پلیدی کو کہتے ہیں وہ بھی جو حاسہ سے معلوم ہو یعنی جسمانی پلیدی اور وہ بھی جو بصیرت سے معلوم ہو یعنی باطنی ناپاکی (غ) اور یہاں مراد روحانی نجاست ہے اور مبالغہ کیلئے اسم کو استعمال کیا ہے گویا عین نجاست ہیں۔ مراد یہ نہیں کہ انکے جسم پلید ہیں ان سے مسجد حرام پلید ہو جائے گی۔ بلکہ انکے عقاید اور ان کا شرک ناپاک ہیں۔ اور مسجد حرام کو اللہ تعالےٰ نے توحید کا پاک نشان بنایا ہے +

نجاسۃ

مسجد حرام میں مشرکوں کے آنے کو روک دیا۔ اسلئے کوئی غیر مسلم حدود حرم میں داخل نہیں ہو سکتا اور یہ حکم حج سے مخصوص نہیں بلکہ عام ہے یعنی کسی وقت بھی غیر مسلم حدود حرم میں داخل نہ ہو۔ اور مشرک کے لفظ میں ہر غیر مسلم اسلئے داخل ہے کہ توحید کا مذہب سوائے اسلام کے کوئی نہیں رہا یہ حکم ہر ایک مسجد کیلئے نہیں بلکہ خاص مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ کیلئے ہے۔ اور اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تا اسلام کا یہ مرکز غیر مسلموں کے تصرف میں نہ آنے پائے۔ بلکہ یہ امر کمال علم الٰہی پر دلالت کرتا ہے

مسجد حرام میں غیر مسلم کو داخل ہونے کی ممانعت

وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

اور اگر تم کو مفلسی کا ڈر ہو تو اللہ اگر چاہے گا تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا بے شک اللہ

عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ ۲۹ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا

علم والا حکمت والا ہے ۱۲۸۰ اُن لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ پچھلے دن پر اور نہ ہی

یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ

ان چیزوں کو حرام ٹھیراتے ہیں جو اللہ اور اسکے رسول نے حرام کیں اور نہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جن کو

اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ؑ

کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ محکوم ہوں ۱۲۸۱

کہ ان حالات کا انکشاف آنحضرت صلعم پر کیا جو تیرہ سو سال بعد دنیا میں پیدا ہونے والے تھے کہ غیر مسلم طاقتیں مسلمانوں کے ملکوں میں تھوڑی تھوڑی آمد و رفت کرتے کرتے پھر تدریجاً کچھ رسوخ حاصل کرتے کرتے آخر ان ممالک پر متصرف ہو جائینگی اسلئے عالم الغیب اور حکیم خدا نے (جیسا کہ آخری الفاظ ان اللہ علیم حکیم میں اشارہ کیا) اپنے کامل علم و حکمت سے حدود حرم کو جو اسلام کا مرکز ہے غیر مسلموں کے دخول سے پاک رکھا۔ ہاں یہ حکم مسلمانوں کو دیا ہے جس میں یہ بھی بتا دیا کہ بادشاہت اس ملک کی تمہارے ہی ہاتھ میں رہیگی اور تم اس امر کے بجا لانے پر قادر ہوگے ﴿

عال۔ عیلۃ — مکہ کیلئے فقر کی بجز کی بشارت

۱۲۸۰ عیلۃ کے معنی فقر ہیں اور عال کے معنی فقیر ہو گیا ووجدک عائلاً فاغنی (الضحٰی ۹۳ : ۸)۔ مفلسی کے خوف کا ذکر اسلئے کیا کہ مکہ تو خود وادی غیر ذی زرع میں تھا۔ تجارت سے اس کی ساری رونق تھی۔ بالخصوص موسم حج میں تجارتی مال دور دور سے لوگ ساتھ لاتے تھے۔ اور اہل مکہ کو بیٹھے بٹھائے تجارت سے نفع حاصل ہوتا تھا۔ سو فرمایا کہ یہ خوف مت کرو۔ اللہ تعالٰی اسکے سامان اپنے فضل سے پیدا کر دیگا۔ وہ فضل کے سامان یہ تھے کہ سارے ملک عرب کو مسلمان کر دیا بلکہ سارے عالم میں اسلام کو پھیلا دیا ﴿

جزیۃ — جزیہ کیا ہے

۱۲۸۱ الجزیۃ۔ یہ لفظ جزاء سے نکلا ہے جسکے معنی بدلہ ہیں۔ اسلئے جزیۃ کسی چیز کا بدلہ ہے وتسمیتھا بذالک للاجتزاء بھا فی حقن دمہم (غ) یعنی اس کا نام جزیہ اسلئے رکھا گیا کہ یہ انکی جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہے جسے لیا جاتا ہے گو یا جزیہ ایک ٹیکس ہے جو غیر مسلموں سے اخراجات حفاظت ملک کے بدلہ میں لیا جاتا ہے جس حفاظت کیلئے مسلمان اپنی جان دیتا ہے دوسرے سے صرف ایک قلیل رقم لی جاتی ہے۔ جب مسلمان کسی دوسری قوم پر حکومت کرینگے تو لازماً انکے جان و مال کی حفاظت وہ کرینگے کیونکہ حفاظت کا کام حکومت کے سپرد ہی ہوتا ہے اور ایسا ہی دشمن سے بھی انکی حفاظت کرینگے۔ اسکے عوض ان سے ایک رقم لے لیجاتی تھی۔ جو اس حفاظت کا معاوضہ ہو جاتی تھی۔ اسی کو جزیہ کہا جاتا ہے۔ اور یہ امر کہ یہ صرف حفاظت کا بدلہ ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلامی فوجیں حمص سے جو شام میں واقع ہے ہٹ آئیں تو حضرت ابو عبیدہ نے وہاں کے یہودیوں اور عیسائیوں کو بلا کر کئی لاکھ کی رقم جزیہ سب واپس کر دی کہ اب ہم چونکہ تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے اسلئے یہ رقم ہم نہیں رکھ سکتے۔ اور ایسا ہی اضلاع میں لکھ دیا کہ جہاں سے اسلامی لشکر ہٹ آئے وہاں کی رقم جزیہ واپس کر دی جائے

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ٣٠

اور یہودی کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ اُن کے مُنہ کی باتیں ہیں ۱۲۸۲

عن ید - ید کے معنی ہاتھ اور مجازاً قوت کے معنی میں آتا ہے۔ تو مراد ہوئی قوت کی وجہ سے یعنی مسلمانوں کے ان پر غالب ہونے کی وجہ سے اور راغب نے اسکے معنی کئے ہیں عَنْ مقابلۃ نعمۃ علیھم فی مُقارّتِہِم یعنی اس نعمت کے مقابل پر جو انکو آرام دیا جانے سے ملی ہے۔ اور بعض نے عن ید کے معنی عن غنی کئے ہیں یعنی غنی ہونے کی حالت میں جزیہ دیں اسلئے کہ فقیر عاجز سے جزیہ نہیں لیا جاتا (د) یہ معنی اسلئے قابل ترجیح ہیں کہ محکومیت کا مفہوم صاغرون میں آجاتا ہے +

صاغرون - صاغر کے معنی راغب نے لکھے ہیں جو چھوٹے مرتبہ پر راضی ہو پس مراد حالت محکومیت ہے +

یہ آیت مضمون سابق کے لئے بطور تتمہ کے ہے۔ قرآن کریم میں اور بالخصوص اس سورت میں جس قدر احکام جنگ کے متعلق اب تک آئے ہیں وہ سب مشرکوں کے متعلق ہیں اور یہ خیال ہو سکتا تھا کہ شاید سوائے مشرکوں کے مسلمانوں کو دوسروں سے جنگ کی ضرورت ہی کبھی پیش نہ آئے گی۔ اسلئے اہل کتاب کا نام بھی یہاں لے دیا ہے اور منشا صرف اس قدر ہے کہ جن حالات میں مشرکوں سے جنگ کی اجازت یا حکم دیا ہے انہی حالات میں اہل کتاب سے بھی جنگ جائز ہے۔ اور اہل کتاب کا نقشہ جو کھینچا ہے تو اس میں بھی بتایا ہے کہ یہ مذہب حق سے جس پر ان کو قایم کیا گیا تھا بالکل گر گئے ہیں جس کی تفصیل اگلے رکوع میں آئے گی +

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہاں قاتلوا کا حکم ہے اور مقاتلہ میں دو فریق ہوتے ہیں اقتلوا کا حکم نہیں کہ انہیں قتل کرنے کا اختیار ہو اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے قتال پر جو حد بندی وارد ہو چکی ہے وہ اہل کتاب کی صورت میں باطل نہیں ہو جاتی اور وہ یہ ہے۔ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا یعنی جنگ صرف ان لوگوں کے ساتھ ہو جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ اور پھر ضرورت جنگ سے نہ بڑھیں +

نبی کریم کا عمل اہل کتاب سے جنگ کے بارہ میں

کیا نبی کریم صلعم کا عمل اسکے مطابق تھا یا نہیں۔ رومن امپائر عرب کے شمال میں لگتی تھی اور آپ کو خبر پہنچی کہ یہ لوگ عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ نے فوراً تیس ہزار کی فوج جمع کی اور عرب کی شمالی حد پر پہنچ گئے۔ یہ غزوۂ تبوک ہے جس کا مفصل ذکر آگے آئیگا۔ مگر وہاں آپ نے مقابلہ کیلئے کوئی لشکر تیار نہ پایا۔ اب اگر اہل کتاب سے جنگ کرنے کا حکم مشروط نہ ہوتا تو ظاہر تھا کہ حکم بھی موجود ہے فوج بھی موجود ہے مقابل میں تیاری نہ ہونے سے کامیابی کی اُمید بھی بہت زیادہ ہے۔ مگر نبی کریم صلعم نے کیا کیا؟ بغیر جنگ کے واپس آئے کیوں؟ اسلئے کہ الذین یقاتلونکم کی شرط پوری نہ ہوئی تھی پس الفاظ قرآنی اور عمل نبی کریم صلعم دونوں اس پر شاہد ہیں کہ اہل کتاب سے جنگ بھی اسی طرح مشروط ہے جس طرح مشرکوں سے +

ہاں یہاں یہ فرمایا کہ اہل کتاب یعنی دوسرے مذاہب تو ہمیشہ رہینگے عرب کی بت پرستی کی طرح نابود نہ ہو جائینگے اسلئے فرمایا کہ جنگ ان سے کرنی پڑے اور وہ جزیہ قبول کریں تو جنگ ست کرو اور جزیہ کے لینے میں جو حاکم کا کام ہے اور اسکے لئے لفظ صاغر اختیار کرکے یہ بھی بتا دیا کہ اہل کتاب کے ساتھ جنگوں میں مسلمان کامیاب ہونگے۔ اور اہل کتاب مغلوب ہونگے +

۱۲۸۲ اہل کتاب کے ساتھ جنگوں کا ذکر کیا تو بتا دیا کہ یہ لوگ بھی اسلام کی کامیابی کو نہیں چاہتے اور اسکے خلاف کوشش کرتے ہیں مگر اسلام آخر کار غالب ہوگا۔ مگر اصل مضمون سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کی غلطیوں کا کچھ ذکر کیا ہے +

حضرت عزیر

عزیر یا عزرا یہودیوں میں ایک بڑے عظیم الشان نبی گزرے ہیں۔ علمائے طالمود نے انکے متعلق بڑے مبالغہ آمیز بیان کئے ہیں۔ یہاں تک کہ جیسا کہ یہودی انسکلو پیڈیا میں ہے بعض نے کہا ہے کہ اگر موسیٰ پر شریعت نازل نہ ہوئی ہوتی تو عزیر

النصف

يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○

یہ اُن کی بات کی نقل کرتے ہیں جو پہلے کافر ہوئے اللہ ان کو ہلاک کرے کہاں سے الٹے پھیرے جاتے ہیں ۱۲۸۳

۳۱ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ

انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوائے رب بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

اور ان کو سوائے اسکے کچھ حکم نہ دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں اس کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک ٹھیراتے ہیں ۱۲۸۴

پر نازل ہوئی۔ ممکن ہے اس زمانہ میں یہودیوں کی قوم اس قسم کے بیانات کی وجہ سے اور عیسائیوں کے مقابل میں آکر بھی عزیر کو ابن اللہ کہنے لگی ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں جس قدر مباحثات یہود کے ساتھ ہیں ان میں ان کو براہ راست یہ الزام نہیں دیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن اللہ ہونے کا عقیدہ اگر فی الواقع ان میں تھا تو ساری قوم کا نہ تھا کسی ایک شاخ کا ہوگا۔ اور یہ ممکن ہے کہ یہاں ابن اللہ کا استعمال اسی معنی میں ہوا ہو جیسے دوسری جگہ ہے وقالت الیہود والنصاری نحن ابناء اللہ واحباءہ (المائدۃ ۱۸) اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں۔ جہاں ابناء اللہ کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے۔ اور مطلب صرف یہی ہے کہ اسکے ایسے پیارے ہیں جیسے باپ کو بیٹا پیارا ہوتا ہے۔ اسی طرح عزیر کو ابن اللہ کہنے سے مراد یہی ہے کہ وہ ان کی عزت انکے اصل مرتبہ سے بڑھکر کرتے ہیں +

ضاہی

۱۲۸۳ یضاھئون - ضاھی بغیر ہمزہ کے اور ہمزہ کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے اور اسکے معنی ہیں مشابہت اختیار کی (غ)

قاتلہم اللہ

قاتلہم کے معنی بعض نے کئے ہیں اللہ ان پر لعنت کرے اور بعض نے اللہ انکو قتل کرے۔ راغب کہتے ہیں درست یہ ہے کہ یہ باب مُفَاعَلَۃ سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ گویا ایسا شخص اللہ کے ساتھ جنگ کا قصد کرتا ہے اور جو اللہ کیساتھ مقابلہ کریگا وہ مغلوب ہوگا

عیسائیوں کا عقیدہ ابنیت مسیح میں پہلی کافر قوموں کی نقل

ان الفاظ میں ایک ایسی بات کی خبر دی ہے جس کی اطلاع آج دنیا کو ہوئی ہے یعنی یہ کہ عیسائیوں نے خدا کا بیٹا تجویز کرنے میں پہلی کافر قوموں کی نقل کی ہے۔ آج یونانیوں اور رومیوں کے مذاہب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ فی الواقع یہ خدا کا بیٹا بنانے کا عقیدہ ان میں مروج تھا اور وہیں سے پولوس نے اس کو لیا کیونکہ جب اس نے دیکھا کہ یہودی تو حضرت عیسیٰ کو قبول نہیں کرتے تو اس نے حضرت مسیح کے بعض الفاظ کو جو مجازاً اور استعارہ کے طور پر تھے حقیقت پر محمول کرکے اور اصل بنائے مذہب قرار دیکر بت پرستی سے ملتا جلتا ایک مذہب بنا دیا جس کی وجہ سے غیر یہودی اقوام کا میلان عیسائیت کی طرف بہت ہو گیا یہی الزام قرآن شریف نے دیا ہے کہ عیسائیوں کا مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دینا ان کی ایجاد نہیں بلکہ پہلی کافر قوموں کی ریس کرکے یہ مذہب بنا لیا ہے یوں تو عرب کے لوگ بھی خدا کی طرف بیٹیاں منسوب کرتے تھے مگر من قبل کا لفظ بڑھا کر یہ صاف کر دیا کہ قرآن کریم کی مراد عیسائیت سے پہلی کافر قومیں ہیں +

اربابا من دون اللہ اور آج کل کی گدی

۱۲۸۴ ارباب۔ رب کی جمع ہے دیکھو ۲۔ جب کسی کی اطاعت میں غلو کیا جائے تو اسے بھی معبود یا رب ہی کہدیا جاتا ہے چنانچہ عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کے نزول پر رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ لوگ احبار و رہبان کی عبادت تو نہ کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں کہ جو اللہ نے حلال کیا ہے اسے وہ حرام کہدیتے تو لوگ بھی اسے حرام سمجھ لیتے اور جو اللہ نے حرام کیا ہے اسے حلال کہدیتے تو لوگ بھی اسے حلال سمجھ لیتے۔ مسیح ابن مریم کا نام الگ لینے سے بالخصوص عیسائیوں

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ ۳۲

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ کو کچھ منظور نہیں مگر یہی کہ اپنے نور کو پورا کرے گو کافر

الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى ۳۳

برا ہی مانیں ۱۲۸۵ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو کل دینوں پر

الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا ۳۴

غالب کرے گو مشرک برا ہی مانیں ۱۲۸۶ اے لوگو جو ایمان لائے ہو یقیناً بہت سے

کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جن کا ذکر اگلی آیت میں ہے اس معیار پر آج مسلمانوں میں جس قدر گدیاں ہیں الا ماشاء اللہ ان سب کو انکے مریداربابا من دون اللہ سے کم نہیں سمجھتے کیونکہ جو کچھ پیر کہدے اسکے مقابل شریعت کی پروا بھی نہیں کی جاتی +

نور اللہ

۱۲۸۵ نور اللہ سے مراد نبوت محمدیہ ہے یا دین اسلام - بافواههم سے مراد انکے اقوال باطلہ ہیں جنکے ساتھ دلیل کوئی نہیں +

اس آیت میں ایک طرف تو یہ بتایا کہ عیسائیوں کے کیا کیا منصوبے اسلام کے خلاف ہیں اور وہ کس طرح اسلام کے نیست نابود کرنیکی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور دوسری طرف نہایت پرزور الفاظ میں یہ خبر ہے کہ دین اسلام کامل ہو کر رہیگا +

ظهر

۱۲۸۶ یُظْهِر - ظَهر کے معنی پیٹھ ہیں اور سواری کو بھی کہتے ہیں اور بطور استعارہ اس پر بھی بولا جاتا ہے جس سے قوت ملے - اور ظَهَرَ علیہ کے معنی ہیں غَلَبَہٗ یعنی اس پر غالب آگیا - اسی سے یظهرہ کا غالب کرنے کے معنی میں ہے (غ) +

دین اسلام کی کل ادیان پر غلبہ کی پیشگوئی

یہ دوسری خوشخبری ہے - پہلی آیت میں تو یہ بتایا تھا کہ دین اسلام کو یہ نیست و نابود نہیں کر سکینگے - اب فرمایا کہ یہی نہیں بلکہ یہ دین کل ادیان پر غالب کر دیا جائیگا - عیسائی اسبات پر خوش ہو رہے ہیں کہ اب اسلام کی حکومت دنیا سے اٹھ گئی اسلئے اب عیسائیت غالب آجائیگی - لیکن اہل نظر دیکھ سکتے ہیں کہ اسلام کی حکومت باوجود مسلمانوں کی محکومی کے دنیا پر بڑھ رہی ہے - اسلام کی حکومت پہلے بھی دلوں پر تھی اب بھی دلوں پر ہے ہاں مسلمانوں کو حکومت دیدی گئی تھی کیونکہ اُس وقت بغیر اسلامی حکومت کے اسلام کا پھیلنا ناممکن تھا - اب بغیر مسلمانوں کی حکومت کے بھی اسلام پھیل سکتا ہے اور چونکہ عیسائیوں کا یہ اعتراض

عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ

اسلام پر تھا کہ مسلمانوں کی حکومت کی وجہ سے ابتدا میں اسلام پھیل گیا اور بزور شمشیر پھیلا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری قوم کے ہاتھ میں حکومت اور تلوار دیکر ان کو اسبات پر بھی آمادہ کر دیا ہے کہ وہ سارا زور اسلام کے خلاف لگا لیں بالآخر حق ہی غالب ہوگا - چنانچہ ایک طرف اگر اسلامی حکومتیں گر تی جاتی ہیں تو دوسری طرف اصول اسلام غالب آتے چلے جاتے ہیں توحید اسلامی - مساوات نسل انسانی جنکی تعلیم اسلام نے دی اگر ایک طرف روزبروز ترقی کر رہے ہیں تو دوسری طرف تثلیث وکفارہ کے اصول خود بخود پگھلتے چلے جاتے ہیں - ساری دنیا پر عیسائیت کی حکومت ظاہری کے باوجود اس کی حکومت باطنی گر گئی اور مسلمانوں کی محکومیت کے باوجود اسلام کی حکومت باطنی مضبوط ہوتی جا رہی ہے +

اظہار دین اسلام اور مسیح موعود

اکثر مفسرین کا اسبات پر اتفاق ہے کہ یہ اظہار دین اس اُمت میں مسیح موعود کے ظہور کے بعد ہوگا (ج) البتہ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اظہار اسلام سے مراد کل دینوں کا ہلاک ہو جانا ہے بلکہ غلبہ یا اظہار کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ دوسرے دین بھی رہینگے مگر غالب دین اسلام ہوگا - اس زمانہ میں دین عیسوی کے عقاید خود بخود اسطرح دلوں سے نکلتے چلے جاتے ہیں اور خود عیسائی ان سے اسطرح بیزار ہو رہے ہیں اور دوسری طرف عقاید حقہ اسلامیہ کی قبولیت یوں خود بخود بڑھتی جاتی ہے کہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کا زمانہ آچکا ہے +

مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ

علماء اور راہب لوگوں کے مال جھوٹ کے ساتھ کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ

روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں

اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا ۳۵

کرتے تو ان کو دردناک دکھ کی خبر دو ۱۲۸۷ جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائیگا پھر اُسکے ساتھ ان کی

جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

پیشانیاں اور ان کے پہلو اور اُن کی پیٹھیں داغی جائینگی یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا سو اسکا مزا چکھو جو تم جمع کرتے تھے ۱۲۸۸

علماء و مشائخ کی حالت

۱۲۸۷ اس آیت میں اول علماء و مشائخ کے مال وزر بالباطل کھانے کا ذکر ہے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں علمائے یہود و نصاریٰ عوام کالانعام کو اس طرح دھوکہ دیکر انکا مال کھاتے تھے کہ ہم کو راضی کرلوگے تو اللہ راضی ہو جائیگا اور رشوتیں لیکر فتوٰی دیتے تھے مگر یہ یہود و نصاریٰ کے علما تک محدود نہیں بلکہ ان کے ذکر میں مسلمانوں کو سمجھایا ہے چنانچہ ہمارے اس زمانہ میں اکثر علماء و مشائخ کی یہی حالت ہے کہ وہ بھی اپنی رضا میں خدا کی رضا بتاتے ہیں یہی لوگ پھر اللہ کی راہ سے روکنے والے بھی ہو جاتے ہیں اسلئے کہ ذاتی اغراض درمیان میں آجاتی ہیں۔ اور یہ لوگ حق کے دشمن ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے یہود و نصاریٰ کے علماء آنحضرت صلعم کے دشمن ہو گئے تھے۔ اور آج بھی علماء و مشائخ نے اس حق کی مخالفت کی جو ایک مجدد کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے ظاہر فرمایا تھا اور جس نے سوائے خدمت دین اسلام کے اور کسی طرف نہیں بلایا ۔

مال جمع کرنا اور ابو ذرؓ

سونے اور چاندی کے جمع کرنے سے کیا مراد ہے۔ حضرت ابو ذرؓ نے اس بارہ میں یہانتک مبالغہ کیا کہ انکے نزدیک سونے چاندی کا گھر میں رکھنا ہی منع تھا اس بارہ میں ان کا صحابہ سے اختلاف بھی سخت تھا۔ یہانتک کہ ایک دفعہ کعب کے پیچھے ڈنڈا لیکر دوڑے اور انہوں نے حضرت عثمان کے پاس جا کر پناہ لی جس کی وجہ سے آخر کار حضرت عثمان کو حکم دینا پڑا کہ وہ ربذہ میں جا رہیں تا کہ فساد نہ ہو۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ خیال درست نہیں اسلئے کہ پھر زکوٰۃ کس چیز پر ہے اور وراثت کی تقسیم کا کیا مطلب ہے۔ خود نبی کریم صلعم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مال کو پاک کرنے کیلئے زکوٰۃ فرض کی گئی ہے پس مال کی وہی محبت بری ہے جب انسان اللہ کی راہ میں کچھ صرف نہ کرے۔ یا غربا کا اس میں کچھ حق نہ سمجھے۔ مال کے جمع کرنے کے بارہ میں افراط و تفریط دونوں راہوں سے بچنا چاہئے آج اگر ایک طرف مال کے چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہونے سے یورپ میں مصائب پیش آرہی ہیں تو ان کے مقابل بولشویکوں کا گروہ پیدا ہو گیا ہے جنہوں نے تفریط کی راہ اختیار کی ہے۔ اسلام کی تعلیم اعلیٰ درجہ کے اقتصاد اور میانہ روی کی ہے مال بھی جمع کرو مگر غربا کا حصہ دیتے رہو اور ملامت ان لوگوں کو کی ہے جو مال جمع کرتے ہیں پھر اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے صرف جمع کرنیوالوں کو ملامت نہیں

حمی
حمیۃ

۱۲۸۸ یحمی حَمْی وہ حرارت ہے جو گرم جواہر سے پیدا ہوتی ہے جیسے آگ اور سورج اور وہ بھی جو بدن میں قوت حارہ سے پیدا ہوتی ہے اور قوت غضبیہ جب جوش میں آئے تو اسے حَمِیّۃ کہا جاتا ہے حمیۃ الجاھلیۃ (الفتح۔ ۲۶) ۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَ ۳۶

بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک اللہ کے حکم میں بارہ مہینے ہے جس دن آسمان اور زمین

الْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا

پیدا کئے اُن میں سے چار حرمت والے ہیں یہ دین مضبوط ہے سو اُن کے بارہ میں اپنے آپ پر ظلم مت کرو اور مشرکوں سے

الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ○

سب کے سب جنگ کرو جس طرح کہ وہ تم سے سب کے سب جنگ کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ۱۲۸۹ع

تکوی - کوی جانور کے داغ دینے پر بولا جاتا ہی اور مصدر کی ہی +

جباھم - جبھۃ ماتھے کو کہا جاتا ہے وہ جگہ جو سر میں سے سجدہ میں زمین پر لگتی ہی + — جبهة

جنوب - جنب کی جمع ہی کروٹ یا پہلو + — جنب

پیشانی وغیرہ کا داغا جانا

آخرت کی سزا کا ذکر عموماً انہی الفاظ میں ہوتا ہی جس قسم کی بدی ہو۔ انسان مال جمع کرکے اس سے دوسروں پر وجاہت قایم کرتا ہی اور دوسروں سے متکبرانہ پیش آتا ہی۔ اور حاجتمندوں پر پیٹھ پھیر لیتا ہی۔ اسلئے وہ پیشانی جس سے وہ اظہار فخر کرتا ہی اور وہ پہلو جو وہ بوجہ تکبر پھیر لیتا ہی (واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونا بجانبہ) اور وہ پیٹھ جو وہ حاجتمند پر پھیرتا ہی سب محل سزا ہو جاتے ہیں اور یوں سزا بھی محیط ہو جاتی ہی کہ سامنے پیشانی پر اور کروٹ پر اور پیٹھ پر سب طرف اس کا اثر ہی۔ دولت کا ترا جمع کرتے جانا اور اس کا خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنا اس دنیا میں بھی دکھ کا موجب بن جاتا ہی اور وہ سکھ جو انسان اس سے چاہتا ہی حاصل نہیں ہوتا +

سال کے بارہ ماہ اور حرمت کے چار مہینے

۱۲۸۹ع اہل کتاب کا ذکر درمیان میں ضمنی طور پر آ گیا تھا۔ اصل مضمون مشرکین سے جنگ کا تھا۔ اور غزوۂ تبوک اور منافقین کا ذکر شروع کرنے سے پہلے اسی اصل مضمون کی طرف عود کیا ہی۔ تو چونکہ جنگوں کا ذکر تھا اسلئے حرمت کے مہینے جن میں جنگ کرنا منع کیا گیا ہی ان کا ذکر خاص طور پر کیا ہی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مشرک لوگ نسئی کے ذریعہ سے حرمت کے مہینوں کو بدلتے رہتے تھے جس سے امن اُٹھ جاتا تھا چنانچہ خود اسی نویں سال میں حج ذیقعدہ میں ہوا تھا۔ اس لحاظ سے بھی کہ مشرکوں کے لئے یہ ایک اعلان تھا - یہ اطلاع ضروری تھی کہ آیندہ یہ تغیر و تبدل نہ ہونگے پس فرمایا کہ مہینے تو بارہ ہی ہیں۔ اور پہلے دن سے ہی بارہ ہیں چنانچہ سب قوموں میں سال کے بارہ مہینے ہی پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چار حرمت کے مہینے ہیں جن کے بارہ میں اپنے آپ پر ظلم مت کرو یعنی ان کے اندر جنگ مت کرو۔ اور اس کو یعنی حرمت کے تسلیم کرنے کو دین قیم کہا ہے۔ اس لحاظ سے کہ یہ ایک مضبوط اصول ہے جس سے جنگوں کے اندر قوموں کی زندگی وابستہ ہے - اور یا دین یہاں بمعنی حساب ہے، یعنی یہ حساب مضبوط ہی۔ اس سے شک و شبہ پیدا نہیں ہوتا +

مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ میں ایک ہونے کی نصیحت

حرمت کے مہینوں کو قایم کرکے پھر فرمایا کہ مشرکوں کے ساتھ سب کے سب جنگ کرو جس طرح وہ سب کے سب تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں جس میں یہ اصول سمجھایا ہی کہ دشمن کے مقابل میں سب مسلمانوں کو ایک رہنا چاہیے جس طرح دشمن مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک ہو جاتے ہیں +

۳۷ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا

مہینوں کا پیچھے کردینا کفر میں ایک زیادتی ہے وہ جو کافر ہیں اس کے ساتھ گمراہ کئے جاتے ہیں ایک سال اسے حلال قرار دیتے ہیں اور ایک سال ہی حرام قرار دیتے ہیں

لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ ؕ زُیِّنَ لَہُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِہِمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا

تاکہ ان (مہینوں) کی گنتی کے مطابق کریں جو اللہ نے حرام کئے ہیں اور یوں جو اللہ نے حرام کیا ہے اسے حلال قرار دیں انکو انکے برے کام اچھے معلوم ہوتے ہیں اور اللہ

۳۸ یَہْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۠ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ

ع ۵ ۱۲

غزوۂ تبوک اور منافقوں کا پیچھے رہ جانا

کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا ۱۲۹۰ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارا کیا عذر ہے کہ جب تم کو کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں

اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ ۚ فَمَا مَتَاعُ

نکل پڑو تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاؤ کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر (گر جانے کو) راضی ہوگئے ہو مگر دنیا کی زندگی

الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝

کا سامان آخرت کے مقابلہ میں تو تھوڑا ہی ہے ۱۲۹۱

نسی — ۱۲۹۰ نسئ ۔ نَسْءٌ کے معنی تاخیر کرنا یا پیچھے ڈال دینا ہیں۔ اور نسیئۃ حرمت کے مہینوں کا پیچھے ڈال دینا ہے جو عرب لوگ کرتے تھے (غ)

نسئ کی غرض — بعض وقت یہ لوگ یوں کیا کرتے تھے کہ اگر جنگ ہو رہی ہو اور حرمت کا مہینہ آجاتے تو اسے پیچھے ڈال دیتے یعنی اس کی بجائے کسی پچھلے مہینہ کو حرمت والا قرار دے لیتے بعض اور اغراض کے لئے بھی ایسا کرلیتے تھے۔ اس سے ناواقفوں کو بڑی تکلیف ہوتی تھی اسلئے نسئ کو ناجائز قرار دیا گیا۔ اور فرمایا کہ خدا کے علم میں جب چار ماہ کی حرمت قرار دی گئی تو یہ نسئ نہ تھی یہ پیچھے کافروں نے اپنی اغراض کیلئے بنالی۔ اس لئے اب اس کو دور کیا جاتا ہے ؂

نَفْر — ۱۲۹۱ انفروا ۔ نَفْرٌ قرار پکڑنے کی ضد ہے (ل)، یا گھبرا کر ایک چیز سے ہٹ جانا یا ایک چیز کی طرف نکل پڑنا مَا زَادَھُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (فاطر ۴۲) اور جنگ میں نکلنے کو بھی نفر کہا جاتا ہے اور نَفَرٌ اور نَفِیْرَۃٌ کئی آدمیوں کو کہتے ہیں گویا ان کے لئے باہر نکلنا ممکن ہے (غ) ؂

نَفَر ۔ نفیرہ

ثقل ۔ ثقیل — اثاقلتم ۔ ثِقْلٌ ۔ خِفَّۃٌ کے مقابلہ پر ہے۔ اور اجسام اور معانی دونوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے اور ثقیل کا استعمال انسان میں اکثر ذم کے مقام پر ہوتا ہے کبھی مدح پر بھی اور چونکہ اجسام میں ثقیل وہ ہیں جن کا میلان نیچے کی طرف ہوتا ہے جیسے پتھر وغیرہ اور خفیف وہ جنکا میلان اوپر کیطرف ہو اسلئے اثاقل میں اشارہ یہاں پستی کی طرف جھک جانے کی طرف ہے (غ)، اور اسکا اصل تثاقلتم ہے

اثاقل

جنگ تبوک — یہاں سے جنگ تبوک اور اسکے متعلق واقعات کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ یہ مہم رجب ۹ھ میں تیار ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ نبی کریم صلعم کو سلطنت روما کے متعلق یہ خبریں متواتر پہنچیں کہ وہ عرب پر حملہ کرنا چاہتے ہیں جنگ کے معاملہ میں آپ کا طریق نہایت احتیاط کا تھا جب کبھی کسی قوم کی تیاری کی خبر آپ کو پہنچتی آپ فوراً اس کے انسداد کے لئے مہم روانہ کر دیتے تھے اس موقعہ پر بھی متواتر خبروں کے پہنچنے پر آپ نے تیاری کا حکم دیا۔ اس وقت مسلمانوں کے لئے بہت سی مشکلات کا سامنا تھا اول تو ایام قحط تھے۔ دوسرے ملک شام کی حدود تک ایک بہت ہی لمبا سفر تھا اور راستہ میں پانی اور رسد وغیرہ کی قلت تھی۔ تیسرے فصل بالکل پختہ کاٹنے کے لئے تیار تھی اور اس حالت میں اس کو چھوڑنا بڑا مشکل تھا۔ چوتھے موسم سخت

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ۭ وَ ۳۹

اگر تم نہ نکلو تو وہ تم کو دردناک دکھ کا عذاب دیگا اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئیگا اور تم اس کو کچھ ضرر نہ دے سکو گے اور

اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۴۰

اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۲۹۲ اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو یقیناً اللہ نے اس کی مدد کی جب اس کو ان لوگوں نے جو کافر تھے نکال دیا

ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ

(اس حال میں کہ) وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب اس نے اپنے رفیق کو کہا غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے سو اللہ نے

اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ

اپنی تسکین اس پر اتاری اور اس کو ایسے لشکروں سے قوت دی جنکو تم نہ دیکھتے تھے اور ان لوگوں کی بات کو جو کافر تھے نیچا دکھایا

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ۴۱

اور اللہ کی بات ہی بلند ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۱۲۹۳ ہلکے اور بوجھل نکل پڑو

گرمی کا تھا۔ اور پانچویں مقابلہ عرب کی کسی قوم سے نہ تھا بلکہ ایک منتظم سلطنت کی باقاعدہ فوجوں سے مقابلہ تھا جو ہر قسم کے سامان جنگ سے آراستہ تھیں اور روما اور ایران کی سلطنتوں سے عرب کے لوگ ہمیشہ خائف رہتے تھے کیونکہ ان کی طاقت کے سامنے عربوں کی طاقت ہیچ تھی۔ مگر باوجود ان مشکلات کے مسلمانوں نے نبی کریم صلعم کی آواز پر لبیک کہا۔ اور تیس ہزار آدمی آپکے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور کسی نے مشکلات کی پروا نہ کی بلکہ جو لوگ تنگدست تھے اور سواری کا انتظام ان کیلئے نہ ہو سکا وہ روتے ہوئے پیچھے رہے البتہ منافقوں کی تمیز کا یہ آخری موقعہ آ پہنچا تھا۔ اور وہ طرح طرح کے عذر کرکے رہ گئے۔ یہ جنگ عیسائیوں سے تھی اور اسی لئے اس کے ذکر سے پہلے اہل کتاب کے ساتھ جنگ کا ذکر بھی آ چکا ہے اور نبی کریم صلعم کی جنگوں میں یہ سب سے آخری جنگ تھی۔ شاید یہ اشارہ تھا کہ آخر کار مسلمانوں کا مقابلہ عیسائیوں سے ہی رہ جائیگا۔ اور یہاں جو اثاقلتم الی الارض کہا تو مطلب اس کا یہ نہیں کہ مومن زمین کی طرف جھک گئے تھے بلکہ یہ بطور حث ہے اور خطاب ان لوگوں سے ہے جو زبان سے دعویٰ ایمان کرتے تھے جیسا کہ آیت ۴۰ میں الا تنصروہ سے ظاہر ہے کیونکہ مومن مدد کرنیوالے تھے۔

۱۲۹۲ یہ عذاب منافقین کو ہی ملا جس سے معلوم ہوا کہ یہاں خطاب منافقوں سے ہے اور لا تضروہ شیئا یعنی جنگ کے لئے تمہارے نہ نکلنے سے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے دین کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔

غور۔ غار۔ مغار

۱۲۹۳ غار غور سے ہے۔ اور غور ہر چیز کی گہرائی کو کہتے ہیں اور اسی سے پہاڑ کی غار ہے اور مغار اور مغارۃ بھی غار کی طرح ہے اور مغارات (التوبہ ۵۷) اور پانی کہ بہت گہرائی میں چلے جانے پر بھی بولا جاتا ہے اصبح ماؤکم غورا (الملک ۳۰) اور اسی سے غور کسی چیز میں فکر کرنا ہے (دل)۔

اس آیت میں مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیسی کیسی مشکلات کے وقت میں اسلام کی نصرت کرتا رہا ہے اور نبی کریم صلعم کی انتہائی بیکسی کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے کہ مخالفین اسلام نے اس وقت بھی اسلام کو نیست و نابود نہ کر سکے تو اب

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ

اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ۱۲۹۸

مومنوں کو کیا خوف ہے جب اسلام اس قدر پھیل چکا ہے۔

ہجرت کے واقعات اور حضرت ابوبکر کی رفاقت

وہ واقعہ جس کا یہاں ذکر ہے نبی کریم صلعم کی مکہ سے مدینہ کو ہجرت کا واقعہ ہے جس کی طرف اذ اخرجہ الذین کفروا میں اشارہ ہے یعنی کافروں کی وجہ سے آپ کو نکلنا پڑا۔ آپ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ قاتلوں کا جتھا آپ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے کھڑا تھا۔ اس حالت میں آپ انکے درمیان سے نکلتے ہیں۔ اور سیدھے حضرت ابوبکر کے پاس پہنچتے ہیں۔ اور یہ دونوں ساتھی رات کی تاریکی میں نکلتے ہیں نبی کریم صلعم نے سب صحابیوں کو ایک ایک کر کے اپنے سے پہلے رخصت کر دیا تھا سوائے حضرت علی اور حضرت ابوبکر کے۔ ان میں سے حضرت علی تو آپ کے بستر پر لیٹ رہے اور ان کے پیچھے رہنے کی غرض یہ تھی کہ امانتیں وغیرہ ادا کریں جو نبی کریم صلعم کے ذمہ تھیں اور حضرت ابوبکر کو آپ نے ہجرت میں ساتھی بنانے کے لئے چنا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر آپ سے بار بار دریافت کرتے رہتے تھے اور آپ فرماتے تھے کہ ابھی ہجرت کی اجازت مجھے نہیں ملی۔ آخر وہ وقت آیا تو آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لیکر نکلے جس کی طرف ثانی اثنین میں اشارہ ہے اور جو حضرت ابوبکر کی علو مرتبت پر شاہد ہے۔ تیسرا امر تیہ اذ ہما فی الغار کا بیان کیا ہے۔ یہ غار ثور ہے جو مکہ سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ رات کے وقت غار میں جا کر چھپنا کس قدر خطرات سے پر ہے اور غار بھی نہایت بے آباد اور سنسان مقام میں جہاں انسان کا گزر نہیں۔ حضرت ابوبکر اس غار میں پہلے داخل ہوئے اور اس کے سارے سوراخوں وغیرہ کو بند کیا اور ہاتھ پھیر کر اندر سے صاف کیا تب اس بات کا اطمینان کر کے کہ کوئی موذی جانور اندر نہیں نبی کریم صلعم کو اندر داخل ہونے دیا اور اس تاریک پرخطر جگہ میں یہ دونوں ساتھی چھپے۔ آخر کار دن چڑھا کفار کو پتہ لگا ہر طرف تلاش شروع ہوئی سراغ غار کے منہ تک پہنچا ادھر حضرت ابوبکر نے اوپر پاؤں کی آہٹ سنی تو آپ کو نہ اپنے لئے بلکہ اپنے اس پیارے رفیق کے لئے جس کی خاطر سب کچھ قربان کر رکھا تھا۔ فکر ہوا۔ کہ اب گریز کی کوئی جگہ نہیں۔ دو آدمی غار کے اندر ہیں اور دشمنوں کا جتھا اس کے منہ پر۔ اس حالت میں وحی الٰہی کی تسکین کام دیتی ہے۔ ہم دو نہیں بلکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ کیا عجیب شان خداوندی ہے کہ ایک مکڑی غار کے منہ پر جالا تن دیتی ہے اور تلاش کرنے والے سراغ رسانی کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچتے اور وہاں سے جالا دیکھ کر واپس ہو جاتے ہیں۔ مکڑی کا جالا جو اوھن البیوت ہے وہ کام دے جاتا ہے جو ایسے اوقات میں بڑے بڑے مضبوط قلعے نہیں دے سکتے۔ یہ نصرت الٰہی کا نظارہ تھا۔

ایدہ بجنود لم تروہا میں یا تو اشارہ اس وقت نزول ملائکہ کی طرف ہے جنہوں نے آنحضرت اور ابوبکر کو تسکین دی اور یا بعد میں جنگوں میں نزول ملائکہ کی طرف اشارہ ہے کلمۃ الذین کفروا یا کافروں کی بات یہ تھی کہ اسلام کو نیست و نابود کر دیا جائیگا کلمۃ اللہ اسلام کے غلبہ کی پیشگوئیاں تھیں۔

فضیلت ابوبکر

خطاب ثانی اثنین میں۔ ان اللہ معنا میں حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت پر صریح دلیل ہے۔ اہل تشیع کو اس کی بڑی بھاری تاویلیں کرنی پڑی ہیں اللہ کی معیت جو آنحضرت صلعم کو حاصل تھی اس میں حضرت ابوبکر بھی شامل ہیں۔ حضرت ابوبکر کی نصرت کو اللہ تعالیٰ اپنی نصرت قرار دیتا ہے۔

خفاف ثقال

۱۲۹۷ خفافا وثقالا ہلکا ہونا اور بوجھل ہونا کئی طرح سے ہو سکتا ہے اسلئے ان الفاظ کی کئی تاویلات کی گئی ہیں ابن جریر کہتے ہیں کہ خفافا یا ہلکا ہونے میں ہر وہ امر شامل ہے جس کی وجہ سے نکلنا سہل ہو جیسے قوت بدن صحت جسمانی۔ جوانی کی عمر فراخئ مال شغل سے فراغت سواری کا ہونا اور اسکے خلاف جو کچھ ہو۔ وہ ثقال میں داخل ہے جیسے ضعف جسمانی۔ کمزوری۔ بیماری۔ بڑھاپا تنگئ مال۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ ۴۲

اگر فائدہ جلد ملنے والا اور سفر میانہ ہوتا تو ضرور تیرے پیچھے ہو لیتے لیکن مشقت کا سفر انہیں بہت دور کا

الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ

معلوم ہوا اور اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں

وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ ۴۳

ع ۱۳ منافقوں کے پیچھے رہنے کی وجوہات

اور اللہ جانتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں ۱۲۹۵ اللہ تجھے معاف کرے تونے کیوں ان کو اجازت دی یہاں تک کہ جو سچے

لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ۝ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ ۴۴

تجھے وہ تیرے لئے الگ ہو جاتے اور تو جھوٹوں کو بھی جان لیتا ۱۲۹۶ جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں وہ

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

تجھ سے اجازت نہیں مانگتے کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد (نہ) کریں اور اللہ متقیوں کو

بِالْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۴۵

خوب جانتا ہے وہی تجھ سے اجازت چاہتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان نہیں لاتے

وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۝

اور ان کے دل شک میں پڑ گئے ہیں سو وہ اپنے شک میں تردد میں پڑے ہوتے ہیں

صورت معاش کا نہ ہونا وغیرہ مطلب یہ ہے کہ جب ضرورت آپڑے تو جس حال میں بھی ہو نکل پڑو ۔

عرض — **۱۲۹۵** عَرَض۔ عَرْض چوڑائی یا وسعت کو کہتے ہیں اور عَرَض وہ ہے جسے ثبات نہ ہو اسلئے حدیث میں آتا ہے الدنیا عَرَضٌ حاضر پس عرض سے مراد تھوڑی دیر رہنے والا منافع یا مال دنیا ہے تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ (الانفال ۶۷) یاخذون عرض ھذا الادنیٰ (الاعراف - ۱۶۹) (غ) ۔

شُقّۃ ۔ شق — الشقۃ ۔ وہ جانب جسکے پہنچنے میں مشقت اُٹھانی پڑے اور شِق کے معنی مشقت ہیں الا بشق الانفس (غ) ۔

یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو پیچھے رہ گئے یعنی منافقین چنانچہ ایک طرف لاتبعوک صاف بتاتا ہے دوسری طرف ان کا جھوٹی قسمیں کھانا اور پھر اگلے رکوع کا مضمون سب اس پر گواہ ہیں کہ اس رکوع میں منافقوں کا ذکر ہے ۔

عفا اللہ عنک — **۱۲۹۶** عفا اللہ عنک ۔ یہ کلمہ بعض وقت صرف محبت اور تعظیم کے لئے بولا جاتا ہے (د) ایسا ہی موقعہ یہاں ہے جنگ تبوک کی مشکلات کو دیکھکر منافقوں نے جو ہمیشہ جنگوں میں پیچھے رہ جاتے تھے عذر پیش کرکے نبی کریم صلعم سے اجازت مانگی ۔ آپ میں اس قدر حیا تھی کہ آپ نے ان کا پول کھولنا پسند نہ کیا اور ان کو اجازت دیدی ۔ یہ اجازت دینا اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف

٤٦ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ

اور اگر اُن کا نکلنے کا ارادہ ہوتا تو اسکے لئے سامان مہیا کرتے لیکن اللہ نے اُن کا اٹھنا ناپسند کیا سو اُن کو روک دیا اور کہا گیا

٤٧ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا

بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ [١٢٩٧] اگر تم میں مل کر نکلتے تو تم میں سوائے فساد کے کچھ نہ بڑھاتے اور تمہارے اندر تمہارے

خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

لئے دکھ چاہتے ہوئے چغلیاں پھیلاتے پھرتے اور تم میں اُن کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے [١٢٩٨]

نہ تھا۔ بلکہ محض ایک طبعی حیا کی وجہ سے۔ اور در حقیقت ایک نہایت بلند مقام اخلاق تھا جس کو ظاہر کرنے کے لئے یہ فرمایا۔ گویا آپ میں صفت عفو اس قدر غالب ہے کہ اس پر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تجھے بھی معاف کرے یعنی جیسا معاملہ تو لوگوں سے کرتا ہے ایسا ہی اللہ تجھ سے کرے اس میں صدور گناہ کا وہم بھی نہیں پایا جاتا۔ ہاں یہ فرمایا کہ اب موقعہ آچکا تھا کہ یہ منافق الگ ہو جاتے روح المعانی میں علی بن الجہم کا شعر متوکل کی مدح میں نقل کیا ہے جس میں یہی لفظ آتے ہیں عفا اللہ عنک ، و حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا لقد عجبت من یوسف علیہ السلام وکرمہ وصبرہ واللہ تعالیٰ یغفر لہ حین سئل عن البقرات العجاف والسمان مجھے یوسف علیہ السلام پر اور آپ کے کرم اور صبر پر تعجب ہے اور اللہ ان کو بخشے جب ان سے دُبلی اور موٹی گائیوں کے متعلق سوال کیا گیا۔ یہاں ذکر ان کے کرم و صبر کا ہے۔ اور ساتھ دعائے مغفرت ہے مطلب یہی ہے کہ جس طرح اس نے مغفرت سے کام لیا۔ اللہ اس سے مغفرت کرے ۔

عدد | اعداد

[١٢٩٧] اعدوا عُدّۃ دونوں کا مادہ عَدَد ہے اور چونکہ بہتوں کو بھی گننے کی ضرورت پیش آتی ہے اسلئے کثرت پر بھی اس کا استعمال ہوا ہے (قلت کے استعمال کیلئے دیکھو [٢٢٤]) اور اَعْدَدْتُ کے معنی ہیں ایک چیز کو ایسا بنایا کہ دوسرا اس کو شمار میں لائے اور حسب حاجت لے ۔ اعدت للکافرین (البقرۃ ٢ - ٢٤) ، واعد لہم جنات (التوبۃ ٩ - ١٠٠) اعتدنا جہنم للکافرین (الکہف ١٨ - ١٠٢) جو سب تیار کرنے کے معنی میں ہیں اور عُدّۃ وہ شے کثیر ہے جو گنی جائے مال ہو یا ہتھیار (غ) ۔

عُدّۃ

ثبط ۔ ثَبَّطَ کے معنی ہیں روک دیا یا ایک چیز سے ہٹا دیا ۔

تثبیط

مطلب یہ ہے کہ ان کا ارادہ کبھی جنگ کے لئے نکلنے کا ہوا ہی نہیں اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے کوئی تیاری ہی نہیں کی ہاں اللہ تعالیٰ کو بھی انکا نکلنا ناپسند ہی تھا کیونکہ ان سے بوجہ انکی دلی بیماری کے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا۔ انکا نہ اُٹھنا اور ان کا رک رہنا ان کا اپنا فعل ہے مگر اس کو منسوب اللہ تعالیٰ کی طرف کیا ہے کیونکہ ان کے کسی پہلے فعل پر بطور سزا کے اللہ تعالیٰ نے ہی یہ نتیجہ مترتب کیا ہے انکے نکلنے سے کیا نقصان ہوتا وہ اگلی آیت میں بیان کیا ہے ۔

وضع ۔ اوضع | خلل

[١٢٩٨] اوضعوا خلالکم ۔ وَضْع کے معنی رکھنا اور جانور کے تیز چلنے پر بولا جاتا ہے (غ) اوضع اس کو تیز چلایا اور تیز چلنے کے معنی میں بھی آتا ہے ۔ خلال ۔ خَلَل کی جمع ہے دو چیزوں کے درمیان خالی جگہ (غ) ، اوضعوا کا مفعول نمائم مقدر ہے یعنی چغلیاں یا اوضعوا بالنمائم ترکیب ہے اور معنی ہیں سعوا وسطکم بالنمائم ۔

سماع

سماعون لہم ۔ یعنی ان کی خاطر سننے والے یا اس غرض کے لئے بات سننے والے کہ ان کو پہنچائیں ۔ جاسوس ۔

چونکہ فی الواقع یہ لوگ مسلمانوں کی تباہی چاہتے تھے ۔ اسلئے اگر وہ نکلتے تو فساد پھیلانے کی ہی کوشش کرتے پس ان کا

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتّٰى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ ۴۸

یقیناً انہوں نے پہلے بھی دکھ میں ڈالنا چاہا تھا اور تیرے لئے تدبیریں کرتے رہے یہاں تک کہ حق آگیا اور اللہ کا حکم

أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ○ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا ۴۹

غالب رہا اور وہ برا مانتے ہی رہے ۱۲۹۹ اور اُن میں سے وہ بھی ہے جو کہتا ہے مجھے اجازت دیجئے اور مجھے دکھ میں نہ ڈالئے دیکھو

فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ○ إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ ۵۰

دکھ میں تو یہ پڑ ہی گئے اور دوزخ یقیناً کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۱۳۰۰ اگر تجھے بھلائی پہنچے انہیں

تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا

برا لگتا ہے اور اگر تجھے تکلیف پہنچے کہتے ہیں ہم نے اپنا کام پہلے ہی ٹھیک کر لیا تھا اور وہ پھر جاتے ہیں اس حال میں

وَهُمْ فَرِحُونَ ○ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ ۵۱

کہ وہ خوشیاں منا رہے ہوتے ہیں کہہ دے ہم کو ہرگز کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ پر ہی

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ ۵۲

مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے ۱۳۰۱ کہو تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ہی ایک کا انتظار کرتے ہو

نہ نکلنا بہتری کا موجب ہی تھا۔ گو ان کا یہ فعل مستحسن نہیں ٭

تقلیب الامور

۱۲۹۹ قلبوا لک الامور۔ تقلیب الامور یعنی امور کے ہیر پھیر کے معنی محاورہ میں تدابیر (ع) کیونکہ تدبیر میں معاملات کے سب پہلوؤں پر غور کیا جاتا ہے۔ مراد ان کی منصوبہ بازیاں اور سازشیں ہیں جو نبی کریم صلعم کے خلاف کرتے رہتے تھے ٭

امر اللہ جو اللہ نے پہلے فرمادیا تھا۔ اللہ کا حکم۔ وہی آخر کار غالب رہا ٭

۱۳۰۰ روایت ہے کہ بعض منافقوں نے یہ عذر بنا لیا کہ عیسائیوں کی عورتیں خوبصورت ہیں ہم ان کے ساتھ جنگ کرنے جائینگے تو ان کی وجہ سے فتنہ میں پڑ جائینگے لیکن یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ آپ کے ساتھ نکلنے سے مال و عیال ہلاک ہو جائیگا ہمیں اس تکلیف میں نہ ڈالئے۔ جواب میں فرمایا دکھوں میں تو اپنے افعال سے پڑ چکے ہیں یعنی اس دنیا میں بھی دکھوں میں مبتلا ہونگے اور پھر جہنم آئندہ زندگی میں ہے ٭

۱۳۰۱ یعنی تم ہم کو مصیبت پہنچانے پر قادر نہیں مگر چونکہ بعض مصائب انسان کی ترقی کے لئے ضروری ہوتی ہیں اس لئے فرمایا کہ ایسی مصائب جو اللہ نے ہمارے لئے مقدر کر رکھی ہیں ان کو ہم خوشی سے اٹھانے کو تیار ہیں کیونکہ وہ ہماری بہتری کا موجب ہیں۔ ھو مولٰنا میں اسی طرف اشارہ ہے ٭

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ أَوْ بِأَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا

اور ہم تمہارے حق میں انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب (دیا) اپنی طرف سے لائے یا ہمارے ہاتھوں سو انتظار کرو

۵۳ إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝ قُلْ أَنْفِقُوْا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۖ

ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالے ہیں ۱۳۰۲ کہہ دے خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا

۵۴ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ

کیونکہ تم نافرمان قوم ہو ۱۳۰۳ اور کوئی چیز انکے حق میں مانع نہیں ہوئی کہ اُن کے کئے ہوئے خرچ ان سے قبول کئے جائیں سوائے

كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا

اس کے کہ وہ اللہ کا اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور نماز کو نہیں آتے مگر اس حال میں کہ وہ سست ہوں اور خرچ

يُنْفِقُوْنَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝

نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہوں ۱۳۰۴

مسلمانوں کیلئے دو بھلائیاں

۱۳۰۲ احدی الحسنیین۔ دو بھلائیوں میں سے ایک۔ منافق کبھی تو خیال کرتے تھے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے مارے جائینگے کبھی نصرتوں کو دیکھکر سمجھتے تھے کہ کامیاب ہو جائینگے ان دونوں باتوں کو مسلمانوں کے حق میں بھلائی فرمایا اس لئے کہ اگر کفار کے ہاتھ سے مارے جائیں تو بہرحال مقصد زندگی تو حاصل کر لیا کہ حق کی خاطر اپنی جانیں دیدیں۔ نتیجہ تو پھر بھی اچھا ہوا۔ اور یا نصرت الٰہی کے ساتھ حق پھیل گیا اور کامیاب ہو گئے تو یہ بھی بھلائی ہے۔ دنیا کے مال کی خاطر دنیا کی عزت کی خاطر دنیا کی حکومت کی خاطر وہ جنگ نہ کرتے تھے جوان کا مارا جانا حصول مقصد زندگی کے منافی ہوتا لیکن بالمقابل منافقوں کے لئے عذاب ہی تھا کیونکہ اگر مسلمان مارے بھی جائیں تو بھی منافقوں کو اس سے فائدہ نہ تھا بلکہ ضرور تھا کہ وہ اپنے اعمال بد کی سزا پاتے۔ یہ عذاب من عندہ ہے اور اگر مسلمان کامیاب ہوں تو پھر جو کچھ منصوبے مسلمانوں کی تباہی کے منافقوں نے کئے ضرور تھا کہ ان کی پاداش میں سزا پاتے۔ اس کی طرف بایدینا میں اشارہ ہے ✦

۱۳۰۳ منافق کھلی مخالفت تو کر نہ سکتے تھے اس لئے کچھ نہ کچھ مال بھی ان کو خرچ کرنا پڑتا تھا اور بعض وقت جنگوں میں بھی نکلنا پڑتا تھا۔ مگر چونکہ اخلاص نہ تھا اللہ کے ہاں ان اعمال کی قدر کوئی نہ تھی ✦

نماز میں سستی

۱۳۰۴ نہ اللہ سے کوئی تعلق۔ کیونکہ نماز بھی مجبوری کی پڑھتے ہیں۔ نہ مسلمانوں سے حقیقی تعلق کیونکہ خرچ اخلاص سے نہیں کرتے بلکہ محض بحالت مجبوری کہ اپنے آپ کو ظاہر مسلمان کرتے ہیں یہی بات ان کے نفقات کے نہ قبول ہونے کا موجب ہو گئی۔ کیونکہ قبول اخلاص ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں سستی یعنی ایسی حالت کہ انسان بوجھ سمجھکر نماز پڑھے علامت نفاق ہے ✦

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي ۵۵

سو ان کے مال تجھے تعجب میں نہ ڈالیں اور نہ اُن کی اولاد ہی اللہ کا صرف یہ ارادہ ہے کہ ان کی وجہ سے ان کو دنیا کی زندگی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ ۵۶

میں عذاب دے۔ اور اُن کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں [۱۳۰۵] اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں

اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ط وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ○ لَوْ يَجِدُوْنَ ۵۷

کہ وہ تمہیں میں سے ہیں اور وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو ڈر رہے ہیں [۱۳۰۶] اگر کوئی پناہ

مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ○ وَمِنْهُمْ ۵۸

کی جگہ یا غاریں یا گھسنے کی جگہ پائیں تو وہ اسکی طرف پھر جائیں اس حال میں کہ بے قابو ہو کر دوڑ رہے ہوں [۱۳۰۷] اور اُن میں

مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ج فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا

وہ بھی ہے جو صدقات (کے بانٹنے) میں تجھے طعنہ دیتا ہے سو اگر ان میں سے ان کو دے دیا جاتے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان میں سے انکو نہ دیا جائے

مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ لا ۵۹

تو فوراً غصہ سے بھر جاتے ہیں [۱۳۰۸] اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ اور اس کے رسول نے انکو دیا تھا

منافقوں پر مال و اولاد کا عذاب

[۱۳۰۵] اللہ تعالیٰ کا مال اور اولاد کے ذریعہ ان منافقوں کو عذاب دینا یوں تھا کہ انکو مال جنگوں وغیرہ میں خرچ کرنا پڑتا تھا اور زکوٰۃ بھی دینی پڑتی تھی لیکن چونکہ دل سے یہ نہ چاہتے تھے اسلئے یہ خرچ ان کے لئے عذاب کا موجب ہو رہا تھا۔ اور انکی اولاد کی وجہ سے یوں عذاب تھا کہ وہ لوگ دین اسلام کے خادم تھے اور اپنی جانیں خدا کی راہ میں دیتے تھے جس اسلام کو وہ خود نیست و نابود کرنے کے منصوبے کرتے تھے اسی کی خاطر ان کی اولاد اپنی جانیں قربان کر رہی تھی۔ عبداللہ بن ابی کا لڑکا عبداللہ مخلص مومن تھا۔

فرق

[۱۳۰۶] یفرقون۔ فرق کے معنی الگ ہونا ہیں۔ اسی سے اس سے حالت مفارقت یعنی خوف بھی فرق کے معنی آتے ہیں۔ راغب کہتے ہیں فرق خوف کو اسلئے کہا جاتا ہے کہ دل کی حالت خوف سے پراگندگی کی ہوتی ہے یعنی ان کا قسمیں کھانا کہ ہم مسلمان ہیں محض خوف کی وجہ سے ہے۔ ورنہ دلوں میں کفر بھرا ہوا ہے مسلمانوں کے مقابلہ کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اظہار مخالفت نہیں کرتے۔

لجأ

[۱۳۰۷] ملجأ۔ لجأ کے معنی کسی چیز کی پناہ لینا یا اس سے ٹیک لگانا (ل)، اسی سے التجا ہے۔

دخل

مُدَّخلًا۔ اِدَّخَلَ کے معنی ہیں اِجْتَهَدَ فِی دخولہ داخل ہونے میں زور لگایا۔ اسی سے مُدَّخل ہے (غ)۔

جمح

یجمحون۔ جمح کا اصل استعمال گھوڑے پر ہے جب وہ چلنے میں نشاط کی وجہ سے سوار پر غالب آجائے یعنی اسکے قابو سے نکل جائے (غ)

لمز۔ لمزۃ

[۱۳۰۸] یلمز۔ لمز کے معنی پیٹھ کے پیچھے بات کا کہنا اور معائب کے پیچھے لگنا ولا تلمزوا انفسکم (الحجرات [۴۹]-۱۱) اور لُمَزۃ وہ ہے جو کثرت سے دوسروں کی عیب شماری کرے ویل لکل ھمزۃ لمزۃ (الھمزۃ [۱۰۴]-۱)۔

سخط

یسخطون۔ سَخَط اور سُخْط غضب شدید کو کہتے ہیں جس کا اقتضاء عقوبت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف انزال عقوبت ہی کمن باء بسخط من اللہ (آل عمران [۳]-۱۶۲)

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ

اور کہتے اللہ ہمارے لئے بس ہے اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (اور بھی) ہم کو دے گا ہم تو اللہ کی طرف ہی

۶۰ رٰغِبُوْنَ ۝ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ

رغبت رکھنے والے ہیں ۱۳۰۹ صدقات صرف ناداروں کے لئے ہیں اور مسکینوں (کے لئے) اور کارکنوں (کے لئے) جو ان (صدقات) پر مقرر ہیں اور

الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً

(ان کے لئے) جنکی تالیف قلوب ضروری ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں کیلئے اور اللہ کی راہ میں (خرچ کرنے کیلئے) اور مسافر (کیلئے) یہ اللہ کی طرف

۶۱ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ

سے ضروری ٹھیرایا گیا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۱۳۱۰ اور ان میں سے وہ لوگ ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں

ع ۱۳ منافقوں کی ایذا رسانی

۱۳۰۹ مطلب یہ ہے کہ اسلام کی اصل غرض کوئی مال لوگوں کو دینا تو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا اور اسکی رضا کیطرف قدم بڑھانا ہے پس ان کو چاہیئے تھا کہ اصل غرض کو مقدم رکھتے۔ ہاں اسلام نے دنیوی زندگی کے لئے بھی اعلیٰ درجہ کے اصول قایم کردیئے ہیں منجملہ انکے غربا کی خبر گیری ہے سو وہ بھی ہوتی رہتی ہے مگر جس شخص نے مال کو ہی زندگی کا مقصد قرار دے لیا وہ اصل راہ کو چھوڑ کر دور نکل گیا ✣

صدقۃ

۱۳۱۰ صدقات۔ صَدَقَة وہ ہے جو انسان اپنے مال سے قرب حاصل کرنے کیلئے خرچ کرے اور اصل میں صدقہ اسے کہا جاتا ہے جو بطور تطوّع دیا جائے یعنی اپنی خوشی سے یا نفل کے طور پر اور جس کا دینا واجب ہے اسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے لیکن بعض وقت بلحاظ اصل معنی کے زکوٰۃ کو بھی صدقہ کہا جاتا ہے جب اس کا دینے والا صدق کا طالب ہو جیسے خذ من اموالہم صدقۃ تطہرھم وتزکیہم بہا (۱۰۳) یہاں بھی زکوٰۃ ہی مراد ہے (غ) کیونکہ جو نفل صدقات ہوں وہ ہر انسان جس طرح چاہے دے سکتا ہے معین تقسیم اسی کی ہو سکتی ہے جو بیت المال میں داخل ہو اور یہ زکوٰۃ ہی ہے ✣

خرچ زکوٰۃ کی مدات

منافقوں کی ایذا رسانی کا ذکر کرتے ہوئے پچھلے رکوع کے آخر پر فرمایا تھا کہ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو مال زکوٰۃ کی تقسیم میں آنحضرت صلعم پر طعن کرتے ہیں کہ فلاں کو دیا فلاں کو نہ دیا اسلئے یہاں بتایا ہے کہ زکوٰۃ (صدقات سے یہاں خاص مال زکوٰۃ ہی مراد ہے کیونکہ یہی صدقات بیت المال میں جمع ہوتے تھے اور انہی کی تقسیم پر طعن ہو سکتا تھا) کی تقسیم کس طرح ہو۔ اس خرچ کی یہاں آٹھ مدات بیان کی ہیں۔ پہلے فقرا یعنی نادار لوگ۔ دوسرے مسکین جو گو بالکل نادار تو نہ ہوں مگر بغیر امداد اپنی روزی کمانے کے قابل نہ ہو سکیں مثلاً اہل حرفہ کے لئے خاص ہتھیار۔ طالبعلموں کے لئے ذرائع حصول علم کا مہیا کرنا وغیرہ امام شافعی نے فقیر اور مسکین میں اسی کے قریب قریب فرق بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں فقیر وہ ہے جسکے پاس نہ مال ہو نہ اسکے ہاتھ میں کوئی کسب ہو اور مسکین وہ ہے جسکے پاس مال یا کسب تو ہو مگر اس کی ضروریات کیلئے مکتفی نہ ہو اس پر انہوں نے قرآن کریم کی آیت واما السفینۃ فکانت لمساکین (الکہف ۱۸ - ۷۹) کو پیش کیا ہے کیونکہ جنکے پاس کشتی تھی وہ نادار نہ تھے تیسرے وہ لوگ جو صدقات کے انتظام پر متعین ہوں جیسے مال زکوٰۃ جمع کرنے والے اسکے تقسیم کرنیوالے چوتھے مؤلفۃ القلوب یعنی ایسے لوگ جنکے دلوں سے تنفر دور کرنا مقصود ہو اور انکے دلوں کو حق کی طرف مائل کرنا ہو۔ روح المعانی میں ہے کہ اس میں تین گروہ آتے ہیں اول ایسے لوگ جو اسلام نہیں لائے اور انکو اسلام کے قریب لانے کی ضرورت ہے انکو مال دینے کی غرض یہ نہیں کہ پیسوں سے ان کا ایمان خرید لیا جائے

فقیر اور مسکین میں فرق

عاملین

مؤلفۃ القلوب

وَيَقُوْلُوْنَ

اور کہتے ہیں

ایمان کو اسلام ایک لمحہ کیلئے نہیں چاہتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حصول تعلیم اسلام کے لئے یا اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے ان کو مدد دینے کی ضرورت ہو تو دی جائے دوم وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں مگر ان کا ایمان ابھی کمزور ہے یعنی نومسلموں کی امداد اور ان کو تعلیم اسلام میں مضبوط کرنا۔ سوم وہ لوگ جنکے شر سے اسلام کو بچانا مقصود ہو۔ پانچویں فی الرقاب جسکے معنی گردنوں کا آزاد کرنا ہیں۔ اور یہ تین طرح پر ہو سکتا تھا اول یہ کہ حکومت کی طرف سے ان لوگوں کی امداد کی جائے جو غلامی کی حالت سے نکلنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اسلام نے غلام کو یہ حق دیا تھا کہ وہ اپنے مالک سے مکاتبہ کرے لیکن اس کی آزادی مشروط ہوا سبات پر کہ ایک خاص رقم مالک کو جمع کر کے دے تو اس میں امداد دینا یا اس رقم کا مہیا کر دینا حکومت کا فرض ٹھہرایا کہ وہ بیت المال سے ان لوگوں کی امداد کرے۔ دوم یہ کہ حکومت خود مالکوں سے غلام خرید کر ان کو آزاد کرے۔ سوم یہ کہ اس سے اسیران جنگ کا فدیہ ادا کیا جائے۔ وہ اسیران جنگ ظاہر ہے کہ دشمن قوم میں سے اور پھر غیر مسلم ہونگے یہ تعلیم اسلامی کی وسعت ہے۔ چھٹے قرضداروں کا قرضہ ادا کرنے کیلئے یا جن پر جرمانہ ہو گیا ہو ان کا جرمانہ ادا کرنے کیلئے۔ ساتویں فی سبیل اللّٰہ یعنی جہاد کیلئے خواہ وہ جہاد قلمی ہو یا سیفی۔ کفار کے حملوں سے اپنے مذہب کو محفوظ کرنے کیلئے اور اصول حقہ کو کافروں میں پھیلانے کیلئے۔ خدا کی راہ میں جہاد کرنیوالے کو مال زکوٰۃ لینا جائز ہے گو وہ غنی ہو کیونکہ اس کی غرض اس مال کو دشمنوں کے مقابلہ میں خرچ کرنا ہے۔ آٹھویں مسافر کے لئے۔ کیونکہ اپنے گھر سے باہر وہ بھی مفلس کے حکم میں ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ مراد اس سے ایسا مسافر ہے جو محتاج امداد ہو۔

غلاموں کا آزاد کرنا — **قرضدار** — **جہاد قلمی یا سیفی کرنے والے** — **مسافر**

فریضہ زکوٰۃ سے مسلمانوں کی غفلت

فریضۂ زکوٰۃ ایک ایسا فریضہ تھا جو مسلمانوں کی ساری قومی ضروریات کا متکفل ہو سکتا تھا مگر آج اس کی یہ حالت ہے کہ اول تو مسلمان مال زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں تو اس کے ایک جگہ جمع ہو کر ضروریات قومی پر خرچ ہونے کا کوئی انتظام نہیں بلکہ عموماً اپنے طور پر اور اکثر اوقات غیر مستحق لوگوں میں وہ مال تقسیم ہو کر اصل غرض اس فریضہ کی ضائع ہو جاتی ہے۔ فریضۂ زکوٰۃ ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا انتظام تقسیم دولت ہے کہ جسکے نہ ہونے کی وجہ سے یورپ کو طرح طرح کی مصائب کا سامنا درپیش ہے جن مصائب کا علاج سوائے زکوٰۃ کے اور کچھ نہیں۔ اور سوشلزم اور بولشوزم محض دھوکہ دینے والے خیالات ہیں جو عملی رنگ میں کبھی قائم نہیں ہو سکتے۔

تقسیم دولت کا مسئلہ

تقسیم دولت کے مسئلہ میں یورپ کو جو سب سے بڑی مشکل پیش آئی ہے وہ یہ ہے کہ دولت کا رجحان یہ ہے کہ چند ہاتھوں میں زیادہ مقدار میں جمع ہوتی چلی جائے اور بیشتر حصہ نسل انسانی میں غربت یا مسکنت کی حالت رہے یا ایسی حالت کہ بمشکل وہ اپنی گزر کرنے کے قابل ہوں۔ اس کا علاج اسلام نے طرح طرح کے رنگوں میں کیا ہے انہی علاجوں میں سے ایک علاج زکوٰۃ ہے کہ اغنیا کی دولت میں سے ہر سال چالیسواں حصہ نکل کر غربا میں تقسیم ہوتا رہے دوسرے دو علاج ایک تقسیم وراثت ہے اور دوسرا ممانعت سود۔

بیت المال کی ضرورت

مسلمانوں کے کل قومی کام آج صرف ایک فریضۂ زکوٰۃ کے قیام پر ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اسکے جمع کرنے کا کوئی انتظام ہو۔ قرآن کریم نے تو زکوٰۃ کو ایک جگہ جمع کرنے کی ضرورت یہانتک مقدم کی ہے کہ اخراجات زکوٰۃ میں ایک مد خصوصیت سے کارکنان زکوٰۃ کی قائم کر دی ہے جس پر خرچ کرنا ضروری ٹھہرایا ہے۔ گویا قرآن کریم کوئی حالت زکوٰۃ ایسی فرض نہیں کرتا کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ آپ ادا کرے بلکہ اس کا قومی بیت المال میں جمع ہونا اور پھر وہاں سے تقسیم ہونا ضروری ہے کاش مسلمان اس طرف توجہ کریں۔

اشاعت اسلام اور تعلیم پر زکوٰۃ کا خرچ کرنا

پھر مسلمانوں کی سب سے بڑی دو قومی ضرورتیں اس وقت ہیں ایک اشاعت اسلام دوسرے تعلیم ہر قسم کی۔ سو یہ دونوں کام زکوٰۃ کے مصارف میں داخل ہیں اور آج اگر زکوٰۃ کا روپیہ ایک جگہ جمع ہو تو مسلمانوں کے یہ دونوں کام عمدہ طور پر سرانجام پا سکتے ہیں۔ اشاعت اسلام پر تو آج زکوٰۃ کا روپیہ بالکل صرف نہیں ہوتا کیونکہ اس کا کوئی قومی انتظام ہی مسلمانوں

هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ

یہ کان (کا کچا) ہے۔ کہدے تمہاری بھلائی کے لئے ہی کان (دھرتا) ہی اللہ پر ایمان لاتا ہے اور مومنوں کی بات کو مانتا ہی اور ان لوگوں

الثلثة

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

کے لئے رحمت ہی جو تم میں سے ایمان لائے اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے ۱۳۱۱

۶۲ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا

تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو خوش رکھیں اور اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہیں کہ اس کو راضی کریں اگر وہ

۶۳ مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ

مومن ہیں ۱۳۱۲ کیا ان کو معلوم نہیں ہوا کہ

ے نہیں رکھا۔ حالانکہ فی سبیل اللہ کا لفظ خصوصیت سے اشاعت اسلام کے لئے موجود ہی اور تعلیم پر شاید علماء کا فتویٰ نہیں مگر میں کہتا ہوں کہ اگر اغنیا سے تعلیم کی فیس لی جائے اور تعلیم کا خرچ کل زکوٰۃ سے ادا کیا جائے تو اس طرح زکوٰۃ کا مصرف صرف غیر اغنیا کیلئے رہ گیا اس میں کونسا محذور لازم آتا ہی اصول تقسیم زکوٰۃ کہ اس کا خرچ عموماً غیر اغنیا کے لئے ہو قائم رہ گیا۔ اور ظاہر ہے کہ بیشتر حصہ مسلمان آبادی کا بلحاظ ضرورت تعلیم مساکین میں داخل ہی +

یتامیٰ اور زکوٰۃ

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہی کہ یتامیٰ پر زکوٰۃ کا روپیہ خرچ نہیں ہو سکتا۔ یہ انہوں نے اس سے قیاس کیا ہی کہ یتامیٰ کی مد مصارف زکوٰۃ میں نظر نہیں آتی حالانکہ اس کی وجہ صرف یہ ہی کہ یتامیٰ غنی بھی ہوتے ہیں اور فقیر بھی اسلئے یتامیٰ کی مد قائم کرنا درست نہ تھا۔ ہاں جو یتیم فقرا یا مساکین یا اور کسی مد میں آتے ہوں وہ اس مد کی ذیل میں زکوٰۃ کے مستحق ہیں +

اُذن

آنحضرت کا حسن ظن اور حیا

۱۳۱۱ اُذُن کے اصل معنی تو کان ہی ہیں مگر بطور استعارہ اس کا استعمال اس شخص پر بھی ہوتا ہی جو بات کو سنکر اسے فوراً قبول کرلے (غ) منافقوں کی مراد آنحضرت صلعم کو اُذُن کہنے سے یہی تھی کہ ہم جب آپ کے سامنے جا کر قسم کھا لیتے ہیں تو ہماری بات کا اعتبار کر لیتے ہیں اسلئے آپ کی غیبت میں ہم جو چاہیں کہیں اور جو چاہیں کریں جب سامنے جائینگے اور کہدینگے کہ ہمارا منشا یہ تھا تو آپ اس بات کو مان لینگے۔ درحقیقت یہ امر نبی کریم صلعم کے خُلق عظیم میں سے تھا کہ آپ ان لوگوں کی طرح نہ تھے کہ کوئی بات کرے تو فوراً کہدیتے ہیں کہ تو جھوٹ کہتا ہی حسن ظن اور حیا آپ کی طبیعت میں غالب امور تھے۔ چنانچہ اسی کے مطابق ان کی اس بات کا جواب دیا ہی کہ اگر آپ بات کو سنکر مان لیتے ہیں تو یہ تو تمہاری ہی بھلائی کیلئے ہی ایسا خُلق دیکھکر تو چاہیئے تھا کہ تم آپ پر ایمان لاتے نہ یہ کہ اور ایذا دیتے اور آپ کا مان لینا محض بلحاظ رحمت کے ہی کیونکہ وہ مومنوں کیلئے رحمت ہی یعنی محض تم پر شفقت جبلی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ حق و باطل میں تمیز ہی نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ بعض کان کے کچے لوگ ہوتے ہیں کہ جو بات سنی اس کو لے دوڑے تحقیق اور تمیز کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہی اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات ۴۹: ۶) اگر ایک فاسق کوئی خبر تمہارے پاس لائے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو تحقیق کرنا اور امر ہی اور دوسرے کو جھوٹا کہدینا اور امر +

۱۳۱۲ یرضوہ پیچھے اللہ اور رسول دونوں کا ذکر ہی مگر یہاں ضمیر واحد ہی اسلئے کہ اصل رضا اللہ تعالیٰ کی ہی مطلوب ہی بشر کی ناراضگی بلاوجہ بھی ہو سکتی ہی۔ گو وہ رسول ہی ہو کیونکہ اسے غلطی لگ سکتی ہی۔ اور دوسرے رسول کی اطاعت فی الحقیقت اللہ کی اطاعت میں داخل ہے۔

مَنْ يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝

جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے اسی میں رہے گا یہ بڑی رسوائی ہے ۱۳۱۳

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ ۶۴

منافق ڈرتے ہیں کہ اُن پر کوئی سورت اتاری جائے جو اُن کو ان باتوں کی خبر دے جو اُنکے دلوں میں ہیں کہہ دے

اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا ۶۵

ہنسی کئے جاؤ اللہ ضرور اس کو باہر نکالنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو ۱۳۱۴ اور اگر تو اُن سے سوال کرے تو کہیں گے ہم تو

كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

یوں ہی باتیں اور دل لگی کرتے تھے کہہ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے ۱۳۱۵

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ ۶۶

بہانے نہ بناؤ تم نے یقیناً اپنے ایمان کے بعد کفر کیا اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کریں گے

مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

تو ایک گروہ کو عذاب دیں گے اس لئے کہ وہ مجرم تھے ۱۳۱۶

حدّ۔ محادّۃ

۱۳۱۳ یحادد۔ حدّ سے ہے جس کے ایک معنی حدت کے ہیں پس محادّۃ ایک دوسرے سے عداوت اور مخالفت کی جانب میں ہو جانا ہے اسی طرح یشاقق کا لفظ ہے ایک شق میں ہو جانا دل، اسی طرح محادّۃ ہے کہ عداوۃ بھی ایک کنارہ کو کہتے ہیں۔ راغب نے اس معنی کی وجہ ممانعت یا استعمال حدیدی ہے اور ممانعت کے معنی حد میں شامل ہیں +

۱۳۱۴ ینزل علیہم میں ضمیر مومنوں کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور منافق بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ جو کچھ نازل ہونا تھا وہ ان پر بھی نازل ہونا تھا۔ اسی طرح تنبئہم میں ضمیر دونوں طرف ہو سکتی ہے۔ منافقوں کا یہ حذر بھی بطور استہزاء تھا جیسا کہ قل استہزؤا سے ظاہر ہے

خوض

۱۳۱۵ خوض اصل میں کسی چیز میں داخل ہونے کو کہتے ہیں جیسے پانی یا کیچڑ۔ اسلئے کسی ایسے امر میں داخل ہونے پر بولا جاتا ہے جو انسان کو ملوث کرے۔ اکثر استعمال اس کا قرآن شریف میں ذم کے موقعہ پر ہی ہوا ہے۔ یہاں بتایا ہے کہ بعض منافق یہ بھی عذر کر دیتے ہیں آج بعض لوگ ان امور دینی میں ہنسی کرتے ہیں اور ان کا ذکر ایک مشغلہ کے طور پر کرتے ہیں۔ وہ غور کریں کہ جو کچھ منافقوں کے متعلق قرآن شریف نے فرمایا تھا اسکے مصداق وہ ہو رہے ہیں +

عذر۔ اعتذار

۱۳۱۶ تعتذروا۔ عُذر اس چیز کا قصد کرنا ہے جس سے گناہ مٹ جائے اور اعتذر کے معنی عذر پیش کیا اور عذر کے معنی اس کا عذر قبول کیا۔ اور اعذر کے معنی ایسی بات پیش کی جس سے معذور ہو گیا۔ اور راغب نے ایک قول نقل کیا ہے کہ عُذر کا لفظ عذرۃ سے ماخوذ ہے جو نجس شے کو کہا جاتا ہے اور عذرت فلانا کے معنی ہیں اسکے گناہ کی نجاست کو عفو سے دور کیا (غ) +

منافقوں کی آخری علیحدگی

یہ ایک پیشگوئی تھی جو پوری ہوئی منافقوں کا اکثر حصہ اسلام میں شامل ہو گیا کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اس حالت نفاق کی

رکوع ۹ — نفاق کا انجام ہلاکت ہے

۶۷ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک سے ہی ہیں وہ برے کام کرنے کو کہتے ہیں اور اچھے کاموں

الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ

سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں انہوں نے اللہ کو چھوڑ دیا سو اللہ نے ان کو چھوڑ دیا بیشک منافق

۶۸ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

نافرمان ہیں ۱۳۱۷ اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہے اسی میں

۶۹ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ كَالَّذِيْنَ مِنْ

رہیں گے وہ اُن کو کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی اور اُنکے لئے قایم رہنے والا عذاب ہے (تم منافق بھی) ان کی طرح ہو جو

قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ

تم سے پہلے ہو چکے وہ تم سے طاقت میں زیادہ اور مالوں اور اولاد میں بڑھ کر تھے سو انہوں نے اپنے حصہ سے تھوڑا فائدہ اٹھایا

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ

پس تم بھی اپنے حصہ سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیتے ہو جیسے اُن لوگوں نے جو تم سے پہلے تھے اپنے حصہ سے تھوڑا سا فائدہ اٹھایا

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ

اور تم بیہودہ باتوں میں لگے رہے اس کی مثل جن میں وہ لگے رہے ۱۳۱۸

ترک نہ کیا ان کو بالآخر مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس طرح پر کہ نبی کریم صلعم نے خطبہ میں انکے نام لیکر ظاہر کر دیا اور ان کو مسجد سے نکال دیا گیا۔ اور ان سے زکوٰۃ نہ لی جاتی تھی یہی وہ عذاب تھا جو ان کو دیا گیا +

بعضہم من بعض — ۱۳۱۷ بعضہم من بعض بلفظی معنی ہیں بعض ان کے بعض میں سے ہیں۔ مگر مراد ان کا تشابہ ہے جس طرح ایک ہی چیز کے مختلف اجزا میں تشابہ ہوتا ہے گویا وہ سب ایک ہی ہیں کیا مرد اور کیا عورتیں +

قبض — یقبضون ایدیہم قَبْض کے معنی ہیں کسی چیز کا پورے کف سے لے لینا اور کسی شے پر قَبْضُ الْیَدِ سے مراد اس کا جمع رکھنا ہے اسکے لے لینے کے بعد اور یقبضون ایدیہم کے معنی ہیں خرچ کرنے سے رکتے ہیں (غ) +

نسوا اللہ فنسیہم میں بتا دیا کہ جس طرح کا فعل انسان کرتا ہے اسی طرح کی سزا اللہ کی طرف سے ملتی ہے یہاں نسی بمعنی ترک ہے دیکھو ۶۷ +

۱۳۱۸ کالذی خاضوا کی ترکیب دو طرح ہو سکتی ہے کالخوض الذی خاضوہ۔ یا الذی کی اصل الذین ہے اور نون تخفیف کے لئے گرا دیا گیا ہے اور مراد ہے کالذین خاضوا +

أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○

اُن کے عمل دنیا اور آخرت میں ضایع ہوگئے اور یہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۙ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ ۷۰

کیا اُن کے پاس ان کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے تھے نوح کی قوم کی اور عاد کی اور ثمود کی اور ابراہیم کی قوم کی

وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ

اور مدین کے رہنے والوں کی اور تباہ شدہ بستیوں کی ان کے رسول اُن کے پاس دلائل لے کر آئے سو اللہ ایسا

اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ وَالْمُؤْمِنُونَ وَ ۷۱

نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرے بلکہ وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے تھے ۱۳۱۹ اور مومن مرد اور

وقف لازم

الْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور برے کاموں سے

الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ

روکتے ہیں اور نماز قایم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں

أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ ۷۲

ان پر اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے اللہ نے مومن مردوں اور مومن

وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي

عورتوں سے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہیں میں رہیں گے اور ہمیشگی کے باغوں میں پاکیزہ

جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ ع يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ۷۳

ع ۸ ۱۶

رہنے کی جگہوں کا اور اللہ کی رضا سب سے بڑھ کر (نعمت) ہے یہی بڑی بھاری کامیابی ہے ۱۳۲۰ اے نبی

منافقوں سے جہاد

مؤتفکۃ ائتفاک

۱۳۱۹ المؤتفکات۔ مؤتفکۃ کی جمع ہے اور ائتفاک کے معنی (جو افک سے ہے) انقلاب ہیں اور مراد اس سے ہے سب لوگ جو ہلاک ہوئے اور نضر بن انس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا اے بیٹے بصرہ میں نہ اُترنا کیونکہ احدی المؤتفکات اور بعض نے اسے صرف لوط کی بستیوں سے خاص کیا ہے (ل) اور مفردات میں ہے کہ مؤتفکۃ وہ ہوائیں ہیں جو اپنے چلنے سے پھر جائیں +

عدن

۱۳۲۰ عدن۔ عدن بمکان کے معنی ہیں استقر یعنی مکان میں استقرار پکڑا پس جنات عدن وہ باغ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہینگے

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ

کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور انکے مقابلہ میں شدت اختیار کر اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بڑی جگہ ہے ۱۳۲۱

یعنی ان سے کبھی نکالے نہ جائینگے۔ اسی سے معدن ہے (غ)۔

رضوان

بہشت کی سب سے بڑی نعمت

رضوان من اللہ اکبر۔ اللہ کی رضا کو یہاں جنت کی سب سے بڑی نعمت فرمایا ہے۔ ابو سعید خدری کی حدیث جو بخاری اور مسلم میں ہے اسی کی موید ہے۔ یہ ایک فیصلہ کن دلیل ہے کہ مسلمانوں کا بہشت کیسی چیز ہے جس کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالےٰ کی رضا کا حصول ہے۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ کی رضا مومن کو اس دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔ اور صحابہ کے متعلق تو نص صریح ہے رضی اللہ عنہم پس مومن کی جنت اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے۔ اور وہ جنت وہی چیز ہے جس میں مومن اور غیر مومن کا اشتراک نہیں۔ دنیا کی لذات فانی میں تو نہ صرف اشتراک موجود ہے بلکہ بعض وقت کفار اس سے زیادہ حظ اٹھا لیتے ہیں مومنوں کا ذکر ان دو آیات میں کفار کے مقابلہ کے لئے کیا جن کا ذکر منافقین کی تنبیہ کے لئے آگیا تھا کہ تمہارا انجام بھی اسی طرح برا ہوگا جس طرح تم سے پہلے کفار کا انجام برا ہوا۔

جہد جہاد

جہاد تین طرح پر ہے

۱۳۲۱ جاھد جھد سے ہے جس کے معنی زور لگانا کوشش کرنا ہیں۔ اور جہاد اور مجاھدۃ دشمن کی مدافعت میں اپنی طاقت کا خرچ کرنا ہے۔ راغب کہتے ہیں جہاد تین طرح پر ہے۔ دشمن ظاہری سے مجاہدہ اور شیطان سے مجاہدہ اور اپنے نفس سے مجاہدہ۔ اور جاھدوا فی اللہ حق جہادہ۔ اور جاھدوا باموالکم وانفسکم وغیرہ میں تینوں قسم کا جہاد شامل ہے۔ اور پھر نبی صلعم کی حدیث نقل کی ہے جاھدوا اھواءکم کما تجاھدون اعداءکم اپنی خواہشات سے اسی طرح جہاد کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو اور پھر کہتے ہیں کہ مجاہدہ کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے اور کبھی زبان سے جیسا کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا جاھدوا الکفار بایدیکم والسنتکم کافروں کے ساتھ جہاد کرو اپنے ہاتھوں سے اور اپنی زبانوں سے پس جہاد لسانی بھی ہو سکتا ہے اور سیفی بھی

جہاد لسانی یا قلمی

غلظ

اغلظ علیہم۔ غلظ اصل میں رقت کی ضد ہے اور اس کا استعمال قوت اور مضبوطی پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں آتا ہے میثاقا غلیظا (النساء ۴۔ ۲۱) جس سے مراد مضبوط یا موکد عہد ہے۔ ایسا ہی فآزرہ فاستغلظ (الفتح ۴۸۔ ۲۹) مراد مضبوط ہونا یا موٹا ہونا ہے اور غلظ اس زمین کو کہتے ہیں جو نرم نہ ہو بلکہ سخت ہو جس میں کوئی چیز آسانی سے داخل نہ ہو سکے (ل)۔ واغلظ علیہم کے کیا معنی ہیں؟ دوسری جگہ آتا ہے ولیجدوا فیکم غلظۃ (التوبۃ ۹۔ ۱۲۳) چاہئے کہ کافر تم میں شدت پائیں پس یہاں بھی معنی دیئے جائینگے یعنی ان کے مقابلہ میں شدت اختیار کرو۔

منافقوں سے جہاد

منافقوں کے ساتھ ایک مدت تک نبی کریم صلعم نرمی برتتے رہے ان کی شرارتوں پر چشم پوشی سے کام لیتے رہے انکے جنگوں میں نہ نکلنے پر کبھی سخت گیری نہیں کی بلکہ ان کے عذروں کو قبول کر لیتے جیسا کہ اس جنگ میں بھی ہوا مگر اب چونکہ وہ موقعہ پہنچ چکا تھا کہ منافقوں اور مومنوں کو الگ الگ کر دیا جائے اور زیادہ ان کے مسلمانوں میں ملا رہنے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ اسلئے اب حکم ہوتا ہے کہ کافروں اور منافقوں دونوں کے خلاف جہاد کرو ظاہر ہے کہ یہاں جہاد سے مراد جہاد سیفی نہیں۔ کیونکہ منافقوں کے ساتھ کبھی جہاد سیفی نبی کریم صلعم نے نہیں کیا پس اس سے مراد دوسرا جہاد ہے جس کے معنی محض کوشش اور زور لگانے کے ہیں یعنی اب انکو اپنے میں سے نہ سمجھو اور انکے خلاف پورا زور لگاؤ۔ اور دوسری بات قابل غور واغلظ علیہم

نبی کریم کی منافقوں سے سختی سے مراد

اغلظ علیہم نبی کریم صلعم کے غلیظ القلب ہونے کی تو قرآن کریم نے نفی کی ہے ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک (آل عمران ۳۔ ۱۵۸) اگر تو سخت گو سخت دل ہوتا تو تیرے پاس سے بھاگ جاتے معلوم ہوا نبی کریم صلعم نہ سخت کلامی کرنیوالے تھے نہ سخت دل تھے پس جب قرآن شریف خود آپ کی یہ صفت بیان فرماتا ہے تو واغلظ علیہم نہ آپ کے لئے سخت گوئی کرنے کا حکم

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا ۷۴

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا اور یقیناً انہوں نے کلمۂ کفر کہا اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہوگئے اور ایسی چیز کا

بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا

قصد کیا جس کو نہیں پا سکے ۱۳۲۲ اور وہ بُرا نہیں کہتے مگر اس لئے کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اسکے رسول نے ان کو غنی کردیا ۱۳۲۳ سو اگر توبہ کریں

يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

توان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر پھرے رہیں تو اللہ اُن کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا

وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ ۷۵

اور زمین میں ان کا کوئی دوست نہ ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا ۱۳۲۴ اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر

اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

وہ ہم کو اپنے فضل سے دے تو ہم ضرور صدقہ دیں گے اور ہم ضرور نیکوکاروں میں سے ہونگے۔

ہو سکتا ہو نہ سخت دلی اختیار کرنے کا۔ بلکہ مطلب صرف اس قدر ہو کہ تم جو اس قدر نرمی ان کے مقابلہ میں برتتے رہے ہو اگر یہ نرمی سے درست ہونیوالے ہوتے تو ہو جاتے اس لئے اب وہ چشم پوشیاں اور عفو اور درگزر جو ان کے قصوروں اور شرارتوں پر آپ کرتے رہے ہیں ان کو ترک کرکے ان کے مناسب حال شدت کا طریق اختیار کریں۔ کیونکہ دشمن کے مقابلہ میں نرمی اور درگزر سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ جب وہ طریق عداوت کو نہیں چھوڑتے تو نرمی کا طریق اب ان کے مقابلہ میں کام نہیں دے سکتا ۔

منافقت کا نتیجہ ناکامی اور شیعوں پر اتمام حجت

۱۳۲۲ ھموا بما لم ینالوا۔ منافقوں نے اسلام کو تباہ کرنے کا قصد کیا مگر اس مقصد کو حاصل نہ کرسکے۔ شیعہ جو حضرت ابوبکر و عمر کو منافق کہتے ہیں قرآن کریم کے اس نص صریح کے خلاف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن فیصلہ کرتا ہو کہ منافقوں کو انکے ارادہ میں کامیابی نہ حاصل ہو سکی۔ مگر حضرت ابوبکر و عمر کو وہ کامیابیاں اللہ تعالیٰ نے دیں اور ایسی ایسی نصرتیں انکے ذریعہ سے اسلام کو عطا فرمائیں کہ بہت سے انبیاء کو بھی وہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی ۔

۱۳۲۳ ما نقموا الا ان اغنٰہم اللہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے مالی عندك ذنب الا انی احسنت الیك میں نے تیرا کوئی گناہ نہیں کیا سوائے اسکے کہ تیرے ساتھ احسان کیا۔ اللہ نے تو انکو اپنے فضل سے غنی کردیا کیونکہ جو وسعت و غنا فتوحات کے بڑھنے کے ساتھ مسلمانوں کو ملے اس میں یہ منافق بھی شریک تھے۔ مگر نتیجہ اُلٹ ہوا کہ بجائے اس کے کہ نفاق کو چھوڑتے اور بُرا کہنا شروع کیا ۔

۱۳۲۴ دنیا کا عذاب الیم کوئی سزا ہو جو ان کو اس دنیا میں دی جائے۔ اس صورت میں صرف مسلمانوں سے ان کی تمیز کردینا ہی ان کے لئے عذاب الیم تھا اور جب یہ سزا ان کو ملی تو ان کا کوئی دوست و مددگار نہ بنا جو اس سزا کو ٹال دیتا ۔

٧٦ فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ۝ فَأَعْقَبَهُمْ

پھر جب اُس نے انکو اپنے فضل سے دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور پھر گئے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں ۱۳۲۵ سو اس نے ان کو اسکی سزا

نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا

(یہ دی کہ) اُن کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس دن تک کہ وہ اسے ملیں اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے اسکی خلاف ورزی کی جو اس سے وعدہ کیا تھا

٧٨ يَكْذِبُونَ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ

جھوٹ بولتے تھے ۱۳۲۶ کیا ان کو معلوم نہیں ہوا کہ اللہ اُن کے بھیدوں کو اور ان کے خفیہ مشوروں کو جانتا ہے اور کہ اللہ غیب کی باتوں کا

٧٩ الْغُيُوبِ ۝ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَ

جاننے والا ہے جو مومنوں میں سے ان پر طعن کرتے ہیں جو صدقات دل کھول کر دیتے ہیں اور

الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ

وہ جو ۱۳۲۷ سوائے اپنی سخت مشقت کے کچھ نہیں پاتے تو ان پر ہنسی کرتے ہیں اللہ اُن کو ان کی ہنسی کی سزا دیگا

ثعلبہ بن حاطب اور منافقوں سے زکوٰۃ کا نہ لیا جانا

۱۳۲۵ ثعلبہ بن حاطب ایک غریب آدمی تھا جس نے رسول اللہ صلعم سے دعا کرائی کہ اسکے پاس مال بہت ہو تو وہ سب حقوق دیگا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی زندگی میں ہی اس کا مال بڑھ گیا یہاں تک کہ اس نے نماز وغیرہ بھی ترک کر دی اور منافقانہ رویہ اختیار کیا اور جب نبی کریم صلعم کے عامل اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے گئے تو انکار کر دیا۔ پھر جب منافقین کو مسلمانوں کی جماعت سے الگ کر دیا گیا تو یہ شخص رسول اللہ صلعم کے پاس آیا کہ اس کے مال میں سے زکوٰۃ لی جائے آپ نے فرمایا اب نہیں لی جا سکتی۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد یہی ثعلبہ حضرت ابوبکر کے پاس حاضر ہوا کہ اس کے مال میں سے زکوٰۃ لی جائے آپ نے بھی انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر کی وفات پر حضرت عمر کی خدمت میں یہی درخواست لیکر حاضر ہوا انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ پھر اسی طرح حضرت عثمان نے بھی۔ یہ واقعہ اس آیت کے شان نزول میں بیان کیا گیا ہے مگر مراد اسی قدر ہے کہ اس پر اس آیت کا مضمون صادق آیا اور ہزاروں اور انسانوں پر بھی آتا ہے بہتیرے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر کر کے لیتے ہیں پھر حقوق مال ادا نہیں کرتے اور مال کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں۔ ان لوگوں کی سزا قرآن کریم نے یہ بیان کی ہے کہ ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منافقوں کے ساتھ کیسا چاہ دیا تھا کہ ان میں سے ایک شخص حضرت عثمان کی خلافت تک زندہ رہتا ہے وہ مدینہ میں یا اسکے پاس موجود ہے مگر اس کی سزا سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس سے زکوٰۃ نہیں لی جاتی +

مہر بطور سزا ہے

۱۳۲۶ اس سے معلوم ہوا کہ نفاق کا ان کے دلوں میں پیدا ہونا خود ان کے پہلے اعمال کی سزا تھی کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کے خلاف ورزی کرتے رہے ہر ایک خدائی مہر بطور سزا ہی لگتی ہے۔ اسی کے مطابق ہے جو منافق کی علامات میں لکھا ہے کہ اذا وعد اخلف جب وہ وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے و اذا حدث کذب اور جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی منافقت میں داخل ہیں +

مطوع

۱۳۲۷ مطوع اصل میں مُتَطَوِّع ہے ایسا شخص جو بطور تطوع یا تبرع یعنی رضا و رغبت سے یا دل کھول کر دیتا ہے (ابن) ان پر منافق طعن کرتے کہ دکھاوے کیلئے بڑی بڑی رقوم دیتے ہیں +

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۸۰

اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے ان کے لئے بخشش چاہو یا اُن کے لئے بخشش نہ چاہو اگر تو اُن کے لئے ستر مرتبہ بھی

سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

بخشش چاہے تو اللہ انکو نہیں بخشے گا یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا کفر کرتے ہیں۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ○ فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ ۸۱

ع ۹ / ۱۱ — منافقوں سے قطع تعلق کا حکم

اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ۱۳۲۸ جو پیچھے رہ گئے وہ اللہ کے رسول کی مخالفت میں بیٹھ کر

رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

خوش ہوئے اور اس بات کو ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں

وَقَالُوا لَا تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَّوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ○

اور انہوں نے کہا گرمی میں مت نکلو کہو دوزخ کی آگ گرمی میں بہت بڑھ کر ہے کاش یہ سمجھتے ۱۳۲۹

جہد

لا یجدون الا جہدھم جُہد اور جَہد کے معنی مشقت ہیں (غ) مراد غریب لوگ ہیں جو محنت مشقت کرتے مزدوری کرتے اور جو کماتے اس میں سے جو چند پیسے بچتے وہ لاکر خدا کی راہ میں حاضر کر دیتے منافق انپر ہنسی کرتے کہ بھلا انکے مٹھی بھر دانوں کا بھی خدا محتاج ہے۔

سخر اللہ منہم کے معنی ہیں جازاہم علی سخریتہم ان کی ہنسی کا انکو بدلہ دے۔ جیسے اللہ یستہزئ بہم میں دیکھو ۲۷۔

منافقوں کیلئے استغفار اور عبداللہ بن ابی کا جنازہ

۱۳۲۸ اس آیت کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ منافقوں کی حالت ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو کسی صورت میں نہیں بخشے گا خواہ نبی انکے لئے استغفار کرے یا نہ کرے لیکن اس سے ممانعت استغفار نہیں نکلتی۔ اسلئے وہ حدیث صحیح اس آیت کے خلاف نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلعم نے عبداللہ بن ابی رئیس منافقین کا جنازہ پڑھا بلکہ حضرت عمر کو جنہوں نے اس آیت کے مضمون کیطرف توجہ دلا کر روکنا چاہا۔ آپنے فرمایا اخر عنی یا عمر لو اعلم انی لو زدت علی السبعین یغفر له لزدت علیہا اے عمر ہٹ جا اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ اگر میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں تو اسے بخشدیا جائیگا تو میں ضرور ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ستر کا لفظ نبی کریم صلعم نے بھی عدد کامل کے معنی میں ہی لیا اور اس سے یہ مراد نہیں لی کہ ستر سے زیادہ بار استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ بخشدے گا بلکہ یہ تو آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہے کہ استغفار کرو یا نہ کرو اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ اور اس سے پہلے سورہ منافقون میں نازل ہو چکا تھا استغفر لہم او لا تستغفر لہم لن یغفر اللہ لہم جہاں سبعین مرۃ مذکور نہیں پس یہ آپکا استغفار اسی غلبۂ رحمت و شفقت سے تھا جسکی وجہ سے آپ رحمۃ للعالمین کہلائے کہ ابھی آیت کے ہوتے ہوئے رئیس منافقین کی نماز جنازہ پڑھی۔ ہاں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا یہ بھی ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مواعید کو بھی ٹال دیتا ہے۔ اسی بنا پر آپنے یہ دعا کی لیکن جب ولا تصل (۸۴) کا حکم صریح آگیا تب آپ رک گئے۔ اگلا رکوع منافقوں سے قطع تعلق پر ہے۔

۱۳۲۹ المخلفون خلّفتہ کے معنی ہیں میں نے اسے پیچھے چھوڑا پس مخلفون وہ ہیں جو پیچھے چھوڑے گئے اسلئے کہ انہوں نے جھوٹے عذر بنا کر اجازت حاصل کر لی تھی۔

۸۲ فَلۡيَضۡحَكُوۡا قَلِيۡلًا وَّ لۡيَبۡكُوۡا كَثِيۡرًا‌ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۞ فَاِنۡ رَّجَعَكَ

سو ان کو چاہیئے کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں اس کی سزا جو وہ کماتے تھے ١٣٣٠ پس اگر اللہ تجھے

اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنۡهُمۡ فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِلۡخُرُوۡجِ فَقُلْ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِىَ اَبَدًا وَّ

ان میں کسی گروہ کی طرف لوٹا کر لائے اور وہ نکلنے کے لئے تجھ سے اجازت مانگیں تو کہو تم میرے ساتھ کبھی نہ نکلو گے اور

لَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِىَ عَدُوًّا‌ ؕ اِنَّكُمۡ رَضِيۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقۡعُدُوۡا مَعَ

نہ میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے جنگ کرو گے کیونکہ تم پہلی مرتبہ بیٹھنے پر راضی ہو گئے سو اب پیچھے رہنے والوں کے

۸۴ الۡخٰلِفِيۡنَ ۞ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ‌ ؕ اِنَّهُمۡ

ساتھ بیٹھے رہو ١٣٣١ اور تو ان میں سے کسی پر جو مر جائے نماز (جنازہ) کبھی نہ پڑھیو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے

۸۵ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۞ وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ مر گئے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے ١٣٣٢ اور اُن کے مال اور ان کی اولاد

وَاَوۡلَادُهُمۡ‌ ؕ

تجھے تعجب میں نہ ڈالیں

خلف — خِلٰف۔ خالف سے مصدر ہے اور اس کے معنی مخالفت ہیں (غ ج) یعنی رسول اللہ صلعم کی مخالفت میں یا مخالفت کی خاطر خوش ہوئے اور بعض نے خلف کے معنی بعد بھی کئے ہیں مگر پہلے معنی قابل ترجیح ہیں ٭

١٣٣٠ مطلب یہ ہے کہ یہ تو رسول اللہ صلعم کی اس مخالفت سے خوش ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو چاہیئے کہ اپنی اس حالت پر بہت روئیں اور تھوڑا ہنسیں یعنی ان کی ایسی حالت کہ برے کام پر خوش ہو رہے ہیں رونے کے قابل ہے خوشی کا مقام نہیں اور ضحک اور بکاء سے خوشی اور غم مراد ہیں۔ یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ خوش تو ہو رہے ہیں مگر یہ ان کی خوشی بہت تھوڑے دن ہے اور آخر کار رونا یا غم ہی ہوگا ٭

١٣٣١ فان رجعک اللہ۔ کیونکہ یہ وحی اس حالت میں ہوئی جب آپ سفر تبوک پر تھے ٭

خالف — خالفین۔ خالف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پیچھے رہنے والا نقصان یا قصور کی وجہ سے جیسے متخلف اور خالفۃ خیمہ کے پچھلے ستون کو کہتے ہیں اور کنایۃً عورت کو اس لئے کہ وہ کوچ کرنے والوں سے پیچھے رہ جاتی ہے اور اس کی جمع خوالف ہے (غ) جس کا استعمال (۸۷) میں ہوا ہے ٭

منافقوں سے انقطاع تعلق جسمانی — یہ ان منافقین سے جو توبہ نہ کریں اور دین اسلام میں سچے دل سے داخل نہ ہوں تعلقات ظاہری کا انقطاع ہے کہ آیندہ ان کو کسی جنگ میں نکلنے کی اجازت نہ دی جائیگی ٭

انقطاع تعلقات روحانی — ١٣٣٢ یہ انقطاع تعلقات روحانی ہے کہ آپ کو ان کے جنازہ سے بھی روک دیا گیا۔ کیونکہ انکی عداوت اب حد سے بڑھ گئی تھی اور

۸۶ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ وَاِذَآ

اللہ یہی ارادہ کرتا ہے کہ ان کی وجہ سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں نکل جائیں اس حال میں کہ وہ کافر ہوں اور جب

اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ

کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے فراخی والے تجھ سے اجازت

۸۷ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ○ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ

مانگتے ہیں کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دے ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور

۸۸ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو وہ سمجھتے نہیں لیکن رسول اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے

مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ

اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور انہی کے لئے (سب) بھلائیاں ہیں اور یہی

۸۹ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

کامیاب ہونے والے ہیں اللہ نے اُن کے لئے باغ تیار کئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

انہی میں رہیں گے یہ بڑی بھاری کامیابی ہے

قبر پر دعا

اخفا کی حالت سے نکل چکی تھی۔ لا تقم علیٰ قبرہ سے مراد قبر پر دعا کے لئے کھڑے ہونا ہے۔ اس آیت کا نزول عبداللہ بن ابی کے جنازہ کے واقعہ کے بعد کا ہے اور یہ متعدد احادیث سے جو بخاری اور دیگر صحاح میں ہیں ثابت ہے۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھنے کو پسند نہ کرتے تھے اس لئے یہ ان مواقع میں سے ایک موقعہ ہے جن پر حضرت عمر رضی اللہ کی رائے کا وحی الٰہی سے توافق ہوا۔ یہاں سے ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وحی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے خیالات کا نتیجہ نہ تھی۔ کیونکہ آپ کی شفقت تو جبلی تھی۔ استغفر لہم او لا تستغفر لہم لن یغفر اللہ لہم کے ارشاد نے بھی آپ کو دعائے مغفرت کرنے سے نہ روکا۔ اللہ تعالیٰ بخشے یا نہ بخشے یہ اس کا اختیار رہا۔ آپ نے اپنی شفقت جبلی سے اور رحمت وسیع سے دعائے مغفرت بھی کی اور اپنی قمیص بھی بطور تبرک عطا کر دی اب اس کے خلاف وحی ہونا صاف بتاتا ہے کہ یہ آپ کی رائے اور خیالات سے الگ کوئی امر تھا۔

وحی کا رائے کے خلاف ہونا

ع ١٢ — اعراب کا ذکر

٩٠ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ

اور دیہاتیوں میں سے جھوٹے عذر کرنیوالے آئے کہ انہیں اجازت دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا

٩١ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ لَيْسَ عَلَى

وہ بیٹھے رہے جنہوں نے اُن میں سے کفر کیا انہیں دردناک دکھ پہنچے گا ١٣٣٣ نہ کمزوروں پر کوئی

الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ

گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ اُن پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے

اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے مخلص ہوں نیکی کرنیوالوں پر (الزام کی) کوئی راہ نہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ١٣٣٤

مُعْتَذِر — عَذَّرَ. مَعَذِّر

١٣٣٣ معذّرون ۔ لسان العرب میں ہے کہ مُعْتَذِر سچا بھی ہوتا ہے اور جھوٹا بھی یعنی محض عذر کرنیوالا خواہ وہ عذر درست ہو یا غلط اور عَذَّرَ کے معنی قصّر ہیں یعنی کوتاہی کی اور مُعَذِّر وہ ہے جو عذر پیش کرے اور اس کا عذر درست نہ ہو یعنی جھوٹا عذر بنانے والا یا بہانہ کرنے والا ٭

اعراب

الاعراب ۔ اصل میں عَرَب کی جمع ہے مگر یہ ان لوگوں کے لئے خاص ہو گیا ہے جو بادیہ کے رہنے والے ہوں (غ) ہمارے ہاں اسکے مقابل پر دیہاتی کا لفظ ہے یعنی گاؤں کے رہنے والے لوگ ٭

بادیہ نشین عرب

اس رکوع میں بالخصوص ان لوگوں کا ذکر ہے جو بادیہ کے رہنے والے تھے ۔ اور جن میں ایسے بھی لوگ تھے جو منافقانہ طور پر اسلام کا دعوٰی کرتے تھے اور ایسے بھی تھے جو سچے دل سے مسلمان تھے جیسا کہ آیت ٩٩ سے ظاہر ہے ۔ مجاہد کہتے ہیں یہاں جن کا ذکر ہے وہ بنی غفار کا ایک گروہ تھا وقعد الذین میں اسی گروہ کا ذکر ہے اور کذبوا اللہ ورسولہ میں انکے جھوٹے عذروں کا ذکر ہے یعنی یہ لوگ جھوٹے عذر کرکے جنگ سے پیچھے رہ گئے ٭

نَصَحَ ۔ نُصْح — الدین النصیحۃ کا مفہوم

١٣٣٤ نصحوا ۔ نَصَحَ الشَّیْءُ کے معنی ہیں خَلَصَ یعنی خالص ہوئی اور نُصْحٌ غِشٌّ یعنی کھوٹ کی ضد ہے (ل) اور حدیث میں ہے الدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ لِلّٰہِ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم یعنی دین نصیحت ہے اللہ کیلئے اور اسکے رسول کیلئے اور اسکی کتاب کے لئے اور مسلمانوں کے ائمہ کیلئے اور ان کے عام لوگوں کیلئے جس کی شرح ابن اثیر نے یوں کی ہے کہ نصیحۃ سے مراد ارادہ خیر ہے اسکے لئے جو منصوح ہے یعنی جس پر وہ فعل نصیحت واقع ہوتا ہے پس اللہ کے لئے نصیحت اس کی وحدانیت کا اعتقاد اور اس کی عبادت میں اخلاص اور رسول کیلئے نصیحت اس کی نبوت اور رسالت کی تصدیق اور جو امر یا نہی وہ دے اس کی فرمانبرداری ہے اور کتاب اللہ کیلئے نصیحت کتاب پر عمل اور ائمہ کے لئے نصیحت ان کی اطاعت فی المعروف اور عوام کیلئے نصیحت انکو اچھی باتوں کی طرف ہدایت کرنا ہے اور توبۃ نصوحا (التحریم ٦٦ ۔ ٨) کے معنی ہیں خالص توبہ جس کے بعد اس بات کی طرف لوٹا نہ جائے جس سے توبہ کی ہے (ل) ٭

توبۃ نصوح

معذور لوگوں کا گروہ

جب پچھلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا جنہوں نے رسول اللہ صلعم سے جھوٹے عذر کرکے اجازت لے لی تھی کہ وہ جنگ میں نہ جائیں تو اب اس آیت اور اس سے اگلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو فی الحقیقت معذور تھے ۔ اس میں تین گروہوں کا ذکر

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا ۹۲

اور نہ اُن پر (الزام) ہے جو جب تیرے پاس آئے کہ تو انہیں سواری دے تو نے کہا مجھے کچھ نہیں ملتا جس پر تمہیں سوار کروں وہ واپس چلے گئے

وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ اِنَّمَا ۹۳

اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اس غم سے کہ وہ (مال) نہیں پاتے جسے خرچ کریں ۱۳۳۵ الزام صرف

السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا

اُن لوگوں پر ہے جو تجھ سے اجازت مانگتے ہیں حالانکہ وہ دولت مند ہیں وہ راضی ہوگئے کہ عورتوں کے ساتھ

مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

رہیں اور اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگادی سو وہ نہیں جانتے

کیا کمزور جیسے بچے بوڑھے۔ بیمار وہ لوگ جنکے پاس خرچ کرنے کو موجود نہیں۔ ایسے لوگ جہاد سیف میں معذور ہیں ✦

حمل — **۱۳۳۵** لتحملھم۔ حمل کا لفظ اُٹھانے کے معنی میں بہت سے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی گناہ کے اُٹھانے پر بھی استعمال ہوا ہے مگر یہاں جس خاص موقع پر استعمال ہوا ہے اس کی تشریح میں لسان العرب میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے سفر کو جاری نہ رکھ سکے تو وہ دوسرے کے پاس جاتا اور کہتا ہے احملنی تو مراد ہوتی ہے کہ مجھے سواری کا جانور دو ✦

فاض — تفیض من الدمع۔ فاض پانی کے بہنے پر بولا جاتا ہے جب وہ گر رہا ہو۔ اسی معنی میں یہاں تفیض ہے اور دوسری جگہ ہے افیضوا

فیاض۔ افاضۃ — علینا من الماء (الاعراف ۔ ۵۰) اور اسی سے فیاض سخی کو کہا جاتا ہے اور اسی سے افاضوا فی الحدیث استعارۃً بات میں لگ جانے کے معنی میں ہے لمسکم فیما افضتم فیہ (النور ۲۴-۱۴) ✦

سواری کا نہ ہونا بھی عذر ہے — یہ ان لوگوں میں سے جو اس جنگ میں جانے میں فی الواقع معذور تھے چوتھا گروہ ہے کسی نے کہا یہ بنو مقرن تھے جو مزینہ میں تھے کسی نے کہا عرباض بن ساریہ کا ذکر ہے کسی نے کہا مختلف قبیلوں کے سات آدمی تھے (ج) کسی نے ابوموسیٰ اشعری اور بعض اہل یمن کو اس کا مصداق ٹھہرایا (د) ممکن ہے یہ سب ہی ہوں تخصیص کی ضرورت نہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ ہر موقعہ پر اس کے مناسب حال سامان نہ ہونے سے انسان معذور ہوتا ہے۔ چونکہ یہ لمبا سفر تھا بغیر سواری کے نہ پہنچا جا سکتا تھا اسلئے سواری کا نہ ملنا بھی صحیح عذر تھا ✦

صحابہ کا جذبہ محبت اور مسلمانوں کے لئے سبق — لیکن جو نقشہ یہاں ان معذورین کا کھینچا ہے وہ صحابہؓ کے قلب کی کیفیت کا ایک عجیب نقشہ ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جن کے پاس خرچ کرنے کو ہے وہ خوشی سے اللہ کی راہ میں دیتے ہیں۔ دوسرے یہ ہیں کہ جب خرچ کرنے کو نہیں پایا اور رسول اللہ صلعم بھی سواری مہیا نہ فرما سکے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جذبہ محبت جو رسول اللہ صلعم کی فرمانبرداری کراتا تھا کس قدر زبردست تھا۔ آج مسلمانوں کی انفاق مال میں یہ حالت ہے کہ اول تو اسلام کی حالت زار دیکھکر اسے چاروں طرف سے مصیبتوں میں مبتلا پا کر بھی ان کے دل دینے کیلئے نہیں کھلتے اور اس قدر دل سخت کر لیتے ہیں کہ ایک پیسہ تک جیب سے نہیں نکلتا اور جو کچھ دیتے ہیں تو وہ بھی ایک گونہ جبر و اکراہ سے۔ دل نہیں چاہتا مگر لحاظ سے یا اور وجوہ سے کچھ دینا پڑتا ہے اسلام اس مقام کو چاہتا ہے کہ جو دے اس کا دل خوشی سے بھرا ہوا ہو کہ اس نے کچھ خدمت کی اور جو نہ دے سکے اسلئے کہ اس کے پاس نہیں اس کا دل غم سے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی ہوں ✦

الجزء الحادي عشر

٩٤ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ

وہ تم سے عذر کرنے لگیں گے جب تم لوٹ کر ان کی طرف جاؤ گے کہو عذر مت کرو ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے اللہ نے

نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ

تمہارے حالات کی خبریں دیدی ہیں اور اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھے گا پھر تم غائب اور حاضر کے جاننے والے کی

٩٥ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ

طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمہیں اسکی خبر دے گا جو تم کرتے تھے ١٣٣٦ وہ تمہارے لئے اللہ کی قسمیں کھائینگے جب تم ان کی

اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا

طرف واپس جاؤ گے تاکہ تم ان سے اعراض کرو سو ان سے اعراض کرو بیشک وہ ناپاک ہیں اور انکا ٹھکانا دوزخ ہے اس کا بدلہ

٩٦ كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى

جو وہ کرتے تھے ١٣٣٧ وہ تمہارے لئے قسمیں کھائینگے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اللہ نافرمان

٩٧ عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا

لوگوں سے راضی نہیں ہوتا دیہاتی کفر اور نفاق میں بڑے سخت ہیں اور اسی کے زیادہ لایق ہیں کہ اس کی

حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

حدود کو نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر اتارا اور اللہ علم والا حکمت والا ہے ١٣٣٨

١٣٣٦ چونکہ ان آیات کا نزول سفر تبوک میں ہوا اسلئے پہلے باطل عذروں کے ساتھ جو اجازت کیلئے ان لوگوں نے کئے تھے جنکا ذکر جاء المعذرون (٩٠) میں ہے یہاں ان عذروں کا ذکر کیا ہے جو جنگ سے واپسی کے بعد پھر یہ لوگ کرینگے پہلی دفعہ یہ عذر قبول کر لئے گئے اب فرمایا کہ کہدو کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے تمہارے معاملہ پر روشنی ڈالی ہے اور تمہارا فیصلہ کر دیا ہے اس لئے اب عذر بے سود ہیں +

نافقوں سے اعراض

١٣٣٧ ان کی قسمیں کھانے کی غرض یہ بتائی کہ مسلمان ان سے اعراض کریں یعنی ان کو ان کی کمزوریوں پر ملامت نہ کریں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم ان سے اعراض ہی کرو یعنی کسی قسم کا تعلق نہ رکھو اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ ناپاک ہیں یعنی ان کے خیالات ناپاک ہیں وسوسہ اندازی ان کا کام ہے +

جدیر۔ جدار
حائط
جُدُر

١٣٣٨ اجدر۔ جدیر ایک چیز کا منتہی ہے یعنی جس کی طرف ایک امر کا انتہا ہو جس طرح جدار یعنی دیوار کی طرف ایک امر کا انتہا ہو جاتا ہے۔ اور جدار دیوار کو بلحاظ اس کی بلندی کے کہا جاتا ہے اور حائط احاطہ کرنے کے لحاظ سے جدارا یرید ان ینقض (الکھف ١٨۔ ٧٧) جمع جُدُر ہے او من وراء جدر (الحشر ٥٩۔ ١٤) اور اسلئے جدیر کے معنی ہیں گویا وہ اسی چیز کیلئے بنائے گئے ہیں +

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ ۹۸

اور دیہاتیوں میں سے کچھ ایسے ہیں کہ جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اسے چٹی سمجھتے ہیں اور تم پر گردشوں (کے آنے) کا انتظار کرتے ہیں بری

دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ ۹۹

گردش انہیں پر پڑے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے [١٣٣٩] اور دیہاتیوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان

الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ

لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قرب اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں سنو وہ ان کیلئے قرب کا

لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ۧ

ہی موجب ہوگا اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے [١٣٤٠]

قرآن نے کن لوگوں کی اصلاح کی۔

یہ قرآن شریف کا کمال تھا کہ ایسے سخت لوگوں کو بھی جو علم سے اس قدر دور رہتے کہ حدود اللہ کا علم حاصل کرنے کیلئے گویا پیدا ہی نہیں ہوئے ان کو بھی حدود اللہ پر قائم کر دکھایا۔ اعراب کے اس نقشہ میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ دنیا کی کوئی قوم نہیں جس کی اصلاح قرآن شریف نہیں کر سکتا۔

غُرم — غارِم — غَرام

١٣٣٩ مغرمًا۔ غُرْم وہ ہے جو انسان کو اس کے مال میں نقصان پہنچے حالانکہ اس کا اپنا کوئی ایسا فعل نہیں نہ خیانت ہے یہاں اور انا لمغرمون (الواقعۃ ٥٦: ٦٦) میں چٹی مراد ہے اور قرضدار کو غارِم یا غریم کہا جاتا ہے والغارمین (التوبۃ ٩: ٦٠) اور غَرام اس شدت اور مصیبت کو کہا جاتا ہے جو انسان پر آپڑے گویا وہ اس سے ایسا چمٹ جاتا ہے جیسے عذابها كان غراما (الفرقان ٢٥: ٦٥)

انفاق کو چٹی سمجھنے والے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کو ظاہر داری کیلئے کچھ مال بھی خرچ کرنا پڑتا تھا اسے وہ چٹی سمجھتے تھے بہتیرے مسلمان جو آج کچھ دینی کاموں میں خرچ کرتے ہیں اسے چٹی سمجھتے ہیں۔ قرآن نہیں پڑھتے کہ ان کو معلوم ہو کہ وہ صحابہؓ کے نقش قدم پر نہیں چلتے اور

اعدائے اسلام آخر تک اسلام کی تباہی کے منتظر تھے۔

منافقین کا خرچ کئے ہوئے مال کو چٹی سمجھنا اس وجہ سے تھا جیسا کہ خود بتایا کہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان ہلاک ہو جائینگے۔ یہ نویں سال ہجرت کی آیت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتک بھی مخالفین کو یہ امید لگی ہوئی تھی کہ مسلمان تباہ ہو جائینگے اس لئے اسلام میں داخل ہونا کسی لالچ کی بنا پر نہ ہو سکتا تھا۔

قُربة۔ قُربات — قُربِ الٰہی کیا ہے

١٣٤٠ قربات۔ قُربة کی جمع ہے۔ ہر ایک قدم جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتا ہے قُربة ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب بندہ پر فیض اور افضال سے ہے نہ مکان سے اور قرب اصل میں یہ ہے کہ بہت سی وہ صفات جو اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں ان سے بندہ مخصوص ہو گو اس حد تک وہ صفات اس میں نہ پائی جائیں جس حد تک اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں جیسے حکمت اور علم اور حلم اور رحمت اور غنا اور یہ تب ہوتا ہے جب پہلے انسان جہل اور طیش اور غضب وغیرہ بری صفات سے پاک ہو (غ)۔

صلوٰت۔ صلوٰۃ کی جمع ہے جسکے اصل معنی دعا ہیں دیکھو [١٢] یہی معنی یہاں مراد ہیں۔

قرآن کریم کا پیدا کردہ انقلاب

یہاں نہ صرف ایک حق بات کو ظاہر کیا کہ اعراب میں یا دیہاتیوں میں اگر سخت لوگ ہیں تو اچھے بھی ہیں بلکہ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ کس طرح قرآن کریم کی بدولت ایک قوم ایک ایسے ذلیل مقام سے جس پر عرب کے دیہاتی تھے بلند مقام پر ترقی کر گئی

حصول قرب الٰہی کیلئے انفاق مال

یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا حاصل کرنا ان لوگوں کی غرض ہو گئی گویا کوئی دنیوی غرض نہیں کہ اس طرح مال خرچ کرنے سے حکومت

ع ۱۳ / ۱۱
منافقوں کے مختلف گروہ اور ان کا انجام

۱۰۰ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ

اور سبقت لیجانے والے مہاجرین اور انصار میں سے پہلے اور وہ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور اس نے ان کے لئے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ انہی میں

۱۰۱ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ

ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے ۱۳۴۱ اور ان میں سے جو تمہارے ارد گرد دیہاتیوں میں سے ہیں منافق ہیں۔

اور سلطنت مل جائیگی بلکہ محض قرب الٰہی کا حصول غرض ہو یہ فی الواقع بڑا ہی بلند مقام ہو آج کتنے مسلمان ہیں جو قرب الٰہی کے حصول کیلئے اپنے مالوں کو خرچ کرنے کیلئے تیار ہوں ہاں حکومت اور سلطنت کے حصول کیلئے بہتیرے اپنے مال دینے کو تیار ہیں کاش مسلمانوں کے لیڈر اس بات پر غور کریں کہ قوم کو صحیح راہ پر ڈالیں صلوٰت الرسول کا لفظ یہاں لاکر یہ بتایا ہو کہ گناہوں سے پاک کرنے میں رسول اللہ صلعم کی دعاؤں نے بھی ایک عظیم الشان کام کیا ہو اور قرب الٰہی آپ کی دعا کے بغیر میسر نہیں آسکتا تھا۔ آپ کی یہ قوت قدسی اور یہ دعا اور توجہ اب بھی کام کرتی ہو۔ جو لوگ پیروں کے پیچھے پڑکر ان کو ارباب من دون اللہ بنا رہے ہیں اور اپنے اموال کو ان کی نذر و نیازوں میں تباہ کرتے ہیں۔ اگر یہی اموال دین اسلام کی ترقی کے لئے خرچ کرتے تو رسول اللہ صلعم کی دعا ان کو بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کے مقام پر پہنچا دیتی مگر یہ افسوس کا مقام ہو کہ ایک طرف یہ لوگ اپنے اموال کو برباد کرتے ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے بھی روز بروز دور پڑتے چلے جاتے ہیں۔ رسول کے دین کی ترقی میں جو شخص کوشاں ہوگا وہ یقیناً قرب الٰہی کے حصول میں ترقی کرے گا۔ یہی وہ طریق ہو جس پر رسول اللہ صلعم نے اپنے صحابہ کو چلایا اور یہی ہم کو صحابہ رض کی زندگیوں میں کام کرتا نظر آتا ہو ایک بھی مثال ایسی نہیں کہ صحابہ میں کوئی پیر بنکر لوگوں کا مال نذر و نیاز کے رنگ میں کھاتا ہو +

آنحضرت کی دعا اور توجہ قدسی

پیر پرستی کی مذمت

سبق استباق ۱۳۴۱ سابقون۔ سَبق کے اصل معنی چلنے میں آگے بڑھنا ہیں۔ اور اِستِباق ایک دوسرے سے آگے بڑھنا انا ذهبنا نستبق (یوسف ۱۲ - ۱۷)، واستبقا الباب (یوسف ۱۲ - ۲۵) اور پھر ہر قسم کے تقدم پر بولا جاتا ہو ما سبقونا اليه (الاحقاف ۴۶ - ۱۱) اور کلمة سبقت من ربك (یونس ۱۰ - ۱۹) میں مراد نفوذ یا پہلے ہو چکنا ہو اور فضیلت اور بزرگی کے حاصل کرنے پر بولا جاتا ہو السابقون السابقون (الواقعة ۵۶ - ۱۰) سے مراد اعمال صالحہ سے ثواب اور جنت کیطرف پہلے جانیوالے ہیں گویا یہ یسارعون فی الخیرات کے قائم مقام ہو وهم لها سٰبقون (المؤمنون ۲۳ - ۶۱) میں یہی مراد ہو۔ اور ما نحن بمسبوقين (الواقعة ۵۶ - ۶۰) میں مراد ہے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکل نہیں سکتے ایسا ہی ولا يحسبن الذين كفروا سبقوا (الانفال ۸ - ۵۹) +

سابق

مسبوق

اوّل اولون۔ اوّل اَوْل سے ہو جس کے معنی ہیں اصل کی طرف رجوع کرنا۔ اور اَوّل وہ ہو جس پر اس کا غیر مترتب ہو۔ اور اَوّل ہونا کئی لحاظ سے ہوسکتا ہو جیسے زمانہ کے لحاظ سے جو عام ہو یا ریاست اور مرتبہ کے لحاظ سے جیسے اول امیر ہو پیچھے وزیر وغیرہ۔ اور انا اول المسلمين (الانعام ۶ - ۱۶۴)، انا اول المؤمنين (الاعراف ۷ - ۱۴۳) میں مراد یہ ہو کہ اسلام اور ایمان میں دوسرے میری اقتدا کرنا چاہیئے۔ اور ولا تكونوا اول كافر به (البقرة ۲ - ۴۱) میں بھی یہی مراد ہے کہ ایسے کافر مت بنو جو دوسرے تمہاری اقتدا کریں +

مہاجر مہاجرین۔ مہاجر کیلئے دیکھو نمبر ۲۸ مہاجرین اصطلاح اسلام میں وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلعم کے اتباع کیوجہ سے اپنے وطن چھوڑنے پڑے یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد عموماً ترک وطن کی ضرورت نہ رہی +

مع
عند المتقدمين

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ

اور مدینہ کے رہنے والوں میں سے بھی نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں تو انکو نہیں جانتا ہم انہیں جانتے ہیں

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ وَاٰخَرُوْنَ ۱۰۲

ہم انہیں دو دفعہ عذاب دینگے پھر وہ بھاری عذاب کی طرف لوٹائے جائینگے ؀۱۳۴۲ اور کچھ اور ہیں

انصار

الضار نصیر کے معنی ناصر یا مدد کرنیوالا اور اسکی جمع انصار ہی مگر اصحاب نبی صلعم کے ایک گروہ کیلئے یہ خاص نام ہو گیا ہی جیسے ایک قبیلہ کا نام ہوتا ہی (ل) اور یہ اہل مدینہ کا وہ گروہ ہی جن کی وجہ سے دین اسلام کو وہ عظیم الشان نصرت ملی کہ سب مسلمان ہجرت کرکے وہاں چلے گئے

رضائے الٰہی

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ۔ اللہ کی رضا بندہ سے یہ ہی کہ وہ اسے اپنے اوامر کی تعمیل کرتا ہوا اور اپنی نہیوں سے رکتا ہوا پائے اور بندہ کی رضا اللہ سے یہ ہی کہ جو کچھ اس کی قضا و قدر سے اس پر وارد ہو اسے ناپسند نہ کرے (غ) ۔

کامل مومنین کا گروہ

اصل ذکر تو اس رکوع میں انہی لوگوں کا ہی جن سے کوئی کمزوریاں سرزد ہوتیں یا جو منافق تھے لیکن چونکہ پچھلے رکوع کے آخر میں اعراب کے اس گروہ کا ذکر آیا تھا جو اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے کے لئے اپنے مال خرچ کرتے تھے ۔ اسلئے یہاں ان کامل مومنین کے گروہ کا ذکر بھی کیا جو دوسرے مسلمانوں کے لیے بطور مقتدا ٹھہرے اور یہ گروہ مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کا ہی سابقون اولون

سابقون اولون سے مراد

سے کیا مراد ہی بعض نے کہا وہ جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی بعض نے کہا اہل بدر بعض نے اہل بیعت رضوان بعض نے کہا جو ہجرت سے پہلے ایمان لائے اور انصار میں سے سابق اول اہل بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ کو کہا ہی لیکن اکثر اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد کل مہاجرین اور انصار ہیں اور سابق اول ہونا بلحاظ دوسرے مسلمانوں کے ہی ۔ مگر اصل بات یہ ہی کہ سابق اور اول ہونے میں گو زمانہ کو بھی خاص دخل حاصل ہی اسلئے کہ جس قدر زیادہ مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اسی قدر زیادہ کمال ایمان بھی ان لوگوں کو حاصل ہوا اور جو لوگ پہلے ایمان لائے ان میں سے اکثر نے بہت بڑی بڑی ترقیاں کیں مگر سابق اور اول سے اصل مراد جیسا کہ ان الفاظ کی تشریح میں دکھایا گیا ہے اعمال صالحہ کے لحاظ سے سابق ہونا اور دوسروں کیلئے مقتدا ہونے کے لحاظ سے اول ہونا ہی ۔ یوں بلحاظ زمانہ عبید اللہ مہاجرین اولین میں سے تھا مگر نصرانی ہو گیا اسلئے حقیقتاً سابقون اولون بلحاظ زمانہ نہیں بلحاظ اعمال ہیں اسی لئے جب ان کے اتباع کا ذکر کیا تو باحسان کا لفظ بڑھایا ۔ یا نیکیوں میں انکی اتباع کرنے والے گویا ان کا تقدم اور انکی سبقت نیکیوں کے لینے میں تھی ۔ یہ سابقین مقربین بارگاہ الٰہی ہیں والسابقون السابقون اولئك المقربون (الواقعۃ ۵۶ : ۱۰-۱۱) اور جنہوں نے احسان میں ان کی پیروی کی ان کو بھی ان کے ساتھ یہ مرتبہ ملا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور

حصول رضائے الٰہی کا مقام

وہ اللہ سے راضی ہوئے اور یہ بلند ترین مقام ہی جس پر انسان پہنچ سکتا ہی ۔ اور فی الحقیقت جو کمال صحابہ نے اللہ کے اوامر و نواہی کی تعمیل میں دکھایا اس کی نظیر دنیا دکھانے سے عاجز ہی ۔ قرآن کریم میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا جس کی تعمیل انہوں نے لفظاً نہیں کر دکھائی اور پھر اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر پر ایسے راضی ہوئے کہ سر دیکر جان دیکر مال دیکر اولاد دیکر خوش ہوتے تھے ۔

مارد ۔ مرید ۔ امرد
اہل الجنۃ مرد کی تشریح ۔ مردو

؀۱۳۴۳ مردوا ۔ مارد اور مرید کے معنی راغب نے کئے ہیں خیرات سے خالی اور اسی سے امرد وہ ہی جس کی ڈاڑھی کے بال ابھی نہ نکلے ہوں اور حدیث میں جو ہی اہل الجنۃ مرد تو اسکے ایک معنی یہ کئے گئے ہیں کہ وہ برائیوں اور عیبوں سے خالی ہونگے اور مردوا علی النفاق کے معنی کئے ہیں ارتکسوا عن الخیر وہم علی النفاق یعنی نیکی سے محروم رہ گئے درانحالیکہ وہ نفاق پر تھے (غ) اور مرد کے معنی مرن بھی ہیں یعنی عادی ہو گیا ۔ اور مرد علی الشیء کے معنی ہیں عتا و طغی یعنی سرکشی کی اور حد سے بڑھ گیا (ل) ۔

منافقین کی سزا

چونکہ اصل ذکر اعراب یعنی بادیہ نشین منافقین کا چل رہا تھا ۔ اسلئے اسی مضمون کی طرف رجوع کیا ہی اور فرمایا کہ ان میں سے تو

اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ

جنہوں نے اپنے قصوروں کا اقرار کیا ایک نیک کام اور دوسرا برا ملایا قریب ہے کہ اللہ ان پر

يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ۱۰۳

رحمت سے متوجہ ہوگا کیونکہ اللہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے ۱۳۴۳ ان کے مالوں سے صدقہ لے

منافق ہیں مگر اہل مدینہ میں سے جو شہری لوگ ہیں وہ نفاق پر سخت اڑے بیٹھے ہیں ان کا نفاق اس وقت سے شروع ہوا جب نبی کریم صلعم مدینہ میں تشریف لائے اور اب نویں سال تک انہوں نے اپنی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی تھی اور گو انکے عمل سے ان کی حالت ظاہر تھی مگر تاہم یہ لوگ اس قدر چالاک تھے کہ مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنا مومن ہونا ظاہر کرتے تھے۔ اتخذوا ایمانہم جنۃ (المنافقون ۶۳: ۲) اسلئے فرمایا کہ تم انہیں نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔ اور ہم جانتے ہیں میں یہ اشارہ ہے کہ ہم اب تمہیں ان کے نام بتاتے ہیں یہی وہ لوگ تھے جنہیں مسجد سے نکال دیا گیا۔ اور انکی سزا بتائی کہ دو دفعہ ان کو عذاب دینگے پھر عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائینگے۔ عذاب عظیم آخرت کا عذاب ہے اسلئے دو دفعہ کا عذاب اس دنیا میں ہونا چاہیئے اکثر مفسرین نے اس دو دفعہ میں عذاب قبر کو شامل کیا ہے حالانکہ عذاب قبر عذاب آخرت میں شامل ہے اور وہ منافقوں سے خاص نہیں۔ اور ایک عذاب پر حضرت ابن عباس سے روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلعم نے خطبہ جمعہ میں ان منافقوں کے نام لیکر ان کو مسجد سے نکال دیا یہ انکی رسوائی ان کے لئے واقعی سخت عذاب کا موجب تھی اسلئے کہ اب تک وہ اپنی منافقت کو جھوٹی قسمیں کھا کر چھپاتے تھے۔ اب وہ سب پردہ فاش ہو گیا۔ اور دوسرے عذاب پر قرآن کریم اپنی نص صریح سے شاہد ہے ولا تعجبك أموالهم وأولادهم إنما يريد الله أن يعذبهم بها في الدنيا (۸۵) ان منافقوں کے مال اور اولاد تجھے تعجب میں نہ ڈالیں اللہ چاہتا ہے کہ انکے ساتھ انہیں دنیا میں عذاب دے اور یہ یوں عذاب کا موجب تھا کہ ان کی اولاد ان کی آنکھوں کے سامنے مسلمان بنی اور اسلام کی تائید اور نصرت میں جانوں تک دیتے تھے اور انکو مال بھی ظاہرداری کیلئے اسلام کی تائید میں خرچ کرنے پڑتے تھے جیسا کہ آیت ۹۸ سے ظاہر ہے جہاں فرمایا کہ وہ اس خرچ کو چٹی سمجھتے ہیں اگر دل سے تو اسلام کے دشمن تھے اور اسلام کی تباہی چاہتے تھے اور انکے مال اور اولاد اسلام کی تائید میں خرچ ہو رہے تھے اس سے بڑھکر عذاب کیا ہو سکتا تھا پس یہی دو عذاب دنیا تھے ✦

دو دفعہ عذاب سے مراد

۱۳۴۳ اعترفوا۔ عَرَفَ کے معنی پہچانا یا جان لیا۔ اور اِعْتَرَفَ کے معنی اقرار کیا اور اصل اس کا گناہ کی معرفت کا اظہار ہے جو جحود کی ضد ہے (غ) اور اعترف بمعنی عَرَفَ بھی آتا ہے (ل) اور اعتراف ذنب کے لازماً یہ معنی نہیں کہ گناہ کرکے وہ سب لوگوں پر ظاہر کرتا پھرے بلکہ رسول اللہ صلعم کے سامنے ایک شخص نے اگر اپنے کسی گناہ کو ظاہر کیا تھا تو آپ نے منہ پھیر لیا اور دو دفعہ اسی طرح کیا گویا اس کو پسند نہ کیا۔ اور حضرت عمر کا قول منقول ہے اَطْرُدُنَا الْمُعْتَرِفِيْنَ یعنی جو لوگ ان باتوں کو جن میں حد اور تعزیر واجب ہے خود ظاہر کرتے ہیں ہم انکو شہر سے نکال دینگے گویا اسے ناپسند کیا (ل)، اصل اعتراف ذنب یہ ہے کہ انسان کا اپنا نفس یہ محسوس کرے کہ اس سے ایک برا فعل سرزد ہوا ہے اور اسکے ازالہ کی کوشش کرے یہی اقرار ہے ✦

عرف۔ اعتراف اقرار گناہ۔

مفسرین نے یہاں ابولبابہ اور بعض دوسرے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ سب بطور مثال ہے۔ قرآن کریم نے منافقوں کے ذکر کو یہاں ہر پہلو سے پورا کر دیا ہے۔ چونکہ یہاں منافقوں کی سزا کا ذکر تھا اور اوپر ان منافقوں کا ذکر ہوا۔ جو نفاق پر اڑ گئے اور انکی فضیحت کا ذکر تھا تو اب ایک اور گروہ کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا اور انکی اصلاح کی کوشش

منافقوں کی توبہ

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ

اس سے تو انہیں پاک کریگا اور بڑھا کریگا اور انکے لئے دعا کر کیونکہ تیری دعا ان کیلئے موجب تسکین ہو اور اللہ سننے والا جاننے

عَلِيمٌ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِۦ وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ ۱۰۴

والا ہے ۱۳۴۴ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہو اور صدقات لے لیتا ہے

وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُۥ وَ ۱۰۵

اور کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا ہی ۱۳۴۵ اور کہو عمل کرو اللہ تمہارے عمل کو دیکھیگا اور اس کا رسول اور

الْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهٰدَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

مومن بھی اور تم غائب اور حاضر کے جاننے والے کیطرف لوٹائے جاؤگے سو وہ تمہیں اسکی خبر دیگا جو تم عمل کرتے تھے ۱۳۴۶

کی۔ یہ معلوم ہوتا ہو کہ سخت دشمن اسلام نہ تھے یا کمزوری کی وجہ سے منافقین سے ملے ہوئے تھے۔ اور سوائے ان تھوڑوں کے جنکے نام لیکر انہیں مسجد سے نکالا گیا بڑا حصہ منافقوں کا ایسا ہی تھا جو سچے دل سے مسلمان ہوگئے۔ اور عسی اللہ ان یتوب علیہم میں جو امید دلائی ہو وہ ان کے حق میں پوری ہوئی +

تطہیر و تزکیہ میں فرق

۱۳۴۴ تطہرھم وتزکیہم۔ تطہیر و تزکیۃ میں فرق یہ ہو کہ طُہر نجاست کا نقیض ہو اور تطہیر کے معنی نجاست سے پاک کرنا ہیں۔ اور تزکیۃ کا اصل زکا ہو جو نمو پر بولا جاتا ہو اور اسلئے تزکیۃ کے معنی ہیں خیرات اور برکات سے نفس کو ترقی دینا پس تطہیر صرف برائیوں سے پاک کرنا ہو اور تزکیہ نیکیوں میں ترقی کرنا +

صلوٰۃ

صل علیہم میں یہاں صرف دعا مراد ہو یعنی انکے لئے استغفار کرو۔ نماز جنازہ مراد نہیں +

توبہ کرنیوالے منافقوں سے زکوٰۃ کا لینا اور مسلمانوں کیلئے سبق

یہاں رسول اللہ صلعم کو یہ حکم دیکر کہ انکے مالوں سے زکوٰۃ لیلو۔ یہ بھی بتا دیا ہو کہ آیت ۱۰۱ کے منافقوں سے جنہیں مسجد سے نکال دیا گیا زکوٰۃ نہیں لینی چاہیئے جو مسلمان زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ غور کریں کہ ان کا حشر کس گروہ میں ہوگا۔ نام کا مسلمان کہلانا کوئی فائدہ نہ دیگا جس طرح منافقوں کو فائدہ نہ دیا۔ پھر اس زکوٰۃ لینے کا فائدہ یہ بتایا کہ اس سے انکی تطہیر اور ان کا تزکیہ ہوگا یعنی جو گناہ کرچکے ہیں ان سے پاک ہونگے اور آیندہ نیکیوں میں ترقی کرینگے۔ اور نبی کریم صلعم کو انکے لئے دعا کا حکم دیا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہو کہ نبی صلعم کے پاس جب زکوٰۃ کا مال آتا تو آپ دینے والے کیلئے دعا کرتے اور اسی طرح جو امام ہو اس پر واجب ہے۔ دعا کو دوسروں کیلئے موجب تسکین فرمایا ہو +

اَخْذ

۱۳۴۵ یاخذ الصدقات۔ اَخْذ کے معنی ہے لینا ہیں لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کا صدقات کو لینا استعارۃً بمعنی قبولیت ہو +

ثبوت اخلاص

۱۳۴۶ اللہ تعالیٰ تو اعمال کو دیکھتا ہی ہو مطلب یہ ہو کہ تمہیں آیندہ اپنے صدق اور اخلاص کا ثبوت دینا ہوگا دوسری جگہ فرمایا قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونہم او یسلمون (الفتح ۴۸-۱۶) اور چونکہ یہاں بھی پیچھے فرمایا تھا کہ آیندہ یہ منافق جنگ میں ساتھ نہ نکلیں (۸۳) اسلئے جنہوں نے توبہ کی ان کو پھر موقعہ ملتا ہو کہ اسلام کے لئے اپنے صدق اور اخلاص کو دشمن کے مقابلہ میں نکلکر دکھائیں۔ اسلئے اللہ کیساتھ رسول اور مومنوں کا لفظ بڑھایا ہو یعنی وہ اس قسم کے عمل ہونگے جن کو رسول اور مومن بھی دیکھ سکتے ہیں اور وہ جنگوں میں نکلنا ہو۔ آج بھی مسلمان اپنے اخلاص کا ثبوت اسی طرح دے سکتے ہیں

۱۰۶ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اور کچھ اور اللہ کے حکم کیلئے پیچھے رکھے گئے ہیں خواہ انہیں عذاب دے اور خواہ ان پر رحمت سے متوجہ ہو اور اللہ جاننے والا

۱۰۷ حَكِيْمٌ ○ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

حکمت والا ہے ۱۳۴۷ اور وہ جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ دکھ پہنچایا جائے اور کفر کیا جائے اور مومنوں میں پھوٹ ڈالی جائے

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا

اور اس شخص کیلئے گھات ہو جو پہلے سے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ لڑ رہا ہے اور وہ یقیناً قسمیں کھائینگے کہ ہمارا ارادہ سوائے

۱۰۸ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ

بھلائی کے کچھ نہ تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں ۱۳۴۸ اس میں کبھی کھڑا نہ ہونا

خدا کی راہ میں اور اس کے دین کی ترقی کے لئے اپنے مالوں کو بے دریغ خرچ کریں اور اپنی جانیں دیدیں +

ارجاً — **۱۳۴۷** مرجون ۔ اَرْجَاْ الامر کے معنی ہیں اَخَّرَہٗ یعنی اسے پیچھے ڈال دیا اور ہمزہ ترک بھی کر دیا جاتا ہے (دل) +

منافقین سے تشابہ — یہ کون تھے ؟ ابن عباس مجاہد عکرمہ وغیرہ اسی طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد وہی تین شخص ہیں جنکا ذکر آیت ۱۱۸ میں ہے مگر اس رکوع میں منافقین کا ذکر ہے اور ان تین کا ذکر آگے چلکر مومنوں کی ذیل میں بھی کیا ہے اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ ان تینوں نے غزوہ تبوک میں شمولیت پر اپنے آرام کو مقدم کیا اور یوں منافقوں کے ساتھ خود تشبیہ پیدا کر لی ۔ اس لحاظ سے ان کا ذکر یہاں کیا اور انکی توبہ کا ذکر مومنوں کی ذیل میں کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ فی الواقع منافقین میں شامل نہ تھے +

مسجد ضرار — **۱۳۴۸** اس آیت میں منافقوں کے اس گروہ کا ذکر ہے جنہوں نے وہ مسجد بنائی جو مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ بارہ آدمی تھے جنہوں نے ابو عامر راہب کی سازش سے ایک مسجد مسجد قبا کے پاس بنائی ۔ ابو عامر خزرج میں سے ایک شخص تھا جو زمانہ

ابو عامر — جاہلیت میں عیسائی ہو گیا ۔ اور بوجہ اس کی عبادت کے خزرج اس کی عزت کرتے تھے ۔ جب بدر میں رسول اللہ صلعم کو فتح ہوئی تو ابو عامر بھاگ کر قریش سے جا ملا اور ان کو رسول اللہ صلعم کی جنگ کیلئے اکسایا اور اُحد میں خود بھی آیا ۔ اور انصار کو ورغلانا چاہا مگر نامراد رہا ۔ آخر جب رسول اللہ صلعم کے امر کو غالب ہوتے دیکھا تو ملک شام میں چلا گیا تاکہ ہرقل سے رسول اللہ صلعم کے خلاف مدد لے اور وہاں سے کچھ وعدہ پاکر اس نے اپنی قوم کے بعض آدمیوں کو خط لکھا کہ وہاں ایک علیحدہ مسجد بنائیں جہاں منصوبہ بازی کا کام آسانی سے ہو سکے ۔ اسی بنا پر یہ مسجد بننی شروع ہوئی ۔ رسول اللہ صلعم تبوک کیلئے تیار تھے جب یہ لوگ رسول اللہ صلعم کے پاس آئے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں آپنے فرمایا سفر سے واپسی پر دیکھا جائیگا ۔ واپسی پر مدینہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وحی کے ذریعہ سے اصل حقیقت سے آپ کو اطلاع دی اور آپنے اس مسجد کو گروا دیا ۔

مسجد ضرار بنانیکی اغراض — اسکے بنانے کی اول غرض ضرارا فرمائی یعنی مسلمانوں کو ایذا پہنچانا سو ظاہر ہے دوسری غرض کفر کا پھیلانا وہ بھی ظاہر ہے تیسری تفریقاً بین المؤمنین جس سے مراد یہ ہے کہ الگ مسجد بنانے کی غرض مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا تھا تاکہ بعض لوگوں کو دھوکہ دیکر اپنے ساتھ ملائیں اور ارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ سے مراد ابو عامر کیلئے گھات ہے ۔ کیونکہ غرض یہ تھی کہ ابو عامر اس مسجد کے ذریعہ سے رسول اللہ صلعم کے حالات سے آگاہی وغیرہ حاصل کرتا رہے جس سے آپکے خلاف سازش میں اسے مدد ملے +

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ

یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوی پر رکھی گئی ہو اسبات کے زیادہ لائق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں

رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ ۱۰۹ أَفَمَنْ

ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ پاک ہو جائیں اور اللہ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے ۱۳۴۹ تو کیا وہ جس نے

أَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقوٰی اور رضا پر رکھی اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک

عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○

کھوکھلے گرتے ہوئے کنارہ کے اوپر رکھی سو وہ اسکو جہنم کی آگ میں لے گرا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ۱۳۵۰

اساس۔اُسّ

۱۳۴۹ اسس۔ اُسّ اور آساس بنیاد کو کہتے ہیں جس پر عمارت بنائی جائے اور جہاں سے کسی چیز کی ابتدا ہوئے بھی کہتے ہیں اور انسان کا اُسّ اس کا قلب ہے (ل)۔ تقوٰی پر بنیاد ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کے بنانے میں تقوی مدنظر تھا۔

مسجد قبا

اس مسجد سے مراد مسجد قبا ہے۔ گو بعض روایات میں مسجد نبوی کا ذکر بھی ہے مگر قول اول کو ترجیح ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس میں لوگ ہیں جو پاک ہونا چاہتے ہیں۔ تو مراد ظاہری طہارت نہیں گو چند روایات اس کی تائید میں ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف نے اس تطہیر کا ذکر پہلی شرارتوں کے مقابل پر کیا ہے۔ ظاہری طور پر پاکیزہ کپڑوں سے تو مسجد ضرار میں بھی جا سکتے تھے۔ مراد قلوب کی پاکیزگی ہے یعنی ہر قسم کی شرارت سے پاک ہونا جیسے تقوٰی پر بنیاد رکھنے سے مراد نہیں کہ تقوٰی کوئی جسمانی شے تھی جس پر بنیاد رکھی گئی۔

تطہیر سے مراد

بنیان

۱۳۵۰ بنیان۔ بَنٰی سے ہے جس کے معنی ہیں عمارت بنائی اور بُنیان دیوار کو بھی کہتے ہیں کا نہم بنیان مرصوص (الصف ۴) اور ہر چیز کو جو بنائی جائے۔ چنانچہ دوسری جگہ آیا ہے فاتی اللہ بنیانہم من القواعد (النحل ۱۶-۲۶) جہاں مراد انکی تدابیر کی عمارت ہے۔ چنانچہ بناء کا لفظ جسم انسانی پر بھی بولا گیا ہے من ھدم بناء ربہ اور بِنْيَة فطرت کو کہا گیا ہے (ل)۔

بنیۃ

شفا۔شفاء

شفا۔ شفا کنوئیں وغیرہ کے کنارہ کو کہتے ہیں اور ہلاکت سے قرب میں مثال کے طور پر بولا جاتا ہے جیسے یہاں اور شفاء بیماری سے بھی ہوتی ہے جو گو یا سلامتی کے کنارہ کو پا لینا ہے (غ)۔

جرف

جرف جَرَفَ کسی چیز کا بہت سا یا سارے کا سارا لے لینا ہے اور جُرُف وادی اور نہر کی جانب کا نچلا حصہ ہے جسے سیل بہا لیجائے اور اسکا اوپر کا حصہ آگے بڑھا ہوا رہ جاتا ہے پھر جب وہ اوپر کا حصہ پھٹ جائے تو اسے ھار کہا جاتا ہے۔ حدیث بن حج طاعون جارف کا ذکر آیا ہے یا وہ جو کرم (ل)

جارف

ھار۔انہار

ھار۔ انہار ھار البناء دیوار گر گئی۔ انہار اس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے جو بلند جگہ سے نیچے گر جائے۔

یہاں مراد صحیح عمارتوں کا بنانا نہیں۔ بلکہ مومن اور منافق کی حالت کو تشبیہ دی ہے۔ ایمان کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے اور نفاق کی بنیاد نہایت کمزور ہے۔

۱۱۰ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ

انکی عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ انکے دلوں کی بے چینی کا موجب رہے گی یہانتک کہ انکے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں

ع ۱۴ ۸ ۳

مومنوں کا عہد اور اسکا ایفا

۱۱۱ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۞ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ

اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے [۱۳۵۱] اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں (اسکے)

بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا

بدلہ میں ان کے لئے جنت ہو وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں سو قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں یہ وعدہ

عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ

اس پر لازم ہو توریت اور انجیل اور قرآن میں ثابت ہے اور اللہ سے بڑھکر اپنے وعدہ کو کون پورا کرنے والا ہو

فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

سو اپنے سودے پر جو تم نے اس سے کیا ہو خوش ہو جاؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے [۱۳۵۲]

ريبة

۱۳۵۱ ريبة - رَیب سے اسم ہو اور بنوا ريبة فی قلوبہم کی تفسیر میں ہو تَدُلُّ علی دَغَلٍ وقِلَّةِ یقینٍ یعنی یہ کھوٹ اور قلت یقین پر دلالت کرتا ہو (غ) +

قطع قلوب

تقطع قلوبہم قَطْع کے معنی ہیں کسی چیز کا علیحدہ کر دینا جسم سے ہو یا معناً - جیسے ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل (البقرۃ ۲ - ۲۷) اور دلوں کے کٹنے سے مراد یہ ہو کہ مر جائیں یا یہ کہ ایسی توبہ کریں جس سے ان کے دل ندامت کے مارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں (رغ) یہاں خود ان کی اس عمارت کو ريبة کہا ہو یعنی شک اور قلق اور اضطراب جس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ مراد انکا دین ہے

مسلمانوں کا عہد

۱۳۵۲ جب منافقوں کا ذکر ہو چکا تو اب بتایا کہ وہ لوگ جو فی الواقع مومن ہیں ان کا کیا طریق ہو - جان اور مال دو ہی چیزیں انسان کو بہت پیاری ہیں سو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں اور اس کا معاوضہ جنت قبول کر چکے ہیں - گویا اللہ پر ایمان کی حقیقت یہ بتائی کہ انسان اپنی محبوب ترین چیزوں کو اپنا نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا مال سمجھے - یہ گویا اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں کے ساتھ عہد ہو جبتک وہ اپنے عہد پر قایم رہینگے اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے جنت کے مستحق ہونگے اور وعدہ جنت میں اس دنیا کی کامیابی کا وعدہ بھی شامل ہو جیسا کہ متعدد مقامات سے ظاہر ہو لیکن اگر مسلمان اپنے عہد پر قایم نہ رہیں تو معاوضہ کے بھی وہ مستحق نہ ہونگے پس ہر ایک شخص کو جو مسلم کہلاتا ہو یا ایمان کا دعویٰ کرتا ہو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال دونوں بیچ چکا ہو اور ان پر اس کا کوئی حق نہیں اور اب وہ بطور ایک امین کے ہو کہ اللہ کی راہ میں انکو لگائے

صحابہؓ نے اس عہد کو کس طرح پورا کیا

اس وعدہ کے بعد انکے کاموں کا ذکر کیا اور چونکہ پچھلے رکوعوں میں منافقوں کی سب سے بڑی علامت یہ بتائی کہ وہ لڑائی کیلئے نہیں نکلتے اسلئے مقابلہ کے طور پر یہاں مومنوں کے جنگ کرنے کا ذکر کیا - منافق نمازوں میں بھی شامل ہو جاتے تھے - زکوٰۃ بھی دیدیتے تھے اور احکام ظاہری نکاح وغیرہ کے معاملات میں بھی شریعت قرآنی پر عمل کر لیتے تھے - مگر جنگوں کے پیش آنے پر ان میں اور مومنوں میں ما بہ الامتیاز یہ ہو گیا کہ وہ جنگوں میں نہ نکلتے تھے - اسلئے یہاں مومنوں کے ساتھ وعدہ کا ذکر کرکے عمل کے رنگ میں اس چیز کو

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السّٰٓئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ ١١٢

توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ١٣٥٣

بھلائی کا حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنیوالے اور مومنوں کو خوشخبری دو

پیش کیا جو منافقوں اور مومنوں میں ما بہ الامتیاز تھا یعنی جنگ کرنا علاوہ ازیں یہ بھی ظاہر ہے کہ جان اور مال کو دینے کا پورا امتحان جنگ میں ہی ہوتا ہے اسلئے وعدہ کے ذکر کے ساتھ اس چیز کا ذکر کیا جو ایفائے وعدہ کیلئے ایک محک کے طور پر کام دے سکتی تھی۔ لیکن یقاتلون سے یہ مراد لینا کہ خواہ مخواہ لوگوں کو مارتے پھرتے ہیں پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ جنگ کی ضرورت جو پیش آتی وہ خود کھول کر قرآن شریف بیان فرما چکا ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم (البقرۃ ٢-١٩٠) انہی جنگوں میں نہ شامل ہونے پر منافقوں کو الزام دیا انہی میں شمولیت اختیار کرنے کو مومن کے وعدہ کا ایفا قرار دیا۔

یہی عہد سب انبیاء لیتے تھے۔

تیسری بات جو یہاں بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ یہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ کا مومنوں کے ساتھ ہے یہ توریت اور انجیل اور قرآن سب میں پایا جاتا ہے گویا سب انبیاء یہی وعدہ لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جس وعدہ کا اوپر ذکر ہے وہ یہی ہے کہ جنت کے عوض اپنی جانوں اور مال کو بیچ دیا ہے یا بالفاظ دیگر وعدہ یہ ہے کہ مومن جان اور مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیگا اور اللہ تعالیٰ اُسے جنت دے گا۔ عیسائی جو قرآن کریم کے بیانات کو توڑ مروڑ کر محل اعتراض بنانے کے عادی ہیں کہتے ہیں یہ قرآن کریم نے جھوٹ کہا ہے ایسا کوئی وعدہ توریت اور انجیل میں نہیں۔ غالبًا یہ لفظ قلم سے نکالتے وقت پادری صاحبان کا خیال یقاتلون کی طرف تھا کیونکہ اسلام میں قتال کی اجازت انہیں سب سے بڑا عیب نظر آتا ہے حالانکہ جس مصیبت کی حالت میں پہنچ کر مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی کوئی عقلمند ایک لمحہ کیلئے بھی ان حالات میں جنگ کرنے پر اعتراض نہیں کرسکتا۔ اور موسوی شریعت میں تو ایسی کوئی شرط جنگ کیلئے قطعاً نہیں اور خود عیسائی قومیں جب اپنے آپکو طاقتور پاتی ہیں تو ادنےٰ ادنےٰ بہانوں پر جنگ کیلئے آمادہ ہو جاتی ہیں مگر بہرحال یقاتلون میں کسی وعدہ کا ذکر نہیں۔ ایفائے وعدہ کا ذکر ہے اور وعدہ کا ذکر اشترٰی من المؤمنین میں ہے اور یہ سچ ہے کہ یہی وعدہ توریت اور انجیل میں موجود ہے جب ایک دولتمند حضرت مسیح کے پاس آیا۔ اور پوچھا کہ اے نیک اُستاد میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں تو حضرت عیسیٰ نے جواب دیا "اگر تو کامل ہوا چاہے تو جا کے سب کچھ جو تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا تب آ کے میرے پیچھے ہولے" (متی ١٩: ٢١) اور حضرت موسیٰ کی بھی یہی تعلیم تھی "تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ" جنت یا آسمانی بادشاہت دنیا پر لات مارنے کے بغیر نہیں ملتی۔

حضرت مسیح کی تعلیم مال وجان دینے کی

١٣٥٣ السّٰٓئِحُوْنَ۔ سَاحَة فراخ مکان کو کہتے ہیں اور ساحة الدار گھر کے صحن کو کہتے ہیں فاذا نزل بساحتھم (والصّٰفّٰت ٣٧-١٧٧) اور ساح فی الارض کے معنی ہیں زمین میں گزرا یا سیاحت کی فسیحوا فی الارض اربعة اشھر (التوبة ٩-٢) اور سائح اس پانی کو کہتے ہیں جو دائم طور پر جاری ہو۔ اور سیّاح اور سائح سیاحت کرنے والے کو کہتے ہیں (غ) اور سائحون جو یہاں آیا ہے اور سائحات (التحریم ٦٦-٥) کے معنی روزہ رکھنے والے صحابہ اور تابعین سے مروی ہیں۔ بلکہ ایک حدیث میں یہی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ سائحون کے معنی صائمون ہیں اور ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے سیاحت کی اجازت مانگی تو آپنے فرمایا کہ میری اُمت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے (ت)، مگر عموماً روزہ رکھنے والے معنی ہی قبول کئے گئے ہیں اور مفردات میں بھی ہے السائحون ای الصائمون اور السائحات ای الصائمات پھر اسکے بعد لکھا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ روزہ دو طرح پر ہے

ساحة
ساح
سیّاح۔ سائح

١١٣ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوٓا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا

نبی کیلئے شایاں نہیں اور (نہ) ان کیلئے جو ایمان لائے کہ وہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں گو وہ قریبی ہوں اسکے بعد کہ ان پر

١١٤ تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ

کھل گیا کہ وہ دوزخ والے ہیں ۱۳۵۴ اور ابراہیم کا اپنے بزرگ کیلئے استغفار کرنا

ایک حقیقی یعنی کھانے پینے کا ترک کرنا اور دوسرا حکمی یعنی جوارح کا معاصی سے محفوظ رکھنا۔ اور سائح اسی روزہ کا رکھنے والا ہے +

مومنوں کی صفات

پہلی آیت میں مومنوں کے عہد کا ذکر کیا اور اس میں انکی صفات بیان کیں سب سے پہلے تائب یعنی سب قسم کے گناہوں سے توبہ کرنے والے پھر عابد یعنی توبہ کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگانیوالے۔ پھر حامد یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے اور جس کی حمد کی جائے اسکی صفات کو انسان اپنے اندر لیتا ہے پس ما مدون اخلاق الٰہی کے رنگ میں رنگین ہونیوالے ہیں پھر سائحون یعنی روزہ رکھنے والے یا اپنے جوارح کی پوری حفاظت کرنے والے پھر اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کی حالت اختیار کرنیوالے۔ پھر وہ جو نیکی کی راہ پر ڈالنے والے اور برائی سے روکنے والے اور سب سے آخر حدود اللہ کی حفاظت کیلئے کھڑے ہو جانیوالے یہ وہ مومن ہیں جنکے لئے خوشخبری ہے +

مشرکین کیلئے ممانعت استغفار
ابو طالب

۱۳۵۴ اس آیت کی رو سے ان مشرکوں کیلئے استغفار منع کیا گیا ہے جنکے متعلق یہ کھلے طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ اصحاب جحیم ہیں صحیح بخاری اور دیگر صحاح میں اس کا شان نزول ابو طالب کی وفات کو بیان کیا گیا ہے جو ہجرت سے پیشتر کا واقعہ ہے اور اس سورت کا نزول سنہ ۹ ہجری کا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم برابر اسکے لئے استغفار کرتے رہے جبتک کہ کفار سے قطع تعلق کی وجہ سے اس سورت کے نزول کے وقت آپ کو روکا نہیں گیا اور بعض احادیث میں اس کا شان نزول آپ کا اپنی والدہ کے لئے

آنحضرت کی والدہ

استغفار کرنا بتایا گیا ہے۔ ابو طالب نے آنحضرت صلعم کا زمانہ پایا مگر آپ کی والدہ جو آپ کی بعثت سے چونتیس سال پیشتر وفات پا چکی تھیں انکے متعلق ایسا خیال حیرت تعجب ہے۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰ سے دریافت کیا فما بال القرون الاولیٰ (طٰہٰ ۲۰: ۵۱) تمہارے آنے سے پیشتر جو نسلیں گزر چکیں ان کا کیا حال ہے تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا علمها عند ربی (طٰہٰ ۲۰: ۵۲) بعثت نبی سے پیشتر جو لوگ ہوتے ہیں یا جن کو تبلیغ نہیں پہنچی ان پر مواخذہ بھی صرف اس روشنی کے مطابق ہوتا ہے جو عقل اور فطرت کے ذریعہ سے ان کو دی گئی ہے نبی کے انکار کا لفظ ان پر نہیں آتا اور آنحضرت صلعم کی والدہ کا صحیح فطری مذہب پر قائم ہونا خود وتقلبك في الساجدين (الشعراء ۲۶: ۲۱۹) کی اس تفسیر سے ظاہر ہے جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ مراد اس سے آپ کا انتقال ایسے آباء اور امہات میں ہوتے رہنا ہے جو ساجدین میں داخل تھے +

ممانعت استغفار شرائط

استغفار کی ممانعت کو اس بات کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ ان کا دوزخی ہونا صراحت سے معلوم ہو جائے مفسرین نے صرف دو ہی صورتیں ایسے تبیّن کی ٹھہرائی ہیں ایک یہ کہ ایک شخص حالت کفر پر مر جائے دوسرا یہ کہ وحی سے معلوم ہو جائے کہ ایک شخص ناقابل اصلاح ہے۔ اور قرآن کریم نے خود جو تصریح فرمائی ہے وہ اگلی آیت میں مذکور ہے جہاں حضرت ابراہیم کا استغفار سے اس وقت رکنا بیان کیا گیا ہے جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ شخص خدا کا دشمن تھا پس اصل بات تو یہی ہے کہ استغفار سے روکنے کی غرض صرف یہی ہے کہ جو شخص کھلے طور پر حق اور صداقت کا جو اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہے دشمن ہو اس کیلئے طلب حفاظت الٰہی یا طلب معافی بے معنی ہے خدا کے دشمنوں سے ایسا تعلق مومن کو شایاں نہیں اور کسی شخص کی ایسی دشمنی پر قطعی یقین تو وحی الٰہی سے ہی پیدا ہوتا ہے گو بعض وقت

غیر مسلم کا جنازہ

واقعات بھی بتا دیتے ہیں مگر اس نہی میں عام مشرک یا کافر شامل نہیں ہاں جو لوگ حالت شرک یا کفر پر مر جائیں انکی نماز جنازہ کے نہ پڑھنے کا استدلال بھی اس سے کیا جا سکتا ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ نماز جنازہ صرف مسلمان کا حق مسلمان پر ہے انسانی ہمدردی کا

إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَآ إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُۥٓ أَنَّهُۥ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ

صرف ایک وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے اس سے کیا تھا پھر جب اس پر کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے وہ اس سے الگ ہو گیا یقیناً ابراہیم

لَأَوَّٰهٌ حَلِيمٌ ○ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ إِذْ هَدَىٰهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُم ۱۱۵

بہت نرم دل بردبار تھا ۱۳۵۵ اور اللہ کی شان نہیں کہ ایک قوم کو گمراہ قرار دے اسکے بعد کہ انہیں ہدایت دی یہانتک کہ ان کیلئے وہ بیان نکردے

مَّا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ○ إِنَّ ٱللَّهَ لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۱۱۶

جس سے انہیں بچنا چاہیئے بیشک اللہ سب باتوں کا جاننے والا ہے ۱۳۵۶ اللہ کی ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔

يُحْىِۦ وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ○

وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوائے تمہارا کوئی ولی نہیں اور نہ مددگار ہے۔

حق اور ہے اور اسلامی ہمدردی عامہ انسانی ہمدردی کے حق کے علاوہ ہے نماز جنازہ بغیر تعلق اخوت اسلامی جائز نہیں ہاں اللہ تعالیٰ اپنی وسیع رحمت سے جس طرح چاہے ان سے معاملہ کرے۔ مگر نماز جنازہ انہی لوگوں کی ہو سکتی ہے جو ظاہر طور پر اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔

اواہ

۱۳۵۵ اواہ جو کثرت سے تاوّہ کرے یا اوّہ کہے اور تاوّہ ہر وہ کلام ہے جو حزن پر دلالت کرے اور مراد اس سے ایسا شخص لیا جاتا ہے جو بہت خشیۃ اللہ کو ظاہر کرے (غ) نرم دل اسلئے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ کثرت خشیۃ اللہ سے نرم دلی پیدا ہوتی ہے۔ ابن جریر میں جو اقوال اسکے معنی میں نقل کئے گئے ہیں ان میں الرحیم کو ترجیح ہے یعنی اس سے مراد رحم کرنیوالا ہے۔

ابراہیم اور آزر

حضرت ابراہیم کا اپنے اب یا بزرگ کے لئے استغفار سے روکا جانا یہاں صراحت سے ثابت ہے۔ حالانکہ والدین کیلئے استغفار آخر عمر تک کرتے رہے دیکھو ربنا اغفرلی ولوالدی (ابراہیم ۱۴-۴۱)۔

اب کے لئے دیکھو ۹۶۷ باوجود اس کے کہ وہ حضرت ابراہیم .... کا بزرگ تھا جب اس کی حالت معمولی کفر کی حالت سے نکل کر یہانتک پہنچ گئی کہ کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو گیا تو پھر اس کی بخشش کی دعا کے یہ معنی ہوتے کہ اللہ تعالیٰ اس ناحق اور باطل کو جو حق اور صداقت کو کچلنا چاہتا ہے دنیا میں سرسبز کرے ہاں جبتک ایسا نہ ہو اس وقت تک غیروں کیلئے بھلائی مانگنا بھی مقام مدح پر ہے۔ وعدہ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اس کی تصریح دوسری جگہ ہے۔ دیکھو مریم ۱۹-۴۷- جہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود آزر کے حضرت ابراہیم کو سنگسار کرنے کی دھمکی دینے اور ان سے علیحدگی اختیار کر لینے کے حضرت ابراہیم نے استغفار کا وعدہ کیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک استغفار کو نہیں چھوڑا جبتک کہ آزر کی دشمنی اور استیصال حق کی کوشش انتہا کو نہیں پہنچ گئی۔

۱۳۵۶ ان الفاظ سے یہ مراد لی گئی ہے کہ مسلمانوں کے مشرکوں کیلئے استغفار کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ضلالت قرار نہیں دیا۔ یہانتک کہ اس حکم کو کھول کر قرآن کریم میں بیان کر دیا۔ ہاں حکم کے آجانے کے بعد جو شخص ایسا کرے وہ ضلالت میں ہوگا اور یضل کے معنی گمراہ قرار دینا ہی لئے گئے ہیں۔

۱۱۷ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ

اللہ نے نبی پر اور ان مہاجرین اور انصار پر رحمت سے توجہ فرمائی جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کا ساتھ دیا

الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ

اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل پھر جاتے پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا بیشک وہ ان پر

۱۱۸ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ

مہربان رحم کرنے والا ہے ۱۳۵۷ اور ان تین پر جو پیچھے رکھے گئے تھے ۱۳۵۸ یہاں تک کہ زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ

بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ

ہوگئی اور وہ اپنی جانوں سے بھی تنگ آگئے اور یقین کر لیا کہ اللہ کی سزا سے سوائے اس کے کوئی پناہ نہیں

اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

تب وہ رحمت سے ان پر پھر آیا تاکہ وہ بھی پھر آئیں بیشک اللہ بہت رحمت سے پھر آنے والا رحم کرنے والا ہے ۱۳۵۸

تاب — ۱۳۵۷ تاب۔ لفظ تاب کے معنی پر یہ آیت کھلی شہادت ہے کہ اس سے مراد صرف گناہ پر رجوع ہی نہیں بندہ کی طرف سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلکہ جیسا کہ ۱۳۵ میں بیان کیا گیا ہے ایک اچھی حالت سے اس سے زیادہ اچھی حالت کیطرف رجوع کرنا بھی تاب میں داخل ہے کیونکہ یہاں نبی اور مومنین کا قطعاً کوئی گناہ نہیں۔ بلکہ الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ میں ان کی تعریف ہی کی گئی ہے تاہم فرمایا تاب اللہ علی النبی ۔ اور مراد صرف اس قدر ہے کہ بڑے بڑے فضل کئے۔ اور یہ اسکے مطابق ہے جو لغت میں تاب کے معنی دیتے ہیں کہ اصل معنی عاد الی اللہ و رجع و اناب ہیں یعنی اللہ کیطرف عود کیا اور لوٹ آیا اور جھک گیا (ل) +

ساعۃ العسرۃ — ساعۃ العسرۃ عسر۔ یسر کی ضد ہے۔ اور یہاں ساعۃ العسرۃ سے مراد غزوہ تبوک لیا گیا ہے جس میں صحابہ کو تکالیف شاقہ مقابلہ کرنا پڑا یہاں تک کہ بعض وقت ایک کھجور کو دو آدمیوں نے بانٹ کر اس پر پانی پیکر گزارہ کیا اور دو دو تین تین آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوتے۔ یہ انکے کمال صداقت اور اخلاص کا ثبوت تھا اسلئے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا +

مسلمانوں کی جاں نثاری کا کمال۔ — اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس سخت مصیبت اور مقابلہ کے وقت مسلمانوں نے خوش دلی سے آنحضرت کی آواز پر لبیک کہا صرف ایک گروہ کے متعلق ذکر کیا کہ انکے دلوں میں کچھ کمزوری کا خیال آیا تھا مگر اس پر بھی کاد کا لفظ بولکر بتا دیا کہ فی الواقع کوئی زیغ انکے دلوں میں پیدا نہیں ہوا۔ یہ آنحضرت صلعم کی قوت قدسی کا اثر تھا کہ صحابہ کو اس مقام اتباع تک پہنچا یا کہ وہ سبکے سب ہی ایک رنگ میں رنگین تھے۔

خلّف — ۱۳۵۸ خلّفوا۔ خلّفتہ کے معنی ہیں میں نے اسے اپنے پیچھے چھوڑا مگر مخلّفون سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ میں پیچھے رہگئے اور یہی مراد خلّفوا سے ہوسکتی ہے یعنی جو پیچھے رہگئے۔ مگر عموماً مراد اس سے لی گئی ہے کہ ان کا حکم پیچھے رکھا گیا یعنی وہ جنکے متعلق فرمایا تھا آخرون مرجون لامر اللہ (۱۰۶) خود کعبؓ جو ان میں سے ایک تھے یہی معنی خلفوا کے لیتے ہیں +

ضاق — ضاقت ضیق وسعت کی ضد ہے اور اس کا استعمال فقر و بخل اور غم وغیرہ پر ہوتا ہے وضائق بہ صدرک (ھود ۱۱۔۱۲) یضیق بہ صدری (الشعراء ۲۶۔۱۳) ولا تک فی ضیق مما یمکرون (النحل ۱۶۔۱۲۷) میں اور یہاں مراد حزن ہے (غ) +

رکوع ۱۵

مومنوں کے لئے ہدایات

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ۱۱۹

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ ۱۳۵۹

رحب

رحبت۔ رحب مکان کی وسعت کو کہتے ہیں اور اس کا استعمال ضیق کی طرح بطور استعارہ بھی ہو جاتا ہے جیسے یہاں اور اسی سے مرحبا ہے (غ)

کعب بن مالک، مرارۃ، ہلال

یہ تین شخص جن کا یہاں خصوصیت سے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ کعب بن مالک، مرارۃ بن الربیع اور ہلال بن اُمیہ تھے۔ ان کا ذکر صحیح احادیث میں ہے۔ اور ایک طویل حدیث میں خود کعب نے یہ ذکر کیا ہے۔ غزوۂ تبوک میں تیاری کو ایک سے دوسرے دن پر ملتوی کرتے کرتے یہ لوگ پیچھے رہ گئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم بہت دور نکل گئے۔ تب انہوں نے ارادہ ترک کر دیا۔ واپسی پر جب بہت سے منافقین نے جھوٹے عذر پیش کئے تو کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں نے رسول اللہ صلعم سے سچ سچ کہہ دیا کہ ہمارا عذر کوئی نہ تھا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ان کے بارہ میں نازل نہ ہو مسلمان ان سے قطع تعلق کر لیں۔ پچاس دن تک ان تینوں کی یہ حالت رہی کہ کوئی شخص ان سے کلام تک نہ کرتا تھا۔ کعب کہتے ہیں کہ میں مسجد میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ نماز بھی پڑھنے آتا مگر کوئی شخص مجھ سے کلام نہ کرتا۔

بادشاہ غسان

انہی ایام میں جب ایک دن میں بازار میں پریشان پھر رہا تھا ملک غسان کے ایک قاصد نے میرا پتہ دریافت کیا اور مجھے بادشاہ کا ایک رقعہ دیا جس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے تمہارے ساتھ سختی ہوئی ہے اور ذلت کا برتاؤ کیا جاتا ہے تم ہمارے پاس چلے آؤ تو ہم تم سے ہمدردی کریں گے۔ کعب کہتے ہیں میں نے سمجھا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمایش ہے اور اس رقعہ کو لیکر تنور کا رخ کیا اور اسے جلا دیا۔ پچاس دن کے بعد اس آیت کے نزول پر رسول اللہ صلعم نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو یاد فرمایا اور بشارت دی۔ یہ

صحابہ کی سچائی سے محبت

واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ کو سچائی سے کس قدر محبت تھی کہ اس کی خاطر خود رسول اللہ صلعم کی ناراضگی کی بھی پروا نہیں کی۔ ایک طرف اگر یہ صحابہ کا گروہ جاں نثاری میں اور مال و جان کے قربان کرنے میں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتا۔ تو دوسری طرف اخلاق فاضلہ میں بھی تاریخ عالم دوسرا کوئی ایسا گروہ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان تینوں میں سے کعب علاوہ تبوک کے صرف بدر میں غیر حاضر تھے اور دوسرے دونوں اصحاب بدر میں بھی شامل تھے۔ باایں غزوۂ تبوک میں نہ جانے کی وجہ سے ان پر ایسی سختی ہوئی۔ وہ مسلمان غور کریں جو آج خدمت اسلام کو ایک بے معنی چیز ٹھہرا کر صرف اپنے نفسوں کے فکر کو کافی سمجھے ہوئے ہیں یا زیادہ سے زیادہ کسی نے نماز پڑھ لی اور سمجھ لیا کہ ہم جنت کے وارث ہو گئے ۔

صحابہ کی جاں نثاری اور اطاعت کا کمال

منجملہ اور امور کے جو ان تین شخصوں کے ذکر میں مقصود ہیں ایک یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری اور اطاعت کس حد تک پہنچ چکی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے انہیں وہ مقام بلند عطا فرمایا جو کسی قوم کی قوم کو دنیا میں نہیں ملا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ایک طرف اس جنگ کی مشکلات کو دیکھو خطرناک گرمی۔ عرب کا ملک فصلیں پکی ہوئیں۔ لمبا سفر۔ سواریوں کا پورا انتظام نہیں۔ نہ سامان رسد کا عظیم الشان شہنشاہ کی افواج سے مقابلہ ہے سب لوگ اپنی تجارتیں کر کے اور کاروبار کر کے معاش پیدا کرنیوالے ہیں کوئی فوج باقاعدہ نہیں مگر تیس ہزار تو ساتھ ہوتے ہیں اور صرف تین پیچھے رہ جاتے ہیں کیا ایسی اطاعت اور ایسی جاں نثاری کی کوئی مثال دنیا میں مل سکتی ہے (منافقوں کو الگ رکھو کیونکہ وہ دل سے ہی دشمن اسلام تھے) گویا دس ہزار میں سے صرف ایک کمزوری دکھاتا ہے اور وہ کمزوری بھی خود عظیم الشان مدح کا پہلو ساتھ لئے ہوئے ہے کہ اس میں ان کی صداقت کا کمال ظاہر ہوتا ہے ۔

معیت صادقین کا حکم

۱۳۵۹ یہ آیت قرآن کریم کی ترتیب ابلغ اور محکم پر گواہ ہے پچھلی آیت میں ان تین شخصوں کا ذکر تھا جو ہمیشہ غزوات میں شامل ہوتے ہوتے غزوۂ تبوک سے رہ گئے تو ان پر اس قدر عتاب اللہ تعالیٰ کا ہوا کہ پچاس دن تک کسی مسلمان کو ان سے بولنے کی اجازت نہ تھی حالانکہ وہ نمازیں پڑھتے اور سب مسلمانوں والے کام کرتے اور مسلمانوں کی جماعت میں سے تھے۔ تو سمجھایا کہ ضروریات دینی میں

۱۲۰ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن

مدینہ کے رہنے والوں اور ان کے اردگرد کے جو بدوی ہیں انہیں مناسب نہ تھا کہ اللہ کے رسول کے پیچھے

رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ

رہ جائیں اور نہ (یہ کہ) اپنی جانوں پر اتنے حریص ہوں کہ اسکی جان کی پروا نہ ہو یہ اسلئے کہ انہیں اللہ کی راہ میں کوئی پیاس

وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَ

کی تکلیف نہیں پہنچتی اور نہ تکان اور نہ بھوک کی اور نہ وہ کسی ایسی جگہ چلتے ہیں جس سے کافروں کو غضب آتا ہے اور

لَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ

نہ دشمن سے کچھ چیز حاصل کرتے ہیں مگر اس کے لئے انکا نیک عمل لکھا جاتا ہے اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ۱۳۶

جو مسلمان ان ضروریات کو محسوس کرکے ان کے پورا کرنے کا تہیہ نہ کریں۔ وہ اس بات کے اہل نہیں کہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوں ۔ اب نبوت کا سلسلہ تو منقطع ہونا تھا مگر ضروریات دینی ختم ہونے والی نہ تھیں ۔ اسلئے اسکے فوراً بعد مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ جو صادق راستباز تمہارے اندر پیدا ہوں اور ضروریات دینی کی طرف قوم کی رہنمائی کریں تو قوم کا انکے ساتھ ہو جانا اس وقت کا سب سے اہم فرض ہوتا ہے ۔ اور صادقین سے مراد یہاں ایسے ہی لوگ ہیں جو خدمت دین میں صدق دکھاتے ہیں۔ صادق کے اس معنی کیلئے دیکھو ۳۴۴ اور قرآن شریف نے خود فرمایا ہے انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون (الحجرات ۴۹ - ۱۵) اور یہاں بھی اگلی آیت میں مصائب اُٹھانے کے ذکر میں یہی اشارہ ہے کہ صادق کہلانے کا وہی مستحق ہے جو خدا کی راہ میں دکھ اُٹھاتا اور کام کرتا ہے ۔ آج مسلمان قرآن شریف سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ کثرت سے یہی کہتے اور جواب دیتے ہیں کہ فلاں شخص مجدد زمانہ ہے تو ہو ہم نماز یں پڑھتے ہیں ۔ کاش کبھی قرآن پر تھوڑا سا بھی غور کرتے تو معلوم ہوتا کہ صادقوں کے ساتھ ہونے کے حکم کو یہاں لاکر قرآن شریف نے اسے کس قدر اہمیت دی ہے +

صادقین سے مراد راستباز خادمان دین ہیں جیسے مجدد

۱۳۶ یرغبوا ۔ رغب کے معنی کیلئے دیکھو ۱۶۵ کسی چیز کے ساتھ رغبت ہونا اس کے لئے حرص اور اس میں طمع ہے حدیث میں ہے کیف انتم اذا مرج الدین وظھرت الرغبۃ ۔ تمہاری کیا حالت ہوگی جب دین ابتری کی حالت میں ہوگا اور رغبت ظاہر ہوگی جس سے مراد مال کے جمع کرنے کی حرص ہے (ل) یہاں بھی اپنی زندگی پر حرص مراد ہے +

رغبوا

ظمأ ۔ ظِمء وہ وقفہ ہے جو دو دفعہ پانی پینے کے درمیان ہو اسلئے ظمأ پیاس ہے اور ظمآن پیاسا ۔ لا تظمؤا فیھا (طٰہٰ ۲۰ - ۱۱۹) یحسبہ الظمآن ماء (النور ۲۴ - ۳۹) (غ) +

ظمأ ۔ ظمآن

نصب ۔ نَصْب کے اصل معنی گاڑ دینا ہیں اور نُصُب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور نَصَب تکان کو کہتے ہیں مسنی الشیطان بنصب (ص ۳۸ - ۴۱) (غ) لا یمسھم فیھا نصب (الحجر ۱۵ - ۴۸) +

مخمصۃ ۔ خمص البطن پیٹ کی لاغری کو کہتے ہیں اسلئے مخمصۃ بھوک ہے جس سے پیٹ کی لاغری پیدا ہوتی ہے (غ) +

مخمصۃ

یطئون ۔ موطئا ۔ وَطِیءَ کے معنی پامال کیا اسلئے زمین کو پامال کرنا یا زمین پر چلنا جیسے یہاں اور مَوْطِیء کے معنی موضع

وطیء ۔ موطئا

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ ۱۲۱

اور نہ وہ کوئی خرچ کرتے ہیں چھوٹا ہو یا بہت نہ کسی میدان سے گزرتے ہیں مگر وہ ان کیلئے لکھا جاتا ہے

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۱۲۲

تاکہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ کرتے تھے ۱۳۶۱ اور مومنوں کو یہ بھی مناسب نہیں

مواطأۃ — یعنی جگہ (ل)، اور اللّٰھم اشدد وطأتک علی مضر میں مراد ہے اس کو ذلیل کردے یا فرمانبردار کردے اور مواطأۃ کے معنی مطابقت ہیں گویا جہاں ایک پاؤں رکھتا ہے وہیں دوسرا رکھتا ہے اسی معنی میں ہے لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ (التوبۃ ۹-۳۷)، ایسی جگہ چلتے ہیں جس سے کافروں کو غضب آتا ہے مراد یہ ہے کہ دشمن اس سے مرعوب ہوتا ہے +

ینالون - نیلا۔ نیل وہ ہے جسے انسان اپنے ہاتھ سے لیتا ہے اور نول (نال ینال)، اور تناول کے معنی لینا یا حاصل کرنا ہیں (غ)، دشمن سے کچھ لیتے ہیں یعنی فتح یا کوئی اور فائدہ حاصل کرتے ہیں +

دشمنانِ دین کا مقابلہ عبادت میں داخل ہے — اس آیت میں بتایا ہے کہ دشمنان دین کے مقابلہ پر جو کام کئے جائیں وہ سب عبادت میں داخل ہیں اور انسان کے لئے اعمال صالحہ کا کام دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ میں اس سے بڑھکر کونسا کام ہو سکتا ہے جس سے دین اسلام کو زندگی ملے عمل صالح درحقیقت وہی عمل ہے جو انسان کیلئے موجب بقا ہے مگر انسان کی زندگی سے بڑھکر حق اور صداقت کا زندہ رہنا ہے اسلئے حق اور صداقت کو زندہ رکھنے کے لئے جو کام کئے جاتے ہیں وہ انسان کے بہترین اعمال صالحہ میں ہیں کیونکہ ان سے انسان کا اپنا بھی بقا ہے۔

سب سے بڑا مجاہدہ دینی — کس قدر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وہ صرف اندر بیٹھکر خدا کا نام لے لینے کو عمل صالح سمجھتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات اختیار کئے جاتے ہیں حالانکہ دشمنان دین کا مقابلہ کرنا وہ مجاہدہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو چلایا اور یوں بتا دیا کہ یہ بہترین مجاہدہ ہے۔ ہاں دشمنان دین کا مقابلہ جب وہ تلوار اٹھائیں تو تلوار سے ہے لیکن آج سب سے بڑا مقابلہ علم اور دلائل کے رنگ میں ہے اور جس طرح پر ایک مجاہد بالسیف کا بھوک پیاس کو برداشت کرنا دکھ اُٹھانا دشمن کو زک دینا رستے طے کرنا عمل صالح ہے اسی طرح ایک مجاہد بالقلم یا باللسان کا انہی باتوں کو برداشت کرنا یا ان کو کر دکھانا عمل صالح ہے جس سے نہ صرف انسان کو خود قلب کی صفائی میسر آتی ہے بلکہ وہ حق اور صداقت کے بقا میں بھی معاون ہوتا ہے اور یوں تمام مجاہدات سے افضل یہ مجاہدہ ہے۔ یہاں لفظ ایسے اختیار کئے ہیں جن میں مجاہدات سیفی

مجاہدۂ علمی — اور مجاہدات علمی دونوں آجاتے ہیں بلکہ یہاں اصل مقصود علمی مجاہدات کا ذکر ہے معلوم ہوتا ہے جیسے کہ رکوع کی آخری آیت میں صاف بتا دیا ہے جہاں جہاد سیف کے لئے نکلنے کا ذکر حذف کرکے جہاد علمی کے لئے نکلنے کا ذکر کیا ہے +

قطع الطریق — ۱۳۶۱ یقطعون وادیا۔ قطع کسی چیز کا الگ کر دینا ہے اور قطع الطریق سے مراد سیر یعنی چلنا بھی ہوتا ہے جیسے یہاں قطع وادی کے معنی وادی میں سے گزرنا ہیں اور رستے چلنے والوں سے مال چھیننا بھی مراد ہوتا ہے جیسے وتقطعون السبیل (العنکبوت ۲۹-۲۹) (غ)

ہر ایک نفقہ اور کام پر اجر — پچھلی آیت میں خود تکلیف بھوک پیاس وغیرہ کے اُٹھانے یا دشمن پر کسی قسم کا غلبہ حاصل کرنے کا ذکر تھا اس میں بتایا کہ خواہ کوئی ایسی تکلیف نہ پہنچے اور خواہ اس سے کوئی غلبہ حاصل نہ ہو محض خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور خدا کی راہ میں نکلنا بجائے خود ہی ایک عمل صالح ہے +

لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ

کہ سب کے سب نکل پڑیں تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکلے تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور

لِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝

اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف واپس جائیں تاکہ وہ بھی بچیں ۱۳۶۲

فقہ
تفقہ

۱۳۶۲ لیتفقھوا ۔ فقہ علم شاہد سے علم غائب کی طرف پہنچنا ہے علم عام ہے اور یہ خاص ہے لا یکادون یفقھون حدیثا (النساء ۴ - ۷۸) اور احکام شریعت کے علم پر بالخصوص بولا جاتا ہے اور تفقہ کے معنی ہیں اس علم کو طلب کیا پھر اس میں تخصص پیدا کی (غ)

جنگوں کا خاتمہ
صداقت اسلام کا ایک نشان

یہ عجیب بات ہے کہ اس سورت کے نزول کے ساتھ جس میں جنگوں کا مضمون اس قدر بھرا ہوا ہے فی الحقیقت جنگوں کا خاتمہ ہوا۔ اور اس کے بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف اقوام عرب کے وفد آنے شروع ہوئے وہ قومیں جو اب تک اسلام کی تباہی پر تلی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بھی جب دیکھا کہ اسلام کی قوت کو وہ توڑ نہیں سکتے تو ٹھنڈے دل سے اسلام کی صداقت پر غور کرنے لگے۔ ان کے سامنے یہ نظارہ تھا کہ کس طرح محمد رسول اللہ صلعم ایک اکیلے شخص تھے سارا عرب آپ کا مخالف ہی نہیں خطرناک دشمن تھا جان لینے کے درپے تھا۔ منصوبے کئے کوشش کی لڑائیاں کیں مگر اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اور اب غزوۂ تبوک کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان قیصر روم کا بھی مقابلہ کر سکتے ہیں تو انہوں نے مقابلہ کو چھوڑ دیا۔ دردل ان کے پہلے سے اندر سے کھاتے ہوئے تھے پس قوم پر قوم آنے لگی اور اسلام کے اصول معلوم کرکے دین اسلام میں داخل ہوتے گئے۔

سب اقوام میں علم پھیلانے کی تجویز

ان مختلف اقوام کی تعلیم کا ایک انتظام تو یہ ہو سکتا تھا کہ جو مسلمان نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر تعلیم حاصل کر چکے تھے وہ باہر نکل جائیں مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سب کے سب ہی باہر نکل جاتے اس لئے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ ہر ایک قوم میں سے کچھ آدمی مدینہ میں آکر تعلیم حاصل کریں اور پھر یہی لوگ جاکر اپنی قوم کو تعلیم دیں جو ان میں سے مسلمان ہو گئے تھے ان کو اسلام کی تعلیم دیں جو مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کو اسلام کی طرف بلائیں ولینذروا قومھم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی قوموں کا بڑا حصہ کفر پر تھا گو ان میں تھوڑے لوگ مسلمان ہو گئے تھے علاوہ ازیں دین اور علم کے تمام اقوام میں پھیلانے کا یہی بہترین ذریعہ تھا

نشر و توسیع علم کی تجویز

اگر اہل مدینہ ہی اس کام کے لئے مخصوص رہتے تو دوسری قومیں سمجھتیں کہ علم انہی کا خاص ورثہ ہے مگر دین اور علم کی اشاعت میں اسلام کی تعلیم جمہوریت کے یہ خلاف تھا اس لئے حکم دیا کہ سب قومیں تعلیم حاصل کریں اور اس کا طریق یہ ہے کہ ہر قوم میں سے کچھ آدمی آکر علم سیکھ جائیں اور پھر اپنی قوم کو جا سکھائیں۔ یوں جنگوں کا خاتمہ اور صلح اور امن کی بنیاد رکھا جانا اسلام کی فتوحات حقیقی کی ابتدا تھی۔ اور جنگوں کے خاتمہ پر اس آیت کو لاکر اسلام کی اصل غرض بھی بتا دی۔ آج بھی اسلام کو ضرورت ایسے لوگوں کی ہے جو دین میں تفقہ حاصل کرکے دنیا کی مختلف قوموں کی طرف نکل جائیں اور جب ان قوموں سے کچھ لوگ اسلام سے آئیں تو پھر وہی لوگ دین اسلام کو سیکھ کر اپنی اپنی قوم کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جب تک مسلمانوں کی طرف سے پہلا قدم نہ اٹھے گا اسلام بھی دنیا میں نہیں پھیل سکتا۔

ع ۱۶

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قَٰتِلُوا۟ ٱلَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ ٱلْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا۟ فِيكُمْ ۱۲۳
اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں اور چاہیے کہ وہ تم میں شدت

غِلْظَةً ۚ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلْمُتَّقِينَ ○ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم ۱۲۴
الربع
پائیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ۱۳۶۳ اور جب کوئی سورت اترتی ہو تو ان میں سے

مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا
بعض کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا ہے۔ سو جو ایمان لائے ان کا ایمان بڑھایا

وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ○ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا ۱۲۵
اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے تو ان کی پلیدی پر پلیدی کو

إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كَٰفِرُونَ ○ أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ ۱۲۶
زیادہ کیا اور وہ مرگئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے ۱۳۶۴ اور کیا دیکھتے نہیں کہ وہ ہر سال

فِى كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ○
میں ایک دفعہ یا دو دفعہ آزمائے جاتے ہیں پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں ۱۳۶۵

قریب کے کفار سے جنگ کا منشاء

۱۳۶۳ قاتلوا الذین یلونکم من الکفار۔ عام حکم نہیں جس سے پہلے احکام قتال کے متعلق منسوخ ہو جاتے ہوں۔ مثلاً جن کفار کے ساتھ معاہدات تھے ان کے متعلق جو حکم دے چکا ہے کہ ان عہدوں کو پورا کرو یہی تقویٰ ہے۔ پھر یہودی خیبر میں موجود تھے حالانکہ کافر تھے آنحضرت صلعم نے ان سے جنگ نہیں کی۔ اور ایک یہود پر کیا انحصار ہے۔ بہتیرے قبیلے اور قومیں تھیں جن کے خلاف آپ نے جنگ نہیں کی پس یہ حکم بھی قتال کے اس پہلے حکم کے ماتحت ہے جو درحقیقت تمام احکام قتال پر حاوی ہے یعنی ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ پھر الذین یلونکم کہنے کی ضرورت کیا تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دکھ اور تکلیفیں انہی لوگوں سے پہنچتی تھیں جو قریب تھے دور والوں نے دکھ کیا دینا تھا۔ اسی طرف الذین یلونکم میں اشارہ کیا ہے اور غلظۃ پر دیکھو ۱۳۲۱ مراد یہ ہے کہ محض قرب کے لحاظ سے قوم کی مصیبت کو نہ بھول جاؤ۔

۱۳۶۴ رجس یا پلیدی ان کا نفاق ہے جیسا کہ فی قلوبہم مرض سے ظاہر ہے اور پہلی آیت میں مومنوں کے ایمان کے بڑھنے کا ذکر ہے اس کے مقابلہ پر یہاں ان کے نفاق کے بڑھنے کا ذکر ہے۔ قرآن کریم کے نزول سے بالخصوص ان سورتوں کے نزول سے جن میں جنگ اور دشمن کے مقابلہ کا یا منافقوں کے نفاق کا ذکر ہوتا جس طرح مومنوں کا ایمان ترقی کرتا اسی طرح منافقوں کا نفاق ترقی کرتا۔

منافقوں کو نصیحت کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں

۱۳۶۵ کسی قسم کا فتنہ یعنی آزمائش یا دکھ مراد ہے۔ بعض نے کہا قحط اور بیماریاں بعض نے کہا غزوات اور جہاد یفتنون کا لفظ زیادہ تر پہلے پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ بھوک بیماری وغیرہ سے جو انسان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ فطرت کا تقاضا ہے

۱۲۷ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَىٰكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ ٱنصَرَفُوا۟

اور جب کبھی کوئی سورت اترتی ہے وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (کہتے ہیں)، کیا تمہیں کوئی دیکھتا ہے؟ پھر پھر جاتے ہیں

۱۲۸ صَرَفَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ

اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے ۱۳۶۶ یقیناً تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک

۱۲۹ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا۟

رسول آیا ہے جو تمہیں دکھ پہنچتا ہے وہ اس پر شاق گزرتا ہے ۱۳۶۷ وہ تمہارے لئے (بھلائی کا) بہت خواہشمند ہے مومنوں پر مہربان رحم کرنیوالا ہے سو اگر پھر جائیں

کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو انسان گناہ سے توبہ کرے مگر ان منافقوں کی حالت ایسی تھی کہ اس سے بھی فائدہ نہ اٹھاتے تھے۔ اور غزوات اور جہاد کے ذریعہ سے بھی آزمائش تھی اس لئے کہ یہ لوگ اس انتظار میں رہتے تھے کہ ان جنگوں میں مسلمان مارے جائینگے مگر ہر جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کی کامیابی اور دشمن کی نامرادی ہوتی تھی۔ اور یفتنون میں جس دکھ کا ذکر ہے وہ جنگوں کی صورت میں یہ تھا کہ کچھ اموال ان منافقوں کے بھی خرچ ہوتے تھے۔ اور کچھ لوگ بھی ان میں سے شریک جنگ ہو کر مارے جاتے تھے۔

۱۳۶۶ سورت کے نزول سے مراد یہاں ایسی سورت کا نزول معلوم ہوتا ہے جس میں منافقوں کا ذکر ہو۔ اور ان کا ایک دوسرے کی طرف دیکھنا یا تو اس غرض سے ہے کہ اب یہاں سے چلنا چاہئے اور یا بطور تمسخر آنکھوں سے اشارہ کرنا مراد ہے اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا کیونکہ وہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔

عَزَّ عليه

۱۳۶۷ عزیز علیہ۔ عَزَّ کے معنی ہیں غَلَبَ یعنی غالب ہوا اور عَزَّ علیہ کذا کے معنی ہیں صَعُبَ وہ چیز اس پر شاق گزری (غ) ما عنتم یعنی عَنَتُّمْ۔ عنت کے معنی کے لئے دیکھو ۲۸۳ مشقت فساد ہلاکت گناہ غلطی سب پر بولا جاتا ہے (ل)

عنت

قلب رسول کی اصلی کیفیت

یہاں سورت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اس میں کچھ جنگوں کا ذکر ہے کچھ منافقوں کا ذکر ہے۔ اس لئے آخر پر بتایا کہ یہ کوئی رسول کے آنے کی غرض نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ رسول کی حالت تو یہ ہے کہ جو کچھ تم پر تکلیفیں اور مصیبتیں آتی ہیں وہ اس پر بھی شاق گزرتی ہیں۔ اور وہ چاہتا ہے کہ تم ان مصائب سے باہر نکل جاؤ اور وہ تم پر حریص ہے یعنی تمہاری بہتری کو چاہتا ہے یہاں تک لفظ عام ہیں یعنی جو کچھ دنیا میں گناہ اور غلطیاں ہیں اور جو کچھ ان کی وجہ سے دنیا اپنے آپ کو مشقت اور ہلاکت میں ڈال رہی ہے اس سے رسول اللہ صلعم کا دل پگھلتا ہے جنگ میں انسانوں کا خون بہتا ہے اس سے اسے خوشی نہیں ہوتی اگر لوگ کفر اور نفاق اختیار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں تو اس سے اسے راحت نہیں ہوتی بلکہ ان

گناہ اور ہلاکت سے دنیا کو بچانے کی تڑپ

چیزوں کو دور کرنے کی تڑپ اس کے دل میں ہے۔ اس آخری پیغام میں رسول کے قلب کی پہلی حالت کا ذکر کیا جو دنیا میں گناہ اور ہلاکت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور خدا سے مدد چاہی اور بالمؤمنین رؤف رحیم میں بتایا کہ اگر تم مومن بن جاؤ تو پھر وہ رسول تو تمہارے لئے مجسم راحت ورحمت ہی ہے صرف جب لوگ شرارت میں حد سے بڑھ گئے تو ضرورت وقتی کے لحاظ سے حق کو تباہی سے بچانے کے لئے اسے تلوار اٹھانی پڑی رؤف اور رأفۃ کے لئے دیکھو

رأفۃ رحمۃ

۱۸۰ اور رأفۃ کو رحمۃ پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رأفۃ میں دفع مضرت ہے اور رحمۃ میں جلب نفع (ر)

ان لوگوں کو جن سے جنگ تھی یا جن کا ذکر اس سورت میں ہے یعنی کفار و منافق یہ بتایا ہے کہ اصل وہ کونسی

فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۝

تو کہو اللہ میرے لئے کافی ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم والا رب ہے ۱۳۶۸

تڑپ ہے جو رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک میں ہے +

رب العرش

۱۳۶۸ رب العرش العظیم۔ عرش کے لئے دیکھو ۱۰۹۵۔ یہ ترکیب ایسی ہی ہے جیسے رب العزۃ میں یعنی یہ اضافت اختصاص کی ہے +

رسول اللہ کو تسلی کہ ایک خدا پر بھروسہ کرو

جب یہ بتایا کہ رسول صرف تمہاری خیر خواہی چاہتا ہے تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اگر باوجود اس کے کہ تم صرف ان کو دکھوں اور ہلاکت سے نکالنا چاہتے ہو اور ان کی بھلائی چاہتے ہو پھر بھی یہ تمہیں قبول نہ کریں اور تمہاری مخالفت پر اڑے رہیں تو تم کوئی پرواہ مت کرو۔ فقل حسبی اللہ۔ اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ ایک اللہ پر ہی اپنا بھروسہ رکھو۔

بعض روایات میں ہے کہ سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں سب سے آخر نازل ہوئیں۔ مگر بخاری نے واتقوا یوما ترجعون فیہ (البقرۃ ۲۸۱) کو آخر النزلت حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ ہاں سورۂ توبہ آخری سورتوں میں سے ہے اور روایت کا مطلب شاید یہی ہو کہ سورۂ توبہ میں سب سے آخر ان کا نزول ہوا +

سُورَةُ يُونُسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعُ آيَاتٍ وَاحَدَ عَشَرَ رُكُوعًا

نام

اس سورت کا نام یونس ہے اور اس میں گیارہ رکوع اور ۱۱۰ آیات ہیں۔ اس کا نام یونس اس بات کی طرف توجہ دلانے کیلئے ہو کہ جس طرح حضرت یونس کی قوم آخر ایمان لا کر ہلاکت سے بچ گئی تھی ویسا ہی معاملہ آنحضرت صلعم کی قوم سے ہوگا یعنی یہ قوم تباہ نہ کی جائے گی بلکہ آخر راہ راست پر آ جائے گی۔

خلاصہ مضمون

اس سورت میں زیادہ تر توجہ اللہ تعالیٰ کے رحم کی طرف دلائی ہو کہ وہ کس طرح مصائب میں انسان پر رحم فرماتا ہے اور کفار کو اللہ تعالیٰ کے بے انتہا رحم سے فائدہ اُٹھانے کی نصیحت کی ہو پہلے رکوع میں وحی الٰہی کا ذکر کیا اور بتایا کہ صرف اس دنیا کی زندگی پہ خوش نہ ہو جانا چاہیئے اور اسی کو غرض و غایت نہ سمجھ لینا چاہیئے بلکہ اصل زندگی انسان کی دوسری ہو اور اسی کی طرف وحی الٰہی ہدایت کرتی ہو دوسرے رکوع میں وحی الٰہی کی تکذیب اور اس پر عذاب کے آنے کا ذکر ہو تیسرے رکوع میں بتایا کہ تم پر چھوٹے چھوٹے دُکھ اور تکلیفیں آتی ہیں اور تکلیف کے وقت فطرت انسانی اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتی ہے پس تم بھی ان مصائب سے یہ فائدہ اُٹھاؤ کہ اللہ کی طرف توجہ کرو اور جب آرام ملے تو خدا کو بھول نہ جاؤ۔ چوتھے میں ہستی باری اور توحید پر دلائل دیتے ہیں۔ پانچویں میں پھر تکذیب پر عذاب کا ذکر کیا ہو چھٹے میں بتایا کہ قرآن شریف تو تمہیں بلند مقامات کی طرف لے جاتا ہے تم اس کی تکذیب کرنے کی بجائے ان مقامات عالیہ کی طرف رخ کیوں نہیں کرتے۔ ساتویں میں مومنوں کے مقامات عالیہ کا ذکر کیا۔ آٹھویں میں حضرت نوح اور موسیٰ کی مثالیں پیش کیں۔ نویں میں فرعون کی تباہی کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس قدر سخت انسان بھی جب آخر ہلاکت کا نشان اس پر آیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا مگر وہ جھکنا بعد از وقت تھا تم قبل از وقت اس مثال سے فائدہ اُٹھاؤ اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ اس کی لاش کو ہم نے نشان کے طور پر رکھنے کے لئے سمندر سے باہر نکال پھینکا اور یہ خبر قرآن کے منجانب اللہ ہونے پر دلالت کرتی ہو کیونکہ اس وقت کسی کو اس بات کی خبر نہ تھی اور آج واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی وہ لاش محفوظ ہے دسویں میں بتایا کہ اگر تم اب بھی تکذیب سے رک جاؤ تو عذاب ٹل سکتا ہو اور گیارھویں میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا ذکر کر کے سورت کو ختم کیا۔

تعلق اور ترتیب

اس سورت کا تعلق پچھلی سورت سے یہ ہو کہ اس کا خاتمہ اس بات پر کیا تھا کہ یہ رسول جو تمہارے پاس آیا تو تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اسے سخت ہوتا ہو۔ اس لئے اس سورت میں بتایا کہ گو وحی الٰہی کی تکذیب اور ساری ہمت اس دنیا پر صرف کر دینے پر عذاب کا آنا لازمی ہے تاہم اللہ تعالیٰ کا رحم بھی بے انتہا ہو اگر انسان ذرا بھی اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ بھی اس پر رحمت سے متوجہ ہوتا ہے پچھلی سورت میں زیادہ تر کفار کی سزا کا ذکر تھا تو اس سورت میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا رحم غالب ہو بشرطیکہ کوئی فائدہ اُٹھانے والا ہو۔ عام ترتیب قرآن شریف میں یہ سات سورتیں یعنی یہاں سے لیکر النحل تک قریبًا ایک ہی مضمون کی ہیں اور ان میں اثبات نبوت ہو گویا جب سورۃ الاعراف میں جو اثبات نبوت پر ہو انبیاء کی تکذیب کا ذکر کیا تو اس کے بعد الانفال اور البرأۃ میں آنحضرت صلعم کے مخالفین کی سزا کا کچھ ذکر کر کے پھر اسی اصل مضمون اثبات نبوت کی طرف توجہ کی اور سلسلہ مضمون کو جاری رکھا بلحاظ نزول یہ ساتوں سورتیں

ان سورتوں کا زمانہ نزول۔

یعنی یونس سے لیکر النحل تک ایک ہی زمانہ کی ہیں اور یہ آنحضرت صلعم کی مکی زندگی کا پچھلا زمانہ ہو جب کفار کی مخالفت حد سے زیادہ بڑھ گئی اور ان میں پیشگوئیوں کے رنگ میں آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کو تسلی دی ہو کہ آخر حق غالب آئے گا اور باطل ہلاک ہو جائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱ — وحی الٰہی اور سحر کی تمیز

۱ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ

میں اللہ دیکھتا ہوں ۱۳۶۹ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ۱۳۷۰ کیا یہ لوگوں کیلئے تعجب کی بات ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کیطرف

مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ

وحی کی کہ لوگوں کو ڈراؤ اور انہیں خوشخبری دو جو ایمان لائے کہ ان کیلئے ان کے رب کے پاس بزرگی میں قدم

وقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲ رَبِّهِمْ ۭ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ○ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ

بڑھا ہوا ہے کافر کہتے ہیں یہ تو صریح جادوگر ہے ۱۳۷۱ تمہارا رب اللہ ہے جس نے

الٓرٰ — ۱۳۶۹ الٓرٰ۔ مقطعات کے لئے دیکھو ۵۔ یہ مجموعہ حروف اس سورت کے علاوہ چار اور سورتوں کی ابتدا میں آتا ہے یعنی ہود[۱۱] یوسف[۱۲]۔ ابراہیم[۱۴]۔ الحجر[۱۵]۔ اور ان چاروں کے درمیان سورۃ الرعد[۱۳] ہے جو المرٰ سے شروع ہوئی ہے۔ ان چھ سورتوں کا مضمون بھی ملتا جلتا ہے اور زمانہ نزول بھی قریبًا ایک ہی ہے۔ یہ حروف انا اللہ اریٰ کے قایم مقام ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے ج ا، اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی صفت لانے کا منشا۔ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور اس کے مطابق جزا دیگا ۔

الحکیم — ۱۳۷۰ الحکیم۔ یہاں کتاب کی صفت ہے حکمۃ اور الحکیم کے معنی کیلئے دیکھو ۱۵۰ و ۱۶۴ و ۳۲۱ قرآن کو حکیم اسلئے کہا کہ اس میں حکمت ہے۔ اور بعض نے حکیم سے مراد محکم لیا ہے اور دونوں باتیں درست ہیں کیونکہ وہ محکم بھی ہے اور حکم کیلئے فائدہ دینے والا ہے اور محکم حکمۃ سے وسیع ہے ہر ایک حکمت حکم ہے مگر ہر حکم حکمت نہیں کیونکہ حکم صرف یہ فیصلہ کرنے کا نام ہے کہ یہ چیز یوں ہے یوں نہیں۔ اور حکمت یہ ہے کہ علم اور عقل سے حق کو یعنی صحیح بات کو پالے (غ)

قرآن میں حکمت — یہاں قرآن کریم کو الکتاب الحکیم فرمایا دوسری جگہ بھی ہے والقرآن الحکیم (یٰسٓ[۳۶]-۲) اور ایک جگہ آتا ہے حکمۃ بالغۃ (القمر[۵۴]-۵) اور کئی جگہ پر کتاب کے مقابل پر حکمت کا ذکر کیا ہے جیسے یعلمھم الکتاب والحکمۃ (الجمعۃ[۶۲]-۲) واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من اٰیٰت اللہ والحکمۃ (الاحزاب[۳۳]-۳۴) تو یہ دونوں باتیں صحیح ہیں یہ ساری کتاب حکمت سے ہی بھری ہوئی ہے اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں یعنی اس میں جو کچھ ہے وہ حق ہے اور علم اور عقل کے مطابق ہے اور پھر اس کی بعض باریک حکمت کی باتوں کو فہم رسول نے الگ کر کے کھول دیا تو وہ بھی حکمت ہے۔ اور قرآن کو حکیم کہنے میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ مذہب کی بنا اصل میں حکمت پر ہے اور یہ ایک سائنس ہے جس کے قوانین اور قواعد عقل و علم کے مطابق ہیں چند بے جوڑ باتوں کا نام مذہب نہیں جیسا پہلے لوگوں نے خیال کر رکھا تھا ۔

قدم صدق — ۱۳۷۱ قدم صدق۔ قَدَم پاؤں کو کہتے ہیں اور اس سے مراد تقدم و تاخر لیا جاتا ہے جو باعتبار زمانہ بھی ہوتا ہے اور باعتبار شرف بھی (غ) یعنی قدم سے مراد یہاں مجازاً سبقت ہے اور وہ سبقت بلحاظ شرف و فضیلت ہے اور صدق کا استعمال قول پر عام ہے مگر کذب کی طرح افعال جوارح میں اس کا استعمال ہوتا ہے اور ہر ایک فضیلت والے فعل کو ظاہری ہو یا باطنی صدق کہا جاتا ہے۔ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر (القمر[۵۴]-۵۵) رب ادخلنی مدخل

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ

آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر غالب ہے ہر کام

الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا

کی تدبیر کرتا ہے کوئی شفیع نہیں مگر اس کے اذن کے بعد یہ اللہ تمہارا رب ہے سو اس کی عبادت کرو تو کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ۝ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ۴

نصیحت اختیار نہیں کرتے ۱۳۷۲ اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے

ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَ

پھر اسے لوٹاتا ہے تاکہ انہیں جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝

جو کافر ہیں ان کے لئے کھولتا ہوا پانی پینے کو اور دردناک عذاب ہوگا اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے ۱۳۷۳

لسان صدق — **قدم صدق**

صدق و اخرجنی مخرج صدق (بنی اسرائیل ۱۷ - ۸۰) واجعل لی لسان صدق فی الاٰخرین (الشعراء ۲۶ - ۸۴) اور یہں سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے صالح بناتے تاکہ جو لوگ بعد میں اس کی ثنا کریں وہ ثنا سچ ہو جھوٹ نہ ہو (غ) اور قدم صدق سے مراد فضیلت میں قدم آگے بڑھانا ہے (غ) اور اللہ تعالیٰ کی صفت میں جو قدیم کا لفظ متکلمین میں عام طور پر استعمال ہوتا ہے تو امام راغب کہتے ہیں کہ قرآن اور آثار صحیح میں اس کا کچھ اثر نہیں پایا جاتا +

انبیاء کو ساحر کہنے کی وجہ

اسباب کے بیان کو کہ بدی کا انجام بد ہے اور نیکی کرنے والے ترقی کرینگے بسا اوقات سحر قرار دیتے ہیں اور آنحضرت صلعم کو ساحر کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سحر اور ساحر کا استعمال قرآن مجید میں کس رنگ میں ہوا ہے۔ مخالفین انبیاء کو ان کے معجزات کی وجہ سے ساحر نہیں کہتے بلکہ انکے حسن بیان کی وجہ سے ساحر کہتے ہیں بات تو صاف تھی دلوں پر اثر کرتی تھی۔ مگر اس سے بچنے کیلئے کہتے تھے ساحر ہے اسکی باتوں کا اعتبار نہ کرو +

دوسری پیدائش

۱۳۷۲ ستة ایام اور عرش اور تدبیر امر پر دیکھو ۱۹۴ و ۱۹۵ پہلی آیت میں وحی الٰہی کا ذکر تھا جو بدی اور نیکی کی جزا کو ضروری قرار دیتی ہے اور اس کیلئے ایک دوسری زندگی کا وعدہ دیتی ہے اس پر کفار کو تعجب ہوتا ہے تو عظمت الٰہی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ کیا وہ دوسری خلق پر قادر نہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا افعیینا بالخلق الاول بل ھم فی لبس من خلق جدید (ق ۵۰ - ۱۵) انسان کی عقل اور اس کا علم تو اس موجودہ مخلوق کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے تو دوسری خلق کے انکار کے کیا معنی۔ اور چھ وقتوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ یہ خلق بھی بتدریج ہوئی وہ دوسری خلق بھی بتدریج ہوگی۔ اور شفیع کا ذکر اس لحاظ سے کیا کہ پیدا کرنیوالا وہ ایک ہی کوئی اس کے ساتھ شامل نہیں کیونکہ شفع وتر کے مقابل پر ہے بس اور کوئی مستحق عبادت بھی نہیں الا من بعد اذنہ میں دوسری شفاعت کی طرف بھی اشارہ ہے جو گنہگاروں کیلئے ہوگی اور اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جو اور اسکے شفیع سمجھے جاتے ہیں وہ سب اسکی مخلوق ہیں۔ یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، اسکے خالق ہونے کیطرف توجہ دلانے میں اصل غرض دوسری زندگی کیطرف توجہ دلانا ہے......

۱۳۷۳ یہاں پچھلی آیت کے اشارہ کو واضح کر دیا ہے۔ اور وعد اللہ اس وعدہ کیلئے بطور مصدر موکد ہے جو الیه مرجعکم جمیعا

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا ۵

وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا اور چاند کو روشن بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں

عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

کی گنتی اور حساب جان لو اللہ نے یہ حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے وہ ان لوگوں کے لئے کھول کر

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي ۶

باتیں بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں ۱۳۴۴ رات اور دن کے ادل بدل میں اور (اس میں) جو اللہ نے آسمانوں اور زمین

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ۷

میں پیدا کیا ہے ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے

وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝

اور دنیا کی زندگی پر راضی ہیں اور اسی پر مطمئن ہو گئے ہیں اور وہ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں

میں پایا جاتا ہے اور حقاً وعد اللہ کی تاکید کیلئے ہے۔ اور الیہ مرجعکم سے مراد موت کے بعد بعث کے ذریعہ لوٹ کر جانا ہے اور یہی وعدہ حق ہے ورنہ موت کو تو سب جانتے ہیں اور آگے پہلی پیدائش کا ذکر کیا۔ اور اس دوبارہ پیدائش کی غرض یہ بتائی کہ نیک اور بدعمل کرنے والے اس کے مطابق پھل پائیں +

ضوء

۱۳۴۴ ضیاء۔ ضَوْء وہ ہے جو روشنی کرنے والے اجسام سے پھیل جاتی ہے آگ کی روشنی پر بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے (غ) اور

ضوء اور نور میں فرق۔

بعض نے ضَوْء اور نُوْر کو مترادف کہا ہے اور بعض کے نزدیک ضوء وہ ہے جو بالذات ہو جیسے سورج اور آگ اور نور وہ ہے جو بالعرض ہو اور دوسرے سے حاصل کیا گیا ہو (ت)، جیسے چاند کی روشنی قرآن کریم نے یہاں بھی فرق رکھا ہے اور دوسری جگہ یہ آگ کے متعلق ہے فلما اضاءت ما حولہ (البقرۃ ۲-۱۷) اور یکاد زیتھا یضئ ولو لم تمسسہ نار (النور ۲۴-۳۵) کے معنی بعض نے یوں کئے ہیں کہ یہ آنحضرت صلعم کیلئے بطور مثال ہے یکاد منظرہٗ یدلُّ علٰی نبوتہٖ ولو لم یتل قرآنا (ت) یعنی آپ کا منظر ہی آپ کی نبوت پر دلالت کرتا تھا گو آپ قرآن نہ پڑھتے۔ اور حدیث میں جو آتا ہے لا تستضیئوا بنار اھل الشرک جس کے لفظی معنی ہیں مشرکوں کی آگ سے آگ روشن نہ کرو تو مراد اس سے صرف یہ ہے کہ اپنے معاملات میں مشرکوں کو مشیر نہ بناؤ اور ان کی رائیں نہ لو (ت)، نور کیلئے دیکھو ۵۸۰

حدیث نار اہل الشرک

منزل

منازل۔ مَنْزِل یا منزلۃ جائے نزول کو کہا جاتا ہے اور مرتبہ اور درجہ کو بھی کہا جاتا ہے (ل)، قدرہٗ منازل کے معنی ہونگے اس کا اندازہ کیا کئی منزلیں یعنی اسے منزلوں والا بنایا اور منزلوں سے مراد اس کا بڑھنا گھٹنا ہے +

اس ظاہری نظام کو جس پر انسان کی زندگی کا انحصار ہے بیان کرنا اس غرض سے ہے کہ عالم جسمانی سے عالم روحانی کے نظام کی طرف توجہ دلائی جائے جیسا اگلی آیت سے ظاہر ہے۔ اور بتایا جائے کہ وہ خدا جس نے انسان کی حیوانی زندگی کے لئے یہ سامان پیدا کئے ہیں اسی نے روحانی زندگی کے سامان بھی پیدا کئے ہیں +

کھانا پینا مقصد زندگی نہیں

۱۳۴۵ دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ اسی حیوانی زندگی کو ہی اصل زندگی قرار دیا جائے اور کھانے

۹ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

ان کا ٹھکانا آگ ہے اس کے عوض جو وہ کماتے تھے ۱۳۷۵ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں

۱۰ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ دَعْوَاهُمْ

ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں منزل مقصود پر پہنچائیگا نعمتوں والے باغوں میں انکے نیچے نہریں بہتی ہونگی ۱۳۷۶ وہ ان میں

فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ

پکارینگے اے اللہ تو پاک ہے اور ان میں ان کی آپس کی دعا سلامتی ہوگی اور ان کی آخری پکار ہوگی کہ سب تعریف اللہ کیلئے ہے

۱۱ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُم بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ

جو جہانوں کا رب ہے ۱۳۷۷ اور اگر اللہ لوگوں کیلئے مصیبت بھیجنے میں جلدی کرتا جس طرح وہ بھلائی کو جلد چاہتے ہیں تو انکی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا

ع ۱ — وحی الٰہی کی تکذیب اور عذاب۔

فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

سو ہم انہیں جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ان کی سرکشی میں حیران پھرتے چھوڑ دیتے ہیں ۱۳۷۸

پینے اور آسائش جسمانی کو ہی مقصد زندگی سمجھ لیا جائے ایسے لوگ حقیقی راحت کو کبھی نہیں پاتے جب اس دنیا میں بھی نہیں پاتے تو آخرت میں کہاں پائیں گے +

نجات کیلئے ایمان صحیح کی ضرورت — **۱۳۷۶** ہدایت کے معنی کے لئے دیکھو ۸ ۔ بایمانہم یعنی وہ ایمان ہی ان کیلئے اس منزل مقصود تک پہنچنے کا موجب ہو جاتا ہے گویا بغیر ایمان کے انسان منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا یہی ایمان انسان کے لئے نور بن جاتا ہے اس دنیا میں بھی جیسا کہ فرمایا یخرجہم من الظلمات الی النور (البقرۃ ۲ - ۲۵۷) اور آخرت میں بھی یوم تری المؤمنین والمؤمنات یسعیٰ نورھم بین ایدیہم (الحدید ۵۷ - ۱۲) مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمل صالح کوئی چیز نہیں بلکہ عمل صالح کی توفیق ایمان سے ملتی ہے۔ ایمان ایک روشنی ہے صرف روشنی فائدہ نہیں دیتی جب تک کہ انسان اس میں چلے نہیں +

بہشت کا نقشہ — **۱۳۷۷** مومن کے منہ سے تو اس زندگی میں بھی یہی کلمات نکلتے ہیں سبحانک اللہم ۔ الحمد للہ رب العلمین پانچ وقت کی نماز میں یہی بار بار کہتا ہے مسلمان مسلمان سے ملتا ہے تو اسے سلامتی کی دعا دیتا ہے اور عملاً بھی اس کی سلامتی کا خواہاں ہوتا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں پس مومن کا بہشت اسی دنیا کی زندگی سے شروع ہوتا ہے اور جنات نعیم کا نقشہ یہاں کیا لطیف کھینچا ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد اور ایک دوسرے پر سلامتی +

أَجَل — **۱۳۷۸** اجل ۔ اصل میں تو کسی چیز کیلئے مدت معینہ کو کہا جاتا ہے ۔ اور اس سے مراد موت بھی لی جاتی ہے کیونکہ اس سے دنیا میں بقا کی مدت پوری ہو جاتی ہے (غ) اور یہاں چونکہ قوم کا ذکر ہے اس لئے مراد قوم کی ہلاکت ہے +

بُرائی مانگنے کی مذمت — جب کفار کو ان کی بدکرداریوں کے انجام سے ڈرایا جاتا تھا تو کہتے تھے وہ عذاب آتا کیوں نہیں اسی کیطرف اس سوال میں اشارہ ہے جو بار بار کرتے تھے متی ھذا الوعد ۔ متی ھذا الفتح اور ایک جگہ ہے اللہم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم (الانفال ۸ - ۳۲) اسی طرح وہ عذاب بار بار مانگتے تھے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

۱۲ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ

اور جب انسان کو دکھ پہنچتا ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے اپنے کروٹ پر ہو یا بیٹھا ہو یا کھڑا - پھر جب ہم اس کا دکھ دور

ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا

کر دیتے ہیں تو اس طرح گزر جاتا ہے گویا کہ ہمیں کسی دکھ کیلئے جو اسے پہنچا ہو پکارا ہی نہ تھا اسی طرح خطا کاروں کو بھلا معلوم ہوتا ہے جو

۱۳ يَعْمَلُوْنَ ○ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

کرتے ہیں ۱۳۷۹ اور یقیناً ہم نے تم سے پہلے کئی نسلوں کو ہلاک کر دیا جب وہ ظلم کرنے لگ گئے اور انکے رسول انکے پاس کھلی

۱۴ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ

دلائل لیکر آئے اور نہ ہوا کہ وہ ایمان لاتے اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو سزا دیتے ہیں پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین

۱۵ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا

میں حاکم بنایا تا کہ ہم دیکھیں تم کس طرح عمل کرتے ہو اور جب ان پر ہماری کھلی کھلی آیات پڑھی

بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ

جاتی ہیں تو جو ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے کہتے ہیں اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اسے بدل دو

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِىْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِىْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَىَّ ۚ

کہو میری کیا (طاقت) ہے کہ اپنی طرف سے اسے بدل دوں میں تو کسی چیز کی پیروی نہیں کرتا سوائے اسکے جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے

اِنِّىْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○

اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بھاری وقت کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۱۳۸۰

دکھ اور تکلیف کو جلد نہیں بھیجتا گو انسان اپنی بیوقوفی سے اس کیلئے جلدی کرتا ہے جس طرح بھلائی کے لئے جلدی کرتا ہے۔ کفار تو عذاب کے لئے جلدیاں کرتے تھے مگر آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ذرا ذرا باتوں پر اپنے ہی عزیزوں کیلئے عذاب مانگتے ہیں یا کوئی اپنے بچے پر خفا ہوتا ہے تو اس کیلئے موت مانگتا ہے کسی کو اپنے بھائی سے ذرا اختلاف ہوتا ہے تو اس کیلئے بددعاؤں پر اتر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی رحمت کو چاہیں اپنے لئے دکھ اور تکلیف نہ چاہیں ٭

مصیبت کیوں آتی ہے

۱۳۷۹ اس آیت میں بتایا کہ دکھ تو مانگتے ہیں لیکن دکھ پہنچتا ہے تو پھر خدا کو پکارتے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا کہ دکھ ہم اس لئے بھیجتے ہیں تا کہ انسان اپنی اصلاح کرے مگر انسان جلد بھول کر پھر خطا کاری کی طرف چلا جاتا ہے ٭

کفار کا مطالبہ کہ تعلیم ان کی خواہشات کے مطابق ہو

۱۳۸۰ نشأۃ ثانیہ یعنی دوسری زندگی جو ہر عمل کی جزا و سزا کو ضروری ٹھہراتی ہے اور جس کو مدنظر رکھتے ہوئے انسان کو اپنے ہر عمل کے

۱۶ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۚۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا

کہو اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا اور نہ وہ تمہیں اس کا علم دیتا میں تو تم میں اس سے پہلے ایک عمر

۱۷ مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

رہا ہوں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے [۱۳۸۱] تو اس سے بڑھکر ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا

نتیجہ پر پہلے غور کرنا چاہیئے۔ دنیا پرست لوگوں کیلئے جو خواہشات حیوانی سے اوپر اٹھنا نہیں چاہتے ناقابل قبول چیز ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قرآن جو ایک دوسری زندگی پر اس قدر زور دیتا ہے اسے ہم قبول نہیں کر سکتے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح ان کے کاہن ان کے حسب منشا باتیں عالم بالا کی بیان کر دیتے ہیں اسی طرح رسول اللہ صلعم کریں اور ان کے کھانے پینے شہوات محبت دنیا وغیرہ امور میں کوئی دخل نہ دیں۔ نہ ان کی بت پرستی کو برا کہیں۔ جواب کیا لطیف دیا ہے۔ میں تو خود صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں۔ اگر یہ میری بنائی ہوئی بات ہوتی تو میں خود اس پر کیوں عمل کرتا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم تمام احکام قرآنی کی تعمیل کرتے تھے۔ اور سوائے وحی اور کسی چیز کی پیروی نہ کرتے تھے۔ اسلئے تفصیلات شریعت کے دینے میں بھی آپنے اتباع وحی الٰہی ہی کیا +

آنحضرت کا اتباع وحی الٰہی کرنا۔

[۱۳۸۱] ادریٰکم۔ دَرَیْتُ کے معنی ہیں میں نے اس چیز کی معرفت حاصل کی اور اَدْرَیْتُہٗ کے معنی ہیں دوسرے کو اس کا علم دیا اَدْرَاہٗ اَعْلَمَہٗ (ل)، لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا (الطلاق [۶۵] - ۱) وان ادری لعلہ فتنۃ لکم (الانبیاء [۲۱] - ۱۱۱) وما ادریٰک (المرسلٰت [۷۷] - ۱۴) وما یدریک (الاحزاب [۳۳] - ۶۳) اسی مادہ سے مداراۃ ہے جس کے معنی حسن خلق اور نرمی ہیں +

دری۔ ادری

آنحضرت کی صداقت وامانت کا اعتراف

مطلب یہ ہے کہ وہ تو اس کے ذریعہ سے تمہیں گمراہی سے نکال کر دین اور دنیا میں شرف دینا چاہتا ہے اسی لئے اسنے اسے اتارا۔ اور یہ جو فرمایا کہ میں نے تمہارے اندر ایک عمر بسر کی ہے تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے تو یہ ان کی اس بات کا جواب ہے کہ کوئی اور قرآن بنا لو یا اسے بدل دو مطلب یہ ہے کہ جھوٹ بنانا میرا کام نہیں میں نے تمہارے اندر چالیس سال کاٹے ہیں۔ کیا تم نے کبھی میری صداقت اور دیانت و امانت پر حرف رکھا جس شخص نے چالیس سال تک ایسی صداقت اور راستبازی کا نمونہ دکھایا کہ ملک عرب نے اسے الامین کے نام سے پکارا جس شخص نے اتنی مدت انسان پر جھوٹ نہیں بولا۔ کیا اب ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ پر اتنا بڑا افترا کرے کہ شب و روز جھوٹ باتیں اس کی طرف منسوب کرے اور ایک دن نہیں دو دن نہیں بلکہ برابر سالہا سال تک جھوٹ پر جھوٹ بناتا چلا جائے۔ یہ دلیل ان عربوں کیلئے جو آپ کی چالیس سالہ اخلاق و عادات سے واقف تھے دلوں کو کھا جانیوالی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے جب ابو سفیان سے ہرقل نے آنحضرت صلعم کے حالات دریافت کئے اور اس وقت ابو سفیان رسول اللہ صلعم کے سخت ترین دشمن تھے اور ان پر یہ سوال ہوا۔ ھل کنتم تتھمونہ بالکذب قبل ان یقول ما قال یعنی کیا اس دعویٰ سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے تو ابو سفیان نے اقرار کیا کہ ایسا نہ تھا۔ اور ہرقل نے اس سے استدلال کیا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص ایسا راستباز ہو کبھی لوگوں پر جھوٹ نہ بولے پھر اللہ پر جھوٹ بولے ایسا ہی نجاشی کے سامنے حضرت جعفر نے کفار قریش کے سامنے یہ شہادت دی جس کا وہ انکار نہیں کر سکے نعرف صدقہ ونسبہ وامانتہ ہم آپکے صدق اور عالی نسبی اور امانت کو پہچانتے ہیں بعض سعید فطرت لوگ آتے اور آپ کی وجہ مبارک کو دیکھکر پکار اٹھتے لیس بوجہ رجل کذاب یہ کذاب کا منہ نہیں۔ اس مضمون کو اگلی آیت میں صاف کر دیا ہے جہاں فرمایا فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا اللہ پر جھوٹ بنانا سب سے بڑا ظلم ہے جو انسان پر جھوٹ نہیں بناتا وہ اللہ پر جھوٹ بنانے کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہے یہاں قرآن کریم کے اعجاز کا ذکر نہیں +

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا ۱۸

یا اس کی آیات کو جھٹلایا مجرم کامیاب نہیں ہوتے[۱۳۸۲] اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں

يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ

نقصان پہنچاتا ہے اور نہ انہیں نفع دیتا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے حضور ہمارے شفیع ہیں کہو کیا تم اللہ کو ایسی بات

اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

بتاتے ہو جو نہ آسمانوں میں اس کے علم میں ہے اور نہ زمین میں وہ پاک ہے اور اس سے بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں[۱۳۸۳]

۱۳۸۲ ابھی زمانہ ہے آنحضرت صلعم سخت مصائب میں ہیں۔ بات کوئی مانتا نہیں۔ چند ماننے والے یا تکلیفیں اٹھا رہے ہیں یا تتر بتر ہو چکے ہیں مگر اپنی صداقت [illegible] راستبازی پر اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ پر کتنا بڑا ایمان ہے کہ اس وقت فرماتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں میں سے یعنی ایک طرف آپ اور ایک طرف آپ کو جھوٹا کہنے والے ایک گروہ نہایت ہی ظالم ہے اور مجرم ہے اور مجرم کو کبھی فلاح نہیں مل سکتی۔ اگر میں نے اللہ پر جھوٹ بنایا ہے تو مجھ سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں اگر تم خدا کی باتوں کو جھوٹ قرار دیتے ہو تو تم سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں۔ پھر اس نے کسی کے وقت کے لفظ جب مخالفت کا پورا زور صرف ہو جانے کے بعد اس قدر پیچھے ثابت ہوئے اور کوئی دنیوی طاقت حق اور صداقت کی رو کو نہ روک سکی بلکہ اس کی ہر ایک طاقت ... اس کے سامنے خود بہ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے انہی عربوں کو ایک دوسرا نقشہ بھی دکھا دیا کہ جب آپ کی کامیابیوں کو دیکھ کر مسیلمہ اور اسود نے نبوت کے دعوے کئے تو افترا کرنے والوں کا انجام بد بھی اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا۔

نبی کا مفتری اور مکذب فلاح نہیں پا سکتے اور اس کا پورا ہونا۔

۱۳۸۳ عرب کے بت پرست بتوں کو اپنا شفیع سمجھتے تھے یعنی کہتے تھے ہم خدا تک نہیں پہنچ سکتے یہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا واسطہ ہیں بعینہ جس طرح آج کثرت سے مسلمان پیروں کو اپنا شفیع سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو سکیں یا اس سے کوئی دعا کر سکیں۔ ان کے پیران کے شفیع ہیں ہندوؤں کا عامی عقیدہ تو نہایت سطحی ہے۔ مگر ان کا فلسفیانہ عقیدہ اسی کے قریب قریب ہے وہ بتوں میں اللہ کا حلول مان کر ان پر اپنی توجہ لگاتے ہیں اور کہتے ہیں اصل غرض ان کی عبادت نہیں خدا کی عبادت ہے مگر چونکہ ایک غیر جسم غیر مرئی چیز پر ہم اپنی توجہ نہیں لگا سکتے اس لئے ان کو توجہ کیلئے سامنے رکھتے ہیں یہ بعینہ اس کی مثال ہے جو عرب کے بت پرست کہتے تھے ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى (الزمر ۳۹-۳) اللہ کو مان کر ایسی باتوں کو پیش کرنے پر فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ تم کو بعض ایسی باتیں بھی معلوم ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں اس نے یہ تعلیم آج تک کسی نبی کی معرفت نہیں دی کہ کسی اور کو شفیع بنا کر اس کی عبادت کیا کریں۔ بلکہ وحی الٰہی یہی راہ بتاتی ہے کہ ہر انسان خود ان راہوں پر چل کر جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں قرب الٰہی کا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اور لا يضرهم ولا ينفعهم میں بتایا کہ جب دنیا میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور کیا نفع دینگے۔ عیسائیوں نے بھی حضرت مسیح کو بعینہ ایسا ہی شفیع مانا ہوا ہے۔

بتوں کی شفاعت کا عقیدہ اور بت پرستی

١٩ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

اور سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں سو وہ خلاف کرتے ہیں اور اگر ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے نہ ہو چکی ہوتی

٢٠ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ

تو ان باتوں کے متعلق ان میں فیصلہ کر دیا جاتا جن میں وہ باہم اختلاف کرتے ہیں ۱۳۸۴ اور کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے بڑا نشان

٢١ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ وَاِذَآ

کیوں نہ اتارا گیا۔ کہو غیب صرف اللہ کیلئے ہے سو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ۱۳۸۵ اور جب ہم

ع ۱۰ — مصیبت کے وقت فطرت انسانی خدا کی طرف جھکتی ہے۔

اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ

لوگوں کو تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچتی ہے رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں کے بارہ میں تدبیریں کرنے لگتے ہیں کہو اللہ

٢٢ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي

تدبیر کرنے میں زیادہ تیز ہے ہمارے بھیجے ہوئے لکھتے جاتے ہیں جو تم تدبیریں کرتے ہو ۱۳۸۶ وہی ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا

چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو۔ اور وہ انہیں اچھی ہوا کی مدد سے لیکر چلتی ہیں اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں

مخالفت کا قانون مستمر

۱۳۸۴ ما كان الناس الا امة واحدة پر دیکھو ۲۷۲ مراد یہ ہے کہ جیسے پہلے لوگ تھے ویسے ہی یہ تمہارے مخالف ہیں انہوں نے بھی حق کی مخالفت کی یہ بھی حق کی مخالفت کرتے ہیں اختلاف کے اس معنی کے لئے دیکھو ۲۹۱ کلمة سبقت من ربك سے مراد یہ ہے کہ ان کی سزا کا ایک وقت مقرر ہو چکا ہے وہ جلدی چاہتے ہیں مگر وہ اپنے وقت پر آئے گی یہی مضمون اس رکوع کا ہے اور یوں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب سے آگے ہے سبقت رحمتی غضبی ۔

عذاب کب آئیگا

۱۳۸۵ اٰیة میں اشارہ اسی نشان ہلاکت کی طرف ہے۔ اور تنکیر عظمت کے لئے ہے اسی لئے جواب دیا ہے کہ وہ نشان تو آکر رہیگا میں بھی انتظار کرتا ہوں تم بھی کرو۔ ہاں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کونسا دن اور کونسا وقت ہوگا کیونکہ غیب کی ساری تفصیلات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۔

دکھوں میں سبق

۱۳۸۶ رحمت سے مراد وسعت آسایش صحت وغیرہ ہیں رحمت کے چکھانے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور دکھ کے متعلق کہا جو انہیں پہنچ جاتا ہے۔ دوسری جگہ ہے واذا مرضت فهو يشفين (الشعراء ۲۶: ۸۰) اللہ تعالیٰ انسان کے لئے رحمت ہی رحمت چاہتا ہے تکلیف میں بھی راحت پنہاں ہے۔ مگر بجائے اس کے کہ فراخی اور آسایش کی قدر کریں شکرگزار ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف جھکیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مکر کے لئے دیکھو ۴۴۳ ۔

جَآءَتۡهَا رِیۡحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اُحِیۡطَ بِهِمۡ ۙ

انہیں تند ہوا آلیتی ہے اور ہر طرف سے ان پر لہریں چڑھ آتی ہیں اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ وہ (ہلاکت میں) گھر گئے

دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ۚ لَئِنۡ اَنۡجَیۡتَنَا مِنۡ هٰذِهٖ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ

اللہ کو اسی کیلئے فرمانبرداری خالص کرتے ہوئے پکارتے ہیں اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشے تو یقیناً ہم

الشّٰكِرِیۡنَ ○ فَلَمَّاۤ اَنۡجٰهُمۡ اِذَا هُمۡ یَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ۲۳

شکرگزاروں میں سے ہونگے ۱۳۸۷ پھر جب انہیں نجات دیتا ہے تو وہ ناحق زمین میں زیادتی کرتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری

اِنَّمَا بَغۡیُكُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِكُمۡ ۙ مَّتَاعَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۫ ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ فَنُنَبِّئُكُمۡ بِمَا

زیادتی تمہاری اپنی ہی جانوں پر ہے۔ (یہ) اس دنیا کی زندگی کا سامان [illegible] لوٹنا ہے پھر ہم تمہیں بتا دینگے

كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ○ اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ ۲۴

جو کچھ تم کرتے تھے۔ دنیا کی زندگی کی مثال صرف پانی کی طرح ہے جسے ہم بادل سے اتارتے ہیں

فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا یَاۡكُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ

پھر اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی جس میں سے لوگ اور چارپائے کھاتے ہیں (بڑھ کر) مل جل جاتی ہے

عصف ۱۳۸۷ عاصف۔ نباتات کے تنہ پر جو پتے ہیں اور جو خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتے ہیں انہیں عصف کہتے ہیں اور والحب ذو العصف (الرحمٰن[55]۔۱۲) میں عَصف سے مراد وہ چھلکا ہے جو کھانے میں نہیں آتا کعصف ماکول (الفیل[105]۔۵) (ل)۔ اور

عاصف ریح عاصف یا عاصفۃ وہ تند ہوا ہے جو چیزوں کو توڑ کر چورا کر دیتی ہے (غ)۔

حاط۔ حائط اُحیط بہم۔ حاط کے معنی ہیں حفاظت کی (ل) اسی سے احتیاط ہے اور اسی سے حائط ہے جس کے معنی دیوار ہیں کیونکہ وہ ایک

احاطۃ چیز کو گھیر کر اندر لے لیتی ہے۔ اور احاطۃ کے لئے دیکھو ۱۳۳۹ الا انہ بکل شیء محیط (حم السجدۃ[41]۔۵۴) یعنی سب جہات سے ہر چیز کی حفاظت کرتا ہے اور منع کے معنی میں بھی آتا ہے الا ان یحاط بکم (یوسف[12]۔۶۶) اور احاطت بہ خطیئتہ (البقرۃ[2]۔۸۱) بلیغ استعارہ ہے۔ کیونکہ انسان جب گناہ کرتا ہے اور بار بار کرتا ہے تو یہ اسے اس سے بڑے گناہ کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ اور اس طرح گناہ سے نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور احیط بہم میں اور واخری لم تقدروا علیہا قد احاط اللہ بہا (الفتح[48]۔۲۱) میں اور عذاب یوم محیط (ھود[11]۔۸۴) میں احاط بالقدرۃ مراد ہے یعنی اپنی قدرت سے اس کا احاطہ کر لیا ہے (غ)۔ اور جب ایک شخص کی ہلاکت قریب آگئی ہو تو کہا جاتا ہے احیط بفلان جیسے احیط بثمرہ (الکہف[18]۔۴۲) ای اصابہ ما اھلکہ یعنی اسے ہلاکت نے آلیا (ل)۔ اور یہی مراد یہاں ہے یعنی مراد ہے ہلاکت میں گھر گئے۔

جو کچھ اوپر بیان فرمایا تھا اسی کی ایک مثال دی ہے کہ کس طرح مصیبت کے وقت انسان خدا کو پکارتا ہے گویا بتایا ہے کہ فطرت انسانی میں یہ بات مرکوز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سہارا تلاش کرے مگر مصیبت سے نکل کر آسایش کی زندگی پھر دل پر غفلت کا پردہ ڈال دیتی ہے

حَتّٰىٓ اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ

یہانتک کہ جب زمین اپنا سنگھار کرلیتی ہے اور خوبصورت بن جاتی ہے اور اسکے مالک یقین کرلیتے ہیں کہ وہ اس پر

قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ

پوری طاقت رکھتے ہیں ہمارا حکم رات یا دن کے وقت اس پر آتا ہے تو ہم اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیتے ہیں گویا

لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

کل وہ تھی ہی نہیں اسی طرح ہم باتوں کو ان لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں ۱۳۸۸

اور ابتدا تو خطاب سے کی ہے کنتم مگر جرین میں غائب کی طرف التفات کلام کر دیا ہے غرض ان کے بُعد کی طرف توجہ دلانا ہے جو آسایش کے وقت انسان کو ہو جاتا ہے اور یا چونکہ مثال میں دکھ تو بعض کا ہے اور مثال کی غرض سب کو سمجھانا ہے اس لئے مخاطب سے غائب کی طرف التفات کیا ٭

۱۳۸۸ اختلاط۔ خَلْط دو یا زیادہ چیزوں کے اجزا کا جمع کرنا ہے خواہ وہ دونوں سیال ہوں یا دونوں جامد یا ایک سیال اور ایک جامد اور خَلِیط شریک ہمسایہ یا دوست کو کہتے ہیں وان کثیرًا من الخلطاء (صٓ ۳۸-۲۴) اور اسی سے اختلاط ہے (غ) مگر ابن عباس نے یہاں مختلف سبزیوں کا اُگنا مراد لیا ہے گویا وہ ایک دوسرے سے مل جل گئیں (ج) اور ایک ہی چیز کا بہت بڑھ جانا بھی مراد ہو سکتا ہے گویا اس کے اجزا ایک دوسرے سے مختلط ہو گئے (ل) اس صورت میں با سبب کے لئے ہو گی یعنی بارش کے سبب سے سبزیوں میں بہت نشو و نما ہوا۔ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ زمین کی نبات اس پانی کے ساتھ مل گئی۔ کیونکہ روئیدگی اسی سے پیدا ہوتی ہے کہ پانی کے اجزا سبزیوں کے اجزا سے مل جل جاتے ہیں ٭

زخرف۔ زُخْرُف۔ زینت کو اور کسی چیز کے حسن کے کمال کو کہتے ہیں اور یہاں مراد زمین کی زینت ہے جو نبات سے اسے ملتی ہے یا اس زینت کا تام و کمال کو پہنچ جانا۔ اور زخرف سونے کو بھی کہتے ہیں اور زخرف القول (الانعام ۶-۱۱۳) ایسی باتیں جو خوب سجائی گئی ہوں (ل) ٭

حصید۔ حَصد کھیتی کے کاٹنے پر بولا جاتا ہے اور یہی معنی حصاد کے ہیں واٰتوا حقہ یوم حصادہٖ (الانعام ۶-۱۴۲) اور یہاں حصید سے مراد کٹی ہوئی کھیتی ہے جو گویا تباہ کر دی گئی اسی معنی میں ہے منہا قائم وحصید (ھود ۱۱-۱۰۰) اور حب الحصید (قٓ ۵۰-۹) میں مراد وہ دانا ہے جو کاٹا جاتا ہے (غ) ٭

تغن۔ غِنیٰ کے معنی تو عدم حاجت ہیں اور غنی فی مکان کذا سے مراد ہے اس مکان میں مدت تک رہا گویا اپنے غیر سے مستغنی تھا (ل) کان لم یغنوا فیہا (الاعراف ۷-۹۲) (غ)، اور یہاں لم تغن سے مراد ہے گویا کل اس کی نبات تھی ہی نہیں ٭

اس مثال میں بھی وہی بات سمجھائی ہے جو پہلی مثال میں تھی۔ زمین کی زینت کے سامان اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہی کرتا ہے۔ مگر جب لوگ اس آسایش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طاقت و قدرت سے غافل ہو کر اپنے آپ کو ہی قادر سمجھ لیتے ہیں۔ انہم قادرون علیہا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا دوسرا نظارہ بھی دکھا دیتا ہے تاکہ انسان سمجھ لے کہ اس کی طاقت سب طاقتوں سے اوپر نہیں بلکہ یہ کوئی اور عظیم الشان طاقت ہے جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے ٭

خلط

خلیط۔ اختلاط

زُخرف

حصد۔ حصاد

حصید

غنی

آرام میں انسان خدا کو بھول جاتا ہے

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ ۲۵ ۲۶

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے ۱۳۸۹ جو نیکی

اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

کرتے ہیں ان کیلئے نیک بدلہ ہے اور بڑھکر اور ان کے مُنہوں کو نہ سیاہ غبار ڈھانکے گا اور نہ ذلت یہی جنت والے

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۲۷

ہیں وہ اسی میں رہیں گے ۱۳۹۰ اور جو بدیاں کماتے ہیں (تو) بدی کا بدلہ اسی کی مثل ہے

وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ

اور ان پر ذلت چھا جائے گی کوئی انہیں اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا گویا کہ انکے منہوں پر اندھیری رات کے ٹکڑے

قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اُڑھا دیئے گئے ہیں یہی آگ والے ہیں وہ اسی میں رہینگے ۔

سلامۃ۔ دارالسلام

۱۳۸۹ دارالسلام ۔ سَلْم اور سلامۃ کے معنی آفات ظاہری و باطنی سے پاک ہونا ہے اور دارالسلام سے مراد دارالسلامۃ ہے ۔ (اس لئے وہاں کا قول بھی سلامًا سلامًا ہے) لہم دارالسلام عند ربہم (الانعام ۶ ۔ ۱۲۸) اور السلام اللہ تعالیٰ کا بھی اسم ہے السلام المؤمن المھیمن (الحشر ۵۹ ۔ ۲۳) کیونکہ وہ ہر قسم کے عیوب اور نقائص سے پاک ہے (غ) ۔

دنیا کی نعمتوں کے مقابل جن میں دکھ اور تکلیفیں لگی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ایسے گھر کی طرف بلاتا ہے جو دکھوں اور تکالیف سے پاک ہے ۔ انسان اگر سکھ کو چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی سکھ کی طرف بلاتا ہے ۔ مگر انسان عارضی سکھ کو مدنظر رکھ کر خود اپنے لئے دکھ کا سامان کر لیتا ہے ۔

حسنیٰ ۔ حسن

۱۳۹۰ الحسنیٰ ۔ حسن (دیکھو ۱۶۱) اور حسنیٰ میں فرق یہ ہے کہ حسن کا استعمال عام ہے اور حسنیٰ کا حرف احداث پر (غ)، حسن اور حسنیٰ دونوں مصدر ہیں اور گو حسنیٰ کے معنی زیادہ تر جنت یا المنزلۃ الحسنیٰ کئے گئے ہیں ۔ مگر لسان العرب میں ہے کہ اس سے اصل مراد المجازاۃ الحسنیٰ ہے اچھا بدلہ اور ابن جریر میں بھی اس کے مطابق اقوال موجود ہیں ۔

زِیادۃ

زیادۃ ۔ تو اصل میں ایک چیز پر کچھ بڑھانے کا نام ہے مگر یہاں چونکہ نعمائے جنت میں اس کا ذکر ہے اس لئے مراد نظر الی وجہ اللہ لی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا دیکھنا جو بہشت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے ۔ راغب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رویت کو زیادۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جس کا تصور بھی دنیا میں ممکن نہیں ۔ ابن جریر میں کچھ اور اقوال بھی منقول ہیں مثلاً بڑھا ہوا اجر یا دس گنا اجر یا اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضوان ۔ یا اس دنیا میں نعمتیں ۔

رھق

یرھق ۔ رَہِق کے معنی کسی امر نے غالب آکر اس کو ڈھانک لیا ہے سارھقہ صعودا (المدثر ۷۴ ۔ ۱۷) (غ) ۔

قتر

قتر ۔ قَتَرۃ اس غبار کو کہتے ہیں جس پر سیاہی غالب ہو جیسے دھواں (ل) نیز دیکھو ۳۰۵ ۔

احسان یعنی اپنے نفس میں نیکی کرنے یا دوسروں سے نیکی کرنے کا انجام یہ ہے کہ بدلہ نیک ملتا ہے کچھ اور بھی ملتا ہے ۔ اور

۲۸ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ج

اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کرینگے پھر انہیں جنہوں نے شرک کیا تھا کہینگے تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرے رہو

۲۹ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ○ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ

پھر ہم ان میں جدائی ڈالدینگے اور ان کے شریک کہینگے تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے ۱۳۹۱ سو ہمارے اور تمہارے

۳۰ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ○ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ

درمیان اللہ گواہ بس ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے وہاں ہر شخص اس کی خبر پالیگا

نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ ع

النصف

جو آگے بھیجا تھا اور وہ اللہ اپنے مولا کی طرف جو حق ہے لوٹائے جائینگے اور جو وہ افترا کرتے تھے ان سے جاتا رہیگا ۱۳۹۲

سیاہی چھانے کا مفہوم

چہرہ پر سیاہی چھا جانا جو ناکامی اور نامرادی کا لازمی نتیجہ ہے وہ پیدا نہیں ہوتی نہ انسان کو ذلیل ہونا پڑتا ہے ابن جریر نے ان الفاظ کی یوں تفسیر کی ہے لا یغشی وجوھھم کآبۃ ولا کسوف حتی تصیر من الحزن کانما علاھا قتر یعنی ان کے منہوں کو رنج و ملال اور ناریکی نہیں ڈھانکے گی یہانتک کہ غم کے مارے وہ ایسے ہو جائیں کہ گویا ان پر دھواں چھا گیا ہے اس کے مقابل پر بدی کے انجام بد کا اگلی آیت میں ذکر کیا ہے۔

۱۳۹۱ مکانکم۔ فعل محذوف ہے الزموا مکانکم یعنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔

زال

زیّل

زیّلنا۔ زال کے معنی ایک چیز اپنے طریق سے ہٹتی ہوئی علیحدہ ہوگئی۔ اس سے زوال وغیرہ ہیں۔ اور تزیلوا (الفتح ۴۸-۲۵) کے معنی تفرقوا الگ الگ ہوگئے۔ باب تفعیل یہاں تکثیر کے لئے ہے (غ) پس زیّلنا کے معنی ہیں فرقنا۔

تین قسم کے معبود

شرکاءکم اور شرکاءھم سے مراد وہ ہیں جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے تھے حضرت مسیح فرماتے ہیں ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم (المائدۃ ۵-۱۱۷) اور ملائکہ کے متعلق ہے اھؤلاء ایاکم کانوا یعبدون (السبا ۳۴-۴۰) یہاں فرمایا کہ وہ ان کے شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ان دونوں یعنی عابد و معبود کو الگ الگ کردے گا اور دوسری جگہ ہے انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم (الانبیاء ۲۱-۹۸) لو کان ھؤلاء الھۃ ما وردوھا (الانبیاء ۲۱-۹۹) تو معلوم ہوا کہ ان دونوں مقامات پر الگ الگ قسم کے معبودین کا ذکر ہے ایک تو اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں یا ملائکہ کو معبود بنا لیا گیا ہے یہ آیات ان کے متعلق ہیں اور جہاں معبودین کے دوزخ میں پڑنے کا ذکر ہے تو مراد وہ لوگ ہیں جو خود اپنے آپکو بڑا بنا کر دوسروں سے اپنے آپ کو خدا کی طرح منواتے ہیں اور پتھروں اور درختوں اور ہواؤں وغیرہ کو معبود بنا لیتے ہیں تو ان کا ذکر ان دونوں میں نہیں کیونکہ حشر صرف انسانوں کا ہوگا نہ جمادات اور نباتات کا۔

۱۳۹۲ الحق۔ اسمائے الٰہی میں سے ہے دیکھو ۶۵ تبلو بلی سے خبر پالینے کے معنی ہیں دیکھو ۱۵۵۔

جب اعمال کی سزا کے بھگتنے کا وقت آتا ہے تو غلط سہارے سب گر جاتے ہیں اور اصل حقیقت انسان کے سامنے منکشف ہو جاتی ہے۔ یہ تجربہ ہر انسان یہاں بھی کرسکتا ہے۔ ہر ایک غلط کار کو اپنی غلطیوں کی سزا آخر خود بھگتنی پڑتی ہے اور جو اس کو ان غلطیوں میں ڈالتے ہیں نتیجہ بھگتنے کے وقت وہ الگ ہو جاتے ہیں۔ رکوع کے پہلے حصہ میں بتایا تھا کہ مصیبتوں کے وقت

ع ۹/۱۰ ہستی باری اور توحید پر دلائل

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ ۳۱

کہو کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے یا کس کے اختیار میں کان اور آنکھیں ہیں اور کون زندہ کو

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ

مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون کاروبار (عالم) کی تدبیر کرتا ہے تو کہیں گے اللہ پس کہو

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى ۳۲

پھر کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے ۱۳۹۳ تو یہ اللہ تمہارا رب حق ہے اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے پھر تم

تُصْرَفُوْنَ ○ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ۳۳

کس طرح پھر جاتے ہو اسی طرح تیرے رب کی بات ان پر صادق آئی جنہوں نے نافرمانی کی کہ وہ ایمان نہیں لاتے ۱۳۹۴

فطرت انسانی صرف اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتی ہے اور معبودان باطل کو اس وقت انسان بھول جاتا ہے ان چھوٹی چھوٹی مصیبتوں کے مقابلہ میں آخری آیات میں اس مصیبت عظمیٰ کی طرف توجہ دلائی ہے جو بدکرداروں کے لئے نتائج اعمال کے رنگ میں ظہور پذیر ہوگی اس وقت انکشاف کامل ہوگا کہ غیر اللہ معبود کسی کام نہیں آسکتے بلکہ وہ معبود بھی انکار کریں گے کہ ان کی عبادت کی جاتی تھی ◆

۱۳۹۳ یملک السمع والبصر سے مراد ہے کہ کون ان قوتوں کو وجود میں لانے والا اور کون ان کی حفاظت کا متولی ہے (غ) ◆

مشرکین کا اقرار توحید

پچھلے رکوع میں یہ بتایا تھا کہ مصیبت کے وقت فطرت انسانی اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتی ہے اور معبودان باطل کو بھول جاتی ہے اسی سے اس ہولناک وقت کی طرف توجہ دلائی تھی جو نتائج اعمال کے بھگتنے کا وقت ہوگا کہ خود وہ معبود بھی انکار کریں گے۔ اسی مضمون کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ایک بت پرست کی فطرت بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دے اٹھتی ہے اور بعض باتوں میں تو مجبوراً اسے بھی ماننا پڑتا ہے کہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ چنانچہ آسمان اور زمین سے رزق کا دینا۔ آسمانی رزق سے مراد یا تو وحی کا نزول ہے اور زمینی رزق سے مراد جسمانی سامانوں کا عطا کرنا۔ اور یا آسمان کا رزق پانی ہے جو اوپر سے برستا ہے۔ اور زمین کا رزق اس پانی سے روئیدگی کا نکلنا ہے ویسا ہی سمع اور بصر پر اختیار یعنی قوائے انسانی پر کیونکہ سمع اور بصر دو اعلیٰ ترین قوائے انسانی ہیں۔ پھر مردوں سے زندوں کو اور زندوں سے مردوں کو نکالنا جسمانی رنگ میں ہو یا قوموں کی احیاء و اماتت ہو اور خلاصہ ان سب امور کا تدبیر امر میں آجاتا ہے جس سے مراد نظام عالم کا چلانا ہے مسیح کی پرستش کرنے والا یا شجر یا حجر کی پرستش کرنے والا مانتا ہے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہی ہیں اس لئے فرمایا پھر مستحق پرستش دوسرے کس طرح ہو گئے جیسا کہ اگلی آیت میں واضح کر دیا ◆

عہد فطرت اور عہد بیعت

۱۳۹۴ فسق۔ یہاں عام معنی میں ہے یعنی عہد فطرت کی خلاف ورزی مراد ہے۔ کیونکہ اوپر عہد فطرت کی طرف اشارہ ہے جو اس عہد کی نافرمانی کرتے ہیں وہ اس دوسرے عہد یعنی شریعت یا وحی کو بھی قبول نہیں کرتے ◆

٣٤ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

کہو کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے لوٹاتا ہے کہو اللہ پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے

٣٥ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ

پھر اسے لوٹاتا ہے پھر کس طرح تم الٹے جا رہے ہو۔ ١٣٩٥ کہو کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے کہو اللہ ہی

يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ

حق کی طرف ہدایت کرتا ہے تو کیا وہ جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہدایت نہیں پاتا سوائے اس کے

٣٦ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ

کہ اسے راہ دکھایا جائے ١٣٩٦ تمہیں کیا ہو گیا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو اور ان میں سے اکثر سوائے ظن کے اور کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○

یقیناً ظن حق کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں دیتا بیشک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں ١٣٩٧

بدء خلق اور عود

١٣٩٥ خلق کے لوٹانے سے مراد بعد موت زندگی بھی ہو سکتی ہے تو گو وہ اس کے قائل نہ تھے مگر مراد یہ ہو سکتی ہے کہ جب وہ پہلی بار بھی خلق نہیں کر سکتے تو دوسری زندگی جو اللہ تعالیٰ کے اور بھی عجائبات قدرت سے ہے اور ایک حقیقت ہے اس پر وہ کیونکر قادر ہو سکتے ہیں اور یا پہلی خلق سے مراد بار اول اشیاء کو وجود میں لانا اور اعادہ سے مراد ایک قانون کے ماتحت ان کو بار بار پیدا کرتے رہنا ہے جیسے انسان اول کو پیدا کیا یہ بدء ہے پھر اس سے آگے ایک قانون کے ماتحت نسل چلائی یہ اعادہ ہے اس صورت میں معنی ظاہر ہیں +

ھدی۔ اھتدی

١٣٩٦ لا یھدّی۔ اصل میں یھتدی ہے اور اھتداء کے معنی ہدایت پانا ہیں اور ھدٰی کے معنی لے جانا بھی ہیں۔ جیسے ھدیتہ الی الطریق یا للطریق یا ھدایت العروس الی زوجہا اور یہاں ھدی اور اھتدی کے معنی محض انتقال مکان کے کئے گئے ہیں لا یقدر ان ینتقل عن مکانہ الا ان ینقلوہ (ل) یعنی اس بات پر قادر نہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ خود جا سکے سوائے اس کے کہ دوسرے اسے لے جائیں۔ اور قرآن شریف میں ہے او اجد علی النار ھدی (طٰہٰ ۲۰۔ ۱۰) جہاں ھدی سے مراد صرف راستہ ہے (ل) اور دوسری جگہ ہے فاھدوھم الی صراط الجحیم (الصّٰفّٰت ۳۷۔ ۲۳) اور ایک ہدایت اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی (طٰہٰ ۲۰۔ ۵۰) والی ہے جس سے مراد اپنے دائرہ استعداد میں ترقی ہے دیکھو ۵۔

معبودان غیر اللہ کا عجز

تیسری بات جس کی طرف توجہ دلائی (پہلی تدبیر امر ہے آیت ۳۱۔ دوسری خلق آیت ۳۴) وہ ہدایت کا دینا ہے یہ بھی کوئی بت یا کوئی معبود باطل نہیں دیتا صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور معبودان باطل کے متعلق جو فرمایا کہ لا یھدی الا ان یھدی تو یا عباد امثالکم (الاعراف ۷۔ ۱۹۴) مراد ہیں کہ وہ خود محتاج ہدایت ہیں اور یا ھدی سے مراد ان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا ہے یعنی وہ خود چلنے کے قابل بھی نہیں اور زیادہ ہدایت عامہ مراد ہے جو جاندار اور بیجان اور ذی عقل اور غیر ذی عقل سب کو دیجاتی ہے کہ اس کا دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے +

قرآن میں ظنی باتیں نہیں

١٣٩٧ غیر اللہ کی پرستش اس لحاظ سے ظنی ہے کہ ان کے پرستار کو یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس سے کوئی نفع پہنچے یا کسی نقصان سے

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ ۳۷

اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ بنا یا جا سکے بلکہ یہ اس کی تصدیق ہو جو اس سے

بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اَمْ يَقُوْلُوْنَ ۳۸

پہلے ہے اور کتاب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں جہانوں کے رب کی طرف سے ہے ۱۳۹۸ کیا کہتے ہیں کہ اسے

افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

اس نے خود جھوٹ بنا لیا ہے۔ کہہ ایک سورت اس کی مثل لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جسے بلا سکو بلا لو اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ ۳۹

تم سچے ہو بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں جس کے علم کا وہ احاطہ نہیں کر سکتے اور ابھی اس کا انجام ان تک نہیں آیا

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۞

اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے تو دیکھ لو ظالموں کا انجام کیسا ہوا ۱۳۹۹

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۞ ع ۴۰

اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے اور تیرا رب فساد کرنیوالوں کو خوب جانتا ہے

بیچ جائے اس کے مقابل حق یعنی ایک ثابت شدہ حقیقت ہو معلوم ہوا قرآن شریف ظنی باتوں کے اتباع سے روکتا ہے اور ان باتوں کی طرف بلاتا ہے جو ثابت شدہ حقایق ہیں +

دو دلیلیں کہ قرآن افترا نہیں ہو سکتا

۱۳۹۸ یہاں دو باتیں بالخصوص بتائیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قرآن افترا نہیں۔ ایک پہلی کتابوں کا مصدق ہونا یعنی ان پیشگوئیوں کو پورا کرنیوالا ہے جو اس کے آنے سے ہزار ہا برس پہلے موجود ہیں ان پیشگوئیوں کو محمد رسول اللہ نے نہیں بنایا۔ اور دوسرا یہ تفصیل کتاب ہے یعنی وہ باتیں جو پہلی کتابوں میں مجمل اور مبہم رہ گئی ہیں ان کی تفصیل یہ قرآن شریف فرماتا ہے جیسے مسئلہ معاد یا مسئلہ صفات الٰہی کہ پہلی کتابیں اس بارہ میں بہت ہی اجمالی تعلیم دیتی ہیں ایسا ہی ان کتابوں میں دلائل کا نام و نشان نہیں۔ اگلی آیت میں اس دعوے کو اور مضبوط کیا کہ اگر تم پھر بھی اسے افترا سمجھتے ہو تو اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ اس کے لئے دیکھو ۳۷ اور قرآن کا ذکر یہاں اس لحاظ سے کیا کہ اس میں دلائل توحید الٰہی ہیں +

احاطۃ بالعلم

۱۳۹۹ یحیطوا بعلمہ کسی چیز کا احاطہ از روئے علم کامل طور پر صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہو دیکھو ۳۲۹ لیکن انسان بھی اس میں سے جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے حاصل کرتے رہتے ہیں ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء (البقرۃ ۲۵۵) یہاں ان کے احاطہ بالعلم نہ کرنے سے مراد ان کا تدبر نہ کرنا ہے کیونکہ انسان کو جو علم ملتا ہے تدبر سے ملتا ہے +

تاویل کے معنی کیلئے دیکھو ۳۷۶ اصل حقیقت یا انجام دونوں معنی ہو سکتے ہیں یہاں انجام مراد ہے +

علوم قرآنی اور تکذیب کرنیوالوں کا غور نہ کرنا

مثل لانے کی تحدی کے بعد اس کتاب کے علوم کی طرف توجہ دلائی ہے جھوٹ تو کہہ دیا مگر اس کے علوم کی خبر تک نہیں۔ اس کے

ع ۵ / ۱۰ تکذیب پر عذاب

۴۱ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ

اور اگر تجھے جھٹلائیں تو کہو میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم اس سے بری ہو جو میں عمل کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں

۴۲ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا

جو تم عمل کرتے ہو ۱۴۰۰ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو تیری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تو بہروں کو سنا سکتا ہے گو وہ عقل

۴۳ يَعْقِلُوْنَ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ○

سے کام نہ لیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو تیری طرف نظر اٹھاتے ہیں تو کیا تو اندھوں کو رستہ دکھا سکتا ہے گو وہ بصیرت سے کام نہ لیں

۴۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

اللہ تو لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ آپ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ۱۴۰۱

۴۵ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ

اور جس دن ان کو اکٹھا کرے گا تو گویا وہ دن میں سے ایک گھڑی بھی نہ رہے تھے ایک دوسرے کو

بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○

پہچانیں گے وہ لوگ گھاٹے میں رہے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے ۱۴۰۲

مضامین عالیہ پر کبھی غور نہیں کیا اگر غور کرتے تو خود وہ باتیں ہی ان کے دلوں کو کھینچ لیتیں تو یہ کس قدر جرات ہے کہ بغیر ایک چیز کا علم حاصل کرنے کے اس کی تکذیب شروع کر دی چونکہ حقیقت معنی کا ذکر احاطہ بالعلم میں آچکا ہے اسلئے تاویل سے مراد تاویل فعلی یا انجام ہے اور اسی انجام تکذیب کی طرف آیت کے آخری الفاظ میں توجہ دلائی کیف کان عاقبۃ الظالمین پس مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے علوم پر غور کرتے تو اس کی تکذیب نہ کرتے اور جو تکذیب کی ہے تو اب اس کا انجام وہی ہوگا جو ان کو پہلے سے بتا دیا گیا ہے +

۱۴۰۰ پچھلے رکوع کے آخر پر توحید کے ذکر میں قرآن کریم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تکذیب میں انہوں نے جلدی کی ہے اس کا انجام آکر رہیگا اس رکوع میں اسی عذاب کا ذکر ہے جو تکذیب پر آتا ہے اور پہلے بطور تمہید بیان فرمایا کہ ہر ایک کی ذمہ داری اپنے اپنے اعمال کی ہے اس لئے جو حق کی مخالفت کرتا ہے اور اس کا استیصال چاہتا ہے وہ لازماً سزا پاتا ہے +

بصیرت سے کام نہ لینے والے

۱۴۰۱ جب اعمال کی ذمہ داری کا ذکر کیا تو بتایا کہ بعض لوگ بظاہر کان تو لگاتے ہیں یعنی آواز تو ان کے کان میں پڑتی ہے مگر عقل سے کام نہیں لیتے اس لئے سن کر فائدہ نہیں اٹھاتے اور آنکھوں سے دیکھتے تو معلوم ہوتے ہیں مگر چونکہ بصیرت سے کام نہیں لیتے اس لئے ان کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے اور یہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سزا بطور ظلم نہیں دیتا +

آرام و مصیبت کا تقابل

۱۴۰۲ دنیا میں جو مدت رہے ہیں وہ ایک گھڑی بھر سے بھی کم معلوم ہوگی انسان کتنی بھی عمر آسایش اور آرام میں گزارے جب مصیبت آتی ہے تو وہ سب ایک گھڑی ہی معلوم ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کو پہچاننے سے بھی یہی مطلب ہے کہ گویا علیحدہ ہوئے کوئی عرصہ نہیں گزرا +

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ ۴۶

اور اگر ہم ان میں سے بعض (عذاب) جن کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں تجھے دکھا دیں یا تجھے وفات دیں تو ہماری طرف ہی انہیں لوٹ کر آنا ہے پھر اللہ

شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ○ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ ۴۷

اس پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں ۱۴۰۳ اور ہر ایک قوم کیلئے ایک رسول ہے سو جب ان کا رسول آجاتا ہے ان کے درمیان انصاف سے

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○ ۴۸

فیصلہ کردیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا ۱۴۰۴ اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم سچے ہو۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ ۴۹

کہو میں اپنی جان کیلئے نہ کسی نقصان اور نہ نفع کا اختیار رکھتا ہوں سوائے اس کے جو اللہ چاہے ہر ایک قوم کے لئے ایک مقرر

أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ○

وقت ہے جب ان کا وقت مقرر آجاتا ہے تو ایک گھڑی پیچھے نہیں رہ سکتے اور نہ (اسے) پہلے لا سکتے ہیں ۱۴۰۵

آنحضرت کے مخالفین پر قیامت تک سزا کا آتا رہنا

۱۴۰۳ مطلب یہ ہے کہ سزا کے سارے وعدوں کا آپ کی زندگی میں پورا ہونا ضروری نہیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دامن جب قیامت تک ممتد ہے اور قرآن کریم میں سب ہی مکذبین اور مخالفین کا ذکر ہے تو ان کی سزائیں سب کی سب آنحضرت کی زندگی میں کس طرح وارد ہو سکتی تھیں اور بعض کا آپ کو دکھایا جانا تاریخ سے ثابت ہے اور یہ جو فرمایا کہ اللہ اس پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جس جس کو وہ جس سزا کے لائق سمجھے گا دیتا رہے گا +

ہر قوم کیلئے رسول

۱۴۰۴ ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے۔ یہ وہ عظیم الشان صداقت ہے جو اسلام سے پہلے کسی نے نہیں سکھائی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت چونکہ کل دنیا کی طرف ہوئی اس لئے سب عالم ایک ہی اُمت کے حکم میں ہو گیا۔ رسول کا اب کسی قوم کے پاس آنا اس کو تبلیغ ہونا ہے جس قوم پر آپ کی تعلیم کی تبلیغ ہو گئی۔ اسی کے متعلق اس آیت کا مضمون صادق آگیا اور بینہم سے مراد رسول اور اس کے مخالف ہیں کہ ان کے درمیان فیصلہ ہو جاتا ہے یعنی مخالفین پر سزا وارد ہوتی ہے اسی کے متعلق اگلی آیت میں سوال ہے کہ وہ سزا کب آئے گی اور قرآن کریم میں متی ھٰذا الوعد۔ متی ھٰذا الفتح اکثر دنیوی عذاب کے متعلق ہی ہے +

حق کی قبولیت دنیوی نفع نقصان کے خیال سے پاک ہو۔

۱۴۰۵ جب یہ سوال ہوا کہ وہ سزا ہم پر کب آئے گی تو فرمایا کہ جواب میں کہدو کہ تمہیں سزا پہنچانے کا اختیار مجھے کہاں ہے میں تو اپنی جان کے لئے بھی کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس قسم کے الفاظ جو قرآن کریم میں بار بار آتے ہیں نہ صرف آپ کے پیروؤں کو غلو سے روکتے ہیں بلکہ دوسری طرف یہ بھی بتاتے ہیں کہ حق کے قبول کرنے میں کسی نفع نقصان کا لالچ نہ دیں بلکہ حق کی خاطر حق کو قبول کرنے کے لئے بلائیں +

قوموں کی زندگی اور موت

اور یہ جو فرمایا کہ ہر قوم کے لئے ایک میعاد مقرر ہے تو اس میں یہ تعلیم دی ہے کہ جس طرح انسان پیدا ہوتے اور مرتے ہیں اسی طرح قومیں بھی پیدا ہوتی اور مرتی ہیں۔ اور ہر ایک قوم کے لئے علم الٰہی میں ایک وقت مقرر ہوتا ہے جب وہ صف لپیٹ لی جاتی ہے پس کسی قوم کو اپنی طاقت پر فخر نہیں کرنا چاہئے جس طرح کسی انسان کو اپنی قوت پر فخر نہیں کرنا چاہئے +

۵۰ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

کہو بتاؤ اگر اس کا عذاب رات یا دن کو تم پر آجائے (تو) وہ کیا ہے جس کے لئے مجرم جلدی کر رہے ہیں[۱۴۰۶]

۵۱ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ ثُمَّ

اور کیا پھر جب وہ آہی جائے گا اسپر ایمان لاؤگے؟ اب (ایمان لاتے ہو) اور (پہلے) اسکے لئے جلدی مچاتے تھے پھر انہیں

قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ

جنہوں نے ظلم کیا تھا کہا جائے گا دیرپا عذاب چکھو تمہیں بدلہ نہیں دیا جاتا مگر وہی جو تم

۵۳ تَكْسِبُوْنَ ۝ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ

کماتے تھے اور تجھ سے دریافت کرتے ہیں کیا یہ سچ ہے کہو ہاں میرے رب کی قسم یہ یقیناً حق ہے اور تم (اللہ کو)

۵۴ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ ع وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

عاجز نہیں کر سکتے[۱۴۰۷] اور اگر ہر شخص کیلئے جس نے ظلم کیا وہ (سب کچھ) ہو جو زمین میں ہے تو اسکے ساتھ فدیہ دینا چاہیگا اور جب عذاب کو

۵۵ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

دیکھینگے تو ندامت کو چھپائینگے[۱۴۰۸] اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائیگا۔ دیکھو اللہ کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وقف النبی علیہ السلام

وقف النبی علیہ السلام

ع ۱۱

قرآن سے کیا ملتا ہے

تعیش اور غفلت سے عذاب آتا ہے

[۱۴۰۶] رات کے وقت غافل لوگ عیش و عشرت میں مصروف ہوتے ہیں اور خدا کو بھول جاتے ہیں۔ دن کے وقت اپنے کاروبار کی مصروفیت میں خدا سے دور پڑ جاتے ہیں۔ یہی اشارہ دن اور رات کے وقت عذاب کے آنے میں ہے۔ فرمایا جب عذاب خود ہی آنے والا ہے پھر جلدی مانگنے سے کیا حاصل ہے +

اِی

[۱۴۰۷] اِی۔ حرف جواب اور تصدیق ہے جس کے معنی نَعَم ہیں یعنی ہاں اور اس کا استعمال اس طرح پر قسم کیساتھ خاص ہے پھر اسی عذاب کے متعلق سوال ہے کہ کیا ایسا سچ ہوگا۔ جب ایک قوم طاقت کے نشہ میں ہوتی ہے تو اسے کبھی خیال نہیں آتا کہ اس کے لئے بھی کوئی وقت آنے والا ہے جب اس کی طاقت نابود کر دی جائے گی۔ یہ بار بار کے سوال اسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں

سِرّا۔ اسرار

[۱۴۰۸] اسرّوا۔ سِرًّا اور اسرار دخلاف اعلان ہے سرا و علانیۃ (البقرۃ۔ ۲۷۴) اور سِرّ وہ بات ہے جو دل کے اندر چھپائی ہوتی ہو اور اسرّوا کے معنی انہوں نے چھپایا۔ مگر بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں ظاہر کیا۔ کیونکہ دوسری جگہ ان کا قول منقول ہے یٰلیتنا نرد ولا نکذب بآیات ربنا (الانعام۔ ۲۷) مگر وہ ندامت صرف اسی قدر نہیں جس کا یہاں اشارۃً ذکر ہے۔ اسرار جب دوسرے کی طرف ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اس پر ظاہر کرنا اور اس کے غیر سے چھپانا واذ اسر النبیّ الی بعض ازواجہ حدیثا (التحریم۔ ۳) واسررت لهم اسرارا (نوح۔ ۹) گویا ایک رنگ میں اظہار اور ایک رنگ میں اخفاء (غ)، اور بعض اہل لغت نے اسرار کو اضداد میں سے قرار دیا ہے یعنی اس کے معنی ظاہر کرنا بھی ہیں اور چھپانا بھی (ف) +

عذاب پر ندامت

ندامت کو چھپانے سے مراد یہ ہے کہ بڑے لوگ اپنے متبعین سے ندامت کو چھپائینگے۔ تکذیب پر جس عذاب کا وعدہ تھا

اَلَآ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ○ هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ وَاِلَيۡهِ ۵۶

دیکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف تم

تُرۡجَعُوۡنَ ○ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ۵۷

لوٹائے جاؤ گے اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے اور اس کے لئے جو سینوں میں ہے

الصُّدُوۡرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ○ قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ ۵۸

شفا اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت (آئی ہے) ۱۴۱۰ کہو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر سو اسی پر چاہئے

فَلۡيَفۡرَحُوۡا ؕ هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ○ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ لَـكُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ ۵۹

کہ خوش ہوں وہ اس (دولت) سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں ۱۴۱۱ کہو کیا دیکھتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے رزق سے اتارا ہے

فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلۡ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَـكُمۡ اَمۡ عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ ○

پھر تم اس سے حرام اور حلال ٹھہراتے ہو کہو کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر افترا کرتے ہو ۱۴۱۱

اسی کا یہاں ذکر ہے۔ وہ دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتا ہے گو کامل طور پر قیامت میں ظہور پذیر ہوگا +

صدر اور قلب

۱۴۰۹ صدر - صدر سینہ کو کہتے ہیں اور راغب نے بعض حکماء کا قول نقل کیا ہے کہ جہاں قلب کا ذکر ہو تو اشارہ عقل اور علم کی طرف ہے جیسے ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب (ق ۵۰ - ۳۷) اور جہاں صدر کا ذکر ہو تو اس کی طرف اور تمام قویٰ مثلاً شہوت ہوا، غضب وغیرہ کی طرف ہے (غ) پس شفاء لما فی الصدور سے مراد ہوئی کہ سب قویٰ کی اصلاح ہے +

قرآن سے کیا ملتا ہے

تکذیب کے انجام بد سے ڈرا کر اور پچھلی آیات میں یہ بتا کر کہ واقعی طاقت اور قدرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور جو بڑے بڑے طاقت ور ہیں وہ خوب یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اب اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم تکذیب میں کیوں جلدی کرتے ہو۔ قرآن تو تمہارے رب کی طرف سے ایک وعظ ہے اور وعظ روکتا ہے اس طرح کہ بدی کے بد انجام سے ڈرایا جائے دوسری بات فرمائی کہ انسان کو جو کچھ قویٰ دیئے گئے ہیں ان کیلئے یہ دوا ہے یعنی ان کی اصلاح کرتا ہے تیسری بات ہدایت ہے کہ ان کو صحیح راہ پر لگاتا ہے۔ اور چوتھی رحمت کہ اس سے اچھے نتائج پیدا ہوتے ہیں یعنی اخلاق فاضلہ کی بلند ترین منازل پر پہنچاتا ہے جو دنیا کیلئے موجب رحمت ہیں +

اخلاق اور مال

۱۴۱۰ یہاں اسی بات کو واضح کرکے بیان کیا ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ فضل اور رحمت ہے جو تم کو بلند مقامات پر پہنچاتا ہے اور اس مال و دولت سے جس کے جمع کرنے کی فکر میں تم اس کی تکذیب کرتے ہو وہ بہت بہتر ہے گویا سمجھایا ہے کہ اخلاق فاضلہ دولت سے اچھی چیز ہے۔ قرآن کریم تم میں وہ اخلاق فاضلہ پیدا کرتا ہے۔ تم دولت کے جمع کرنے کیلئے بڑی کوشش کرتے ہو لیکن ان اخلاق کے لینے کیلئے کیوں متوجہ نہیں ہوتے۔ دولت سے انسان عزت اور راحت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر دولت سے یہ چیزیں کبھی نہیں ملتیں اور جو عزت اور راحت ہمیشہ کیلئے اخلاق فاضلہ سے ملتی ہے وہ دولت سے عارضی طور پر بھی نہیں مل سکتی +

رزق

۱۴۱۱ رزق - عطائے جاری کو کہتے ہیں دنیوی ہو یا اُخروی۔ اور مال اور جاہ اور علم سب رزق میں داخل ہیں (غ) + ایک معنی تو ظاہر ہیں کہ مشرک بعض قسم کی چیزوں کو حرام قرار دے لیتے تھے هٰذہٖۤ اَنۡعَامٌ وَّحَرۡثٌ حِجۡرٌ (الانعام ۶ - ۱۳۹) مگر قلیلا

۶۰ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ

اور جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں ان کا قیامت کے دن کی نسبت کیا خیال ہے یقیناً اللہ لوگوں پر

۶۱ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ع وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا

فضل کرتا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے اور تو جس حال میں بھی ہو اور جو کچھ اس کے

ع ۱۰ ۱۲ — مومنین کے مقامات عالیہ

مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ

متعلق قرآن سے پڑھے اور جو کچھ بھی تم عمل کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس میں

فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ

مصروف ہوتے ہو اور تیرے رب سے ذرہ کے وزن کے برابر بھی کوئی چیز نہ زمین میں چھپی رہتی ہے اور نہ آسمان میں

وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر وہ ایک کھلی کتاب میں ہے ۱۴۱۲

وسباق کے لحاظ سے یہ مراد معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اخلاق سے بھی رزق دیا ہے اور قیام جسم کے لئے بھی پھر تم اس رزق سے جو اخلاق سے تعلق رکھتا ہے اپنے آپ کو بکلی محروم رکھکر اسے گویا حرام ٹھہرا رہے ہو۔ ھو خیر مما یجمعون سے بھی معلوم ہوتا ہے اگلی آیت بھی اس معنی کی مؤید ہے کیونکہ فرمایا کہ یہاں تو اس رزق سے تم دن کاٹ لوگے مگر قیامت کے دن کی نسبت جہاں یہ رزق ساتھ نہیں ہوگا۔ تمہارا کیا خیال ہے یعنی اس کے لئے کیوں کچھ بھی تیاری نہیں کرتے۔

شأن — **۱۴۱۲** شان۔ حال اور معاملہ کو کہتے ہیں جو واقع ہوا اور جو سنوار والا ہو۔ اور یہ لفظ صرف بڑے اہم احوال اور امور پر بولا جاتا ہے (غ)

افاض فی الحدیث — تفیضون۔ افاض فی الحدیث کے معنی ہیں بات کو پھیلایا یا اس میں کثرت سے لگ گئے (ل) دیکھو ۱۳۳۵ اور یہ خوض کے ہم معنی بھی ہے (غ) جس کا اکثر استعمال مذمت کے مقام پر ہے

عزب — یعزب۔ عازب وہ شخص ہے جو چارہ کی تلاش میں اپنے اہل سے دور نکل جائے (غ) اس لئے عزب یعنی غاب یا بعُد ہے یعنی غائب ہوا یا دور رہا۔

کتاب — کتاب۔ کتاب سے مراد ہمیشہ لکھے ہوئے اوراق نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض وقت اس سے مراد ہوتی ہے وہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اندازہ کیا ہے اور بعض وقت مراد اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کا ایجاب اور اس کا حکم ہوتا ہے (غ) اور یہاں کتاب مبین سے مراد علم الٰہی ہے اور مبین اس کو اس لحاظ سے کہا کہ نتائج اعمال ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

کوئی اچھا عمل ضائع نہیں ہوتا — جب کفار کو یہ توجہ دلائی کہ وہ بجائے تکذیب کے قرآن کریم سے فائدہ اٹھائیں کیونکہ اس میں شفا اور ہدایت ہے تو اب یہ بتایا کہ یہ قرآن اپنی پیروی کرنے والوں کو کن مقامات عالیہ پر پہنچاتا ہے۔ اور اس پہلی آیت میں تلاوت قرآن کا ذکر کیا خواہ خطاب خاص نبی صلعم سے لیا جائے یا عام۔ اور آپکے یا آپ کے سچے متبعین کی ساری شانیں ہی اچھی ہیں مگر تلاوت قرآن کا بالخصوص ذکر کیا۔ منہ میں ضمیر اسی شان کی طرف ہے اور یا اللہ کیطرف یعنی اللہ کیطرف سے نازل شدہ قرآن کی تلاوت کرتے ہو یا قبل الذکر ضمیر

۶۲ أَلَآ إِنَّ أَوۡلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ۝ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ

سن لو کہ اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے ۱۴۱۳ جو ایمان لائے

۶۳ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ ٱلۡبُشۡرَىٰ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِۚ لَا

اور تقویٰ اختیار کرتے تھے ان کیلئے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے اللہ

۶۴ تَبۡدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ ۝ وَلَا يَحۡزُنكَ قَوۡلُهُمۡۘ

وقف لازم

کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہ بڑی بھاری کامیابی ہے ۱۴۱۴ اور ان کی گفتگو تجھے غمگین نہ کرے

قرآن کی طرف ہے اور خطاب واحد کے بعد خطاب کو جمع کرکے بتا دیا کہ اصل خطاب سب سے ہی ہے اور ما تعملون من عمل میں سب مومن مراد ہیں جو کسی کام میں لگے ہوں تو ان کو خوشخبری دی ہے کہ تمہارا کوئی نیک عمل ضائع نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے اور افاضۃ کے اصل معنی چونکہ کثرت یا زور سے کسی بات یا کام میں لگنا ہیں اس لئے یہ معنی بھی درست ہیں اور بعض نے اذ تفیضون فیہ میں مراد مخالفین کو لیا ہے کہ قرآن کے بارے میں جھوٹ کو شائع کرتے ہو مگر پہلے معنی ہی قابل ترجیح ہیں (ج) اور اگلی آیت میں صفائی سے اولیاء اللہ کا ذکر کرکے بتا بھی دیا کہ یہاں مراد وہی لوگ ہیں جو نبی صلعم کے اتباع میں اعمال صالحہ میں لگے رہتے ہیں +

اولیاء اللہ

۱۴۱۳ اولیاء اللہ ۔ ولی کے معنی کے لئے دیکھو ۳۲۳ اولیاء اللہ کہنے سے یہ منشا ہے کہ وہ اللہ کے دین کی نصرت کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کا ناصر ہوتا ہے +

قرآن کس مقام بلند پر پہنچاتا ہے

تکذیب کرنے والوں کے مقابلہ پر یہاں انصار اللہ کا ذکر کیا جن کو یہاں اولیاء اللہ کے نام سے پکارا ہے اور اگلی آیت میں بتا دیا کہ وہ کون لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں پس اس کے بعد جو نصرت دین کرتے ہیں وہی اولیاء اللہ ہیں۔ ان کا اس مقام بلند پر پہنچ جانا یقینی بیان کیا ہے جو نجات کامل کا مفہوم ہے کہ نہ ان پر خوف ہے نہ وہ غمگین ہونگے اور یہ بلند سے بلند مقام ہے جس پر انسان اس دنیا میں پہنچ سکتا ہے اور حقیقی راحت انسان کو اسی وقت میسر آتی ہے اور یہی وہ مقام ہے جس پر پہنچ کر انسان یہیں جنت کو پالیتا ہے +

بشریٰ

۱۴۱۴ البشریٰ ۔ بشارۃ اور بشریٰ ۔ اس خبر کو کہا جاتا ہے جو خوش کرنے والی ہو۔ ولما جاءت رسلنا ابراھیم بالبشریٰ (العنکبوت ۲۹-۳۱) یٰبشریٰ ھذا غلام (یوسف ۱۲-۱۹) اور بشیر وہ ہے جو ایسی خبر دیتا ہے فلما ان جاء البشیر (یوسف ۱۲-۹۶) اور ہواؤں کو بھی مبشرات کہا ہے یرسل الریاح مبشرات (الروم ۳۰-۴۶) اور آنحضرت صلعم نے فرمایا انقطع الوحی ولم یبق الا المبشرات اور وہ رویائے صالحہ ہیں جو مومن دیکھتا ہے یا جو اس کے لئے دکھائی جاتی ہیں (غ) +

بشیر
بشر

اولیاء اللہ کو مبشرات دی جاتی ہیں

اولیاء اللہ کو اگر ایک طرف یہ خوشخبری دی تھی کہ ان کے لئے خوف و حزن باقی نہ رہے گا تو اب دوسری طرف یہ بھی بتایا کہ صرف یہی نہیں بلکہ ان کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بشارتیں ہوں گی۔ اور یہی وہ بلند ترین مقام ہے جس کو قرآن کریم نے فوز عظیم کے نام سے موسوم کیا ہے۔ حدیث صحیح میں اس کی تصریح موجود ہے جہاں فرمایا لم یبق من النبوۃ الا المبشرات یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان جو سفارت کا کام انبیاء کرتے تھے اس میں سے اب صرف مبشرات باقی رہ گئی ہیں جو مومنوں کو ملتی رہیں گی۔ نبوۃ یا سفارۃ تو کئی ایک چیزوں کے مجموعہ کا نام تھا۔ مثلاً مبشرات کے علاوہ کتاب کا ملنا جیسا کہ وانزل معھم الکتاب (البقرۃ ۲-۲۱۳) سے ظاہر ہے یا کسی نمونہ کا ظاہر کرنا وغیرہ۔ اس سفارت میں ایک حصہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات

إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○

عزت سب اللہ کے لئے ہو وہ سننے والا جاننے والا ہے ۱۴۱۵

تائیدات اور نصرتوں کی خوشخبری اس کے بندوں کو پہنچائی جائے سو وہ حصہ باقی رہ گیا یعنی کل میں سے ایک جزو اور بلحاظ اس اصل پیغام کے جو اللہ تعالیٰ کی راہوں کا بتانا اس کے اوامر و نواہی کا پہنچانا وغیرہ ہیں اسے نبوت کا صرف چالیسواں اور چھیالیسواں یا ساٹھواں حصہ قرار دیا ہو اور مبشرات کی تشریح حدیث میں رویائے صالحہ سے کی ہو اور اس میں الہام بھی داخل ہو اور اس کی وجہ یہ ہو کہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو جو بذریعہ رویا یا کشف یا الہام انسان تک پہنچایا جاتا ہو وحی و راء حجاب میں داخل کیا ہو۔ اور حدیث نے بلحاظ کثرت کے جو رویا کو حاصل ہو اسی کو اصل قرار دیا ہو پس یہ آیت بھی جس کی تفسیر یہ حدیث کرتی ہو ختم نبوت پر دلیل ہو کیونکہ اس کی رو سے صرف مبشرات باقی رہ گئی ہیں اور متعدد حدیثوں میں ہو کہ رسول اللہ صلعم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد رویائے صالحہ ہو دیکھو ابن جریر اور ابن کثیر۔

مبشرات چالیسواں جزو نبوت باقی ہیں

انقطاع نبوت سے انقطاع مقامات عالیہ نہیں ہوا

یہاں آیت کے آخر پر یہ لفظ لا کر ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ یہی بڑی بھاری کامیابی ہو اس طرف اشارہ کیا ہو کہ یہ بلند سے بلند مقام ہو جس پر انسان پہنچ سکتا ہو اس سے اوپر کوئی مقام نہیں۔ اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اب نبوت نہیں تو کچھ بھی نہیں یا اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا دروازہ بند ہو گیا۔ حدیث میں ہو کہ جب نبی کریم صلعم نے فرمایا ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی قال فشق ذٰلک علی الناس فقال ولکن المبشرات یعنی رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی اور میرے بعد کوئی رسول نہیں اور نہ کوئی نبی ہو تو یہ بات لوگوں پر شاق گزری تو آپ نے فرمایا لیکن مبشرات باقی ہیں جس میں یہی ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ و مخاطبہ جو اصل نعمت ہو وہ باقی ہو۔ کیونکہ وہ معرفت الٰہی کا ذریعہ ہو اور اسی طرف اشارہ ہو رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء میں ہاں نبوت کی اصل غرض چونکہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں کا ظاہر کرنا تھا اور تکمیل دین کے بعد اس کی ضرورت نہ رہی اس لئے اب نبوت نہیں مگر مقامات عالیہ تک پہنچنے کی سب راہیں موجود ہیں بلکہ پہلے سے بھی بڑھکر چنانچہ احمد اور ابن ابی حاتم اور بیہقی نے روایت کی ہو کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ان للّٰہ تعالیٰ عبادا لیسوا بانبیاء ولا شھداء یغبطھم النبیون والشھداء علی مجالسھم وقربھم من اللّٰہ (د) یعنی اللہ تعالےٰ کے کچھ بندے ہیں جو نبی اور شہید نہیں لیکن نبی اور شہید ان کے مرتبہ اور ان کے اللہ تعالیٰ کے قرب پر رشک کرینگے اور ابو ہریرہ سے اسی کی مثل روایت ہو ان من عباد اللّٰہ عبادا یغبطھم الانبیاء والشھداء اور جب لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون ہیں تو آپ نے ان کے متعلق کچھ باتیں بیان کر کے یہی آیت پڑھی الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (یونس ۶۲) (ج) اور ایسی ہی روایت ابو داؤد میں ہے (ث) اور ان روایات کا ماحصل یہی ہے کہ قرب الٰہی کے مراتب اسی طرح لوگوں کو ملتے رہیں گے۔ اور انقطاع نبوت سے مقامات عالیہ سے محروم نہیں کئے جائینگے۔

۱۴۱۵ مومنین کے ان مدارج عالیہ کو کفار کیا سمجھ سکتے تھے جن کی نظریں دنیا تک محدود تھیں اور جنہیں مال و دولت دنیوی اور حکومت ظاہری پر ناز تھا۔ اس لئے تسلی کے طور پر فرمایا کہ ان باتوں سے غمگین مت ہو۔ عزت و ذلت بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہو۔ مومن اگر اس وقت دنیوی طور پر بیکسی کی حالت میں ہیں تو یہ بھی کوئی غم کی بات نہیں اصل عزت سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہو وہ ان کو بھی دے دیگا سمیع علیم میں ان کے اعمال حسنہ کے نتائج کی طرف اشارہ کیا۔

أَلَآ إِنَّ لِلَّهِ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَن فِي ٱلۡأَرۡضِۗ وَمَا يَتَّبِعُ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ ۶۶

سنو! اللہ کیلئے ہی ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور وہ کس چیز کی پیروی کرتے ہیں جو اللہ کے سوا

مِن دُونِ ٱللَّهِ شُرَكَآءَۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنۡ هُمۡ إِلَّا يَخۡرُصُونَ ○

(دوسرے) شریکوں کو پکارتے ہیں وہ صرف ظن کے پیچھے چلتے ہیں اور نرا جھوٹ بولتے ہیں ۱۴۱۶

هُوَ ٱلَّذِي جَعَلَ لَكُمُ ٱلَّيۡلَ لِتَسۡكُنُواْ فِيهِ وَٱلنَّهَارَ مُبۡصِرًاۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ ۶۷

وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشنی دینے والا (بنایا) یقیناً اس میں ان لوگوں

لَأٓيَٰتٖ لِّقَوۡمٖ يَسۡمَعُونَ ○ قَالُواْ ٱتَّخَذَ ٱللَّهُ وَلَدٗاۗ سُبۡحَٰنَهُۥۖ هُوَ ٱلۡغَنِيُّۖ لَهُۥ ۶۸

کے لئے نشان ہیں جو سنتے ہیں ۱۴۱۷ کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنا لیا وہ (اس سے) پاک ہے وہ بے نیاز ہے اسی کا ہے

مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۚ إِنۡ عِندَكُم مِّن سُلۡطَٰنِۭ بِهَٰذَآۚ أَتَقُولُونَ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں کیا تم اللہ پر

عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعۡلَمُونَ ○ قُلۡ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفۡتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُونَ ○ ۶۹

جھوٹ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے ۱۴۱۸ کہو وہ جو اللہ پر جھوٹ بناتے ہیں کامیاب نہیں ہوں گے

الثلثۃ

مَتَٰعٞ فِي ٱلدُّنۡيَا ثُمَّ إِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ ٱلۡعَذَابَ ٱلشَّدِيدَ بِمَا كَانُواْ يَكۡفُرُونَ ○ ۷۰

دنیا کا سامان ہے پھر ہماری طرف انہیں لوٹ کر آنا ہے پھر ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اسلئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

۱۴۱۶ پہلی آیت کے مضمون کو اور واضح کیا ہے کہ حکومت اور بادشاہت سب اللہ کی ہے اور کسی کو خدا کا شریک سمجھ کر پکارنا اس خیال سے کہ اس سے کچھ نفع پہنچے گا بے سود ہے اس لئے کہ یہ صرف جھوٹ اور وہم کی پیروی ہے حقیقت میں وہ کوئی شے ہے ہی نہیں جس کی وہ پیروی کرتے ہیں ما یتبع الذین یعنی ای شئ یتبع یہ کس چیز کی پیروی کرتے ہیں گویا وہ کچھ بھی نہیں خرص کے معنی کیلئے دیکھو ۱۰۳۰

۱۴۱۷ رات کا آرام انسان کو کام کے قابل بناتا ہے اور دن کی روشنی میں وہ کام کرتا ہے یہ دن اور رات اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں پس نفع نقصان کا مالک وہی ہے جو سامانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یا یہ اشارہ ہے کہ جس طرح رات جسمانی سکون کا موجب ہے اسی طرح روحانی سکون کا موجب بھی ہے کیونکہ رات کی عبادت سے خصوصیت سے تسکین قلب حاصل ہوتی ہے اور ایسا ہی دن جس طرح جسمانی طور پر روشنی دیتا ہے ایسا ہی روحانی طور پر بھی ◆

شرک اتخاذ ولد

۱۴۱۸ جب شرک کا ذکر کیا تو اس سب سے بڑے شرک کا بھی ذکر کیا جو دنیا میں پھیل جانے والا تھا اور یہ بھی بتایا کہ اس شرک کی بھی کوئی دلیل انکے ہاتھ میں نہیں اور آیت ۷۰ میں ان کی ظاہری حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا کی زندگی کے سامان اگر انہیں بہت سے ملیں تو یہ عارضی اور چند روزہ بات ہے حقیقی راحت کے سامانوں سے وہ محروم ہیں اس لئے انجام دکھ ہی دکھ ہے ◆

رکوع ۸ — نوح اور موسیٰ کی مثالیں

۷۱ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي

اور ان پر نوح کی خبر پڑھ جب اس نے اپنی قوم کو کہا اے میری قوم اگر تمہیں میرا ٹھہرنا

وَتَذْكِيرِي بِآيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

اور میرا اللہ کی آیات سے نصیحت کرنا برا معلوم ہوتا ہے اور میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے تو اپنے معاملہ کو اپنے شریکوں کے ساتھ پختہ کرلو پھر تمہارا معاملہ

۷۲ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ

تم پر مشکوک نہ رہے پھر میرے ساتھ (وہ بات) کرگزرو اور مجھے مہلت نہ دو[1719] پھر اگر تم پھر جاؤ تو میں تم سے کوئی اجر

مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

نہیں مانگتا میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں۔

مقام — **1719** مقام مصدر بھی ہو سکتا ہے اور قیام سے اسم مکان اور اسم زمان بھی۔ اور یہاں مصدر بھی ہو سکتا ہے یعنی مراد یہ کہ میرا تمہارے درمیان ٹھہرنا تمہیں برا معلوم ہوتا ہے اور یا اسم مکان لیکر اس سے ایماء اپنے نفس کی طرف ہو سکتا ہے۔

اجمع — اجمعوا امرکم۔ اجمعت کذا اکثر اس موقعہ پر بولا جاتا ہے جہاں جمع سے کسی امر کی طرف اجتماع فکر سے پہنچنا مراد ہو فاجمعوا کیدکم (طٰہٰ ۲۰-۶۴) اور اجمع المسلمون علی کذا سے مراد ہے کہ مسلمانوں کی رائیں اس امر پر مجتمع ہو گئیں۔ اور ان الناس قد جمعوا لکم (آل عمران ۳-۱۷۲) میں رائوں کا اجتماع بھی مراد ہو سکتا ہے اور لشکروں کا بھی۔ اور امر جامع

امر جامع — اس عظیم الشان امر کو کہتے ہیں جس کے لئے لوگ اکٹھے ہو جائیں واذا کانوا معہ علی امر جامع (النور ۲۴-۶۲) (غ) اور جمع امرہ

جمع امرہ۔ اجمعہ — اور اجمعہ کے معنی ہیں عزم علیہ یعنی اس پر عزم کر لیا اور اجمعوا امرکم وشرکاءکم میں وبمعنی مع ہے یعنی اجمعوا امرکم مع شرکاءکم اور بعض نے وادعوا شرکاءکم مراد لیا ہے۔

غمۃ — غمۃ۔ غم کے اصل معنی ڈھانکنا ہیں۔ اور امر غمۃ اس امر کو کہتے ہیں جو مبہم اور مشکوک ہو (ل)

قضاء — اقضوا الیّ۔ قضاء کسی امر کا فیصلہ کر دینا ہے قول سے ہو یا فعل سے۔ اور یہاں قضاء فعل سے ہے یعنی اس اپنے فیصلہ کو میرے متعلق عمل میں لے آؤ فاذا قضیتم مناسککم (البقرۃ ۲-۲۰۰) اور ایما الاجلین قضیت (القصص ۲۸-۲۸) میں بھی قضاء فعلی ہی ہے۔

اعدائے رسول کو چیلنج — رسول اللہ صلعم کی تکذیب کا ذکر تھا اسی میں قرآن کریم کے مومنوں کو مقامات عالیہ پر پہنچانے کا ذکر آیا۔ اب پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کیا ہے اور مثال کے رنگ میں پہلے انبیاء کی تکذیب اور اس کے نتائج کو پیش کیا ہے مگر اصل ذکر آنحضرت کا مقصود ہے اور آپ کے ہی مخالفوں کو ان الفاظ میں خطاب ہے کہ تم جو کچھ طاقت رکھتے ہو میرے خلاف کرگزرو۔ میری ہلاکت کا عزم کرلو۔ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے مہلت بھی نہ دو اور جو کرنا چاہتے ہو فوراً کرگزرو۔ اس شدید مخالفت کے اندر اور کفار کے اس جوش کے اندر جو ان میں پہلے ہی پھیلا ہوا تھا۔ ان الفاظ میں دشمنوں کو یہ کہنا کہ تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے میری مخالفت پر زور لگالو اور میری تباہی کے سامان کرلو انسان کا کام نہ ہو سکتا تھا چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہیں چند بے بس دوست ہیں وہ گھر سے نکل چکے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر کس قدر ایمان ہے کہ یہ پیغام پورے زور کے ساتھ دشمنوں کو پہنچاتے ہیں۔

فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَٰهُ وَمَن مَّعَهُۥ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَعَلْنَٰهُمْ خَلَٰٓئِفَ وَأَغْرَقْنَا ٱلَّذِينَ ۷۳

پر انہوں نے اسے جھٹلایا سو ہم نے اسے اور انہیں جو اسکے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور انہیں جانشین بنایا اور انہیں غرق کردیا

كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا ۖ فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلْمُنذَرِينَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنۢ بَعْدِهِۦ ۷۴

جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ تو دیکھ لو کہ جو ڈرائے گئے تھے ان کا انجام کیسا ہوا پھر ہم نے اس کے بعد (اپنی) (اپنی)

رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَآءُوهُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ فَمَا كَانُوا۟ لِيُؤْمِنُوا۟ بِمَا كَذَّبُوا۟ بِهِۦ مِن

قوم کیطرف رسول بھیجے اور وہ انکے پاس کھلی دلائل لائے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ اس پر ایمان لاتے جسے پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح

قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ ٱلْمُعْتَدِينَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنۢ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ وَ ۷۵

ہم حد سے گزر جانیوالوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں ۱۴۲۰ پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور

هَٰرُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَإِي۟هِۦ بِـَٔايَٰتِنَا فَٱسْتَكْبَرُوا۟ وَكَانُوا۟ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝

ہارون کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا پر انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے

فَلَمَّا جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ مِنْ عِندِنَا قَالُوٓا۟ إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ قَالَ مُوسَىٰٓ أَتَقُولُونَ ۷۶ ۷۷

سو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا انہوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے متعلق

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَٰذَا وَلَا يُفْلِحُ ٱلسَّٰحِرُونَ ۝ قَالُوٓا۟ أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا ۷۸

(یہ) کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتے انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اسلئے آیا ہے

وَجَدْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا ٱلْكِبْرِيَآءُ فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ۝

۱۴۲۱ کہ ہمیں اس (راہ) سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا اور تم دونوں کیلئے ملک میں بڑائی ہو اور ہم تم دونوں پر ایمان لانیوالے نہیں

ہر رسول ایک قوم کی طرف آیا

۱۴۲۰ الیٰ قومهم میں بتایا کہ ہر ایک رسول کو ایک خاص قوم کی طرف بھیجا گیا۔ ان رسولوں کا ذکر چھوڑ دیا ہے حضرت نوح کی بعثت بھی عام نہ تھی جیسا کہ انا ارسلنا نوحاً الیٰ قومه (نوح ۷۱ - ۱) سے ظاہر ہے اور اس کا سارا خطاب اپنی قوم سے ہی پایا جاتا ہے۔ اور جو فرمایا کہ جس بات کو پہلے جھٹلایا اس پر ایمان نہ لائے تو مطلب یہ ہے کہ ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے یکساں سلوک کیا یعنی پہلے ہی بغیر سوچے سمجھے جھٹلا دیا پھر مخالفت اور تکذیب پر اڑ گئے کیونکہ دلوں میں نفرت اور بغض بیٹھ گیا ۔

لفت ۔ التفات

۱۴۲۱ تلفت ۔ لفت کے معنی صرف ہیں یعنی پھیر دیا۔ اسی سے التفات ہے ایک طرف سے ہٹکر دوسری طرف متوجہ ہونا

ان آیات میں سحر اور ساحر دھوکہ اور دھوکہ باز کے معنی میں آئی ہے ۔

۷۹، ۸۰ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ○ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا

اور فرعون نے کہا ہر ایک علم والے ساحر کو میرے پاس لے آؤ سو جب ساحر آگئے موسیٰ نے انہیں کہا ڈالو

۸۱ مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ○ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ

جو تم ڈالنے والے ہو تو جب ڈال چکے موسیٰ نے کہا جو تم لائے ہو یہ دھوکا ہے اللہ اسکو ابھی باطل کر دکھائیگا کیونکہ

۸۲ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ○ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ○

اللہ فساد کرنے والوں کے کام کو بننے نہیں دیتا اور اللہ اپنے کلمات سے حق کو حق کر دکھائیگا گو مجرم برا منائیں ۱۴۲۲

ع ۹ ۱۰ — فرعون کی ۱۴ تباہی

۸۳ فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ

تاہم موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا مگر اس کی قوم کے کچھ لوگ (ذریہ) فرعون اور ان کے سرداروں کے خوف سے (مخفیاً) کہ انہیں دکھ دیگا

۸۴ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ○ وَقَالَ مُوسَىٰ

اور فرعون یقیناً ملک میں سرکش تھا اور وہ یقیناً خطا کاروں میں سے تھا ۱۴۲۳ اور موسیٰ نے کہا

يَا قَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ

اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو

موسیٰ کا غلبہ بذریعہ کلمات

۱۴۲۲ یہ آخری الفاظ بتاتے ہیں کہ احقاق حق بذریعہ ان کلمات کے ہوا جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو سکھائے تھے اور یہی بات حضرت موسیٰ کے آخری غلبہ کا موجب ہوئی +

ذریة

۱۴۲۳ ذریة ۔ دیکھو ۱۵۶ اور اس میں باپ بیٹے اولاد عورتیں سب شامل ہیں انا حملنا ذریتہم فی الفلک المشحون (یٰس ۴۱) (ل) اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے کسی جنگ میں ایک عورت کو قتل ہوا ہوا دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ جنگ کرنا نہ چاہئے تھا۔ اور پھر آپ نے خالد کے پاس آدمی بھیجا اور حکم دیا لاتقتل ذریة ولا عسیفا۔ جہاں ذریة کی تشریح میں ابن اثیر لکھتے ہیں یجمع نسل الانسان من ذکر وانثی (ن) یعنی ذریة سے مراد نسل انسان ہے مرد اور عورتیں دونوں اس میں شامل ہیں۔

موسیٰ پر پہلے ایمان لانے والے

ذریة من قومہ میں مراد بعض نے قوم بنی اسرائیل اور بعض نے قوم فرعون لی ہے مگر ترجیح قول اول کو ہے (ج) سیاق عبارت بھی چاہتا ہے۔ کیونکہ آگے ذکر موسیٰ کی قوم کا ہی چلتا ہے اور ذریة سے مراد یہاں ابن عباس کے نزدیک قلیل ہے یعنی تھوڑے لوگ اور بعض نے اولاد مراد لی ہے یعنی ان کے باپ مدت گزر جانے سے مر چکے تھے اور ملائہم میں ضمیر ذریة کی طرف بلحاظ معنی جاتی ہے یا قوم کی طرف یا تو فرعون کی قوم کے سرداروں کو بنی اسرائیل کے سردار کہا ہے اس لئے کہ بنی اسرائیل محکوم تھے

بنی اسرائیل کے بڑے لوگ اور قوم کی ہلاکت

اور یا ملائہم سے مراد واقعی بنی اسرائیل کے بڑے لوگ ہیں کیونکہ فرعون انہی لوگوں کے ذریعہ سے بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا جیسا کہ دوسری جگہ قارون کا ذکر صاف الفاظ میں ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ خود غرض لوگ اپنے ذاتی رسوخ اور مالی فائدہ کے لئے اپنی ہی قوم کی جڑیں کاٹنے کیلئے مستعد رہتے ہیں جیسے آج کل بھی بہتیرے مسلمانوں کی یہ حالت ہے

فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ○ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا ۸۵

تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو تو انہوں نے کہا اللہ پر ہی ہم بھروسہ کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَ ۸۶ ۸۷

ظالم لوگوں کے ظلم کا تختہ مشق نہ بنا ۱۴۲۴ اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر لوگوں سے نجات دے اور ہم نے موسیٰ اور اس کے

اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ

بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کیلئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو مسجدیں بناؤ اور نماز کو قایم کرو اور مومنوں کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۸۸

خوشخبری دو ۱۴۲۵ اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اسکے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں آسایش کا سامان اور بہت مال دیکر بہار رکھا ہے

کہ کوئی عہدہ ان کو حکومت میں ملتا ہو یا کسی عزت کی خواہش ہوتی ہو تو اپنی ہی قوم کی بیخکنی کو اس کا ذریعہ بناتے ہیں پس مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے بھی بہت سے لوگ فرعون اور اپنے سرداروں کے خوف سے حضرت موسیٰ پر ایمان نہ لائے اور یہ ابتدا کا ذکر ہے اور یہاں قوم فرعون کا ذکر نہیں۔ گو ان میں سے بھی چند ایک لوگ جیسے خود ساحر اور رجل مومن مذکورہ سورت المومن حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے +

فتنۃ

۱۴۲۴ فتنۃ کے اصل معنی دکھ اور عذاب ہیں اور یہاں مراد فتنہ کا محل ہے گویا اس عذاب اور تکلیف سے نجات مانگی ہے جو فرعون کی طرف سے ان کو پہنچتا تھا +

۱۴۲۵ قبلۃ سے مراد یہاں مجازاً نماز کی جگہ یا مسجد ہے جیسے دوسری جگہ مصلّٰی یا نماز کی جگہ سے مراد قبلہ ہے دیکھو ۱۵۸

بنی اسرائیل کی نجات کا سامان

بنی اسرائیل مصر میں تو رہتے ہی تھے اس لئے حضرت موسیٰ کو یہ وحی کرنے کا کیا مطلب ہے۔ حضرت موسیٰ کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنی قوم کو فرعون کے پنجہ سے چھڑالاؤ چنانچہ حضرت موسیٰ کا پہلا مطالبہ فرعون سے یہی تھا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو فارسل معی بنی اسرائیل (الاعراف۔ ۱۰۵) لیکن فرعون نے اس کی اجازت نہ دی اور اپنے شدائد اور مظالم کو بنی اسرائیل پر اور سخت کیا اور چونکہ خود بنی اسرائیل بھی عرصہ دراز تک محکومیت کی حالت میں رہنے سے ان اخلاق فاضلہ سے عاری ہو چکے تھے جن سے قوم کو بادشاہت مل سکتی ہے اس لئے حکم ہوا کہ ابھی کچھ مدت ملک مصر میں رہنا ہوگا مگر یہ تمہارا رہنا بیکار نہ ہو بلکہ اپنی گھروں کو مسجدیں بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں لگ جاؤ اور نماز کو قایم کرو تاکہ تمہارے اندر اخلاق فاضلہ پیدا ہوں جیسا کہ دوسری جگہ بھی فرمایا استعینوا باللہ (الاعراف۔ ۱۲۸) یہی ان کی مشکلات کا علاج تھا۔ قوموں کے اندر جب ان کی حالت گر چکی ہو اخلاق فاضلہ کا پیدا کرنا آسان امر نہیں ہوتا ایک عرصہ دراز کو چاہتا ہے۔ آج مسلمان اس صریح تعلیم قرآن کی پرواہ تک نہیں کرتے اور حکومت اور بادشاہت کو اپنا پہلا اور آخری نصب العین بنا کر راہ صواب سے ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں اور اپنی قوم کی اصلاح اس طریق سے کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جس طریق سے ایسے ہی حالات کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنی قوم کی اصلاح کا حکم دیا تھا +

حکومت اصل نصب العین نہیں

ہارون کو وحی

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی وحی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں کو ہوتی تھی۔ اور یہاں ذکر بھی دو

رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا

اے ہمارے رب نتیجہ یہ ہے کہ وہ تیرے رستہ سے بہکاتے ہیں اے ہمارے رب انکے مالوں کو برباد کر دے اور انکے دلوں پر حملہ کر سو وہ ایمان

۸۹ يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا

نہ لائیں یہانتک کہ دردناک عذاب دیکھیں ۱۴۲۶ فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی سو تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان

۹۰ تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

لوگوں کے رستہ کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار کر دیا پھر فرعون اور اسکے لشکروں

وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ

نے زیادتی اور ظلم کے لئے انکا پیچھا کیا یہانتک کہ جب اسے غرق ہونے نے آلیا۔ کہا میں ایمان لایا کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل

۹۱ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝

ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ۱۴۲۷ کیا اب (ایمان لاتا ہے) اور پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنیوالوں میں سے تھا۔

باتوں کا ہے ایک مصر میں اقامت کرنے کا دوسرا نماز کا اور نماز کی امامت کا کام حضرت ہارون کے سپرد تھا +

۱۴۲۶ لیضلوا میں لام عاقبت کا ہے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مال اس لئے دیا تھا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں بلکہ مال دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا +

شدّ — اشدد۔ شدّ کے معنی مضبوط باندھنا ہیں وشددنا اسرھم (الدھر ۲۸) فشدوا الوثاق (محمد ۴) (غ) اور شدّ علیہ کے معنی ہیں حمل علیہ اس پر حملہ کیا (ن) +

حضرت موسیٰ کی دعا فرعون کی تباہی کیلئے — حضرت موسیٰ کی یہ دعا اس وقت کی ہے جب فرعون کے سامنے ہر قسم کے نشان اور دلائل دیئے جا چکے ہیں اور بار بار نشان دیکھکر اور ایمان لانے کا وعدہ کرکے وہ اس سے انحراف کر چکا ہے اور بنی اسرائیل پر سختی کو اور بڑھا دیا ہے لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لک (الاعراف ۱۳۴) جب چھوٹی چھوٹی تکالیف سے انسان اپنی اصلاح نہیں کرتا تو پھر بڑی تکالیف اس پر آتی ہیں۔ اسی کی طرف آیت کے آخری الفاظ میں اشارہ ہے فرعون کو جس چیز نے حق سے روکا وہ مال ہے اس لئے اس کی تباہی کی دعا کی گویا جس مال نے حق سے روکا تھا وہ بھی باقی نہ رہے اشدد علی قلوبھم کے معنی عموماً مفسرین نے یوں کئے ہیں کہ انکے دلوں پر مہر کر دے یا ان کے دلوں کو سخت کر دے مگر شدّ کا صلہ علی ہو تو اس کے معنی حملہ کرنے کے لغت میں آتے ہیں اور دلوں پر حملہ کرنے سے مراد دلوں کی محبوب چیزوں کو الگ کر دینا ہے گویا وہ چیزیں جن کی محبت نے انہیں حق سے پھیرا ہے ان سے چھین لی جائیں اور اگر دلوں کو سخت کرنے کے معنی ہی لئے جائیں تو یہ دعا چونکہ ان کی سزا کے لئے ہے اس لئے ایسے اعدائے حق کیلئے ایسی دعا بھی قابل اعتراض نہیں گو اس میں سختی کا پہلو غالب ہے +

فرعون کا رجوع موت کے وقت — ۱۴۲۷ فرعون کی توبہ یا مرتے وقت ایمان لانے کا ذکر بائیبل میں نہیں مگر قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کو ایک دوسرے امر کے ساتھ وابستہ کیا ہے یعنی اس کی لاش کے باہر پھینکنے سے دیکھو اگلی آیت اس کا ذکر بھی کسی تاریخ میں نہیں

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ ۹۲

سو آج ہم تیری لاش کو باہر نکال دینگے تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشان ہو اور یقیناً بہت سے لوگ ہمارے

اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ ۹۳

نشانوں سے بیخبر ہیں ۱۴۲۸ اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو اعلیٰ مقام میں جگہ دی اور ان کو ستھری چیزوں سے رزق دیا

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

تو انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہانتک کہ انکے پاس علم آیا۔ تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کریگا جن میں

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ ۹۴

وہ اختلاف کرتے تھے ۱۴۲۹ اے سننے والے اگر تجھے اس کے متعلق شک ہو جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان لوگوں سے پوچھ

ع ۱۱ / ۱۵

یکذبت سے رک جانے پر عذاب ٹل سکتا ہے

مگر آج واقعات نے اس کو صحیح ثابت کرکے اس دوسرے امر کی صداقت پر بھی مہر لگادی اور یوں بتا دیا کہ قرآن کریم بائبل سے نہیں لیتا اور عجیب بات یہ ہے کہ گو بائبل میں یہ ذکر نہیں مگر طالمود میں خروج ۹ : ۱۶ کی تفسیر کرتے ہوئے یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ فرعون نے توبہ کی تھی +

فرعون کی لاش اور قرآن کریم کا معجزہ

۱۴۲۸ ننجیك ببدنك. بنجات کے ساتھ بدن کے لفظ کو اس لئے بڑھایا تاکہ معلوم ہو کہ یہ لاش بلا روح تھی (ج) قرآن کریم کی صداقت کے عظیم الشان نشانوں میں سے یہ ایک نشان ہے کہ اس بات کا پتہ دیا جس کا اس زمانہ میں کسی کو علم تک بھی نہ تھا لیکن آج واقعات اسے صحیح ثابت کرتے ہیں بلکہ اس کی صحت کا ایسا پختہ ثبوت ملتا ہے کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا نہ بائبل میں نہ اور کسی کتاب میں فرعون کی لاش کو باہر پھینکنے کا ذکر ہے۔ مگر قرآن کریم نے یہ ذکر ایسے کھلے الفاظ میں کیا ہے کہ ان الفاظ کے یہی معنی تمام مفسرین کرتے آتے ہیں کہ فرعون کی لاش کو اللہ تعالیٰ نے سمندر سے باہر نکال پھینکا تھا۔ حضرت موسیٰ کے مقابل میں جو فرعون تھا اسکا نام تاریخ سے رعمیس ثانی ثابت ہے اور انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں مضمون ممی کے نیچے لکھا ہے کہ رعمیس ثانی کی لاش آج تک ان لاشوں میں محفوظ ہے جو مصالح وغیرہ کے ذریعہ سے رکھی جاتی ہیں آج ان الفاظ لتکون لمن خلفك اٰیة کی شوکت کے سامنے دنیا کو سرتسلیم خم کرنا پڑتا ہے کہ یہ کلام صرف خدائے عالم الغیب کا ہو سکتا تھا۔ آج سے تیرہ سو سال پیشتر ایک عرب کے اُمی کی زبان سے ایک بات کا اظہار کرایا جاتا ہے جس سے دنیا بے خبر تھی اور آج واقعات اسے صحیح ثابت کرتے ہیں بہت سے لوگوں کے آیات اللہ سے بے خبر ہونے میں بھی اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ تک بے خبر رہنے کے بعد دنیا کو یہ پتہ ملے گا۔ دنیا کی کوئی مذہبی کتاب اس قسم کا بیّن ثبوت خدائے عالم الغیب کی طرف سے ہونے کا پیش نہیں کر سکتی +

مبوّا صدق

۱۴۲۹ مبوا صدق - مبوّا۔ بوا ء سے مکان کے معنی میں ہے اور صدق کے مقام سے مراد اچھا مقام ہے دیکھو ۱۳۷ اور خلیل کا قول ہے کہ ہر کامل چیز کو صدق کہا جاتا ہے اور مبوا صدق کے معنی کئے ہیں منزل صالح (ت) یعنی ایسا مقام جو ہر طرح کی صلاحیت رکھتا ہے +

بنی اسرائیل پر نعمت ان کی مخالفت رسول

آیت کے پہلے حصہ میں یہ ذکر ہے کہ فرعون کے ہاتھ سے نجات دلانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مقام صدق عطا فرمایا

يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں یقیناً تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا ہو پس تو جھگڑا کرنیوالوں میں سے نہ ہو ۱۴۳۰

اور مقام یا جگہ کا کمال یہ ہو کہ اس میں رہنے والوں کو ہر طرح کے فوائد حاصل ہوں اور وہ اچھی سے اچھی جگہ اور اعلےٰ مقام ہو اور یہاں اشارہ ارض مقدس کی طرف ہو جہاں نہ صرف وہ دوسری قوم کی غلامی سے آزاد تھے بلکہ ان کو عمدہ سے عمدہ چیزیں بھی وہاں میسر تھیں اور طیبات کے رزق میں بادشاہت بھی شامل ہو اور علوم بھی جو بذریعہ انبیاء ان کو دیئے گئے اور دوسری جگہ اس کی تصریح یوں فرمائی ہو اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا و اٰتٰکم مالم یؤت احدا من العٰلمین (المائدۃ ۲۰) کیونکہ رزق کا لفظ وسیع ہے یہ تو ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔ دوسرے حصہ آیت میں ان کی موجودہ حالت کا ذکر کیا جب باوجود علم کے انہوں نے اختلاف کیا اور اختلاف سے مراد رسول اللہ صلعم کے معاملہ میں اختلاف یا آپ کی مخالفت ہو دیکھو ۲۱۴

شک

۱۴۳۰ شک کسی شخص کے نزدیک دو امور کا جو ایک دوسرے کے نقیض ہیں یکساں اور مساوی ہونا شک ہو اور یہ یا اس لئے ہوتا ہو کہ اس شخص کے نزدیک دونوں میں یکساں نشانات پائے جاتے ہیں یا دونوں میں یکساں نشان نہیں پائے جاتے اور شک کبھی تو کسی شے کے متعلق ہوتا ہو کہ وہ موجود ہے یا نہیں اور کبھی اس کی جنس کے متعلق ہوتا ہو کہ کس جنس میں سے ہو اور کبھی اس کی بعض صفات میں ہوتا ہو اور کبھی اس غرض میں ہوتا ہو جس کے لئے وہ چیز وجود میں لائی گئی ہو اور شک ایک قسم کی جہالت ہو مگر جہالت عام ہو اور یہ خاص اور ہر ایک شک جہالت ہو گو ہر جہالت شک نہیں (غ)+

آنحضرت صلعم کو قرآن کریم کے متعلق کبھی شک نہ تھا نہ ہو سکتا تھا۔

یہاں خطاب کس سے ہو؟ یہ ایک ایسا بین امر ہو کہ جس پر چنداں بحث کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم میں بسا اوقات خطاب عام ہوتا ہو گو مخاطب واحد ہو اور ہر مخاطب واحد نبی صلعم نہیں۔ بلکہ بعض جگہ نبی کے نام سے بھی خطاب ہو تو مراد عالم ہوتی ہو یا یہا النبی اذا طلقتم النساء (الطلاق ۶۵-۱) یہاں ایسے مخاطب کا ذکر ہو جس کو قرآن کے بارہ میں شک ہو اور شک کے معنی اوپر بیان ہو چکے کہ دو نقیض باتوں میں مساوات اور اعتدال مثلاً شک اس شخص کو ہوگا جو فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو یا افترا ہو۔ اب ظاہر ہو کہ نبی صلعم کو ایسا خیال ہونا قطعی طور پر ناممکن ہو یہاں تک کہ بڑے بڑے مخالفین نے اس بات کا اعتراف کیا ہو کہ رسول اللہ صلعم اپنے آپ کو سچائی پر یقین کرتے تھے اور مکی زمانہ کے متعلق جب کی یہ سورت ہو بالخصوص یہ اعتراف اکثر عیسائیوں کو ہو۔ پھر قرآن کے بارہ میں آپ کو شک ہونا بالکل بے معنی بات ہو۔ اگر نعوذ باللہ من ذٰلک آپ افترا کر رہے تھے تو بھی آپ کو علم تھا کہ میں افترا کر رہا ہوں۔ اور اگر افترا نہیں کر رہے تھے تو بھی علم تھا کہ میں افترا نہیں کر رہا ہوں قرآن کے متعلق کسی دوسرے کو شک ہو سکتا ہو خود رسول اللہ صلعم کو دونوں صورتوں میں شک نہیں ہو سکتا یعنی خواہ دشمن سچے ہوں یا جھوٹے آپ کو شک کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ شک جہالت کا نام ہو اور آپ کو علم ہو کہ یہ کیا ہو شک کا لفظ انہی لوگوں کے متعلق ہو سکتا ہے جو ایک درمیانی اور تذبذب کی حالت میں ہیں۔ نہیں جانتے کہ اسے سچا کہیں نہ یہ کہ اسے جھوٹا کہیں کبھی ایک بات کہتے ہیں کبھی دوسری پھر جس شخص کے اندر اس قدر قوت یقین بھری ہوئی ہو کہ سینکڑوں دلوں کے اندر ایسا یقین پیدا کر دے کہ وہ موت کے منہ میں جانا قبول کریں مگر قرآن کو نہ چھوڑیں کیا اس کے متعلق کہا جا سکتا ہو کہ اس کو شک ہو اور اس سے اگلی آیت نے یہ بالکل واضح کر دیا کیونکہ وہاں فرمایا کہ تو جھٹلانے والوں میں سے نہ ہو۔ یہاں بھی خطاب واحد ہو اگر شک کرنے والے نعوذ باللہ نبی صلعم ہیں تو جھٹلانے والے بھی وہی ہونگے جو ایک ایسی بدیہی باطل بات ہو کہ اس کے لئے کوئی دلیل بکار نہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ صفائی سے آیت ۱۰۴ میں فرمایا یا یہا الناس ان کنتم فی شک من دینی اے لوگو اگر تمہیں میرے دین کے متعلق کچھ شک ہو جس سے معلوم ہوا کہ وہی لوگ جن کو یہاں بصیغہ واحد خطاب کیا ہو وہاں بصیغہ جمع خطاب کرکے بات کو صاف

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ ۹۵ ۹۶

اور تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ورنہ تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۔ وہ لوگ

حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا ۹۷

جن پر تیرے رب کی بات پوری ہوگئی ایمان نہیں لاتے ۔ اور گو ان کے پاس ہر ایک نشان آجائے یہاں تک کہ

الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا ۹۸

دردناک عذاب کو دیکھیں ۱۴۳۱ تو کیوں کوئی بستی ایسی نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا ہاں یونس کی قوم (تھی)، جب وہ

آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۝

ایمان لائے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ان کو ایک وقت تک سامان دیا ۱۴۳۲

کر دیا ہو کہ شک کرنے والے دوسرے لوگ تھے اور اسی آیت کے آخر پر ہے کہ تجھے حکم دیا گیا ہو کہ میں مومنوں میں سے ہوں پس آپ ہی شک کرنے والے کس طرح ہو سکتے ہیں اور ما انزلنا الیک اس کے خلاف نہیں کیونکہ قرآن شریف میں بار بار قرآن کریم کے سب کی طرف نزول کا ذکر ہے یا ایہا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا (النساء ۴ - ۱۷۵) اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں +

عبداللہ بن سلام

بعض مفسرین نے غلطی سے فسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلک میں عبداللہ بن سلام کا ذکر کر دیا ہے حالانکہ وہ مدینہ میں ایمان لائے اور یہ سورت مکی ہے اور وہ رسول اللہ صلعم کی صداقت پر ایمان لائے تھے نہ کہ رسول اللہ صلعم ان سے دریافت کرکے اپنی صداقت پر ایمان لائے تھے ۔ اور یہ غلطی خود اس سے ظاہر ہے کہ ابن جریر میں کئی روایتیں موجود ہیں کہ نبی کریم صلعم نے نہ کبھی شک کیا اور نہ سوال کیا بلکہ بعض روایتوں میں یہ لفظ ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا اشک ولا اسئل نہ میں شک کرتا ہوں اور نہ سوال کرتا ہوں جس میں صاف طور پر یہ سمجھا دیا کہ میرے متعلق یہ آیت نہیں بلکہ اس میں خطاب دوسرے لوگوں سے ہے ۔ اور یہ امر واقعات تاریخی میں سے ہے کہ نبی کریم صلعم نے کبھی کسی اہل کتاب سے کسی امر کے متعلق اس غرض سے سوال نہیں کیا کہ وہ کسی حقیقت کو آپ پر منکشف کردے +

۱۴۳۱ اللہ تعالےٰ کا وہ کونسا کلام تھا جو ایسے لوگوں کے حق میں پورا ہوا ۔ ظاہر ہے کہ وہ وہی سزائے تکذیب ہے جس کا ذکر چل رہا ہے اور پچھلی آیت میں اس تکذیب کا ذکر پھر بھی کر دیا ہے +

یونس

۱۴۳۲ یونس ۔ بائبل میں یہ نام یوناہ ہے اور ان کی ایک مختصر سی کتاب بائبل کے مجموعہ کتب انبیاء میں موجود ہے ۔ ان کا زمانہ آٹھویں صدی قبل مسیح ہے ۔ قرآن کریم میں حضرت یونس کا ذکر علاوہ اس مقام کے الانعام ۶ - ۸۷ - الانبیاء ۲۱ - ۸۷ - الصّٰفّٰت ۳۷ - ۱۳۹ تا ۱۴۸ - القلم ۶۸ - ۴۸ تا ۵۰ میں ہے ان کا پیغام اہل نینوہ کی طرف تھا اور نینوہ اس زمانہ میں ایک ایسی عظیم الشان سلطنت کا دارالخلافہ تھا جو دنیا کے بڑے حصہ پر محیط تھی +

اہل نینوی اور عذاب

جہاں انبیاء کے مکذبین کی ہلاکت اور تباہی کا ذکر کیا ایک ایسے نبی کا بھی ذکر کر دیا جس کے مخالفین باوجود نہ ماننے کے آخر توبہ کرکے عذاب الٰہی سے بچ گئے ۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی طرف حضرت یونس کو بھیجا گیا ۔ ابن کثیر میں ہے کہ حضرت یونس نے

۹۹ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى

اور اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جس قدر لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا یہاں تک

۱۰۰ يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ

کہ وہ ایمان لے آئیں ۱۴۳۳ اور کسی شخص کو یہ حاصل نہیں کہ سوائے اللہ کے اذن کے ایمان لائے اور وہ پلیدی کو انہی

۱۰۱ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ

پر ڈالتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے ۱۴۳۴ کہو دیکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور

۱۰۲ مَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ

نشان اور ڈرانے والے ان لوگوں کے کچھ کام نہیں آتے جو ایمان نہیں لاتے تو یہ صرف ایسے ہی دنوں کا انتظار

اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ○

کرتے ہیں جیسے ان پر آئے جو ان سے پہلے گزر چکے کہو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالوں میں سے ہوں ۱۴۳۵

اہل نینوی کو عذاب سے ڈرایا مگر انہوں نے نہ مانا تب یونس ان کے درمیان سے چلے گئے (تا کہ عذاب کے مقام سے الگ ہو جائیں) تب ان لوگوں نے ...... اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب دور کر دیا پھر دو گروہ ہیں ایک کہتے ہیں کہ ان سے صرف عذاب دنیا دور کیا گیا اور عذاب اُخروی نہیں (گویا وہ فی الواقع ایمان نہ لائے تھے صرف عذاب کے خوف سے کچھ رجوع کیا) اور دوسرے کہتے ہیں کہ عذاب اُخروی بھی ان سے دور کیا گیا اور وہ ایمان لے آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انذاری پیشگوئیاں ٹل بھی جاتی ہیں۔ حالانکہ ایک نبی کی زبان سے وہ ظاہر بھی کر دی گئی ہوں اور گو رجوع کامل ہو جس میں ایمان صحیح ہو یا ناقص ہو کہ صرف عذاب کے خوف سے رجوع کیا جائے ✦

انذاری پیشگوئیوں کا ٹل جانا۔

حضرت یونس کے اس ذکر میں جو خصوصیت سے مکذبین کے انجام میں لایا گیا ہے یہ اشارہ ہے کہ آپ کے مخالفین بھی آخر رجوع کریں گے اور وہ تباہ نہ کئے جائیں گے اسی مخالفین پر رحم کیا جانے کی طرف ہی اشارہ اس حدیث میں معلوم ہوتا ہے جو نبی کریم نے فرمایا لاتفضلونی علی یونس مجھے یونس پر فضیلت مت دو ✦

۱۴۳۳ یہ تو مکی زمانہ ہے اس لئے یہ شک پیدا نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلعم تلوار سے لوگوں کو مسلمان کرنا چاہتے تھے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ ایمان کا معاملہ تو خوشی کا ہے اس لئے جو ایمان لاتے ہیں لائیں ✦

۱۴۳۴ اذن سے کیا مراد ہے دیکھو ۱۲۳ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے اذن سے ہی ہوتا ہے وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ (آل عمران ۳۔ ۱۴۴) مگر فرمایا کہ کفر کی پلیدی اور ناپاکی انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ باقی رکھتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ سو جب ایک انسان عقل سے کام نہ لیگا تو اللہ کا اذن بھی اس کے متعلق نہ ہو گا ✦

اذن اللہ

۱۴۳۵ ایام کے لئے دیکھو ۵۲۴ مراد واقعات ہیں جو پہلوں پر گزرے یعنی جیسے مصائب ان پر آئے یہاں فرمایا کہ یہ ایام بھی آئیں گے انتظار کرو اگلی آیت میں رسول اور مومنوں کے نجات پا جانے کو پھر بطور پیشگوئی واضح الفاظ میں بیان فرمایا ✦

ع ۱۱ / ۱۴ — الٰہی فیصلہ

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ ع قُلْ يَا أَيُّهَا ۱۰۳

پھر ہم اپنے رسولوں کو اور انہیں جو ایمان لائے نجات دیتے ہیں اسیطرح ہم پر حق ہے ہم مومنوں کو نجات دینگے ۱۴۳۶ کہو اے

النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ

لوگو اگر تمہیں میرے دین میں شک ہے تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر

دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ج وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ

عبادت کرتے ہو لیکن میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں

الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ج وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ ۱۰۵

میں سے رہوں ۱۴۳۷ اور کہ تو اپنی توجہ کو راست روی کرتا ہوا دین کیلئے مضبوط رکھ اور مشرکوں میں سے نہ ہو ۱۴۳۸

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ج فَإِنْ فَعَلْتَ ۱۰۶

اور اللہ کو چھوڑ کر اسے نہ پکار جو نہ تجھے نفع دیتا ہے اور نہ نقصان دیتا ہے سو اگر تو کرے

اعدائے دین کے ظلم سے نجات

۱۴۳۶ جب پچھلی آیت میں عذاب کے انتظار کے لئے کہا تو اب بتایا کہ جب عذاب آتا ہے تو رسول اور ان کے ساتھ مومن نجات پا جاتے ہیں یعنی دشمنوں کے ظلم سے رہائی حاصل کر لیتے ہیں تو اس میں رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی دی۔ اور دوبارہ فرمایا اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دینگے یعنی اعدائے دین کے ظلم سے چھڑانا صرف رسول سے مخصوص نہیں بلکہ جب کبھی مومنوں پر مصائب آئیں گی تو اسی طرح ہم ان کو بھی نجات دیتے رہیں گے۔ بلکہ درمیان میں حقا علینا لا کر اسے اور بھی مؤکد کیا ہے۔ اس قدر تاکید کے باوجود آج کس طرح مسلمان ملکوں کے ملک اور قوموں کی قومیں مصائب میں گرفتار ہیں۔ مگر کیوں؟ اس لئے کہ مومن نہیں بنتے۔ اگر مسلمان سچے دل سے مومن بن جائیں تو اللہ تعالےٰ ان کی مصائب کو خود دور فرمادے +

۱۴۳۷ اللہ تعالےٰ کی توحید کے مضمون کو قرآن شریف نے بار بار دہرایا ہے اس صراحت کے ہوتے ہوئے کسی کو آپ کے دین میں کیا شک ہو سکتا تھا یا ہیں پھر وضاحت کر دی جن کی تم عبادت کرتے ہو اسکی میں عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اُس کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اس خاص صفت کے اختیار کرنے میں ایک تو یہ اشارہ ہے کہ جن انسانوں کو تم نے خدا یا خدا کی طرح سمجھا ہوا ہے وہ بھی آخر مرتے ہیں اور دوسرا یہ کہ تمہارا کوئی معبود تمہیں موت سے نہیں بچا سکتا +

۱۴۳۸ اس آیت میں خطاب پھر بدل گیا ہے اوپر کی آیت میں تھا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے ہوں اور یہاں ہے کہ تو اپنی توجہ کو دین کے لئے مضبوط رکھ اور مشرکوں میں سے نہ ہو جس سے صاف ظاہر ہے کہ دوسرا مخاطب مراد ہے اگلی آیت اور بھی اس کی وضاحت کرتی ہے۔ ۱۰۷ آیت تک یہی عام خطاب ہے اسی لئے آیت ۱۰۸ میں پھر دوبارہ فرمایا قل +

۱۰۷ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ

تو اس وقت تو ظالموں میں سے ہوگا اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کے دور کرنیوالا کوئی نہیں

وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

اور اگر وہ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اسکے فضل کو روکنیوالا کوئی نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے پہنچاتا ہے

۱۰۸ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ

اور وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے کہو اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ

سو جو کوئی ہدایت اختیار کرتا ہے وہ اپنی جان کی بھلائی کیلئے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے اسکی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور

۱۰۹ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ۱۴۳۹

میں تم پر داروغہ نہیں ہوں اور اسکی پیروی کر جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے اور صبر کر یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے

۱۴۳۹ اس رکوع میں مومنوں اور کافروں کو الگ کرکے آخر پر فرمایا کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کی پیروی کئے جاؤ مشکلات سے اللہ تعالےٰ خود باہر نکالے گا اور دونوں گروہوں میں فیصلہ کرکے دکھا دے گا کہ حق پر کون ہے۔ ایسی صریح آیات کا جن میں حق کی آخری کامیابی کو روز روشن کی طرح ظاہر کیا گیا ہے یہ اثر تھا کہ جب کفار کی مخالفت فتح مکہ کے ساتھ ٹوٹ گئی تو گروہوں کے گروہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے ⁂

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

ع ۱ / ۸ — نبی اور اسکے مخالف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ○ ۱

میں اللہ دیکھتا ہوں۔ یہ کتاب جس کی آیتیں پر حکمت بنائی گئی ہیں پھر کھول کر بیان کی گئی ہیں حکمت والے خبر والے (خدا) کی طرف سے ہے ۱۴۴۳

اس سورۃ کا نام ہود ہے اور اس میں دس رکوع اور ایک سو تئیس آیتیں ہیں گو اس میں حضرت نوح اور دیگر انبیاء کا بھی ذکر ہو مگر اس کا نام ہود اس خصوصیت کی وجہ سے اختیار کیا گیا ہو کہ حضرت ہود پہلے نبی ہیں جو عرب میں ہوئے +

خلاصہ مضمون — خلاصہ مضمون یہ سورت پچھلی سورت سے ملتا جلتا ہو اور یہ دونوں ایک ہی مضمون کی تکمیل کرتی ہیں مگر یہاں زیادہ تر مثالوں سے مطلب کو واضح کیا ہو پہلے رکوع میں حق اور اس کے مخالفین کا ذکر ہو دوسرے میں بتایا کہ بعض لوگ صرف دنیا کی طلب میں لگ جاتے ہیں۔ اور ان کے مقابل پر طالبان حق کا ذکر کیا تیسرے اور چوتھے رکوع میں حضرت نوح کا ذکر ہو پانچویں میں حضرت ہود کا چھٹے میں حضرت صالح کا ساتویں میں حضرت ابراہیم اور لوط کا۔ آٹھویں میں حضرت شعیب کا۔ نویں میں شقی اور سعید دونوں گروہوں کا الگ الگ ذکر کیا اور ان کا انجام بتایا اور دسویں میں نبی کریم صلعم اور آپکے ساتھیوں کو عظیم الشان مصائب میں تسلی دی +

تعلق — یہ سات سورتیں یعنی یونس سے لے کر النحل تک قریبًا ایک ہی مضمون پر ہیں یعنی صداقت وحی پر پچھلی سورت میں زیادہ تر علمی بحث تھی اس میں گزشتہ انبیاء اور ان کے مخالفین کی مثالیں دے کر سمجھایا ہو +

زمانہ نزول — زمانہ نزول اس سورت کا وہی ہو جو سورت یونس کا ہو۔ اس بات سے کہ یہاں دس سورتوں کے مقابل میں لانے کی تحدی ہو اور سورۂ یونس میں ایک سورت کی۔ جو اس میں ترقی ہو یہ معلوم ہوتا ہو کہ سورۂ ہود بلحاظ نزول سورۂ یونس سے پہلے کی ہے

احکم — ۱۴۴۳ احکمت۔ اَحْكَمَ۔ اور حَكَمَ کے ایک معنی آتے ہیں مَنَعَهٗ عَنِ الْفَسَادِ یعنی اسے بگڑنے سے محفوظ کیا۔ اور اس لئے یہاں ایک معنی کئے گئے ہیں باطل سے اسے محفوظ کیا۔ اور اَحْكَمَ الْاَمْرَ کے معنی ہیں اَتْقَنَهٗ یعنی اسے مضبوط کیا۔ اور اَحْكَمَتْهُ التَّجَارِيْبُ کے معنی ہیں تجربوں نے اسے حکیم یعنی صاحب حکمت بنا دیا (ل) اسی آخری معنی میں لفظ اُحْكِمَ کا استعمال یہاں معلوم ہوتا ہو اس لئے کہ احکمت اٰیاتہ کے مقابلہ پر اللہ تعالیٰ کا اسم حکیم اور فصلت کے مقابلہ پر خبیر لایا گیا ہے +

قرآن میں اصول و فروع کا ضروری علم — پچھلی سورت میں صرف الکتاب الحکیم فرمایا تھا یہاں تفصیل آیات شاید اس اشارہ کے لئے بڑھایا ہو کہ اس سورۃ میں اسی مضمون کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہو اور احکام سے اصل مطلب یہ ہو کہ قرآن شریف سارا پر حکمت کلام ہو اور اس کی بنیاد علم پر ہے اور دوسری طرف اس میں تمام تفصیلات ضروری موجود ہیں۔ ضروریات انسانی کا کوئی پہلو نہیں جس پر اس میں بحث نہ ہو جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا تبیانا لکل شیء (النحل ۱۶: ۸۹) گویا اس کے اصول بھی کامل ہیں اور فروع بھی +

۳ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنَّنِي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ۝ وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ

کہ اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نکرو یقیناً میں اسکی طرف سے تمہارے لئے ڈرانیوالا اور خوشخبری دینیوالا ہوں اور کہ اپنے رب سے بخشش مانگو پھر

تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ

اسکی طرف لوٹ آؤ وہ تمہیں ایک وقت مقرر تک اچھے سامان سے فائدہ پہنچائیگا اور ہر ایک بزرگی والے پر اپنا

۴ فَضْلَهُ ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۝ إِلَى اللَّهِ

فضل کرے گا اور اگر تم پھر جاؤ تو مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کے آنے کا ڈر ہے ۱۴۲۱ اللہ کی طرف ہی

۵ مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا

تم سبکو لوٹ کر جانا ہی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے سنو یہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تاکہ اس سے چھپے

مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ

رہیں سنو جب یہ اپنے کپڑے لپیٹ لیتے ہیں وہ جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں

عشر ۱۲ الجزو الثانی

۶ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

کیونکہ وہ سینوں کی باتونکو جاننے والا ہی ۱۴۲۲ اور زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اللہ کے ذمہ ہی اس کا رزق ہو۔

۱۴۲۱ پہلے حصہ میں بیان فرمایا کہ اگر تم گناہوں سے استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف رجوع کرو تو اس سے تمہاری دنیا بگڑ نہیں جاتی بلکہ اس زندگی میں بھی اچھا سامان ملتا ہی۔ اور دوسرے حصہ میں ذی فضل سے مراد عمل صالح میں زیادتی والا ہے اور فضلہ میں ضمیر یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل عظیم سے اسے دیتا ہے اور یا ضمیر اسی ذی فضل کی طرف ہی اور مراد اسکے فضل یعنی عمل صالح کی جزا ہو +

ثنی

۱۴۲۲ یثنون۔ ثنی الشیٔ کے معنی ہیں اس کے ایک حصہ کو دوسرے پر لوٹا یا یا تہ کیا۔ اور مروڑا بھی اسکے معنی آتے ہیں۔ اور یثنون صدورھم کے معنی ہیں کہ محبت ظاہر کرتے ہیں اور سینوں میں بغض چھپاتے ہیں (ل) اور مجاہد سے مراد شک اور امتراالیا ہی (ج) اور یا اس سے مراد حق سے اعراض ہی کیونکہ جو شخص ایک چیز کو لیتا ہی اس کا سینہ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ اور جو اعراض کرتا ہی وہ اس پر پیٹھ پھیر لیتا ہی (ل) +

یثنون صدورھم

لیستخفوا منہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی اپنی اس عداوت کو جو حق سے رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے چھپانا چاہتے ہیں

یستغشون ثیابہم

یستغشون ثیابہم کے معنی ہیں کپڑوں کو لپیٹتے ہیں اور مراد اس سے یا تو یہ ہی کہ اپنے کانوں پر لپیٹ لیتے ہیں گویا سننے سے اعراض کرتے ہیں اور یا یہ دوڑ جانے سے کنایہ ہے جس طرح شمر ذیلا اور والقی ثوبہ دوڑنے سے کنایہ ہے (غ) و انی کلما دعوتہم لتغفر لہم جعلوا اصابعہم فی اٰذانہم واستغشوا ثیابہم (نوح ۔ ۷) میں یہی دو معنی مراد ہو سکتے ہیں اور یہ جو اس سے مراد لی گئی ہی کہ سونیکے وقت کپڑے اوڑھ لیتے ہیں (د) تو یہ معنی اس موقعہ پر چسپاں نہیں اور یا مراد صرف چھپنا ہے

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ○ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ ۷

اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اسکے سونپا جانے کی جگہ کو جانتا ہے سب ایک کھلی کتاب میں ہیں ۱۴۴۳ اور وہی ہے جس نے آسمانوں

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ

اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر ہے تاکہ تمہیں آزمائے کون تم میں سے

أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اچھے عمل کرنیوالا ہے اور اگر تو کہے کہ تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو جو کافر ہیں کہینگے

إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ○ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ ۸

یہ تو صریح جادو ہے ۱۴۴۴ اور اگر ہم ان سے عذاب کو ایک مقررہ مدت تک پیچھے ڈال دیں

۱۴۴۳ دابۃ کے معنی کے لئے دیکھو ۲۰۲ اور مستقر اور مستودع کے لئے ۹۸۹ +

اللہ تعالیٰ کا رزق پہنچانا کس طرح پر ہے

تمام جانداروں کا رزق اللہ کے ذمہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے سب سامان پیدا کر رکھے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ انسان کو معاش یا رزق کی فکر نہیں کرنی چاہیئے بلکہ آیت ۳ کے مضمون کی طرح اس کا مضمون ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے انسان سے دنیا کے سامان چھن نہیں جاتے بلکہ رزق تو ہر حال میں پہنچ سکتا ہے نیکی کے اختیار کرنے سے رزق نہیں رک جاتا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کفار طرح طرح کی اذیتیں مسلمانوں کو پہنچاتے تھے اور اس سے قبل شعب ابی طالب میں محصور کر کے سامان خوراک وغیرہ بھی ان تک پہنچنا بند کر دیا تھا پس جب پچھلی آیت میں کفار کی عداوت کا ذکر کیا تو یہاں مسلمانوں کو تسلی دی کہ وہ رزق کے سامانوں کو تم سے نہیں چھین سکتے۔ اس کے یہ معنی لینا کہ گھر بیٹھے رہو وہیں رزق پہنچ جائے گا درست نہیں ہر ایک جانور اپنے رزق کی تلاش میں نکلتا ہے۔ چڑیا اور چیونٹی بھی رزق کی تلاش میں نکلتی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے سامان ان کیلئے بھی پیدا کر رکھے ہیں انسان کے لئے بھی اور یہاں پر دابۃ یعنی جاندار کا ذکر ہے اور جاندار اور بیجان میں جیسے نباتات وغیرہ امتیاز یہ ہے کہ جانداروں کو اپنا رزق اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے سامانوں سے تلاش کرنا پڑتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قابل بنایا ہے کہ وہ چلیں اور پھریں اور نباتات وغیرہ اپنا رزق اسی حالت میں پالیتی ہیں جس حالت میں وہ ہوتی ہیں اور یہ جو فرمایا کہ اس کا مستقر اور مستودع جانتا ہے۔ تو اس میں دونوں زندگیوں کی طرف اشارہ ہے جس کی تصریح اگلی آیت میں فرمائی +

۱۴۴۴ چھ یوم میں آسمان اور زمین کی پیدائش کے لئے دیکھو ۱۰۹۴۔ ابن جریر نے ضحاک اور کعب سے روایت کی ہے کہ یہ یوم ہزار سال کا تھا۔ مگر اصل حقیقت وہی ہے جو وہاں بیان ہوئی ہے کہ مراد چھ ایام سے چھ حالتیں ہیں اور یہ علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ ہر حالت میں کتنا وقت لگا +

کان عرشہ علی الماء سے مراد

کان عرشہ علی الماء۔ عرش کے لئے دیکھو ۱۰۹۵ مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ خلق سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ اور مسلم میں ہے کان اللہ تعالیٰ ولم یکن معہ شئ وکان عرشہ علی الماء جس کی تشریح میں ابن الکمال لکھتے ہیں کہ اس کے عرش سے مراد اس کی قیومیت ہے اور ماء میں اشارہ صفت حیات کی طرف ہے (ر) جہاں تک عرش کا سوال ہے ۱۰۹۵ میں دلائل قطعیہ سے دکھایا جا چکا ہے کہ جس طرح کرسی سے مراد علم ہے۔ عرش سے مراد قدرت ہے پس عرش کے یا نفاذ قدرت کے پانی پر

لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

تو کہینگے اسے کس چیز نے روک رکھا ہے سنو جس دن ان پر آئیگا پھر اُن سے ٹلیگا نہیں اور وہ چیز ان کو گھیرے گی جس پر یہ

ع ۱۲ — طالبان حق اور طالبان دنیا

۹ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ

ہنسی کرتے تھے ۱۴۴۵ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت چکھائیں پھر اسے اس سے لے لیں تو وہ

۱۰ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَاۗءَ بَعْدَ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ

مایوس ناشکر گزار ہو جاتا ہے اور اگر ہم اسے دکھ کے بعد جو اسے پہنچا ہو سکھ چکھائیں تو کہتا ہے سب تکلیفیں

۱۱ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ

مجھ سے جاتی رہیں یقیناً وہ اترانے والا ۱۴۴۶ شیخی خورا ہے سوائے انکے جو صبر کرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں

ہونے سے کیا مراد ہے، دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے جعلنا من الماء کل شیئ حی (الانبیاء ۲۱ - ۳۰) ہر ایک زندہ چیز کو پانی سے بنایا اور یہاں اس سے پہلی آیت میں دابۃ یعنی جانداروں کا ذکر ہے پس قرینہ چاہتا ہے کہ جب آسمانوں اور زمین کی پیدایش کا ذکر کیا تو جانداروں کی پیدایش کا بھی ذکر کیا اور اس سے انسان کی زندگی کی طرف اشارہ کر کے آگے فرمایا لیبلوکم ایکم احسن عملا جس کی تقدیر بعض مفسرین نے بھی یوں نکالی ہے وخلقکم لیبلوکم یعنی تمہارے پیدا کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس بات کو انجام کار ظاہر کرے کہ اچھے عمل کون کرتا ہے پس عرشہ علی الماء میں انسان کی زندگی کی ابتدا کی طرف اشارہ ہے اور یہ حقیقت آج تمام سائنس دانوں کے نزدیک مسلم ہے کہ زندگی کی ابتدا پانی سے ہوئی۔ اور اصل غرض یہ بتانا ہے کہ جو پہلی زندگی کو اس قدر باریک راہوں سے وجود میں لایا اس کے اس ارشاد پر کہ موت کے بعد بعث ہوگا اور ایک دوسری زندگی ہوگی کیوں اس قدر تعجب کرتے ہو کہ اسے سحر مبین کہتے ہو۔ اور یہاں سحر مبین کسی معجزہ کو نہیں کہا۔ بلکہ اس بیان کو کہ موت کے بعد بعث ہوگا سحر مبین کہا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ یہ محض دھوکہ ہے ایسا کہاں ہو سکتا ہے +

سحر مبین

۱۴۴۵ اُمّۃ کے لئے دیکھو ۱۶۳ مگر علاوہ اس معنی کے اور بھی بہت سے معنوں میں یہ لفظ آتا ہے اس کے ایک معنی وقت بھی ہیں (ل) گویا وہ ایک اُمت یا جماعت کے رہنے کا زمانہ ہے (ج) یہی معنی یہاں ہیں اور بعض نے امۃ معدودۃ سے مراد لوگوں کی جماعت ہی لی ہے یعنی اس جماعت سے پیچھے ہٹا کر دوسری جماعت تک اسے ملتوی کر دیں مگر معاندین کو چھوڑ کر دوسروں پر لانا یہ سنت اللہ نہیں عذاب سے یہاں صریحاً عذاب دنیا ہی مراد ہے بعض نے اسے جنگ بدر کا عذاب کہا ہے مگر آخر تک جو کچھ کفار کی حالت ہوئی وہ سب ہی مراد ہے +

اُمّۃ

۱۴۴۶ فرح۔ فَرَح وہ خوشی ہے جو لذت عاجلہ کی وجہ سے ہو یعنی جلد آنے جانے والی سے اس لئے اس کا اکثر استعمال لذات بدنی میں ہے ولا تفرحوا بما اتاکم (الحدید ۵۷ - ۲۳) وفرحوا بالحیوۃ الدنیا (الرعد ۱۳ - ۲۶) فرحوا بما عندھم من العلم (المومن ۴۰ - ۸۳) اور فَرِح کے معنی اس طرح خوش ہونے والا۔ اور صرف دو جگہ پر فرح کی رخصت دی گئی ہے فبذٰلک فلیفرحوا (یونس ۱۰ - ۵۸) ویومئذ یفرح المؤمنون (الروم ۳۰ - ۴) (غ) اور فرح بمعنی بَطَر یعنی حد سے زیادہ خوش ہوا اور تکبر کیا یا اَشِر یعنی ڈینگ ماری بھی آتا ہے (ل) فخور کے لئے دیکھو ۶۵۶ +

فرح

أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ ۱۲

یہی ہیں جن کے لئے حفاظت اور بڑا اجر ہے ۔ تو کیا تو اس کا کچھ حصہ جو تیری طرف وحی کیا جاتا ہے چھوڑ دیگا اور تیرا سینہ اس پر

صَدْرُكَ أَن يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۚ إِنَّمَا أَنتَ نَذِيرٌ ۚ

تنگ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اس پر خزانہ کیوں نہیں اُتارا گیا یا اسکے ساتھ فرشتہ (کیوں نہیں) آیا ۔ تو صرف ڈرانے والا ہے

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ ۱۳

اور اللہ ہر چیز کا کارساز ہے ۔ ۱۴۴۷ یا کیا کہتے ہیں کہ اس نے جھوٹ بنایا ہے؟ کہو پھر اس جیسی دس سورتیں بنائی

مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝

ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے بلا سکتے ہو بلا لو ۔ اگر تم سچے ہو ۱۴۴۸

جسمانی دکھ اور سکھ — دنیا طلب انسان کی تھڑدلی کا ذکر کیا ہے پہلی آیت میں یہ کہ ذرا سکھ کے بعد دکھ آتا ہے تو پھر چاروں طرف سے نا اُمید ہو بیٹھتا ہے اور پہلی نعمت کی بھی ناشکری کرتا ہے اور اس میں یہ کہ دکھ کے بعد سکھ ملتا ہے تو خوشی میں پھولا نہیں سماتا اور اس پر اتراتا ہے اور دوسروں پر فخر کرتا ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ دنیا کے دکھوں اور تکلیفوں کے آنے پر نہ تو خدا کے فضل اور رحمت سے نا اُمید ہونا چاہئے اور نہ ان کے چلے جانے پر اترانا چاہئے گویا دنیا کے مال اور آرام کو عارضی چیزیں سمجھے ۔ یہ زندگی کی غرض نہیں اگلی آیت میں بتایا کہ اخلاق انسانی میں اصل چیز صبر ہے اور زندگی کی غرض اعمال صالحہ سے پوری ہوتی ہے ۔ اور دنیا طلب کے مقابلہ پر اعمال صالحہ کرنے والوں کا ذکر کیا +

لعلّ — ۱۴۴۷ لعلك تارك ۔ لعلّ یہاں ترجّی کے لئے نہیں بلکہ تبعید کے لئے ہے یعنی یہ امر بعید ہے کہ تو ایسا کرے بالفاظ دیگر تو ایسا نہیں کر سکتا اور یا استفہام انکاری ہے اور بعض نے ترجّی مراد لیکر یعنی شاید معنی لیکر یہ کہا ہے کہ یہ ترجّی دوسرے لوگوں کی طرف سے ہے جو مخاطب ہیں یعنی کافر چاہتے ہیں یا ایسی آرزو رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم تبلیغ کا کچھ حصہ چھوڑ دیں (ر) +

ضیق ۔ صدر — ضائق به صدرك دیکھو ۱۳۵۵ مراد یہاں مغموم ہونا ہے کیونکہ غم سے بھی سینہ میں تنگی پیدا ہوتی ہے +

کنز — کنز ۔ مال کو جوڑتے چلے جانا اور اس کی حفاظت کرنا کنز ہے والذین یکنزون الذهب والفضة (التوبة ۹ ۔ ۳۴) اور اسم کے معنی مال عظیم یا خزانہ ہیں (غ) ۔

دنیاداروں کے مطالبات — دنیاداروں کے خیالات دنیوی زندگی تک ہی محدود ہوتے ہیں اس لئے کہتے ہیں نبی یا مصلح اخلاق آتے تو وہ بھی خزانہ ساتھ لاتے ۔ حالانکہ اس کے آنے کی غرض یہ ہے کہ مال دنیا کو اپنا محبوب نہ بنائیں پس مال دنیا کی محبت کو وہ کم کرنے آتا ہے مسلمان بھی آج ایسا ہی مصلح چاہتے ہیں جو ان کو بہت سا دنیا کا مال دیدے ۔ دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ فرشتہ ساتھ ہو گویا روحانیات کو بھی مادی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں فرشتے تو نبی کریم صلعم پر نازل ہوتے تھے ۔ مگر ان کے دیکھنے کے لئے دوسری آنکھیں چاہئیں ۔ ایسے ایسے اعتراض سنکر نبی کریم صلعم کے دل پر کیا کیا غم نہ گزرتا ہوگا تو فرمایا کہ ان باتوں پر غم مت کرو کوئی ان باتوں کی وجہ سے تم نے وحی کو تو ترک کرنا ہی نہیں +

قرآن افترا انسانی نہیں — ۱۴۴۸ یہاں دس سورتوں کے مقابلہ میں لانے کی تحدی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت سورۂ یونس سے پہلے کی نازل شدہ ہے کیونکہ سورۂ یونس میں ایک سورت کے لانے کا مطالبہ ہے اس سے بھی پہلے کل قرآن کی مثل لانے کا مطالبہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے +

۱۴ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ

پھر اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں سو کیا

۱۵ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ○ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ

تم فرمانبردار ہوتے ہو [۱۴۴۹] جو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت ہی چاہتا ہے ہم انہیں ان کے عمل اسی (زندگی)

۱۶ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ

میں پورے دیدیتے ہیں اور اس میں انکے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی یہی وہ لوگ ہیں جنکے لئے آخرت میں سوائے آگ کے کچھ نہیں

۱۷ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ

اور جو کچھ انہوں نے اس (زندگی) میں کیا تھا کسی کام نہ آئیگا اور جو کچھ وہ کرتے تھے باطل ہے [۱۴۵۰] تو کیا وہ شخص جو اپنے رب سے کھلی دلیل رکھتا

رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً

ہے اور اس کی طرف سے ایک گواہ اس پر عمل کرتا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ

یہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کوئی فرقوں میں سے اس کا انکار کرتا ہے تو اس کا ٹھکانا آگ ہے

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ○

سو تو اس کے بارہ میں کسی شک میں نہ رہ۔ وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے [۱۴۵۱]

۱۴۴۹ یعنی اگر وہ لوگ جنہیں تم مدد کے لئے بلاؤ وہ تمہاری بات کو قبول نہ کریں یا اس کا جواب نہ دیں یعنی دس سورتیں قرآن شریف کی مثل نہ لا سکیں تو سمجھ لو کہ یہ بشر کی طاقت سے بالاتر بات ہے انما انزل بعلم اللہ میں صاف بتادیا کہ اس کے اندر مضامین ایسے کامل اور ایسی علم کی باتیں ہیں جو بشر کے علم میں نہیں آسکتیں تو اصل مطالبہ محض فصاحت لفظی کا نہیں بلکہ یہ کہ ایسی سورتیں لاؤ جن میں ایسا علم ہو ٭ — اسکے مضامین علمی

۱۴۵۰ اللہ تعالیٰ کا قانون ایسا ہے کہ جو شخص جس راہ پر اپنے آپ کو ڈالتا ہے اسی میں کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتا ہے۔ اسلئے جو لوگ دنیا کی زندگی کو غرض بنا لیتے ہیں انہیں دنیا کی زندگی میں بہتیرا کچھ مل جاتا ہے مگر آخرت میں اور انجام کار یہ باتیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں حرص دنیا کو بڑھانے کا انجام آگ ہے۔ یہاں کے عمل وہاں حبط ہیں یعنی بے نتیجہ اس سے حبط اعمال کے مفہوم کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اس حیوانی زندگی میں آسایش کیلئے جو کچھ کیا تھا وہ وہاں کچھ کام نہیں دے گا یہ ان اعمال کا حبط ہے ٭ — دنیاطلبی کے اعمال — حبط اعمال

۱۴۵۱ یتلوہ۔ تلی کے معنی پیروی کی یا عمل کیا دیکھو ۶۷ و ۱۵۳ یہاں یہی معنی مراد ہیں یقتدی بہ ویعمل (غ) اس کی پیروی کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ اور یتلوہ میں ضمیر بلحاظ معنی بینۃ کی طرف جاتی ہے کیونکہ بینۃ سے مراد قرآن شریف ہے ٭ — تلی

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَ ۱۸

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بنائے یہی لوگ اپنے رب کے سامنے لائے جائینگے اور

يَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ○

گواہ کہینگے یہی ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا سنو اللہ کی لعنت ظالموں پر ہے ۱۴۵۲

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ○ ۱۹

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اسکے لئے کجی چاہتے ہیں اور وہ آخرت سے بھی منکر ہیں

حزب — احزاب ۔ حِزب کی جمع ہے اور وہ اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں شدت ہو (غ) حزب الشیطان (المجادلۃ ۵۸-۱۹) حزب اللہ (المجادلۃ ۵۸-۲۲) ای الحزبین احصٰی لما لبثوا امدا (الکھف ۱۸-۱۲) لما رأ المؤمنون الاحزاب (الاحزاب ۳۳-۲۲) +

بینة قرآن ہے — دنیا اور اس کی زینت کے طالب کے مقابل پر یہاں ایک دوسرے فریق کا ذکر کیا ہے جن کا مقصد زندگی بہت بلند ہے افمن کان علیٰ بینة من ربه عام ہے جس سے مومن ہے اور بینة من ربه قرآن کریم ہے جس کو دوسری جگہ بینات من الھدیٰ فرمایا ہے (البقرۃ ۲-۱۸۵) اور ایک جگہ بینة کہا ہے حتیٰ تاتیھم البینة (البینة ۹۸-۱) جس سے مراد رسول اللہ صلعم بھی ہو سکتے ہیں

شاھد نبی ہے — اور قرآن کریم بھی اور ہر نبی کے حق میں اس کی وحی بینة ہے جیسا کہ آگے حضرت نوح صالح وغیرہ کے ذکر میں آتا ہے اور شاھد منه یا اللہ کی طرف سے گواہ رسول اللہ صلعم ہیں جو اس قرآن کو پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کر کے دکھاتے ہیں اور شاھد اور شہید اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نبی ہی ہوتے ہیں اور یتلوہ کے معنی دونوں طرح پر ہو سکتے ہیں اس قرآن کو پڑھتا

رسول کا اسوہ — ہے یا اس قرآن پر عمل کرتا ہے ۔ اور دوسرے معنی قابل ترجیح ہیں کیونکہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ مومن کے ہاتھ میں صرف ایک بینة یعنی کتاب یا روشنی ہی نہیں بلکہ اس کے لئے ایک کامل نمونہ بھی موجود ہے جو اس بینة پر عمل کر کے اس کے رستہ کو بالکل صاف کر دیتا اور اس میں بھی اس کتاب پر عمل کرنے کی طاقت پیدا کر دیتا ہے ۔ تو کہاں وہ دنیا طلب انسان جس کی ہمت کی غایت دنیا کا مال اور اس کی زینت ہے اور کہاں یہ حق پرست انسان ۔ اسی مقابلہ کو ظاہر کرنے کے لئے رکوع کی آخری آیت میں فرمایا مثل الفریقین کالاعمی والاصم والبصیر والسمیع +

موسیٰ کی کتاب — اور یہ جو فرمایا ومن قبله کتاب موسیٰ اماما ورحمة یعنی اس سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب کی پیروی کی جاتی تھی اور وہ رحمت تھی تو اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اسی طرح پر کتابوں کو نازل کرنا اور انبیاء کو ان کتابوں کی تعلیم عملی کا نمونہ بنانا یہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سے سنت رہی ہے تاکہ لوگ دنیا کو اپنی زندگی کی غرض و غایت نہ بنائیں یہی وجہ ہے کہ آگے جن انبیاء کا

ہر نبی کی وحی بینة ہے — ذکر آتا ہے وہ سب اپنی اُمتوں سے یہی خطاب کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف سے ایک بینة پر ہیں اور رحمت کے پرتو ہیں کیونکہ ہر نبی کی وحی اس کے حق میں بینة ہی ہے ۔ مگر اس میں ایک دوسری غرض یہ بھی ہے کہ یہ بینة یعنی قرآن ایسی صاف ہے کہ اس کی شہادت حضرت موسیٰ کی کتاب اور پہلی کتابوں میں بھی ہے +

۱۴۵۲ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پر جھوٹ افترا کرنے والے اعدائے حق ہوتے ہیں اشھاد سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فکیف اذا جئنا من کل امة بشھید (النساء ۴-۴۱) اور ان کا افترا دو طرح پر ہے ایک افترا کر کے لوگوں کو راہ حق سے روکتے ہیں دوسرے دین حق میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں صراحت کر دی +

وقف لازم

۲۰ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ

یہ زمین میں (خدا سے) بھاگ نہیں سکتے اور نہ ان کیلئے سوائے اللہ کے کوئی مددگار ہونگے

يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝

ان کیلئے عذاب دوچند کیا جائیگا وہ نہ سننے کی تاب لاسکتے تھے اور نہ بصیرت سے کام لیتے تھے ۱۴۵۳

۲۱ ۲۲ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں رکھا اور جو وہ افترا کرتے تھے ان سے جاتا رہا ضرور ہے کہ وہ آخرت

۲۳ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا

میں سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہوں جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور اپنے رب کے

۲۴ اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ

آگے عاجزی کرتے ہیں وہی جنت والے ہیں وہ اسی میں رہینگے ۱۴۵۴ ان دونوں

الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسا اندھا اور بہرا اور دیکھنے والا اور سننے والا کیا دونوں کی حالت یکساں

ع ۳ ۱۱ — نوح اور اس کے مخالف

۲۵ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ

ہے؟ تو کیا پھر تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ ۱۴۵۵ اور یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تمہیں صاف صاف ڈرانے

۲۶ مُّبِيْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝

والا ہوں کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرو کیونکہ میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب (کے آنے) سے ڈرتا ہوں

۱۴۵۳ ما كانوا يستطيعون السمع حضرت ابن عباس سے اس کے یہ معنی مروی ہیں کہ وہ حق کو نہ سُن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے ایسے طریق سے جس سے انکو فائدہ ہوتا اور ہدایت پاتے اس لئے کہ وہ کفر میں مشغول رہتے تھے (ج) اور ظاہر ہے کہ جب ایک شخص دن رات ایک بات کی مخالفت میں لگا رہے تو اس میں حق بات کے سننے کی بھی تاب باقی نہیں رہتی اور یہی یہاں مراد ہے +

خبت۔اِخبات

۱۴۵۴ اخبتوا۔خَبْت پست زمین کو کہتے ہیں اس لئے اِخبات کے معنی نرمی اور تواضع اختیار کرنا ہیں اور مُخْبِت نرمی اختیار کرنے والا یا جھک جانے والا ہے وبشر المخبتین (الحج ۲۲-۳۴) (غ) +

دنیا طلب اور حق طلب کا مقابلہ

۱۴۵۵ یہاں دنیا طلب دنیوی زندگی کو اپنی غرض بنالینے والے اور اس شخص کا جو زندگی کی اصل غرض و غایت کو سمجھ چکا ہو کھلے لفظوں میں مقابلہ کیا ہے۔ایک کی مثال اندھے اور بہرے کی ہے کیونکہ وہ اصل غرض زندگی سے اندھا ہے اور دوسرے کی مثال بصیر و سمیع کی ہے +

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ ۲۷

تو اس کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا کہا کہ ہم تجھے اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی

إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ۱۲۵۶

سوائے ان لوگوں کے کسی نے کی ہو جو ہم میں سے رذیل ہیں (اور وہ بھی) سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں پاتے بلکہ تمہیں جھوٹے یقین کرتے ہیں

رذیل ۔ أرذل

۱۲۵۶ اراذل ۔ أرذل کی جمع ہے اور رذل اور رذیل اور ارذل کمینہ اور خسیس شخص کو کہتے ہیں اور ہر چیز میں سے جو ردی ہو سپر بھی بولا جاتا ہے (ل) ومنکم من یرد الی ارذل العمر (النحل ۱۶-۷۰) واتبعک الارذلون (الشعراء ۲۶-۱۱۱)۔

بادی الرای

بادی الرای ۔ بَدَا کے معنی ظاہر ہوا اور بَدَاءَ کے معنی شروع کیا۔ اور بادی دونوں سے ہو سکتا ہے کیونکہ ہمزہ یا سے بدل جاتا ہے۔ صورت اول میں بادی الرای کے معنی ہونگے سرسری نظر سے۔ صورت ثانی میں پہلی نظر میں ماحصل ایک ہی مطلب یہ ہے کہ تیرا اتباع جن لوگوں نے کیا ہے انہوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا۔

نبی کے بشر ہونے پر اعتراض

سب سے پہلا اعتراض انبیاء پر یہی ہوتا ہے کہ یہ ہماری طرح بشر ہیں۔ کھاتے پیتے اور حوائج بشری کے محتاج ہیں حالانکہ بشر ہی بشر کیلئے رہنما اور ہادی کا کام دے سکتا ہے۔ جو شخص حوائج بشری کا محتاج نہیں وہ بشر کے لئے نمونہ کا کام کیونکر دے سکتا ہے۔ اگر خالی تعلیم انسانوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہوتی اور کسی نمونہ کی ضرورت نہ ہوتی تو بلا شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ تعلیم بذریعہ ملک یا کسی اور ذریعہ سے بغیر وسیلہ بشر کے انسانوں کو پہنچا دی جاتی۔ مگر چونکہ جس طرح تعلیم کی ضرورت ہے اسی طرح نمونہ کی ضرورت ہے اور بغیر نمونہ کے تعلیم عبث ہے اور نمونہ بشر کے لئے بشر ہی ہو سکتا ہے اسلئے یہ اعتراض کم فہمی سے پیدا ہوتا ہے۔

انبیاء کے پیروؤں کی غربت

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نبی کے پیرو شروع میں غریب لوگ ہوتے ہیں امراء جو نشہ دولت اور حکومت میں مست ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کہاں رجوع کرتے ہیں۔ انہی کو یہاں اراذل کہا ہے گویا دولت و مرتبہ دنیوی کو وہ لوگ شرف اور بزرگی کا معیار قرار دیتے ہیں اور مزدوری کرکے کمانے اور کھانے والے ان کو رذیل نظر آتے ہیں حجام ہو یا دھوبی یا مزدور۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

محنت شرف انسانیت ہے

مزدوری اور محنت ہی شرف انسانیت ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ لوگ جو حضرت نوح کے ساتھ تھے حجام اور موچی تھے۔ حضرت مسیح خود بلحاظ پیشہ بڑھئی تھے۔ آپ کے حواری ماہی گیر اور دھوبی تھے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ چھوٹوں کو نبی کی تعلیم سے بلند مقامات پر پہنچاتا ہے اور سرکشوں متکبروں کو جو حق کی مخالفت کرتے ہیں نیچا دکھاتا ہے۔ دنیا نے محنت اور مزدوری کی قدر کو نہیں سمجھا۔

آنحضرت اور محنت

قرآن کریم نے اس پر بہت زور دیا ہے اور نبی کریم صلعم نے قرآن کریم کی اس تعلیم کا عملی نمونہ یوں بن کر دکھایا کہ ہر قسم کے کام یہاں تک کہ ٹوکری اٹھا لینا۔ پھاوڑا چلا لینا۔ بکریوں کو دوہ لینا۔ اپنے کپڑے جوتی وغیرہ کی مرمت کر لینا سب کام اپنے ہاتھ سے کئے تا دنیا کو یہ معلوم ہو کہ ہر قسم کی محنت و مزدوری قابل عزت شے ہے جن لوگوں نے اس پاک اصول سے روگردانی کی ہے ان کے لئے بولشوزم کی صورت میں سزا پیدا کر دی گئی ہے۔

فضیلت کا معیار

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ تم کو یعنی نبی اور اس کے متبعین کو ہم کوئی فضیلت نہیں۔ اس سے بھی مراد دنیوی طور پر فضیلت اور مرتبہ ہے۔ حالانکہ اصل فضیلت وہ ہے جو اخلاق اور روحانیت سے پیدا ہوتی ہے جس کے سامنے دنیا کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ وہ تہذیب کے مدعی جو آج ایشیا کے باشندوں کو اراذل کی طرح سمجھتے ہیں اپنی گردنیں ایک ایشیائی (بلحاظ پیشہ) نجار کے سامنے جھکاتے ہیں یہاں تک کہ اسے خدا بناتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اصل حکومت دنیا میں اخلاق اور روحانیت کی ہے۔

۲۸ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ

کہا اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے اپنی جناب سے مجھے رحمت عطا فرمائی ہو پھر وہ تم پر

۲۹ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ

مشتبہ رہ گئی ہو ۱۴۵۷ کیا ہم اسے تمہارے گلے باندھ سکتے ہیں حالانکہ تم اسے ناپسند کرنیوالے ہو ۱۴۵۸ اور اے میری قوم میں اسکے بدلے تم سے مال نہیں مانگتا

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ

میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور میں انہیں نکال نہیں سکتا جو ایمان لاتے ہیں وہ یقیناً اپنے رب سے ملنے والے ہیں

۳۰ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ

لیکن میں تمہیں ایسی قوم دیکھتا ہوں جو جاہل ہو اور اے میری قوم کون اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کر سکتا ہے اگر میں انہیں نکال دوں

۳۱ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے اور میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں

عمی — **۱۴۵۷** عمیت عمی بصر یعنی آنکھ اور بصیرت یعنی رائے کی روشنی کا جاتے رہنا ہے اور دونوں معنی میں قرآن شریف میں بکثرت اس کے مشتقات کا استعمال ہوا ہے جاءہ الاعمی (عبس ۸۰ - ۲) پہلے معنی میں ہے صم بکم عمی (البقرۃ ۲ - ۱۸) فعموا وصموا (المائدۃ ۵ - ۷۱) دوسرے معنی میں ہے اور دونوں معنوں کو لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب (الحج ۲۲ - ۴۶) میں اکٹھا کر دیا ہے

عماء — اور عمی علیہ کے معنی ہیں اس پر وہ بات مشتبہ ہو گئی گویا اس کی نسبت وہ اعمی کے حکم میں ہے اسی معنی میں یہاں ہے اور عماء

اللہ تعالیٰ کا عماء میں ہونا — بادل اور جہالت کو بھی کہتے ہیں۔ اور حدیث میں جو آتا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا تو آپ نے فرمایا فی عماءٍ تحتہ عماءٌ وفوقہ عماءٌ تو یہ اشارہ ہے ایسی حالت کی طرف جو انسان کی سمجھ سے باہر ہے اور وہ اس پر واقف نہیں ہو سکتا (غ) +

لزوم — نلزم۔ لزوم کسی چیز کا بہت لمبے زمانہ تک ٹھہرنا ہے گویا وہ دوسری چیز سے لگ گئی) فسوف یکون لزاما (الفرقان ۲۵ - ۷۷) یعنی لازم ہو جائے گا یا ساتھ لگ جائیگا۔ والزمہم کلمۃ التقوی (الفتح ۴۸ - ۲۶) (غ) +

دنیا پرست اور دلائل حقہ — شروع سورت میں طالب دنیا اور طالب حق کا مقابلہ جس رنگ میں دکھایا تھا کہ ایک دنیا کی زندگی اور اس کے سامان کو ہی اپنا مقصد بنا لیتا ہے۔ اور دوسرا اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہوتا ہے اسی کی مثال اب سب انبیاء میں دی ہے اور بتایا ہے کہ وہی بات جو نبی اور اس کے پیروؤں کے لئے روشن دلیل ہے ان کے منکرین کو تاریک اور مشتبہ معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے دلوں پر طرح طرح کے پردے مال دنیا کی محبت کے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ دلوں پر زنگ کی وجہ سے اس روشنی کو نہیں دیکھ سکتے جو ایک صاف دل انسان کو نظر آتی ہے ان کی فطرت کے آئینہ پر زنگ لگ چکا ہوتا ہے اور مومن کی فطرت کا آئینہ صاف ہوتا ہے +

انبیاء کی بے نفسی — **۱۴۵۸** تمام انبیائے عالم کی ایک ہی شان نظر آتی ہے کہ دنیا کے مال کی ان کے دلوں میں کچھ عظمت نہیں ہوتی اور نہ ہی جو محنت اور خدمت قوم کی یا نسل انسانی کی وہ کرتے ہیں اس کا کوئی معاوضہ لیتے ہیں۔ ایک نمایاں شان ان کی یہ ہوتی

وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ

اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان کی نسبت جنہیں تمہاری نظریں حقیر دیکھتی ہیں کہتا ہوں کہ اللہ ان کو بھلائی

خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ ۳۲

نہیں دیگا اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے اس صورت میں بیشک میں ظالموں میں سے ہوں گا ۱۴۵۹ انہوں نے کہا اے نوح تو نے

جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

ہم سے جھگڑا کیا اور ہم سے بہتیرا جھگڑا کر چکا تو جس کا تو وعدہ دیتا ہے وہ لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ ۳۳ ۳۴

اس نے کہا اس (عذاب) کو اللہ ہی لے آئیگا جب وہ چاہیگا اور تم (اسے) عاجز نہیں کر سکتے اور نہیں میری نصیحت نفع نہیں دے سکتی اگر میں چاہوں

اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

کہ تمہاری خیر خواہی کروں اگر اللہ کا ارادہ ہو چکا ہو کہ وہ تمہیں ہلاک کرے ۱۴۶۰ وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے

کہ وہ ایثار اور بے نفسی کا کامل ترین نمونہ انسانوں کے لئے ہوتے ہیں جو کچھ مال ان کے ہاتھ میں ہو وہ بھی مخلوق خدا کی خدمت میں صرف کر دیتے ہیں اور مال کمانے کی ان کو قطعاً کوئی فکر نہیں ہوتی یہ نمونہ بھی اپنے کمال میں محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی میں ہی نظر آتا ہے اور درحقیقت تمام انبیاء کے تذکرہ میں اصل غرض محمد رسول اللہ صلعم کے مقام بلند کی طرف توجہ دلانا ہے جس سے مخاطب روشنی حاصل کر سکتے تھے ہاں سبھی انبیاء کا نمونہ یہی ہوتا ہے کہ وہ مال نہیں چاہتے اور نہ دنیاداروں اور صاحبان مال و دولت سے انہیں کچھ اُنس ہوتا ہے بلکہ ان کے تعلقات انہی لوگوں سے ہوتے ہیں جو اخلاق اور روحانیت کو مدنظر رکھتے ہوں اس لئے فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب سے ملنے والے ہیں یعنی مال دنیا کی جگہ اللہ تعالےٰ کے لقا کو اپنی زندگیوں کا مقصد اور منتہا ٹھہراتے ہیں وہی اس بات کے اہل ہیں کہ نبی کے پاس رہیں دنیاداروں کی خاطر ان لوگوں کو نبی کس طرح جواب دے سکتا ہے +

ذری - ازدراء

۱۴۵۹ تزدری - اس کا اصل ذری ہے اور ذریت علیہ کے معنی ہیں میں نے اس پر عیب لگایا - اور ازدراء اس سے باب افتعال ہے جس کی تا دال سے بدل گئی ہے - اور تزدری اعینکم کے معنی ہیں تمہاری آنکھیں ان پر عیب لگاتی یا انہیں حقیر قرار دیتی ہیں - یا وہ تمہیں حقیر معلوم ہوتے ہیں +

دعوت انبیاء کا دنیوی مال و جاہ کے لالچ سے بالا ہونا +

یہ باتیں اس لئے کہی جاتی ہیں کہ کسی قسم کے دنیوی لالچ کو مدنظر رکھ کر کوئی شخص اس تعلیم کو قبول نہ کرے رسول کے قبضے میں مال و خزانے نہیں ہوتے کہ اپنے متبعین کو مالا مال کر دے نہ وہ غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کو غیب دانی سے تکلیف سے بچالے نہ وہ خود ملک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کہ آپ ہی حوائج بشری سے پاک ہو - ہاں جنہیں دنیا کے لوگ حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کے پاس بہت مال نہیں یا وہ بڑے مرتبہ پر نہیں - انکے متعلق وہ بھلائی کا امیدوار ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انکے دلوں کو دیکھ کر اسکے مطابق انکو اجر دیتا ہے +

۱۴۶۰ یغویکم اس کے لئے دیکھو ۱۵۸ انسان کی خیر خواہی دوسرے کے کام نہیں آسکتی جب وہ خود غلط راہ پر قدم مارتا ہوا اتنی دور نکل جائے کہ اللہ تعالیٰ اس پر گمراہ ہونے کا یا ہلاکت کا حکم لگا دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم اسی وقت لگاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے

ع ۱۴

حضرت نوح کے مخالفین کی ہلاکت

۳۶ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ

کیا کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ بنا لیا ہے۔ کہو اگر میں نے یہ جھوٹ بنایا ہے تو میرا جرم مجھ پر ہے اور میں اس سے بری ہوں جو تم جرم کرتے ہو ۱۴۶۱ اور نوح کی طرف وحی کی گئی

۳۷ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ

کہ تیری قوم سے کوئی ایمان نہیں لائیگا مگر وہی جو ایمان لا چکا سو تو اس کے سبب سے غم نہ کر جو وہ کرتے ہیں ۱۴۶۲ اور ہماری حفاظت

۳۸ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ

میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا اور ان کے بارہ میں کچھ نہ کہنا جو ظالم ہیں کیونکہ وہ غرق کئے جائینگے ۱۴۶۳ اور وہ کشتی بنانے لگا

کہ ایک شخص اپنی اصلاح کسی صورت میں نہیں کرتا +

جَرْم — اَجْرَمَ

۱۴۶۱ اجرام۔ جَرْم کے معنی قَطْع یعنی کاٹ دینا ہیں، درخت کے کاٹنے پر بولا جاتا ہے اور شجرۃ جریمۃ کٹے ہوئے درخت کو کہتے ہیں اور اَجْرَمَ کے معنی ہیں حانَ جرامُہ یعنی اس کے کاٹنے کا وقت آگیا۔ اور جُرْم گناہ کو کہتے ہیں (ل) اور مادہ کے معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جُرم وہ گناہ ہے جو قطع کر دیتا ہے یعنی ایسا سخت گناہ جو اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کر دیتا ہے

مجرم

اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں اجرام اور مجرم سخت گناہوں پر بولا گیا ہے۔ اس جگہ اجرامی سے مراد اللہ تعالیٰ پر افترا کرنیکا گناہ اور مجرمون سے مراد مخالفین حق کے وہ گناہ ہیں جو وہ حق کو نیست و نابود کرنے کے لئے کرتے ہیں +

اس آیت میں خطاب کو بدل دیا ہے اور ذکر آنحضرت صلعم کے مخالفین کا ہے +

ابتئاس

۱۴۶۲ تبتئس۔ اس کا اصل بؤس یا بأس ہے جس کے معنی شدت و مکروہ ہیں اور اس کے معنی ہیں لا تَلْتَزِمِ البؤس و لا تحزن بؤس کو لازم نہ کر اور غم نہ کر (غ)

حضرت نوح کو قوم کی سخت دلی دیکھ کر سخت غم ہوتا تھا اور یہی انبیاء کو ہوتا ہے آنحضرت صلعم کے متعلق ہے لعلک باخع نفسك الا یکونوا مومنین (الشعرا ۲۶ ع ۳) ان حالات میں اطلاع دی ہے کہ یہ قوم اب ہلاکت کے قابل ہی ہے۔ حضرت نوح کی دعا رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا (نوح ۷۱ - ۲۷) اس وحی کے بعد ہی معلوم ہوتی ہے +

عین۔ باعیننا

۱۴۶۳ باعیننا۔ عَیْن آنکھ ہے لیکن جو شخص کسی کی حفاظت کرے اسے بھی عین کہہ دیا جاتا ہے اور فلانٌ بِعَیْنِیْ کے معنی ہیں میں اس کی حفاظت اور نگہداشت کرتا ہوں اور عین اللہ علیك کے معنی ہیں تم اللہ کی حفاظت اور اس کی حمایت میں رہو۔ اسی سے یہ محاورہ ہے۔ دوسری جگہ ہے تجری باعیننا (القمر ۵۴ - ۱۴) یعنی کشتی ہماری حفاظت میں چلتی تھی اور حضرت موسیٰ کے متعلق ہے و لتصنع علی عینی (طٰہٰ ۲۰ - ۳۹) یعنی میری حفاظت میں پرورش پائے (غ) +

خَطْب۔ مخاطبۃ

تخاطبنی۔ خَطْب اور مُخَاطَبَۃ بات کا ایک دوسرے کی طرف لوٹانا ہے (غ) اور اللہ تعالیٰ سے مخاطبت یہ ہے کہ اس کا حکم سن لینے کے بعد کہ ایک قوم ہلاک کی جائے گی پھر اس کی سفارش کی جائے +

چونکہ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے سیلاب سے تباہ کرنا تھا اس لئے حضرت نوح کو پہلے سے کشتی بنانے کا حکم دیا۔ پس یہ کشتی وحی الٰہی کے مطابق بنی اور اپنی حفاظت کا ذکر اس لئے فرمایا کہ دشمن بہت تھے پس تسلی دی کہ وہ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے +

وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ

اور جب کبھی اس کی قوم کے سردار اس پر گزرتے اس پر ہنستے کہا اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم بھی تم پر ہنستے ہیں

كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ ۳۹

جیسے تم ہم پر ہنستے ہو[۱۴۶۴] سو تم جان لوگے کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور کس پر قایم رہنے والا

عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ ۴۰

عذاب اُترتا ہے یہانتک کہ جب ہمارا حکم آیا اور زمین (پر پانی) نے جوش مارا ہم نے کہا اس میں ہر (ضرورت کی) شے کے

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

نر مادہ دو دو سوار کرلو اور اپنے اہل کو سوائے اس کے جسکے متعلق پہلے حکم ہو چکا اور انکو بھی جو ایمان لائے اور اسکے ساتھ تھوڑے ہی ایمان لائے تھے[۱۴۶۵]

مومنوں کی کفار پر ہنسی سے مراد

۱۴۶۴ انا نسخر منکم۔ حضرت نوح یا مومنوں کا واقعی ہنسی کرنا مراد نہیں اس لئے کہ استہزا مومن کی شان نہیں۔ یہ محض ان کے فعل کے مقابل پر ذکر ہو جیسے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا میں اور کشاف نے اس کے معنی استجہال لئے ہیں کیونکہ استہزا کا اصل سبب جہالت ہو تو سخریۃ سے مراد اس کا سبب لیا ہو گویا مطلب یہ ہوا کہ تم اپنی جہالت کی وجہ سے ہم پر ہنستے ہو مگر ہم تمہیں جاہل سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اصل حقیقت کی تمہیں خبر نہیں +

فور

فوارۃ

۱۴۶۵ فار کے معنی ہیں جاش یعنی جوش میں آیا۔ ہانڈی کے اُبال پر۔ آدمی کے غضب میں آنے پر۔ مشک کے پھیل جانے پر فار بولا جاتا ہو۔ اور پانی جب پھوٹ کر چشمہ سے نکلے تو اس پر بھی فار بولا جاتا ہو فاد الماء من العین اور فوارۃ وہ جگہ ہے جہاں سے پانی پھوٹ کر نکلے منبع الماء اور پانی کے حوض کو بھی فوّارۃ کہا جاتا ہو (ت) +

تنور

تنّور۔ کو بعض نے فارسی سے معرب کہا ہو اور بعض نے اس کا مادہ نور یا نار قرار دیا ہو۔ اور تنور کے ایک معنی تو مشہور ہیں جس میں ہماری زبان میں بھی یہ استعمال ہوتا ہو یعنی جہاں روٹی پکائی جاتی ہو اس کے دوسرے معنی جو تاج العروس میں دیئے ہیں وجہ الارض یعنی سطح زمین ہیں اور یہ معنی حضرت علی اور ابن عباس سے مروی ہیں اور پھر لکھا ہو کلّ مَفْجَرِ ماءٍ تنّورٌ یعنی ہر ایک پانی پھوٹ نکلنے کی جگہ کو تنور کہا جاتا ہے محفل ماء الوادی یعنی وادی کے پانی کے اکٹھا ہونے کی جگہ کو بھی تنور کہتے ہیں اور قتادہ سے ہو کہ بلند اور اشرف زمین کو تنور کہا جاتا ہے۔ اور حضرت علی سے ایک یہ معنی بھی مروی ہیں کہ فار التنور سے مراد یہاں صبح کا پھوٹ نکلنا ہو۔ اور زہری کا قول نقل کیا ہو کہ یہ ایک پانی کا مشہور چشمہ ہو (ت) +

طوفان نوح

یہاں اس سیلاب کے آنے کا ذکر ہے جو طوفان نوح کے نام سے مشہور رہا۔ عام طور پر یہ خیال ہو کہ اس کی ابتدا یوں ہوئی تھی کہ ایک تنور سے پانی پھوٹ نکلا تھا لیکن قرآن شریف نے خود دوسری جگہ یوں فرمایا ففتحنا ابواب السماء بماء منہمر (القمر ۵۴-۱۱) یعنی اوپر سے بہت پانی برسایا۔ اور خود یہاں جب طوفان کو ٹھہرانے کا وقت آتا ہو تو حکم ہوتا ہو یا سماء اقلعی (۴۴) اے بادل تھم جا جس سے معلوم ہوا کہ بادلوں سے پانی برسنا شروع ہوا تھا۔ اور یہ جو زمین کے اسی آیت میں پانی جذب کر لینے کا حکم ہے تو ظاہر ہے کہ پانی زمین میں ہی جذب ہو کر اوپر سے خشک ہوتا ہو۔ تنور کے لفظ سے یہ غلط استدلال کیا گیا ہو کہ پہلے تنور سے

فار التنور سے مراد

۴۱ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ط

اور اس نے کہا اس میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور اس کا لنگر ڈالنا ہو

پانی پھوٹ کر نکلا۔ تنور کے معنی بروئے لغت اوپر بیان ہو چکے ہیں ابن جریر نے جو اقوال بیان کئے ہیں ان میں اول حضرت ابن عباس کا قول ہو کہ تنور کے معنی وجہ الارض ہیں۔ اور حضرت نوح کو حکم ہوا تھا اذا رایت الماء علی وجہ الارض فارکب اور ابن عباس کہتے ہیں العرب تسمی وجہ الارض تنور الارض دوسرا قول حضرت علی کا منقول ہو کہ اس سے مراد تنویر الصبح یعنی صبح کی روشنی ہو تیسرا قول قتادہ کا منقول ہو کہ اس سے مراد بلند اور اشرف زمین ہو۔ اور چوتھا قول روٹی کے تنور سے پانی نکلنے کا ہو ابن کثیر کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آیا تو پے درپے بارش شروع ہوئی نہ آسمان کھلتا تھا نہ بارش بند ہوتی تھی۔ اور اسکی تائید میں انہوں نے آیت ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر نقل کی ہو۔ اور پھر فار التنور کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کرکے لکھا ہو اے صارت الارض عیونا تفور حتی فار الماء من التنانیر یعنی ساری زمین پر پانی ہی پانی بہ نکلا یہاں تک کہ تنوروں سے بھی پانی بہ نکلا پس قرآن کریم سے جو کچھ معلوم ہوتا ہو وہ یہی ہے کہ کثرت بارش سے اتنا بڑا سیلاب آیا جس میں قوم نوح کی ساری بستیاں بہ گئیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ ان بستیوں کے اوپر پہاڑ بھی تھے جیسا کہ ساوی الی جبل سے ظاہر ہو اور پہاڑوں کی بارش سے وادی میں پانی کا زور اور بھی زیادہ ہو گیا +

حضرت نوح نے کشتی میں کیا کیا لیا۔

اور یہ جو فرمایا کہ ہر شئے کے زوجین لے لو تو ہر شئے سے مراد یہ نہیں کہ تمام روئے زمین پر پھر کر جانوروں کو اکٹھا کرو۔ ایسا کام ایک نبی کے سپرد کرنا بے معنی بات ہو کہ وہ ساری زمین پر پھر کر ہر قسم کے جانداروں کے نر و مادہ لیتا پھرے اور پھر اللہ تعالےٰ کی مخلوق پر انسان حاوی کہاں ہو سکتا ہو۔ اور یہ فرض کر لینا کہ ایک ایک جوڑے کو خود اللہ تعالیٰ نے وحی کر دی کہ وہ زمین کے تمام گوشوں سے بھاگ کر حضرت نوح کے پاس جمع ہو گئے اور باقی اسی نوع کے جانوروں کو وحی نہ کی تو طوفان کے آنے سے پہلے اتنا بڑا معجزہ دیکھکر کہ درند چرند پرند درخت سب حضرت نوح کے پاس جمع ہوئے تھے لوگ کیوں ایمان نہ لے آتے یہ تمام بے ضرورت اور بے سند باتیں ہیں جو ایک غلطی سے تراشی ہوئی ہیں۔ کل سے مراد یہاں ہر اپنی ضرورت کی شئے ہو جیسا جب توریت کو تفصیل کل شئی (یوسف ۱۲-۱۱۱) کہا تو مراد اس سے اس وقت کی ضرورت ہو یا ایک ملکہ کے متعلق کہا او تیت من کل شئی (النمل ۲۷-۲۳) تو مراد تمام عالم کی اشیاء نہیں بلکہ اس کی اپنی ضرورت کی اشیاء ہیں اسی طرح یہاں ہے اور زوج چونکہ جوڑے کے ہر فرد کو کہا جاتا ہو اس لئے زوجین سے مراد ایک نر اور ایک مادہ ہے اور اثنین میں اسی کی تفصیل ہو۔ اور بعض نے لفظ کل کو وسیع کرکے اور پھر اس خیال کے نیچے کہ یہ طوفان کل روئے زمین پر محیط تھا نہ صرف درند و پرند کا ساتھ لینا بیان کیا ہے۔ بلکہ درختوں کے مختلف اقسام کا ساتھ لینا بھی فرض کر لیا ہے اور پھر اس پر عجیب عجیب قسم کی کہانیاں بنائی ہیں مثلاً یہ کہ چوہوں نے جب کشتی کے رسوں کو کاٹنا شروع کیا تو حضرت نوح نے دعا کی تو شیر کی چھینک سے بلیاں پیدا ہو گئیں۔ اور ایسا ہی جب غلاظت بڑھ گئی تو ہاتھی کے چھینکنے سے سؤر پیدا ہو گئے۔ اور شیر سے بچاؤ کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیر کو تپ چڑھا دیا۔ ایسے ہی اور بہت سے فضول قصے جمع کر دیئے گئے ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں مثلاً یہ کہ شیطان بھی گدھے کی دم پکڑ کر چڑھ گیا تھا۔ قرآن و حدیث ان تمام لغویات سے پاک ہیں یہ ساری مصیبتیں اس لئے پیش آئیں کہ بائبل کے بیان کو صحیح سمجھ کر یہ فرض کر لیا گیا کہ طوفان کل روئے زمین پر آیا تھا۔ حالانکہ قرآن شریف صاف الفاظ میں فرماتا ہو کہ قوم نوح کے لئے آیا تھا۔ قرآن شریف نے کہیں نہیں فرمایا کہ حضرت نوح کو کل دنیا کی طرف بھیجا گیا تھا۔ بلکہ بار بار یہی کہا کہ ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا اور پھر یہی فرمایا کہ مکذبوں کو غرق کیا گیا۔ اور ابھی اوپر آ چکا ہے انہ لن یؤمن من قومک الا من قد امن یہاں صرف حضرت نوح

طوفان نوح کل روئے زمین پہ نہ تھا

إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ ۴۲

یقیناً میرا رب حفاظت کرنیوالا رحم کرنیوالا ہے^۱۴۶۶ اور وہ انہیں پہاڑ جیسی (بلند) لہروں میں لئے چلی جا رہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا

وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ سَآوِي إِلَىٰ ۴۳

اور وہ الگ رہا تھا اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو^۱۴۶۷ اس نے کہا میں کسی پہاڑ پر

جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ ۚ وَ

پناہ لیلونگا جو مجھے پانی سے بچالے۔ کہا آج اللہ کی سزا سے کوئی بچانے والا نہیں مگر (وہی بچیگا) جس پر وہ رحم کرے اور

حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ۝ وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ ۴۴

ایک لہر انکے درمیان حائل ہوئی اور وہ ان میں سے ہو گیا جو ڈوب گئے اور کہا گیا اے زمین اپنا پانی جذب کر لے اور اے بادل

الربع

أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ ۖ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

تھم جا اور پانی خشک ہو گیا اور معاملہ کا فیصلہ ہو گیا اور (کشتی) جودی پر ٹھہر گئی اور کہا گیا ظالم قوم کے لئے دوری ہے^۱۴۶۸

کی قوم کا ذکر ہے نہ کل عالم کا اور الارض کا لفظ عام ہے کسی حصہ ارض پر یا کسی ملک پر بھی بولا جاتا ہے حضرت نوح کی قوم کل دنیا پر آباد نہ تھی بلکہ خاص قطعہ زمین میں تھی نہ ایک اکیلا آدمی کل روئے زمین پر پھر سکتا تھا۔ ہمارے نبی کریم صلعم کو جب اللہ تعالیٰ نے کل عالم کی طرف مبعوث کیا تو آپ کی تبلیغ بھی بذریعہ آپکے متبعین کے آہستہ آہستہ دنیا میں پہنچنی مقدر ہوئی اگر یہ ممکن ہوتا کہ کل روئے زمین پر ایک ہی شخص ایک دفعہ پھر نکلے اور اس کی تکذیب پر فوراً ساری دنیا ہلاک ہو جائے تو یہ آنحضرت صلعم کے لئے ہونا چاہیئے تھا نہ حضرت نوح کے لئے جو صرف ایک قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ بھی ان مقامات میں سے ایک ہے جہاں قرآن کریم نے بائبل کی غلطی کی اصلاح کی ہے +

جَرٰی۔ مجریٰ

۱۴۶۶ مجریٰ۔ یہاں یا مجہول کی آواز سے پڑھا جاتا ہے یعنی مجرے۔ اور اس کا اصل جَرٰی ہے جس کے معنی ہیں تیزی سے گزرنا جیسے پانی۔ جنات تجری من تحتها الانهار۔ فیها عین جارية (الغاشیۃ۔۱۲) اور کشتی کے چلنے پر بھی بولا جاتا ہے (غ) کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے یعنی اس کی اعانت یا اس کی قدرت یا اس کے امر اور اذن سے +

عزل۔

۱۴۶۷ معزل۔ عَزَل کے معنی علیحدہ ہونا۔ اور کان فی معزل سے مراد یہ ہے کہ حضرت نوح سے علیحدہ تھا یعنی مومنوں میں سے نہ تھا۔ حضرت نوح نے چاہا کہ اب بھی ایمان لے آئے۔ یا مراد یہ ہے کہ کشتی سے دور تھا +

بلع

۱۴۶۸ ابلعی۔ بَلَع کے معنی ہیں جرع یعنی گھونٹ گھونٹ کرکے یا تھوڑا تھوڑا کرکے نگل لیا (ل)، اور یہاں اس لفظ کو اس لئے استعمال کیا کہ زمین بھی پانی کو آہستہ آہستہ جذب کرتی چلی جاتی ہے +

قلع

اقلعی۔ قَلَعَ کے معنی ہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکا اور اَقْلَعَ کے معنی کسی چیز سے رک گیا اور اَقْلَعَ السحاب کے معنی ہیں بادل برسنے سے رک گیا (ل)

غاض

غیض۔ غاض کے معنی ہیں نقص ایک چیز کم ہو گئی یا دوسرے نے اسے کم کر دیا۔ ما تغیض الارحام (الرعد ۱۳۔۸) یعنی رحم اسے خراب کر دیتے ہیں یا ان کی حالت ایسی کر دیتے ہیں جیسے زمین پانی کو نگل جاتی ہے +

۴۵ وَنَادٰى نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِىۡ مِنۡ اَهۡلِىۡ وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَـقُّ وَاَنۡتَ

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا میرے اہل سے ہی اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو

۴۶ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِيۡنَ ○ قَالَ يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ‌ ۖ فَلَا

سب فیصلہ کرنیوالوں سے بہتر ہی کہا اے نوح وہ تیرے اہل سے نہیں ہے کیونکہ وہ بدعمل ہی سو مجھ سے

۴۷ تَسۡـئَلۡنِ مَا لَـيۡسَ لَـكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ○ قَالَ

ایسا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو ناواقفوں میں سے نہ ہو ۱۴۶۹ کہا

رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـئَلَكَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِىۡ وَتَرۡحَمۡنِىۡۤ اَكُنۡ

اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے ایسا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو میری حفاظت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں

۴۸ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ○ قِيۡلَ يٰـنُوۡحُ اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيۡكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَكَ‌ ؕ

نقصان اٹھانیوالوں میں سے ہونگا کہا گیا اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر پڑو (جو) تجھ پر اور ان جماعتوں پر (ہونگی) جو تیرے ساتھ والوں سے ہیں

جودی — جودی - قیل هو اسم جبلٍ بین الموصل والجزیرة و هو فی الاصل منسوب الی الجود (غ) یعنی کہا گیا ہو کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو موصل اور جزیرہ کے درمیان ہی اور وہ اصل میں جود یعنی بخشش کی طرف منسوب ہو +

جب وہ بستیاں ہلاک ہوچکیں تو مینہ تھم گیا اور زمین نے پانی کو جذب کرلیا اور کشتی جودی پر ٹھہر گئی - ابن جریر میں بعض روایات میں ہی شمخت الجبال وتواضع جس کے معنی یہ سمجھے گئے ہیں کہ دوسرے پہاڑوں نے تکبر کیا اور جودی نے تواضع اختیار کی مگر شمخ کے اصل معنی بلند ہونا ہیں اور وضع کے معنی پست ہونا۔ اور مراد صاف یہ معلوم ہوتی ہی کہ دوسرے پہاڑ بلند تھے جو غرق نہیں ہوئے اور جودی پست تھا یعنی کوئی چھوٹا ٹیلا تھا جس پر کشتی آلگی +

عمل غیر صالح — ۱۴۶۹ انه عمل غیر صالح - میں ضمیر سوال کی طرف نہیں بلکہ اس بیٹے کی طرف ہے اور مراد ہی ذو عمل یعنی وہ غیر صالح یا برے کام کرنیوالا ہی جیسا ولکن البر من آمن میں مراد راستبازی نہیں بلکہ راستباز ہی - دیکھو ۲۱۵ +

نوح کے بیٹے کا اہل سے نہ ہونا — ان آیات میں ظاہر الفاظ کے لحاظ سے بعض نے یہ خیال کیا ہی کہ یہ حضرت نوح کا بیٹا نہ تھا - بلکہ حضرت نوح کی بیوی کا کسی پہلے خاوند سے بیٹا تھا - یہ فی الواقع صحیح ہو یا نہ ہو - یہاں یہ مراد نہیں بلکہ اصل مطلب یہ ہی کہ حضرت نوح کے اہل کو جو بچانے کا وعدہ تھا تو حضرت نوح نے ظاہر الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض کیا کہ اہل میں تو وہ داخل تھا یعنی بلحاظ نسب اس لئے وہ بھی مطابق وعدہ نہ بچایا گیا - اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صالحین کے اہل صرف بلحاظ نسب نہیں ہوتے بلکہ بلحاظ عمل بھی - چونکہ وہ بدعمل ہے برے کام کرتا ہی اس لئے وہ تمہارے اہل میں داخل نہیں +

کیسی دعا نہ کرنی چاہئے — اور یہ جو فرمایا کہ ایسا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں - تو مطلب یہ ہی کہ دعا ایسے امور کے لئے کرنی چاہئے جن کے متعلق یہ علم ہو کہ ان کا حصول درست اور حکمت الٰہی کے مطابق ہی - ایک عورت یہ دعا کرے کہ میں مرد بن جاؤں تو یہ عبث ہی کفار کے ایمان کے بارہ میں یا ان کی مغفرت کیلئے دعا اس وقت تک کی جاسکتی ہی جبتک کہ ان کے ایمان لانے کا موقع باقی ہی - جب وہ شخص حالت

وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا ۴۹

اور (ایسی) اُمتیں (بھی) ہونگی جنہیں ہم کچھ سامان دینگے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچیگا ۱۴۷ یہ غیب کی خبروں سے ہیں جو ہم تیری طرف وحی

إِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ

کرتے ہیں تو انہیں اس سے پہلے نہ جانتا تھا (نہ) تو اور نہ تیری قوم سو صبر کر کیونکہ انجام متقیوں

مع ۹

لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ ۵۰

کے لئے ہے ۱۴۷۱ اور عاد کی طرف انکے بھائی ہود کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اسکے سوائے کوئی معبود نہیں

ع ۱۱ ۵ — حضرت ہود اور قوم عاد

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي ۵۱

تم صرف جھوٹ بنانیوالے ہو اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر صرف اس پر ہے جس نے مجھے

فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ ۵۲

پیدا کیا تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے اور اے میری قوم اپنے رب کی بخشش مانگو پھر اس کیطرف لوٹ آؤ وہ تم پر زور سے

عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۝ قَالُوا يَا هُودُ ۵۳

برستا ہوا بادل بھیجے گا اور تمہاری طاقت کو بڑھا کر اور زیادہ طاقتور کریگا اور مجرم ہو کر نہ پھر جاؤ ۱۴۷۲ انہوں نے کہا اے ہود

مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝

تو ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل نہیں لایا اور ہم تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانیوالے ہیں

کفر میں غرق ہو گیا تو اس کے متعلق دعا بے سود تھی اس لئے اس سے روک دیا ۔

۱۴۷۰ امم ممن معک یعنی ایسی امتیں جو تیرے ساتھیوں میں سے بن جائینگی جس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ حضرت نوح کے ساتھ تھے ان میں سے بھی آگے قومیں بنیں ۔ اور امم سنمتعھم میں بظاہر دوسری قوموں کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت دنیا میں موجود تھیں ۔ یا انہی کی نسل میں سے پیچھے آنے والی امتیں مراد ہیں ۔

۱۴۷۱ پچھلے رکوع کے آخر میں بھی انتقال مضمون آنحضرت صلعم کے اعدا کی طرف کیا تھا یہاں بھی کیا ہے اور بتایا ہے کہ نوح اور اسکے مخالفوں کا قصہ رسول اللہ صلعم اور آپکے مخالفوں کے لئے بطور پیشگوئی ہے اور یہی انباء الغیب ہیں جن کا یہاں ذکر ہے جیسا کہ آخری الفاظ فاصبر ان العاقبۃ للمتقین سے ظاہر ہے ۔

نوح کا ذکر انباء الغیب کس معنی میں ہے

۱۴۷۲ ابینہ برسانے سے مراد اللہ تعالیٰ کے افضال ہیں اگر ایک قوم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور ظلم اور زیادتی سے رک جائے تو اللہ تعالیٰ کے افضال اس پر اور بھی زیادہ ہوتے ہیں ۔ اور ان کی قوت بجائے گھٹنے کے بڑھتی ہے ۔

۵۴ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي

ہم صرف یہی کہینگے کہ ہمارے کسی معبود نے تجھ پر مصیبت ڈال دی ہے اس نے کہا میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں

۵۵ ۵۶ بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ

اس سے بری ہوں جو تم اس کے سوا شریک کرتے ہو ۱۴۷۳ تو تم سب میرے لئے تدبیر کرلو پھر مجھے مہلت نہ دو میرا بھروسہ

عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ

اللہ پر ہے جو میرا رب اور تمہارا رب ہے کوئی جاندار نہیں مگر وہ اسکی پیشانی کے بال پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا رب سیدھے رستہ

۵۷ مُّسْتَقِيمٍ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا

پر ہے ۱۴۷۴ سو اگر تم پھر جاؤ تو میں نے تمہیں وہ (پیغام) پہنچا دیا ہے جو مجھے دیکر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے اور میرا رب تمہارے سوا دوسرے لوگوں کو

۵۸ غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا

حاکم بنا دیگا اور تم اسکا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے میرا رب تمام چیزوں کا محافظ ہے ۱۴۷۵ اور جب ہمارا حکم آگیا

نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ

ہم نے ہود کو اور انہیں جو اسکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات دی اور ہم نے انہیں سخت عذاب سے نجات دی

عری ۔ عراء ، اعتری

۱۴۷۳ اعتری ۔ عری کے معنی ننگا ہوا ۔ اور عریان ننگے کو کہتے ہیں اَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ (طٰہٰ ۔ ۱۱۸) اور عراء میدان ہے یعنی جس کو کسی پردہ وغیرہ نے نہ ڈھانکا ہوا ہو لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ (القلم ۔ ۴۹) اور عراہ اور اعتراہ کے معنی ہیں قصد عراہ اس کی جانب کا قصد کیا یا اس سے کچھ لینے کا قصد کیا اور یہاں مراد مصیبت کا وارد کرنا ہے مطلب ان کا یہ تھا کہ ہمارے کسی معبود نے تم کو مجنون بنا دیا ہے ۔

ناصیۃ ۔ اخذ بناصیتہا

۱۴۷۴ اخذ بناصیتہا ۔ ناصیۃ پیشانی کے بالوں کو کہتے ہیں ۔ اور عرب اخذ ناصیۃ کا استعمال انتہائے ذلت اور عاجزی کے موقعہ پر کرتے تھے انکا مطلب اس سے ہوتا تھا کہ دوسرا شخص اسے جس طرح چاہتا ہے چلاتا ہے اور یہ بھی ان میں دستور تھا کہ ایک قیدی کو جب چھوڑنا ہوتا تو نشان کے طور پر اس کی پیشانی کے بال کاٹ دیتے تھے مطلب یہ ہے کہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے کامل تصرف میں ہیں اور رب کے صراط مستقیم پر ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ سب سے عدل و انصاف کا معاملہ کرتا ہے اچھے سے اچھا برے سے برا ۔

۱۴۷۵ تولوا اصل میں تتولوا ہے یہاں بعض نے خطاب کا انتقال کفار قریش کی طرف سمجھا ہے اور یہی درست بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ہود کے ذکر میں سمجھانا تو انہی لوگوں کو اصل مقصود تھا ۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ وَأُتْبِعُوا ۵۹ ۶۰

اور یہ عاد ہیں انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اسکے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش دشمن حق[۱۴۷۶] کے حکم کی پیروی کی اور اس دنیا

فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ۝

میں لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت میں بھی سنو! عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سنو! عاد قوم ہود کے لئے دوری ہو[۱۴۷۷]

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۶۱

صالح اور قوم ثمود

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اسکے سوا اور کوئی معبود نہیں اسنے تمہیں زمین سے پیدا کیا

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ۝ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا ۶۲

اور اس میں تمہیں آباد کیا سو اسکی بخشش مانگو اور اسکی طرف پھر آؤ میرا رب نزدیک (اور) قبول کرنیوالا ہے انہوں نے کہا اے صالح اس سے پہلے ہم میں تجھ سے طرح طرح کی

قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝

امیدیں رکھی جاتی تھیں کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ اسکی عبادت کریں جسکی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے اور یقیناً ہم اسکے متعلق سخت شک[۱۴۷۸] میں ہیں جسکی طرف تو بلاتا ہے

~~۱۴۷۶ عنید - عَنَدَ کے معنی عَدَلَ عنه سے نکل گیا~~ اور عَنَدَ عن الحق حق سے پھر گیا اور معاندۃ اور عِناد یہ ہے کہ ایک چیز کو پہچانے پھر اس کا انکار کردے پس عنید وہ حق سے پھرنے والا باغی ہے جو باوجود علم کے حق کو رد کرتا ہے (دل)

تلک میں اشارہ یا تو ذہنی ہے اور اشارہ بعید تحقیر کے لئے یا ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہے یا ان کی ویران شدہ سرزمین کی طرف اشارہ ہے ؛

بعد ۔ بَعِد

۱۴۷۷ بُعد ۔ بُعْد ۔ قُرب کی ضد ہے اور محسوس اور معقول میں اس کا استعمال ہوتا ہے ۔ اور بَعِدَ کے معنی ہیں مر گیا اس لئے اس کا استعمال ہلاکت میں ہوتا ہے بعدت ثمود (ھود ۔ ۹۵) اور بُعْدًا اور بَعَدَ ہلاکت کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوری کے لئے بھی فبعدا للقوم الظالمین (المؤمنون ۲۳ ۔ ۴۱) (غ) اور یہاں چونکہ قوم ہلاک تو ہو چکی ہے اس لئے مراد رحمت الٰہی سے دوری ہے یا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عاد ہلاک ہوئے ایسی اور قومیں بھی ہلاک ہونگی جو وہی راہ اختیار کریں ؛

رجاء ۔ مرجوا

۱۴۷۸ مرجو ۔ رَجاء ایسا ظن ہے جس کا اقتضا خوش کرنے والی بات کا حصول ہو یعنی کسی بہتری کی امید (غ) پس مرجو وہ شخص ہے جس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہوں ؛

راب ۔ مریب

مریبا ۔ راب اور اراب کے معنی ہیں ریب میں ڈالا ۔ اور ریب یہ ہے کہ کسی چیز کے متعلق کسی امر کا وہم کیا جائے پھر وہ چیز اس وہم سے صاف ہو جائے (غ) ؛

مخلوق خدا کی خدمت فطرت انبیاء ہے

حضرت صالح کے متعلق ان کی قوم کا یہ اعتراف کہ آپ سے اس سے پہلے ہماری بہت امیدیں وابستہ تھیں بتاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام شروع سے ہی قوموں کی امیدگاہ ہوتے ہیں ۔ ان کا دل اور دماغ اور ان کی قوت عملی ایسی زبردست ہوتی ہے کہ قوم میں وہ اس دعوے سے پہلے ایک نمایاں امتیاز حاصل کر لیتے ہیں تاریخی رنگ میں اس کا بہترین نظارہ ہمارے نبی صلعم

۶۳ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ

اس نے کہا اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب سے کھلی دلیل پر قایم ہوں اور اس نے مجھے (اپنی) جناب سے رحمت عطا فرمائی ہو تو کون اللہ کے خلاف میری مدد کریگا

۶۴ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً

اگر میں اسکی نافرمانی کروں - تو تم سوائے گھاٹے میں پڑنیکے اور میرا کچھ نہیں بڑھاتے اور اے میری قوم یہ تمہارے لئے اللہ کی اونٹنی (ہے) ایک نشان

فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝

سو اسے چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرے اور اسے کوئی دکھ نہ پہنچاؤ ورنہ تمہیں نزدیک ہی عذاب آپکڑے گا

۶۵ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝

مگر انہوں نے اسے مار ڈالا تو اس نے کہا اپنے گھر میں تین دن فائدہ اٹھالو یہ وعدہ ہے جو کبھی جھوٹ نہ ہو گا

۶۶ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ

سو جب ہماری سزا آگئی تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح کو اور انکو جو اسکے ساتھ ایمان لائے تھے (اس سے) نجات دی اور اس دن کی رسوائی سے (بھی)

۶۷ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

بیشک تیرا رب طاقتور غالب ہے اور جو ظالم تھے انہیں ہولناک آواز نے آپکڑا سو وہ اپنے گھروں میں پڑے

۶۸ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۗ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ ع

رہ گئے [۱۴۷۹] گویا کہ ان میں بسے ہی نہ تھے سنو ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا سنو! ثمود کے لئے دوری ہو

کی زندگی میں نظر آتا ہے کہ ہر قسم کے باطل سے متنفر کھیل کود سے الگ ہر وقت خدمت قومی میں لگے ہوتے ہیں بعثت سے
پہلے ثمال الیتامی عصمة للارامل ہیں غریبوں اور بیکسوں کے ملجا اور ماوی ہیں - دن رات مخلوق خدا کی فکر ہی نیکی اور راستبازی
ایسی مسلم کہ کوئی شخص آخر تک حرف نہیں رکھ سکا - درحقیقت قرآن کریم نے جو مختلف نقشے انبیاء کے کھینچے ہیں وہ آنحضرت
صلعم کے متعلق ہی توجہ دلانے کے لئے ہیں - مگر جب یہ لوگ ان ساری باتوں کے باوجود قوم کے اندر سے بدی کی جڑ کاٹنا
چاہتے ہیں تو شیاطین کا گروہ ان کا دشمن ہو جاتا ہے +

صیحة

۱۴۷۹ صیحة آواز بلند کرنے کا نام ہے (غ) جس کو یہاں صیحة کہا اسی کو الاعراف - ۷۸ میں رجفة یا زلزلہ کہا
جس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی عذاب کی مختلف حالتوں کے یہ نام ہیں - زلزلہ سے پہلے بھی خطرناک آواز آتی ہے یہاں قریبًا
قریبًا انہی الفاظ میں اونٹنی اور اس کے مارا جانے اور عذاب آنے کا ذکر ہے جیسے سورۃ اعراف میں - دیکھو
الاعراف - رکوع ۱۰ +

ع ۱۵
حضرت لوط اور انکی قوم

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ ۶۹

اور ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لیکر آئے کہا سلامتی ہو اسنے کہا سلامتی اور نہ ٹھہرا کہ

اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ○ فَلَمَّا رَآ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ ۷۰

بھنا ہوا بچھڑا لے آیا ۱۴۸۰ مگر جب دیکھا کہ انکے ہاتھ اسکی طرف نہیں اٹھتے اس نے انہیں اجنبی سمجھا

حنیذ

۱۴۸۰ حنیذ ۔ وہ (گرم) پتھروں کے درمیان رکھکر کباب کیا ہوا اور یہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس سے رطوبت نکل جائے (غ)

ابراہیم کو بشارت اور قوم لوط کے عذاب کا تعلق

حضرت ابراہیم کا ذکر یہاں اصل مقصود نہیں بلکہ مقصود حضرت لوط کا ذکر ہے لیکن چونکہ جو رسول لوط کی قوم پر عذاب کی خبر لائے تھے ۔ وہی حضرت ابراہیم کے لئے بھی بشارت لائے تھے ۔ اس لئے قرآن کریم نے یہاں اور کئی اور مقاموں پر جہاں قوم لوط کے عذاب کا ذکر کیا ہے اسے حضرت ابراہیم کے ہاں فرزند کی بشارت سے شروع کیا ہے ۔ اس اکٹھے ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی تباہی نہیں چاہتا بلکہ ان پر بڑے بڑے انعام کرتا رہتا ہے ہاں جب ایک قوم بدی میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو نسل انسانی کو بچانے کے لئے اس کی تباہی ضروری ہو جاتی ہے ۔ اور حضرت ابراہیم کو قوم لوط کے عذاب سے پہلے اپنی ایک عظیم الشان رحمت کی خبر دی اور بتایا کہ اگر ایک قوم تباہ ہوتی ہے تو تمہاری ہی نسل سے ایک دوسری قوم کھڑی کی جاتی ہے۔

یہ رسول فرشتے تھے یا انسان

یہ رسول کون تھے ؟ ان کے آنے کی غرض بتائی انا ارسلنا الی قوم لوط (۷۰) کون تھے روایات میں ہے کہ وہ فرشتے تھے اور ان کی تعداد بارہ سے لیکر تین تک بیان کی جاتی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ جبرائیل میکائیل اور عزرائیل تھے بائبل میں پیدائش ۱۸ باب میں بھی یہی ذکر ہے اور وہاں بھی ان کو آدمیوں کی شکل میں فرشتے ہی قرار دیا ہے اور ان کی تعداد بھی تین ہی لکھی ہے ۔ مگر تمام واقعات جن کا ذکر ہے انہیں انسان ٹھہراتے ہیں مثلاً ابراہیمؑ کا ان کی مہمانی کرنا اور ان کا کھانا کھانا پھر حضرت ابراہیم کا ان کے ساتھ چلنا وغیرہ اور وہیں حضرت ابراہیم کو ان کا بیٹے کی بشارت دینا اور پھر سدوم بستی حضرت لوط کی بستی کی طرف جانا مذکور ہے ۔ قرآن کریم میں صراحت سے یہ ذکر کہیں نہیں کہ یہ فرشتے تھے البتہ یہ ذکر ہے کہ جب حضرت ابراہیم ان کے سامنے کھانا لائے تو انہوں نے کھایا نہیں ۔ مگر ان کے دوسرے سارے حالات انسانوں سے ملتے ہیں اور کھانا نہ کھانے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں ممکن ہے اس وقت انہیں بھوک ہی نہ ہو یا روزہ سے ہوں اور آنحضرت صلعم کی کوئی حدیث ایسی نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ فرشتے تھے ۔ رہا یہ کہ انہوں نے حضرت ابراہیم کو بیٹے کی بشارت دی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ اس زمانہ میں کوئی ایسے صالح لوگ ہوں جن کو اللہ تعالےٰ نے یہ خوشخبری دی ہو اور انہوں نے اس کا ذکر حضرت ابراہیم سے کیا حالانکہ حضرت ابراہیم کو اس سے پہلے خود بھی اولاد کی خوشخبری دی تھی مگر چونکہ حضرت اسمٰعیل کی پیدائش سے وہ پیشگوئی پوری بھی ہو چکی تھی اس لئے ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم کا خیال یہ ہو کہ اب اور اولاد ان کے ہاں نہ ہوگی تب اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے ذریعہ سے ان کو یہ خبر پہنچائی کہ سارہ کے بطن سے بھی ان کے ہاں اولاد ہوگی ۔ اور اصل میں یہ حضرت لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے جو ایک بدکار قوم تھی اور خلاف وضع فطرت انسانی افعال شنیعہ کا ارتکاب کرتی تھی اور ان کو وہاں بھیجنے کا منشا اس قوم پر اتمام حجت کے رنگ میں معلوم ہوتا ہے یعنی آپس میں تو ایسے افعال کرتے تھے مگر جب مہمانوں پر دست درازی کریں جو نہ صرف ان افعال بد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ جن کی تکریم لازم تھی تو اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر بھڑک اٹھے ۔ اگر یہ فرشتے ہوتے جن کی وساطت سے اللہ تعالیٰ اپنا کلام انسانوں کو پہنچاتا ہے تو پھر اس کی صورت وہی ہونی چاہیئے تھی جو اللہ تعالےٰ نے خود بیان فرمائی ہے او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء (الشوریٰ ۵۱:۴۲)

۷۱ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ

اور انکی طرف سے دل میں خوف کیا انہوں نے کہا نہ ڈر ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ۱۴۸۱ اور اسکی بی بی

قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝

کھڑی تھی سو وہ خوش ہوئی تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق سے آگے (ایک پوتے) یعقوب کی خوشخبری دی ۱۴۸۲

یعنی ملک رسول کو بھیجتا ہو تو وحی کرتا ہو اور کلام وحی اور اس ملک کا آنا اس رنگ میں نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک دوسرے عالم میں آتا ہو یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم پر جب جبرئیل وحی لیکر آتا تو کوئی دوسرا شخص اُسے نہ دیکھ سکتا نہ اس کے کلام کو سن سکتا۔ حالانکہ سب سے زیادہ پرزور اور پرشوکت وحی رسول اللہ صلعم کو ہی ہوتی پس حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کو وحی اس رنگ میں ہی ہو سکتی تھی جسطرح ہمارے نبی کریم صلعم کو ہوتی۔ اور ان واقعات میں چونکہ وہ رنگ نہیں اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ کوئی صالح انسان تھے۔ جن کو بطور ایک نشان کے قوم لوط کی طرف بھیجا گیا۔ اور اسی لحاظ سے ان کو رسول کہا گیا جیسا کہ ایک جگہ حضرت صالح کی اونٹنی کے متعلق بھی فرمایا کہ ہم نے اس اونٹنی کو بھیجا انا مرسلوا الناقة فتنة لهم (القمر ۵۴-۲۷) +

خُلق مہمان نوازی حضرت ابراہیم کا فوراً بھنا ہوا بچھڑا لے آنا بتاتا ہے کہ کس قسم کی مہمان نوازی اخلاق انسانی کو کمال تک پہنچانے کے لئے بکار ہے حضرت ابراہیم ان سے سوال نہیں کرتے کہ تم کھانا کھاؤ گے یا نہیں بلکہ فوراً بہتر سے بہتر غذا جو ان کی مقدرت میں ہے لا حاضر کرتے ہیں گویا اس میں یہ تعلیم دی ہو کہ مہمان سے دریافت کرنا بھی مہمان نوازی میں ایک قسم کا نقص ہو حضرت ابراہیم اسقدر تکلیف کرتے ہیں حالانکہ وہ مہمان کھانا کھاتے بھی نہیں۔ اور اس واقعہ کا ذکر اس غرض کے لئے کیا ہو کہ ہر نبی کی زندگی میں جس خاص خلق کا ذکر کیا ہو وہ بدرجہ اتم ہمارے نبی کریم صلعم میں موجود تھا۔ اور خاص خاص اخلاق کیطرف توجہ دلانیکی غرض بھی ہو۔

صلحاء کا سلام سلام کا لفظ اختیار کرکے بتایا ہو کہ صلحاء کا سلام ایک دوسرے کو ہمیشہ یہی رہا ہو یہاں تک کہ وہ قوم جس کو آج سوائے گڈ مارننگ اور گڈ ایوننگ کے اور کچھ آتا ہی نہیں ان کی کتاب مقدس میں خود حضرت مسیح کا سلام جو انہوں نے حواریوں کو کیا یہی لکھا ہے "یسوع انہیں ملا اور کہا سلام" (متی ۲۸ : ۹) +

نَكِرَهُمْ ۱۴۸۱ نکرہ۔ أنكرتُ اور نكرتُ ایک معنی میں ہیں اور انکار عرفان یعنی پہچاننے کی ضد ہو اور نكِرَهُم اسی معنی میں ہو (غ) اس کی وجہ یہ ہو کہ جب ان کے ہاں مہمان آتا اور وہ کھانا نہ کھاتا تو سمجھتے تھے کہ یہ کسی برے ارادہ سے آیا ہو (ج) +

وَجَسَ اَوْجَسَ اَوْجَسَ۔ وَجْس صوت خفی یعنی ایسی آواز کو کہتے ہیں جو سنی نہ جائے اور ایجاس ایسی آواز کا اندر پانا ہو (غ) + حضرت ابراہیم نے ان کے نہ کھانے کو دستور ملک کے مطابق اس بات پر محمول کیا کہ ان کا ارادہ اچھا نہیں۔ اس لئے آپ نے دل میں ان سے خوف محسوس کیا جس کا جواب انہوں نے دیا کہ تمہارے لئے تو خوشخبری ہو۔ ہاں اگر ہم برائی کی خبر لائے ہیں تو وہ قوم لوط کے لئے ہو +

ضَحِكَ ۱۴۸۲ ضحکت۔ ضحک چہرہ کا انبساط ہو اور دانتوں کا ظاہر ہونا ہو جو دل میں خوشی پیدا ہونے سے ہو اور استعارةً استہزا یا تمسخر پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہو جیسے وكنتم منهم تضحكون (المؤمنون ۲۳-۱۱۰) اور اذا هم منها يضحكون (الزخرف ۴۳-۴۷) اور صرف خوش ہونے پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہو مسفرة ضاحكة (عبس ۸۰-۳۸-۳۹) **ضاحكة** فليضحكوا قليلا (التوبة ۹-۸۲) اور مجرد تعجب پر بھی اس کا استعمال ہو (غ) +

وراء وراء۔ اس کا مادہ وری ہو اور اس کے معنی دونوں طرح آتے ہیں۔ پیچھے اور آگے گویا وہ وہ چیز ہے جو تم سے

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْۤا ۷۲-۷۳

اس نے کہا مجھ پر تعجب ہیں جنوں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہو یہ یقیناً بڑی عجیب بات ہو ۱۴۸۳ انہوں نے کہا

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ

کیا تجھے اللہ کے حکم پر تعجب آتا ہو۔ اے اہل بیت اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں تم پر ہیں وہ تعریف کیا گیا ہے

مَّجِيْدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ ۷۴

بزرگ ہو سو جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور اسے خوشخبری پہنچی لوط کی قوم کی نسبت ہم سے جھگڑنے لگا ۱۴۸۴

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ ۷۵-۷۶

یقیناً ابراہیم بردبار نرم دل (اللہ کیطرف) رجوع کرنیوالا تھا ۱۴۸۵ اے ابراہیم اس سے اعراض کر کیونکہ تیرے رب کا حکم آچکا ہے

چھپی ہوئی ہو آگے ہو یا پیچھے (ت) پس من وراء اسحاق کے معنی ہوئے اسحاق سے آگے یعنی اگلی نسل میں یا اسحاق کی اولاد گویا صرف بیٹے کی خوشخبری نہیں بلکہ ایک قوم کے پیدا ہونے کی خوشخبری ہو اس لئے بتایا کہ اس بیٹے کے بھی بیٹا ہوگا۔ اور تاج العروس میں ہی ہو الوداء ایضاً ولد الولد یعنی بیٹے کے بیٹے کو بھی وداء کہا جاتا ہو یہی معنی حضرت ابن عباس سے مروی (ت ح)۔

امرأتہ قائمۃ میں بتایا کہ حضرت ابراہیم کی بی بی بھی مہمانوں کی خدمت میں مشغول تھیں۔ اور ان کے ضحک سے مراد اگر ہنسنا یا خوش ہونا لیا جائے تو اس لئے ہو سکتا ہو کہ ان کو اطمینان ہوگیا کہ یہ لوگ ہمارے متعلق کوئی بری خبر نہیں لائے بلکہ قوم لوط کے لئے لائے ہیں اور اسحاق کی خبر پر یہ خوشی نہیں کیونکہ وہ خبر ابھی بعد میں ملتی ہو اور یا ضحک بمعنی تعجب محض ہو اور تعجب انہیں اس بات پر ہوا کہ حالانکہ دونوں میاں بی بی ان کی خدمت میں مشغول رہے مگر انہوں نے کھانا نہ کھایا +

يٰوَيْلَتٰى — ۱۴۸۳ یویلتی۔ ویل کے اصل معنی برائی ہیں۔ مگر یہ کلمہ یا ویلتا اہل عرب تعجب کے وقت بھی بولتے ہیں (ج) +

رُوع۔ رَوع — ۱۴۸۴ اروع۔ رُوع دل کو کہتے ہیں حدیث میں ہے اِنَّ رُوْحُ الْقُدُسِ نَفَثَ فِىْ رُوْعِىْ روح القدس نے میرے دل میں ڈالا۔ اور رَوع وہ چیز ہے جو دل کو پہنچے اور خوف کو جو دل میں ڈالا جائے رَوع کہا جاتا ہو (غ)، اور حدیث میں ہو اللّٰہم امن رَوعاتی اور رَوعات رَوعۃ کی جمع ہو یعنی ایک مرتبہ خوف (ل) +

یجادلنا فی قوم لوط یعنی لوط کی قوم پر جو عذاب کی خبر انہیں ملی تو اس کے ٹل جانے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اسے مجادلہ اس لئے کہا کہ ارادۂ الٰہی ظاہر ہو چکا تھا +

نوب۔ نائبۃ۔ انابۃ — ۱۴۸۵ منیب۔ نَوْب کے معنی ایک چیز کا بار بار لوٹ کر آنا اور نائبۃ حادثہ کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ لوٹ لوٹ کر آتا ہو اور انابۃ یہ ہو کہ توبہ اور اخلاص عمل سے بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے خرّ راکعاً وّ اناب (ص ۳۸-۲۵) وانیبوا الی ربکم (الزمر ۳۹-۵۴) منیبین الیہ (الروم ۳۰-۳۱) +

۷۷ وَاِنَّھُمْ اٰتِیْھِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ○ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِھِمْ وَضَاقَ

اور ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح رد نہیں کیا جا سکتا اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے وہ انکی وجہ سے مغموم ہوا اور

۷۸ بِھِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ ھٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ○ وَجَآءَہٗ قَوْمُہٗ یُھْرَعُوْنَ اِلَیْہِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ

انکے معاملہ میں ہاتھ کو تنگ پایا اور کہا یہ دن بڑا سخت ہے [۱۴۸۶] اور اسکے پاس اسکی قوم دوڑتی آئی اور وہ پہلے سے

کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ ھُنَّ اَطْھَرُ لَکُمْ فَاتَّقُوا

بُرے کام کرتے تھے اس نے کہا اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لئے سب سے بڑھکر پاک ہیں سو اللہ کا

۷۹ اللّٰہَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ○ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ

تقویٰ کرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو کیا تم میں سے کوئی بھلا آدمی نہیں [۱۴۸۷] انہوں نے کہا تو جانتا ہے

سوء — [۱۴۸۶] سیٓءَ بِھِم۔ سُوْء وہ چیز ہے جو انسان کو غم میں ڈالے (غ) اس لئے سیٓء بھم کے معنی ہیں ان کی وجہ سے مغموم ہوا

ذِراع — ضاق بھم ذرعا۔ ذِرَاع ہاتھ ہے یعنی کہنی سے لیکر درمیانی انگلی کے آخر تک ہے ذرعہا سبعون ذراعا (الحاقۃ ۶۹-۳۲)

ضاق بالامر ذرعا — اور ذَرْع کے معنی طاقت بھی آتے ہیں جس طرح ید کے معنی طاقت ہیں اور ضَاقَ بِالْاَمْرِ ذَرْعُہٗ کے معنی ہیں اس کی طاقت اس معاملہ میں کمزور ہوئی (ل) +

عصب۔ عصیب — عصیب۔ عَصَب پٹھے کو کہتے ہیں اور عَصَّب کا استعمال سختی اور مضبوطی پر ہے اور عصیب کے معنی سخت ہیں (غ)

جب اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے حضرت لوط کے پاس آتے ہیں تو ان کو اپنی قوم کی بدکاری کی وجہ سے یا اس لئے کہ ان کی قوم اس بات کو پسند نہ کرتی تھی کہ اجنبی لوگ ان کے پاس آکر ٹھہریں جیسا کہ او لم ننھک عن العالمین (الحجر ۱۵-۷۰) سے ظاہر ہے۔ ان کی حفاظت کی فکر ہوئی اور ان کو خوف ہوا کہ وہ ان مہمانوں کی حفاظت نہ کر سکیں گے اسلئے وہ مغموم ہوئے

ھَرَع۔ اَھْرَعَ — [۱۴۸۷] یُھْرَعُوْن۔ ھَرَعَ اور اَھْرَعَ کے معنی ہیں اس کو سختی سے اور ڈرا کر خوب چلایا (غ) اور ابن جریر نے یھرعون کے معنی میں یہ شعر نقل کیا ہے فجاؤا یھرعون وھم اساری ۔ نقودھم علی رغم الانوف جس سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ قیدیوں کو سختی کے ساتھ اور ڈرا کر چلایا جاتا ہے اور وہ ہیں ہے کہ جب انسان سردی یا غضب یا بخار سے کانپتا ہو تو اس کی بھی اُھْرِعَ کا استعمال ہوتا ہے اور یہاں ان کے تیز چلنے کو طلب فاحشہ سے منسوب کیا گیا ہے (ج) +

ضَیْف — ضیف۔ ضَیْف کے اصل معنی مَیْل یعنی مائل ہونا ہیں پس ضَیْف وہ ہے جو تمہارے پاس ٹھہرتا ہوا تمہاری طرف مائل ہو یعنی مہمان اور چونکہ اس کا اصل مصدر ہے اس لئے واحد جمع میں یکساں استعمال ہوتا ہے اور اسی سے ضیافۃ

اِضافۃ — ہے اور اِضافۃ کا استعمال جو نحو میں ہوتا ہے وہ بھی اسی سے ہے (غ) +

حضرت لوط کی قوم کے متعلق یھرعون کا لفظ بتاتا ہے کہ وہ کسی خوف کے مارے دوڑے آئے اور ممکن ہے کہ وہ اسی خوف سے آئے ہوں کہ حضرت لوط اجنبیوں کو اپنے پاس جمع کر رہے ہیں گو اگلے الفاظ اس معنی کی تائید نہیں کرتے جہاں ان کی پہلی بدکاریوں کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی وہ اسی ارادہ سے آئے تھے۔ اور اس قوم کی بیحیائی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ علی الاعلان اور مہمانوں کے ساتھ بھی بیحیائی کے ارتکاب کی خواہش سے اندھے ہو گئے۔ اور کسی قسم کا لحاظ انکو باقی نہ رہا

مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ ۸۰

ہمارا تیری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں اور تو خوب جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں ۱۴۸۸ اس نے کہا کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی

اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ ۸۱

میں ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتا ہوں ۱۴۸۹ انہوں نے کہا اے لوط ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں وہ تجھ تک نہ پہنچ سکینگے

حضرت لوط کی بیٹیاں

ھٰؤلاء بناتی ھن اطھر لکم اس کے ایک معنی تو یہ کئے گئے ہیں کہ حضرت لوط نے اپنے مہمانوں کو بچانے کے لئے فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں تم ان سے نکاح کرلو۔ کیونکہ وہ لوگ پہلے حضرت لوط سے انکی بیٹیاں نکاح میں مانگتے تھے تو آپ انکار کرتے تھے۔ اپنے مہمانوں کی حفاظت کے لئے آپ نے اس بات کو بھی قبول کیا کہ وہ اپنی لڑکیاں ان کو نکاح میں دے دیں اور بعض کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے صرف ان کو شرم دلانا مقصود تھا حقیقت میں نکاح میں دینا مقصود نہ تھا۔ اور مجاہد اور قتادہ ابن جریج وغیرہم کی روایت ہے کہ ھٰؤلاء بناتی میں اشارہ عورتوں کی طرف تھا کہ قضائے شہوت کے لئے تمہاری بیویاں موجود ہیں اور وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں پس تمام حرام اور فاحش طریقوں کو چھوڑ دو اور عام عورتوں کو بناتی اس لحاظ سے کہا کہ نبی اپنی اُمت کے لئے باپ کے حکم میں ہوتا ہے (ج) یہ آخری تاویل کسی قدر کمزور ہے اس لئے کہ نبی کا باپ ہونا مومنوں کے حق میں ہوتا ہے نہ کفار کے مگر پھر بھی مجازاً بناتی سے مراد عام عورتیں لی جا سکتی ہیں اور یہی معنی قابل ترجیح ہیں کہ آپ نے مرد اور عورت کے قدرتی اور پاکیزہ تعلق کی طرف توجہ دلائی ہے۔

بائبل کا فحش قصہ لوط کی بیٹیوں کے متعلق

بائبل میں ایک نہایت فحش قصہ حضرت لوط کی بیٹیوں کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کو شراب پلا کر اس سے زنا کیا۔ انبیاء کے متعلق ایسے ناپاک قصے بیان کرکے بھی یہ کتاب مقدس کہلاتی ہے اور عیسائی اسے فخر سے دنیا میں پھیلا رہے ہیں کچھ تھوڑی سی حیا ہوتی تو اس قسم کے فحش قصوں کو ہی اس کتاب سے نکال دیتے ✦

۱۴۸۸ اس جواب میں کہ تمہاری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تم دوسری قوم سے ہو اس لئے ہم تمہاری بیٹیوں سے نکاح نہیں کرسکتے یا یہ کہ تم ان کے متعلق پہلے انکار کرچکے ہو ✦

رُکن

۱۴۸۹ رُکن۔ ایک چیز کا رُکن اس کی وہ جانب ہے جس سے وہ سکون پکڑتی ہے اس لئے استعارۃً اس کے معنی قوت ہیں یعنی سہارا

رَکَنَ

اور اسی سے رَکَنَ کے معنی ہیں ایک جانب مائل ہوا لا ترکنوا الی الذین ظلموا (ھود-۱۱۳) اور عبادت کے ارکان وہ باتیں ہیں جن پر اس کی بنا ہے اور جن کے ترک کرنے سے وہ باطل ہو جاتی ہے (غ) ✦

رکن شدید سے مراد

پہلے اپنی کمزوری کا اعتراف ہے کاش مجھ میں یہ طاقت ہوتی کہ میں تمہارا مقابلہ کرکے اپنے مہمانوں کو تم سے بچا سکتا لیکن چونکہ مجھ میں یہ طاقت نہیں اس لئے پھر فرمایا او اٰوی الی رکن شدید بلکہ میں ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتا ہوں اور گو اس مضبوط سہارے سے بعض مفسرین نے مراد کنبہ لیا ہے مگر حدیث نبوی سے ظاہر ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا سہارا ہے چنانچہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں رَحِمَ اللّٰہُ لُوطًا فَاِنَّہٗ کَانَ یَأْوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ (خ) اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط پر رحم کیا کیونکہ وہ ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی ✦

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ

تو کچھ رات سے اپنے اہل کو لے کر چلے جاؤ اور تم میں سے کوئی پیچھے نہ رہے مگر تیری بی بی کہ اس کو

۸۲ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝ فَلَمَّا

وہی مصیبت آنیوالی ہے جو ان پر آرہی ہے ان کا مقرر وقت صبح ہے کیا صبح قریب نہیں؟ ۱۴۹۰ سو جب

جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ڏ مَّنْضُوْدٍ ۝

ہمارا حکم آگیا ہم نے اسے تہ وبالا کردیا اور ہم نے اس پر سخت پتھر تہ پر تہ برسائے ۱۴۹۱

سری - اسری

۱۴۹۰ اسر - سری اور اسری کے معنی ہیں رات کے وقت چلا قطع من اللیل رات کا کچھ حصہ ہے +

التفات

یلتفت - التفات کے لئے دیکھو ۱۲۲۱ حضرت ابن عباس سے یہاں لا یتخلف معنی مروی ہیں یعنی پیچھے نہ رہے (د) اور بعض نے پھر کر دیکھنا مراد لیا ہے +

وہ لوگ اس وقت کس طرح اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکے اس کی تفصیل قرآن کریم نے نہیں دی بعض آثار میں ہے کہ وہ اندھے کردیئے گئے +

عالی - سافل

۱۴۹۱ عالی - سافل - سفل - علو کی ضد ہے اور اسفل - اعلیٰ کی (غ) والرکب اسفل منکم (الانفال ۸ - ۴۲) میں مراد نیچی طرف ہے جو بوجہ ساحل سمندر کے قریب ہونے کے مدینہ سے نیچی تھی یعنی سطح سمندر سے اس کی بلندی کم تھی اذ جاءکم من فوقکم ومن اسفل منکم (الاحزاب ۳۳ - ۱۰) میں بھی پست زمین مراد ہے وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلی (التوبۃ ۹ - ۴۰) میں مغلوبیت مراد ہے ثم رددناہ اسفل سافلین (التین ۹۵ - ۵) میں ذلیل حالت مراد ہے +

سجیل - سجل

سجل

سجیل - کو سنگ گل (یعنی مٹی کا پتھر) سے معرب خیال کیا گیا ہے لیکن اس لفظ کا مادہ سجل زبان عربی میں موجود ہے اور اس کے مشتقات بکثرت زبان عربی میں استعمال ہوتے ہیں اس لئے سجیل کو معرب خیال کرنا صریح غلطی ہے سجل بڑے ڈول کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہو اور حدیث میں ہے الحرب بیننا سجال یعنی کبھی ایک طرف کو غلبہ ہوتا ہے کبھی دوسری طرف کو اور ایک حدیث میں سورت کی قرأت کے متعلق ہے فسجلہا یعنی اس کو ملی ہوئی قرأت کے ساتھ پڑھا کیونکہ سجل کے معنی صب یعنی گرانا بھی آتے ہیں اور اسجل کے معنی ارسل یا اطلق آتے ہیں یعنی بھیجا اور چھوڑ دیا یا آزاد کیا - اور سجل کتاب عہد کو

اسجل سجل

کہتے ہیں - اور ابو عبیدہ کہتے ہیں من سجیل کے معنی ہیں کثیرۃ شدیدۃ یعنی بہت اور سخت - اور بعض کے نزدیک سجیل اسجل بمعنی ارسل سے ہے یعنی چھوڑ دیا گویا وہ پتھر ان پر بھیجے گئے یا چھوڑے گئے - اور یا سجیل سے مراد سجل ہے یعنی لکھے ہوئے گویا وہ ان کے لئے مقدر ہو چکے تھے اور سجیل اور سجین کے ایک ہی معنی ہیں اور سجین یعنی کتاب مرقوم قرآن شریف میں ہے وما ادرٰىك ما سجین کتاب مرقوم (التطفیف ۸۳ - ۹) (ل) اور ابن جریر نے بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ سجیل سے مراد سخت ہے +

نضد - منضود

منضود - نضد سامان کے ایک دوسرے کے اوپر رکھنے پر بولا جاتا ہے (غ) اور منضود کے معنی ہیں یتبع بعضہ بعضا (ج) ایک دوسرے کے پیچھے آتے تھے بالفاظ دیگر پے در پے برس رہے تھے اور قرآن کریم میں ہے طلح منضود (الواقعۃ ۵۶ - ۲۹) اور ایسا ہی طلع نضید (قٓ ۵۰ - ۱۰) یعنی تہ بتہ +

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ ۸۳ ۸۴

تیرے رب کے ہاں نشان لگائے ہوئے اور وہ ظالموں سے دور نہیں ۱۴۹۲ اور مدین کی طرف انکے بھائی

(رکوع ۸ (۱۲) — حضرت شعیب اور اہل مدین)

شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ

شعیب کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اسکے سوائے کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ

وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ ۸۵

کیا کرو میں تمہیں اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور میں تم پر (چاروں طرف سے) گھیر لینے والے دن کے عذاب کے آنے سے ڈرتا ہوں ۱۴۹۳ اور اے میری قوم

اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ

ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور فساد پھیلاتے ہوئے زمین میں حد سے

مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ ۸۶

نہ بڑھو جو اللہ کے پاس باقی رہتا ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن بنو اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں ۱۴۹۴

(لوط کی بستیاں کس طرح تباہ ہوئیں)

جعلنا عالیہا سافلہا کی تفسیر میں مفسرین نے بعض آثار کی بنیاد پر لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل نے زمین کے اس ٹکڑے کو اٹھا کر اتنا اونچا کیا کہ آسمان والوں نے مرغوں کی آواز اور کتوں کا بھونکنا سنا اور پھر اسے وہاں سے پھینکا مگر کسی حدیث میں نہیں اور اگر اس سے یہ مراد ہوتی تو پھر ساتھ پتھر برسانے کا ذکر بے معنی ہے کیونکہ جب زمین کے نیچے کا حصہ اوپر آگیا اور اوپر والا نیچے چلا گیا تو پتھر کہاں برسے گویا قرآن کریم نے پتھر برسانے کا ذکر کرکے خود بتا دیا کہ عالی کو سافل بنانے سے مراد تہ و بالا کرنا ہے اور دوسری جگہ اس قوم کے عذاب کو کہیں صرف امطرنا علیہم مطرا (النمل ۲۷-۵۸) کہا ہے اور کہیں انا ارسلنا علیہم حاصبا (القمر ۵۴-۳۴) گویا صرف پتھروں کی بارش کا ذکر کیا ہے پس یہی اصل عذاب تھا اور اسی کے ذریعہ سے وہ زمین تہ و بالا کر دی گئی۔ اور ظاہر ہے کہ پتھروں کی بارش آتش فشاں پہاڑوں سے ہوتی ہے اور پے در پے بھیجنے سے بھی یہی نشانہ ہے۔

۱۴۹۲ پتھروں کو مسومۃ یا نشان لگائے ہوئے اس لئے کہا کہ گویا وہ ان کے لئے مقدر ہو چکے تھے۔ اور ماھی من الظالمین ببعید میں یہ بتایا کہ وہ جگہ ان ظالموں سے جو اس وقت حق کی مخالفت کر رہے ہیں دور نہیں یعنی اسے دیکھتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ہے کہ اس پر تم گزرتے ہو اور یا مراد یہ ہے کہ ایسا ہی عذاب ان ظالموں کیلئے تیار ہے +

(خیر)

۱۴۹۳ خیر۔ وہ چیز ہے جس میں سب رغبت کریں۔ اور اس کی ضد شر ہے اور ایک چیز کو دوسری کے مقابلہ میں بھی خیر کہا جاتا ہے جیسے مال کثیر کو خیر کہا جاتا ہے اور یہاں مراد دنیوی نعمتیں یا آسایش کی حالت ہے باقی کیلئے دیکھو نمبر ۱۱۲۰ +

(بقاء)

۱۴۹۴ بقیۃ اللہ۔ بقاء کسی چیز کا پہلی حالت پر ثابت رہنا ہے۔ اور اپنے نفس میں باقی رہنے والی صرف ذات باری ہے۔ باقی سب کا بقا اسی کی ذات سے ہے ایسا ہی بقاء اہل جنت کا ہے۔ اور الباقیات الصالحات (الکہف ۱۸-۴۶) وہ

(بقیۃ اللہ)

اعمال ہیں جن کا ثواب انسان کے لئے باقی رہتا ہے اور بقیۃ اللہ سے مراد بھی یہی ہے اور اس کی اضافت اللہ کی طرف سے (غ) اور اس کے معنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا اللہ تعالیٰ کا رزق بھی کئے ہیں (ج) +

۸۷ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا

انہوں نے کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں

۸۸ مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

(نہ) کریں تو بیشک بڑا بردبار سیدھی راہ پر چلنے والا ہے ۱۴۹۵ اس نے کہا اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب سے ایک کھلی دلیل پر ہوں اور اسنے

رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ

مجھے اپنی جناب سے اچھا رزق دیا ہو اور میں نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت کرکے وہ کام کروں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

میں سوائے اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا جہاں تک میری طاقت ہے اور مجھے توفیق ملنا اللہ کی مدد سے ہی ہے اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں

۸۹ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ

اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۱۴۹۶ اور اے میری قوم میری دشمنی تمہیں مجرم نہ بنا دے کہ تم پر ایسی ہی مصیبت آ پڑے جیسی

اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝

مصیبت نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر پڑی اور لوط کی قوم بھی تم سے دور نہیں ۱۴۹۶ا

۱۴۹۵ بظاہر ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نماز پڑھتے ہو تو پڑھو ہماری باتوں میں دخل کیوں دیتے ہو۔ ہم اپنے پرانے طریق پر عبادت کرتے ہیں جس طرح ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ رہے مال سو وہ ہماری چیز ہے جس طرح پر چاہیں کریں کم دیں یا زیادہ دیں۔ اور یہ جو کہا کہ تم حلیم رشید ہو تو بعض نے اسے بطور تہکم مراد لیا ہے یعنی تم اپنے زعم میں حلیم و رشید ہو۔ مگر قرین قیاس یہ ہے کہ وہ حضرت شعیب کی حلیمی اور رشد کے قائل تھے ✦

رزق حسن — **۱۴۹۶** رزق حسن سے مراد یہاں نبوت و حکمت ہے (د) کیونکہ یہی وہ رزق ہے جو انبیاء کو خصوصیت سے ملتا ہے۔ ان کی اس بات کا کہ ہماری باتوں میں دخل نہ دو یہ جواب دیا ہے کہ میں تمہاری اصلاح چاہتا ہوں اور یہ کہ میں خود اسے اچھا سمجھتا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ میں خود بھی اس پر عامل ہوں ✦

طوفان نوح کل دنیا پر نہ تھا — **۱۴۹۶ا** یہاں کیسی صفائی سے بتا دیا کہ جس طرح ہود اور صالح اور لوط کی قوم پر عذاب آیا اسی طرح حضرت نوح کی بھی قوم پر عذاب آیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ طوفان نوح کا عذاب صرف قوم نوح کے لئے تھا نہ کل عالم کے لئے۔ سارے قرآن شریف میں جہاں جہاں حضرت نوح کا ذکر آتا ہے ان کی قوم کا اسی طرح ذکر ہے جس طرح دوسرے انبیاء کی قوموں کا ✦

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ○ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ ٩١

اور اپنے رب کی بخشش مانگو پھر اس کی طرف پھر آؤ میرا رب رحم کرنے والا محبت کرنیوالا ہے ۱۴۹۷ انہوں نے کہا اے شعیب ہمیں بہت سی

كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ج وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ

وہ باتیں سمجھ نہیں آتیں جو تو کہتا ہے اور ہم تجھے اپنے اندر کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تیری برادری کے لوگ نہ ہوتے تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے اور تو

عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ○ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ط وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ٩٢

ہمارے مقابلہ میں غالب نہیں ہے ۱۴۹۸ اس نے کہا اے میری قوم کیا میری برادری کے لوگ تمہارے نزدیک اللہ کی نسبت زیادہ عزت والے ہیں اور تم نے اسے پیٹھ کے

ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ٩٣

پیچھے ڈال رکھا ہے میرا رب اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو تم کرتے ہو ۱۴۹۹ اور اے میری قوم اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو میں بھی عمل کرنیوالا ہوں

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ط وَارْتَقِبُوْٓا

تم جان لوگے کون وہ ہے جس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور کون جھوٹا ہے اور دیکھتے رہو

اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ○ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ج ٩۴

میں بھی تمہارے ساتھ دیکھ رہا ہوں اور جب ہمارا حکم آگیا ہم نے شعیب کو اور انہیں جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی

وُدّ۔ ودود ۱۴۹۷ ودود۔ وُدّ کے لئے دیکھو ۱۱۳۷ اس میں محبت سے بڑھکر ایک چیز کے ہونے کی تمنی بھی ہے اور ودود وہ ہے جو بندوں سے مودّت رکھتا ہے یعنی بندوں کے لئے مراعاۃ یا ان کی حفاظت بھی اس میں شامل ہے ۔ اور یا ودود کے معنی میں یہ داخل ہے کہ اللہ ایک ایسی قوم کو لاتا رہتا ہے جو اس سے محبت کرے اور جن سے وہ محبت کرے (غ) +

رهط ۱۴۹۸ رھط کسی شخص کا رَھْط اس کی قوم یا قبیلہ ہے ۔ اور تین یا سات سے دس تک کے عدد کو ظاہر کرتا ہے (ل)

شعیب کی نابینائی کی روایت انبیاء کی تعلیم ایسی سادہ ہوتی ہے کہ عام انسان اس کو سمجھ سکتے ہیں ان کا یہ کہنا کہ ہم سمجھتے نہیں گویا اس بات کے قایم مقام ہے کہ ہم پروا نہیں کرتے کیونکہ تم ہم میں کوئی طاقتور آدمی نہیں ہو کہ تمہاری بات کی ہم پروا کریں ضعیف سے یہی مراد ہے اور یہ جو حضرت ابن عباس سے ضعیف کے معنی اندھا مروی ہیں تو یہ درست نہیں اس لئے کہ انبیاء ایسے عیوب سے پاک ہوتے ہیں اور یہاں لفظ ہیں کہ ہم تم کو اپنے اندر ضعیف پاتے ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے مقابلہ میں تم کمزور ہو اور اگر ضعیف سے اندھا مراد لیا جائے جس پر لغت کی بھی شہادت نہیں تو معنی کچھ نہیں بنتے کیونکہ اپنے اندر اندھا پانا بے معنی ہے +

ظهري ۱۴۹۹ ظہری ۔ ظَہْر کے معنی پیٹھ ہیں اور ظِہْرِیّ اسے بھی کہتے ہیں جسے سواری کے لئے تیار کیا جائے اور اسے بھی جسے پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا جائے (غ) یہی دوسرے معنی یہاں ہیں +

۹۵ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا

اور انہیں جنہوں نے ظلم کیا سخت آواز نے آپکڑا سو وہ اپنے گھروں میں پڑے ہی رہ گئے گویا کہ ان میں وہ بسے ہی

۹۶ فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ

نہ تھے۔ سنو مدین کے لئے دوری ہو جیسے ثمود دور ہوئے اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی مضبوط دلائل کے ساتھ

۹۷ ۹۸ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝ يَقْدُمُ

بھیجا فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مگر انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی اور فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا وہ قیامت

۹۹ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ

کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا سو انکو آگ پر پہنچا دے گا اور کیا ہی برے لوگ ہیں جو پہنچائے گئے ۱۵۰۰ اور اس دنیا میں بھی لعنت انکے

۱۰۰ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ

پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی برا عطیہ ہے جو دیا جائے گا ۱۵۰۱ یہ بستیوں کے حالات میں سے ہے جو ہم تجھ پر بیان کرتے ہیں

۱۰۱ مِنْهَا قَاۗىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ

ان میں سے کچھ آباد اور کچھ اُجڑی ہوئی ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا سو جب تیرے رب کا حکم آگیا

اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ

تو ان کے وہ معبود ان کے کچھ بھی کام نہ آئے جنہیں وہ اللہ کے سوائے پکارتے تھے

۹ ع ۱۴ شقی اور سعید

وُرُود — ۱۵۰۰ اَوْرَدَ۔ وُرُوْد پانی کا قصد کرنا ہے پھر اس کے غیر میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں اور دوسرے مقامات پر آگ پر استعمال ہوا ہے گویا پانی کی جگہ آگ پائیں گے (غ) اور وَرَدَ کا استعمال صرف پہنچنے پر ہے جب ابھی اس میں داخل نہ ہوا ہو جیسے ولما ورد ماء مدین (القصص ۲۸-۲۳) اور جب ایک شخص کسی شہر تک پہنچ جائے مگر اس میں ابھی داخل نہ ہوا ہو تو کہا جاتا ہے وَرَدَ بَلَدَ کذا اور بعض کے نزدیک داخل ہو جائے یا نہ ہو دونوں حالتوں میں وَرَدَ کا استعمال ہوتا ہے۔ اور جوہری کا قول ہے کہ ورود بالاجماع پہنچنے پر استعمال ہوتا ہے جب اس میں داخل نہ ہوا ہو (ل)، اور وِرْد وہ لوگ ہیں جو پانی پر پہنچتے ہیں یا اونٹ وغیرہ اور پانی کی جگہ کو بھی وِرْد کہا جاتا ہے

وِرْد — اور وِرْد قرآن کریم کے اس حصہ کو بھی کہا جاتا ہے جو مقرر طور پر پڑھا جائے (ل)، اور وَارِد کے معنے ہیں آگے چلنے والا

وَارِد — جو پانی لاتا ہے فارسلوا واردھم (یوسف ۱۲-۱۹) (غ) ✻

رفد — ۱۵۰۱ رفد۔ رِفْد عطیہ کو کہتے ہیں اور رَفَدَ عطیہ دیا (غ) ✻

وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۱۰۲

اور انکے گھاٹے میں پڑے رہنے کو ہی بڑھایا ۱۵۰۲ اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہوا کرتی ہو جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہو درانحالیکہ وہ ظالم ہوں

اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۱۰۳

ان اس کی گرفت دردناک سخت ہوتی ہو یقیناً اس میں اسکے لئے نشان ہو جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ ۱۰۴

یہ وہ دن ہو جس میں سب لوگ اکٹھے کئے جائینگے اور یہ وہ دن ہے جو آکر رہے گا ۱۵۰۳ اور ہم اسے ایک مقرر وقت کیلئے ہی پیچھے ڈال رہے ہیں

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا ۱۰۵ ۱۰۶

جس دن وہ آجائیگا کوئی شخص سوائے اسکے اذن کے بات نہیں کریگا پھر ان میں سے بدقسمت اور خوش قسمت ہونگے ۱۵۰۴ سو جو بدقسمت ہیں وہ

فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۱۰۷

آگ میں ہونگے انکے لئے اس میں چیخنا اور چلانا ہوگا ۱۵۰۵ اسی میں رہینگے جبتک آسمان اور زمین ہیں

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ ۱۰۸

سوائے اسکے جو تیرا رب چاہے کیونکہ تیرا رب جو چاہے کر گزرے اور وہ جو خوش قسمت ہیں وہ جنت میں ہونگے

تب۔تباب — ۱۵۰۲ تتبیب۔ تَبّ اور تباب خسران یعنی گھاٹے میں پڑے رہنا ہو تبت یدا ابی لہب (اللھب ۱۔ ۱۱۱) وما کید فرعون الا فی تباب (المؤمن ۔ ۳۷)۔

مشہود — ۱۵۰۳ مشہود۔ شُہُود کے معنی حاضر ہونا اور مشہود یہاں بمعنی مشاھد ہو یعنی جس کا مشاہدہ ضرور ہوگا مطلب یہ کہ آکر رہے گا (غ)۔

شقی۔سعید — ۱۵۰۴ شقی۔ سعید۔ شَقَاوۃ۔ سَعَادَۃ کی ضد ہو اور سَعْد اور سَعَادۃ انسان کیلئے بھلائی کے پانے پر امور الٰہیہ کی اعانت ہو اور شقاوۃ اور سعادۃ دنیوی بھی ہو اور اُخروی بھی اور سب سے بڑی سعادت جنت ہو (غ)۔ یا سَعْد۔ یُمْن یعنی برکت ہو۔

یہاں شقی اور سعید کی تقسیم اس لحاظ سے ہو کہ جو لوگ جنت میں داخل ہونگے وہ سعید ہونگے اور جو آگ میں وہ شقی ہونگے

زفیر۔شہیق — ۱۵۰۵ زفیر۔شہیق زفیر سانس کا اندر کو کھینچنا یہانتک کہ پسلیاں اس سے پھول جائیں۔ اور شہیق .... سانس کا لوٹانا اور زفیر اس کا مد یا اندر کھینچنا ہو اور جبل شاھق بڑے بلند پہاڑ کو کہتے ہیں اور اسی سے شہیق ہو (غ)۔ دوزخ کے متعلق دونوں لفظ آتے ہیں سمعوا لھا شھیقا (الملک ۔ ۷) سمعوا لھا تغیظا و زفیرا (الفرقان ۔ ۱۲) اور لسان العرب میں گدھے کی آواز کا پہلا حصہ زفیر ہو پچھلا شہیق کیونکہ زفیر سانس کا اندر لیجانا ہو اور شہیق اس کا باہر نکالنا۔ اور یہ بھی ہو کہ زفیر یہ ہے کہ انسان کا سینہ غم سے بھرا ہوا ہو پھر وہ اسے نکالے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ

اسی میں رہینگے جبتک آسمان اور زمین ہیں سوائے اس کے جو تیرا رب چاہے یہ بخشش ہو جو کبھی منقطع

مَجْذُوْذٍ ۝ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا ۱۰۹

نہیں ہوگی ۱۵۰۶ سو ان کے متعلق کچھ بھی شک نہ کرو جنکی یہ عبادت کرتے ہیں۔ وہ اسی طرح عبادت کرتے ہیں جیسے

يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝

پہلے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور ہم ان کو انکا حصہ بغیر کم کئے پورا پورا دینے والے ہیں

جذّ۔ مجذوذ

۱۵۰۶ مجذوذ جذّ کے معنی ہیں کسی چیز کا توڑنا اور اس کا فنا کر دینا فجعلھم جذاذا (الانبیاء ۲۱: ۵۸) اور غیر مجذوذ کے معنی ہیں غیر مقطوع عنھم یعنی جو ان سے کبھی قطع نہ کی جائے گی (غ)۔

جنت اور دوزخ کے خلود میں استثنا

یہاں جنت اور دوزخ کے ذکر میں کہ ان کے اندر ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا ایک بیّن فرق نظر آتا ہے یعنی دونوں میں الا ما شاء ربک فرما کر دوزخ کی صورت میں تیچھے یہ لفظ لائے گئے ہیں کہ تیرا رب جو چاہے کر گزرے یعنی چاہے تو انہیں دوزخ سے نکال دے اور بہشت کی صورت میں یہ کہ یہ عطا کبھی منقطع نہ ہوگی یعنی بہشت سے کبھی کوئی شخص باہر نہ نکالا جائیگا یہ کھلا فرق جو صاف بتا رہا ہے کہ دوزخ کے لئے وہ ہمیشگی نہیں جو جنت کے لئے ہے ہماری توجہ کو اس طرف پھیرتا ہے کہ آیا

اس کی چار توجیہیں

کبھی دوزخی دوزخ سے باہر بھی نکالے جائیں گے۔ ابن جریر نے چار مختلف توجیہات پہلی آیت کی تفسیر میں روایت کی ہیں اول یہ کہ الا ما شاء ربک میں جو استثنا ہے وہ اہل توحید کے لئے ہے یعنی سب دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے سوائے اہل توحید کے کہ جو ایسے لوگ گنہگار ہونگے ان کے لئے ہمیشگی نہیں ہوگی دوم یہ کہ الا ما شاء ربک میں جو استثنا ہے وہ گنہگار اہل توحید کے دخول کے متعلق ہے یعنی سب گنہگار داخل نار ہونگے مگر اہل توحید نہیں۔ تیسرا یہ کہ یہ سب لوگوں کی متعلق ہے یعنی سب دوزخیوں کو آخر کار دوزخ سے نکال دیا جائیگا چوتھا یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اہل نار کے متعلق اپنی مشیت کی خبر نہیں دی چاہے اللہ تعالیٰ ان کی سزا میں زیادتی کردے اور چاہے کمی کردے ان چاروں توجیہات میں سے دوسری صریحاً غلط ہے اس لئے کہ فساق اہل ایمان کا نار میں جانا صحیح آیات قرآنی اور احادیث سے ثابت ہے۔ اور چوتھی میں جو یہ حصہ ہے کہ استثنا سے مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چاہے تو دوزخ والوں کا عذاب بڑھا دے یہ بھی بالبداہت باطل ہے کیونکہ استثنا خلود سے ہے اس میں گھٹانے بڑھانے کا سوال نہیں خلود کا استثنا یہی ہوسکتا ہے کہ انہیں باہر نکال دے۔ اس لئے پہلی اور تیسری توجیہ باقی رہ جاتی ہے اول ہم پہلی توجیہ کو لیتے ہیں۔

عصاۃ مؤمنین اور کفار کے خلود عذاب میں قرآن کریم نے کوئی فرق نہیں رکھا

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اہل ایمان میں سے نافرمان لوگ دوزخ سے نکالے جائینگے مگر معتزلہ اس کے قائل نہیں انکے نزدیک جو دوزخ میں پڑینگے وہ ہمیشہ دوزخ میں ہی رہینگے اور خوارج بھی اس کے قائل نہیں۔ جمہور کے مذہب کی بنا ان احادیث پر ہے جن میں شفاعت کا ذکر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آیا قرآن شریف نے نافرمانوں اور کافروں کی سزا میں کوئی ایسا امتیاز رکھا ہے اس کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہر شخص جس نے قرآن شریف کو پڑھا ہے وہ خود دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کریم نے ایسا کوئی فرق نہیں رکھا بلکہ دونوں کے لئے یکساں خلود رکھا ہے اور نہ صرف ہر ایک بدکار کیلئے دوزخ جگہ بتائی ہے بغیر اس امتیاز کو ظاہر کرنے کے کہ وہ ایمان کا دعوی کر کے بدکاری کرتا ہے یا علی الاعلان کافر ہے بلکہ صاف طور پر

ع ۱۰ / ۱۴

عظیم الشان مصائب میں تسلی

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۱۱۰

اور ہم نے ہی موسےٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا۔

حکم الٰہی کے نافرمانوں کا ذکر کرکے جن سے مراد صریحاً اسلام کا دعویٰ کرنے والے ہیں ان کے خلود فی النار کا ذکر کرتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کو لو جو احکام وراثت کے بعد آتی ہے اور جس میں صریحاً مسلمانوں کا ذکر ہے جو ان احکام وراثت کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اور اس میں یہ لفظ ہیں ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیہا ولہ عذاب مہین (النساء ۱۴) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی قایم کردہ حدود سے تجاوز کرے اسے آگ میں داخل کرے گا اسی میں وہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ اور جگہ پر بھی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کی سزا ایسے ہی الفاظ میں بیان فرمائی ہے بلکہ ابدا کا لفظ بھی ساتھ بڑھایا ہے ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیہا ابدا (الجن ۲۳) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کیلئے دوزخ کی آگ ہے ابد تک اسی میں رہے گا۔ ان نافرمانی کرنے والوں میں سے مسلمان کہلا کر نافرمانی کرنے والوں کو باہر رکھنا صریح الفاظ قرآنی کے خلاف ہے پس جہاں تک خلود اور ابد کا سوال ہے وہ فساق اہل توحید اور کفار پر یکساں حاوی ہے پس اگر ایک کے لئے کوئی استثنا ہے تو دوسرے کے لئے بھی استثنا ہے۔ اگر کوئی صحیح حدیث نبی کریم صلعم کی ہوتی جس میں آپ نے فرمایا ہوتا کہ الا ما شاء ربک میں جو استثنا ہے وہ صرف اہل توحید کے لئے ہے تو بیشک وہ حجت تھی مگر کسی تابعی یا تبع تابعی کا یہ خیال اسے حجت نہیں بنا سکتا۔ بلکہ قرآن کریم نے دوسری جگہ صرف کفار کا ذکر کرکے جو اسلام کو قبول نہیں کرتے یوں فرمایا قال النار مثوٰکم خالدین فیہا الا ما شاء اللہ (الانعام ۱۲۹) یہاں یہی استثنا صرف کفار کیلئے موجود ہے یعنی خلود سے نکل بھی سکتے ہیں۔ ہاں احادیث شفاعت سو ان پر آگے بحث آتی ہے۔

جہنم پر فنا آنے کی شہادت

پس اب صرف ایک ہی توجیہ باقی رہ جاتی ہے اور اس کی تائید میں نہ صرف صحابہ کے اقوال موجود ہیں بلکہ احادیث شفاعت بھی اسی کی موید ہیں۔ اقوال صحابہ میں سے حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اہل نار کو آگ کھا جائے گی اور ابن مسعود کا قول ہے لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى جَهَنَّمَ زَمَانٌ تُخْفَقُ اَبْوَابُهَا لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا يَلْبَثُوْنَ فِيْهَا اَحْقَابًا یعنی دوزخ پر ایک ایسا وقت آئیگا کہ اس کے دروازے کھٹکھٹائینگے اس میں کوئی نہیں ہوگا اور یہ اس کے بعد ہوگا جو اس میں احقاب تک رہ چکے ہونگے یہ دونوں قول ابن جریر میں منقول ہیں اور وہیں شعبی کا قول ہے جہنم اَسْرَعُ الدَّارَيْنِ عُمْرَانًا وَاَسْرَعُهُمَا خَرَابًا یعنی دوزخ دونوں گھروں میں بسنے میں بھی جلدی بنتا ہے اور ویران ہونے میں بھی سب سے جلدی ویران ہوگا۔ اور تفسیر فتح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں مناوی الکبیر کی عبارت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار کا عذاب جہنم میں ہمیشہ کے لئے ہوگا اور اس کے سوائے جس قدر اقوال ہیں ان کی تاویل واجب ہے مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی کا قول کہ دوزخیوں کو ایک وقت تک عذاب ہوگا پھر ان کی طبیعت ہی اس کے موافق ہو جائے گی اور اس وجہ سے وہ اس سے بھی لذت حاصل کرینگے اور کہ وعدہ کو سچا کرنا قابل تعریف امر ہے نہ وعید یعنی سزا کے وعدہ کو بلکہ اس سے تجاوز کرنا قابل تعریف امر ہے اور آگے لکھا ہے کہ ایک جماعت اس بات کی قایل ہے کہ دوزخ فنا کر دیا جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے ایک وقت رکھا ہے جس پر پہنچکر وہ ختم ہو جائے گا اور پھر لکھا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے اقوال نقل کئے ہیں کہ دوزخ فنا ہو جائے گا اور ابن قیم نے اس کی تائید کی ہے مگر یہ مذہب متروک ہے اور جمہور نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ عصاۃ مومنین ہی دوزخ سے نکالے جائینگے نہ کفار۔ اس کلام کو نقل کرکے فتح البیان میں ان

فنائے جہنم کے متعلق اقوال صحابہ

وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيۡنَهُمۡ ؕ

اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو انکے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا

اقوال کو لکھا ہے مثلاً حضرت عمرؓ کا قول لو لبث اهل النار فی النار کقدر رمل عالج لکان لهم علی ذٰلك یوم یخرجون فیه یعنی اگر اہل دوزخ دوزخ میں اتنی مدت بھی رہیں جیسے ریت کے انبار پر انبار تو بھی ایک دن ان پر آئے گا جس میں وہ نکالے جائینگے اور اس روایت کے رجال کو ثقات قرار دیا ہے۔ اور ایک قول حضرت ابو ہریرہ کا ہے سیاتی علی جهنم زمان لا یبقی فیها احد جہنم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس میں کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ اور ابن مسعود کا قول جو اوپر نقل ہو چکا اور ابن عمرو اور ابن العاص کا قول لیاتین علی جهنم یوم تصفق فیها ابوابها لیس فیها احد جہنم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کے دروازے بند ہو جائینگے اس میں کوئی نہیں رہے گا۔ اور پھر لکھا ہے کہ جس طرح کے اقوال حضرت عمرؓ اور ابو ہریرہ اور ابن مسعود کے بیان ہوئے ہیں اس قسم کے اور اقوال سلف نے صحابہ سے روایت کئے ہیں مثلاً ابن عباس ابن عمر جابر ابی سعید سے اور ایسے ہی اقوال تابعین کے بھی ہیں۔ اور پھر لکھا ہے کہ اس سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے جو ابن تیمیہ اور ابن قیم نے کہا ہے اور ابن حجر اور مناوی نے جو کچھ اس کے کہا ہے اس کا بودا پن ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی حق بھی ہے اس لئے کہ ان صریح اقوال کی یہ تاویل کہ عصاۃ مومن نکلیں گے اور کفار دوزخ میں ہی بھرے رہیں گے کسی طرح بھی درست نہیں جہنم کے دروازے بند ہو جانا۔ اس میں کسی کا نہ رہنا سب کا ایک دن نکل آنا یہ صاف بتاتا ہے کہ جہنم سے آخر کار سب نکال دیئے جائیں گے ۔

حدیث شفاعت سے استدلال کہ کفار بھی جہنم سے نکالے جائینگے

اور حدیث شفاعت بھی اسی کی موید ہے صحیح حدیث میں ہے شَفَعَتِ الملائكةُ وشَفَعَ النبیونَ وشفع المومنونَ ولم يبقَ اِلَّا ارحمُ الراحمین فيقبضُ قبضةً من النارِ فيخرجُ منها قومًا لم يعملوا خيرًا قط یعنی اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ فرشتے بھی شفاعت کر چکے اور نبی بھی شفاعت کر چکے اور مومن بھی شفاعت کر چکے اور اب سب سے رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا باقی رہ گیا پس ایک مٹھی دوزخ سے بھرے گا اور اس سے ان لوگوں کو باہر نکال دے گا جنہوں نے کبھی کوئی بھلائی نہ کی تھی۔ اب اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ پہلے تین قسم کی شفاعت ہے مومنوں کی نبیوں کی فرشتوں کی۔ ظاہر ہے کہ مومنوں کی شفاعت بہت محدود ہے صرف اپنے سے تعلق رکھنے والوں کے لئے اس سے بڑھکر انبیاء کی شفاعت ہے اور وہ اپنی امتوں کے لئے۔ اس کے بعد فرشتوں کی شفاعت ہے اس کا دائرہ اس سے بھی وسیع ہے کیونکہ وہ تمام نیکی کرنے والوں کے لئے ہے۔ اور ارحم الراحمین ایک ایسی قوم کو نکالے گا جس کا تعلق نہ کسی مومن سے تھا نہ کسی نبی سے نہ نیکی کے محرک فرشتوں سے اور اس لئے انہوں نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی اور خدا کی مٹھی سے باہر کون رہ جائیگا۔ والارض جمیعًا قبضته یوم القیامة والسموات مطویت بیمینه (الزمر ۳۹-۶۷) ۔

اَبَد

اور اس کے بالمقابل خلود اور ابد کی بحث بے سود ہے اس لئے کہ جو خلود اور ابد عصاۃ مسلمین کے لئے ہے وہی کفار کے لئے ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں جو بات ایک کو مستثنے کر سکتی ہے وہی دوسرے کو۔ اور اصل بات یہ ہے کہ خلود کے لئے دیکھو ۱۳۹ ہمیشگی لازم نہیں بلکہ یہ بقائے طویل کا نام ہے۔ رہا لفظ ابد سو مفردات میں تابد الشئ کے معنی میں لکھا ہے ویعبر به عما یبقی مدة طویلة یعنی اس سے مراد وہ چیز لی جاتی ہے جو مدت طویل تک باقی رہے اور پھر ابد کی جمع آباد زبان عربی میں آتی ہے حالانکہ اگر اس کے معنی ہمیشگی ہوتے تو جمع نہ ہو سکتی تھی۔ اور اس طرح اس کی تاکید بھی آتی ہے اَبَدٌ اَبِدٌ وابید حالانکہ اگر غیر محدود زمانہ اور ہمیشگی لازماً اس کے معنی میں ہوتی تو تاکید بھی نہ آسکتی تھی اور امام راغب لکھتے ہیں کہ حق یہ تھا کہ ابد کی جمع کوئی نہ آتی کیونکہ یہ تصور میں نہیں آسکتا کہ ایک ابد کے ساتھ دوسرا ابد ملایا جاسکے لیکن آباد کہا جاتا ہے اور یہ اسلئے ہے کہ اس کو اس کے ایک حصہ کے لئے خاص کر لیا گیا ہے جو اس میں شامل ہے جیسا کہ اسم جنس کو اس کے بعض سے خاص کر لیا جاتا ہے گو غیر محدود

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۱۱۱

اور وہ اس کے بارہ میں سخت شک میں ہیں ۱۵۰۷ اور یقیناً تیرا رب ۱۵۰۸ سب کو ان کے عمل پورے پورے دیگا کیونکہ یہ جو کچھ کرتے ہیں

خَبِيْرٌ ۝ فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۱۱۲

اس سے خبردار ہے ۱۵۰۹ سو سیدھی راہ پر چلتے رہو جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی جو توبہ کرکے تیرے ساتھ ہوا اور حد سے نہ بڑھو جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھ رہا ہے

زمانہ کا حصہ کوئی نہیں کہلا سکتا تاہم اس توجیہ کا بھی صاف مطلب یہ ہے کہ ابد کے لفظ کا استعمال محدود لمبے زمانہ پر بھی ہوسکتا ہے اور غیر محدود زمانہ پر بھی۔ اگر غیر محدود زمانہ بھی اس سے مراد لیا جائے تو بھی الا ما شاء ربک کے استثنا نے دوزخیوں کو اس سے باہر نکال دیا ورنہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف نے دوسری جگہ لابثین فیہا احقابا (النبأ ۷۸-۲۳) کہکر یہ صاف بتا دیا کہ دوزخ کا ابد بھی ایک محدود زمانہ ہے برخلاف بہشت کے ابد کے کہ اس کے لئے کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں فرمایا جو محدود زمانہ پر ہی بولا جاسکتا ہو جیسا کہ احقاب ہے جو حقبۃ کی جمع ہے۔ اور دوسرے بہشت کی ابدیت کو عطاء غیر مجذوذ قرار دے کر بھی واضح کردیا کہ یہ نعماء ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں +

۱۵۰۷ حضرت موسیٰ کا ذکر پچھلی سورت میں ہوچکا ہے اس لئے یہاں صرف اسی قدر پر اکتفا کیا ہے غرض وہی ہے جو دوسرے انبیاء کے ذکر میں ہے یعنی آنحضرت صلعم کو تسلی دینا۔ اختلاف فی الکتاب کیلئے دیکھو ۲۱۴ اور وہ بات جو پہلے ہوچکی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی سزائیں بوجہ اپنے رحم عظیم کے تاخیر کرتا رہتا ہے جیسا کہ آیت ۱۱۹ میں وضاحت کردی ہے +

۱۵۰۸ کلاً میں تنوین مضاف الیہ کے قائم مقام ہے یعنی سب اختلاف کرنے والے یا سب کے سب مومن ہوں یا کافر +

لمّا کا استعمال کلام عرب میں کئی طرح پر ہے حین یعنی وقت کے معنی ہیں جیسے ولما ورد ماء مدین (القصص ۲۸-۲۳) فلما بلغ معہ السعی (والصّٰفّٰت ۳۷-۱۰۲) یعنی جب ایسا ہوا۔ اور لَمْ جازمہ کے معنی ہیں یعنی صرف نفی کیلئے جیسے بل لما یذوقوا عذاب (صٓ ۳۸-۸) ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم (التوبۃ ۹-۱۶) اور الّا کے معنی ہیں وان کل نفس لما علیہا حافظ (الطارق ۸۶-۴) جس کے معنی ہیں کوئی نفس نہیں مگر اس پر حافظ ہے یا وان کل لما جمیع لدینا محضرون (یٰسٓ ۳۶-۳۲) یعنی ما کل الا جمیع کوئی نہیں مگر سب کے سب ہمارے حضور حاضر کئے جائیں گے گویا یہ لَمْ اور مَا سے مرکب ہے جیسے اِلّا اِن اور لا سے یا دو نفیوں کا اجتماع ہے جو دونوں ملکر اور ایک لفظ ہوکر نفی کی حد سے نکل گئے۔ اور اس کے معنی اِلّا ہونے پر بطور شہادت یہ آیت قرآنی بھی پیش کی گئی ہے ان کل الا کذب الرسل (صٓ ۳۸-۱۴) اور کبھی کسی چیز کے انتظار کے لئے آتا ہے جسکے ہونے کی توقع کی جاتی ہے (ل)

یہاں اگر اِن کلا ہوتا جو نافیہ ہے تو لمّا کے معنی اِلّا لیکر ترکیب درست ہو جاتی مگر یہاں اِنَّ کُلًّا ہے۔ تو بعض نے اس صورت میں بھی معنی اِلّا ہی لئے ہیں اور بعض نے لَمَنْ مَا اس کا اصل قرار دیا ہے یعنی کوئی بھی ہو جس میں نون کو میم سے تبدیل کرکے تین میموں کے جمع ہو جانے کی وجہ سے ایک حذف کیا گیا اور باقی دو میں سے ایک دوسرے میں مدغم ہوگیا (ل) اور بعض نے یوں توجیہ کی ہے کہ لمّا یہاں بغیر تنوین وہی معنی رکھتا ہے جو لمًّا تنوین کے ساتھ یعنی تنوین صرف قرأت میں حذف ہوگئی ہے۔ اور مراد لمًّا ہے اور لمًّا کے معنی ہیں جمع کرکے جیسے وتاکلون التراث اکلا لمًّا (الفجر ۸۹-۱۹) جس کا مادہ لَمٌّ ہے جس کے معنی ہیں الجمع الکثیر الشدید یعنی کثرت اور شدت سے جمع کرنا (ل)، تو یوں بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ سب کو جمع کرکے ان کے اعمال کا اجر انہیں پورا پورا دیا جائے گا اور یوں بھی ہوسکتے ہیں کہ سب کے سب یہ مضبوط بات اور حق ہے کہ ان کے اعمال کا بدلہ پورا پورا انہیں ملے گا +

۱۵۰۹ استقم۔ انسان کی اِستقامۃ یہ ہے کہ مستقیم یعنی سیدھی راہ پر لگا رہے (غ)، یعنی کسی حال میں اس سے ادھر ادھر

۱۱۳ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ

اور ان کی طرف نہ جھکو جو ظالم ہیں ورنہ تمہیں آگ چھو جائے گی اور اللہ کے سوائے تمہارے کوئی ولی نہ ہونگے

۱۱۴ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ

پھر تمہیں مدد بھی نہیں ملے گی عـــ۱۵۱ اور دن کے دونوں حصوں میں اور پہلی رات نماز کو قایم رکھ

صحابہ کی استقامت

اس آیت میں نہ صرف نبی کریم صلعم کو حکم ہے کہ آپ کسی صورت میں صراط مستقیم سے اودھر اُدھر نہ ہوں بلکہ یہ بھی ساتھ ہی حکم ہو کہ آپکے ساتھی بھی جادۂ مستقیم سے ذرہ بھر انحراف نہ کریں۔ بغیر اس استقامت کے وہ کامیابیاں جن کا وعدہ دیا گیا ہے میسر نہیں آسکتیں ؟ نبی اپنی ذات میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کر کے دکھاتا ہو بلکہ کتاب کی تعلیم کو عمل کے رنگ میں لاکر دکھاتا ہو لیکن ساتھیوں کا بھی اس استقامت کی راہ پر چلنا بہت ہی دشوار امر ہو چنانچہ حدیث میں ہو کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شَیَّبَتْنِیْ ھُوْد یعنی سورۃ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا ساتھیوں کو اس راہ پر قایم کرنا یہ ایک نہایت ہی دشوار امر تھا کتنے انبیاء ہیں کہ ان کے ساتھیوں نے ان کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا حضرت موسیٰ کے ساتھی کہتے ہیں فاذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون (المائدۃ۔ ۲۴) حضرت عیسیٰ نے جب اپنے حواریوں کو کہا کہ آج کی رات میرے ساتھ مل کر دعا ہی کرو تو وہ اس سے بھی عہدہ برا نہ ہو سکے مگر یہ فخر سرور دو عالم کے حصہ میں ہی آیا کہ آپکے صحابہ نے صراط مستقیم پر ایسا لزوم اختیار کیا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی وہ اپنے ہر عمل میں صرف قرآن شریف کو ہی اپنا ہادی بناتے تھے اور اس کی تعلیم سے ایک بال بھر انحراف کو بھی آگ میں گرنے کے برابر سمجھتے تھے۔ علاء بن عبداللہ کا قول ہو کہ لا تطغوا میں جو خطاب ہو اس سے مراد اصحاب نبی صلعم نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو انکے بعد آنے والے تھے (فتح البیان)

صحابہ کی معیت آنحضرت سے

ومن تاب معك۔ یہاں جس بات میں معیت کا ذکر ہو وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یا اس کے اوامر و نواہی پر استقامت ہو۔ اور تاب سے مراد ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور یوں رجوع کر کے رسول اللہ صلعم کی معیت اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو قبول کیا جس طرح خود مامور یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبول کیا تھا پس یہاں نہ صرف رسول اللہ صلعم کی معیت ہو بلکہ وہ معیت بھی اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر استقامت میں ہو یا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہو اس سے صحابہ کے مقام بلند پر شہادت ملتی ہو کہ طاعۃ اللہ میں وہ رسول اللہ صلعم کی معیت میں تھے جو نادان نبیوں کی معیت (النسآء۔ ۶۹) سے مراد نبی ہونا لیتے ہیں وہ ان الفاظ پر غور کریں کہ یہاں خود سرور دو عالم کی معیت آپکے برگزیدہ صحابہ کو حاصل ہو یہ مطلب نہیں کہ وہ سب خاتم النبیین بن گئے تھے +

میلان ظلم

عـــ۱۵۱ الذین ظلموا سے مراد شرک اور رکن یا میلان سے مراد ان سے محبت قلبی یا ان کے افعال پر راضی ہو جانا خیال کیا گیا ہو یہ کہنا چاہیے کہ یہ باتیں بھی اس کے اندر آجاتی ہیں۔ اور الفاظ قرآنی میں عمومیت اور وسعت ہو جب پہلی آیت میں طاعۃ اللہ پر استقامت کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم یا طغیان سے روکا تو یہاں اور بھی ترقی کی یعنی نہ صرف انسان ہر قسم کے ظلم سے بچے بلکہ ظالم کی طرف میلان سے بھی بچے۔ چونکہ ان سورتوں کے نزول کا زمانہ اسلام اور مسلمانوں پر سخت

ماسوی اللہ کا سہارا

ترین مصائب کا زمانہ تھا اور مصائب میں انسان ہر قسم کا سہارا تلاش کرتا ہو اس لئے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ ان تکالیف میں تم کفار کی طرف جھک کر ان مصائب سے نکلنے کا خیال کرو پھر اللہ تعالیٰ کی ولایت تمہارے لئے نہ ہوگی۔ آج بھی مسلمانوں کو اس ہدایت کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہو۔ وہ بجائے طاعۃ اللہ پر استقامت کے دوسرے لوگوں کے سہارے تلاش

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۞ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا ۱۱۵

کیونکہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ نصیحت قبول کرنیوالوں کیلئے نصیحت ہے[۱۵۱۱] اور صبر کر کیونکہ اللہ

يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۞ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ ۱۱۶

نیکی کرنیوالوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا پھر کیوں تم سے پہلی بستیوں میں اچھے عملوں والے لوگ نہ ہوئے جو ملک میں فساد سے روکتے

کرتے ہیں اور یہ سہارے ایک ایک کر کے گرتے چلے جاتے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنا سہارا نہیں بناتے اس لئے ناکامی پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے +

طرف۔ نہار — اوقات نماز

۱۵۱۱ طرفی النہار۔ طرف ایک جانب کو کہتے ہیں وقت کے لحاظ سے ہو یا جسم کے یا اور رنگ میں (غ) اور نہار عرف شریعت میں طلوع فجر یعنی پو پھٹنے سے لیکر غروب آفتاب تک کا وقت ہے (غ) پس اس کی طرفیں یا دو طرفیں طلوع آفتاب سے پہلے اور زوال آفتاب کے بعد کے اوقات ہوئے جیسا کہ خود اس کی تشریح دوسری جگہ فرما دی ہے۔ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل وقرآن الفجر (بنی اسرائیل ۱۷-۷۸) یعنی فجر کو ایک جانب اور آفتاب کے ڈھلنے کو دوسری جانب قرار دیا ہے پس طرفی النہار میں نماز فجر۔ ظہر اور عصر آ جائینگی +

زلف۔ زلفیٰ

زلفا۔ زلف اور زُلفیٰ اور زُلفۃ کے معنی قریب ہونا اور مرتبہ ہیں وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفیٰ (السبا ۳۴-۳۷) وازلفت الجنۃ للمتقین (الشعراء ۲۶-۹۰) وازلفنا ثم الآخرین (الشعراء ۲۶-۶۴) فلما راوہ زلفۃ (الملک ۶۷-۲۷)

مزدلفۃ — زُلفۃ

اور مزدلفۃ جو مکہ معظمہ میں ایک مقام کا نام ہے وہ بھی قرب کے معنی کے لحاظ سے ہی ہے کیونکہ عرفات سے نکلنے کے بعد اس مقام پر پہنچ کر منیٰ سے حاجی قریب ہو جاتے ہیں اور زُلَف زُلفۃ کی جمع ہے اور رات کی پہلی گھڑیوں پر جو دن سے قریب ہیں یہ لفظ بولا جاتا ہے اور زلفا من الیل (ھود ۱۱-۱۱۴) مغرب اور عشا کی نمازوں کے اوقات ہیں (ل) +

نماز مصائب سے نجات کا ذریعہ ہے

جب ظالموں کی طرف جھکنے سے روکا تو ساتھ ہی بتایا کہ اللہ کی طرف جھکو اور نماز اس کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے مصائب میں نماز سے استعانت کا بار بار ذکر کیا ہے بظاہر خیال ہو سکتا ہے کہ نماز کو مصائب سے نجات سے کیا تعلق ہے مگر اس کی حقیقت کو ایک موحد ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس طرح جب انسان تمام سہاروں کو چھوڑ کر ایک اللہ تعالیٰ کو اپنا سہارا بناتا اور اس کے آگے گرتا ہے۔ تو وہ جو تمام طاقتوروں سے بڑھکر طاقتور ہے اس کا ہو جاتا ہے اگلی آیت میں صبر کا حکم اسی حقیقت کی مزید وضاحت کرتا ہے یہاں پانچوں نمازوں کا بھی ذکر کر دیا ہے ان الحسنات یذھبن السیئات کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بھلائی کے اختیار کرنے سے انسان دکھوں اور تکلیفوں سے نجات پا جاتا ہے اور نماز حسنات کا رستہ کھولتی ہے اور ان الفاظ میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا قانون بھی بیان فرمایا ہے کہ

بدی کا کفارہ نیکی ہے

بدی کا کفارہ نیکی ہے جب انسان نیکی کو اختیار کرتا ہے تو اس کی بدیاں دور ہو جاتی ہیں۔ بدی کو دبانے والی نیکی کی طاقت ہے اسلئے کہ نیکی اور بدی ایک ہی قویٰ کے اچھے اور برے استعمال کا نام ہے جب انسان ان قویٰ کو صحیح موقعہ پر لگانا سیکھ لیگا تو بدی خود ہی دور ہو جائے گی یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکی کی قوت اس قدر زبردست ہے کہ بدی کی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی +

اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○

ہاں تھوڑے سے ان میں سے جنہیں ہم نے نجات دی (ایسے تھے) اور جو ظالم تھے وہ ان آسایشوں کے پیچھے پڑے رہے جو انہیں دی گئی تھیں اور وہ مجرم تھے [۱۵۱۲]

۱۱۷ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ○ ۱۱۸ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ

اور تیرا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کر دے اور انکے رہنے والے نیکوکار ہوں [۱۵۱۳] اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب

۱۱۹ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۚ

لوگوں کو ایک ہی گروہ کر دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہینگے سوائے اسکے جس پر تیرا رب رحم کرے اور اسی کیلئے اس نے انہیں پیدا کیا ہے

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○

اور تیرے رب کی بات پوری ہوگئی میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا [۱۵۱۴]

اتراف ۔ مترف

۱۵۱۲ اترفوا ۔ ترف کے معنی تنعم یا آسودگی ہیں اور مترف وہ ہے جسے فراخی اور آسودگی متکبر کر دے (ل) اور جو والی ما اترفتم فیہ (الانبیاء [۲۱]۔۱۳) اخذنا مترفیہم بالعذاب (المؤمنون [۲۳]۔۶۴) امرنا مترفیہا (بنی اسرائیل [۱۷]۔۱۶) +

عذاب فساد پر آتا ہے

گویا اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ ایسے عقلمند ان میں کیوں نہ ہوئے کہ وہ لوگوں کو فساد سے روکتے جس سے معلوم ہوا کہ تباہی زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے آتی ہے ظالم لوگ آسایش دنیوی کے پیچھے پڑ کر ظلم میں یہانتک ترقی کرتے ہیں کہ آخر مجرم کی سزا کی نوبت آجاتی ہے +

۱۵۱۳ اس کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو محض ان کے شرک کی وجہ سے ہلاک نہیں کرتا اگر وہ ملک میں فساد پھیلانے والے نہ ہوں ۔ گویا کسی قوم کو ہلاک اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ زمین میں شرارت اور فساد اور ظلم میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے محض عقاید باطلہ کی وجہ سے نہیں +

پیدا کرنیکی غرض رحم کرنا ہے

۱۵۱۴ اس سے پہلی آیت میں بیان فرمایا تھا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی گروہ بنا دیتا یعنی ان میں کوئی اختلافات نہ ہوتے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نے انسان کو کچھ قویٰ دے کر ان کے استعمال کا اسے اختیار دیا ہے اس لئے وہ اختلاف کرتے ہی رہیں گے یعنی احکام الٰہی کے بارہ میں اختلاف کریں گے جس سے مراد ان کی مخالفت ہے ۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ وہ لوگ مخالفت نہیں کرتے جن پر تیرے رب نے رحم کیا ہے یعنی مومن یا اہل حق اور اس سے آگے جو لفظ آتے ہیں ولذلک خلقہم اسی کے لئے انہیں پیدا کیا تو گو ابن جریر نے دونوں قسم کی روایتیں جمع کی ہیں یعنی بعض اقوال کی رو سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اختلاف کے لئے پیدا کیا اور بعض کی رو سے یہ کہ انہیں رحم کے لئے پیدا کیا مگر پہلے معنی کی تائید قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے نہیں ہوتی یعنی یہ کہ اللہ تعالےٰ کے انسانوں کو پیدا کرنے کی غرض یہ ہے کہ وہ اختلاف کرتے رہیں دوسری جگہ فرمایا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذٰریٰت [۵۱]۔۵۶) تو حقیقی غرض تو یہی ہے کہ وہ عبادت کریں ۔ اور یہ اس کے ہم معنی ہے کہ اللہ تعالےٰ ان پر رحم کرے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے ان کو پیدا کرنے کی غرض یہ ہے کہ وہ اس کی نافرمانی کریں ۔ اور پھر صاف الفاظ میں فرمایا ورحمتی وسعت کل شیء (الاعراف [۷]۔۱۵۶) پس جب رحمت ہر چیز پر ہے تو معلوم ہوا اسی کے لئے پیدا کیا ہے ۔ ابن کثیر میں حضرت ابن عباس کا قول منقول ہے للرحمۃ خلقہم

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ ۱۲۰

اور سب کچھ جو ہم رسولوں کے حالات سے تجھ پر بیان کرتے ہیں اس سے ہم تیرے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور اس میں تیرے پاس حق آگیا

وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقُلْ لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا ۱۲۱

اور (وہ) مومنوں کے لئے وعظ اور نصیحت ہے ح۱۵۱۵ اور جو ایمان نہیں لاتے انہیں کہدو اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو ہم بھی عمل

عَامِلُونَ ۝ وَانْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ۝ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ ۱۲۲ ۱۲۳

کرنیوالے ہیں ح۱۵۱۶ اور انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنیوالے ہیں اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ کیلئے ہی ہے اور اسی کیطرف

يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

ہی سب معاملے لوٹائے جاتے ہیں سو اس کی عبادت کر اور اس پر بھروسہ کر اور تیرا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو

ولم یخلقھم للعذاب یعنی رحمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ عذاب کے لئے پیدا نہیں کیا۔ اور حدیث میں ہے میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی پس جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رحم کے لئے ہی پیدا کیا ہے تو آخر کار سب پر رحم ہی ہوگا اور یہ اس کے مطابق ہے جو ح۱۵۰۶ میں دکھایا گیا کہ دوزخ پر آخر فنا آئے گی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوزخ بھی اللہ تعالیٰ کے رحم کا ایک رنگ اپنے اندر رکھتا ہے جس طرح یہاں مصائب میں پڑکر انسان آرام پاتا ہے اسی طرح وہ لوگ جو یہاں آسایش جسمانی کے در پے رہتے ہیں ان کے لئے ایک اور قسم کے دکھوں میں سے گزر کر اللہ تعالیٰ کا رحم حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے ایک پھوڑے کا چیرنا پھاڑنا بیمار کو عذاب کے رنگ میں نظر آتا ہے مگر طبیب جانتا ہے کہ ایسی حالت میں یہی رحم ہے یہی حالت عذاب نار کی ہے اسی لئے یہ فرما کر کہ اللہ تعالیٰ نے رحم کے لئے انسانوں کو پیدا کیا ہے اس کے بعد فرمایا کہ دوزخ کو بھی جنوں اور انسانوں سے بھرا جائے گا تو اس کی غرض بھی وہی ہے ؏

محدود عذاب بھی رحم ہے

ح۱۵۱۵ یہاں سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے قصص کی غرض نبی کریم صلعم کو تسلی دینا ہے گو یا ان انبیاء کے حالات میں اور ان کے مخالفین کی ہلاکت میں نبی کریم کے حالات اور آپ کے مخالفین کی ہلاکت کو بطور پیشگوئی بیان کیا گیا ہے فی ھٰذہ سے مراد یہ سورت ہے یا ان حالات کا بیان ۔

ذکر انبیاء میں آنحضرت کا ذکر

ح۱۵۱۶ بڑے عقاید بڑے لفظ بڑے دعاوی سے کچھ نہیں ہوتا اعملوا علی مکانتکم انا عاملون اسی میں کامیابی اور ناکامی کا راز ہے عمل سے ہی انسان بنتا ہے عمل سے ہی قوم زندہ ہوتی ہے۔ آج عمل کو چھوڑ کے ہی مسلمان موت کی حالت تک پہنچ گئے ہیں اگر زندہ ہونگے تو پھر عمل سے ہی زندہ ہونگے ؏

عمل اور زندگی

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

نام — اس سورت کا نام یوسف ہی اور اس میں بارہ رکوع اور ایک سو گیارہ آیتیں ہیں اس کا نام یوسف حضرت یوسف کے تذکرہ سے لیا گیا ہی جو اس کا واحد مضمون ہی +

خلاصہ مضمون — اس سورت کا مضمون ایک ہی ہی یعنی حضرت یوسف کا ذکر سوائے اس کے کہ ابتدا میں یہ بتا دیا ہی اس ذکر کی اصل غرض کیا ہی اور آخر میں بالوضاحت آنحضرت صلعم کے مخالفین کو توجہ دلائی ہی پہلے رکوع میں حضرت یوسف کے رویا کا ذکر ہی کہ اسے ایک عظیم الشان انسان بنایا جائیگا اور اس میں گویا آنحضرت صلعم کی ظاہری اور باطنی عظمت کی طرف اشارہ ہی دوسرے رکوع میں حضرت یوسف کے بھائیوں کے یوسف سے سلوک کا ذکر ہی اس سے بہت بڑھکر برا سلوک اور بہت زیادہ خطرناک منصوبے آنحضرت کے خلاف تھے تیسرے میں ذکر ہی کہ کس طرح طرح طرح کی ترغیبات کے اندر حضرت یوسف نے استقامت دکھائی اور اس میں آنحضرت صلعم کی استقامت کا ذکر ہی کیونکہ اسی قسم کی ترغیبات آنحضرت کے سامنے بھی پیش کی گئی تھیں۔ چوتھے رکوع میں یوسف کے قید میں پڑنے کا ذکر ہی اور گو آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا مگر شعب ابی طالب میں یہ مشابہت بھی پوری ہو گئی۔ پانچویں رکوع میں ذکر ہے کہ حضرت یوسف نے حالت قید میں بھی جب موقعہ ملا تو وعظ و نصیحت کو نہیں چھوڑا آنحضرت صلعم نے شعب میں محصور ہونے کے زمانہ میں بنو ہاشم میں اپنے سلسلہ وعظ و نصیحت کو جاری رکھا اور انہی ایام میں ان لوگوں میں سے بہتوں کے دلوں میں اسلام گھر کر گیا چھٹے رکوع میں شاہ مصر کی خواب کا ذکر ہے جس میں سات سال کے قحط کا ذکر ہے اور اس کی تفسیر میں خود بخاری میں اس سات سال کے قحط کا حوالہ دیا گیا ہی جو مکہ میں ہوا۔ ساتواں رکوع حضرت یوسف کی بریت اور عزت کو ظاہر کرتا ہی اسی طرح نبی کریم صلعم کی بریت ہوئی اور مدینہ میں سب قوموں نے آپ کو اپنا حکم قرار دیا۔ آٹھویں اور نویں رکوع میں حضرت یوسف اور آپکے بھائیوں کے باہمی معاملات کا ذکر ہی۔ عرب میں قحط کے وقت جب ابوسفیان نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ آپ کے بھائی بند ہلاک ہو رہے ہیں تو آپنے بھی دعا کی اور آپ کی دعا سے قحط دور ہوا۔ دسویں رکوع میں بھائیوں کا اعتراف اور حضرت یوسف کی معافی کا ذکر ہی اور نبی کریم صلعم نے فتح مکہ کے وقت وہی لفظ لا تثریب علیکم الیوم دوہرا کر بتا یا کہ حضرت یوسف کے ذکر میں آپ کا ہی نقشہ کھینچا گیا تھا گیارھویں رکوع میں یہ ذکر ہی کہ کس طرح وہی بھائی آخر مصر میں آکر حضرت یوسف کی حکومت میں شریک ہوئے اور یہ اشارہ تھا کہ عرب کے لوگ بھی آخر اس عظیم الشان حکومت کے وارث ہونگے جو نبی کریم صلعم کی طفیل انکو ملیگی۔ بارھویں رکوع میں مضمون کو عام کرکے آپکے مخالفین کو توجہ دلائی۔

تعلق — الرا کے مجموعہ میں یہ تیسری سورت ہی جبتک پچھلی دو سورتوں میں پہلے علمی بحث سے اور پھر انبیائے سابق کے مخالفین کے انجام کا ذکر کرکے آنحضرت صلعم کے مخالفین کو سمجھایا تو اب یہاں بالخصوص ایک ایسے نبی کا ذکر کیا جس کے حالات کے ساتھ آنحضرت صلعم اور آپکے مخالفین کے حالات کی کھلی کھلی مشابہت پیش آنیوالی تھی اور پچھلی سورت کے آخر میں بتایا تھا کہ ذکر انبیاء میں آنحضرت کا ہی ذکر ہی

زمانہ نزول — سورت کی آخری سے پہلی آیت بالصراحت اس بات پر دلالت کرتی ہی کہ اس سورت کا نزول اس زمانہ کا ہی جب قریش کی مخالفت انتہا کو پہنچ گئی اور لوگوں نے آپکے وعظ و نصیحت کی طرف بالکل توجہ چھوڑ دی جس کے بعد نصرت الٰہی کا اس رنگ میں ظہور ہوا کہ آپکے لئے مدینہ میں ایک مضبوط جماعت کھڑی ہو گئی +

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱ ۱۱ — الٓرٰ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ○ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ○ ۱ ۲

یوسف کا رویا

میں اللہ دیکھتا ہوں۔ یہ کھول کر بیان کرنیوالی کتاب کی آیتیں ہیں ہم نے یہ قرآن عربی اُتارا ہے تاکہ تم سمجھو ۱۵۱۶ ف

عرب۔ عربی

اعراب

۱۵۱۶ ف عربیا۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد کو عَرَب کہا جاتا ہے۔ اور عَرَبِیّ کے معنی مُفْصِح یعنی فصاحت سے بیان کرنے والا ہیں۔ اور اِعْرَاب کے معنی بیان ہیں اور حدیث میں ہے اَلثَّیِّبُ تُعْرِبُ عَنْ نَفْسِہَا یعنی بیوہ خود بات کو کھول کر بیان کر دے یعنی رضامندی نکاح کے معاملہ میں۔ اور عَرَبِیٌّ فصیح واضح کلام کو کہا جاتا ہے جیسے یہاں۔ یا بلسان عربی مبین (الشعراء ۲۶ ع ۱۱ - ۱۹۵) یا حکماً عربیا (الرعد ۱۳ - ۳۷) جہاں معنی کئے گئے ہیں۔ فصاحت سے بیان کرنے والا جو حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے اور بعض نے اس کے معنی شریف کریم کئے ہیں جیسے دوسری جگہ کتاب کریم (النمل ۲۷ - ۲۹) فرمایا اور یا عَرَبِیٌّ کے معنی ہیں نبی عربی کی طرف منسوب (غ) اور عَرَب عَجَم کے خلاف ہے اور اَعْجَم وہ شخص ہے جس کی زبان میں عُجْمَۃ یعنی ابہام ہو خواہ وہ عربی ہو یا غیر عربی اسی معنی میں ہے ولو جعلناہ قرآنا اعجمیا (حٰمٓ السجدۃ ۴۱ - ۴۴) (غ)

عجم۔ اعجم

عربی ام الالسنۃ ہے

حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کی زبان جنت میں عربی تھی (د) اس صورت میں عربی ام الالسنۃ یعنی سب زبانوں کی ماں قرار پائے گی اور اسی کے موافق بعض کا مذہب ہے کہ عربی سب سے پہلی لغات ہے اور دوسری سب زبانیں اس کے بعد پیدا ہوئیں (د) اور ایک حدیث میں ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔ پس اگر قرآن عربی سے مراد عرب کی زبان میں نازل ہونا لیا جائے تو لعلکم تعقلون میں یہ اشارہ ہے کہ یہ زبان جو ام الالسنۃ ہے اسی میں اللہ تعالےٰ کا آخری کلام نازل ہوا اور یہ عجیب بات ہے کہ کم از کم گزشتہ تیرہ چودہ سو سال کی زبان عربی جو علمی رنگ میں استعمال ہوتی تھی اس میں آج تک کچھ بھی فرق نہیں آیا اور آج تیرہ سو سال بعد وہی زبان علمی ہے جو اس وقت عرب میں تھی۔ حالانکہ دوسری زبانیں اس سے نصف وقت بھی اس طرح تغیر سے پاک نہیں رہیں جس سے اس بات پر شہادت ملتی ہے کہ یہ زبان ابتدا سے اسی حالت میں رہی ہے عربی کے ام الالسنۃ ہونے پر مفصل بحث کے لئے دیکھو کتاب ام الالسنۃ جو خواجہ کمال الدین صاحب کی تصنیف ہے اور اس کی طرف اس زمانہ میں توجہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دلائی ہے +

قرآن عربی سے مراد

زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہاں قرآن عربی سے مراد وہ کتاب ہے جو اپنے مضامین کو کھول کر اور فصاحت سے بیان کرتی ہے۔ تاکہ لوگ اسے اچھی طرح سمجھ لیں۔ جو کوئی شخص چاہے قرآن کریم کا مقابلہ دوسری مذہبی کتابوں سے کرکے دیکھ لے کہ جس طرح کھول کر یعنی مدلل طور پر اور بااین فصاحت سے قرآن کریم نے مضامین کو بیان کیا ہے اس سے دوسری کتابوں کو نسبت ہی نہیں +

۳ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَإِنْ كُنْتَ

ہم تجھپر بہترین بیان اس کے ذریعہ سے جو ہم نے تیری طرف اس قرآن کی وحی کی بیان کرتے ہیں گو تو اس سے

۴ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ إِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ إِنِّيْ رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

پہلے بے خبروں میں سے تھا ۱۵۱۶ب جب یوسف نے اپنے باپ کو کہا اے میرے باپ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج

۵ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى إِخْوَتِكَ

اور چاند کو دیکھا ہے میں نے انہیں اپنے آپکو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے ۱۵۱۶ج اس نے کہا اے میرے بیٹے اپنے خواب کو اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا

قصص۔ قِصّۃ

۱۵۱۶ب قصص کیلئے دیکھو ۷۵۴ قَصَص کے معنی بیان ہیں۔ یا وہ خبر جو بیان کی جائے اور قِصّۃ کی جمع قِصَص ہے اور احسن القصص کے معنی احسن البیان ہیں یعنی نہایت اچھا بیان (ل) +

غفلۃ

الغافلین غَفْلَۃ بھول جانا ہے جو یادداشت یا احتیاط کی کمی سے انسان کے لازم حال ہوتا ہے (غ)۔ یا اس چیز کا احساس نہ ہونا جس کا احساس ہونا چاہئیے۔ یا کسی چیز سے ذہول (ت) +

احسن القصص

اس ذکر کو جو اس سورت میں ہے نہایت عمدہ بیان کہا ہے۔ اسلئے کہ گو یہ محض ایک انسان کی زندگی کے تھوڑے سے حالات کا بیان ہے مگر اول سے لیکر آخر تک اعلیٰ درجہ کے اخلاقی سبقوں سے بھرا پڑا ہے۔ اور علاوہ ازیں یہ گویا نبی کریم صلعم اور آپ کی قوم کے تعلقات کا مرقع ہے۔ اور اسی کی طرف وان کنت من قبلہ لمن الغافلین میں اشارہ ہے۔ گو یہ الفاظ ظاہر معنی میں بھی درست ہیں کہ آنحضرت صلعم نے نہ ان ذکروں کو کہیں سے سنا تھا اور نہ ان کتابوں کو پڑھا تھا اور صرف وحی کے ذریعہ سے آپ پر ان حالات کا انکشاف ہوا مگر قرآن کے لئے ظہر و بطن دونوں ہیں اور اس ظاہری معنی کے ساتھ اس حقیقت

یوسف کے ذکر میں آنحضرت کی تاریخ

کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے کہ ابھی تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری قوم تمہارے ساتھ کیا کیا سلوک کرے گی اور اس طرح تم کو گھر سے نکالا جائیگا اور کسی دوسرے مقام پر پہنچ کر تمہیں وہ عزت کا مقام ملیگا جس کے سامنے تمہاری قوم کو آخر اسی طرح سر جھکانا پڑے گا جس طرح یوسف کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے جھکایا۔ ان حالات کا آنحضرت صلعم کے حالات سے تطابق ہونا اور آپ کی زندگی کا نقشہ اس سورت میں کھینچا جانا خود نبی کریم صلعم کے ان الفاظ سے ظاہر ہے جو آپ نے اپنی قوم کے آخر کار اظہار عاجزی پر فرمائے لا تثریب علیکم الیوم جو حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو کہے تھے۔ اور اس آیت کے اندر جو الفاظ نظر آ زائد معلوم ہوتے ہیں بما اوحینا الیک ھذا القراٰن یعنی اس قرآن کی وحی کے ذریعہ سے تو ان کی غرض یہ ہے کہ یہ قصہ نہیں کیونکہ قرآن شریف قصوں سے پاک ہے۔ بلکہ اس کی غرض اخلاق کی تعلیم ہے اور جس رنگ میں یہ تذکرہ بائبل میں مذکور ہے اگر اس کے ساتھ ہی اس کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم میں اول سے آخر تک اس تذکرہ سے ایسے اخلاق سکھائے گئے ہیں جو بائبل میں نہیں پائے جاتے اور اسی لئے بائبل کے ساتھ کہیں کہیں اختلاف بھی ہے۔ گویا بتا دیا ہے کہ اگر یہ وحی الٰہی کے ذریعہ سے نہ سکھایا گیا ہو تو محض بائبل کی نقل ہوتی +

اَبَتِ
رُؤیا۔ رُؤیۃ

۱۵۱۶ج ابت۔ اصل میں ابی ہے میرے باپ اور یا کو تائے تانیث سے بدلا گیا ہے +

رایت کے معنی یہاں ہیں خواب میں دیکھا۔ ماضی دونوں معنی میں آتی ہے خواب میں دیکھنا معنی ہوں تو مصدر رُؤیا آتا ہے ویسے دیکھنے کے معنی ہیں رُؤیۃ مصدر ہے +

فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ ۶

ورنہ وہ تیرے لئے کوئی مخفی تدبیر کریں گے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح تیرا رب تجھے

رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ

چن لیگا اور تجھے باتوں کے معنی سکھائے گا اور اپنی نعمت کو تجھ پر اور یعقوب کی اولاد پر پورا کریگا

كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

جس طرح اس نے پہلے تیرے دادا اور باپ ابراہیم اور اسحاق پر اسے پورا کیا تیرا رب جاننے والا حکمت والا ہے ۱۵۱۶ د

کوکب۔ نجم یعنی ستارہ کو کہتے ہیں اور نور کو اس کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے بھی کوکب کہدیا جاتا ہے اور سردار قوم کو بھی کوکب کہا جاتا ہے +

سچے خواب

حضرت یوسف کے رویا سے آپ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو بھی قبل از نبوت سچے خواب آتے تھے۔ اور آپ کے خواب فلق الصبح کی طرح سچے ہوتے تھے۔

سورج چاند کا سجدہ

گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کا سجدہ کرنا کسی تمثل کے رنگ میں ہوگا کیونکہ سجدہ کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ماتھا زمین پر رکھا جائے سو یہ چیزیں اپنی اصل ہیئت میں ایک انسان کی رویت میں اس مفہوم کو پورا نہیں کرسکتیں پس یا توان چیزوں نے انسان کا تمثل اختیار کر کے حضرت یوسف کو سجدہ کیا اور یا یہ سجدہ کسی رنگ کا اظہار فرمانبرداری تھا جس کی کوئی تصریح یہاں موجود نہیں۔ اس خواب کی تعبیر کیا تھی اس کا ذکر اگلی آیت میں اور پھر سورت کے آخر میں آتا ہے اور گیارہ ستاروں کے نام جو ایک حدیث میں دیئے ہیں تو ابن جوزی نے اسے موضوع قرار دیا ہے +

حدوث یحدث

۱۵۱۶ احادیث۔ حدیث حدث سے ہے اور حدوث کے معنی ہیں کسی چیز کا ہونا بعد اس کے کہ وہ نہ تھی۔ اور حدیث ہر ایک کلام کو کہتے ہیں جو سماعت سے یا وحی سے انسان کو پہنچے بیداری کی حالت میں ہو یا خواب میں۔ اسی لئے خود قرآن کریم کو بھی حدیث کہا ہے افمن هذا الحديث تعجبون (النجم ۵۳-۵۹) ومن اصدق من الله حديثا (النساء ۴-۸۷) (غ)

بائبل اور قرآن میں فرق

بائبل میں ہے کہ یوسف نے یہ خواب حضرت یعقوب کے سامنے بیان کیا تو اس کے باپ نے اسے ڈانٹا اور اس سے کہا کہ یہ کیا خواب ہے جو تو نے دیکھا ہے کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کے تجھے سجدہ کرینگے" (پیدایش ۳۷ : ۱۰) یہ کلام ایک نبی کی شان کے مطابق نہیں۔ کیونکہ وہ گویا اس خواب کو بے معنی یا جھوٹا قرار دیتا ہے قرآن کریم میں اس کے خلاف اسکو سچا قرار دیا ہے۔ اور اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ یوسف ایک عظیم الشان انسان ہوگا اور یہ ان واقعات کے بھی مطابق ہے جو کتاب پیدائش میں موجود ہیں +

ستاروں سورج چاند کے سجدہ سے مراد

سورج اور چاند اور گیارہ ستاروں کے سجدہ کرنے سے کیا مراد ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ سورج کی تعبیر بادشاہ اور سونا اور زوجہ جمیلہ ہے اور قمر کی تعبیر امیر اور کواکب کی رؤسا۔ تو اس صورت میں سورج اور چاند اور ستاروں کے سجدہ سے مراد کسی بادشاہ اور امیر اور رؤسا کا آپ کی اطاعت کرنا ہوگا۔ اور مصر میں آپ واقعی ایسے بلند مرتبہ پر پہنچے کہ شاہ مصر اور اسکے رؤسا آپ کے سامنے جھک گئے اور سب پر آپکو فوقیت ملی اور کواکب کی تعداد دیا تو اس لحاظ سے ہوگی کہ وہاں کے بڑے بڑے رؤسا یا وزراء کی تعداد گیارہ ہو اور یا محض ایک عددی کثرت کے طور پر مگر مفسرین زیادہ تر اس طرف گئے ہیں کہ گیارہ ستاروں سے مراد ان کے گیارہ بھائی اور شمس اور قمر سے مراد والد اور والدہ ہیں۔ مگر محض بھائیوں یا ماں باپ پر کسی شخص کی فوقیت اس قدر بلند مرتبہ کا پتہ نہیں دیتی جیسا بادشاہ یا وزراء پر فوقیت کا

۸ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ○ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَ

بیشک یوسف اور اسکے بھائیوں (کے معاملہ) میں پوچھنے والوں کیلئے نشان ہیں ۱۵۱۷ جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور

أَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ○

اس کا بھائی تو ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں یقیناً ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے ۱۵۱۸

ع ۲ / ۱۴ — بھائیوں کا یوسف سے سلوک

حاصل ہونا۔ بلکہ حضرت یعقوب نے جو تعبیر کی ہے وہ دین و دنیا میں بلند مراتب پر پہنچنا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے +

حضرت یعقوب کی تعبیر — حضرت یعقوب نے تین باتوں کی خبر دی ہے اول اجتباء جس کے معنی کے لئے دیکھو ۵۶۵ مفسرین میں سے بعض نے کہا نبوت کے لئے چن لینا مراد ہے بعض نے کہا سجود کے لئے بعض نے اور توجیہات کی ہیں (د) مگر اجتباء کے اصل معنی کے لحاظ سے مراد اچھی صفات کا آپ میں جمع کر دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اجتباء نبیوں اور صدیقوں اور شہداء کیلئے ہوتا ہے دوسری بات تاویل احادیث کا علم دینا ہے اور اس سے مراد بعض نے تعبیر رؤیا کو لیا ہے اور بعض نے عواقب امور کو اور بعض نے احادیث انبیاء اور کتب سابقہ کو۔ مگر جس طرح احادیث کا لفظ وسیع ہے اور اس میں رؤیا اور وحی آجاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی معنی میں توسیع مراد ہے یعنی ہر ایک بات کی تہ تک پہنچنا اور اعلیٰ درجہ کے فہم کا ملنا۔ اسی اعلےٰ درجہ کے علم میں تعبیر رؤیا بھی شامل ہے جو محض اس کا ایک حصہ ہے اور تیسری بات اتمام نعمت ہے اور اس سے مراد دنیا اور آخرت کی نعمت کا مل جانا یا اکٹھا ہو جانا ہے جیسے نبوت کے ساتھ بادشاہت یا دوسروں کی غلامی سے آزادی، روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی نعمتیں مل جانا بھی اتمام نعمت ہے۔ حضرت یعقوب نے یہ سب کچھ بظاہر اس خواب سے ہی سمجھا ہے اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی بھی اطلاع دی ہو کہ یوسف ان بلند مراتب پر پہنچنے والا ہے مگر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سورج چونکہ اصل سرچشمہ نور ہے اس لئے اس کے سجدہ سے مراد کمال دینی ہے کیونکہ انسان کے اصل فضائل دینی ہیں اور قمر چونکہ سورج سے نور مستعار لیتا ہے اسلئے مراد کمال دنیوی ہے اور حضرت یوسف کو کمال دینی کی طفیل حاصل ہوتا ہے اور آپکی رہنمائی اور علم ہی آپکو حکومت تک پہنچاتے ہیں اور کواکب سے چونکہ علم حاصل کیا جاتا ہے وبالنجم ھم یھتدون (النحل ۱۶ - ۱۶) اس لئے کواکب کے سجدہ سے مراد علم کا حاصل ہونا ہے +

سائلین سے مراد — ۱۵۱۷ پوچھنے والوں سے مراد یہاں نبی کریم صلعم کے حالات کو دریافت کرنے والے لوگ ہیں۔ ان کیلئے یوسف اور اس کے بھائیوں کے معاملہ میں نشان ہیں یعنی جو معاملہ یوسف کے ساتھ ہوا وہی آنحضرت صلعم کے ساتھ ہو گا آپ کو قتل کرنے یا ملک سے نکالنے کی تجویز ہو گی اور بالآخر جس طرح یوسف کے بھائی عاجزانہ حالت میں یوسف کے سامنے حاضر ہوئے اسی طرح آپ کے مخالف بھی عاجز اور مغلوب ہو کر آپ سے معافی مانگینگے +

عصب۔ عُصبة۔ عصابة — ۱۵۱۸ عصبة۔ عَصَب پٹھوں کو کہتے ہیں اور عَصْب کے معنی باندھنا ہیں اور عُصْبَة اور عِصَابَة جماعت کو کہا جاتا ہے دس سے چالیس تک جس کا واحد کوئی نہیں مفردات میں ہے جماعة مُتَعَصِّبَة مُتَعَاضِدَة یعنی ایسی جماعت جو ایک دوسرے کی مدد کرنیوالے ہوں اور

عَصَبَة۔ تعصّب — عَصَبَة ایک شخص کے بیٹوں اور باپ کیطرف سے قریبیوں کو کہا جاتا ہے اور اسی مادہ سے مشہور لفظ تعصّب ہے جس کے اصل معنی جمع ہو جانے کے ہیں۔ پھر کسی دوسرے فریق کے خلاف جمع ہو جانا ظالم یا مظلوم ہو کر اور

عَصَبِيَّة — عَصَبِيَّة یہ ہے کہ ایک شخص کو عَصَبَة کی مدد کیلئے بلائے اور حدیث میں ہے لیس منا من دعا الی عصبیۃ او قاتل عصبیۃ جو شخص عصبیت کی طرف بلاتا ہے یا عصبیت کیلئے جنگ کرتا ہے (یعنی محض اپنے قریبیوں کی حمایت کیلئے اور یہ نہیں دیکھتا کہ حق کس طرف ہے) وہ ہم میں سے نہیں +

ضلال — ضلال کے معنی یہاں خطا فی الرائے ہیں (د) یعنی غلطی +

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا ۹

یوسف کو قتل کر دو یا کسی اور ملک میں ڈال دو تو تمہارے باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف ہی ہو گی اور اسکے بعد تم

صَالِحِينَ ○ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ ۱۰

صالح لوگ بن جاؤ ۱۵۱۹ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو کوئی قافلہ اسکو نکال

السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ○ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ ۱۱

لے جائیگا اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے (تو یہ کرو) ۱۵۲۰ انہوں نے کہا اے ہمارے باپ کیا وجہ ہے کہ تو یوسف کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتا حالانکہ ہم

لَنَاصِحُونَ ○ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ قَالَ إِنِّي ۱۲ ۱۳

اسکے خیر خواہ ہیں۔ کل اسے ہمارے ساتھ بھیجئے کہ وہ کھائے پیئے اور کھیلے کودے، اور ہم اسکے نگہبان ہونگے ۱۵۲۱ اس نے کہا مجھے

لَيَحْزُنُنِي أَن تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَن يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ○

اس بات سے غم ہوتا ہے کہ تم اسے لیجاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس کی طرف سے بے خبر رہو ۱۵۲۲

بن یامین یوسف کے بھائی سے مراد یہاں ان کا حقیقی بھائی ہے جس کا نام بن یامین تھا یہ دونوں ایک والدہ سے تھے محض اس لئے کہ باپ کو ایک بیٹے سے زیادہ پیار ہے ان کے سینوں میں حسد کی آگ جلی انہیں یہ شکایت نہیں کہ ہمارا باپ ہم سے محبت نہیں کرتا بلکہ یہ ہے کہ یوسف سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ یہ کوشش نہیں کرتے کہ باپ کی محبت ان سے کس طرح بڑھے یہ کوشش کرتے ہیں کہ یوسف کی محبت درمیان سے اٹھ جائے یہی حسد ہے جس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا +

طرح ۱۵۱۹ اطرحوا۔ طَرْح۔ کسی چیز کا پھینکنا اور اس کا دور کر دینا ہے (غ) +

"تکونوا من بعدہٖ قوماً صالحین سے مراد یہ ہے کہ اس گناہ سے توبہ کرکے پھر تم صالح بن سکتے ہو اور یا مطلب یہ ہے کہ یوسف کے درمیان سے نکل جانے سے تم اپنے امور دنیا میں سنوار والے ہو جاؤ گے کیونکہ باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو گی +

غیابۃ ۱۵۲۰ غیٰبت۔ اس کا اصل غَیب سے ہے اور غَیَابَۃ زمین کی پستی یا گہرائی کو کہتے ہیں (غ) +

جُبّ جُبّ۔ جَبّ کے معنی کسی چیز کا جڑ سے کاٹ دینا ہیں اور جُبّ اس کنوئیں کو کہتے ہیں جس کی اینٹوں سے منڈیر نہ بنائی گئی ہو (غ)

بئر جس کی دیوار بنائی گئی ہو وہ بئر ہے اور بعض کے نزدیک جُبّ ایسا کنواں ہے جس کی گہرائی بہت زیادہ ہو (ل) +

لقط۔ التقاط یلتقط۔ لَقْط۔ اور اِلْتِقَاط کسی چیز کا زمین سے لے لینا ہے یعنی زمین پر پڑی ہوئی چیز کا اٹھا لینا اور لُقَطَۃ گری ہوئی چیز کو اور لَقِیط پھینکے ہوئے بچے کو کہتے ہیں جسے کوئی شخص پا لے (ل) +

سیّارۃ سَیّارۃ۔ سَیْر کے معنی چلنا اور سَیّارۃ چلنے والی جماعت کو کہتے ہیں (غ) +

پیدائش ۳۷ : ۲۲ میں ہے کہ ایسا کہنے والا رُوبن تھا +

رتع ۱۵۲۱ یرتع۔ رَتْع کا استعمال اصل میں حیوانات پر ہے یعنی چرنا۔ استعارۃً انسان پر بولا جاتا ہے (غ)، یا با فراغت کھانا پینا (ل)

۱۵۲۲ اس کے لیجانے سے غم ہوتا ہے گویا ان کا دل اندر سے بول رہا تھا کہ وہ محض شرارت کیلئے یوسف کو لے جا رہے ہیں +

۱۴ ۱۵ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَّخَاسِرُونَ ○ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ

انہوں نے کہا اگر اسے بھیڑیا کھا جائے حالانکہ ہم ایک جماعت (قوی) ہیں تو ہم بے شک گھاٹے میں پڑنے والے ہونگے سو جب اسے لے گئے

وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا

اور اتفاق کر لیا کہ اسے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دیں اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو انہیں انکے اس معاملہ کی خبر دیگا

۱۶ ۱۷ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ○ قَالُوا يَا أَبَانَا

اور وہ نہیں جانتے ہونگے ، ۱۵۲۳ اور رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے کہا اے ہمارے باپ ہم ایک

إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا

دوسرے سے آگے نکلتے ہوئے چلے گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا تو بھیڑیا اسے کھا گیا اور تو

۱۸ أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ○ وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ الثلثة

ہماری بات کو ماننے کا نہیں اگر ہم سچے بھی ہوں ۱۵۲۴ اور اس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے ۔

بائبل اور قرآن کے بیان میں فرق

۱۵۲۳ بائبل میں حضرت یوسف کی طرف اس وحی کا ذکر نہیں اور اتنی بات سے دونوں تذکروں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے بائبل میں یہ محض ایک کہانی کا رنگ رکھتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب کا بیٹا گم ہو گیا اور پھر مل گیا۔ قرآن کریم میں یہ طرح طرح کے روحانی اور اخلاقی سبقوں سے بھرا ہوا ہے مثلاً یہی واقعہ کہ عین اس وقت جب بھائی اپنی طرف سے یوسف کا کام تمام کر چکے تھے اور کوئی اُمید کی جھلک باقی نہ رہی تھی اور زندگی کا خاتمہ سامنے نظر آتا تھا ایک خارجی آواز آتی ہے کہ تم پر وہ زمانہ آئیگا کہ تم انہی بھائیوں کو ان کی اس حرکت کی خبر دوگے اور تمہارا مقام اس قدر بلند ہوگا کہ ان کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا کہ تم اس مقام پر پہنچے ہوئے ہو یہ آواز نہ صرف یوسف کے اندر اللہ تعالےٰ کی ہستی پر ایمان کامل پیدا کرتی ہے اور اس کو آیندہ زندگی میں مصائب کی برداشت کے قابل بناتی ہے اور بڑے بڑے ابتلاؤں میں نیکی پر قائم رہنے کی قوت دیتی ہے بلکہ اس ذکر کے پڑھنے والے کے اندر بھی یہی تمام باتیں پیدا کرتی ہے۔ ایک اتنے ذکر کو چھوڑ دینے سے بائبل میں یہ ذکر محض ایک قصہ رہ جاتا ہے اور قرآن کریم میں یہ ایک اعلیٰ درجہ کا اخلاقی سبق بن جاتا ہے ۔

وحی قبل از نبوت

اس وحی کے ہونے سے یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ حضرت یوسف اس وقت نبی بھی ہو گئے تھے۔ آیت ۲۲ میں بتایا ہے کہ حکم اور علم روحانی بلوغ کو پہنچنے پر ملا تھا اور وہ اس واقعہ کے بہت بعد تھا۔ وحی غیر نبی کو بھی ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ کی ماں اور حواریوں کو وحی ہونے کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے پس حضرت یوسف کی یہ وحی بھی قبل از نبوت ہے جس طرح ان کا رؤیا قبل از نبوت تھا اور اس میں محض ایک آیندہ کی خبر ہے اور آیندہ کی اخبار غیر نبی پر بھی ظاہر کی جاتی ہیں جیسے کہ اس اُمت میں محدثین پر جن کے متعلق احادیث میں آتا ہے رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء۔ یہ خیال کر کے کہ وحی سوائے نبی کے نہیں ہو سکتی بعض نے اوحینا الیہ میں مراد حضرت یعقوب کو لیا ہے کیونکہ حضرت یوسف کی عمر اس وقت ۱۷ سال کی تھی ۔ مگر اس سے بھی اس ذکر کی اصل عظمت مفقود ہو جاتی ہے وھم لا یشعرون سے مراد یہ ہے کہ ایسی حالت میں تم انکو یہ خبر دوگے کہ تمہارے اس مقام کی وجہ سے یہ نہ جانتے ہونگے اور یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ تمکو ہم نے جو یہ خوشخبری دی ہے تو تمہارے بھائیوں کو اس بات کی کچھ بھی خبر نہیں۔

۱۵۲۴ ولو کنا صادقین ۔ سے مراد یہ ہے کہ اگر ہم آپکے نزدیک صادق القول بھی ہوتے تو بھی اس معاملہ میں آپ ہماری بات کا یقین

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ۝ ۱۵۲۵

اسنے کہا بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لئے ایک (بری) بات کو اچھا کر دکھایا تو صبر ہی بہتر ہے اور اللہ کی ہی مدد طلب کیجاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو

نہ کرتے اور جب آپ پہلے بھی ہمارے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تو ہماری بات کو آپ مانینگے تو نہیں ۔

تسویل — **۱۵۲۵** سولت ۔ تسویل کے معنی ہیں جس چیز کی خواہش ہو اسے نفس کا اچھا کر دکھانا اور اس کے برے پہلو کو بھی اچھے رنگ میں دکھانا ۔ الشیطان سول لہم (محمد ۴۷ ۔ ۲۵) اور سوّل اُمنیّۃ کے قریب قریب ہے فرق یہ ہے کہ امنیۃ یا آرزو وہ ہے

سوّل — جس کا انسان اپنے نفس میں اندازہ کرتا ہے اور سُؤل وہ ہے جس کو وہ طلب کرتا ہے گویا یہ امنیۃ کے بعد کا مرتبہ ہے اور اس کا اصل سُؤل ہے لفظ اوتیت سؤلک یا موسیٰ (طٰہٰ ۲۰ ۔ ۳۶) اور سُؤل وہ حاجت نفس ہے جس کا پورا ہونا انسان چاہتا ہے (غ)

سُؤل — یہاں پھر بائبل کے ذکر میں اور قرآن شریف میں ایک بین فرق نظر آتا ہے ۔ بائبل میں ہے کہ جب یہ خبر حضرت یعقوبؑ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کو پہچان کر کہا "یوسف بیشک پھاڑا گیا تب یعقوبؑ نے اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اپنی کمر پر ڈالا اور بہت دن تک اپنے بیٹے کے لئے غم کیا" (پیدائش ۳۷ : ۳۳ و ۳۴) یہ بات شان نبوت سے بعید ہے قرآن کریم نے اسکو

بائبل اور قرآن کے بیان میں فرق

مصائب میں صبر کا سبق — بجائے کیسے پاک لفظ فرماتے ہیں فصبر جمیل اتنے بڑے عظیم الشان صدمہ پر بھی نہ صرف صبر کیا بلکہ صبر کو جمیل فرمایا یعنی خوبی کی بات یہی ہے ۔ اس میں دوسروں کے لئے بھی سبق ہے کہ وہ سخت سے سخت مصائب کے وقت واویلا اور جزع فزع سے بچیں اور صبر کا طریق اختیار کریں اور اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر پر راضی ہوں صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضرت عائشہ پر بہتان باندھا گیا تو اس صدمہ عظیم میں انہوں نے یہی فرمایا کہ میں وہی کہتی ہوں جو یعقوبؑ نے کہا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون ۔ ایک اور بڑا فرق جو قرآن شریف اور بائبل میں ہے یہ ہے کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب کو یقین تھا کہ حضرت یوسف مارے نہیں گئے بلکہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ آخر ان باتوں کو پورا کرے گا جو رویا میں ان کو دکھائی گئیں جس طرح بائبل کے اس بیان کی بجائے کہ حضرت یعقوبؑ نے یوسف کا رویا سنکر اسے ڈانٹا قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس خواب کی تعبیر بتائی کہ یوسف کو دینی اور دنیوی عظمت ملے گی ۔ اسی طرح اس پر پورا ایمان رکھتے ہوئے اپنے بیٹوں کو صاف کہدیا کہ جو کچھ تم کہتے ہو یہ سب غلط ہے اور واللہ المستعان میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کو پورا کرے گا جو اس نے دکھائی ہیں ۔

قمیص کا ذکر تین مرتبہ — حضرت یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی یہ لوگ لگا لائے تھے ۔ بائبل میں ہے کہ یہ ایک "بوقلمون قبا" تھی جو حضرت یعقوبؑ نے یوسف کو بنوا کر دی تھی لیکن جیسی بھی ہو ان کی غرض تو اپنی بات کی تائید تھی کہ بھیڑیا یوسف کو کھا گیا اور اسکی قمیص باقی رہ گئی اور اس پر خون کے نشان بھی ہیں ۔ البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت یوسف کے ذکر میں تین مرتبہ قمیص کا ذکر آتا ہے ۔ جس قمیص کو یوسف کے بھائیوں نے بطور شہادت پیش کیا اسی سے حضرت یعقوب معلوم کرتے ہیں کہ جھوٹ موٹ کے نشان ہیں گویا یوسف کے زندہ ہونے کی وہ شہادت بنی دوسرے موقعہ پر ایک قمیص سے ہی یوسف کی بریت کی شہادت ملی ۔ اور تیسرے موقعہ پر اپنی قمیص کو ہی حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ کے پاس بھیجا گویا وہ یوسف کی شان و شوکت کی شہادت بنی ۔ بالفاظ دیگر یوسف کی زندگی یوسف کی عصمت اور یوسف کی شان و شوکت کی گواہی قمیص سے

قمیص کی تعبیر علم سے — ہی ملتی ہے ۔ اور رویا میں قمیص کی تعبیر علم ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ حضرت عمر پر میں نے لمبی قمیص دیکھی اور اس کی تعبیر علم کی اور یہاں اس سورت میں بھی جس طرح قمیص کا ذکر تین دفعہ آتا ہے تین ہی دفعہ حضرت یوسف کے تاویل احادیث کے علم کا ذکر بالخصوص آتا ہے یعنی آیت ۶ میں اور ۲۱ میں اور ۱۰۱ میں ۔

۱۹ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا

اور ایک قافلہ آیا تو انہوں نے اپنا پانی بھرنے والا بھیجا اور اس نے اپنا ڈول ڈالا۔ کہا خوشخبری ہو یہ لڑکا

۲۰ غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ○ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ

ہے اور اسے مال تجارت قرار دے کر چھپا رکھا اور اللہ جانتا تھا جو وہ کرتے تھے ۱۵۲۶ اور اسے تھوڑی سی قیمت

۲۱ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ○ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ

چند درہموں پر بیچ ڈالا اور وہ اس کے بارے میں بے رغبت تھے ۱۵۲۷ اور جس نے اسے مصر میں خریدا

مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ

تھا اس نے اپنی عورت سے کہا اسے عزت کی جگہ دو شاید وہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور اس طرح

مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ

ہم نے یوسف کو ملک میں معزز بنایا اور تا ہم اسے باتوں کے معنی سکھائیں اور اللہ

غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○

اپنے امر پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۱۵۲۸

(حاشیہ: ع ۳ / ۱۳ — یوسف کی استقامت بدوہ بہیت)

بضاعۃ۔ بضع

۱۵۲۶ بضاعۃ۔ مال کا وافر حصہ جو تجارت کے لئے رکھا جائے ھذہ بضاعتنا ردت الینا (۶۵) اور اس کا اصل بَضْع سے ہے جس کے معنی ہیں گوشت کا ٹکڑا جو کاٹا جائے اور حدیث میں ہے فاطمۃ بَضْعَۃٌ مِنّی یعنی فاطمہ گویا میرے جسم کا ٹکڑا ہے اور بِضْع وہ ہے جو دس سے کاٹا جائے یعنی تین سے ۹ تک پر بولا جاتا ہے (غ)۔

بِضْع

زاھد

۱۵۲۷ زاھدین۔ زھید بہت تھوڑی سی چیز کو کہتے ہیں اور الزاھد فی الشئ کے معنی ہیں اس کی طرف سے بے رغبتی دکھانے والا گویا اس کی طرف سے نہایت تھوڑی چیز پر راضی ہو جاتا ہے (غ) یہی معنی یہاں ہیں اور زُھد دین سے خاص ہے جو دنیا کی رغبت اور حرص کی ضد ہے (ل)۔ بائبل میں ہے کہ پہلے یوسف کے بھائیوں نے یوسف کو مدیانیوں (قافلہ والوں) کے ہاتھ بیچا پھر مدیانیوں نے اسے مصر میں جا بیچا۔ قرآن شریف سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ والے اسے چھپا کر لے گئے اور مصر میں جا بیچا اور ان لوگوں کو اس کے بارہ میں کچھ زیادہ رغبت نہ تھی۔

تمکین۔ مکانۃ

۱۵۲۸ مکنا۔ تمکین کے معنی ہیں مضبوطی اور قوت دینا اور اسباب تصرف دینا دیکھو ۹۰۶ مگر مکانۃ منزلۃ اور مرتبہ کو کہتے ہیں (ت) علاوہ ازیں اسباب تصرف دینے سے مراد بھی معزز بنانا ہی ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ خریداری وہ نہیں جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہے یہ اس صورت میں ہوگا جب پچھلی آیت میں فروخت کنندہ حضرت یوسف کے بھائی سمجھے جائیں یہاں حضرت یوسف کو ایک معزز عہدیدار کے ہاں مقام عزت ملتا ہے اور یہ انکے استحکام اور علم کی زیادتی کا موجب بن جاتا ہے۔ اللہ کا اپنے امر پر غالب آنا یہ ہے کہ وہ جس طرح پر چاہتا ہے ہوتا ہے کوئی اسکے امر کو روک نہیں سکتا اور یہ اشارہ ہے یوسف کو مقام عزت ملنے کیطرف کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حالت غلامی میں بھی

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَرَاوَدَتْهُ ۲۳

اور جب وہ اپنی بلوغت کو پہنچا ہم نے اسے حکم اور علم دیا اور اسی طرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ دیتے ہیں ۱۵۲۹ اور اس نے جیسے

الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ

گھر میں وہ تھا اسے اپنے ارادہ سے پھیرنا چاہا اور دروازے بند کر لئے اور کہا ادھر آؤ

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اس نے کہا اللہ کی پناہ (مانگتا ہوں) میرے رب نے میرے مقام کو بہت اچھا بنایا یقیناً ظالم کامیاب نہیں ہوتے ۱۵۳۰

اشد سے مراد

۱۵۲۹ اَشُدّ جسمانی مضبوطی اور روحانی مضبوطی دونوں پر بولا جاتا ہے مگر چونکہ سترہ سال کی عمر کے حضرت یوسف اس وقت تھے جب کنعان سے نکلے اس لئے جسمانی مضبوطی وہ اسی وقت حاصل کر چکے تھے اور یہاں جس اشد کا ذکر ہے وہ روحانی مضبوطی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ اب انہیں حکم اور علم عطا ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں روحانی بلوغ سے تعلق رکھتی ہیں اور آگے ذکر بھی ہے کہ اسی طرح احسان کرنے والوں کو ہم بدلہ دیتے ہیں حکم سے مراد یہاں بعض نے نبوت کو لیا ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ اس وقت تک انہیں تبلیغ کا ہی کوئی موقعہ نہ ملا تھا +

رَوْد۔ ارادۃ

۱۵۳۰ رَاوَدَتْهُ رَوْد کے معنی ہیں کسی چیز کی طلب میں نرمی سے تردد کرنا اور اِرَادَۃ اصل میں وہ قوت ہے جو شہوت اور حاجت اور امل سے مرکب ہو یعنی جس میں خواہش اور حاجت اور امید یا آرزو پائی جائے اور ارادہ کی ابتدا نفس کا کسی چیز کی طرف کھچنا ہے اور اس کی انتہا یہ ہے کہ حکم لگایا جائے کہ ایسا ہو یا ایسا نہ ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے متعلق ارادہ کا لفظ بولا جائے تو مراد اس سے

ارادہ الٰہی

منتہا ہوتا ہے یعنی ایک بات میں حکم لگانا جیسے ان اراد بکم سوء او اراد بکم رحمة (الاحزاب ۳۳-۱۷) یا اذا اراد اللہ بقوم سوء فلا مردلہ (الرعد ۱۳-۱۱) اور انسان میں ارادہ عموماً نفس کا کسی چیز کی طرف کھچنا ہے اور کبھی اس سے مراد قصد یا طلب کرنا ہوتا ہے جیسے لا یریدون علوا فی الارض (القصص ۲۸-۸۳) اور ارادہ جس طرح قوت اختیاری سے ہوتا ہے کبھی قوت تسخیری اور حسی سے ہوتا ہے یعنی بے جان چیزوں پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسے جدارا یرید ان ینقض (الکہف ۱۸-۷۷) اور حیوانات پر بھی بولا جاتا ہے اور مُرَاوَدَۃ (جس سے یہاں فعل ماضی آیا ہے) یہ ہے کہ تم اپنے غیر سے ارادہ میں جھگڑا کرو اور جو وہ ارادہ کرتا ہے اسکے خلاف

مُرَاوَدَۃ

ارادہ کرو یا جس چیز کو وہ طلب کرتا ہے اسکے خلاف طلب کرو اور راودتہ عن نفسہ کے معنی ہیں تَصْرِفُهٗ عَنْ رَأْيِهٖ یعنی اسکو اپنی رائے سے یا ارادہ سے پھیرنا چاہا (غ)

غلق۔ تغلیق

غَلَّقَتْ۔ غَلْق کے معنی بند کرنا اور اِغْلَاق یا تَغْلِیْق (جس سے یہاں فعل ہے) کثرت سے بند کرنا یعنی بہت دروازوں کا بند کرنا یا بار بار بند کرنا (غ) +

ھیت

ھیت۔ اور ھلم کے معنی قریب قریب ہیں یعنی آؤ (غ)، ھَيْتَ لَكَ۔ اَقْبِلْ یعنی آگے آؤ (ل)، بعض نے اسے عبرانی سریانی وغیرہ کہا ہے مگر مجاہد کہتے ہیں کہ یہ عربی ہے (ل) +

عصمت یوسف

قرآن کریم نے جو لفظ اختیار کئے ہیں ان سے حضرت یوسف کے ارادہ عصمت کی مضبوطی پر کافی شہادت ملتی ہے کیونکہ راودت میں یہ بتایا کہ اس عورت کا ارادہ یوسف کے ارادہ کے خلاف تھا اور عن نفسہ میں اور بھی اس کو موکد کیا ہے حضرت یوسف نے اس عورت کی تمام کارروائیوں اور ارادوں کا ایک ہی جواب دیا ہے معاذ اللہ۔ معلوم ہوا کہ آپ کے ارادہ عصمت میں ادنیٰ جنبش بھی نہیں آئی انہ ربی سے مراد بعض نے اس عورت کا خاوند لیا ہے مگر ایک متقی آدمی کے منہ میں ربی سے مراد اللہ تعالیٰ ہی لینا

۲۴ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ

اور اس عورت نے اس کا قصد کیا اور وہ بھی اسکا قصد کرتا اگر وہ اپنے رب کیطرف سے روشن دلیل نہ دیکھ چکا ہوتا یوں ہوا تاکہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو

۲۵ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ

پھیر دیں بیشک وہ ہمارے خالص کئے گئے بندوں میں سے تھا ۱۵۳۱ اور وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت

قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا

نے اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں نے اسکے خاوند کو دروازہ پر پایا۔ عورت بولی اس کی کیا سزا ہے جو تیری عورت سے برا ارادہ کرے

بہتر ہے۔ اور یہی جگہ دینا بھی حضرت یوسف عزیز کی طرف منسوب نہیں کر سکتے کیونکہ وہ محض ایک واسطہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو حقیقی سبب ہے کیونکہ عزیز کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ہی یوسف کی عزت کی طرف پھیرا کس قدر کامل ایمان ہے کہ فرماتے ہیں اگر میں ایسا کام کروں تو یہ ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں ہوتا۔ ایسے موقعہ پر جہاں تنہائی ہو۔ ایک عورت جو مالکہ ہے اپنے غلام کو اپنی طرف بلائے دروازے بند ہیں حضرت یوسف کا عصمت کے بلند مقام پر کھڑا ہونا اس ذکر کے پڑھنے والوں کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا روحانی سبق ہے اور حقیقت میں اگر عزیز مصر کی عورت نے حضرت یوسف کو مقام عصمت سے پھیرنے کی کوشش کی تو قریش مکہ نے بھی آنحضرت صلعم کو جن کو وہ امین جانتے اور کہتے تھے۔ مقام عصمت سے ہٹانے کیلئے خوبصورت سے خوبصورت عورت دینے کا لالچ دیا جس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ دنیا کی حکومت اور دولت اور خوبصورتی کیا حقیقت رکھتی ہیں اگر سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تو بھی میں اپنے مقام کو نہ چھوڑوں ٭

عصمت آنحضرت

۱۵۳۱ وھم بہا لولا ان را برھان ربہ۔ لسان العرب میں ابو عبیدہ کا قول منقول ہے کہ یہ تقدیم و تاخیر ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ لولا ان را برھان ربہ لھم بہا اگر یوسف اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ چکا ہوتا تو اس کا قصد کرتا۔ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ حضرت یوسف معصیت کا خیال دل میں لائے تھے۔ اور حضرت ابن عباس سے بھی کچھ ایسے اقوال منقول ہیں۔ مگر یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی پہلی آیت اس کے خلاف ہے اور جو کچھ وہاں فرمایا ہے۔ اسی کی مزید تشریح یہاں ہے وہاں مراودۃ کا ذکر تھا یعنی اس عورت کا یوسف کو اپنے ارادہ اور راستے سے پھیرنے کی کوشش کرنا اسی کوشش کا ذکر ولقد ھمت بہ میں ہے۔ مگر اس مراودۃ یا اس عورت کی کوشش کا نتیجہ وہاں بتایا تھا قال معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای انہ لا یفلح الظالمون یہاں فرمایا وھم بہا لولا ان را برھان ربہ اگر حضرت یوسف کے دل میں کوئی خیال معصیت کا آتا تو قرآن کریم آپ کی طرف الفاظ معاذ اللہ منسوب نہ کرتا۔ اور پھر دوسری جگہ خود اس عورت کی شہادت حضرت یوسف کی عصمت پر موجود ہے ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم (۳۲) میں نے اس کو اس کے ارادہ سے پھیرنا چاہا مگر وہ مضبوط رہا اور عصمت اختیار کی یہاں صرف مراودۃ اور اس کے محفوظ رہنے کا ذکر ہے اگر کوئی اور واقعہ بھی ہوا ہوتا جیسا کہ ان مفسرین نے خیال کر لیا ہے جنہوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جلس منہا مجلس الرجل من امراتہ تو وہ عورت یوسف کے معصوم ہونے کی شہادت نہ دیتی جہاں کہیں اس واقعہ کا ذکر ہے دو ہی باتوں کا بیان ہے عورت کی کوشش اور یوسف کا بچا رہنا۔ جب دوسری عورتوں نے یوں شہادت دی حاش للہ ما علمنا علیہ من سوء تو اس عورت نے بھی یہی کہا الئن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین (۵۱) نہ دوسری عورتیں یوسف میں کسی ادنیٰ بدی کے خیال کی شہادت دیتی ہیں نہ عزیز

یوسف کے دل میں بدی کا خیال بھی نہیں گزرا

إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ ۲۶

سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا (اور) دردناک ہو (یوسف نے) کہا اس نے مجھے میرے ارادہ سے پھیرنا چاہا اور اسکے لوگوں میں سے ہی

مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہو تو وہ سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے [۱۵۳۲]

وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَلَمَّا ۲۷ ۲۸

اور اگر اسکی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہو تو وہ جھوٹی ہے اور وہ سچوں میں سے ہے سو جب

رَأَى قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝

اس نے اسکی قمیص کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو کہا یہ تم عورتوں کی چال ہے بلا شبہ تمہاری چال بڑی بھاری ہے

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝ ع ۲۹

یوسف! اس سے درگزر کر اور (اے عورت) اپنے قصور کی معافی مانگ کیونکہ تو خطاکاروں میں سے ہے ۔

کی عورت وہی صدق جو پہلے قرائن سے ظاہر ہو چکا اب خود عزیز کی عورت اس کا کھلا اعتراف کرتی ہے غرض یہ خیال کہ حضرت یوسف نے اس عورت سے ارادۂ بد کیا تھا بالکل باطل اور قرآن کریم کے مخالف ہے حل سا دلیل تک نوبت پہنچنے سے پہلے بہت سے مبادی ہوتے ہیں جو انسان ان میں مبتلا ہو جائے وہ معصوم نہیں کہلا سکتا ۔ نہ ہی جب وہ اپنی بریت کا اظہار کرے تو اسے صادق کہا جا سکتا ہے اور خود اس آیت میں ہے کذٰلك لنصرف عنه السوء والفحشاء جہاں ظاہر ہے کہ فحشاء بیحیائی کے فعل کا ارتکاب ہے خواہ وہ زنا ہو یا مبادی زنا اور سوء بیحیائی کا خیال دل میں لانا ہے پس اللہ تعالیٰ حضرت یوسف سے نہ صرف زنا اور ہر قسم کے مبادی زنا کی نفی کرتا ہے بلکہ ان گندے خیالات کے آپ کے پاک دل میں آنے کی بھی نفی کرتا ہے ۔ اور ھم بہا لولا ان رأ برھان ربہ کی جس طرح ترکیب ہے ایسے ہی دوسری جگہ ہے ان کادت لتبدی بہ لولا ان ربطنا علیٰ قلبہا (القصص ۲۸ - ۱۰) یعنی حضرت موسیٰ کی والدہ اسبات کو ظاہر کر دیتی اگر ہم نے اس کا دل مضبوط نہ کر دیا ہوتا اور روح المعانی میں ہے کہ جواب کا شرط پر مقدم ہونا ممتنع نہیں تاہم اسکی ترکیب ایسی ہی جیسے عرب کہتے ہیں انت ظالم ان فعلت کذا جہاں ظلم کا اثبات نہیں بلکہ نفی ہے اسی طرح یہاں حضرت یوسف کے ھم کی نفی ہے اور تفسیر بحر المحیط میں ہے کہ بعض لوگوں نے یوسف کیطرف وہ بات منسوب کی ہے جو ایک فاسق کیطرف بھی منسوب نہیں کیجا سکتی حالانکہ حضرت یوسف سے ھم کے واقع ہونیکا نہیں بلکہ اسکی نفی کا ذکر ہے

برھان ربہ سے مراد — برھان ربہ کو کسی نے حضرت یعقوب کا بطور تمثل نظر آنا اور نصیحت کرنا کہا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس عورت نے اپنے بت پر پردہ ڈالا تو حضرت یوسف نے کہا کہ اگر تجھے اس پتھر سے شرم آتی ہے جو نہ سنتا ہے نہ عقل رکھتا ہے تو میں اپنے خدا سے شرم نہ کروں جو ہر وقت اور ہر حال میں دیکھتا ہے ۔ اور بعض نے کہا کوئی تحریر سامنے آگئی یا جبرئیل نے آکر روک دیا مگر قرآن شریف نے خود اس دلیل کا ذکر پہلی آیت میں کیا ہے انہ ربی احسن مثوای انہ لا یفلح الظالمون اور یہی وہ برھان رب تھی جس نے حضرت یوسف کو بچا لیا یعنی اُن کا کامل ایمان اللہ تعالیٰ پر اور اس کی ربوبیت پر ۔ اور اس بات پر کہ ظالم کو فلاح نہیں ملتی ۔

شاہد کون تھا — [۱۵۳۲] یہ شاھد بعض کے نزدیک ایک چھوٹا بچہ تھا اور بعض کے نزدیک دانا عمر رسیدہ آدمی دونوں قسم کے اقوال ابن کثیر میں

ع ٦ / ۱۴ یوسف کا قید میں پڑنا

۳۰ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ

اور شہر میں عورتوں نے کہنا شروع کیا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو اس کے ارادہ سے پھیرنا چاہتی ہے اس کی محبت اسکے دل میں بیٹھ گئی ہے

۳۱ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ

ہم اسے کھلی گمراہی میں پاتی ہیں ۱۵۳۳ جب اس نے ان کی چال سنی انکو بلوا بھیجا اور ان کیلئے کھانا تیار کیا

مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ

اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دی اور (یوسف کو) کہا ان کے سامنے باہر آ۔ سو جب انہوں نے اسے دیکھا اسے بہت بڑا سمجھا اور

قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۫ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۞

اپنے ہاتھ کاٹے اور کہا اللہ عیب سے پاک ہے یہ انسان نہیں یہ تو ایک بزرگ فرشتہ ہے ۱۵۳۴

اور ابن جریر میں موجود ہیں اس کی گواہی اسی قدر تھی کہ اس نے ایک مضبوط قرینہ کی طرف توجہ دلائی یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرائن کی شہادت بھی مقدمات کے فیصلہ کیلئے کافی ہو جاتی ہے ۔ (قرائن کی شہادت)

(قرآن کریم اور بائبل میں فرق) قرآن کریم نے بڑی وضاحت سے حضرت یوسف کی بریت یہاں بھی کی ہے اور آگے چل کر بھی مگر بائبل میں صرف اس قدر ذکر کرکے کہ جب عزیز کی عورت نے اسے بلایا تو وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا (پیدائش ۳۹-۱۲) بریت کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اسی جرم کی بنا پر اسے قید کیا جاتا ہے۔ اور پیراہن چھوڑ کر بھاگنے کا واقعہ اس جرم میں تائیدی شہادت بن جاتا ہے اور اس الزام سے حضرت یوسف کی قطعاً کوئی صفائی نہیں ہوتی۔ یہ کتاب کیونکر اخلاق فاضلہ سکھا سکتی ہے جس میں ایک پاک انسان پر تہمت کا ذکر کرکے اسے اس تہمت سے بری نہیں کیا جاتا اور اس سے پہلے باب میں اسی کتاب پیدائش میں حضرت یوسف کے ایک بھائی یہوداہ کے متعلق ایک نہایت گندے اور فحش قصے کا ذکر کیا ہے جو اگر کسی ناول میں بھی ہوتا تو اسے پڑھنے کے ناقابل قرار دیا جاتا مگر بائبل باوجود ان گندے قصوں کے کتاب مقدس کہلاتی ہے اور قرآن کریم کو باوجود اس کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم کے رد کیا جاتا ہے ۔

(مدینۃ) **۱۵۳۳** مدینۃ۔ مَدَنَ بالمکان کے معنی ہیں مکان میں ٹھہرا اور اسی سے مَدِیْنَۃ ہے جس کے معنی شہر ہیں اور مدینۃ اس قلعہ کو بھی کہتے ہیں جو کسی زمین کے وسط میں بنایا جائے اور اس زمین کو بھی جس میں ایسا قلعہ بنایا جائے اور بالخصوص یہ لفظ نبی کریم صلعم کے شہر پر بولا جاتا ہے اور جب اسکی طرف کسی چیز کو منسوب کیا جائے تو مَدَنِی کہا جاتا ہے اور عام معنی میں مدینۃ کیطرف منسوب ہو تو مَدِیْنِی (مدنی)

(العزیز) العزیز۔ عزیز۔ غالب کو کہتے ہیں اور بادشاہ کو اور مصر کے بادشاہوں کا یہ خطاب تھا (ت)۔ مگر یہاں بادشاہ مراد نہیں اسلئے کہ اس کا ذکر لفظ مَلِکْ میں الگ آتا ہے بلکہ اسکے عظیم الشان امرا میں سے ایک مراد ہے جس کے سپرد کل کاروبار سلطنت کا انصرام معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب یہی حیثیت حضرت یوسف کو ملتی ہے تو پھر اسے اسی خطاب العزیز سے پکارا جاتا ہے۔ بائبل میں اس کا نام فوطیفار لکھا ہے جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا رئیس تھا ۔

(شغف) شغف۔ شَغَاف۔ غلافُ القلب یا دل کے پردے کا نام ہے۔ اور شغفہا حبا کے معنی ہیں کہ اس کی محبت اسکے دل کے پردے کے نیچے داخل ہو گئی یا اسکے دل پر غالب آگئی (ل)۔

(مکر) **۱۵۳۴** بمکرھنّ۔ مَکْر باریک تدبیر کو کہتے ہیں عورتوں کی گفتگو کو جو انہوں نے عزیز کی عورت کے متعلق کی مکر اس لئے کہا کہ

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۳۲

(عزیز کی عورت نے) کہا یہ وہی ہے جس کے بارہ میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں

کہ انہوں نے اسے یوسف کے دیکھنے کا حیلہ بنایا اور یا ان کی غیبت اور بری باتوں کے ذکر کو مکر اس لئے کہا کہ اخفا میں وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ مکر سے مراد یہ ہو کہ انہوں نے کہلا بھیجا ہو کہ ہم ایک تجویز کرتے ہیں جس سے یوسف کو قابو میں لایا جا سکتا ہے اور اسی غرض کیلئے انہیں بلایا گیا ہو اس صورت میں پچھلی آیت کے آخر پر ضلال مبین یا صریح غلطی سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے ٹھیک طریق اس غرض کے حصول کا اختیار نہیں کیا مثلاً یہ کہ اسے چاہئے تھا کہ پہلے یوسف کو کسی اور کی معرفت اس بات پر راضی کر لیتی۔

تَوَکَّأَ — مُتَّکَأً: تَوَکَّأَ اور اِتَّکَأَ (مادہ وکاء ہے) کے معنی ہیں ٹیک لگائی جیسے عَصَایَ اَتَوَکَّؤُا عَلَيْهَا (طٰہٰ ۲۰ - ۱۸) عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ (یٰسٓ ۳۶ - ۵۶) اور مُتَّکَأً تکیہ وغیرہ کو بھی کہتے ہیں اور طعام یا کھانے کو بھی کہتے ہیں اس لئے کہ کھانے کیلئے ٹیک لگائی جاتی تھی اور اس اُمت کو ٹیک لگا کر کھانے سے منع کیا گیا ہے اور بعض نے مُتَّکَأً کے معنی مجلس بھی کئے ہیں (ل) اور ترنج بھی اس کے معنی ہیں (غ) اور ان سب کے مطابق ابن جریر میں روایات بھی موجود ہیں۔

سکّین: سکین۔ سکن سے ہے چھری کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اس چیز کو جسے اس سے ذبح کیا جائے حالت سکون میں کر دیتی ہے (ل)

اَکْبَرْ: اکبرت۔ اَکْبَرْتُ الشَّیْءَ کے معنی ہیں رَأَیْتُہٗ کَبِیْرًا اسے بڑا دیکھا (غ)۔

حاش للہ: حَاشَ لِلّٰہِ کے معنی بُعْدًا لَّہٗ اور تنزیہ کے طور پر اس کا استعمال ہوتا ہے (غ) یعنی ہر ایک عیب اللہ سے دور ہے۔

عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا واقعہ: عورتوں کا یوسف کو یکا یک دیکھ کر جب وہ کھانے میں مصروف تھیں اور اس غرض کیلئے ان کے ہاتھوں میں چھریاں تھیں حیرت زدہ ہو جانا اور اپنے ہاتھوں کو کاٹ لینا کوئی ایسا تعجب انگیز واقعہ نہیں جس کا انکار کیا جائے۔ ہاں ہاتھوں کے کاٹنے سے مراد یہاں یہ نہیں کہ ہاتھ کٹ کر الگ ہو گئے تھے بلکہ چھری سے ان پر زخم ہو جانا مراد ہے اور گو یہ مجاز ہے مگر مفسرین نے بھی عموماً اسی معنی کو ترجیح دی ہے یہاں تک کہ عکرمہ سے ایک معنی مروی ہیں کہ ہاتھوں کو نہیں بلکہ آستینوں کو کاٹ لیا تھا۔ اور مجاز کے رنگ میں ہی یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حیرت سے اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا جیسا غضب کے وقت انگلیوں کے کاٹنے کا محاورہ ہے عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (آل عمران ۳ - ۱۱۸) اور ان کا یہ کہنا کہ یہ بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہے صرف حسن صورت کے لحاظ سے نہیں بلکہ عصمت پر مضبوطی کے لحاظ سے یہ لفظ زیادہ موزون ہیں اور قرین قیاس ہے کہ حضرت یوسف نے اس حسن و زینت کے مجمع کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا جس پر انہیں اور بھی زیادہ تعجب ہوا۔ ایک دوسری توجیہ ان الفاظ کی وہ بھی ہو سکتی ہے جس کی طرف لفظ

عورتوں کی چالبازی: مکر کی تشریح میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی عزیز کی عورت نے ان کو ایک چال کرنے کیلئے بلایا تھا اور وہ تجویز انہوں نے اسے پہلے بتا دی ہو گی اس لئے دعوت کا سامان تیار کر کے چھریاں وغیرہ ان کے ہاتھ میں دیدیں اور یوسف کے نکلنے پر ان سب نے یا بعض نے چھریوں کو عمداً ہاتھوں پر لگا لیا اور پھر یوسف پر زور ڈالا کہ یہ واقعہ تمہارے خلاف بطور شہادت ہو جائے گا ورنہ تم عزیز کی عورت کی بات مان لو۔ اور پھر بھی جب حضرت یوسف نے انکار ہی کیا تو وہ بول اُٹھیں کہ یہ بشر نہیں جو کسی بات کی پروا بھی نہیں کرتا بلکہ فرشتہ ہے اس صورت میں اگلی آیت میں لمتننی فیہ سے مراد ہو گی کہ تم مجھے ملامت کرتی تھیں کہ میں اسے راضی نہیں کر سکی اب تم نے بھی زور لگا کر دیکھ لیا مزید تشریح کیلئے دیکھو ۱۵۳۳۔

ان واقعات کا ذکر بھی بائبل میں نہیں مگر جس مقام عصمت کو حضرت یوسف کے بیان میں ظاہر کرنا مقصود ہے اسکی اصل غرض حاصل نہیں ہوتی جبتک کہ یہ نہ دکھایا جائے کہ ایک ہی عورت نہیں بلکہ کل شہر کے اعلیٰ سے اعلیٰ خاندانوں کی حسین عورتیں حضرت یوسف کو اپنے مقام عصمت سے ایک بال برابر ادھر اُدھر نہیں کر سکیں۔ اسی بلند مقام پر ہر مسلم کو پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ سبق بائبل کے قصہ سے نہیں ملتا

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا

اور میں نے اسے اس کے ارادہ سے پھیرنا چاہا مگر یہ بچا رہا اور اگر جو میں حکم دوں اسے نہ کیا تو اسے ضرور قید کر دیا جائیگا اور وہ

۳۳ مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا

ذلیل لوگوں میں سے ہوگا ۱۵۳۵ (یوسف نے) کہا میرے رب قید مجھے اس سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو

تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ○

انکی چال کو مجھ سے نہ پھیرے تو میں انکی طرف مائل ہو جاؤنگا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤنگا ۱۵۳۶

استعصام

۱۵۳۵ استعصم یعنی اس چیز کو طلب کیا جو اسے بچائے رکھے (غ)، یا حالت عصمت میں رکھے۔

عزیز کی عورت نے حضرت یوسف کو ان سب کے سامنے دھمکی دی کہ اگر وہ اس کی ناجائز خواہش کو پورا نہ کرے گا تو ذلیل کر دیا جائیگا اور قید کر دیا جائیگا۔ اور یہ کہہ کر کہ اس کے بارہ میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں ان کی ہمدردی کو اپنی طرف مائل کیا ہے۔

صبا

۱۵۳۶ اصب صَبَا کے معنی ہیں نَزَعَ واشْتَاقَ وفَعَلَ فِعْلَ الصِّبْيَان یعنی ایک چیز کی طرف کھچا چلا گیا اور مشتاق ہوا اور لڑکوں کا سا کام کیا کیونکہ صَبِيّ لڑکے کو کہا جاتا ہے۔

عورتوں کا یوسف پر دباؤ ڈالنا

یہاں ان عورتوں کے سارے مشوروں کا ذکر نہیں جو اس وقت انہوں نے کئے یا جو کچھ حضرت یوسف کو کہا مگر مما یدعوننی الیہ اور کیدھن سے صاف ظاہر ہے کہ ان عورتوں نے حضرت یوسف کو کسی بات کیلئے کہا ہے اور کوئی چال چلی ہے جس سے حضرت یوسف کو سخت فکر ہوا ہے اب بلانے والی ایک نہیں اور نہ چال چلنے والی اکیلی عزیز کی عورت ہے بلکہ یہ عورتیں بھی اس چال میں شامل ہو گئی ہیں اور وہ بھی کسی رنگ میں حضرت یوسف کو اسی بات کی طرف بلاتی ہیں جس کی طرف عزیز کی عورت نے بلایا تھا۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ عورتیں عزیز کی عورت کے منشا کو پورا کرنے میں معاون ہو گئیں اور انہوں نے ہاتھوں کے کاٹنے کو اس بات کی طرف منسوب کیا ہے کہ حضرت یوسف نے ان کی عفت پر حملہ کیا ہے اور ان کے ہاتھوں وغیرہ پر اس وجہ سے زخم آگئے ہیں۔ اس لئے باوجود اس بات کے کہ عزیز اپنی بیوی کے معاملہ میں مطمئن ہو چکا تھا کہ قصور عورت کا ہے حضرت یوسف کو قید کیا جاتا ہے دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف کو جب قید خانہ سے رہائی کا حکم جاتا ہے تو وہ اپنی بریت سے پیشتر اس سے نکلنا پسند نہیں کرتے اور اس بریت کیلئے عزیز کی عورت کی طرف سے بریت نہیں چاہتے بلکہ یوں کہتے ہیں ما بال النسوۃ التی قطعن ایدیھن ان ربی بکیدھن علیم (۵۰) ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے میرا رب ان کی چال سے خوب واقف ہے جس سے ظاہر ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا واقعہ یا تو فی الواقع کوئی چال تھی یا اسے بطور ایک چال کے استعمال کیا گیا۔ اور ان عورتوں کا جواب ما علمنا علیہ من سوء (۵۱) ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں پائی یوسف کی بریت کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کی طرف سے کسی برائی کا الزام پہلے دیا گیا تھا۔ قرآن کریم کی یہ صراحت صاف بتاتی ہے کہ اس موقعہ پر ان عورتوں نے یا تو عمداً ہاتھ کاٹے تھے۔ اور یا اگر استعجاب میں ہاتھ کٹ گئے تھے تو اسی واقعہ کو یوسف کے خلاف ایک نئے الزام کی صورت میں کھڑا کیا گیا۔ اور اس موقعہ پر حضرت یوسف کو بتا یا گیا کہ عزیز کی عورت کی خواہش کو

مصیبت پر قید

پورا کرو ورنہ جیلخانہ میں جانا ہوگا۔ اسی پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ یعنی قید خانہ کو ختیار کرنا آسان ہے۔ اور معصیت میں پڑنا مشکل ہے۔ اسی ایمان پر اللہ تعالیٰ ہر مسلم کو قائم کرنا چاہتا ہے کہ معصیت اسے قید سے اور ہلاکت سے بڑی مصیبت معلوم ہو

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ ۳۴

سو اسکے رب نے اس کی دعا قبول کی اور انکی چال کو اس سے پھیر دیا بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے پھر اس کے بعد کہ وہ

مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ۧ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ ۳۶

ع ۷ / ۱۵ — یوسف کا حالت قید میں وعظ کرنا

نشان دیکھ چکے تھے ان کا خیال یہی ہوا کہ اسے ایک وقت تک قید کر دیں ۱۵۳۷ اور اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان داخل ہوئے

قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ

ان میں سے ایک نے کہا میں نے اپنے آپکو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھا ہے اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے

خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ ۳۷

ہوئے ہوں جن میں سے پرند کھا رہے ہیں ہمیں اس کی تعبیر بتا کیونکہ ہم تجھے نیکوکاروں میں سے دیکھتے ہیں ۱۵۳۸ اس نے کہا

لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا

جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے تمہارے پاس آنا نہیں پائیگا کہ میں اسکی تعبیر تمہیں بتا دونگا قبل اسکے کہ وہ (کھانا) تمہارے پاس آئے۔ یہ اس سے ہے

مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

جو میرے رب نے مجھے سکھایا کیونکہ میں نے اس قوم کے مذہب کو چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں ۱۵۳۹

۱۵۳۷ آیات یا نشانوں سے مراد حضرت یوسف کی بریت کے نشان ہیں۔ باوجود اس کے کہ قرائن کی شہادت سب حضرت یوسف کے حق میں تھی مگر چونکہ معاملہ قومی تھا اس لئے حضرت یوسف کو قید کر دیا۔

۱۵۳۸ دونوں قیدی جب حضرت یوسف کے پاس رہ کر نیکی کو دیکھتے ہیں تو اپنی خوابیں آپ کے پاس بیان کرتے ہیں۔

بائبل اور قرآن

۱۵۳۹ چونکہ انہوں نے خود کہا تھا کہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں اس لئے حضرت یوسف نے اول ان کو نصیحت شروع کی کہ شاید وہ بھی اصلاح کی راہ پر آ جائیں۔ بائبل میں یہ حصہ بھی مفقود ہے اور صرف خوابوں اور خوابوں کی تعبیر کا ذکر ہے ایک ایک قدم پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے کس طرح حضرت یوسف کے ذکر کو مفید نصائح سے بھر دیا ہے حالانکہ بائبل میں یہ ایک خشک کہانی ہے اور یوں بتا دیا ہے کہ زندان کے پتھر کی دیواریں بھی انسان کو نیکی سے نہیں روک سکتیں جو اس کی زندگی کی اصل غرض ہے۔ اور یہ جو شروع میں کھانے کا ذکر کیا ہے تو مراد یہ نہیں کہ کھانے کی کیفیت بتا دوں گا بلکہ تاویلہ سے مراد خواب کی تعبیر ہی ہے جو انہوں نے دریافت کی ہے۔ مگر چونکہ آپ ان کو کچھ وعظ کرنا چاہتے تھے اور وہ بیدار وعظ سے جلدی اکتا جاتے ہیں اس لئے فرمایا کہ تمہارا بڑا کام تو اب کھانے سے پیٹ بھرنا ہے سو اس سے پہلے پہلے میں تمہیں تعبیر بھی بتا دوں گا اور نصیحت کو بھی ختم کر دوں گا۔

۳۸ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ

اور میں اپنے بزرگوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب کا پیرو ہوں ہمیں مناسب نہیں کہ کسی چیز کو بھی اللہ کے ساتھ شریک

شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝

بنائیں یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ۱۵۴۰

۳۹ / ۴۰ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ؕ مَا

اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! کیا الگ الگ خداوند اچھے ہیں یا اللہ (جو) اکیلا سب پر غالب (ہے) ۱۵۴۱ اسے

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ

چھوڑ کر تم صرف ناموں کی پوجا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل

سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ

نہیں اُتاری حکم اللہ کے سوا اور کسی کا نہیں اس نے حکم دیا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہ سیدھا دین ہے لیکن

۴۱ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ

اکثر لوگ نہیں جانتے ۱۵۴۲ اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائیگا

وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ

اور دوسرا صلیب دیا جائیگا تو پرند اسکے سر سے (نوچ کر) کھائیں گے اس بات کا فیصلہ ہو چکا جس کے متعلق تم

۴۲ تَسْتَفْتِیٰنِ ۝ؕ وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ

دریافت کرتے ہو اور اسے جس کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ ان دونوں میں سے رہائی پا جائیگا کہا میرا ذکر اپنے آقا کے پاس کرنا

۱۵۴۰ یہاں صرف اصل اصول مذہب کا ذکر ہے یعنی توحید باری جو سب مذاہب میں یکساں ہے پس مراد یہ ہے کہ جو اصول ان کے مذہب کے ہیں وہی میرے مذہب کے اصول ہیں ۔

مشرک کی حالت

۱۵۴۱ گویا شرک کرنے والا مختلف آقاؤں کی غلامی اختیار کرتا ہے اور مختلف آقاؤں کا غلام کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا اللہ سب پر غالب ہے پس جو اس کی غلامی اختیار کرتا ہے اسکو اور کسی کی احتیاج نہیں رہتی ۔

۱۵۴۲ اسماء سے مراد یہاں صرف الفاظ ہیں جن کے نیچے حقیقت کوئی نہیں ان الحکم الا للہ میں بتایا کہ وہی حکم درست ہے جو اللہ دے اور اللہ نے آج تک اپنے کسی نبی کے ذریعہ سے یہ حکم نہیں دیا کہ خدا کے سوائے اوروں کی بھی پرستش کرو بلکہ وہ ہمیشہ ہی حکم دیتا رہا ہے کہ اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو ۔

ع۶ — شاہ مصر کا خواب اور اس کی تعبیر

فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي ۴۲

مگر شیطان نے اسے اپنے آقا کے پاس ذکر کرنا بھلا دیا سو (یوسفؑ) کئی سال قید خانہ میں پڑا رہا ۱۵۴۳ اور بادشاہ نے کہا میں نے

أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ

سات موٹی گائیں دیکھی ہیں انہیں سات دُبلی گائیں کھا گئی ہیں اور سات سبز خوشے اور (سات)

يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ۝ قَالُوا ۴۴

اور خشک اے اہل دربار میرے خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر کر سکتے ہو ۱۵۴۴ انہوں نے کہا

أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ۝

پریشان خواب ہیں اور ہم (ایسے) خوابوں کی تعبیر سے واقف نہیں ۱۵۴۵

۱۵۴۳ ذکر ربہ میں اضافت ادنیٰ ملابست سے ہے اور مراد ہے ذکر یوسف عند ربہ یہ درخواست استعانت غیر اللہ میں داخل نہیں بلکہ چونکہ انہوں نے آپ کی نیکی کو دیکھ کر خود اعتراف کیا تھا اس لئے آپ نے یہی چاہا کہ یہی شہادت وہ بادشاہ کے دربار میں بھی ادا کر دے تا اسے معلوم ہو جائے کہ یوسف پر ناحق الزام لگایا گیا ہے +

سِمَان۔ أَسْمَن — ۱۵۴۴ سِمَان۔ سَمِین کی جمع ہے اور سِمَن ہُزال کی ضد ہے یعنی فربہی اور لاغری۔ اور أَسْمَن کے معنی اسے موٹا کر دیا لا یسمن و لا یغنی من جوع (الغاشیۃ ۸۸-۷) اور سَمِن گھی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ موٹا کرتا ہے (غ)

اعجف — عِجَاف۔ أَعْجَف اور عَجْفَاء کی جمع ہے۔ جو ہُزال سے بہت پتلا ہو گیا ہو +

یابس۔ اخضر — خُضر۔ أَخْضَر کی جمع ہے۔ سبز۔ یابس۔ یَبَس سے ہے جس کی رطوبت جاتی رہی ہو (غ) +

عبر۔ عبور — تعبرون۔ عَبْر کے معنی ہیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز۔ پھر پانی پر سے گزرنے سے عبور مخصوص ہے

تعبیر — اور تعبیر رویا سے خاص ہے اور رویا کے لئے تاویل کا لفظ بھی بولا جاتا ہے مگر یہ عام لفظ ہے دوسری جگہ بھی بولا جاتا ہے گویا رویا کے ظاہر سے باطن کی طرف گزرنا ہے عبرۃ وغیرہ کے لئے دیکھو ۳۸۴ +

ضغث — ۱۵۴۵ اضغاث۔ ضِغْث کی جمع ہے۔ اور ضَغَثَ ایک چیز کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملا دینا ہے اور ضَغَثَ الحدیث کے معنی ہیں بات کو خلط ملط کر دیا اس لئے ایسی خوابیں جو بوجہ پریشانی کے ایک دوسرے سے مل گئی ہوں ان کو اضغاث کہا جاتا ہے جن کی اختلاط کی وجہ سے تعبیر نہیں ہو سکتی (ل) +

حِلم — احلام۔ حِلْم کے معنی ہیں غضب کے ہیجان سے نفس اور طبیعت کا ضبط میں رکھنا اور اس کی جمع بھی اَحلام آتی ہے

حُلم — ام تامرہم احلامہم بھذا (الطور ۵۲-۳۲) جہاں مراد عقل ہے گو حِلم کے اصل معنی عقل نہیں اور حُلْم اور حُلُم کی جمع بھی اَحلام

حلم اور رویا میں فرق — ہے جس کے معنی خواب ہیں اور حُلُم بلوغت کو بھی کہتے ہیں واذا بلغ الاطفال منکم الحلم (النور ۲۴-۵۹) اور حُلم بمعنی خواب اور رویا میں فرق یہ ہے کہ ابتداً زبان عرب میں دونوں خواب پر بولے جاتے تھے مگر شارع علیہ السلام نے رویا کو اچھے خواب سے اور حلم کو بُرے خواب سے مخصوص قرار دیا جیسا کہ فرمایا الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان رویا اللہ کی طرف سے ہے اور حلم شیطان کی طرف سے ہے اور اسی سے احتلام ہے (ل) یہی فرق قرآن کریم نے بھی رکھا ہے کیونکہ بادشاہ اپنے خواب کو رؤیا کہتا ہے اور اہل دربار اسے احلام قرار دیتے ہیں +

۴۵ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ○

اور اس نے جو ان دونوں (قیدیوں) میں سے رہا ہوا تھا کہا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا میں تمہیں اسکی تعبیر بتا دونگا مجھے جانے دو ۱۵۴۶

۴۶ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

یوسف اے صدیق ہمیں سات موٹی گائیوں کی تعبیر بتاؤ جنہیں سات دُبلی (گائیں) کھا گئی ہیں

وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ○

اور سات سبز خوشے ہیں اور (سات) اور خشک تاکہ میں لوگوں کی طرف لوٹ کر جاؤں تاکہ وہ جان لیں

۴۷ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ

(یوسف نے) کہا تم حسب معمول سات سال کھیتی کروگے تو جو کچھ کاٹو اسے اپنے خوشہ میں ہی رہنے دو

۴۸ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ○ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ

سوائے تھوڑے کے جس سے تم کھاؤ ۱۵۴۷ پھر اس کے بعد سات سخت (سال) آئینگے وہ سب کچھ

يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ○

کھا جائینگے جو تم نے ان کیلئے پہلے سے جمع کیا ہو سوائے تھوڑے کے جو تم محفوظ کرلو ۱۵۴۸

اِدَّکر — ۱۵۴۶ ادّکر۔ اصل میں اِذْتکر ہے یعنی ذِکر سے باب افتعال۔ تا دال سے بدل گئی اور ذال اس میں مدغم ہو گئی ❖

دَأْب — ۱۵۴۷ دأبا دیکھو ۱۳۸۱ مفردات میں ہے کہ دَأْب کے معنی اِدَامَۃُ السَّیْرِ ہیں یعنی ہمیشہ چلتے رہنا۔ وسخر لکم الشمس والقمر دائبین (ابراھیم۔ ۳۳) پس دَأْب سے مراد عادت مستمرہ ہے (غ)

حضرت یوسف تعبیر کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ اسلئے جب سات موٹی گائیوں اور سات سبز خوشوں کی تعبیر ان الفاظ سے کی کہ سات سال حسب معمول کھیتی کروگے یعنی فصلیں اچھی لگینگی تو ساتھ ہی بتا دیا کہ جتنا کھانے کی ضرورت ہو اسے نکال کر باقی کو خوشوں میں چھوڑ دو اسکی غرض یہ تھی کہ تا کیڑے سے محفوظ رہے اور خراب نہ ہو جائے۔

۱۵۴۸ یہ سات دُبلی گائیوں کی تعبیر ہے جو موٹی گائیوں کو کھا گئیں اور سات خشک خوشوں کی۔ اور قلیل جو محفوظ رکھا ہے وہ بیج وغیرہ کے لئے ہے ❖

آیا ہی سات سال کا قحط — بخاری میں سورۃ یوسف کی تفسیر میں اس موقعہ پر وہ حدیث لکھی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ نبی کریم صلعم کی دعا سے قریش پر سات سال قحط کے آئے قال اللّٰھم اکفنیھم بسبع کسبع یوسف یعنی نبی کریم صلعم نے دعا کی کہ اے اللہ ان پر سات سال کا قحط بھیجکر جیسے یوسف کے وقت میں سات سال کا قحط پڑا تھا مجھے ان کی شرارتوں سے بچا چنانچہ اس دعا کا اثر یہ لکھا ہے فاصابتھم سنۃ حصت کل شیء حتی اکلوا العظام حتی جعل الرجل ینظر الی السماء فیری بینہ و بینھا مثل الدخان یعنی ان پر ایسا قحط پڑا جس نے سب چیزوں کو برباد کر دیا یہانتک کہ لوگوں نے ہڈیاں کھا کر گزارہ کیا اور ایک شخص آسمان کیطرف دیکھتا

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۝ ۴۹ ع

پھر اس کے بعد ایک سال آئیگا جس میں لوگوں پر مینہ برسایا جاتے گا اور اس میں وہ (انگور بھی) نچوڑینگے ۱۵۴۹

ع ۸ — یوسف کی آخری بریت اعدعزت

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ ۵۰

اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لے آؤ سو جب قاصد اسکے پاس آیا تو اس نے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ

مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝

کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے میرا پروردگار ان کی چال سے خوب واقف ہے ۱۵۵۰

تو اپنے اور اس کے درمیان دھواں سا دیکھتا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی قرآن شریف میں دوسری جگہ موجود ہی فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین (الدخان ۴۴-۱۰) اس حدیث کو سورۂ یوسف کی تفسیر میں لانے کا صاف منشا یہ ہی کہ سورۂ یوسف میں بھی آنحضرت صلعم کا ہی ذکر ہی۔ اور یہی منشا۔ ان الفاظ کا ہی آیات للسائلین جو شروع سورت میں ہیں +

عام۔ سنۃ میں فرق

۱۵۴۹ عام کے معنی سال ہیں جس طرح سَنَۃ کے معنی سال ہیں لیکن سَنَۃ کا استعمال زیادہ تر ایسے سال پر ہی جس میں خشکی اور شدت ہوا اور عام کا اس پر جس میں بارش اور ارزانی ہو (غ) +

غاث۔ اغاث — آنحضرت کی دعا سے قحط کا دور ہونا

یغاث۔ دیکھو ۱۲۰۸ الغَوثُ مدد ہی اور غَیثُ بارش اور مدد دینے پر اَغَاثَ کہا جاتا ہی اور بارش برسانے پر غَاثَ (غ)، یہ محض خوشخبری کے طور پر ہی کہ قحط کے سات سال ختم ہو کر پھر بارش ہوگی اور حدیث میں ہی کہ جب سات سال قحط کے قریش پر گزرے تو ابوسفیان آنحضرت صلعم کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کی قوم کے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں تب نبی کریم صلعم نے دعا کی اور بارش ہوئی اسی کی طرف اشارہ کرنے کو یہاں آخر پر بارش کے سال کا ذکر کیا +

بال

۱۵۵۰ بال۔ شان یا وہ حال ہی جس کی پروا کی جائے حدیث میں کل امر ذی بال اہم امور یا معاملات کو کہا گیا ہی اس لفظ کو اختیار کرنے میں یہ توجہ دلانا مقصود ہی کہ یہ معاملہ ایسا تھا کہ جس کے صاف کرنے کو حضرت یوسف اہمیت دیتے تھے +

بائبل حضرت یوسف کو الزام سے پاک نہیں کرتی

بائبل میں یہ ذکر بھی موجود نہیں۔ بلکہ صرف اس قدر ہی کہ جب فرعون نے یوسف کو خواب کی تعبیر کے لئے بلوایا تو حضرت یوسف فوراً حاضر ہوئے اور دربار شاہی میں آ گئے۔ برخلاف اس کے قرآن شریف اس حصہ کا ذکر کرکے یہ بتاتا ہو کہ خدا پرستوں کی نگاہ میں دنیوی وجاہت کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ حضرت یوسف جانتے تھے کہ ان کے خواب کی تعبیر کی وجہ سے بادشاہ ان کی عزت کریگا مگر وہ قید خانہ سے نکلنا بھی پسند نہیں کرتے جبتک کہ اس الزام سے تمام لوگوں کی نظر میں پاک نہ ہو جائیں جو الزام لگا کر انہیں قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ حضرت یوسف کا ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کے معاملہ کو اس قدر وقعت دینا بتاتا ہی کہ یہی انکے خلاف بڑی بھاری گواہی تھی +

آنحضرت صلعم کا فرمانا لاجبت الداعی

بخاری میں اس موقعہ پر تفسیر میں ہی ولو لبثت فی السجن ما لبث یوسف لاجبت الداعی یعنی اگر میں قیدخانہ میں اس طرح رہتا جس طرح یوسف رہا تو میں بلانے والے کی بات کو مان لیتا۔ اس کا مطلب صرف حضرت یوسف کے اس فعل کی عزت ہی کہ کس قدر اپنی عفت کے معاملہ کو انہوں نے صاف کرنا چاہا اور قید خانہ کو الزام سے ملوث رہنے پر ترجیح دی۔ رہا یہ کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میں ہوتا تو قید خانہ میں نہ رہتا۔ تو وہ دوسرے نقطۂ خیال سے ہی اسلئے کہ آپ کا کام حضرت یوسف کے کام کے مقابل میں اتنا بڑا تھا کہ آپ کو ان باتوں کی پروا نہ تھی کہ لوگ کیا کہتے ہیں آپکے مدنظر صرف دوسروں کی اصلاح کا عظیم الشان

۵۱ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن

(بادشاہ نے) کہا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اپنے ارادہ سے پھیرنا چاہا۔ انہوں نے کہا اللہ سب عیبوں سے پاک ہے ہم نے اس میں

سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ○

کوئی بدی معلوم نہیں کی۔ عزیز کی عورت نے کہا اب حق کھل گیا میں نے ہی اسے اسکے ارادہ سے پھیرنا چاہا اور یقیناً وہ سچوں میں سے ہے ۱۵۵۱

۵۲ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ○

(یوسف نے کہا) یہ اسلئے ہے کہ وہ جان لے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی اور کہ اللہ خیانت کرنیوالوں کی چال کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا ۱۵۵۲

تہمت کے موقعہ سے بچو

کام تھا۔ اگر اتنا بڑا کام حضرت یوسف کے سپرد ہوتا تو وہ بھی الزام کی پرواہ کرتے۔ ہاں یہ مرتبہ اس سے بھی بلند تر ہے۔ رہا تہمت سے بچنے کا معاملہ سو آنحضرت صلعم کی یہی تعلیم ہے کہ تہمت کے موقعوں سے بچو اور خود آپ جب اپنی بی بی کے ساتھ کسی موقعہ پر کھڑے تھے اور پاس سے ایک صحابی کا گزر ہوا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ یہ میری بیوی ہے اور فرمایا کہ شیطان انسان کے دل میں طرح طرح کے وساوس ڈالتا رہتا ہے۔

خَطْب

۱۵۵۱ خطب دیکھو ۱۴۶۳ اور خَطْب امر عظیم کو کہتے ہیں جس میں ایک دوسرے سے بہت خطاب ہو (غ)۔

حِصَّۃ حَصْحَصَ

حَصْحَصَ۔ حَصّ کے معنی قطع کرنا ہیں چنانچہ حِصَّۃ وہ ہے جو کل سے کاٹ دیا جائے اور حَصّ اور حَصْحَصَ کے معنی ہیں ایک امر بالکل کھل گیا اور جس چیز نے اسے مغلوب کیا ہوا تھا وہ دور ہوگئی (غ)۔

ہاتھوں کا کاٹنا یوسف کے خلاف سازش تھی

بادشاہ نے ان عورتوں سے یہ یوں خطاب کیوں کیا کہ کیا بات تھی جب تم نے یوسف کو ورغلانا چاہا۔ اس کی وجہ دو معلوم ہوتی ہیں اول حضرت یوسف کی راستبازی کا اثر جو ان پر اپنے مصاحب کے بیان سے ہوا اور خود اس خواب کی تعبیر میں جس علم کا اظہار ہوا اس نے بھی سب لوگوں کی گردنیں یوسف کے سامنے جھکا دیں۔ دوسرے حضرت یوسف نے قید خانہ سے بادشاہ کو جو کچھ کہلا بھیجا اس میں یہ بھی لفظ تھے کہ ان عورتوں کا ہاتھ کاٹنا ان کا کید یا چال تھی جو میرے خلاف انہوں نے کی اور گو لوگوں کی نظروں سے وہ مخفی رہی مگر اللہ تعالیٰ تو اسے خوب جانتا تھا۔ یوسف کے یوں کہلا بھیجنے سے بھی بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ یہ سب یوسف کے خلاف ایک سازش کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ عورتوں نے اس بات کو محسوس کرکے کہ یوسف کی راستبازی اب کھل چکی ہے اور یہ بھید بھی چھپا نہیں رہ سکتا صاف اقرار کیا کہ یوسف نے ہرگز ان کے متعلق کسی قسم کا برا ارادہ نہیں کیا۔ تب عزیز کی عورت بھی بول اٹھی کہ سچائی پر جتنے پردے ڈالے گئے تھے وہ اب دور ہوگئے جس سے معلوم ہوا کہ قطع ید کے ذریعہ سے یوسف کی سچائی پر پردہ ڈالا گیا تھا۔

۱۵۵۲ بظاہر یہ کلام عزیز کی عورت کے کلام کے سلسلہ میں ہے۔ اور اس سے اگلی آیت کا مضمون بھی۔ مگر اس پر یہ صادق نہیں آتا۔ اور مضمون سے ظاہر ہے کہ یہ کلام حضرت یوسف کا ہے اور عموماً مفسرین اسی طرف گئے ہیں عزیز کی عورت یہ نہ کہہ سکتی تھی کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی۔ خیانت کرکے تو اس نے اسے قید خانہ میں ڈلوایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تحقیقات میں تو آخر ایک وقت لگتا تھا۔ تو لوگوں نے حضرت یوسف کو کہا ہوگا کہ تم خواہ مخواہ کیوں قید خانہ میں پڑے ہوئے ہو جس پر انہوں نے یہ فرمایا کہ تا بادشاہ کو علم ہو جائے کہ میں نے اس کی یعنی عزیز کی خیانت نہیں کی اور یا اخنہ میں ضمیر بادشاہ کی طرف ہی لی جائے تو بادشاہ کی خیانت سے بھی مراد عزیز کی خیانت ہی ہوگی کیونکہ اتنے بڑے عہدیدار شاہی کی خیانت بادشاہ کی ہی خیانت تھی۔ اور ہدایت سے مراد یہاں منزل مقصود پر پہنچانا ہے دیکھو ۵۔

الجزؤ الثالث عشر

وَمَآ أُبَرِّئُ نَفۡسِيٓۚ إِنَّ ٱلنَّفۡسَ لَأَمَّارَةُۢ بِٱلسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيٓۚ إِنَّ ۵۳

اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں ٹھہراتا کیونکہ (انسان کا) نفس یقیناً (اسے) بدی کا حکم دیتا رہتا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم کرے بیشک

رَبِّي غَفُورٞ رَّحِيمٞ ۝ وَقَالَ ٱلۡمَلِكُ ٱئۡتُونِي بِهِۦٓ أَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِيۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُۥ قَالَ ۵۴

میرا رب حفاظت کرنیوالا رحم کرنیوالا ہے ۱۵۵۳ اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لے آؤ میں اسے اپنے لئے چنتا ہوں پس جب اس سے گفتگو کی کہا

إِنَّكَ ٱلۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِينٌ أَمِينٞ ۝ قَالَ ٱجۡعَلۡنِي عَلَىٰ خَزَآئِنِ ٱلۡأَرۡضِۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٞ ۝ ۵۵

تو آج ہمارے ہاں عزت والا امین ہے ۱۵۵۴ (یوسف نے) کہا مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کرو یقیناً میں حفاظت کرنیوالا واقف کار ہوں ۱۵۵۵

راستبازوں کا طریق

۱۵۵۳ یہ آیت بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ یہ عزیز کی عورت کا کلام نہیں۔ حضرت یوسف نے جب اس قدر اپنی بریت پر زور دیا تو یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ آپ اپنی بریت کو اس طرح قایم کرتے ہیں گویا اپنے لئے اس مرتبہ کا دعویٰ کرتے ہیں جو کبھی کسی راستباز نے نہیں کیا کہ میرا نفس ایسا پاک ہے کہ اس سے نافرمانی ہو سکتی ہی نہیں۔ اس لئے آپ نے ساتھ ہی اس طرف توجہ دلائی کہ یہ محض اللہ کے فضل سے ہے کہ اس نے مجھے اس قدر بدی سے دور رہنے کی توفیق دی یہ کوئی میرے نفس کی خوبی نہیں۔ کیونکہ

نفس امارہ

نفس انسانی تو سب انسانوں کا یکساں ہی ہے اور اس کی پہلی حالت یہی ہوتی ہے کہ وہ بدی کا حکم کرتا رہتا ہے۔ ہاں جن پر اللہ کا رحم ہوتا ہے ان کا نفس یا پہلے سے ہی سدھرا ہوا ہوتا ہے جیسے انبیاء کی حالت ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور بعض اولیاء کی حالت ہے کہ وہ محفوظ ہوتے ہیں اور یا بعد میں اصلاح پر آجاتا ہے انسان کی پہلی یعنی حیوانی حالت کا نام یہاں نفس امارہ رکھا ہے

نفس لوامہ

گویا ابھی حیوانیت اس پر غالب ہے۔ دوسری حالت کا نام نفس لوامہ ہے یعنی اس حالت میں اگر کبھی ارتکاب معصیت کا ہو جائے تو نفس

نفس مطمئنہ

ملامت کرتا ہے اور معصیت پر راضی نہیں ہوتا اور تیسری کا نام نفس مطمئنہ اور یہ کامل اصلاح کی حالت ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہ پر چلتا ہے

استخلص خلصوا

۱۵۵۴ استخلص۔ اِسۡتَخۡلَصَ اور اَخۡلَصَ ایک معنی میں آتے ہیں۔ اَخۡلَصَهٗ اخۡتَارَهٗ یعنی اسے اختیار کر لیا یا چن لیا اور خلصوا نجیا (۸۰) میں خَلَصُوا کے معنی ہیں انفردوا خالصین عَنۡ غیرھم (غ) یعنی الگ ہو گئے ایسی حالت میں کہ دوسرا کوئی ان سے ملا ہوا نہ تھا ✦

مکین

مکین کے معنی ہیں بَیِّنُ المکانۃِ یعنی جس کا مرتبہ اور عزت واضح ہو (ل) اور ذی قوۃ عند ذی العرش مکین (التکویر ۲۰) میں مکین کے معنی کئے ہیں مُتَمَکِّنٍ ذی قَدۡرٍ و مَنۡزِلَةٍ (غ) یعنی قدر و مرتبہ والا ✦

حضرت یوسف کا مصر پر مالی تصرف

۱۵۵۵ حضرت یوسف کی جب بادشاہ نے خود عزت افزائی کی تو انہوں نے ملک کے خزانوں یعنی مالی حالت کا انتظام اپنے لئے طلب کیا اس لئے کہ آنے والے قحط کے مقابلہ پر اس کی ضرورت تھی کہ مالی انتظام امین اور سمجھدار ہاتھوں میں ہو تا اسی کی طرف حفیظ اور علیم میں توجہ دلائی ہے دینداری اور راستبازی اس کا نام نہیں کہ تسبیح لیکر دنیا سے الگ ہو کر بیٹھ رہے بلکہ دنیا کے کاروبار کو اور خدمات ملکی کو امانت کے ساتھ سرانجام دینا بھی اعلیٰ درجہ کی راستبازی ہے۔ بائبل میں اس موقعہ پر ہے کہ بادشاہ نے حضرت یوسف کو کل اختیارات حکومت دیدیئے تھے قرآن شریف نے اجعلنی علیٰ خزائن الارض فرمایا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ مالی تصرف ہی اصل حکومت ہے آج یورپ کی طاقتیں جب کسی سلطنت کو دبانا چاہتی ہیں تو پہلے اسکے مالی معاملات میں دخل دینا شروع کرتی ہیں جس کی ابتدا قرضہ دینے سے ہوتی ہے ✦

٥٦ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۚ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ

اور یوں ہم نے یوسف کو ملک میں طاقتور بنا دیا وہ اس میں جہاں چاہتا اختیار رکھتا تھا ہم اپنی رحمت

٥٧ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ○ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ

جسے چاہتے ہیں پہنچاتے ہیں اور ہم احسان کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتے اور بلاشبہ آخرت کا اجر ان کیلئے بہتر ہے جو ایمان

٥٨ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ○ وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ

لاتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور یوسف کے بھائی آئے پھر اس کے پاس گئے تو اس نے ان کو پہچان لیا

ع ١١ — یوسف کا بھائیوں کی امداد اور ان سے حسن سلوک کرنا

٥٩ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ○ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ

اور وہ اسے نہ پہچان سکے ١٥٥٦ اور جب انہیں ان کا سامان دیکر تیار کر دیا کہا اپنے اس بھائی کو بھی میرے پاس لاؤ

٦٠ مِنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ○ فَإِنْ

جو تمہارے باپ کی طرف سے ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ماپ بھی پورا دیتا ہوں اور سب سے بہتر مہمان نواز بھی ہوں ١٥٥٧ لیکن اگر تم

٦١ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ○ قَالُوا سَنُرَاوِدُ

اسے میرے پاس نہ لائے تو تمہیں میرے پاس سے نہ غلہ کا ماپ ملیگا اور نہ تم میرے قریب آ سکو گے انہوں نے کہا ہم اس کے باپ کے

عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ○

ارادہ کو پھیر دینگے اور ہم ایسا کرکے ہی رہینگے

١٥٥٦ بہت سے درمیانی واقعات کو چھوڑ دیا ہے فراخی کے سات سال گزر جاتے ہیں اور قحط شروع ہوتا ہے غلہ کی تلاش میں یوسف کے بھائی بھی مصر میں آتے ہیں اور حضرت یوسف کے سامنے لائے جاتے ہیں مگر چونکہ آپ محض بچے تھے جب ان سے جدا ہوئے اور حالات میں بہت تغیر آ چکا تھا اس لئے وہ آپ کو نہ پہچان سکے ۔

جَهَّزَ ۔ جَهَاز

١٥٥٧ جہز ۔ جہاز ۔ جہاز وہ سامان وغیرہ ہے جو تیار کیا جائے اور تجہیز اس کا اٹھانا یا بھیجنا ہے ۔

کَیل

کیل ۔ غلہ کے ماپ سے مخصوص ہے دیکھو ١١٢٠ اس لئے غلہ کیلئے بھی اس کا استعمال ہوا ہے ۔

نزیل ۔ نُزل

منزل ۔ نزول کے معنی حلول یا اترنا ہیں اور نزیل مہمان ۔ نُزل ضیافت یا مہمانی کا سامان ہے اسی لحاظ سے

اِنزال

انزال مہمان نوازی کرنا ہے اور مُنزِل جو مہمان نوازی کرتا ہے ۔

حضرت یوسف نے بات چیت کر کے سب حالات ان سے دریافت کر لئے اس لئے بھائی کو ساتھ لانے کا حکم دیا اور ماپ پورا دینا اور مہمان نوازی کا ذکر بطور احسان جتانے کے نہیں بلکہ اظہار واقعات کیلئے ہے تاکہ وہ دوبارہ آئیں مہمان نوازی عرب کی خاص صفت رہی ہے ۔ اسلئے مصر میں حضرت یوسف کی مہمان نوازی کی برابری کوئی نہ کر سکتا تھا ۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَا اِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰى ۶۲

اور اس نے اپنے نوکروں سے کہا ان کا سرمایہ انکی بوریوں میں رکھ دو کہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اسے

اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ فَلَمَّا رَجَعُوْا اِلٰى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ ۶۳

پہچان لیں تاکہ پھر لوٹ کر آئیں ۱۵۵۸ پس جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹکر گئے کہا اے ہمارے باپ آیندہ غلہ ہم سے روک دیا گیا ہے

فَاَرْسِلْ مَعَنَا اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا ۶۴

اسلئے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجئے کہ ہم غلہ لائیں اور ہم اسکی حفاظت کرینگے ۱۵۵۹ اس نے کہا میں اسکے متعلق تمہارا اعتبار نہیں کرتا سوائے

كَمَا اَمِنْتُكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ ۱۵۶۰

اسکے کہ جس طرح پہلے اسکے بھائی کے بارہ میں تمہارا اعتبار کیا تھا (اسی طرح ہو) سو اللہ ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہے

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰاَبَانَا مَا ۶۵

اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا اپنے سرمایہ کو اپنی طرف لوٹایا ہوا پایا کہا اے ہمارے باپ ہم اور کیا

نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا

خواہش کرسکتے ہیں یہ ہمارا سرمایہ ہمیں واپس کیا گیا ہے اور ہم اپنے اہل کیلئے غلہ لائینگے اور اپنے بھائی کی حفاظت کرینگے

وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ○

اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لائینگے یہ غلہ تھوڑا ہے ۱۵۶۱

رَحْل — ۱۵۵۸ رحال۔ رَحْل کی جمع ہے۔ وہ چیز جو سواری کے لئے اونٹ پر رکھی جائے اور کبھی اس سے اونٹ بھی مراد لیا جاتا ہے

رحلة — اور کبھی وہ چیز جس پر منزل میں بیٹھا جائے اور رِحْلَة کے معنی اِرتحال یا کوچ کرنا ہیں رحلة الشتاء والصيف (القريش ۲)۔

غلہ کی قیمت واپس کرنے کی غرض یہ تھی کہ وہ لوٹ کر آئیں یہ مراد ہوسکتی ہے کہ اتنے بڑے احسان کو دیکھکر وہ پھر غلہ کے لئے اسی طرف رخ کرینگے اور یہ بھی کہ شاید اس روپے کو واپس کرنے کیلئے آئیں۔

اكتيال — ۱۵۵۹ نکتل۔ اصل نکتیل ہے یعنی باب افتعال ہے یا الف سے بدل گئی جو بوجہ التقائے ساکنین گرا دیا گیا۔

۱۵۶۰ مطلب یہ کہ تم پر اعتبار کروں تو ویسا ہی اعتبار ہوگا جیسا یوسف کے معاملہ میں کیا تھا حفاظت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے یہی راستبازوں کا طریق ہے یوں ان سے سخت اقرار بھی لیا مگر پھر بھی بھروسہ ان پر نہیں بلکہ اللہ پر ہے اسباب سے بھی کام لیتے ہیں مگر ان اسباب کو کامیابی کا مدار نہیں سمجھتے۔ ھل کے لئے دیکھو ۲۶۹۔

مار۔ ميرة — ۱۵۶۱ میرۃ طعام کو کہتے ہیں اور مار اَہلہٗ میرًا غلہ لایا۔

يسير — یسیر۔ یُسْر ضد عسر ہے اور یسیر سہل کو کہتے ہیں مگر تھوڑی چیز کو بھی یسیر کہا جاتا ہے (غ)، یہاں یہی مراد ہے کہ جو

۶۶ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَن يُحَاطَ

اسنے کہا میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجونگا یہانتک کہ اللہ کو درمیان میں رکھکر میرے ساتھ اقرار کرو کہ تم اسے ضرور میرے پاس لے آؤگے سوائے اسکے

۶۷ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝ وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا

کہ تم سب ہی گھیرلئے جاؤ پس جب انہوں نے اپنا عہد دیدیا اسنے کہا جو ہم کہتے ہیں اللہ ہی اس پر نگہبان ہے [۱۵۶۲] اور اسنے کہا اے میرے بیٹو! ایک دروازے

مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَا أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن

سے داخل نہ ہونا اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور اللہ کی (سزا کے) مقابل پر میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں

۶۸ شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ وَلَمَّا

آسکتا حکم صرف اللہ کا ہی ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی پر چاہئے کہ سب بھروسہ کرنیوالے بھروسہ کریں [۱۵۶۳] اور جب

دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُم مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ

داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے حکم دیا تھا۔ وہ اللہ کی (سزا کے) مقابل پر انکے کچھ بھی کام نہ آسکتا تھا ہاں یعقوب کے دل میں ایک حاجت

يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

تھی جسے اسنے پورا کیا اور بلاشبہ وہ علم والا تھا اسلئے کہ ہم نے اسے علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

غلہ ہم پہلے لائے ہیں وہ تھوڑا ہے یا قحط کے ایام کے لئے وہ کفتی نہیں ہو سکتا ✦

وکیل

۱۵۶۲ باوجود عہد موکد لے لینے کے آخر پر پھر معاملہ کو سپرد خدا ہی کیا ہے۔ وکیل اصل میں تو وہ ہے جس کے سپرد کوئی معاملہ کیا جائے اور چونکہ جس کے سپرد کوئی معاملہ کیا جاتا ہے وہ اس پر نگہبان بھی ہوتا ہے اسلئے نگہبان معنی کئے گئے ہیں یوں بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ اللہ ہی ہے جس کے سپرد یہ معاملہ کیا جاتا ہے یحاط بکم سے مراد گھیرے جانا بھی ہو سکتا ہے اور ہلاک ہونا بھی کیونکہ جسے دشمن گھیرلے وہ ہلاک بھی ہو جاتا ہے ✦

احاطة

الگ الگ دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت کی غرض

۱۵۶۳ مفسرین کا زیادہ رجحان اسی طرف ہے کہ حضرت یعقوب نے ان کو نظر لگنے کے خوف سے یہ کہا تھا بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ جب وہ گئے تو یوسف نے ان سے سختی کی اور کہا تھا کہ تم جاسوس ہو (پیدائش ۴۲ : ۹) حضرت یعقوب نے خیال کیا ہو کہ اکٹھے داخل ہوں تو پھر حکومت مصر کو شبہات نہ گزریں اور ایسا نہ ہو کہ بادشاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ اس شبہ میں گرفتار ہو جائیں اور یوں بادشاہ کی مہربانی بھی کچھ کام نہ آسکے اس لئے انہوں نے داخلہ کے وقت احتیاط کا پہلو اختیار کرنے کی تاکید کی اور اس کی تائید دو اور باتوں سے ہوتی ہے اول یہ کہ جب ان سے اقرار لیا تو وہاں بھی ایک استثنا کیا تھا یعنی فرمایا تھا۔ الا ان یحاط بکم سوائے اس کے کہ تم سب گرفتار ہو جاؤ۔ اور دوسرے اس سے کہ ساتھ ہی فرمایا ما اغنی عنکم من اللہ من شیء اگر اللہ کی طرف سے ضرور کوئی مصیبت تم پر آنے والی ہے تو اس کا علاج تو میں کر نہیں سکتا اور اگلی آیت میں اسی بات کا ذکر کر کے فرمایا انہ لذو علم لما علمناہ یعنی اسے کچھ علم بھی تھا جو ہم نے دیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب کو کسی وحی یا

ع ١١ / ٣

یوسف اور اس کا چھوٹا بھائی

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ ۖ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ ٦٩

اور جب وہ یوسف کے پاس آئے اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی۔ کہا میں تیرا بھائی ہوں سو اس پر افسوس نہ کر

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي ٧٠

جو یہ کرتے رہے ہیں ١٥٦٤ پھر جب ان کو ان کا سامان دے کر تیار کر دیا (رکھتے) پانی پینے کا کٹورا اس کے بھائی

رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝

کی بوری میں رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے پکارا اے قافلہ والو تم تو چور ہو ١٥٦٥

حضرت یعقوب کو آنے والی مصیبت کا علم

رویا کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان پر اس دفعہ کچھ مصیبت آنے والی ہے لیکن چونکہ پیشگوئی میں تفصیلات سے اطلاع نہیں دی جاتی عموماً اجمالی رنگ میں ایک واقعہ دکھایا جاتا ہے۔ اسلئے آپ کا خیال اس طرف گیا کہ پہلی مرتبہ جو انپر جاسوسی کا شک ہوا شاید اسی وجہ سے بلا میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ مگر چونکہ یہ خیال محض اجتہاد پر مبنی تھا اس لئے ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ اللہ کی طرف سے جو مصیبت آنے والی ہے اسے تو میں دور نہیں کر سکتا چنانچہ اگلی آیت میں پھر جب ان کے داخلہ کا ذکر کیا کہ وہ عاقبت سے شہر میں تو داخل ہو گئے تو ساتھ ہی پھر بڑھا دیا کہ جو مصیبت آنے والی تھی وہ اس طرح پر دور نہ ہو سکی۔ کیونکہ وہ مصیبت جیسا آگے ذکر آتا ہے اور راہ سے آنے والی تھی۔ حضرت یوسف کے معاملہ میں بھی مصیبت کا کچھ نقشہ حضرت یعقوب کو دکھا دیا گیا تھا اسلئے انہوں نے فرمایا تھا واخاف ان یاکلہ الذئب (۱۳) پیشگوئیوں میں عموماً تعین واقعات کا نہیں ہوتا۔

رہا نظر کا لگنا سو خوبصورتی کی وجہ سے جیسے نظر ایک کو لگ سکتی ہے ویسے ہی بہتوں کو بھی لگ سکتی ہے علاوہ ازیں اگر نظر کی احتیاط کی وجہ سے ہوتا تو پہلی مرتبہ کیوں ایسی ہدایت نہ کرتے دس اور گیارہ میں تو ایسا فرق نہیں ہو جاتا واقعات ایسے ہو رہے ہیں کہ پہلی مرتبہ انہیں ان پر کسی تکلیف کا آنا نہیں دکھایا گیا دوسری مرتبہ دکھایا گیا اس لئے جو کچھ ان کی سمجھ میں آیا اسکے

اسباب اور توکل

مطابق نصیحت کر دی مگر پھر بھی صادق راستبازوں کی طرح اس احتیاط پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ بھروسہ تو اللہ پر ہی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ صلحاء توکل کے یہ معنی نہیں سمجھتے کہ اسباب سے کام نہ لیا جائے۔ یہ بھی یہاں بڑھا دینا ضروری ہے کہ نظر کے

نظر کا لگنا

لگنے کا ذکر احادیث میں ہے اور نظر لگنا حق ہے بلکہ آج تو جن لوگوں نے مسمریزم کے ادنےٰ کرشموں کو دیکھا ہے وہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ نظر بھی کیا کیا عجائبات دکھا سکتی ہے اور کس طرح پر نظر کے ذریعہ سے معمول پر اس قدر اثر ڈالا جا سکتا ہے کہ وہ عامل کے ہاتھ میں مردہ کی طرح ہو جاتا ہے یہ رسول اللہ صلعم کی صداقت پر دلیل ہے کہ کس طرح ہر قسم کے توہمات کو دور کرتے ہوئے ایک بات کو جس کی اصل انسان میں موجود تھی بلا خوف لومۃ لائم بیان کر دیا۔

١٥٦٤ یعنی اپنے بھائی کو خصوصیت سے اپنے پاس جگہ دی اور اسے علیحدگی میں بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں اسلئے جو کچھ انہوں نے کیا اس پر غم نہ کر یعنی جو معاملہ میرے ساتھ کیا۔ اس پر اب کوئی افسوس نہ کر۔

سَقٰی ۔ اَسْقٰی

١٥٦٥ سقایۃ ۔ سَقٰی اور اَسْقٰی کے معنی ہیں پینے کو دیا اور اسقاء سَقٰی سے زیادہ بلیغ ہے یعنی اسقاء یہ ہے کہ اسکے لئے پینے کی چیز ٹھہرا دے یہاں تک کہ وہ اسے خود لیکر جس طرح چاہے پیئے سقاھم ربھم شرابا طھورا (الدھر ٧٦ - ٢١) واسقینٰکم ماء فراتا (المرسلٰت ٧٧ - ٢٧) نسقیکم مما فی بطونہا (المؤمنون ٢٣ - ٢١) اور سِقَایَۃ وہ ہے جس میں پینے کی چیز ڈالی جائے

سقایۃ

صُوَاع ۔ صاع

یعنی گلاس یا پیالہ جس میں پانی پیا جائے اور آگے اسی کو صُوَاع کہا ہے اور صاع ماپنے کا پیمانہ ہوتا ہے پس اسی کو صواع اس لحاظ

۷۱ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝

انہوں نے کہا اور وہ انکی طرف متوجہ ہوئے تمہارا کیا گم ہوا ہے ۱۵۶۶

سے کہا ہو کہ وہی ماپ کا بھی پیمانہ تھا) +

عیر

عِیر۔ اس جماعت کو کہا جاتا ہو جن کے ساتھ غلہ کے بوجھ ہوں یعنی آدمیوں نیز اونٹوں پر جن پر بوجھ لدے ہوئے ہوں یہ لفظ بولا جاتا ہو گو اس کا استعمال الگ الگ دونوں پر بھی ہوتا ہو +

بن یامین کی بوری میں پیالہ رکھنے والے حضرت یوسف نہ تھے

جَعَلَ السِّقَايَةَ میں ضمیر کس طرف جاتی ہو؟ مفسرین کا خیال یوسف کی طرف ہو۔ گویا حضرت یوسف نے خود بوری کے اندر پیالہ رکھا۔ مگر اس پر قرآن شریف کے الفاظ کئی قسم کی مشکلات وارد کرتے ہیں خود ایسی کارروائی کرکے پھر سب لوگوں میں یہ اعلان کرانا کہ یہ قافلہ والے چور ہیں ایتھا العیر انکم لسارقون ایک نبی کے کس طرح شایان شان ہو سکتا ہو یہ تو ایک معمولی آدمی بھی کرے تو قابل گرفت ہے قرآن شریف میں ہو ومن یکسب خطیئۃ او اثما ثم یرم به بریا فقد احتمل بھتانا واثما مبینا (النسآء ۴ ۱۱۲) ایک شخص خود ایک گناہ کرے پھر اس کا الزام دوسرے پر لگائے تو وہ ارتکاب بہتان کرتا ہو مفسرین اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ انکو سارق اس لحاظ سے کہا کہ انہوں نے خود یوسف کو اپنے باپ سے چرایا تھا۔ مگر سوال یہ ہو کہ جو الزام اہل مصر کے سامنے اعلان ہوا وہ تو یہ تھا کہ تم نے پیالہ چرایا ہو اور اسکے وہ مرتکب نہ تھے۔ اور آخر کار انہی میں سے ایک کی بوری سے اسے نکال کر اہل مصر کی نظر میں انہیں چور ٹھہرا بھی دیا پس قرآن کریم کا منشا ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت یوسف نے خود وہ پیالہ بوری میں رکھا یا رکھوایا۔ اس سے پہلے جب روپیہ انکو واپس کیا گیا تو یہ لفظ ہیں کہ اپنے نوکروں کو کہا کہ ان کا روپیہ انکی بوریوں میں رکھدو کیونکہ ظاہر ہو کہ بوریوں کا بھرنا حضرت یوسف کا اپنا کام نہ تھا۔ اور نہ وہ کام آپکے سامنے ہوتا تھا اسلئے اگر پیالہ حضرت یوسف نے رکھوانا ہوتا تو اسی طرح اپنے نوکروں کو حکم دیتے جس طرح روپیہ رکھنے کیلئے دیا تھا اسلئے اس کا رکھنے والا کوئی اور تھا۔ قرآن شریف سے ہی معلوم ہوتا ہو کہ جس طرح حضرت یوسف کے ساتھ انکے بھائیوں نے ایک بھاری شرارت کی تھی اسی طرح بن یامین کے ساتھ بھی کی چنانچہ جب حضرت یوسف اپنے آپکو ان پر ظاہر کرتے ہیں تو یوں فرماتے ہیں هل علمتم ما فعلتم بیوسف واخیه (۸۹) اب ظاہر ہو کہ اور کوئی واقعہ بن یامین کے ساتھ ایسا نہیں ہوا جس میں ان کے ساتھ قریبًا قریبًا ویسا ہی سلوک ہوا ہو جیسا یوسف کے ساتھ ہوا تھا صرف یہی ایک واقعہ ہے اور انکی شرارت کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہو کہ انہوں نے چوری کا جھوٹا الزام یوسف پر بھی لگایا قالوا ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل (۷۷) اگر اس نے چوری کی ہو تو اس کے بھائی یوسف نے بھی چوری کی تھی حالانکہ یہ دونوں جھوٹ تھے گویا بجائے صفائی کی شہادت پیش کرنے کے اور چوری کے الزام کی تائید کا مطلب یہ کہ یہ دونوں بھائی چور ہیں اور حضرت یعقوب سے جب انہوں نے جاکر یہ ذکر کیا کہ تیرے بیٹے نے چوری کی ہو تو انہوں نے اس کا الزام انہی پر دیا بل سولت لکم انفسکم امرا (۸۳) جسکے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ تمہاری ہی کوئی شرارت ہو بس اصل واقعہ یہ معلوم ہوتا ہو کہ ان بھائیوں میں سے کسی نے محض شرارت کے طور پر پیالہ اٹھا کر بن یامین کی بوری میں رکھ دیا تاکہ یوسف کی طرح وہ بھی حضرت یعقوب کی نظروں سے دور ہو جائے اس میں شک نہیں کہ بائبل میں یہی ذکر ہو کہ حضرت یوسف نے اپنے نوکروں کو پیالہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ مگر بائبل نے قبیح ترین افعال انبیاء کی طرف منسوب کئے ہیں حضرت لوط کی طرف زنا وہ بھی بیٹیوں کے ساتھ حضرت ہارون کی طرف شرک حضرت سلیمان کی طرف بت پرستی۔ حضرت داؤد کیطرف زنا۔ اور قرآن کریم نے ایسے تمام ناپاک الزامات سے انبیاء علیہم السلام کی بریت کی ہو اور عصمت انبیاء کا اصول سکھایا ہو اس لئے حضرت یوسف کی طرف ایسا فعل اگر بائبل منسوب کرے تو اس کی معمولی تحریفات میں ایک ہے مگر قرآن کریم ایسا نہیں کرسکتا +

بائبل میں تحریف

اقبال

۱۵۶۶ اقبلوا۔ اِقبال کے معنی متوجہ ہونا ہیں فاقبل بعضهم علی بعض (والصّٰفّٰت ۳۷ - ۵۰) +

۷۲ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ○ قَالُوا

انہوں نے کہا بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور جو شخص اسے لائے اسکے لئے ایک اونٹ کا بوجھ (انعام) ہوگا اور میں اسکا ذمہ دار ہوں ۱۵۶۷ انہوں نے کہا

۷۳ تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ○ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ

اللہ کی قسم تم جانتے ہو ہم اسلئے نہیں آئے کہ ملک میں فساد کریں اور ہم چور نہیں ہیں ۱۵۶۸ انہوں نے کہا پھر اسکی کیا سزا ہے

۷۵ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ○ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَٰلِكَ نَجْزِي

اگر تم جھوٹے نکلے انہوں نے کہا اس کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کی بوری میں وہ نکلے وہ خود اسکا بدلہ ہوگا ہم اسیطرح ظالموں کو

۷۶ الظَّالِمِينَ ○ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ

سزا دیتے ہیں ۱۵۶۹ تب اس نے اسکے بھائی کے شلیتے سے پہلے ان کے شلیتوں سے شروع کیا تب اسکے بھائی کے شلیتے سے اسے نکالا

كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ

اسی طرح ہم نے یوسف کیلئے ارادہ کیا وہ اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون کے مطابق لے نہ سکتا تھا سوائے اسکے

يَشَاءَ اللَّهُ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ ۗ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ○

جو اللہ چاہے ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر ایک علم والے سے اوپر سب چیزوں کا جاننے والا ہے ۱۵۷۱

زعامۃ۔ زعیم — ۱۵۶۷ زعیم۔ زعم کے لئے دیکھو ۶۷۹ ضمانت جو قول سے ہو اور ریاست کو زعامۃ کہا جاتا ہے اور ضامن اور رئیس کو زعیم کہا جاتا ہے اس لئے کہ ان دونوں کے قول میں جھوٹ کا ظن ہوتا ہے (غ)

صواع الملک کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ جو چیز گم ہوئی وہ یوسف کا پیالہ نہ تھا بلکہ شاہی پیالہ تھا۔ اسلئے بھی اس کا تعلق حضرت یوسف سے نہیں قرین قیاس ہے کہ یہ سونے کا ہو اسلئے اس پر اتنی تحقیقات بھی ہوئی ٭

تاللہ — ۱۵۶۸ تاللہ۔ تا کلمہ کے شروع میں قسم کے لئے آتی ہے (غ) اور اکثر نحویوں کے نزدیک یہ واؤ کا بدل ہے۔ مگر سوائے اللہ کے لفظ کے دوسرے پر نہیں آتی (ل)

۱۵۶۹ جزاؤہ میں ضمیر فعل کی طرف ہے جیسا پچھلی آیت میں یعنی چوری کی سزا یہ ہے فھو جزاؤہ یعنی وہ خود اس کے عوض گرفتار کیا جائے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ پہلے یہ دریافت کرتے ہیں کہ تمہارا گم کیا ہوا ہے تو جب یہ علم ہو جاتا ہے کہ یہ پیالہ کے لئے ہی آتے ہیں تب سزا یہ بتاتے ہیں کہ جس کی بوری میں ہو وہ پکڑا جائے کیونکہ جانتے تھے کہ بن یامین کی بوری میں ہے ٭

وعی۔ اوعی — ۱۵۷۰ اوعیۃ۔ وعاء کی جمع ہے۔ اور وعی کے معنی ہیں کسی بات کا یاد رکھنا وتعیھا اذن واعیۃ (الحاقۃ۶۹-۱۲) اور ایعاء

وعاء — کے معنی ہیں سامان کا وعاء میں محفوظ کر لینا جمع فاوعی (المعارج۔ ۱۸) (غ) اور وعاء وہ برتن ہے جس میں کوئی چیز محفوظ کیجائے

کاد — کدنا۔ کاد بمعنی ارادہ کے لئے دیکھو ۹۷ یہاں یہی معنی ہیں

دین — دین۔ کے معنی شریعت دیکھو ۳۱ اسی لحاظ سے یہاں قانون کے معنی میں استعمال ہوا ہے قتادہ سے حکم اور قضا معنی مروی ہیں

۷۷ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَ

انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو پہلے اسکے بھائی نے بھی چوری کی تھی سو یوسف نے اسے اپنے دل میں

۷۸ لَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ

چھپایا اور اسے انکے لئے ظاہر نہ ہونے دیا۔ کہا تم بری حالت کے لوگ ہو اور اللہ بہتر جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو ۱۵۷ انہوں نے کہا اے عزیز اس کا باپ

اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

بہت بوڑھا آدمی ہے تو ہم میں سے ایک اسکی جگہ لے لو ہم تجھے نیکو کاروں میں سے دیکھتے ہیں

بن یامین کا حضرت یوسف کے پاس رہ جانا

جن واقعات کا ذکر ہے ان سے یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ سب کچھ حضرت یوسف کی موجودگی میں ہو رہا ہے بلکہ بظاہر یہی شخص جو تحقیقات کیلئے آیا ہے سب کچھ یہ خود ہی کر رہا ہے اور بن یامین کی بوری کو پیچھے رکھنا اگر عمداً تھا تو شاید اس لئے ہو کہ بن یامین کی حضو ر حضرت یوسف کے ہاں عزت ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارا ارادہ یوسف کے لئے ایسا ہی ہوا کہ ان کا بھائی ان کے پاس رہ جائے کِدنا یعنی ارادہ کا ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ آگے آتا ہے اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ایسا ہوا اور اگر کِدنا یعنی تدبیر بھی لیا جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تدبیر ہم نے یوسف کیلئے کی یہ نہیں فرمایا کہ یوسف نے یہ تدبیر کی اور اس صورت میں کِدنا کے لفظ میں یہ اشارہ ہو گا کہ ان کے بھائیوں کی تدبیر تو یہ تھی کہ بن یامین کسی طرح واپس حضرت یعقوبؑ کے پاس نہ جائے اور اللہ تعالیٰ نے اسی کو یوسفؑ کے حق میں کر دیا کہ بھائی بھائی کے پاس رہ گیا۔ وہ خود بغیر افشائے راز کے اسے رکھ نہ سکتے تھے اور اس حقیقت کو وہ بھی ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے مشیت الٰہی سے یہ ایک سامان پیدا ہو گیا کہ بن یامین حضرت یوسفؑ کے پاس رہ گئے۔ گو وہ ذی علم تھے مگر یہ سامان اس خدا کی طرف سے ہو گیا جو ان سے بڑھ کر علیم تھا۔ اگر یوسفؑ خود یہ کام کیا ہوتا تو یہاں نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ کیونکہ بہرحال یہ ایک چالبازی تھی اور چالبازی کے موقعہ پر رفع درجات موزون نہیں ہاں خود بخود اس سامان کا پیدا ہو جانا رفع درجات پر گواہ ہے یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فائدہ کے سامان خود بخود پیدا کر دیتا ہے +

دوسرے دین کے بادشاہ کے قانون پر عمل

اس آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے مذہب کے بادشاہ کے ماتحت ہے تو اسی کے قانون پر عمل بھی کرنا پڑتا ہے حضرت یوسف ایک ایسے بادشاہ کے ماتحت تھے جو ان کے دین پر نہ تھا بایں اس کے قانون پر ہی عمل کرتے تھے اس چھوٹے سے واقعہ کے اظہار سے ایک عظیم الشان اصول قایم کر دیا ہے +

حضرت یوسف پر چوری کا الزام

۱۵۷ حضرت یوسف پر جو چوری کا الزام انہوں نے لگایا ہے تو مفسرین اس کو صحیح ثابت کرنے کیلئے یا تو بائبل کے بعض بیانات میں اول بدل کرتے ہیں یا خود کوئی کہانی تجویز کر لیتے ہیں لیکن یہ الزام دینے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک بے گناہ کی جان تک لینے سے دریغ نہ کیا اور پھر حضرت یعقوبؑ کے سامنے جا کر جھوٹ بولا۔ اس لئے اگر اس دوسرے موقعہ پر بھی انہوں نے جھوٹ سے کام لیا تو یہ کونسا امر مستبعد ہے بات تو صاف ہے وہ اپنے آپ کو تو الگ کرتے ہیں اور یوسف کے بھائی پر چوری کا الزام ثابت کرنے کیلئے تائیدی شہادت یہ دیتے ہیں کہ اس کا بھائی بھی چور تھا کیونکہ ان کی غرض تو یہی تھی کہ کسی طرح بن یامین بھی حضرت یعقوب کی آنکھوں سے دور ہو جائے گویا ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو نیک لوگ ہیں یوسف اور اس کا بھائی دونوں چور ہیں۔ یوسفؑ نے اپنے دل میں کس بات کو چھپایا؟ اس تہمت کے جواب کو۔ ان پر ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے ورنہ یوں جواب دیتے کہ تم میرے منہ پر مجھ پر جھوٹا الزام لگاتے ہو +

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۟ ۷۹

اس نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم کسی اور کو پکڑیں سوائے اسکے جسکے پاس ہم نے اپنا سامان پایا اس صورت میں ہم ظالم ہونگے ۱۵۷۲

فَلَمَّا اسْتَايْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ ۸۰

جب اس سے مایوس ہوگئے تو خفیہ مشورہ کرنے کیلئے الگ ہوگئے سب سے بڑے نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کو

عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ

درمیان رکھ کر عہد لیا تھا — اور اس سے پہلے جو یوسف کے معاملہ میں تم نے قصور کیا ہے — سو میں تو ہرگز اس ملک کو نہیں چھوڑونگا

حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۟ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا ۸۱

یہاں تک کہ میرا باپ مجھے اجازت دے یا اللہ میرے لئے فیصلہ کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے ۱۵۷۳ اپنے باپ کیطرف لوٹ چلو۔ اور کہو

يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۟

اے ہمارے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی اور ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں جو ہمیں معلوم ہوئی اور ہم غیب کی حفاظت نہ کرسکتے تھے ۱۵۷۴

رکوع ۱۰ — حضرت یوسف کا بھائیوں پر اظہار

۱۵۷۲ ان بھائیوں میں بعض اچھے دل کے بھی تھے ان میں سے ہی وہ بھی تھا جس نے پہلے موقعہ پر کہا تھا لا تقتلوا یوسف اب بھی ان میں سے کوئی حضرت یوسف کے سامنے یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ بن یامین کی جگہ کسی دوسرے کو قید کرلیا جائے جس کو حضرت یوسف رد کرتے ہیں۔

۱۵۷۳ استایئسوا۔ استیاس اور یئس کے ایک ہی معنی ہیں امید منقطع ہوگئی (غ) یعنی حضرت یوسف نے انکار کردیا۔

استیأس — یئس

نجیا۔ نجوی کے لئے دیکھو ۷۳۱ نجی کے معنی ہیں مناجی یعنی خفیہ مشورہ کرنے والا اور واحد اور جمع دونوں پر استعمال ہوتا ہے وقربناہ نجیا (مریم ۱۹ - ۵۲)۔

نجی

ابرح۔ برح کے معنی زوال آنے ہیں لن نبرح علیہ عاکفین (طٰہٰ ۲۰ - ۹۱) لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین (الکہف ۱۸: ۶۰) اور برح الارض کے معنی ہیں اس زمین سے الگ ہوگیا (ل)

یہ مشورہ کرنے کے لئے الگ ہوئے کہ اب حضرت یعقوب سے جاکر کیا کہیں۔ اس مشورہ کی ضرورت بھی نہ ہوتی اگر ان کے دل صاف ہوتے اب چاہتے تھے کہ کوئی بات بنائیں جس پر حضرت یعقوب کا اطمینان ہوجائے ان میں سب سے بڑا بوجہ اس عہد کے جو حضرت یعقوب سے کیا تھا جانے سے ہی انکار کرتا ہے جبتک کہ باپ کی طرف سے اجازت نہ ملے یا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے یعنی کوئی ایسے اسباب پیدا ہوجائیں کہ عہد کی ذمہ داری اس پر نہ رہے۔

۱۵۷۴ یہ کلام اسی بڑے بھائی کا سمجھا گیا ہے مگر بعض نے کہا کہ یہ یوسف کا کلام ہے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ ان کے مشورے کا آخری نتیجہ ہے۔ یعنی آخر کار سب اس رائے پر پہنچے کہ یوں ہی کہا جائے کہ بن یامین نے چوری کی۔ اور غیب کے حافظ نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ جو کام ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوا یعنی بن یامین کا چوری کرنا اس کی ہم حفاظت کیونکر کرسکتے تھے۔ یا مراد یہ ہے کہ جب عہد کیا تھا تو اس وقت اس غیب کی بات کا ہمیں علم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا۔

۸۲ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۸۳ قَالَ بَلْ

اور اس بستی سے دریافت کر لو جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بالکل سچے ہیں۔ اس نے کہا بلکہ

سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ

تمہارے دلوں نے ایک (بری) بات کو اچھا کر دکھایا سو صبر ہی بہتر ہے امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ بیشک وہ

الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۸۴ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ

علم والا حکمت والا ہے [۱۵۷۵] اور ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے افسوس یوسف کیوجہ سے۔ اور اس کی آنکھیں غم سے ڈبڈبا آئیں پس (غم کو) دباتے تھے [۱۵۷۶]

۱۵۷۵ درمیانی واقعات کو چھوڑ کر اب بتایا ہے کہ جب اسی کے مطابق انہوں نے حضرت یعقوبؑ سے کہا تو انہوں نے جواب میں وہی لفظ کہے جو حضرت یوسفؑ کے ماجرا کے وقت کہے تھے بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل جس سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ نے اس بات کو ان کی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ بھی تم نے ایک منصوبہ بنایا ہے جس طرح یوسفؑ کے معاملہ میں بنایا تھا اور ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب سولت لکم انفسکم کہہ کر کہ تم نے اب بھی کوئی برا کام کیا ہے جو تمہیں اچھا معلوم ہوا کوئی جھوٹا الزام ان پر نہ دے سکتے تھے بلکہ یہ بات ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہو گئی تھی جس طرح یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ دونوں واپس مل بھی جائیں گے +

بنیامین پر چوری کا الزام بھائیوں کا منصوبہ تھا

۱۵۷۶ ابیضت۔ بیاض کے معنی سفیدی ہیں اور اَبْيَضَ سفید بَيَّضَ الشَّيْءَ فَابْيَضَّ یعنی بَيَّضَ کے معنی سفید کر دیا اور ابیضّ کے معنی وہ سفید ہو گئی اور بَيَّضْتُ السقاءَ کے معنی ہیں مشکیزہ کو پانی سے بھر دیا (ل) اسی لحاظ سے ابیضّ کے معنی ہونگے وہ پانی سے بھر گیا۔ اور پانی اور دودھ کو یا پانی اور روٹی کو یا پانی اور گیہوں کو اَبْيَضَان کہا جاتا ہے یعنی دو سفید چیزیں +

بیّض۔ ابیضّ

ابیضان

ابیضت عیناہ من الحزن کے معنی مفسرین نے عموماً یوں کئے ہیں کہ غم کی وجہ سے حضرت یعقوب روتے رہتے تھے اور روتے رہنے سے ان کی آنکھیں جاتی رہیں یعنی وہ اندھے ہو گئے گویا ابیضاض اندھا ہو جانے سے کنایہ ہے لیکن یہ کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک خدا کا نبی بیٹے کے جاتے رہنے سے تبلیغ و اصلاح کے کام کو چھوڑ کر جو اس کی بعثت کی اصل غرض ہے رونے لگ جائے اور یہاں تک روئے کہ روایات میں ہے کہ اسّی سال تک آپ یوسف سے جدا رہے اور اس سارے عرصہ میں ایک لمحہ ایسا نہیں گزرا کہ آپ کے دل میں غم نہ ہوا اور رخساروں پر آنسو نہ ہوں اور اسی حالت میں آپ روتے روتے اندھے ہو گئے مخلوق کی اصلاح تو ایک طرف رہی ایسا شخص تو خدا تعالیٰ کی بھی عبادت نہیں کر سکتا اگر ایک عامی آدمی اپنے کسی عزیز کی وفات پر ایک ماہ بھی اس طرح روئے تو وہ ملامت کے قابل ہوگا چہ جائیکہ خدا کا نبی اسّی سال تک اس حال میں رہے پھر ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہو فصبر جمیل پھر اللہ تعالیٰ نے اسے یقین بھی دلا دیا ہو کہ وہ بیٹا زندہ ہے۔ یہ بات کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ آنحضرت صلعم بھی اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر روئے تھے اور فرمایا تھا القلب یحزن والعین تدمع دل میں غم ہے اور آنکھوں میں آنسو ہیں مگر یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ آنحضرت صلعم ایک دو سال روتے رہے تھے یا ایک دو ماہ ہی روتے رہے تھے۔ بلا شبہ عزیزوں کی جدائی پر آنکھوں میں آنسو بھر آنا تقاضائے فطرت ہے اور اگر حضرت یعقوب میں اسی حد تک مانا جائے تو یہ تقاضائے محبت پدری ہے لیکن اسّی سال تک دن رات روئے چلے جانا یہاں تک کہ انسان اندھا ہو جائے اس کے برابر اہل دنیا کی بھی کوئی جزع فزع نہیں اور اس سے بڑھ کر بے صبری کوئی نہیں اور نبوت کا کام تو پھر گویا یوسف کی پرستش ہوئی نعوذ باللہ من ذٰلک ابیضاض عین کے معنی لغت میں اندھا ہونا کہیں نہیں لکھے ہاں یہ مراد سمجھی گئی ہے مگر اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آنکھوں میں آنسو بھر کر آنکھیں سفید ہو گئیں جس کو ہماری

حضرت یعقوبؑ کا غم میں رو رو کر اندھا ہو جانا خلاف قرآن ہے

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ○ ۸۵

انہوں نے کہا اللہ کی قسم تو یوسف کا ذکر کرتا ہی رہیگا یہاں تک کہ تو مرنے کے قریب ہو جائے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائے<u>۱۵۷۷</u>

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ ۸۶

کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ سے ہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے<u>۱۵۷۸</u>

زبان میں ڈبڈبانا کہتے ہیں۔ اور یہ وہ امر ہے جو ایک نبی کی شان کے لائق ہے کہ جب آپ کو یہ خبر پہنچتی ہے کہ بنیامین پکڑے گئے تو حضرت یوسف کا صدمہ تازہ ہو کر آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں مگر باایں وہ اپنے رنج اور غم کو دباتے ہیں جیسا کہ لفظ کظیم لا کر ظاہر کیا گیا ہے جس کے معنی غصہ یا غم وغیرہ دبانے کے ہیں کہ وہ ظاہر نہ ہونے پائے دیکھو <u>۱۵۱۸</u> جسکی آنکھوں سے اسی سال تک آنسو خشک نہ ہوں اسے کظیم کس زبان سے کہا جائیگا؟

یہ معنی حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے انه لما قال یا اسفی علی یوسف غلبه البکاء وعند غلبة البکاء یکثر الماء فی العین فتصیر العین کانها ابیضت من بیاض ذلك الماء ...... فلو حملنا الابیضاض علی غلبة البکاء کان هذا التعلیل حسنا ولو حملناه علی العمی لم یحسن هذا التعلیل فکان ما ذکرناه اولی وهذا التفسیر مع الدلیل رواه الواحدی فی البسیط عن ابن عباس یعنی جب آپ نے یوسف پر اس وجہ سے افسوس کیا تو بکاء (رونا) آپ پر غالب آگیا اور رونے کے غلبہ کے وقت آنکھ میں پانی بہت ہو جاتا ہے گویا اس پانی کی سفیدی سے وہ سفید ہو جاتی ہے ... پس اگر ہم سفید ہو جانے کو غلبہ بکاء پر حمل کریں تو یہ وجہ اچھی ہے اور اگر اسے اندھاپن پر حمل کریں تو یہ وجہ اچھی نہیں اس لئے جو ہم نے بیان کیا ہے وہ اولیٰ ہے اور یہ تفسیر مع دلیل کے واحدی نے بسیط میں ابن عباس سے روایت کی ہے۔

ما فتئ

<u>۱۵۷۷</u> تفتؤا۔ لا تفتؤا مراد ہے اور ما فَتِئْتُ کے معنی وہی ہیں جو ما زلت کے معنی ہیں اور لا کے محذوف ہونے پر یہ دلیل ہے کہ قسم کا جواب اگر مثبت ہو تو اس پر علامت اثبات ضرور داخل ہوتی ہے اور علامت اثبات ل اور نون تاکید ہے۔

یوسف کی اس یاد کو بھائیوں نے برا منایا کیونکہ ان کے دل انہیں ملزم کرتے تھے اس لئے وہ پسند نہ کرتے تھے کہ حضرت یعقوب اس کا نام بھی لیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب آپ بوڑھے ہو کر موت کے قریب ہو گئے ہیں تاہم یوسف کے ذکر کو نہیں چھوڑتے اس سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت یعقوب ہر وقت یوسف کا ذکر کرتے رہتے تھے بلکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مدت بعد یہ ذکر کیا جس کی وجہ سے بھائیوں کو یہ بات کہنے کی ضرورت پیش آئی۔

مصیبت کے چھپانے کا حکم

<u>۱۵۷۸</u> اس سے معلوم ہوا کہ اپنے رنج ومصائب کو دوسروں پر ظاہر کرنے سے حتی الوسع بچنا چاہئے۔ اور صرف اپنے مولیٰ کے سامنے ظاہر کرنا چاہئے کیونکہ وہی غم و رنج کو دور بھی کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے من کنوز البر اخفاء الصدقة وکتمان المصائب صدقہ کا اخفا اور مصائب کا چھپانا نیکی کے خزانے ہیں۔ حضرت یعقوب کا روتے رہنا اس آیت کے بھی خلاف ہے۔

۸۷ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا

اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا پتہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ اللہ کی رحمت

۸۸ يَايْـــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا

سے سوائے کافر لوگوں کے اور کوئی مایوس نہیں ہوتا ۱۵۷۹ پھر جب اسکے پاس آئے کہا

يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا

اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہو اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لیکر آئے ہیں سو ہمیں (غلہ کا) پورا

الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝

ماپ دو اور ہمیں خیرات دو اللہ خیرات دینے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے ۱۵۸۰

تحسّس

۱۵۷۹ تحسّسو ـ حِسّ سے باب تفعّل ہو حاسہ سے کسی چیز کا پالینا ۔ اور مراد اس سے اس کے احوال کا دریافت کرنا ہو

روح

رَوح وسعت پر بولا جاتا ہو اور یہاں اس سے مراد کشایش اور رحمت ہو (غ) اسی مادہ سے ریح اور رُوح ہیں ✦

قرآن کا بائبل سے اختلاف اور اسباب مایوسی کو انتہا تک پہنچانا پھر رحمت سے مایوس نہ کر

حضرت یوسف کی تاریخ کا یہ حصہ کہ بھائی دوبارہ حضرت یعقوب کے پاس گئے اور بن یامین کی گرفتاری کا قصہ سنایا بائبل میں مذکور نہیں بلکہ حضرت یوسف اپنے آپ کو اسی وقت ظاہر کر دیتے ہیں جب بن یامین کو پکڑا جاتا ہو اور بھائی حیران ہیں کہ اب کیا کریں قرآن کریم نے اس حصہ کو بیان کر کے اور بائبل سے اس موقعہ پر اختلاف کر کے یہ دکھایا ہو کہ باوجود اسباب مایوسی کے انتہا کو پہنچ جانے کے باوجود ایک صدمہ کے ساتھ دوسرا صدمہ اور مل جانے کے مایوسی حضرت یعقوب کے قریب بھی نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان تکالیف کے دور کرنے پر آپ کا ایمان بڑھتا ہی چلا گیا اور یہ وہ عظیم الشان سبق ہو جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نیک لوگوں کی زندگیاں بیان کر کے سکھانا چاہتا ہو کہ وہ کس طرح پر مایوسی کے اسباب کے کمال کو پہنچ جانے کے باوجود ایک لحہ کیلئے بھی مایوسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے ۔ بلکہ جس قدر تاریکی بڑھتی ہو اسی قدر ان کا ایمان بڑھتا ہے کہ روشنی ضرور نمودار ہو گی چنانچہ اس مضمون کو خود قرآن شریف نے سورت کی آخری آیات میں کھول دیا ہو دیکھو آیت ۱۱۰ افسوس ہو کہ بائبل میں نہ تو اسباب مایوسی انتہا کو پہنچے ہیں اور نہ ہی حضرت یعقوب کی زندگی میں وہ دلوں کو ابھارنے والا نظارہ نظر آتا ہو جو یہاں ان الفاظ میں قرآن کریم نے دکھایا ہو لاتایئسوا من روح اللہ انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکافرون یہ وہ ایک اور عظیم الشان سبق ہو جو اس سورت سے ہمیں ملتا ہو مگر بائبل کے قصے سے نہیں ملتا ۔ بائبل میں یہ ایک کہانی ہو مگر قرآن کریم میں قدم قدم پر اس کے اندر وہ اخلاقی سبق بھر دیتے ہیں جن سے انسان فائدہ اٹھائے تو اس کی زندگی اس دنیا میں جنت کی زندگی بن جاتی ہو ۔ اور ایک مسلمان کے دل میں اس ذکر کو پڑھکر یہ اثر پیدا ہوتا ہو کہ اگر

مسلمانوں کے مایوس دلوں کیلئے مرہم

چاروں طرف مغلوبیت حق کا نظارہ ہی نظر آتا ہو اور کفر اپنی ترقی کی انتہا کو پہنچ گیا ہو اور نیکوں کو پاؤں تلے روندا جاتا ہو اور مکار اور فریبی دنیا میں مالک نظر آتے ہوں اور سب چیزیں ان کے قبضۂ قدرت میں معلوم ہوتی ہوں تو بھی وہ مایوس نہیں ہوتے اور اللہ کی رحمت کے آفتاب کے طلوع پر یقین رکھتے ہیں اس لئے کہ حق کا غلبہ یقینی ہو تعجب ان مسلمانوں پر ہو جو قرآن کریم میں ایسی آیات کے ہوتے ہوئے پھر کفار کی نقل کرتے اور ذرا ذرا مشکلات پیش آنے پر گھبرا ہی نہیں اٹھتے بلکہ مایوس ہو جاتے ہیں آج جب اسلام ہر طرف مغلوب نظر آتا ہو اس ایمان کے پیدا کرنے کی ضرورت ہو جب مسلمانوں میں یہ ایمان پیدا ہو جائیگا تو وہی اسلام کی شان و شوکت بھی وہ دوبارہ دیکھ لینگے جس کی تڑپ ان کے دلوں میں ہو ✦

زجی

۱۵۸۰ مزجاۃ ۔ تزجیۃ (زجا) کسی چیز کا دھکیلنا ہو تا کہ وہ آگے چلے جیسے ہوا کا بادل کو چلانا یزجی سحابا (النور ۲۴ : ۴۳) یزجی لکم الفلک

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ۝ قَالُوا أَإِنَّكَ لَأَنْتَ ۸۹ ۹۰

اس نے کہا کیا تم جانتے ہو تم نے یوسف اور اسکے بھائی سے کیا معاملہ کیا جب تم جاہل تھے ۱۵۸۱ انہوں نے کہا کیا تو ہی یوسف

يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ

ہے۔ اس نے کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہو اللہ نے ہم پر احسان کیا ہو ہاں جو کوئی تقوی اور صبر کرتا ہو تو اللہ

اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ ۝ ۹۱

بھی نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۱۵۸۲ انہوں نے کہا اللہ کی قسم اللہ نے تجھے ہم پر فوقیت دی ہو اور یقیناً ہم خطا کار ہیں ۱۵۸۳

(بنی اسرائیل ۔ ۶۶) پس جو چیز قلیل ہو گویا کسی شمار میں نہیں اور رد کی جاسکے اسے مزجاۃ کہا جاتا ہو (غ)

اس دفعہ بموجب ارشاد حضرت یعقوب وہ یوسف کی تلاش میں آتے ہیں اور اپنی مفلسی اور عزبت کی طرف توجہ دلانا اسلئے تھا کہ اگر یہی یوسف ہیں تو ان کا دل پگھلے اور وہ اصلیت کا اظہار کر دیں چنانچہ یہی اثر اس کا ہوا ✣

بن یامین سے بھائیوں کی شرارت

۱۵۸۱ یہی ایک موقعہ ہو جس پر حضرت یوسف نے ان بھائیوں کا سلوک یاد دلایا ہو وہ بھی ملامت کیلئے نہیں بلکہ اس بات کے ظاہر کرنے کیلئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس قدر وسیع ہو کہ گو تم نے میرے ساتھ ایسا سلوک کرکے پھر میرے بھائی سے بھی اس قسم کا سلوک کیا تاہم آج تم پر ان باتوں کیلئے کوئی ملامت نہیں لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (۹۲) یہی وجہ ہو کہ یہ نہیں بتایا کہ وہ معاملہ کیا تھا صرف اتنا کہہ چھوڑ دیا کہ تم نے کچھ معاملہ ہم دونوں سے کیا اسے تم جانتے ہو اس سے یہ یقینی طور پر معلوم ہوا کہ بن یامین کے ساتھ کوئی شرارت اسی رنگ کی ان بھائیوں کی طرف سے ہوئی تھی جیسے یوسف کے ساتھ اور قرآن کریم میں ایک ہی ایسے واقعہ کا ذکر ہو یعنی پیالہ کی چوری بائبل میں بھی اور کوئی واقعہ مذکور نہیں جس سے معلوم ہو کہ بن یامین کے ساتھ کوئی اس قسم کا سلوک ہوا تھا جس کا الزام یہاں ان پر دیا گیا ہو ✣

دکھ سے سکھ آتا ہو

۱۵۸۲ اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا یعنی ان تمام واقعات کا نتیجہ یہ ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب پر احسان کیا اور دکھ سے راحت پیدا کر دی اس بات سے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کی طرف توجہ دلائی ہو اور اس کے فضل کی طرف کہ بظاہر انسان پر دکھ بھی آتے ہیں تو کس طرح وہ اپنے فضل سے انہیں راحت میں تبدیل کر دیتا ہو۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہر ایک راحت دکھ سے ہی پیدا ہوتی ہو جبتک انسان تکلیفوں میں مبتلا نہ ہو کبھی حقیقی راحت کو نہیں پا سکتا۔ اس لئے مصائب کو خوش دلی سے برداشت کرنا چاہیئے اسلئے کہ ان میں بھی انسان کی بہتری ہو۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا جو کوئی بھی تقویٰ اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ محسنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا یعنی مصائب میں رعایت حقوق کو اور صبر کو ہاتھ سے نہ دے اور ان الفاظ میں عام قانون کو بیان کرنے کا یہی منشا ہو کہ یہ یوسف سے خاص معاملہ نہیں بلکہ جو انسان مصائب کی کٹھالی میں پڑتا اور صبر کرتا ہو اور تقویٰ کو ہاتھ سے نہیں دیتا وہی سونا بنا کر نکالا جاتا ہو ✣

اثر۔ آثار

۱۵۸۳ اثر یا اثر کسی چیز کا اسباب کا حصول ہو جو اس کے وجود پر دلالت کرے اور اس کی جمع آثار ہو ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا (الحدید ۔ ۲۷) وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ (المؤمن ۔ ۲۱) فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ (الروم ۔ ۵۰) اور اسلئے آثار پہلے لوگوں کے نقش قدم کو بھی کہتے ہیں یعنی ایسا رستہ جو ان لوگوں کی طرف بیجاتا ہو جو پہلے گزر چکے فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ (الصّٰفّٰت ۔ ۷۰) هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي (طٰہٰ ۔ ۸۴) اور أَثَرْتُ الْعِلْمَ کے معنی ہیں میں نے علم کی روایت کی أَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ (الاحقاف ۔ ۴) گویا یہ وہ چیز ہو جو لکھی جاسکے یا روایت کی جاسکے تو اس کا اثر باقی رہ جاتے۔ اور استعارۃً آثَر کے معنی بزرگی لئے جاتے ہیں اور اسی سے ایثار ہے

ایثار

۹۲ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ۹۳ اِذْهَبُوْا

کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہے ۱۵۸۴ یہ میری

بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ع

قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے سامنے ڈال دو وہ یقین کرنے والا ہو جائیگا ۱۵۸۵ اور اپنے سب اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ

جس کے معنی فضیلت دینا ہیں جیسے یہاں اور یؤثرون علی انفسہم (الحشر ۵۹ - ۹) بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا (الاعلیٰ ۸۷ - ۱۶) (غ)

یعنی ترجیح دیتے ہو ۔

تثریب ۔ یثرب

۱۵۸۴ تثریب ۔ ثَرَّبَ علیہ کے معنی ہیں اسے ملامت کی اور اس کے قصور پر اسے عیب لگایا اور اسے وہ یاد دلایا ۔ اور یثرب مدینہ طیبہ کا پہلا نام ہے اور نبی کریم صلعم نے یثرب کی بجائے اس کا نام طَیِّبَۃ رکھا کیونکہ ثرب کلام عرب میں فساد کو کہتے ہیں (ل) قرآن شریف میں ایک موقعہ پر صرف دوسروں کا قول نقل کرتے ہوئے اسے یثرب کے نام سے پکارا ہے یا اھل یثرب لا مقام لکم (الاحزاب ۳۳ - ۱۳)

عفو یوسف اور عفو خاتم النبیین

کتنا بڑا دل ہے اور کتنا بڑا عفو ہے کہ وہ لوگ جو جان لینے کے درپے تھے انہیں یہ کہا کہ آج تم پر اس کی وجہ سے کوئی ملامت بھی نہیں مگر اس مقام سے کس قدر بلند وہ مقام ہے جس کی طرف یوسف علیہ السلام کے ذکر میں اشارہ ہے یعنی آنحضرت صلعم کا مقام جن کی جان لینے کی ایک دفعہ نہیں متعدد مرتبہ کوشش کی گئی ۔ اور آپ کو تیرہ سال کے عرصہ میں مکہ میں بڑے بڑے دکھ پہنچائے گئے اور نہ صرف آپکو بلکہ ہر اُس شخص کو جو آپ کا دم بھرتا حد درجے کے دکھ دیئے جاتے بعض کو جان سے مارا گیا ۔ اور یہ دکھ اس قدر شدت میں بڑھے کہ ان لوگوں نے اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر خود جلا وطنی اختیار کی پھر یہ تیرہ سال کے مسلسل دکھ بھی مکہ کو چھوڑنے پر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ اب تلوار لیکر مدینہ پر چڑھائی کی جاتی ہے اور مٹھی بھر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ باایں ان سب جرموں کے مرتکب جب مغلوب ہو کر آپکے سامنے آتے ہیں تو یہی لفظ آپ کی زبان مبارک سے نکلتے ہیں لا تثریب علیکم الیوم اور سید البشر کے عفو عظیم کا یہ نمونہ دنیا میں ہمیشہ کیلئے اپنی نظیر آپ ہی رہتا ہے ۔ اخلاق یوسفی میں اگر لا تثریب ایک عظیم الشان مقام ہے جس کا اثر دس بھائیوں تک محدود تھا ۔ تو اخلاق محمدی کے علو شان کو کون پہنچ سکتا ہے جو ایک مجرم قوم کی قوم کو جنکے جرم انتہا کو پہنچ چکے تھے اسی لا تثریب کے ماتحت ایسا بخشتا ہے کہ ایک حرف ملامت زبان پر نہیں لاتا ۔

بصیر

۱۵۸۵ بصیر ۔ بَصَر قوت مدرکہ اور دیکھنے کی قوت دونوں کو کہا جاتا ہے ۱۲۱ اور رَجُلٌ بَصِیْرٌ کے معنی ہیں مُبْصِر اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد آنکھوں سے دیکھنے والا ہے (ل) اور راغب یہ کہکر کہ ضریر یعنی اندھے کو عکس کے طور پر بصیر کہا جاتا ہے لکھتے ہیں کہ قابل ترجیح یہ ہے کہ یہ اسے کہا جائے جس کے لئے بصیرت قلب کی قوت ہو (غ) بہرحال بصیر کا لفظ اپنے اصل معنی کے لحاظ سے دونوں معنی دیتا ہے آنکھ سے دیکھنے والا ۔ اور دل کی قوت مدرکہ سے ایک بات کو پا لینے والا ۔

قمیص سے حکومت کیطرف اشارہ

یہاں اس سورت میں قمیص کا ذکر تیسری دفعہ آیا ہے دیکھو ۱۵۲۵ پہلی دفعہ قمیص حضرت یوسف کی زندگی کا نشان ٹھہری دوسری مرتبہ آپ کی پاکدامنی کا نشان ہوئی اور یہ قمیص آپ کی حکومت کا نشان ہوئی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عثمان کو فرمایا اِنَّ اللّٰہَ سَیُقَمِّصُکَ قَمِیْصًا وَاِنَّکَ تُلَاصُّ عَلٰی خَلْعِہٖ فَاِیَّاکَ وَخَلْعَہٗ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائیگا اور تمہیں اس قمیص کے اتارنے کو کہا جائیگا مگر خبردار اس قمیص کو نہ اتارنا ۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد خلافت ہے پس ہو سکتا ہے کہ وہ قمیص اصلی تھی اور صرف بطور نشان حکومت بھیجی گئی تھی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو عطا فرمائی تھی یعنی تا کہ حضرت یعقوب کو یقین آجائے کہ جو کچھ ان کے بھائیوں نے حضرت یوسف کی حکومت اور اختیارات کے متعلق کہا ہے وہ سچ ہے اور ہو سکتا ہے کہ قمیص سے

ع ۱۱ / ۵ — حضرت یعقوب کا مصر جانا

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ۝ ۹۴

اور جب قافلہ (مصر سے) چلا انکے باپ نے کہا میں یوسف کی (عظمت کی) خوشبو پاتا ہوں ۔ اگر مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو ۱۵۸۶

ج

قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۝ فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ ۹۵ ۹۶

انہوں نے کہا اللہ کی قسم تو اپنی پرانی غلطی میں ہو ۔ پھر جب خوشخبری دینے والا آپہنچا (اور) اسے اسکے سامنے

وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

پیش کیا تو وہ یقین کرنے والا ہوا ۔ کہا کیا میں تمہیں نہیں کہتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ۝ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ ۹۷ ۹۸

انہوں نے کہا اے ہمارے باپ ہمارے لئے ہمارے قصوروں کی معافی مانگو بیشک ہم قصوروار تھے۔ کہا میں اپنے رب سے تمہارے لئے

لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ ۹۹

بخشش مانگونگا بیشک وہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے ۔ پھر جب وہ یوسف کے پاس آئے اس نے اپنے والدین کو اپنے پاس

أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ۝ ط

جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو جاؤ اگر خدا چاہے تو امن سے رہنے والے ہوگے

مراد یہاں واقعی حکومت ہی ہو اور قمیص کو لے جانے کے معنی یہ ہوں کہ یہ خبر لے جاؤ کہ اللہ تعالی نے مجھے حکومت عطا فرمائی ہے۔ بائبل میں یہ ذکر نہیں کہ قمیص بھیجی گئی تھی صرف اسی قدر ذکر ہے کہ ان کو کہا تھا میرے باپ کو خبر سنا دو کہ اللہ تعالی نے مجھے یہاں حکومت دی ہے اور وہاں یہ بھی ذکر ہے کہ جب بھائیوں نے یہ باتیں حضرت یعقوب کو سنائیں "تو یعقوب کا دل سنسنا گیا کیونکہ اس نے انکا یقین نہ کیا" شاید اسی کے ازالہ کیلئے یہاں ارتد بصیرا اور فارتد بصیرا (۹۶) فرمایا یعنی اسے یقین ہو گیا۔ مفسرین نے ایک توجیہ یہ قبول کی ہے کہ جب حضرت یعقوب کو یہ خبر پہنچے گی تو اس سے اسکے دل کو قوت ملے گی اور قویٰ میں جو ضعف آگیا ہے وہ دور ہو جائیگا اور بصارت کی کمی بھی دور ہو جائے گی (د) گویا اس صورت میں بھی انہوں نے اندھاپن سے اچھا ہونا مراد نہیں لیا اور نہ یعقوب کو اندھا مانا ہے بلکہ غم سے بصارت میں کچھ کمی مراد لی ہے جو اس خبر سے دور ہو جائے گی۔ اور یقین کے معنی اس لئے بھی درست ہیں کہ گویا وحی الٰہی کے اشارات سے حضرت یعقوب کو یہ علم تھا کہ یوسف زندہ ہیں اور واقعات کی شہادت سے وہ بات الیقین کامل کی حد تک پہنچ گئی ۔

ریح — ۱۵۸۶ ریح ۔ کے مشہور معنی ہوا ہیں اور خوشبو اور بدبو کو بھی ریح یا رائحۃ کہا جاتا ہے وقد یکونُ الرِّیحُ بمعنی الغلبۃِ والقوۃ (غ) یعنی ریح کے معنی غلبہ اور قوت بھی آتے ہیں ۔

فند ۔ تفنید — تفنّدون ۔ فنَد رائے کی کمزوری ہے اور تفنید دوسرے کی طرف اس کا منسوب کرنا (غ)

یوسف کی ریح سے مراد یا تو یہ ہے کہ مجھے خوشبو آرہی ہے کہ یوسف زندہ ہے اور یا مراد یہ ہے کہ اس کی قوت و شوکت کی خوشبو آرہی ہے۔ ادھر حضرت یوسف اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں ادھر الہام الٰہی سے یہ بات حضرت یعقوب کو علم ہو جاتا ہے ۔

۱۰۰ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ

اور اس نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ اسکی خاطر سجدہ میں گر گئے اور اس نے کہا اے میرے باپ یہ میرے پہلے کے خواب کی

مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَ

تعبیر ہے میرے رب نے اسے سچ کر دیا اور اس نے مجھ پر احسان کیا جب مجھے قید خانہ سے نکالا اور

جَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ

تمہیں بادیہ سے لے آیا اسکے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا بیشک

رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○

میرا رب جس پر چاہے لطف کرتا ہے وہ علم والا حکمت والا ہے ۱۵۸۷

عرش — ۱۵۸۷ العرش ۔ بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ کو بوجہ اس کے علو کے عرش کہا جاتا ہے جیسے یہاں ایکم یاتینی بعرشہا (النمل ۲۷ ۔ ۳۸)

خرّ خریر — خروا لہ سجدا ۔ خرّ کے معنی ہیں اس طرح گرا کہ اس سے خریر سنی گئی اور خریر پانی یا ہوا وغیرہ کی آواز کو کہا جاتا ہے جو اوپر سے نیچے گرے فکانما خر من السماء (الحج ۲۲ ۔ ۳۱) فخر علیہم السقف (النحل ۱۶ ۔ ۲۶) دوسری جگہ ہے خروا سجدا وسبحوا بحمد

فقد خرّ میں تسبیح پر دلیل — ربہم (السجدۃ ۳۲ ۔ ۱۵) امام راغب کہتے ہیں کہ خرّ کا استعمال دو باتوں پر دلالت کرتا ہے ایک گرنا اور دوسرے تسبیح کی آواز اور آگے سبحوا بحمد ربہم اسلئے بڑھایا کہ معلوم ہو کہ خریر تسبیح کی آواز کو کہا ہے نہ کسی اور شے کو (غ) یہاں بھی یہی لفظ خروا لہ سجدا اختیار کر کے یہ توجہ دلائی ہے کہ سجدہ میں تسبیح و تحمید الٰہی کی آواز نکلتی تھی پس معلوم ہوا یہ سجدہ یوسف کو نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کیلئے تھا جس کی تسبیح اور تحمید وہ کر رہے تھے اور لہ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ یوسف کی اس عزت و مرتبت کی وجہ سے جس میں اب وہ سب شریک ہو گئے تھے سب نے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کیا ۔

بدو، باد — بدا و بدءً کے معنی ظاہر ہوا اور بدو حضر یعنی شہر کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ہر چیز جو درمیان میں آئے ظاہر ہو جاتی ہے پس بدو و بادیہ ہے اور بادیہ میں رہنے والے کو باد کہا جاتا ہے ۔ سواء العاکف فیہ والباد (الحج ۲۲ ۔ ۲۵) لو انہم بادون فی الاعراب ۔ (الاحزاب ۳۳ ۔ ۲۰) ۔

سجدہ یوسف کو نہ تھا — باپ اور ماں یا باپ اور خالہ کو تخت پر بٹھانا امتیاز کے لئے تھا ۔ اس پر سب سجدہ میں گرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد کرتے ہیں جیسا کہ خرّوا کے استعمال سے ظاہر ہے یہ سراسر غلط خیال ہے کہ یہ سجدہ یوسف کو تھا تو پھر حمد و تسبیح کس کی تھی؟ اور ظاہر ہے کہ جس کی حمد و تسبیح تھی اسی کو سجدہ تھا ۔ اور یہ کہنا کہ پہلی شرائع میں غیر اللہ کو سجدہ جائز تھا ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہدے کہ پہلی شرائع میں شرک جائز تھا ۔ شرک یا غیر اللہ کو سجدہ سب شرائع میں ناجائز تھا اور اصول دین ہمیشہ سے ایک ہی رہے ہیں ۔

یوسف کو مقام پر بٹھانے پر سجدہ شکر تھا — اور حضرت یوسف کا یہ فرمانا کہ یہ میرے رویا کی تعبیر ہے تو اس سے سجدہ مراد لینا دوسری غلطی ہے ۔ بلکہ لفظ ھذا میں اسی یوسف کی عظمت و شوکت کی طرف اشارہ ہے جس کی وجہ سے سب نے سجدۂ شکر کیا ۔ اور خود حضرت یوسف اگلی آیت میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ تو نے مجھے حکومت اور علم دیئے ہیں یہی مراد سورج اور چاند اور ستاروں کے سجدہ کرنے سے تھی ورنہ یہ کونسی بڑی بات ہے کہ کسی شخص کو اپنے بھائیوں میں اس قدر عظمت حاصل ہو جائے کہ اس کی عظمت کا اعتراف کریں ۔ دیکھیں اس رویا کی تعبیر کے متعلق مفصل لکھا جا چکا ہے ۱۵۱۶ ۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ ۱۰۱

میرے رب تونے مجھے حکومت سے حصہ دیا اور مجھے باتوں کے معنی سکھائے اے آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝

اور زمین کے پیدا کرنیوالے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا ولی ہے مجھے فرمانبرداری کی حالت میں وفات دیجیو اور مجھے نیکوں کے ساتھ ملا دیجیو ۱۵۸۸

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَآ ۱۰۲ ۱۰۳

یہ غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو انکے پاس نہیں تھا جب انہوں نے اپنے معاملہ پر اتفاق کر لیا اور وہ باریک تدبیر کر رہے ہیں ۱۵۸۹ اور

اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْاَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۰۴

اکثر لوگ گو تم کتنا ہی چاہو ایمان لانیوالے نہیں ہونگے اور تو ان سے اسپر کوئی اجر نہیں مانگتا وہ صرف تمام قوموں کیلئے نصیحت ہے

حضرت یوسف نے کیسے لطیف پیرائے میں بھائیوں کا ذکر کیا ہے یہ نہیں کہا کہ میرے بھائیوں نے شیطان کے ورغلانے سے مجھ سے بُرا سلوک کیا بلکہ یہ کہا کہ شیطان نے مجھ میں اور ان میں فساد ڈلوا یا گویا ان کا خاص قصور نہ تھا۔

راستبازوں کی خواہش

۱۵۸۸ راستبازوں کی خواہش کیا پاک ہوتی ہے حکومت بھی ملی علم بھی ملا اور علم بھی علم دین۔ مگر دل میں ایک ہی تڑپ ہے اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری میں جئیں اور مریں۔ اور صلحا کے زمرہ میں ہوں۔ یہی زندگی کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو سبق دیا تھا مگر کون آج قرآن کی طرف توجہ کرتا ہے راستبازی کا پھل حکومت بھی ہے مگر جو حکومت کو پہلے چاہتے ہیں اور کہتے ہیں راستباز بعد میں بنیں گے۔ وہ قرآن کی بتائی ہوئی راہ پر نہیں چلتے۔ وہاں اس میں محمد رسول اللہ صلعم اور آپکے ساتھیوں کو یہ بھی وعدہ ہے کہ جس طرح یوسف آخر کار بادشاہ بنے اور بھائیوں کو ان کے سامنے اعتراف عجز کرنا پڑا۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کی مخالفت کرنے والے بھی آخر کار مغلوب ہونگے اور مسلمانوں کو بادشاہت ملے گی۔ اور چونکہ یہاں بھائیوں کے قایم مقام عرب کے لوگ نہیں اس لئے جس بادشاہت کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ وہ صرف عرب کی بادشاہت نہیں بلکہ اتنی بڑی بادشاہت ہے کہ جس سے عرب کے لوگ بھی فائدہ اُٹھائیں جس طرح یوسف کی بادشاہت سے بھائیوں نے فائدہ اُٹھایا پس اس میں صاف اشارہ عرب سے باہر کسی عظیم الشان بادشاہت کا ہے چنانچہ صحیح حدیث میں جو مسلم ترمذی ابو داؤد میں ہے ذیل کے لفظ آتے ہیں اِنَّ رَبِّیْ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَاَرَیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ مُلْكَ اُمَّتِیْ سَيَبْلُغُ مَا زُوِیَ لِیْ مِنْهَا میرے رب نے زمین کو میرے لئے سکیڑ دیا یعنی اس کا نقشہ میرے سامنے پیش کیا اور مجھے اس کے مشرقی اور مغربی ممالک دکھائے گئے اور میری اُمت کی بادشاہت وہاں تک پہنچے گی جو مجھے نقشہ میں دکھایا گیا۔

مسلمانوں کو عرب میں اور اس سے باہر بادشاہت ملنے کی خبر

آنحضرت کی مخالفت اور اس کا انجام

۱۵۸۹ حضرت یوسف کے تذکرہ کو توفنی مسلما والحقنی بالصالحین پر ختم کر کے انتقال مضمون آنحضرت صلعم اور آپکے خلاف تدابیر کرنے والوں کی طرف کیا ہے چنانچہ اس آیت میں الفاظ وھم یمکرون وہ باریک تدابیر کر رہے ہیں صاف اس پر شاہد ہیں اور اگلی آیات کا مضمون بھی صاف یہی ظاہر کرتا ہے پس انباء الغیب سے مراد بھی وہ خبریں ہیں جو بطور پیشگوئی حضرت یوسف کے تذکرہ میں ہیں یعنی مخالفین کی سازشیں اور کوششیں اور سات سال کا قحط اور بالآخر ان کی ناکامی اور مغلوب ہو کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آنا اور آنحضرت صلعم کا ان کو معاف کرنا اور آپ کو وسیع حکومت کا ملنا اور ان کا اس میں حصہ دار ہونا۔ اور اگر حضرت یوسف کے تذکرہ کی طرف بھی ذٰلک من انباء الغیب میں اشارہ لیا جائے تو اس معنی سے بالکل بجا ہے کہ کتنی وہ باتیں قرآن شریف نے بیان کی ہیں

ع ۱۲ — سابقہ تذکروں میں عبرت

۱۰۵ وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝

اور آسمانوں اور زمین میں کتنے نشان ہیں جن پر لوگ گزرتے رہتے ہیں ۱۵۹۰ اور وہ ان سے منہ پھیرے ہوئے ہوتے ہیں

۱۰۶ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ۝ ۱۰۷ أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ

اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ مشرک (بھی) ہیں ۱۵۹۱ تو کیا وہ اس بات سے نڈر ہو گئے

غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب کی بھاری مصیبت آپڑے یا ناگہاں وہ گھڑی ان پر آجائے اور وہ محسوس نہیں کرتے

جن سے اعلیٰ درجہ کے اخلاقی سبق حاصل ہوتے ہیں حالانکہ بائبل میں وہ باتیں موجود نہیں اور وہاں یہ قصہ اس سے بڑھکر وقعت نہیں رکھتا جو کسی نے کہا ہو پیرے بود پسرے داشت گم کرد باز یافت ۔

اَیّ — اَیُّہَا ۔ اَیَّتُہَا

۱۵۹۰ کایّن ۔ اَیّ حرف استفہام ہے ۔ ایہم یکفل مریم (آل عمران ۳ ۔ ۴۳) ایہم اشد علی الرحمٰن عتیا (مریم ۱۹ ۔ ۶۹) ایسا ہی ایاما تدعوا (بنی اسرائیل ۱۷ ۔ ۱۱۰) اور ندا میں جب منادی پر ال داخل ہو تو مذکر اور مونث میں اَیُّہَا اور مونث میں اَیَّتُہَا یا کے ساتھ بڑھایا جاتا ہے جیسے یاایہا الناس یاایہا الذین آمنوا ۔ یا الناس یا یا الرجل نہیں کہا جائیگا اَیَّتُہَا العِیرُ (۷۰)

کَاَیِّن

اور کَاَیِّن میں لِکَ حرف تشبیہ ہے اور اَیّ حرف استفہام اور ن تنوین کی جگہ ہے ۔ اور یہ سب بمنزلہ ایک لفظ کے ہے جس کے معنی ہیں رُبَّ یعنی بہت (ل) ۔

آنکھوں سے کام لینے کی ضرورت

چونکہ اس رکوع میں عبرت دلانا مقصود ہے اس لئے بطور تمہید عام لوگوں کی حالت غفلت اور لاپرواہی کا ذکر کرتا ہے کہ کتنے نشانوں پر گزر جاتے ہیں مگر ان پر غور نہیں کرتے بلکہ آنکھیں بند کرکے گزر جاتے ہیں ۔ ایک ہی چیز کو دو آدمی دیکھتے ہیں ایک کے نزدیک اس کی کچھ وقعت نہیں ہوتی دوسرا اس سے بڑے بڑے قیمتی سبق حاصل کر لیتا ہے ۔ اس لئے فرمایا کہ اپنی عادت ایسی بناؤ کہ ہر نشان سے عبرت حاصل کرو ہر تذکرہ سے فائدہ اُٹھاؤ ۔

توحید کے ساتھ شرک

۱۵۹۱ ایک حالت تو کفار کی ہے کہ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور پھر شریک بھی ساتھ ٹھہراتے ہیں ۔ کوئی مشرک قوم نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بھی ساتھ ساتھ اقرار کرتی ہے ۔ عرب کے لوگ باوجود پتھروں اور درختوں اور بتوں کی پرستش کے ہندو باوجود اپنے کروڑہا دیوتاؤں اور دیویوں اور بتوں کے خدا کو ایک مانتے ہیں ۔ سب سے بڑھکر عیسائی ہیں کہ تین خدا کہتے ہوئے خدا کو ایک بھی کہتے ہیں اور تین ایک اور ایک تین کے عقدۂ لاینحل کو قبول کرتے ہیں ۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر فطرت انسانی کی شہادت ہے اور کوئی قوم اس فطری گواہی کا انکار نہیں کر سکتی گو اس فطرت کی شہادت کے ساتھ خواہشات نفسانی کو ملا کر اور بھی ہزارہا رب بنا لیتے ہیں ۔

توحید پر فطرت کی شہادت

مسلمانوں میں شرک

مگر سب سے بڑھکر قابل افسوس مسلمانوں کی حالت ہے کہ جنہیں ہر قسم کے شرک سے پاک کرکے ایک توحید پر کھڑا کیا گیا تھا ۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتے ہوئے ہزارہا قسم کے شرک ساتھ ملاتے ہیں من اتخذ الٰہہ ھواہ کا شرک تو خفی ہے مگر موٹے موٹے شرک جیسے قبر پرستی پیر پرستی انہوں نے مسلمان قوم کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے اس موقعہ پر شرک کا ذکر اس لئے کیا کہ جو لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ اپنی آنکھوں سے اور اپنی عقل سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں ۔ اور اوپر ذکر آیات اللہ کی طرف توجہ نہ کرنے کا ہی تھا مسلمان بھی پیر پرستی میں پڑ کر اپنی عقل سے کام لینا چھوڑ چکے ہیں اسلئے ان مصائب سے بھی فائدہ نہیں اُٹھاتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے جو خود ان پر وارد ہو رہی ہیں ۔

وقف النبی علیہ السلام

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۱۰۸

کہو یہ میرا رستہ ہی میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور جو میری پیروی کرتے ہیں یقین پر قائم ہیں

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا ۱۰۹

اور اللہ سب نقصوں سے پاک ہو اور میں شرک کرنیوالوں میں سے نہیں ہوں ۱۵۹۲ اور ہم نے تجھ سے پہلے بھی بستیوں کے

رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

رہنے والوں میں سے مردوں کو ہی بھیجا تھا جنکی طرف ہم وحی کرتے تھے تو کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ

کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے اور آخرت کا گھر ان

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ ۱۱۰

لوگوں کے لیے بہتر ہو جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے یہاں تک کہ جب رسول (لوگوں کی طرف سے) ناامید ہو گئے

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ

اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ انکے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہماری مدد انکے پاس آ پہنچی سو جسے ہم نے چاہا بچ گیا

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ

اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے پھرا

الْمُجْرِمِيْنَ ۝

نہیں کرتا ۱۵۹۳

دعوت اسلام توحید خالص

۱۵۹۲ جب یہ ذکر کیا کہ یہ تمام لوگ توحید کیساتھ شرک کو ملا رہے ہیں تو اپنے رستہ کا بھی ذکر کیا کہ وہ توحید خالص ہے جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ دوسرے

آنحضرت کی پیروی سے بصیرت حاصل ہوتی ہے

زبردست بات جو یہاں بیان فرمائی یہ ہے کہ میں جس بات پر قایم ہوں علی بصیرت ہوں میں ہی نہیں میرے پیرو بھی گویا اچھی طرح اس راہ کے حق ہونے کو دیکھ رہے ہیں اور یقین کامل سے اس پر قایم ہیں پس محمد رسول اللہ صلعم کی پیروی انسان کو علی بصیرت ایمان پر قائم کرنیوالی چیز ہے افسوس کہ کتنے مسلمان ہیں جو آج آپکی پیروی کی برکت سے اس علی بصیرت مقام پر ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ انہیں اپنے دین کی صداقت کی دلائل کا کچھ علم ہی نہیں رہا اس سے زیادہ دوسرے لوگوں کو علم ہے حالانکہ ہر ایک مسلمان پر یہ حق تھا کہ وہ اپنے دین کی صداقت کی دلائل سے پورا واقف ہوتا تاکہ علی بصیرت اپنے مذہب پر ہو کر دوسروں کو بھی دعوت دے سکتا ۔

رسولوں کی مشکلات

۱۵۹۳ یہاں بہت لوگوں کو ضمیروں کی غلط فہمی ہوئی ہے ظنوا میں مراد وہ لوگ ہیں جن کی طرف رسول بھیجے گئے یعنی انکو

۱۱۱ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن

بیشک ان کے ذکر میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں جو بنائی گئی ہو بلکہ

تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿ع﴾

اسکی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت ہے اور ان لوگوں کیلئے رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں ۱۵۹۴

اس قدر مہلت دی جاتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ رسولوں نے جو عذاب کے وعدے ہمارے ساتھ کئے تھے وہ سب انہوں نے جھوٹ ہی کہا تھا۔ چنانچہ مفردات میں ہے اے ظن المرسل الیہم ان المرسل قد کذبوھم فیما اخبروھم به انہم ان لم یؤمنوا بہم نزل بہم العذاب و انما ظنوا ذالک من امہال الله تعالیٰ ایاھم واملائه لہم یعنی وہ لوگ جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے انہوں نے ظن کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔ جو یہ خبر دی تھی کہ اگر تم ہم پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پہ عذاب اُتریگا اور یہ ظن انہوں نے اس لئے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دی اور لمبا وقفہ دیا اور رسولوں کے مایوس ہونے سے مراد صرف یہ ہے کہ جب ان کی تبلیغ کی طرف لوگوں نے توجہ ہی چھوڑ دی تو انہوں نے سمجھا کہ اب یہ قطعاً ایمان نہ لائینگے تو ایسے اوقات میں نصرت الٰہی آتی ہے اور فی الواقع نصرت الٰہی ہی کا نام رکھا جاتا ہے جب اسباب کوئی باقی نہ رہیں اور چاروں طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہو۔

نصرت الٰہی

قرآن تفصیل کل شئ سے مراد

۱۵۹۴ ما کان یعنی ما کان القرآن یہ قرآن کوئی افترا کی بات نہیں۔ کیونکہ ایک تو یہ پہلی وحی کی مصدق ہے دوسرے ان تمام اصول دین کی اس نے تفصیل کر دی ہے جو پہلی کتابوں نے مجمل چھوڑ دیئے تھے جیسے مسئلہ توحید نبوت معاد جنت و نار تقدیر وغیرہ۔ کیونکہ جس قدر قرآن کریم نے ان مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور کسی کتاب نے نہیں ڈالی بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں ڈالی اور قرآن کریم نے نہ صرف ان تمام باتوں کو بالتفصیل بیان کر دیا جو پہلے بیان نہ کی گئی تھیں بلکہ اس تفصیل میں دلائل بھی شامل ہیں یعنی جو دعویٰ کیا اس کی دلائل بھی دیئے۔ پھر اصول باطلہ کی تردید بھی کی رہیں فروع سو ان کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے نبی کریم صلعم نے بھی بہت کچھ انہیں بیان کر دیا اور آیندہ وقتاً فوقتاً بھی ضرورتیں پیش آتی رہیں گی تیسری بات یہ فرمائی کہ یہ لوگوں کو راہ دکھاتی ہے اور سب ہی کو دکھاتی ہے اور چوتھی یہ کہ جو اسے مان لیتے ہیں ان کے لئے رحمت ہو جاتی ہے۔

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

اس سورت کا نام الرعد ہو اور اس میں چھ رکوع اور تینتالیس آیتیں ہیں۔ یہ نام اس لحاظ سے رکھا گیا ہو کہ وحی الٰہی کو قرآن شریف نے بار بار بارش سے تشبیہ دی ہو اور اس سورت میں بالخصوص یہ ذکر ہو کہ وحی الٰہی سے ہی مردہ دل زندہ ہوتے ہیں جس طرح بارش سے مردہ زمین میں جان پڑجاتی ہو اور بارش میں کڑک کو ان حملوں سے بھی تشبیہ دی ہو جو دشمن حق کے نیست ونابود کرنے کیلئے کرتے تھے اور اس سے مراد وہ مصائب بھی ہیں جو مخالفین حق پر آتی ہیں اور درحقیقت یہ مصائب اس تصادم کا نتیجہ ہوتی ہیں جو حق اور باطل کے درمیان ہوتا ہو جس طرح کڑک بھی بادل میں ایک تصادم کا نتیجہ ہو اس لئے دونوں پر اس کا اطلاق ہو تو اس سورت میں جہاں اسلام کی آخری کامیابی اور غلبہ کا ذکر ہو وہاں ان چھوٹی چھوٹی مصائب کا آنا اس آخری کامیابی کیلئے بطور نشان قرار دیا ہو اور اسی مناسبت سے اس کا نام الرعد رکھا ہو۔

خلاصہ مضمون

سب سے پہلے اس سورت میں یہ بیان فرمایا ہو کہ وحی الٰہی سے انسان کیونکر فائدہ اٹھاتا ہو اور مثالیں دیکر سمجھایا ہو کہ زمین اور آسمانوں میں تمام نظم کا انحصار زوجیت پر ہو یعنی ایک چیز اثر ڈالنے والی موجود ہو تو دوسری اس کے بالمقابل اثر قبول کرنے والی چیز ہے۔ اسی طرح قلب انسانی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو اور بدون اس تعلق کے جو انسان اور خدا کے درمیان وحی الٰہی سے پیدا ہوتا ہو قلب انسانی اپنے کمال کو حاصل نہیں کرسکتا۔ پہلے رکوع میں یہ بیان کرکے دوسرے میں بتایا کہ تعلق باللہ کے نتائج اور درحقیقت تمام اعمال کے نتائج عورت کے حمل سے مشابہت رکھتے ہیں یعنی اس عالم میں بظاہر کوئی نتیجہ کھلے طور پر نظر نہیں آتا مگر اندر ہی اندر وہ نتائج تیار ہوتے رہتے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ ان نتائج کو قبول کرنیوالے دل مراتب میں فرق رکھتے ہیں اور ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہو۔ تیسرے رکوع میں ان لوگوں کے جو وحی الٰہی کو قبول کرتے ہیں اور ان کے جو اسے رد کردیتے ہیں انجام کا مقابلہ کیا۔ چوتھے میں بتایا کہ قرآن کریم ایک طرف قلوب انسانی کے اندر اور دوسری طرف ظاہر میں بھی ایک انقلاب عظیم پیدا کرکے دکھائے گا۔ پانچویں رکوع میں بتایا کہ پیروان حق اور مخالفین حق میں ایک کھلا فیصلہ کردینگے اور چھٹے میں ان نشانوں کی طرف توجہ دلائی جو حق کی آخری کامیابی پر اس وقت بھی نظر آرہے تھے جب بظاہر اسلام چاروں طرف سے مشکلات میں گھرا ہوا تھا اور بتایا کہ دشمنوں کے دلوں کو فتح کرتے چلے جانا اس کی آخری کامیابی کا بیّن نشان ہو۔

تعلق

الٓرا کے مجموعہ میں یہ چوتھی سورت ہو۔ اس سے پہلی سورت میں جب حضرت یوسفؑ کے ذکر میں سمجھایا کہ آخر کار محمد رسول اللہ صلعم کے سامنے آپکے دشمن اور آپ کے خلاف منصوبے کرنے والے کس طرح مغلوب ہونگے تو اس میں اسی حق کی آخری کامیابی اور اس کی وجوہات کو کھول کر بیان فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ اس آخری غلبہ کے نشان کس طرح اب بھی ظاہر ہورہے ہیں

زمانہ نزول

زمانہ نزول وہی ہے جو باقی اس مجموعہ کی سورتوں کا ہے۔ اس سورت میں جو دشمنوں کے مکر یعنی آنحضرت صلعم کے خلاف منصوبوں کا ذکر ہے وہ بتاتا ہے کہ یہ سورت ہجرت سے کچھ پہلے کی ہو۔ جب آپ کے خلاف منصوبے ترقی پر تھے۔ اور زمین کے گھٹانے کا ذکر جو آیت ۴۱ میں ہے بتاتا ہے کہ اسلام کی کامیابی اب دور دور ہونے لگی تھی اور غالباً مدینہ میں اسلام کے پھیل جانے کی طرف بھی اس میں اشارہ ہو۔ جس سے اس مجموعہ سور کے زمانہ نزول پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ یہ گیارھویں بارھویں سال ہجرت سے تعلق رکھتی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱ — وحی الٰہی سے انسان کیونکر فائدہ اُٹھاتا ہے

۱ الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

میں اللہ خوب جانتا اور دیکھتا ہوں[1595] یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور وہ جو تیرے رب سے تیری طرف اُتارا گیا ہے حق ہے لیکن اکثر

۲ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى

لوگ نہیں مانتے ○ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے بلند کیا جنہیں تم دیکھتے ہو[1596] پھر وہ عرش پر

عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

غالب ہے اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا ہر ایک ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے وہ کاروبار کی تدبیر کرتا ہے باتیں کھول کر بیان کرتا ہے

۳ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ

تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو ○ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا

الٓمّٓرٰ — **1595** الٓمّٓرٰ ۔ کے معنی حضرت ابن عباس سے مروی ہیں انا اللہ اعلم و اری (د)، گویا الٓمّٓ میں جو ان سورتوں کے شروع میں آتا ہے ر بڑھا دیا ہے جو اعلم کا قائم مقام ہے۔ اور اس میں حق کو تباہ کرنے والوں کی سزا کے ساتھ علمی رنگ میں ان کی آخری ناکامی اور نامرادی کے دلائل دیئے ہیں۔ اسی لئے یہاں علم اور رویت دونوں صفات کو جمع کیا ہے ○

حقانیت قرآن — اٰیات الکتاب عموماً جہاں اس طرح کی ترکیب آئی ہے کہیں فرمایا تلک اٰیات الکتاب الحکیم جیسے سورۂ یونس کے شروع میں کہیں تلک اٰیات الکتاب المبین جیسے سورۂ یوسف کے شروع میں۔ دونوں جگہ وصف نے بتا دیا کہ قرآن شریف مراد ہے یہاں لفظ کو عام رکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جنس کتاب مراد ہے یعنی یہ وحی الٰہی کی آیات ہیں اس لئے ساتھ ہی فرمایا کہ یہ جو تیری طرف نازل ہوا ہے حق ہے۔ اور اسی کی حقانیت پر اس سورت میں دلائل علمی بھی دیئے ہیں ○

عمد تعمّداً — **1596** عمد ۔ عَمْدٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا قصد کرنا اور اس سے سہارا لینا پس عَمْدٌ اور تَعَمُّدٌ خلاف سہو ہے یعنی ارادۃً ایک کام کرنا ومن یقتل مومنا متعمداً (النساء ۴ ـ ۹۳) ولکن ما تعمدت قلوبکم (الاحزاب ۳۳ ـ ۵) اور

عمود — عَمُوْد خیمہ کی چوب کو کہتے ہیں جس پر خیمہ کا سہارا ہوتا ہے اور ہر چیز جس پر انسان سہارا لے لوہے کی ہو یا لکڑی کی یا ستون اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور اس کی جمع

عَمَد — عُمُدٌ اور عَمَدٌ آتی ہے فی عَمَدٍ ممددۃ (الھمزۃ ۱۰۴ ـ ۹) (غ) ○

آسمانوں کے غیر مرئی ستون — رفع السموات بغیر عمد ترونہا ۔ ابن عباس اور مجاہد سے یہ معنی مروی ہیں اور الفاظ بھی خود اسی معنی کو چاہتے ہیں کہ آسمان کو بلند رکھا ہوا ہے بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھتے ہو گویا آسمانوں اور زمین کے درمیان کوئی ایسے ستون ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھتے یعنی ان کا باہم کوئی تعلق تو ہے مگر وہ ان آنکھوں سے نظر آنے کے قابل نہیں۔ اور چونکہ یہاں ساری بحث ہی بعض تعلقات پر ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتے جیسے سورج اور چاند کا تعلق۔ یا جیسے زمین اور آسمان کا تعلق۔ یا جیسے پہاڑوں اور دریاؤں کا تعلق رات اور دن کا تعلق وغیرہ اس لئے یہی معنی درست ہیں اور آج سائنس بھی اس بات پر شہادت دیتا ہے کہ ہر ایک نظام کے اندر وہ تعلقات

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ

اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے۔ اور ہر قسم کے پھلوں سے اس میں دو دو زوج

اثْنَيْنِ ۖ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

بنائے۔ وہ دن پر رات کا پردہ ڈالتا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں[1597]

موجود ہیں جو اس کو قایم رکھے ہوئے ہیں۔ بغیر ان تعلقات کے جیسے کشش ثقل وغیرہ یہ نظام قایم نہیں رہ سکتا۔ سو یہی وہ ستون ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھتے ÷

قرآن کریم کے حق ہونے کے دعوی کے بعد فوراً یہ مضمون شروع ہو جاتا ہے کہ آسمان ایسے بنائے اور سورج اور چاند سے یہ کام لیا اور اس کا نتیجہ بھی بتایا کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔ ان باتوں کا باہم کیا تعلق ہے۔ قرآن شریف نے بڑی کثرت سے ظاہر امور کو امور باطنی کے لئے بطور شہادت پیش کیا ہے اور صحیفۂ قدرت کے نظاروں سے عالم روحانیت کے نظاروں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لقاء اللہ یا اللہ کی ملاقات یہ چاہتی ہے کہ انسان اور اس کے رب کے درمیان کوئی تعلق ہو جسے حاصل کئے بغیر نہ صرف انسان کمال کو ہی نہیں پہنچ سکتا بلکہ وہ سارا نظم ہی تباہ ہو جاتا ہے۔ اور مذہب کی اصل غرض اسی تعلق کی طرف توجہ دلانا ہے اس لئے فرمایا کہ مخلوق پر غور کرو وہاں تم بڑے سے بڑے اجرام میں بھی ایک تعلق کو موجود پاؤ گے جس تعلق سے ہی وہ اپنے وجود کی غرض کو پورا کر رہے ہیں اور جس کے قیام بغیر نظام عالم تباہ ہو جائے۔ مثلاً یہی نظام شمسی لے لو جو ہماری زمین کیلئے بمنزلہ ایک سما کے ہے یہ سب نظام کواکب اور سورج کے ایک دوسرے سے تعلقات پر مبنی ہے اسی طرح پر اس نظام کا تعلق کسی اور نظام سے ہے جیسا کہ موجودہ تحقیقات نے ثابت کیا ہے پھر سورج اور چاند کے لفظ لا کر توجہ دلائی کہ کس طرح سورج کے نور کا اثر چاند قبول کرتا ہے حالانکہ چاند بالذات روشن نہیں اور یدبر الامر کہکر توجہ دلائی کہ اس عالم کا سارا نظام کاروبار کی کل تدبیر اسی ایک اصول پر ہے کہ ایک چیز اثر ڈالتی ہے اور دوسری اثر قبول کرتی ہے یفصل الآیات یوں ہم کھولکر باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ تم کو یقین آ جائے کہ لقاء اللہ بھی ایک حقیقت ہے یعنی اسی طرح انسان کا بھی ذات باری سے ایک تعلق ہے جو گو آنکھوں سے نظر نہیں آتا مگر ان لوگوں کی زندگیوں میں نظر آتا ہے جو اس تعلق کو کمال کو پہنچاتے ہیں کہ کس طرح وہ عام انسانوں سے ممیز ہو جاتے ہیں اسی مضمون کو اگلی آیت میں اور واضح کیا ہے اور دوسری جگہ صراحت سے بیان فرمایا ہے والسماء بنینٰہا بایید وانا لموسعون والارض فرشنٰہا فنعم الماھدون ومن کل شیٔ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون ففروا الی اللہ (الذٰریٰت ۵۱: ۴۷ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰) اے انسان غور کر کہ آسمان کو ہم نے کس طرح وسعت دی ہے اور زمین کو کیا اچھا بچھایا ہے دیا ہے ان دونوں میں کیسا تعلق رکھا ہے کہ ایک میں اثر ڈالنے کا مادہ ہے تو دوسرے میں اثر قبول کرنے کا اگر ایک بھی ان دونوں میں سے اپنا کام چھوڑ دے تو کس طرح یہ نظام بگڑ جاتا ہے۔ پھر ان دو پر کیا انحصار ہے؟ ہم نے ہر چیز کے ہی جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں (ساری مخلوق میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک چیز کے اثر ڈالنے اور دوسری کے اثر قبول کرنے سے ہی سلسلہ نظام عالم چلتا ہے) پس اے انسان تو بھی اللہ کی طرف بھاگ کیونکہ اس کے بغیر وہ نظام روحانی قایم نہیں رہ سکتا جو انسان کی زندگی کی علت غائی ہے ÷

1597 رفع سماوات کے مقابل یہاں مد الارض سے شروع کیا۔ اور یوں آسمان اور زمین کے تعلق زوجیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پھر جس طرح وہاں سورج اور چاند ہیں۔ یہاں پہاڑوں اور دریاؤں کا کیا عجیب تعلق ہے کہ پہاڑ بادلوں کو کھینچتے ہیں اور پہاڑ پر پانی برستا ہے تو اس سے دریا بنتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ تمام قسم کے پھلوں میں بھی جوڑے ہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے

لقاء اللہ

انسان کا تعلق خدا سے

ہر چیز کے ازدواج

۴ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ

اور زمین میں پاس پاس قطعے ہوتے ہیں اور انگوروں کے باغ اور کھیتی اور کھجوریں ایک ہی جڑ سے کئی کئی نکلی ہوتیں

وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ

اور الگ الگ جڑوں سے نکلی ہوئیں (سب) کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ہم انہیں بعض کو بعض پر پھلوں میں فضیلت دیتے ہیں

۵ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا

یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ۱۵۹۸ اور اگر تو تعجب کرے تو ان کا یہ کہنا عجیب ہے کہ کیا جب ہم

كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

مٹی ہو جائینگے تو پھر ایک نئی پیدائش میں آئیں گے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کا انکار کرتے ہیں اور یہی ہیں

الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

جن کی گردنوں میں زنجیریں ہیں اور یہی آگ والے ہیں وہ اسی میں رہینگے ۱۵۹۹

جیسا کہ آج ہی دنیا کو علم ہوا زمانہ نزول قرآن کیوقت دنیا اس سے بیخبر تھی۔ پھر اور ترقی کر کے فرمایا رات کی تاریکی کا پردہ دن پر ڈالتا ہے گویا رات اور دن میں بھی ایک تعلق زوجیت ہے۔ ورنہ رات دن کو ثمرات سے کیا تعلق۔ فرمایا نشان تو اس میں ہیں مگر فکر کرنے بغیر ان کا علم نہیں ہوتا۔

قِطَعٌ۔ قِطْعَة — **۱۵۹۸** اقطع۔ قطع قِطْعَة کی جمع ہے ایک ٹکڑا۔ قطعاً من اللیل (یونس۔ ۲۷) اور قِطْعٌ اور قِطْعَة کے ایک ہی معنی ہیں فاسر باھلک بقطع من اللیل (ھود۔ ۸۱)

جَاوَرَ۔ تَجَاوَرَ — متجاورات جار کے معنی ہیں ہمسایہ اور پھر محض قرب پر اس کا استعمال ہوا ہے۔ اور جاور۔ تجاور کے معنی ہیں ایک دوسرے کے پاس ہونے لا یجاورونک فیہا الا قلیلا (احزاب ۳۳۔ ۶۰) (غ) اور متجاور ایک دوسرے کے پاس۔

مُتَجَاوِر

صِنْو — صنوان۔ صنو شاخ جو درخت کی جڑ سے نکلے اور صنوان اس کا تثنیہ اور صنوان جمع ہے (غ)۔

اختلاف مراتب انسانی — جب یہ بیان کیا کہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے تو اب باوجود اس تعلق کے اختلاف مراتب کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ اختلاف خود اس استعداد سے بھی پیدا ہوتا ہے جو قبولیت کے لئے چیزوں میں ہے چنانچہ زمین تو ایک ہی ہے مگر اس کے مختلف قطعات کو دیکھو کہ پاس پاس قطعات ہوتے ہیں پھر ان میں سے بعض ایک قسم کے پھل کو اچھا اگاتے ہیں بعض دوسری قسم کے پھر باوجود اسکے کہ ایک ہی پھل ہو اور ایک ہی پانی ملتا ہو انکے ذائقوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے یہاں لفظ اُکل اختیار کیا ہے کہ پھل اور ذائقہ دونوں پر آسکے اس کے معنی کیلئے دیکھو ۲۲۴۔ اس میں مسئلہ تناسخ کی بھی تردید کر دی ہے کہ اگر انسانوں میں اختلاف مراتب ہے تو یہ اختلاف تقاضائے قدرت سے ہے بدوں اس اختلاف کے دنیا رہ ہی نہیں سکتی یہاں تک کہ زمین کے مختلف قطعات میں بھی اختلاف ہے پس جن لوگوں نے محض اختلاف مراتب و استعداد انسانی کو دیکھ کر یہ خیال کر لیا ہے کہ کسی پہلی زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہے انہوں نے عقل سے کام نہیں لیا ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ اختلاف تمام عالم میں موجود ہے اور موجودات اس اختلاف کے بغیر رہ ہی نہ سکتی تھی۔ اختلاف مخلوق کا خاصہ ہے ہاں اس اختلاف میں جو وحدت نظر آتی ہے وہ اسباب کی شہادت ہے کہ ایک ہی خالق کے ہاتھ سے یہ نکلی ہوئی چیزیں ہیں۔

تردید تناسخ

غُلّ۔ اغلال — **۱۵۹۹** اغلال۔ غلل کے معنی درمیان میں ہونا ہیں اور غُلّ وہ چیز ہے جس سے انسان قید کیا جاتے یعنی اسکے اعضا اکٹھے باندھ کر

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ ۶

اور بھلائی سے پہلے تجھ سے دکھ کی جلدی کر رہے ہیں اور ان سے پہلے عبرتناک مثالیں گزر چکی ہیں

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور یقیناً تیرا رب لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے معاف کرتا رہتا ہے اور یقیناً تیرا رب بدی کی سزا دینے میں سخت بھی ہے ۱۶۰۰

اغلال سے مراد

درمیان میں کر دیئے جائیں اس کی جمع اَغلال ہے۔ اور انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا (یٰسٓ ۳۶-۸) سے مراد ہے مَنَعْنٰھُمْ فِعْلَ الخیر یعنی انہیں نیکی کے کاموں سے روک دیا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا دلوں پر مہر وغیرہ کا لگانا (غ) اور والاغلال التی کانت علیھم میں زجاج کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کی وہ رسوم ہیں جن میں جکڑے ہوئے تھے یا ایسی باتیں جو ان میں روک کے طور پر تھیں جیسا مثال کے طور پر کہتے ہیں ھٰذا طوق فی عنقک حالانکہ طوق فی الحقیقت مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ تم پر لازم کر دیا گیا ہے اور اذا الاغلال فی اعناقھم (المؤمن ۴۰-۷۱) میں مراد ایسے اعمال ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے ہیں (ل) اور تفاسیر میں بھی یہاں یہ معنی جائز قرار دیئے ہیں کہ مراد ایمان سے رکنا وغیرہ ہے (د) یا ان کے بُرے رسوم و رواج جو زنجیروں کی طرح ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں (ح)

بعث بعد الموت دوسروں کا انکار

قوائے روحانی کا نشوونما

تعلق باللہ کا کمال چونکہ زندگی بعد الموت میں حاصل ہوتا ہے اس لئے اب مضمون کا انتقال اس طرف کیا ہے اور اس زندگی بعد الموت کو خلق جدید یا ایک نئی پیدائش قرار دیا ہے وہ یہ زندگی نہیں اور دوسری جگہ صفائی سے فرمایا و ننشئکم فی ما لا تعلمون (الواقعۃ ۵۶-۶۱) یعنی ایسی زندگی تمہیں دینگے جس کو تم نہیں جانتے۔ اس خلق جدید کے انکار کو انکار رب قرار دیا ہے۔ اولٰئک الذین کفروا بربھم۔ اس لئے کہ گو ایسے لوگ خدا کو مانتے ہوں مگر اس کی صفت ربوبیت کا وہ انکار کرتے ہیں کیونکہ اس کی صفت ربوبیت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان کو اس کے کمال روحانی تک پہنچائے۔ اور وہ کمال زندگی بعد الموت میں حاصل ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ ان کی گردنوں میں طوق ہیں یعنی جو لوگ لقاء اللہ کے منکر ہوتے ہیں ان کے قوائے روحانی نشوونما پانے سے رک جاتے ہیں جس طرح وہ شخص جس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے جائیں کاروبار سے رک جاتا ہے اور یہ سچ ہے کہ لقاء اللہ سے انکار کر کے قوائے روحانی کا نشوونما رک جاتا ہے اور اس طرح رک جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اصحاب النار ہیں گویا قوائے روحانی کے نشوونما سے جنت پیدا ہوتی ہے اور ان کے نشوونما کے رک جانے سے آگ پیدا ہوتی ہے اور یہی انسان کا دوزخ ہے ومن کان فی ھٰذہ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی (بنی اسرائیل ۱۷-۷۲)

مُثْلَة

۱۶۰۰ مثلٰت۔ مُثْلَة کی جمع ہے۔ اور وہ وہ سزا ہے جو انسان پر آئے۔ تو اس کو ایک مثال بنا دے جس سے دوسرے رک جائے (غ)، بخاری میں ہے کہ یہ مَثُلَة کی جمع ہے جس کے معنی اشباہ و امثال ہیں

دکھ کو بھلائی سے پہلے چاہتے ہیں اور اس کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر حق کو قبول کریں اس پر عمل کریں تو ان کے لئے بھلائی ہے اگر اسے رد کریں تو ان کے لئے دکھ ہے پس رد کرنے میں جلدی کرنا گویا دکھ کے لئے جلدی کرنا ہے۔ اپنے فائدہ کی بات کو چھوڑ کر دکھ کو قبول کرتے ہیں اور یہ بھی غور نہیں کرتے کہ پہلے لوگوں نے یہی راہ اختیار کر کے کیسی سزا پائی

۷ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ

اور جو کافر ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اس پر اپنے رب کی طرف سے (ہلاکت کا) نشان کیوں نہیں اُتارا جاتا۔ تو صرف ڈرانیوالا ہے

ع ۱۱

تعلق باللہ کے نتائج

۸ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا

اور ہر قوم کیلئے راہ دکھانیوالا ہے ۱۶۰۱ اللہ جانتا ہے جو ہر ایک مادہ حمل میں لیتی ہے اور جسے رحم تکمیل کو نہیں پہنچاتے اور جسے

تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ ۝

وہ بڑھاتے ہیں۔ اور ہر ایک چیز اسکے ہاں اندازہ سے ہے ۱۶۰۲

مطالبہ نشان ہلاکت اور اس کا جواب

۱۶۰۱ آیۃ سے مراد یہاں وہی نشان ہلاکت ہے جس کی طرف پچھلی آیت میں بھی اشارہ ہے یستعجلونک بالسیئۃ یعنی حق کی مخالفت کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت کی وجہ سے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا تو کہتے ہیں وہ نشان ہلاکت کیوں نہیں آتا جس سے ڈرایا گیا تھا۔ اس کا جواب دیا ہے کہ نبی صرف منذر ہے یعنی بدی کے بد انجام سے ڈرا دینا اس کا کام ہے اس انجام کو لانا اس کے اختیار میں نہیں یہ نشان کا انکار نہیں بلکہ بتایا ہے کہ جب ڈرایا جاتا ہے تو وہ عذاب بھی آکر ہی رہے گا۔ اور

تمام اقوام کیلئے انذار اور ہدایت اور ختم نبوت

یہ جو بڑھایا ولکل قوم ھاد تو مطلب یہ ہے کہ چونکہ آپ کو ہر قوم کا ہادی بنا کر بھیجا گیا ہے اس لئے وہ باتیں جن سے آپ ڈراتے ہیں وہ بھی ہر قوم کے لئے ہیں پس جو کوئی قوم بھی آپ کی مخالفت کرے گی اسی کے لئے یہ انذار بھی ہے۔ یہ آیت علاوہ اس کے کہ آنحضرت صلعم کی بعثت عامہ کا ذکر کرتی ہے ختم نبوت پر بھی دلیل ہے اس لئے کہ کل اقوام عالم کی ہدایت اور انذار کیلئے آپ کے سپرد کیا گیا۔ عذاب انذار کا نتیجہ ہے جب انذار آپ کی طرف سے ہوا تو عذاب بھی جو آتے گا وہ آپ کے انکار کی وجہ سے آئیگا اور یہ انذار اگر آپ کے پیرو کریں تو بھی آپ کی طرف سے ہی ہوگا کیونکہ اس حق کے بعد جو نبی صلعم لائے دوسرا کوئی حق آنیوالا نہیں بعض نے ولکل قوم ھاد کے معنی یوں بھی کئے ہیں کہ ہر قوم میں ایک ہادی ہو گزرا مگر یہ معنی یہاں موزوں نہیں +

حَمَلَ یَحْمِلُ
اِحْتَمَلَ

۱۶۰۲ حَمَلَ یَحْمِلُ۔ ظاہری بوجھ پر اور حَمْل باطنی بوجھ پر بولا جاتا ہے جیسے پیٹ میں بچہ اور بادل میں پانی اور درخت میں پھل وان تدع مثقلۃ الی حملھا (فاطر ۳۵-۱۸) اور اِحْتَمَلَ اور حَمَلَ کے ایک ہی معنی ہیں (غ) +

نتائج اعمال کی تشبیہ حمل سے

پیچھے بھی اعمال کی جزا و سزا کا ذکر ہے اور آگے بھی اور درمیان میں یہ ایک آیت ہے پس اس سے مراد صرف اس قدر لینا کہ اللہ کو یہ علم ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا یا لڑکی ہے اور مدت حمل آٹھ یا نو یا دس مہینے ہے درست نہیں۔ بلکہ جس طرح پچھلے رکوع میں آسمان اور زمین کی، اور پھر ہر شے میں ایک اثر ڈالنے والے اور ایک اثر قبول کرنے والے کی مثالیں دی تھیں اسی طرح یہاں عورت کے حمل کو بطور ایک مثال کے بیان کیا ہے۔ گویا عمل کرنے والا بمنزلہ ایک مادہ کے ہے اور جو عمل وہ کرتا ہے وہ بطور حمل کے ہے جس طرح عورت کے پیٹ میں وہ چیز نظروں سے مخفی ہوتی ہے جو اندر ہی اندر تیار ہو رہی ہے اسی طرح اعمال کے نتائج نظروں سے مخفی ہوتے ہیں لیکن ایک صورت وہ اندر ہی اندر تیار کرتے جاتے ہیں۔ گویا وحی الٰہی اثر ڈالنے والی چیز ہے انسان اثر قبول کرنے والا ہے۔ اعمال جو اس اثر سے پیدا ہوتے ہیں وہ بمنزلہ حمل کے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ بعض کو رحم تکمیل تک نہیں پہنچاتے اور بعض کو بڑھاتے ہیں تو یہی حالت اعمال میں ہے بعض وقت ایک انسان اچھے عمل کرتا ہے جن سے اچھے نتائج کی توقع ہونی چاہئے مگر یک مرتبہ کوئی ایسی آفت آجاتی ہے کہ وہ نتیجہ تکمیل پذیر ہونے سے رہ جاتا ہے جس طرح حمل بعض وقت پوری پرورش نہ پانے کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور بعض پوری قوت پا کر کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور آخر پر کل شیء عندہ

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ○ سَوَاءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن ۱۰

وہ غائب اور حاضر کا جاننے والا، بڑا بہت بلند ہے ۱۶۰۳ (اسکے نزدیک سب) برابر ہیں جو تم میں سے بات کو چھپائے اور جو اسے

جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ○ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن ۱۱

پکار کر کہے اور جو رات کو چھپ جاتے اور جو دن کو چل رہا ہو ۱۶۰۴ اس کیلئے اس کے آگے اور پیچھے

بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا

(اعمال کا) پیچھا کرنیوالے ہیں جو اسے اللہ کے حکم سے محفوظ کر لیتے ہیں یقیناً اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جبتک کہ وہ اپنی

مَا بِأَنفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ ○

جانوں کی حالت کو (نہ) بدلیں اور جب اللہ کسی قوم کیلئے تکلیف کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کسیطرح رد نہیں ہو سکتی اور ان کیلئے اسکے سوا کوئی مددگار نہیں ۱۶۰۵

بعقاد کہ ما انہی نتائج اعمال کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی ہر چیز کا (اور یہاں ذکر بالخصوص اعمال کا ہے) اسی پر قیاس کرو۔ چنانچہ اگلا سارا مضمون اس معنی کی تائید کرتا ہے یہانتک کہ آیت ۱۱ میں صاف فرمایا کہ ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کے محفوظ کر نیوالے فرشتے محفوظ کرتے رہتے ہیں گویا وہ ایک نتیجہ پیدا کرتا رہتا ہے *

کبر۔ الکبیر۔ المتکبر ۱۶۰۳ الکبیر۔ کبر کیلئے دیکھو ۵۳ اور کِبَر کے معنی رفعت اور شرف بھی ہیں یا شرف میں رفعت۔ اور الکبیر اور المتکبر

کبریاء اللہ تعالیٰ کے اسماء میں اسی معنی میں ہیں یعنی عظمت و کبریاء والا۔ اور کبریاء کمال ذات اور کمال وجوب پر دلالت کرتا ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کے وصف میں نہیں آتا (ت) اور چونکہ کبیر اور صغیر نسبتی اسماء ہیں اور کبیر کا اطلاق معنی

اکبر رئیس وغیرہ بھی ہو جاتا ہے جیسے انہ لکبیرکم الذی علمکم السحر (طٰہٰ ۲۰-۷۱) اس لئے اللہ اکبر میں یہ بتانا مراد ہے کہ وہ سب سے بڑا ہے۔ جیسے الاعلیٰ میں دوسروں پر اس کا علو مراد ہے *

عُلُوّ۔ عَلَاء المتعال۔ عُلُوّ پستی کی ضد ہے اور علا یعلو اسے مصدر عُلُوّ اور عَلِیَ یَعْلیٰ سے علاء ہے اور ان میں سے پہلا اچھے اور برے دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے اور دوسرا صرف اچھے معنی میں اور پہلے کی مثالیں قرآن شریف میں بہت ہیں ان میں سے

علا علا فی الارض (القصص ۲۸-۴) وکانوا قوماً عالین (المؤمنون ۲۳-۴۶) لا یریدون علوا فی الارض (القصص ۲۸-۸۳)

علیّ۔ تعالیٰ ولتعلن علوا کبیرا (بنی اسرائیل ۱۷-۴) اور دوسرے یعنی عَلِیَ سے عَلِیّ ہے جس کے معنی رفیع القدر ہیں اور مراد یہ ہے کہ وہ اس قدر بلند ہے کہ وصف کرنے والوں کا وصف یا عارفوں کا علم اس کا احاطہ کر سکے۔ اور تعالیٰ سے بھی یہی مراد ہے اور باب تفاعل

متعال اس صورت میں مبالغہ کے لئے ہے (غ) اسی سے متعال ہے *

استخفاء ۱۶۰۴ مستخف۔ خَفِیَ کے معنی چھپ گیا اور اِخفا چھپانا اِستخفاء طلب اخفاء یعنی چھپانے کی کوشش کرنا لیستخفوا منہ (ھود ۱۱-۵) (غ) اسی سے مستخفی اسم فاعل ہے *

سرب سارب۔ سَرَب کے معنی نشیب کی طرف جانا ہیں فاتخذ سبیلہ فی البحر سربا (الکہف ۱۸-۶۱) اور سارب بطاہر چلنے والے کو کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں ان خفیہ منصوبوں اور کھلی شرارتوں کی طرف بھی اشارہ ہو جو نبی کریم صلعم کے خلاف کی جاتی تھیں *

تعقیب۔ معقب ۱۶۰۵ معقبات۔ عقب سے ہے اور تعقیب کے معنی ایک چیز کو دوسری کے پیچھے لانا لا معقب لحکمہ (الرعد ۱۳-۴۱) یعنی جب اسکا

۱۲ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ

وہی ہے جو تمہیں ڈراتا ہوا اور امید دلاتا ہوا (بجلی کی) چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل اُٹھاتا ہے ۱۹۰۶

حکم آجائے تو پھر اسکے پیچھے کوئی دوسرا حکم لانیوالا نہیں مطلب یہ کہ آخری حکم اسی کا ہے اس کا رد کرنے والا کوئی نہیں۔ اور معقبات کے معنی کئے گئے ہیں وہ فرشتے جو انسان کی حفاظت کرتے ہوئے ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں (غ) اور جو شخص ایک کام کرے پھر اس کی طرف عود کرے تو یہ تعقیب ہے اسی لئے اس شخص کو مُعقّب کہا جاتا ہے جو نماز کے بعد نماز پڑھتا ہے یا غزوہ کے بعد غزوہ کرتا ہے (ل)، اور یا ملائکہ کو معقبات اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ وہ انسان کے اقوال اور افعال کا پیچھا کرتے ہیں یعنی ہر لکھا محفوظ کرتے چلے جاتے ہیں (ر) اور معقبۃ میں تا مبالغہ کے لئے ہے یا معقبۃ معقب کی جمع ہے اور معقبات جمع الجمع ہے +

معقبات کون ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مصائب وغیرہ کے پہنچنے سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر یہ معنی نہ تو لفظ معقبات کے لحاظ سے چسپاں ہیں اور نہ ہی سیاق و سباق کے لحاظ سے۔ معقبات کے ایک معنی کے لحاظ سے یہ وہ فرشتے ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور یہ فرشتے وہی ہیں جو انسان کی حسنات اور سیئات کو لکھنے والے ہیں اور یہی ملائکۃ اللیل اور ملائکۃ النہار کہلاتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے تو بالکل صاف ہے انہم یعقبون اقوال الشخص و افعالہ ای یتبعونہا ویحفظونہا بالکتابۃ پس یہ وہی ملائکہ ہیں جن کو دوسری جگہ کراماً کاتبین کہا ہے اور سیاق اور سباق کے لحاظ سے بھی ظاہر ہے کہ یہاں ذکر انسان کی بلاؤں سے حفاظت کا نہیں، بلکہ اس کے اعمال کی حفاظت کا ہے جیسا کہ اس سے پچھلی آیت سے اور اگلے الفاظ لایغیر مابقوم سے ظاہر ہے۔ اور خود قرآن کریم کی شہادت بھی بالصراحت موجود ہے کہ انہیں ملائکہ کو حافظ اور نگہبان کہا گیا ہے مثلاً ایک جگہ فرمایا مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (قٓ ۵۰ - ۱۸) کوئی بات منہ سے نہیں نکلتی مگر اس کے پاس ایک حفاظت کرنیوالا تیار رہتا ہے۔ اور دوسری جگہ ہے وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون (الانفطار ۸۲ - ۱۱ و ۱۲) تم پر حفاظت کرنے والے ہیں کراماً کاتبین وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو اور یہی مراد یحفظونہ من امر اللہ سے ظاہر ہے اور یحفظونہ میں ضمیر یا اس عمل کی طرف ہے جو انسان کرتا ہے۔ اور یا خود کرنے والے انسان کی طرف ہے کہ اس کی حفاظت سے مراد اس کے اعمال کی ہی حفاظت ہے کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو حفاظت کے قابل ہے اور اس کتاب کے متعلق ہی دوسری جگہ فرمایا وعندنا کتٰب حفیظ (قٓ ۵۰ - ۴) +

اعمال کی ذمہ داری کے احساس میں ہی شرف انسانیت ہے جس قدر انسان ترقی کرتا چلا جاتا ہے اسی قدر اس میں اپنے اعمال کی ذمہ داری کا احساس زیادہ سے زیادہ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے اور اس احساس ذمہ داری کو مذہب نے اور بالخصوص اسلام نے کمال تک پہنچا دیا جب یہ قانون بتا دیا کہ کسی حال میں ہو ہر ایک عمل لکھ لیا جاتا ہے یعنی محفوظ کر لیا جاتا ہے اس لئے کوئی عمل بھی انسان کا بلا نتیجہ نہیں رہتا اس اصول کے تسلیم کرنے میں نسل انسانی کی حقیقی بہتری ہے اس لئے اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ اگر کوئی قوم اپنی بہتری چاہتی ہے تو اسکے افراد اپنی حالت کو تبدیل کریں بدون اس کے قوم کی حالت بہتر نہیں ہو سکتی آج مسلمان اس اصول کو فراموش کرکے ادھر اُدھر بھٹک رہے ہیں اور اپنے نفسوں کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو وہ ٹلتا نہیں تو مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تو انسان کے اعمال پر ہے۔ جب ایک قوم کے اعمال کا یہ تقاضا ہو جاتا ہے کہ اس پر مصیبت آئے تو پھر وا وبلا سے وہ دور نہیں ہوتا ہاں پھر بھی اصلاح کریں تو اللہ تعالیٰ اسے دور کر دیتا ہے +

۱۹۰۶ برق۔ وہ چمک اور رعد وہ گرج ہے جو بادل سے پیدا ہوتی ہے +

السحاب الثقال۔ ثقال۔ ثقیلۃ کی جمع ہے بھاری سحاب چونکہ اسم جنس ہے اس لئے اس کی صفت جمع لائی گئی +

معقبات

معقبات سے مراد کراماً کاتبین ہیں۔

اعمال کی ذمہ داری کا احساس کامل اسلام نے پیدا کیا

قوم کی حالت کیونکر بدل سکتی ہے

برق۔ رعد

ثقال

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ ۱۳

اور گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے اور وہ بجلیاں بھیجتا رہتا ہے پھر جس پر

بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ لَهٗ دَعْوَةُ ۱۴

چاہتا ہے انہیں گراتا ہے اور وہ اللہ کے بارہ میں جھگڑتے ہیں اور وہ بڑی قوت والا ہے ۱۶۰۷ سچی دعا اسی کے

الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ

لئے ہے اور وہ جنہیں وہ اسکے سوائے پکارتے ہیں وہ انہیں کوئی بھی جواب نہیں دیتے مگر اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں

كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝

ہاتھ پانی کیطرف پھیلاتا ہے تاکہ وہ اسکے منہ تک آپہنچے اور وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی دعا ضائع ہی ہوگی ۱۶۰۸

محال

۱۶۰۷ محال۔ کا اصل مَحَلَ ہے اور اس کے معنی عقوبت کا وارد کرنا ہیں اور بعض کے نزدیک محال کا اصل حَوْل یعنی قوت ہے (غ)۔

وحی کی مثال بارش سے

چونکہ اس رکوع کا مضمون بھی صداقت وحی ہے اور قرآن کریم میں وحی کی مثال بارش سے دی ہے او کصیب من السمآء فیہ ظلمٰت ورعد وبرق (البقرۃ۔۱۹) اسی مناسبت سے یہاں بارش اور بادل اور رعد اور برق کا ذکر کیا ہے اور آگے آیت ۱۷ میں اس کی اور وضاحت کردی ہے وحی الٰہی کو نزول باران سے یہ مشابہت ہے کہ جس طرح بارش سے زمین کی مخفی طاقتیں کام کرنے لگ جاتی ہیں وحی الٰہی سے بھی انسانوں کی مخفی طاقتیں کام کرنے لگ جاتی ہیں اور ایک مردہ قوم میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی کچھ مشکلات بھی ہوتی ہیں اور صاعقہ کے بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ کچھ لوگ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اس باران رحمت سے فائدہ اٹھائیں الٹا جھگڑا کرکے اس کے تباہ کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر کچھ عذاب بھی آتا ہے مگر آخری نتیجہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد ہے دکھ اور تکلیف کی بھی یہی غرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح ہو +

تعلق باللہ سے ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے من دون اللہ سے نہیں

۱۶۰۸ لہ دعوۃ الحق۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی جاتی ہے وہ برمحل ہے اور قبول ہوتی ہے یا اس کا فائدہ پہنچتا ہے اور اس دعوت یا دعا سے مراد یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے مضمون یہاں بھی وہی ہے جو پیچھے چلا آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرکے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ مگر یہاں اسے توحید کی طرف منتقل کرکے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے جو اور بتوں وغیرہ سے تعلق پیدا کیا جاتا ہے تو اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ دی ہے کہ ایک پیاسا آدمی ہاتھ پھیلا کر پانی سے آرزو کرتا ہے کہ وہ خود چل کر اس کے منہ تک پہنچ جائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ قوتیں دی ہیں کہ وہ ان سب چیزوں کو اپنے تصرف میں لا سکتا ہے اور وہ اس کی خادم ہیں مگر غلط کار انسان انہیں اپنا مخدوم بنا لیتا ہے اور اپنی پیدائش اور ان چیزوں کی پیدائش کی علت غائی کو بھی باطل کرتا ہے

کافر کی دعا

دعاء الکافرین سے مراد یہاں وہی دعا ہے جو وہ اپنے بتوں وغیرہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور کافر جو بعض وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے جیسا کہ مشرکوں کے ذکر میں آتا ہے کہ وہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو بھی سن لیتا ہے دعوا اللہ مخلصین لہ الدین لئن انجیتنا من ھٰذہ لنکونن من الشاکرین فلما انجٰھم (یونس۔۲۲ و ۲۳) +

۱۵ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ السجدۃ

اور جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں چار و نا چار اللہ کو ہی سجدہ کرتے ہیں اور انکے سائے بھی صبح اور شام سجدہ کرتے ہیں[1609]

طوعًا وکرھًا سجدہ

۱۶۰۹ طوعًا و کرھًا۔ طوع انقیاد یعنی فرمانبرداری ہو اور کرہ اس کی ضد ہو۔ اور طوعًا و کرھًا سے مراد ہو کہ بہرحال اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں جو برضا و رغبت فرمانبرداری نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا نہیں کرتے وہ اس کا نتیجہ کسی اور رنگ میں بھگتتے ہیں اور اسی کو کرھًا فرمانبرداری کہا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون میں جکڑے ہوئے ہیں اگر قانون کو نہ مانیں اور اسکو توڑیں تو پھر آخر اس کی سزا اُٹھانی پڑتی ہو۔ یہ بھی آخرکار سجدہ ہی ہے گو نقصان کے رنگ میں۔ اور من فی السمٰوات والارض سے مراد یا ملائکہ اور جن و انس ہیں اور یا سب مخلوق اس میں شامل ہو۔

ظلال کا سجدہ

ظلال یا سایوں کے سجدے سے کیا مراد ہو۔ اس کی تصریح خود قرآن شریف نے دوسری جگہ کر دی ہو اولم یروا الیٰ ما خلق اللہ من شیء یتفیؤا ظلالہ عن الیمین والشمائل سجدا للہ وھم داخرون (النحل ۱۶: ۴۸) مطلب یہ ہو کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کے ماتحت چلتے ہیں تو انسان اس قانون سے باہر کیونکر نکل سکتا ہو جب اس کا سایہ تک بھی قانون میں جکڑا ہوا ہے

ظل کے معنی میں وسعت

گر آیا ظل یا سایہ سے مراد صرف انسان کا وہ سایہ ہو جو سورج کی وجہ سے پیدا ہوتا ہو۔ ظِلّ عربی زبان میں بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہو اس کے معنی پردہ اور سواد اور کسی چیز کا اپنا وجود بھی مراد لے لیا جاتا ہو حضرت ابن عباس کی حدیث میں آتا ہو ان الکافر یسجد لغیر اللہ وظلہ یسجد للہ جہاں ظِلّ کے معنی اس کا جسم لئے گئے ہیں جس سے سایہ پیدا ہوتا ہو (ت) اور ظلال البحر سے مراد اس کی موجیں لی گئی ہیں (ل) اور ظِلّ کے معنی خیال بھی آتے ہیں (ل) اور ظِل کے معنی حالت بھی ہیں انتقلت عن ظلی یعنی میں اپنی حالت سے الگ ہو گیا (ت)۔

ظل اللہ سے مراد

اور ظِلّ کا لفظ دو حدیثوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوا ایک میں ہو سبعۃ یظلھم اللہ فی ظلہٖ جہاں اللہ کے ظل سے مراد اس کی رحمت لی گئی ہو اور السلطان ظِلّ اللہ فی الارض جہاں ظل اللہ کے معنی ستر اللہ یا خاصۃ اللہ لئے گئے ہیں (ت، ل) اور دونوں حدیثوں سے ظاہر ہے کہ ظِلّ سے مراد اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا ظہور لیا گیا ہو جس طرح سایہ کسی شخص کا ظہور ہوتا ہو

ظلال کے سجدہ میں لطیف اشارہ

پس ظلال کے ظاہر معنی لیتے ہوئے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہو کہ انسان خود تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری چار و نا چار اختیار کرتا ہی ہو مگر اس کی صفات کا جو ظہور اعمال کے رنگ میں ہوتا ہو جسے انسان کا ظل کہنا چاہئے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قوانین کے ماتحت اور اس کا فرمانبردار ہو یعنی انسان جیسا بھی چاہے عمل کرے وہ گو اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرے مگر جو وہ عمل کرتا ہو چونکہ اس پر نتیجہ پھر اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق مترتب ہوتا ہو اس لئے وہ اس کا ظل یا عمل یا اس کی صفات کا ظہور اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتا ہو اور ظل بمعنی حالت اوپر بیان ہو چکا یہ معنی اس کے مطابق ہیں اور میرے نزدیک حضرت ابن عباس کی اس حدیث کے جو اوپر نقل ہو چکی الکافر یسجد لغیر اللہ وظلہ یسجد للہ کے یہی معنی ہیں اور یہی معنی ظلال کے الجنۃ تحت ظلال السیوف میں ہیں یعنی تلوار سے جو جہاد فی سبیل اللہ کیا جاتا ہے اس سے جنت حاصل ہوتی ہو۔

ظلی نبوت

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہو کہ صوفی جسے ظلی نبوت کہتے ہیں وہ فی الواقع نبوت نہیں بلکہ نبوت کی بعض صفات کی جھلک ہو جو ایک سچے پیروی کرنے والے میں پیدا ہو جاتی ہے جیسطرح ظل اللہ اللہ نہیں اسی طرح ظل نبی نبی نہیں اور نہ ظلی نبوت نبوت ہے اللہ اور نبی کے ظل ایسے ہی ہیں جیسے صاف پانی یا آئینہ میں آفتاب کا عکس کہ وہ آفتاب کی شکل پر نظر آتا ہے مگر فی الحقیقۃ آفتاب نہیں۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ ۱۶

کہو کون آسمانوں اور زمین کا رب ہے کہو اللہ کہو تو کیا تم اسکے سوائے ولی بناتے ہو جو اپنے آپکے لئے بھی کسی

لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي

نفع کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نقصان کا کہو کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں یا کیا اندھیرا اور

الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ

روشنی برابر ہیں یا کیا انہوں نے اللہ کے کوئی ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اسکی سی مخلوق پیدا کی ہو پس ساری مخلوق انکو یکساں نظر آتی ہو کہو

اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ ۱۷

اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے[۱۶۱۰] وہ بادل سے پانی اُتارتا ہے پھر نالے اپنے اپنے اندازے کے

بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاۗءَ حِلْيَةٍ اَوْ

مطابق بہ نکلتے ہیں پس سیلاب اوپر آئے ہوئے جھاگ کو بہا لیجاتا ہے اور اس میں جسے آگ میں تپاتے ہیں زیور یا اور

مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ڛ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ

سامان بنانے کیلئے اسی طرح جھاگ ہوتا ہے اسیطرح اللہ حق اور باطل کی مثال دیتا ہے سو جھاگ تو رائگاں جاتا ہے

جُفَاۗءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ۭ

اور وہ (پانی) جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے زمین میں ٹھہرا رہتا ہے اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے[۱۶۱۱]

غیر اللہ سے تعلق بیسود ہے

[۱۶۱۰] توحید کے مضمون کو جاری رکھا ہے تاکہ لوگ صرف ایک اللہ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کریں جس سے انسان کو فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ ایک انسان کو خدا سمجھکر یا خدائی کا مرتبہ دیکر یا کسی اور چیز کو اپنا معبود بناکر اور اس سے تعلق پیدا کرکے انسان کو حقیقتاً کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اسلئے کہ یہ چیزیں تو خود اپنی ذات کیلئے بھی نفع نقصان کی مالک نہیں اعمٰی وہ جاہل ہے جو غیر اللہ سے تعلق پیدا کرتا ہے اور بصیر مومن ہے ظلمات سے مراد کفر او ضلالت ہیں اور نور سے ایمان۔ آیت کے آخری حصہ میں خلق کو دلیل عبادت و الوہیت قرار دیکر جیسا کہ بارہا پہلے بھی بیان ہوچکا ہے یا یہا الناس

خلق دلیل عبادت اور الوہیت ہے

اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم (البقرہ ۲۔۲۱) فرمایا کہ جن کو معبود بناتے ہو کیا ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اس نے کچھ پیدا کیا ہو خلقوا کخلقہ کی شرط اسلئے لگائی کہ انسان بھی تو دن رات چیزیں بناتے رہتے ہیں اور خلق بمعنی اندازہ بھی کرتے رہتے ہیں مگر کیا اللہ تعالےٰ کی مخلوق جیسی بھی وہ کوئی چیز پیدا کرسکتے ہیں۔ ایک چیونٹی کیا ایک چیونٹی کا پاؤں بھی نہیں بنا سکتے۔ مسیح کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا گیا ہے جو مسلمان یہ مانتا ہے کہ آپ نے چمگادڑ بنائے تھے جو خدا کی مخلوق جیسی مخلوق ہے یا کوئی اور پرند بنائے تھے جو خدا کی مخلوق سے مل جل گئے ہیں وہ عیسائیوں کے ہاتھ میں مسیح کی خدائی کی ایک دلیل دیتا ہے ✣

زبد۔ رابی

[۱۶۱۱] زبدا رابیا۔ زَبَد کے معنی جھاگ ہیں۔ رابیا۔ رَبَا سے ہے جس کے معنی ہیں بڑھا اور اوپر آگیا اور یہاں زبدا رابیا سے مراد ہے جھاگ جو

وقف النبی علیہ السلام

۱۸ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ

ان لوگوں کیلئے جو اپنے رب کی فرمانبرداری کرتے ہیں بہتری ہے اور جو اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے اگر انکے لئے وہ سب کچھ بھی ہو جو زمین میں

جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ

ہے اور اسکے ساتھ اتنا ہی اور بھی تو وہ اسے فدیہ دینا چاہینگے ان کیلئے برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

ع ۸ ۹

مومن اور کافر کا انجام

۱۹ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۟ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ

اور وہ بری جگہ ہے ۱۶۱۲ بھلا کیا وہ جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے رب کیطرف سے تیری طرف اتارا گیا ہے سچ ہے اس جیسا ہے جو اندھا ہے

۲۰ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۟ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۟

عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ۱۶۱۳ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے

۲۱ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ

اور جو اسے ملاتے ہیں جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ ملایا جائے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب

۲۲ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۟ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

کا خوف رکھتے ہیں اور جو اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے صبر کرتے ہیں اور نماز کو قایم کرتے ہیں

اوپر آجاتا ہے اور اخذۃً رابیۃً (الحاقۃ ۶۹-۱۰) کے معنی ہیں شدت میں بڑھی ہوئی گرفت ◆

حِلیۃ حُلِیّ

حلیۃ ۔ زیور ا فمن ینشؤا فی الحلیۃ (الزخرف ۴۳-۱۸) جمع حُلِیّ ہے من حلیھم عجلا (الاعراف-۱۴۸) ◆

جُفاء

جفاء ۔ اَجْفَأَتِ القِدْرُ کے معنی ہیں ہانڈی نے (جھاگ کو) باہر پھینک دیا اور جُفاء وہ چیز ہے جو وادی باہر پھینک دیتی ہے یعنی ردی چیز (غ) ◆

اس مثال کو اللہ تعالیٰ نے خود ہی واضح کر دیا کہ یہ حق اور باطل کی مثال ہے۔ باطل ایک وقت اوپر نظر آتا ہے مگر وہ جھاگ کی طرح ہوتا ہے اور حق اس پانی کی طرح ہے جو لوگوں کو نفع دیتا ہے۔ بقدرھا میں یہ بتا دیا کہ جس طرح وادی اپنے قدر کے مطابق بارش کے پانی کو لیتی ہے اسی طرح ہر انسان اپنی استعداد کے مطابق وحی الٰہی سے فائدہ اٹھاتا ہے آج بھی باطل جھاگ کی طرح اوپر آیا ہوا ہے یہ جھاگ جاتا رہے گا اور حق رہ جائے گا ◆

۱۶۱۲ آخری آیت میں پھر تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی کہ اس کا نتیجہ بہتری ہے اور وہ بہتری جو اس ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے وہ دنیا کے سارے مال و دولت سے حاصل نہیں ہو سکتی دنیا کا سارا مال بھی اکٹھا کیا جائے تو اخلاق فاضلہ کو پیدا نہیں کر سکتا ◆

۱۶۱۳ جب پہلے دو رکوعوں میں یہ بیان کر دیا کہ وحی الٰہی انسان کے اخلاق پر اور اس کی روحانیت پر کیا اثر پیدا کرتی ہے تو اب مومن اور کافر کا اور ان کے انجام کا مقابلہ کیا ہے ◆

وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

اور اس میں سے جو ہم نے انہیں دیا ہے چھپا کر اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ ۲۳

یہی ہیں جن کیلئے (اس) گھر کا اچھا انجام ہو ۱۶۱۴ ہمیشگی کے باغ جن میں وہ داخل ہونگے اور (وہ بھی) جو انکے ماں باپ

اٰبَآئِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ

اور ان کی بیبیوں اور اولاد میں سے اچھے ہوں اور فرشتے ان پر ہر دروازہ سے داخل ہونگے ۱۶۱۵

عِقاب

عُقبیٰ۔ عاقِبۃ

۱۶۱۴ عقبی الدار۔ عُقُوبَۃ۔ اور مُعَاقَبَۃ اور عِقَاب تینوں لفظ عذاب یا سزا سے مختص ہیں گو اصل تینوں کے معنی میں انجام یا پیچھے لانا ہے اور عُقْب اور عُقْبٰی اور عَاقِبَۃ یہ تینوں لفظ ثواب سے خاص ہیں یعنی جہاں اچھا بدلہ یا اچھا انجام بتانا مراد ہو وہاں ان لفظوں کا استعمال ہوتا ہے خیر ثوابا وخیر عقبا (الکہف ۱۸: ۴۴) والعاقبۃ للمتقین (القصص ۲۸: ۸۳) وغ پس عُقْبٰی سے مراد ثواب یا اچھا انجام ہے اور تلک عقبی الذین اتقوا وعقبی الکافرین النار (۳۵) میں کافروں کے لیے عقبی کا لفظ صرف مقابلہ کے طور پر اختیار کیا ہے اور شاید اس لئے بھی کہ پھر آگ سے ہی ان کی اصلاح ہوگی اور الدار سے مراد یہ دار دنیا ہے یعنی جو دنیا میں رہکر یہ کام کرتے ہیں ان کیلئے اس گھر کا انجام بھی اچھا ہوتا ہے اس کی تصریح اگلی آیت میں ہے اس گھر کے انجام کو جنات عدن کہنے میں اشارہ ہے کہ وہ اس دنیا میں ہی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں ✦

بدی کو نیکی سے دور کرنے کی تعلیم

ان تین آیتوں میں مومنوں کے اوصاف بیان کئے سب سے آخر میں فرمایا کہ وہ برائی کو بھلائی سے دور کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ جو برائی کرتا ہے ضرور اس سے بھلائی کرتے ہیں کیونکہ بعض وقت برائی کی سزا دینی پڑتی ہے اور برائی کرنے والے کو تکلیف پہنچانی ضروری ہوتی ہے۔ یہ ناقص تعلیم انجیل کی مشہور پہاڑی وعظ میں ہے جو ایک وقتی تعلیم تھی۔ مگر جس پر دنیا ہمیشہ کے لیے کبھی بھی عامل نہیں ہو سکتی ہر طمانچہ مارنے والا ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے آگے دوسری گال کر دی جائے۔ اس لئے اس کامل تعلیم میں یہ ہدایت فرمائی کہ بدی کو دور کرنا اصل غرض ہونی چاہیے۔ ہاں اسے بھلائی سے دور کرو۔ اس میں یہ بات بھی آگئی کہ تم سے کوئی برائی کرے تو تم اس سے نیکی کرو اور یہ بھی کہ بدی کا دور کرنا اصل غرض سمجھو پس جہاں نیکی کرنے سے برائی دور نہیں ہوتی تو اچھے طریق سے اسے دور کرو۔ اور یہ بھی اس میں آجاتا ہے کہ اپنی طاقتوں کو نیکی پر لگا کر اپنی برائیوں کو دور کر دیتے ہیں ✦

عزیزوں کا جنت میں انسان کے ساتھ ہونا

۱۶۱۵ ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد کا ذکر اس لئے کیا کہ ان سے ہی انسان کی راحت کمال کو پہنچتی ہے۔ اور گو وہ اس کمال کو نہ پہنچے ہوں مگر انہی جنات میں وہ بھی ہونگے یعنی ان کے ساتھ ہوں گے۔ ہاں من صلح کی شرط لگا دی ہے کہ جنت خدا ان میں ہو اور اس لئے بھی یہ ذکر کیا ہے کہ جو لوگ ان اوصاف والے ہوتے ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ان کا نیک اثر انکے ماں باپ بی بی اولاد پر بھی پڑتا ہے اور فرشتوں کا ہر دروازہ سے داخل ہونا یہ ہے کہ جتنے اسباب نیکی کے ہوتے ہیں وہ ان سب سے بہرہ ور ہوتے ہیں دیکھو نوٹ ۲۴۰ اس لئے ملائکہ بھی ہر باب جنت سے ان پر داخل ہوتے ہیں ✦

۲۴ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۭ ۝ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ

تم پر سلامتی ہو اسلئے کہ تم نے صبر کیا سو کیا ہی اچھا (اس) گھر کا انجام ہوا[1616] اور وہ جو اللہ کے عہد کو

اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

اس کے مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور اسے توڑتے ہیں جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ ملایا جائے اور زمین میں

۲۶ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

فساد کرتے ہیں یہی ہیں جن کیلئے لعنت ہے اور جن کیلئے (اس) گھر کا برا انجام ہے[1617] اللہ جس کیلئے چاہتا ہے رزق

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ

فراخ کرتا ہے (اور جس کیلئے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے اور لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں صرف

۲۷ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ ع وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ

ع ۵ — قرآن سے کیا انقلاب ہوگا

عارضی سامان ہے[1618] اور جنہوں نے کفر کیا کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے نشان کیوں نہیں اُتارا گیا۔

۲۸ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ اَلَّذِيْنَ

کہو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑتا ہے اور اسے اپنی طرف رستہ دکھاتا ہے جو (اسکی طرف) رجوع کرتا ہے[1619] جو

اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝

ایمان لاتے ہیں اور انکے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں سُن رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے[1620]

۱۶۱۶۔ ابن جریر میں ہے کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر و عمر شہداء کی قبور پر جاتے تو یہ لفظ دہراتے تھے +

۱۶۱۷۔ یعنی اس دنیا کی زندگی میں رہ کر انہوں نے اپنے لئے بری کمائی کی اسلئے اس گھر کا انجام بھی ان کیلئے برا ہو +

۱۶۱۸۔ یہاں بتایا کہ رزق کی فراخی اور تنگی پر نہ جانا چاہئے یہ دنیا کے عارضی سامان ہیں۔ دونوں حالتوں میں رہ کر اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا چاہئے +

۱۶۱۹۔ اسی نشان ہلاکت کا مطالبہ پھر ہے جس کا مطالبہ آیت ۷ میں تھا۔ انہیں مثالیں دیکر سمجھایا جاتا ہے کہ وحی الٰہی سے وہ اسی طرح فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جس طرح زمین بارش سے فائدہ اُٹھاتی ہے مگر ان کا مطالبہ وہی ہے اس کا جواب اسی رکوع کی آخری آیت میں ہے کہ پہلے ان پر چھوٹی چھوٹی مصائب آتی رہیں گی یہاں تک کہ وہ نشان ہلاکت آ جائے +

ہدایت اور گمراہی کا قانون

آیت کے پچھلے حصہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کیطرف رجوع کرتا ہے اسے وہ ضرور اپنی طرف رستہ دکھا دیتا ہے اور جو رجوع نہیں کرتا خود قدم نہیں اُٹھاتا اللہ تعالیٰ اسے پکڑ کر نہیں لاتا بلکہ جس طرح وہ خود گمراہی میں رہنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے +

ذکر اللہ سے اطمینان قلب

۱۶۲۰۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان قلبی میسر آتا ہے یہ ایک حقیقت ہے جسے تمام پاک لوگوں کی زندگیاں روشن کرتی ہیں کہ کس طرح

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ۝ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ ۲۹ ۳۰

جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کیلئے انجام کار خوشحالی اور اچھا ٹھکانا ہی ۱۶۲۱ اسیطح ہم نے تجھے ایک امت میں

فِيْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَهُمْ

بھیجا ہی جس سے پہلے اُمتیں گزرچکی ہیں تاکہ تو ان پر وہ پڑھے جو ہم نے تیری طرف وحی کی اور وہ

يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ

رحمان کا انکار کرتے ہیں کہو وہ میرا رب ہی اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے توکل کیا اور

اِلَيْهِ مَتَابِ۝ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ ۳۱

اسکی طرف میرا رجوع ہی ۱۶۲۲ اور اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہی کہ جس سے پہاڑ دور کردیئے جائیں یا اس سے زمین کاٹ دی جائے

اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ

یا اسکے ذریعہ سے مردوں سے باتیں کیجائیں (تو یہی ہی) بلکہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں ۱۶۲۳

مصائب کے اندر مشکلات کے اندر ناکامیوں کے اندر قیدمیں پڑکر ان کے دلوں میں راحت ہوتی ہی۔ اور اللہ کے ذکر کے سوائے اطمینان قلبی میسر نہیں آتا یہ بھی ایک حقیقت ہی جسے تمام طالبان دنیا کی زندگیاں اظہر من الشمس کرتی ہیں کہ کس طرح جب ملک پر ملک فتح ہوتا چلا جاتا ہی تو دل میں اور آگ بھڑکتی ہے اور جب خزانہ پر خزانہ حاصل ہوتا جاتا ہی تو ہوس دنیا کی آگ اور تیز ہوتی جاتی ہی۔ نہ فتوحات نے اور نہ مال دنیا نے کسی شخص کے دل میں کبھی اطمینان پیدا کیا ہی۔ اور چونکہ قلب انسانی کو جبتک اطمینان میسر نہیں آتا اس وقت تک وہ ترقی کے قابل بھی نہیں ہوتا اور نہ اس کے وہ جوہر نشوونما پاتے ہیں جن کے لئے یہ پیدا کیا گیا ہے اسلئے یہ بتاکر کہ صرف اللہ کے ذکر سے ہی اطمینان قلب میسر آتا ہے توجہ دلائی ہی کہ قلب انسانی میں اللہ تعالی کے ساتھ تعلق پیدا کرکے ایک انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے۔

طوبیٰ

۱۶۲۱ طوبیٰ۔ طاب سے مصدر ہی اور اس کے معنی میں مختلف روایات ہیں۔ خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک۔ خیر کثیر کرامت وغیرہ (ل) مفردات میں ہی کہ طوبیٰ کہا گیا ہے کہ جنت میں ایک درخت کا نام ہے۔ اور ترجیح اس کو دی ہے کہ وہ جنت کی ہر ایک نعمت ہی جیسے بقا جس کے ساتھ فنا نہیں۔ عزت جس میں زوال نہیں۔ غنا جس میں فقر نہیں۔

متاب

۱۶۲۲ متاب۔ اصل میں متابی ہی۔ میرا متاب اور متاب کے معنی کامل توبہ ہیں یعنی ہر ایک قبیح بات کا ترک کرنا اور ہر ایک جمیل کا اختیار کرنا (غ)۔

وحی رحمانیت سے ہی

ان دونوں باتوں کا کہ ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جس طرح پہلے بھیجتے رہی اور یہ لوگ رحمان کا انکار کرتے ہیں یہ تعلق ہی کہ نزول وحی اللہ تعالی کی صفت رحمانیت سے ہی جس طرح اس نے انسانوں کے لئے دوسرے سامان اپنی قدرت کاملہ سے مہیا کئے ہیں اسی طرح ابدی زندگی کے حصول کے لئے وحی کا سامان رکھا ہے الرحمن علم القرآن (الرحمن ۵۵ - ۱ و ۲) جو لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں وہ اس ابدی زندگی کو حاصل کرینگے۔

أَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ط

تو کیا جو ایمان لائے ہیں انہوں نے جان نہیں لیا کہ اگر اللہ چاہے تو سب ہی لوگوں کو ہدایت دے دے ۱۶۲۴

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا

اور جنہوں نے کفر کیا انہیں اس کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے گھر کے قریب

مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۰

اُترے گی یہانتک کہ اللہ کا وعدہ آجائے بیشک اللہ وعدہ خلاف نہیں کرتا ۱۶۲۵

جَبَل

۱۶۲۳ اجبال جَبَل کی جمع ہے یعنی پہاڑ مگر یہ لفظ عظیم الشان انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے بعض وقت ثبات کے معنی کے لحاظ سے جو اس میں پایا جاتے (غ) اور فراء کا قول ہے الجَبَلُ سَيّدُ القوم و عالِمُهم (ل) یعنی قوم کے سردار اور ان کے عالم کو جَبَل کہا جاتا ہے اور طاقتور آدمی کیلئے کہا جاتا ہے فلان جَبَلٌ من الجبال (ل) وہ شخص پہاڑوں میں سے پہاڑ ہے +

قرآن کے کمالات

لَوْ کی جزا محذوف ہے ایسی صورتوں میں جواب اسلئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہو تو یہی ہے لکان ھذا القرآن (د) اور دوسری جگہ صفائی سے فرمایا لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ (الحشر ۵۹-۲۱) بلکہ للہ الامر جمیعًا کہکر صاف بھی کر دیا کہ یہ سب باتیں اسی قرآن سے ہو جائیں گی پہاڑوں کے دور کرنے یا اپنی جگہ سے ہٹا دینے سے مراد ان عظیم الشان آدمیوں کا دور کر دینا ہے جو اس کی راہ میں روک ہو رہے تھے جیسا کہ لفظ جبل کی لغوی تشریح سے ظاہر ہے۔ زمین کے کاٹنے سے مراد اس میں نہروں اور چشموں کا چلانا ہے (ج) اور مجازًا مراد علوم روحانی کی نہریں اور چشمے ہیں جیسا کہ اسی سورت میں وادیوں کے بقدر استعداد پانی کے لینے سے یہی مراد ہے ۱۶۱۱ اور مردوں کے کلام سے مراد روحانی مُردوں کا زندہ ہونا ہے جیسا کہ خود دوسری جگہ قرآن شریف نے فرمایا او من کان میتًا فاحییناہ (الانعام ۶-۱۲۳) و اذا دعاکم لما یحییکم اور بل کا یہاں لانا اسی لئے ہے کہ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ ایسا کہاں ہو سکتا ہے تو یاد رکھو کہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور ہو کر رہینگی۔ گویا پہلے آیت ۲۸ میں یہ بتایا کہ اس قرآن کے ذریعہ سے قلوب انسانی میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوگا تو اس کے بعد اب بتایا کہ یہ انقلاب دلوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ ظاہر میں بھی اور کھلے رنگ میں یہ ایک انقلاب عظیم پیدا کر کے دکھائیگا

یایئس بمعنی علم

۱۶۲۴ یایئس کے معنی یہاں یَعْلَم کئے گئے ہیں بعض نے کہا یہ معنی لغت ہوازن میں ہیں (د) اور بعض کے نزدیک یہ مجاز ہے کیونکہ مایوس ہونے والے کو یہ علم ہوتا ہے کہ یہ بات نہیں ہوگی (د) اور مفردات میں ہے کہ مومنوں کی اس سے یاس اس بات کی مقتضی تھی کہ ایسے نہ ہونے کے علم کے بعد حاصل ہو۔ اس لئے ان کی یاس کا قائم ہونا ان کے حصول علم کے قیام کا مقتضی ہوا +

یہاں بھی اسی کے مطابق خوشخبری ہے جو پہلے حصہ آیت میں تھی کہ یہ سب رکاوٹیں دور ہو کر مردے بولنے لگینگے کیونکہ یہاں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دیدے +

قَرْع ۔ قارعۃ

۱۶۲۵ قارعۃ ۔ قَرْع کے معنی ایک چیز کا دوسری پر مارنا ہیں اور قارعۃ مصیبت کو کہا جاتا ہے یا سخت مصیبت کو اور یہاں قارعۃ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلعم کا کوئی سریہ ہے (ل) اور قیامت کو بھی القارعۃ کہا ہے +

قارعہ سے مراد

یہ کفار کے مطالبہ نشان کا جواب ہے جو دو دفعہ آچکا ہے اور اس لئے اس کی تفسیر میں بھی قول صحیح ہے کہ یہاں کفار سے مراد قریش اور عرب ہیں اور قارعۃ سے مراد جنگیں ہیں اور وعد اللہ سے مراد اسلام کا آخری غلبہ اور اس کی حکومت ہے جو فتح مکہ

ع ۵/۶ کھلا فیصلہ

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۳۲

اور تجھ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ ہنسی کی جاتی رہی سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر انہیں پکڑا

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوا لِلَّهِ ۳۳

تو میرا (انہیں) سزا دینا کیسا تھا[۱۶۲۶] پھر کیا وہ جو ہر شخص کیلئے اس بات کی حفاظت کرنیوالا ہے جو وہ کماتا ہے اور انہوں نے اللہ کے

شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ

شریک بنا رکھے ہیں کہو انکے وصف بتاؤ کیا تم اسے اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتا یا کھلی ظاہری بات کی، بلکہ

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ

جو کافر ہیں انہیں اپنی چال اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ رستہ سے رک گئے اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اسے کوئی راہ دکھانیوالا نہیں[۱۶۲۷]

لَّهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ۳۴

ان کیلئے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور کوئی انہیں اللہ (کی سزا) سے بچانیوالا نہیں

سے قایم ہوئی اور قریبًا من دارھم میں یہ اشارہ ہے کہ وہ مصائب خواہ خود ان مخالفین اسلام پر نازل ہوتی رہیں یا انکے آس پاس نازل ہو کر ان کی تنبیہ کا موجب ہوتی رہیں اور تحل میں خطاب رسول اللہ صلعم کی طرف بھی ہو سکتا ہے یعنی تو ان کے گھر کے قریب نازل ہو جیسے حدیبیہ میں ہوا +

کفار کے استہزا کی وجہ

۱۶۲۶ یہاں کافروں کے استہزا کا ذکر اس لئے کیا کہ جب انہیں عذاب کا وعدہ دیا جاتا تھا تو وہ ہنسی کرتے تھے کہ یہ شخص جو کوئی طاقت نہیں رکھتا کوئی اس کی بات نہیں سنتا اس کے سامنے ہم ذلیل اور مغلوب ہونگے !

قائم

۱۶۲۷ من ھو قائم - قائم کے معنی یہاں حافظ ہیں کیونکہ قیام بمعنی مراعاۃ بھی آتا ہے (غ)، مراد ایسا شاہد یا دیکھنے والا ہے جو اس عمل کو محفوظ بھی رکھتا ہے یعنی اس پر جزا و سزا مترتب کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک شخص کو جو کچھ وہ کرتا ہے اسکی جزا یا سزا دیتا ہے کوئی عمل ضائع نہیں ہونے دیتا یہ تو اللہ کی شان ہے اور انہوں نے اس کے شریک بنا رکھے ہیں۔ بتانا یہ مقصود

شرک کا ابطال

ہے کہ غور کرو کیا وہ شریک بھی کچھ لوگوں کے اعمال کی جزا و سزا دیتے ہیں کیا ان کو بھی تھوڑی بہت قدرت ہے کہ لوگوں کے اعمال کو دیکھیں پھر ان پر جزا و سزا مترتب کریں۔ مفسرین نے اسے مبتدا قرار دیکر لیس کذالک کو محذوف قرار دیا ہے یعنی کیا وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو ایسا نہیں۔ اور قائم علی کل نفس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تم جو تدبیریں ہمارے رسول کے خلاف کر رہے ہو ہم انہیں بھی محفوظ کر رہے ہیں اسی کی وضاحت آیت کے آخر میں مکرھم میں موجود ہے +

تسمیۃ - اسم

سموھم۔ تسمیۃ کے معنی ہیں اس کے لئے اسم یا علم قرار دیا (ت)، سمیتھا مریم (آل عمران ۳ - ۳۵) میں مریم علم ہے اور اسم وہ ہے جس سے مسمی کا ذکر بلند ہوتا ہے اور وہ اس سے پہچانا جاتا ہے اسلئے ایک چیز کے وصف پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے لیسمون الملائکۃ تسمیۃ الانثیٰ (النجم ۵۳ - ۲۷) میں مراد یہ نہیں کہ ملائکہ کے لئے کوئی علم تجویز کرتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں یعنی ان کی صفت عورت ہونا بیان کرتے ہیں هل تعلم له سمیا (مریم ۱۹ - ۶۵) میں سمی یا ہمنام سے مراد

سمی

۳۵ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ

جنت کی مثال جس کا وعدہ متقیوں کو دیا گیا ہے (یہ ہے) اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اسکے پھل ہمیشہ رہینگے اور اسکی آسایش (بھی)

۳۶ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوا ۖ وَّعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ۝ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ

یہ ان کا اچھا انجام ہے جو تقوٰی اختیار کرتے ہیں اور کافروں کا انجام آگ ہے ۱۶۲۸ اور وہ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے

يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ ۖ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَن يُنكِرُ بَعْضَهُ ۚ قُلْ

وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو تیری طرف اُتارا گیا اور کچھ فرقے اس کی بعض (باتوں) کا انکار کرتے ہیں کہہ

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ۚ إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ مَآبِ ۝ ۱۶۲۹

مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اسکے ساتھ شریک نہ کروں اسکی طرف میں بلاتا ہوں اور اسکی طرف میرا رجوع ہے

اس کی نظیر ہے یعنی ایسا موصوف جس پر اسکی صفات صادق آسکیں اور ان صفات کا وہ مستحق ہو اور محض نام مراد نہیں کیونکہ نام تو اوروں کے بھی اللہ کے ناموں پر رکھ لئے جاتے تھے۔ ایسا ہی سموھم میں یہ مراد نہیں کہ ان کے نام کیا ہیں وہ بتاؤ مثلاً لات یا عزیٰ۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جنکو تم خدا کہتے ہو انکے متعلق حق امر کو ظاہر کرو اور بتاؤ کہ ان اسمائے معانی بھی ان میں پائے جاتے ہیں (غ)، اور بعض نے یوں معنی کئے ہیں کہ وہ تو ذکر کے قابل ہی چیزیں نہیں ہیں (ر) +

معبودان باطل

ام تنبؤنه بما لا یعلم فی الارض ام بظاھر من القول یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ایسے کوئی شرکا نہیں تو تم شریک قرار دیکر اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جو اس کے علم میں نہیں اور ایسی چیز فی الحقیقت موجود نہیں ہوسکتی۔ اور ظاھر من القول سے مراد باطل لیا گیا ہے گویا ایسی بات جسکے نیچے حقیقت کوئی نہیں اور ایک معنی اس کے یہ بھی لئے گئے ہیں کہ کوئی کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے جس میں کھلے طور پر ان چیزوں کا نام خدا رکھا ہو (ر)، اور بلحاظ سیاق یوں بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو خود ہر عمل پر قایم یعنی اس کا شاہد ہے تو تم اس کے ساتھ شریک ٹھہرا کر یا اسے کچھ ایسی باتوں کی ان شریکوں کے ذریعہ سے خبر پہنچاتے ہو جنکو وہ نہیں جانتا یا کسی ظاہر بات کی خبر پہنچاتے ہو یعنی تمہارا یہ خیال ہے کہ کچھ ایسے مخفی امور ہیں جنکا علم اللہ کو نہیں ان شریکوں کے ذریعہ سے وہ علم اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ یا یہ خیال ہے کہ ظاہر اور کھلی کھلی باتوں کی اللہ تعالیٰ کو خبر نہیں ہوتی یہ باتیں ان شریکوں کے ذریعہ سے اس تک پہنچائی جاتی ہیں +

مثل

۱۶۲۸ مثل۔ مَثَل اور مِثل سے مراد بعض کے نزدیک کسی چیز کا وصف بھی ہوتا ہے اور یہ اسکی مثال وہی ہے (غ)، اور اکثر مفسرین نے یہاں مراد الصفة الغريبة لی ہے یعنی نادر صفت مگر جب خود قرآن کریم اور حدیث صحیح نے بیان کر دیا کہ جنت کی نعماء ایسی چیزیں ہیں جنہیں آنکھوں نے نہیں دیکھا اور کانوں نے نہیں سنا اور دل پر نہیں گزریں تو لازماً ان کا ذکر اس دنیا کی چیزوں کے رنگ میں بطور مثال سمجھانے کیلئے ہے اور اسی لئے قرآن شریف نے انکے لئے یہاں اور سورہ محمد ۴۷ - ۱۵ میں مَثَل کا لفظ استعمال کیا ہے جو اپنے اصل معنی پر ہے اور اس لفظ کے اختیار کرنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ لازمی بات ہے کہ یہ نعماء کسی نہ کسی رنگ میں اس عالم میں بھی ان لوگوں کو ملیں جنہوں نے حق کو قبول کیا ہے مگر وہ نتائج عملی رنگ اختیار نہیں کرتے جبتک کہ قبولیت حق عمل میں نہ آئے۔ ظل کے معنی آسائش اس لحاظ سے کئے گئے ہیں۔ کہ جنت کی شان ہے لا یرون فیہا شمسا (الدھر ۷۶ - ۱۳)، ظل کے اس معنی کیلئے دیکھو ۶۲۶

جنت کی نعماء کا ذکر بطور مثال ہے +

۱۶۲۹ الذین اٰتینٰھم الکتٰب سے مراد اصحاب نبی یا مومن ہیں اور احزاب سے مراد یہود و نصاریٰ (ج) اور یہی سیاق چاہتا ہے +

۳۷ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

اور اسی طرح ہم نے یہ کھلا فیصلہ اُتارا ہے اور اگر تو ان کی خواہشوں کی پیروی کرے اسکے بعد جو تیرے پاس علم آ گیا

۳۸ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا

تو تیرے لئے اللہ کے مقابلہ پر کوئی ولی نہ ہوگا اور نہ کوئی بچانیوالا ہوگا ۱۶۳۰ اور ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے اور انہیں

لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ

بیبیاں اور اولاد بھی دی ۔ اور کسی رسول کی طاقت میں نہ تھا کہ وہ سوائے اللہ کے اذن کے نشان لاتا ہر

۳۹ ۴۰ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ

میعاد کیلئے ایک حکم معین ہے اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جو چاہتا ہے) قایم کرتا ہے اور اسکے پاس کتاب کا اصل ہے ۱۶۳۱ اور اگر ہم تجھے بعض وہ باتیں دکھا دیں

الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝

جو ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے وفات دیدیں تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے

عَرَبِی — ۱۶۳۰ عربی سے مراد یہاں واضح لیا گیا ہے جس کے لئے دیکھو ۱۵۱۶ +

کتاب — ۱۶۳۱ کتاب ۔ راغب کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد کبھی وجود میں لانا اور فنا کرنا بھی ہوتا ہے ۔ اور یہی اس کی مثال دی ہے ۔ اور لکل اجل کتاب کے معنی کئے ہیں کہ ہر وقت کیلئے اقتضائے حکمت سے کوئی چیز وجود میں لائی جاتی ہے اور کوئی فنا کی جاتی ہے اور یہی مطلب عندہ ام الکتاب کا ہے ۔ اور یہ اس کے مطابق ہے جو فرمایا کل یوم ھو فی شان (الرحمٰن ۔ ۲۹) (غ) +

ایک قوم کا جانا اور دوسری کا آنا — پہلے کفار کے استہزا کا جواب دیا ہے کہ بیوی بچے ہونا خلاف رسالت کوئی امر نہیں ۔ پہلے بھی رسولوں کی بیبیاں اور اولاد تھی اس کے بعد اس نشان کا ذکر کیا ہے جس کا وہ بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ پہلے رسول بھی اپنے اختیار سے اپنے مخالفوں کو ہلاک نہ کر دیتے تھے ۔ یہ اللہ تعالٰے کے اختیار کی بات ہے جب چاہے اور جس طرح چاہے کرے ۔ اور پھر اپنا عام قانون بیان کیا کہ ایک قوم کی جو اجل ہوتی ہے اس کے لیے بھی ایک مقرر وقت ہوتا ہے کہ کب اسے مٹایا جائے اور کب اس کی جگہ دوسری قوم کو کھڑا کیا جائے اور ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ کو بھی لیا گیا ہے یعنی اللہ تعالٰی کا علم جس میں سب احکام اصل میں موجود ہوتے ہیں اور روح المعانی میں ایک روایت کی ذیل میں بیان کیا ہے کہ ام الکتاب سے مراد اصولی احکام ہیں جن میں کبھی نسخ نہیں ہوتا اور قرآن کریم میں دوسری جگہ یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے آیات محکمات ھن ام الکتاب (آل عمران ۳ ۔ ۶) +

قضا و قدر ٹل سکتی ہے — یمحو اللہ ما یشاء و یثبت سے اس بات پر بھی شہادت ملتی ہے کہ اللہ تعالٰی چاہے تو اپنی قضا و قدر کو بھی ٹال دے اور یہی حق ہے واللہ غالب علی امرہ (یوسف ۱۲ ۔ ۲۱) میں اس طرف اشارہ ہے ۔ چنانچہ اگلی آیت میں یہ صاف فرما بھی دیا کہ بعض عذاب جن کا وعدہ دیا جاتا ہے ہم چاہیں تو وہ بھی کر دیں اور عذاب کا وعدہ کر کے اس کا نہ لانا اللہ تعالٰی کے وسیع عفو و کرم کا نتیجہ ہے جو انسان کے حیطہ خیال سے باہر ہے وہ کسی حالت میں بھی انسان کو مایوس نہیں ہونے دیتا +

۴۱ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۚ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ

اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اسکے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ فیصلہ کرتا ہو کوئی اسکے فیصلہ کو

لِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ ۴۲ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ

روکنیوالا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہو ۱۶۳۲ اور ان لوگوں نے بھی (حق کے خلاف) تدبیریں کیں جو ان سے پہلے تھے تو سب تدبیر

جَمِيْعًا ۚ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۚ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ○

اللہ کی ہی ہو وہ جانتا ہے جو ہر شخص کماتا ہو اور کافر جان لینگے کہ اس گھر کا اچھا انجام کس کیلئے ہو ۱۶۳۳

طرف

۱۶۳۲ اطراف - طَرَف کی جمع ہو جس کے لئے دیکھو ۵۱۳ اور طَرَفُ الْقَوْم کے معنی ہیں ان کا رئیس اور اطراف کے معنی رؤسا اسلئے یہاں اطراف کے گھٹانے سے مراد علماء کی موت یا اس کے اہل کی موت اور پھلوں کی کمی لی گئی ہو اور اَطْرَافُ الرِّجَال سے مراد اشراف بھی ہیں (ل) ، اور مجاہد نے یہاں یہی معنی زمین کی اطراف کے گھٹانے کیلئے ہیں (ج) ۔

حق کے آخری غلبہ کا کھلا نشان اس کی قبولیت ہے

جب نشان ہلاکت کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس کا لانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہو اور پھر اس سے پچھلی آیت میں فرمایا کہ اگر محمد رسول اللہ صلعم وفات بھی پا جائیں تو بھی حساب لینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے تو اب انہیں یوں توجہ دلاتا ہے کہ وہ اگر غور کریں تو ان کی آخری مغلوبیت کے نشان تو ابھی سے ظاہر ہو رہے ہیں کہ ہم زمین کے کناروں کو گھٹاتے چلے آتے ہیں یعنی ان کے بڑے بڑے آدمیوں کو کم کرتے چلے آتے ہیں اور دور دور اطراف عرب میں اسلام کا چرچا شروع ہو گیا ہے اور یہ کم کرنا صرف ان کی موت سے نہ تھا بلکہ ان کے مسلمان ہو جانے سے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور حمزہؓ جیسے انسان اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور بعض مخالف مرتے بھی جاتے تھے مگر عظیم تر ین کامیابی اسلام کی جو اس زمانہ سے خاص تعلق رکھتی ہو مدینہ میں اسلام کا پھیل جانا اور بعض اور جوانب میں اس کی قبولیت کے آثار کا ظاہر ہونا ہے اور یہی ظاہر طور پر زمین کی اطراف کا گھٹتا چلا آنا تھا اور یہ اسلام کا اعجاز تھا کہ جس قدر اس کی مخالفت بڑھتی چلی جا رہی تھی اسی قدر دلوں پر اس کا اثر زیادہ ہوتا چلا جاتا تھا اور اسی قدر وہ اسباب پیدا ہوتے چلے جاتے تھے جن سے اس کا چرچا دور دور پھیلتا چلا جاتا تھا اور اگر مکہ میں اس کی ترقی رکتی معلوم ہوتی تھی تو عرب کے اور اطراف میں اس کا قدم آگے بڑھ رہا تھا اور دوسری جگہ فرمایا اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الانبیاء ۲۱ - ۴۴) یعنی یہ زمین میں اسلام کی قبولیت کا پھیلتے جانا کفر کے غلبہ کا نشان نہیں بلکہ اس کی مغلوبیت کا نشان ہو جس سے صاف معلوم ہوا کہ یہاں بھی کفر کی آخری مغلوبیت کی طرف ہی توجہ دلائی ہو تو سمجھایا کہ تمہیں آخری مغلوبیت تو اسی سے نظر آجانی چاہیئے کہ تمہارے بڑے بڑے آدمیوں کے دلوں پر اسلام تسلط کرتا چلا جا رہا ہو ۔ درحقیقت حق کے آخری غلبہ کی اس سے بڑھکر کوئی دلیل نہیں ہوسکتی کہ دشمنوں کے دلوں پر وہ اثر پیدا کر دیتا ہے کاش آج بھی مسلمان دیکھتے کہ کس طرح اسلام اور محمد رسول اللہ صلعم کی صداقت یورپ کے دلوں کو کھاتی جا رہی ہو اور اس نشان سے سبق حاصل کرکے اپنا زور ان لوگوں کو مسلمان بنانے پر لگاتے اور مایوسی کو اپنے پاس نہ آنے دیتے ۔ آخری الفاظ میں توجہ دلائی ہو کہ مخالفت کی ناکامی کا فیصلہ اللہ کے ہاں سے ہو چکا ہو اور اللہ جلد حساب لینے والا ہو یعنی ان کی بدکاریوں اور شرارتوں کا اسی دنیا میں حساب لیگا ۔

مخالفانہ منصوبے

۱۶۳۳ اس آیت میں کیسی صفائی سے بتایا کہ ان کی تدابیر اور منصوبے جو اسلام اور رسول اللہ صلعم کے خلاف کر رہے ہیں ناکام ہونگے لِلّٰہِ الْمَکْرُ جَمِیْعًا یعنی ان کی تدابیر کا کارگر یا ناکام ہونا اللہ کے اختیار میں ہو مگر یَعْلَمُ مَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۴۳

اور جنہوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں تو بھیجا ہوا نہیں کہہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۧ

کافی گواہ ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے ۱۶۳۴

میں اپنا قانون بتایا کہ ایک کی ہلاکت اور دوسری قوم کا قیام ان کے اعمال کی وجہ سے ہے کافر جان لینگے کہ کامیاب کون ہوتا ہے اس قسم کے الفاظ کو پڑھتے ہوئے ان حالات کو مدنظر رکھنا چاہیے جن میں یہ کہے گئے وہ وقت آنحضرت صلعم اور مسلمانوں پر سخت ترین مصائب کا تھا۔ اور ہر طرف سے ناکامی ان کو گھیرے ہوئے معلوم ہوتی تھی۔ مکی کے لفظ میں یہ صاف اشارہ ہے کہ اس وقت آپ کے خلاف دشمنوں کے منصوبے ترقی پر تھے اور یہ ہجرت سے پہلے کا زمانہ ہے +

عرب نے کیوں کیا غزا اسلام کو قبول

۱۶۳۴ اللہ کی گواہی عملی رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہی پیشگوئیاں جو اس قدر صفائی سے ان کو سنائی جاتی تھیں جب اپنے وقت پر آکر پوری ہوئیں تو سب عرب کی گردنیں اسلام کے سامنے جھک گئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شہادت آنحضرت صلعم کی سچائی پر تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی شہادت انہی پیشگوئیوں میں مذکور تھی اس لئے ساتھ ان لوگوں کا نام بھی بڑھا دیا جن کے پاس کتاب یعنی قرآن کریم اور اس کی ان پیشگوئیوں کا علم تھا۔ من عندہٗ علم الکتاب سے یہی مراد ہے ای علم القرآن (ر) اور بعض نے پہلی کتابوں اور ان کی پیشگوئیوں کا علم بھی مراد لیا ہے +

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

نام

اس سورت کا نام ابراہیم ہو اور اس میں سات رکوع اور ۵۲ آیات ہیں اس سورت میں اعدائے رسل کے رسولوں کو دکھ دینے، گھروں سے نکالنے اور رسولوں کی آخری کامیابی کا عام ذکر ہے مگر اس کے چھٹے رکوع میں حضرت ابراہیم کی اس دعا کا ذکر ہے جو آپ نے مکہ اور اہل مکہ کے لئے کی تھی۔ اور جس دعا میں یہ ذکر ہے کہ حضرت اسمٰعیل کو ایک خاص غرض کے لئے خانہ کعبہ کے قریب ایک وادی غیر ذی زرع میں چھوڑا گیا۔ اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ان کا اس طرح چھوڑا جانا سلسلہ نبوت میں ایک پر حکمت فعل تھا۔ کیونکہ آخر اسی دور افتادہ شاخ سے اور اسی بے آب و گیاہ میدان سے توحید کا وہ چشمہ پھوٹنا تھا جس نے ساری دنیا کو سیراب کرنا تھا اس لحاظ سے اس سورت کا نام ابراہیم رکھا گیا اور اس دعائے ابراہیمی کا یہ اثر تھا کہ آنحضرت صلعم کے اعدا کو ہلاک نہیں کیا گیا +

خلاصہ مضمون

اس سورت میں سب سے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم کی بعثت تمام دنیا کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لانے کے لئے ہے اور پہلے ہی رکوع میں حضرت موسٰے کے ساتھ مماثلت کا اشارہ کرتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ حضرت موسٰی کا پیغام صرف اپنی قوم تک محدود تھا رسول عربی کا پیغام محدود نہیں۔ دوسرے رکوع میں مخالفین رسل کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح رسولوں کے پیغام کو نہ صرف پس پشت ڈالتے ہیں بلکہ اس کی مخالفت پر سارا زور لگاتے ہیں۔ تیسرے میں بتایا ہے کہ جب ان کی مخالفت حد کو پہنچ جاتی ہو یہاں تک کہ وہ اس سرزمین سے بھی رسولوں کو نکال دیتے ہیں یا نکال دینے کا عزم کر لیتے ہیں تو آخر خدائی فیصلہ ہوتا ہے اور حق کامیاب اور باطل ناکام ہوتا ہے۔ چوتھے رکوع میں حق و باطل کا مقابلہ کر کے دکھایا ہو اور سمجھایا ہے کہ حق اس لئے کامیاب ہوتا ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہوتی ہے اور اس کے اصول و فروع ایک علم کی طرح ہوتے ہیں اسے کوئی چیز نابود نہیں کر سکتی۔ پانچویں رکوع میں بتایا کہ یہ حق جو وحی الٰہی کی صورت میں آسمان سے آتا ہے اس سے فائدہ نہ اٹھانا خود اپنے آپ کو ایک عظیم الشان نعمت الٰہی سے محروم کرنا ہو۔ چھٹے رکوع میں دعائے ابراہیم ہو اور بتایا ہو کہ حضرت ابراہیم کا حضرت اسمٰعیل کو مکہ میں چھوڑنا خاص ارادہ الٰہی کے ماتحت تھا تا کہ سلسلہ نبوت اپنے کمال کو پہنچے۔ اور ساتویں رکوع میں رسول اللہ صلعم کے مخالفین کی آخری مغلوبیت کا نقشہ کھینچا ہو +

تعلق

الرا کے مجموعہ میں یہ پانچویں سورت ہو اور اس میں ایک عمومیت کے رنگ میں رسولوں اور ان کے اعدا کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے سمجھایا ہے کہ حق ایک ایسی چیز ہے کہ وہ نابود ہو سکتی ہی نہیں وہ ایک درخت ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط ہوتی ہو اور جس کی شاخیں آسمان میں پھیل کر چاروں طرف سے اپنی خوراک حاصل کرتی ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے تباہ نہیں کر سکتی اور باطل کی چونکہ جڑ کوئی نہیں ہوتی اس لئے دنیا کی کوئی طاقت اسے قایم نہیں رکھ سکتی اس لئے رسول جو حق کو ساتھ لاتے ہیں انجام کار غالب ہی ہوتے ہیں +

زمانہ نزول

اس سورت میں بھی کئی ایک صریح اشارات موجود ہیں کہ یہ مجموعہ مکہ کے آخری زمانہ کا ہے یہاں نہایت صفائی سے لنخرجنکم من ارضنا میں بتا دیا کہ کفار اب اپنی آخری تدبیر پر عزم کر رہے تھے اور ان کی اس عظیم الشان تدبیر کا ذکر یہاں ان الفاظ میں ہو وقد مکروا مکرھم وعند اللہ مکرھم وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال یہ وہی ان کی آخری چال تھی جس میں رسول اللہ صلعم کا کام تمام کرنے کا فیصلہ وہ کرنے والے تھے +

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنیوالے کے نام سے

ع ۱۳ — آنحضرتؐ اور موسیٰ کی بعثت

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۥ بِاِذْنِ ۱

میں اللہ دیکھنے والا ہوں۔ (یہ) کتاب (ہے) جو ہم نے تیری طرف اتاری تاکہ تو لوگوں کو انکے رب کے حکم سے اندھیرے سے نکالکر روشنی کی طرف

رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۝ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی ۲

لیجائے اسکے رستہ کیطرف جو غالب تعریف کیا گیا ہے ۱۶۳۵ اللہ (کی طرف) جس کیلئے سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین

الْاَرْضِ وَوَیْلٌ لِّلْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ۝ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۳

میں ہے اور کافروں پر سخت عذاب کی وجہ سے افسوس ہے جو اس دنیا کی زندگی سے آخرت سے بڑھکر

عَلَی الْاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ۝

محبت رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس کیلئے ٹیڑھا پن چاہتے ہیں یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں ۱۶۳۶

ظلمت اور نور

۱۶۳۵ ظلمات۔ ظلمۃ اور ظلمات کیلئے دیکھو ۳۰ اور اس سے مراد جہالت شرک فسق کو لیا جاتا ہے جیسا کہ نور سے مراد انہی باتوں کی ضد ہوتی ہے (غ) پس ظلمات سے نور کی طرف لے جانے سے مراد ہے کہ ہر قسم کی جہالت توہمات اور فاسد اعتقادات سے نکالکر صحیح علم اور صحیح خیالات کی طرف لے جانے یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ مذہب فی الحقیقت ایک علم ہے اور محض چند باتوں کے فرض کر لینے کا نام نہیں۔

نزول قرآن کی غرض

قرآن شریف کے نازل کرنے کی غرض لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لانا ہے یا بالفاظ دیگر توہم پرستی اور جہالت کو دور کرکے علم صحیح اور خیالات صحیحہ کا دنیا میں پھیلانا اور یہاں الناس کا لفظ لاکر اور آیت ۵ میں حضرت موسیٰ کی وحی کی یہی غرض قرار دیکر قومک لفظ لاکر دونوں نبیوں کی مماثلت کو ظاہر کرتے ہوئے فرق بھی بتا دیا ہے کہ ایک کی غرض صرف اپنی قوم تک محدود تھی اور دوسرے کا پیغام تمام لوگوں کیلئے ہے۔ اور یہاں اس راہ کو عزیز و حمید کی راہ قرار دیکر بتا دیا کہ یہی صفات اسکے بندوں میں بھی پیدا ہو جائینگی

استحباب

۱۶۳۶ یستحبون۔ حب کے لئے دیکھو ۲۰۳ استحباب یہ ہے کہ انسان کسی چیز کا قصد کرے کہ اس سے محبت کرے اور اس کا صلہ علی لانے سے اس میں ایثار کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں (غ) یعنی ایک چیز کو دوسری پر ترجیح دینا یا ایک سے بڑھکر دوسری سے محبت کرنا اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا یا اس سے آخرت سے بڑھکر محبت رکھنا کافروں کا کام ہے اور اس کا نتیجہ وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

مسلمانوں میں ایثار کی کمی

آج مسلمانوں کی سب سے بڑی بیماری یہی دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ہے یعنی فوائد دنیوی کی فوائد دینی سے بڑھکر پروا کرنا اور فوائد دنیوی کی خاطر فوائد دینی کو قربان کر دینا۔ اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ فوائد دینی کی خاطر فوائد دنیوی کو قربان کر دیا جاتا مگر آج سب قومیں قومی فوائد کے لئے ایثار کرتی ہیں اور مسلمان سب سے پیچھے ہیں اس لئے نفع بھی دوسری قومیں ہی اٹھاتی ہیں جبتک مسلمانوں میں قربانی کی روح پیدا نہیں کی جائیگی اس وقت تک ان میں زندگی کے آثار کبھی پیدا نہیں ہو سکتے ؞

۴ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان میں ہی تاکہ انہیں کھولکر بتا دے پھر اللہ جسے چاہتا ہی گمراہ رہنے دیتا ہی اور جسے

۵ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَكَ

چاہتا ہی ہدایت کرتا ہی اور وہ غالب حکمت والا ہی ۱۶۳۴ اور ہم نے موسی کو اپنی آیتوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیرے

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ وَذَكِّرۡهُمۡ بِاَيّٰٮمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ

سے روشنی کی طرف نکال لا اور انکو اللہ (کی نعمتوں) کے دن یاد دلا یقیناً اس میں ہر ایک صبر کرنیوالے شکر

۶ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ۝ وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ

کرنیوالے کیلئے نشان ہیں اور جب موسی نے اپنی قوم کو کہا اللہ کی نعمت کو یاد کرو (جو) تم پر (ہوئی ہی)

اِذۡ اَنۡجٰٮكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ وَيُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ

جب اس نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے چھڑایا جو تمہیں سخت عذاب دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے

۷ وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ ؕ وَفِىۡ ذٰلِكُمۡ بَلَاۤءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ۝ وَاِذۡ تَاَذَّنَ

اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بھاری آزمایش تھی اور جب تمہارے رب نے

رَبُّكُمۡ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ

بتا دیا کہ اگر تم شکر کروگے تو میں تمہیں زیادہ دونگا اور اگر ناشکری کروگے تو میرا عذاب بھی سخت ہی ۱۶۳۵

ع ۲ / ۱۴ — رسول اور انکے مخالف

آنحضرت کی بعثت عام بر ایک اعتراض اور اس کا جواب

۱۶۳۴ عیسائی معترضین کہتے ہیں کہ یہاں جو اصول بیان کیا گیا ہے اس سے نتیجہ نکلتا ہی کہ آنحضرت صلعم صرف عرب کی طرف مبعوث ہوئے تھے کیونکہ آپ کی زبان عربی تھی۔ اور اسے قطعی نتیجہ کہا جاتا ہی یہاں یہ فرمایا ہی کہ ہر ایک نبی اپنی قوم کی زبان میں ہی بھیجا جاتا ہی یہ نہیں فرمایا کہ ہر ایک نبی صرف اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہوتا ہی اور یہ دو بالکل جدا باتیں ہیں آنحضرت صلعم کی قوم عرب تھی مگر آپ کی بعثت عرب اور عجم دونوں کی طرف تھی جیسا کہ قرآن کریم نے بار بار فرمایا ہی کہ آپ کو کافۃ للناس ...... بھیجا گیا اور جیسا کہ حدیث میں ہی کہ آپکی بعثت اسود اور احمر سب کی طرف تھی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ پہلے تمام انبیاء ایک ایک قوم کی طرف ہی بھیجے گئے جیسا کہ ہر نبی کا ذکر کرکے فرمایا کہ وہ الی قومہ بھیجا گیا یعنی اپنی قوم کی طرف یہانتک کہ حضرت عیسی کے متعلق فرمایا و رسولا الی بنی اسرائیل مگر آنحضرت صلعم کی نسبت کہیں نہیں فرمایا کہ آپ کو عرب کی طرف یا صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا بلکہ سب سے پہلی آیت میں ہی یہ فرق ظاہر کردیا ہی دیکھو ۱۶۳۳ اور یہ بھی صحیح ہی کہ نبی صلعم نے اپنی قوم کو تیار کیا کہ وہ آپکا پیغام تمام دنیا میں پہنچائے ؛

شکر نعمت سے مراد

۱۶۳۵ یہاں اللہ تعالی نے ایک عام قانون بیان فرمایا ہی کہ جب نعمت کیلئے انسان شکر کرتا ہی تو وہ اور زیادہ ملتی ہی۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ ۸

اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور جو زمین میں ہیں سب کے سب کفر کرو تو اللہ یقیناً بے نیاز

حَمِيدٌ ۝ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَ ۹

تعریف کیا گیا ہی ۱۶۳۹ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) نوح کی قوم اور عاد اور ثمود کی اور

الَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ

ان کی جو ان کے پیچھے ہوئے انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا انکے رسول کھلی دلائل لیکر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ

فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ

انکے مُنہوں میں ڈالے اور کہا ہم اس کا انکار کرتے ہیں جو تمہیں دیکر بھیجا گیا ہی اور یقیناً ہمیں اسکے بارہ میں سخت شک ہی جسکی طرف

مُرِيبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُم ۱۰

تم ہمیں بلاتے ہو ۱۶۴۰ انکے رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہی جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہی وہ تمہیں بلاتا ہی تاکہ تمہارے قصور بخشدے

مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ قَالُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

اور تمہیں ایک مقرر وقت تک مہلت دے۔ انہوں نے کہا تم بھی ہمارے ہی جیسے انسان ہو۔

مع (حاشیہ)

الثلثة

ہو ناشکری کا نتیجہ دکھ ہی شکر کے معنی کیلئے دیکھو ۱۷۵ اور شکر نعمت عملی رنگ میں یہ ہی کہ حصول نعمت کے لئے جو اسباب اللہ تعالےٰ نے پیدا کئے ہیں ان سے فائدہ اُٹھائے یہ قانون جسمانی اور روحانی دونوں نعمتوں پر یکساں حاوی ہی۔ زمین میں اللہ تعالیٰ نے طاقت رکھی ہی کہ وہ بیج کو نشو ونما دے اس نعمت کا شکریہ ہے کہ زمین میں بیج ڈالا جائے قلب انسانی میں طاقت رکھی ہی کہ وحی الٰہی کے اثر سے اسکی مخفی قوتیں بڑھیں اس نعمت کا شکر اس وحی کی قبولیت ہی جو اس طرح یہ قدر کرتا ہی وہ فائدہ اُٹھاتا ہی جو نہیں کرتا اسکا انجام محرومی و دکھ ہی۔

۱۶۳۹ مطلب یہ ہی کہ کفر (انکار یا ناشکری) سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا کسی کے شکر کرنے سے یا ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کو فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ ناشکری یا کفر سے اسکا کچھ بگڑتا ہی اسلئے کہ وہ غنی ہی یعنی اسے کسی کی احتیاج نہیں۔ اور اسکی حمد میں بھی اس سے فرق نہیں آتا

۱۶۴۰ ردوا ایدیہم فی افواھھم اسکے معنی تین طرح پر ہو سکتے ہیں منکروں نے اپنے ہاتھ اپنے مُنہوں میں ڈالے گویا غیظ و غضب سے اپنے ہاتھ کاٹے جیسا کہ دوسری جگہ ہی عضوا علیکم الانامل من الغیظ (آل عمران ۱۱۸) یا اپنے ہاتھ اپنے مُنہوں پر رکھے گویا خاموشی کیطرف اشارہ ہے یا اپنے ہاتھ نبیوں کے مُنہوں میں ڈالے گویا انہیں خاموش کرا دیا۔ اور ردّ کا استعمال یہ ظاہر کرنے کو ہی کہ وہ بار بار ایسا کرتے رہے (ع)۔

ردوا ایدیہم

یہاں بیان کو حضرت موسیٰ کے ذکر سے لوٹا کر عام کر دیا ہی اور پھر فرمایا کہ اتنی قومیں ہوتی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا گویا ان کی تاریخ بھی محفوظ نہیں رہی۔ انہیں الفاظ کی بنا پر حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ نسابے یعنی وہ لوگ جو سلسلہ نسب حضرت آدم تک پہنچا کر بس کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں۔ مگر ہمارے تاریخ نویسوں نے بعض حالات میں نسابوں کے بھی کان کتر دیئے ہیں۔

۱۱ تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ قَالَتْ

تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے روک دو جس کی ہمارے بڑے عبادت کرتے تھے تو ہمارے سامنے کوئی کھلی غلبہ کی بات لاؤ ۱۶۴۱ انکے

لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

رسولوں نے انہیں کہا کہ ہم تمہارے ہی جیسے انسان ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

اور یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے پاس سوائے اللہ کے حکم کے کوئی غلبہ کی بات لائیں اور چاہئے کہ مومن اللہ پر ہی بھروسہ کریں

۱۲ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا ۚ

اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں اور اسی نے ہمیں ہمارے رستوں کی ہدایت کی ہے اور ضرور ہم اس پر صبر کرینگے جو تم ہمیں ایذا دیتے ہو

ع ۳ ۱۵ انجام مخالفت

۱۳ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُم

اور چاہئے کہ بھروسہ کرنیوالے اللہ پر ہی بھروسہ کریں ۱۶۴۲ اور جو کافر تھے انہوں نے اپنے رسولوں کو کہا ہم تمہیں اپنے ملک سے

مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝

نکال دینگے یا تمہیں ہمارے مذہب میں آجانا ہوگا سو ان کے رب نے انکی طرف وحی کی کہ ہم یقیناً ظالموں کو ہلاک کر دینگے

۱۴ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۝

اور یقیناً ہم انکے بعد تمہیں زمین میں آباد کرینگے یہ اس کے لئے ہے جو میرے مقام سے اور میرے (عذاب کے) وعدہ سے ڈرتا ہے ۱۶۴۳

۱۶۴۱ سلطان کے معنی کیلئے دیکھو ۵۳ے پہلی آیت میں رسولوں کا بینات یعنی کھلی دلائل کے ساتھ آنا بیان کیا تھا یہاں وہ سلطان کا مطالبہ کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حق کے غالب ہو جانے کا مطالبہ کرتے ہیں جیسا کہ انہیں کہا جاتا تھا۔

۱۶۴۲ جو کچھ یہاں عام رسولوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس سب میں ذکر آنحضرت صلعم کا ہی اصل مقصود ہے۔

مقام

۱۶۴۳ مقامی - میرا مقام۔ اور مَقام مصدر یعنی قیام بھی ہو سکتا ہے اور اسم مکان یا زمان بھی یعنی کھڑا ہونیکی جگہ یا وقت (غ) پس یہاں مقامی کے معنی میرا قیام یعنی میرا حفظ اعمال کے ساتھ قایم ہونا بھی ہو سکتے ہیں یا میرا عدل و انصاف پر قائم ہونا۔ اور اس کے معنی میرا موقف یعنی میرے حضور سب انسانوں کے کھڑا ہونے کی جگہ بھی ہو سکتے ہیں۔

اخراج رسل اور انکی آخری کامیابی۔

سب رسولوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قانون ایک ہی رہا ہے۔ آخری کامیابی سب کو ملتی ہے۔ مگر اس زمانہ میں سے بھی سب کو گزرنا پڑتا ہے جب باطل کی فوجیں پورے زور پر ہوتی ہیں اس وقت رسولوں کو وعدہ دیا جاتا ہے کہ حق کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے مگر وہ ضرور غالب آئیگا اور باطل کو نیست و نابود کر دیا جائیگا آیت ۱۳ میں ارضنا سے مراد خاص وہ ملک ہے جہاں مخالفین کا غلبہ ہے مگر آیت ۱۴ میں الارض وسیع ہے حق کو قایم کر دیا جائیگا خواہ کہیں ہو اسی جگہ پر واپس لانے کا وعدہ رسول اللہ

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ ۱۵ ۱۶

اور انہوں نے فیصلہ چاہا ۱۶۴۴ اور ہر ایک سرکش باغی نامراد ہوا اس کے سامنے دوزخ ہے اور اسے کھولتا ہوا

صَدِيْدٍ ۝ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ۱۷

پانی پلایا جائیگا ۱۶۴۵ وہ اسے گھونٹ گھونٹ پئے گا ۱۶۴۶ اور اسے گلے سے نہیں اُتار سکے گا اور ہر طرف سے اسے موت آرہی ہوگی

وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۱۸

اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے سامنے سخت عذاب ہوگا ۱۶۴۷ ان لوگوں کی مثال جو اپنے رب کا انکار

بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۣاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ

کرتے ہیں (یہ ہو کہ) انکے عمل راکھ کی طرح ہیں جس پر آندھی کے دن ہوا زور سے چلے

لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ

جو کچھ انہوں نے کمایا تھا اس میں سے کوئی چیز انکے ہاتھ نہ آئیگی

صلعم سے خاص تھا لرادك الی معاد (القصص ۲۸-۸۵) اور لتعودن فی ملتنا کے لئے دیکھو ۱۱۲۲ ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ اس سورت کا نزول اس زمانہ سے تعلق رکھتا ہو جب آنحضرت صلعم کے اخراج کی تجویزیں ہو رہی تھیں +

فتح — ۱۶۴۴ استفتحوا - اِسْتِفْتَاح فَتْح سے ہو جس کے معنی زنجیروں بیڑیوں کا دور کرنا ہیں یعنی کھولنا اور یہ جسمانیات پر بھی بولا جاتا ہو یعنی جو چیزیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں اور علوم وغیرہ پر بھی یعنی جو بصیرت سے تعلق رکھتی ہیں اور فتح القَضِيَّة فَتَاحًا کے معنی ہیں مقدمہ کا فیصلہ کر دیا گویا اس کی زنجیروں یا مشکلات وغیرہ کو دور کر دیا ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین (الاعراف ۷-۸۹) اور فتح بمعنی ظفر و نصرت بھی آتا ہو اور اِسْتِفْتَاح کے معنی طَلَبُ الْفَتْح بھی ہو سکتے ہیں اور طَلَبُ الفتاح بھی یعنی فتح چاہنا یا فیصلہ چاہنا (غ)

استفتاح — استفتاح انبیاء بھی کرتے ہیں جیسے ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق (الاعراف ۸۹) سے ظاہر ہو اور انکے مخالف بھی جیسے ربنا عجل لنا قطنا (ص ۳۸-۱۶) فائتنا بما تعدنا (الاعراف ۷۰) اور جنگ بدر کیلئے جب قریش نکلے ہیں تو اس وقت ابوجہل نے بھی دعا کی تھی دیکھو ۱۲۱۹

صدید — ۱۶۴۵ صدید - صَدّ اور صُدُود کسی چیز سے روکنا یا رکنا ہو اور صَدِید پیپ وغیرہ کو کہا جاتا ہو جو چمڑے اور گوشت کے درمیان حائل ہو اور یہ دوزخیوں کے طعام کیلئے بطور مثال بیان کیا گیا ہو (غ)، اور صدید اس گرم پانی کو بھی کہا جاتا ہو جو ابالا گیا ہو۔ یہاں تک کہ گاڑھا ہو جائے اور تلچھٹ کو بھی (ل) +

جرعۃ تجرع — ۱۶۴۶ یتجرع جَرِع اور تَجَرَّع پانی کے نگلنے پر بولا جاتا ہو اور جُرْعَة اور جَرْعَة ایک گھونٹ اور ایک مرتبہ پینے کو کہتے ہیں (ل) اور نہایہ میں ہو کہ تجرع کے معنی ہیں جلدی سے پانی پی جانا اور بعض کے نزدیک گھونٹ گھونٹ پینا معنے ہیں +

ساغ — یسیغ - سَاغَ - کھانے یا پانی پر بولا جاتا ہو جو گلے سے آسانی سے اُتر جائے سائغا للشاربین (النحل ۱۶-۶۶) +

جب استفتاح کا نتیجہ یہ فرمایا کہ حق کو نابود کرنے کی کوشش کرنے والے نامراد ہو جائینگے تو اس عذاب دنیا کے بعد عذاب جہنم کا ذکر کیا۔ موت کے معنی کے لئے دیکھو ۴۹۔ اور یہاں مراد وہ دکھ اور مصائب ہیں جو موت تک پہنچا دیتے ہیں مگر چونکہ موت تو دنیا

۱۹ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

یہ پہلے درجہ کی گمراہی ہے ۱۶۴۷ کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ

۲۰ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ وَّمَا ذٰلِكَ

پیدا کیا اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے ۱۶۴۸ اور یہ اللہ پر

۲۱ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ

کچھ بھی مشکل نہیں اور سب اللہ کے سامنے نکل کھڑے ہونگے تب کمزور انہیں جو متکبر تھے

اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا

کہینگے ہم تمہارے پیرو تھے تو کیا آج تم کچھ اللہ کا عذاب ہم سے دور کرسکتے ہو؟ وہ کہینگے

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ○ ع

اگر اللہ ہمیں راہ دکھاتا تو ہم تمہیں راہ دکھاتے۔ ہمارے لئے برابر ہے کہ ہم واویلا کریں یا صبر کریں ہمارے لئے کوئی گریز کی جگہ نہیں ۱۶۴۹

نہیں ہے اسلئے وہ مرتا نہیں لا یموت فیہا ولا یحییٰ (طٰہٰ ۲۰-۷۴)۔

من ورائہ کے معنی آگے اور پیچھے دونوں ہو سکتے ہیں اسلئے من ورائہ عذاب غلیظ میں عذاب دنیا کیطرف اشارہ ہو سکتا ہے

۱۶۴۷ یوم عاصف۔ عاصف اصل میں ہوا کی صفت ہے دیکھو ۱۳۰۵ یوم کی طرف اس کا اسناد بطور مجاز ہے۔

کافروں کے اعمال کو راکھ سے مثال دی ہے جو ایک تیز ہوا کے سامنے اُڑ جاتی ہے اس لئے کہ ان کی ساری دوڑ خواہشات حیوانی تک تھی۔ اس کے خاتمہ کے ساتھ ہی وہ عمل بھی برباد ہو گئے اور آخرت میں کچھ کام نہ دینگے۔

۱۶۴۸ آیت کے دونوں حصوں میں کیا تعلق ہے؟ حق کے ساتھ زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر فعل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے اس لئے انسانوں کے افعال بھی بلانتیجہ نہیں رہ سکتے اور ایک قوم کے اعمال و افعال ہی اس کے زوال کا موجب ہوتے ہیں۔

۱۶۴۹ تبعاً۔ تابع کی جمع ہے۔

لو ھدانا اللہ لھدینٰکم۔ یہاں راہ دکھانے سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ راہ حق دکھاتے مگر سیاق یہ چاہتا ہے کہ اس سے مراد عذاب سے مخلصی کی راہ ہے۔ کیونکہ ان کا سوال یہ ہے کہ کیا تم کچھ عذاب ہم سے دور کر سکتے ہو۔

جزع — جزعنا۔ جَزۡع کے اصل معنی رسہ کا درمیان سے کاٹ دینا ہیں اور جَزَع اس حزن یا غم کو کہتے ہیں جو انسان کو اپنے سامنے کی چیز سے پھیر دے اور اسے اس سے کاٹ دے (غ) اور یہ صبر کے مقابل پر ہے حزن اور صبر جمع ہو سکتے ہیں مگر جَزَع اور صبر جمع نہیں ہو سکتے۔

حیص محیص — محیص۔ حَیص کے معنی ہیں ایک چیز سے الگ ہو جانا اور مَحِیص مَھۡرَب یعنی بھاگنے کی جگہ (ل) حَیۡصَ بَیۡصَ کے معنی شدت ہیں۔

ع
حق و باطل کا مقابلہ

وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّکُمْ ۲۲
اور جب بات کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا اللہ نے تمہیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا

فَاَخْلَفْتُکُمْ وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ
تو تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا ہاں میں نے تمہیں بلایا تو تم نے میری بات (فوراً) مان لی

فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِکُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ اِنِّیْ کَفَرْتُ
سو مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپکو ملامت کرو نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو میں تو پہلے سے ہی

بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۞ وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ ۲۳
اسکا انکار کرتا ہوں جو تم نے مجھے شریک بنایا بیشک ظالموں کیلئے دردناک دکھ ہے ۱۶۵۰ اور وہ لوگ جو ایمان

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ
لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے باغوں میں داخل کئے جائینگے جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں اپنے رب کے حکم سے انہیں میں رہینگے۔

صرخۃ
صارخ۔ مُصْرِخ

۱۶۵۰ مصارخ۔ صَرْخَۃ۔ اس زور کی آواز کو کہتے ہیں جو مصیبت کے وقت دوسرے کو مدد کو بلانے کیلئے بلند کی جاتی ہے۔ اور صَارِخ فریاد کرنے والا اور مُصْرِخ وہ جو فریاد سنکر مدد کو آئے اور صَرِیْخ دونوں پر بولا جاتا ہے فلا صَرِیْخَ لھم (یٰسٓ ۳۶-۴۳)۔

بحیثیت شیطان کا انکار شرک

اِنِّی کفرت بما اشرکتمون من قبل کے ایک معنی تو وہ ہیں جو ترجمہ میں اختیار کئے گئے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ خدا کا شریک ہونے کا میں پہلے ہی منکر تھا یا میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں خدا کا شریک ہوں یا تم مجھے خدائی طاقتوں میں اس کا شریک مانو اور یہ معنی بالکل سیاق کے مطابق ہیں کیونکہ اوپر وہ صاف کہتا ہے کہ اللہ کے وعدے تو سچے ہونے تھے اور میرے وعدے جھوٹے پس اسی سے تم سمجھ سکتے تھے کہ اگر مجھ میں بھی کوئی خدائی طاقت ہوتی تو میں بھی اپنے وعدوں کو پورا کرتا۔ اور اب جو تم مجھ سے مدد مانگتے ہو تو میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں کیونکہ میں کوئی خدا کا شریک تو ہوں نہیں۔ دوسرے معنی یوں ہو سکتے ہیں کہ میں نے جو خدا کا انکار کیا تو اس کی وجہ خود تمہارا شرک ہے اگر تم مجھے خدا کا شریک نہ بناتے تو میں بھی اس کا کافر نہ ہوتا اور اس صورت میں شیطان سے مراد وہی سردار ہوگا جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہے انا کنا لکم تبعًا۔ گویا جب کمزوروں نے بڑوں سے درخواست کی کہ ہم تمہاری بات مان کر تمہارے پیچھے چلا کرتے تھے تو وہ بڑے یہ جواب دیتے ہیں کہ تمہارے پیچھے چلنے نے ہی تو ہمیں کافر بنایا اور یہ بالکل سچ ہے کہ اکثر لوگ دنیا میں جو اپنے لئے خدا کی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں اپنے پیروؤں سے منواتے ہیں تو اس کی وجہ عوام الناس کی حماقت ہوتی ہے جب لوگ ایک شخص کو بڑا بنانا شروع کریں تو وہ کیوں بڑا نہ بنے گویا جب عوام نے یہ کہا کہ ہم تمہاری پیروی کی وجہ سے ہلاک ہوئے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی بڑا بنانے سے کافر ہوئے اور کفر میں بڑھتے گئے گویا تم ہماری ہلاکت کا موجب ہوئے اور ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ میں اس بات کا انکار کرتا ہوں کہ تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں شریک بنایا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو اچھے کاموں کا حکم دیتا تھا اور میں برے کاموں کی طرف بلاتا تھا۔

چھوٹوں کی غلطی سے بڑے گمراہ ہوتے ہیں

وعدۂ شیطانی

اس آیت میں یہ دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہونے تھے اور شیطان کے وعدے جھوٹے

۲۴ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً

ان میں انکی دعائے ملاقات سلام ہوگی کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ نے اچھی بات کی مثال کس طرح بیان کی ہے (جو) ایک پاکیزہ

طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝

درخت کی طرح اسکی جڑ مضبوط ہے اور اسکی شاخیں آسمان میں (پھیلی ہوئی) ہیں ۱۶۵۱

نیکی اور بدی پر وعدے

اور اس کا نظارہ ہم اس دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ نیکی پر خوشی کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ دیتا ہے ہمیشہ سچا ثابت ہوتا ہے اور بدی پر خوشی کا وعدہ جو شیطان دیتا ہے ہمیشہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ بدصحبت میں بیٹھکر تباہ ہوتے ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ جس جس شیطان نے جو جو کہکران کو بدی کی طرف مائل کیا تھا وہ آخرکار سب جھوٹ نکلا۔ دوسری بات یہ ہے کہ شیطان کا نیکوں پر تو کیا بدوں پر بھی کوئی تسلط نہیں۔ وہ صرف ایک تحریک ہوتی ہے جو انسان اپنی بدبختی سے جھٹ پٹ قبول کرلیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کسی انسان پر شیطان کو مسلط نہیں کیا بلکہ لوگ خود اس کا اتباع اختیار کرتے ہیں ؏

شیطان کا تسلط نہ نیکوں پر ہے نہ بدوں پر

اصل

۱۶۵۱ اصل کسی چیز کا اَصْل اس کا سب سے نیچے کا حصہ ہے (ل)، یا وہ چیز جو اس کے لئے بطور بنیاد ہے کہ اگر اس کو اٹھایا جائے تو ساری شے ساتھ اٹھ جائے (غ)

فرع

فَرْع کے معنی شاخ ہیں اور اس کی جمع فُرُوع ہے اور یہ دو لحاظ سے ہے ایک طول یعنی بلندی کے لحاظ سے کیونکہ فَرَعَ کے معنی طَالَ ہیں اور دوسرا بلحاظ عرض جیسے تَفَرَّعَ کے معنی پھیل گیا ؏

کلمہ حق کی مضبوطی

اس آیت میں کلمہ طیبہ اور آیت ۲۶ میں کلمہ خبیثہ کی مثال دی ہے جس سے مراد حق اور باطل ہیں کلمہ طیبہ سے کسی نے لاالٰہ الا اللہ کسی نے قرآن کسی نے دعوت الی الاسلام مراد لی ہے۔ مگر کلمہ حق میں یہ سب کچھ داخل ہے ایسا ہی کلمہ خبیثہ سے مراد کفر، کذب وغیرہ لیا گیا ہے جو سب کچھ باطل میں داخل ہے یہاں بتایا ہے کہ حق بات کی مثال اس درخت کی ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط لگی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں یعنی بلند بھی ہوں اور ویسے بھی دور دور تک پھیلی ہوئی ہوں۔ یہ مثال صرف سمجھانے کے لئے ہے آیا مراد اس سے کھجور کا درخت ہے؟ صحیح حدیث میں مسلم کی مثال کھجور کے درخت سے دی ہے کیونکہ اس کی کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ مگر یہاں مسلم کی مثال نہیں بلکہ حق بات کی مثال ہے اور اس میں سمجھایا ہے کہ جس طرح ایک درخت جس کی جڑ زمین میں لگی ہوئی ہو اس کی شاخیں آسمان میں پھیل جاتی ہیں اسی طرح کلمہ حق ہوتا ہے کہ اس کا اصل مضبوط ہوتا ہے اور اس کی فروع سب اس اصل سے تعلق رکھتی ہیں گو کتنی بھی دور دور تک پھیلی ہوئی ہوں پس وہ فروع سب ایک اصل کے ماتحت ہوتی ہیں اور اصل اور فروع کا تعلق اسی طرح دلائل عقلی سے روشن ہوتا ہے جس طرح درخت کی جڑ اور شاخوں کا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس مثال میں یہ بھی سمجھایا ہے کہ جس طرح درخت کی جڑ پانی کے ذریعہ سے غذا حاصل کرتی ہے اور اس کی آسمان میں پھیلی ہوئی شاخیں ہوا اور دھوپ وغیرہ سے بھی ساتھ ساتھ اپنی غذا حاصل کرتی چلی جاتی ہیں اسی طرح حق کے اصل اصول تو وحی الٰہی سے قایم ہوتے ہیں جو بمنزلہ پانی کے ہے مگر اس کی فروع کو علاوہ اس غذا کے حالات پیش آمدہ سے بھی جو ان کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہوتے ہیں غذا ملتی رہتی ہے یہ اجتہاد کے ذریعہ سے ان فروع کا نشو و نما پاتا ہے ؏

حق کے اصول و فروع

اشجار بہشت اعمال انسانی سے پیدا ہوتے ہیں

یہاں بہشت کے ذکر کے بعد فوراً اس مثال کو بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مثال کا تعلق بہشت سے بھی ہے بہشت کا نقشہ عموماً ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور یہاں کلمہ حق کو درخت سے مثال دے کر بتا دیا کہ بہشت کے درخت اور ثمرات اسی کلمہ حق کا ہی نتیجہ ہیں جن کو قبول کرکے انسان اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ گویا ہر کلمہ حق بمنزلہ ایک

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۲۵

وہ اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل ہر وقت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ ۲۶

تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت کی طرح ہے جو زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ

الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ۲۷

پھینکا جائے اسکو کچھ بھی قرار نہیں ۱۶۵۲ اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں یقینی بات کے ساتھ مضبوط کرتا ہے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَ

دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ ظالموں کو ہلاک کرتا ہے اور

يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۝

اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۱۶۵۳

بیج کے سے جس سے ایک ایسا درخت بن جاتا ہے جو ہمیشہ اپنا پھل دیتا رہتا ہے (آیت ۲۵) یعنی دنیا کے درختوں کی طرح نہیں کہ سال میں ایک آدھ دفعہ پھل دے دیا بلکہ اس کا پھل ہر وقت موجود رہتا ہے یہی انسان کے اعمال ہی آخر کار باغوں اور پھلوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہاں اس عالم میں وہ زیادہ تر نظروں سے مخفی رہتے ہیں عالم آخرت میں کھلے کھلے نظر آجاتے ہیں گویا ہر شخص کے اعمال کے مطابق ہی اس کے لئے بہشت تیار ہوتا ہے ✦

جُثَّة۔ اجتثاث

۱۶۵۲ اجتثت کسی چیز کا جُثَّة اس کا وہ وجود ہے جو نظر آ رہا ہو۔ اور اِجْتِثَاث اس کے جثہ کا نکال پھینکنا ہے ✦

باطل کی بے بنیادی

جس طرح حق بات کی مثال ایک مضبوط جڑ والے درخت سے دی ہے باطل کی مثال اس درخت سے دی ہے جس کی جڑ زمین کے اندر مضبوط نہیں بلکہ ذرا سے مقابلہ پر وہ سارے کا سارا اُکھڑ جاتا ہے۔ اور یہی باطل کا قاعدہ ہے کہ اسے قیام کچھ نہیں ہوتا۔ ایک دلیل سے پاش پاش ہو جاتا ہے۔ ان دو مثالوں کو لا کر یہ بتایا کہ قرآن کی حقانیت ایسی زبردست ہے کہ کوئی دلائل اسے توڑ نہیں سکتیں بلکہ جوں جوں عقلی دلائل ترقی کرینگی توں توں اس کی مضبوطی اور اس کی شاخوں کی بلندی ظاہر ہوتی جائے گی اور باطل کو کبھی بھی قرار نہیں ہوگا یہی حال تمام ان عقاید کا ہے جو اسلام کے خلاف ہیں کہ وہ کسی اصل کے ماتحت نہیں اس لئے فوراً گر جاتے ہیں ✦

۱۶۵۳ اس آخری آیت میں بتا دیا کہ اصول حقہ کا یہ اثر مومن کی زندگی میں بھی نظر آتا ہے یہاں بھی اور آخرت میں پس جس شخص کو ایسی مضبوطی حاصل نہیں۔ اس کا ایمان بھی ناقص ہے ✦

یضل اللہ الظالمین میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے تو لوگوں کو مضبوط ہی کرتا ہے مگر جو لوگ خود ظلم کا طریق اختیار کرتے ہیں انہیں ان کی گمراہی کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے ✦

ع ۵

وحی الٰہی سے فائدہ نہ اٹھانے کا نتیجہ

۲۸ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کی جگہ کفر لے لیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں

۲۹ ۳۰ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۚ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا

اُتارا ۱۶۵۴ (یعنی) دوزخ اس میں وہ داخل ہونگے اور وہ بری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور وہ اللہ کے شریک بناتے ہیں

۳۱ لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ۝ قُلْ

تاکہ اس کے رستہ سے گمراہ کریں کہو (دنیا میں) فائدہ اُٹھالو آخر کار تمہیں دوزخ کی طرف ہی جانا ہے میرے

لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا

بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہدو کہ وہ نماز کو قایم کریں اور اس سے جو ہم نے انکو دیا ہے چھپ کر اور

۳۲ وَعَلَانِيَةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ۝ اللَّهُ الَّذِي

ظاہر خرچ کریں اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ لین دین ہوگا اور نہ دوستی (کام آئیگی) ۱۶۵۵ اللہ وہ ہے جس نے

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی اُتارا پھر اسکے ساتھ تمہارے لئے

الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ

پھلوں سے رزق نکالا اور کشتیوں کو تمہاری خدمت میں لگایا تاکہ وہ سمندر میں اسکے حکم سے چلیں اور دریاؤں

۳۳ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝

کو تمہاری خدمت میں لگایا اور سورج اور چاند کو جو ایک قانون پر چل رہے ہیں تمہاری خدمت میں لگایا اور رات اور دن کو بھی تمہاری خدمت میں لگایا

بَارَ۔ بوار

۱۶۵۴ بوار۔ کساد یا سرد بازاری کا بہت ہو جانا ہے اس لئے اس کے معنی ہلاکت ہو گئے ہیں یا تجارۃ لن تبور (فاطر ۳۵۔ ۲۹) ومکر اولٰئک ھو یبور (فاطر ۳۵۔ ۱۰) وکنتم قوما بورا (الفتح ۴۸ – ۱۲) +

نعمت سے مراد وحی الٰہی یا قرآن ہے اور اس کے تبدیل کرنے سے مراد اس کا قبول نہ کرنا اور اس کی جگہ کفر کا لینا ہے گویا اس نعمت کو دیکر کفر لیا یہ اہل مکہ کی طرف اشارہ ہے جو اس نعمت الٰہی کی قبولیت کی جگہ رسول اللہ صلعم کو جو اس نعمت کے لانے والے تھے گھر سے نکال رہے تھے جس کا نتیجہ ان کی قوم پر ہلاکت کا آنا ہوا +

۱۶۵۵ نماز کا قایم کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ان مشکلات کا علاج بتایا جو کفار کی طرف سے اس وقت پیش آرہی تھیں بیع اور خُلّت کے نہ ہونے پر دیکھو ۳۲۸ +

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ ۳۴

اور جو کچھ تم مانگو اس میں سے تمہیں دیتا ہے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں گن نہ سکو گے

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا ۳۵

ع ۶ / ۱۸ — دعائے ابراہیم

یقیناً انسان بڑا ہی ظالم بڑا ناشکر گزار ہے ۱۶۵۶ اور جب ابراہیم نے کہا میرے رب اس شہر کو امن والا

الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝

بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کی پرستش کریں ۱۶۵۷

حصی — احصاء

۱۶۵۶ تحصوا۔ حصی کنکری کو کہتے ہیں اور چونکہ پہلے کنکریوں سے گنتی کی جاتی تھی (یا چونکہ کنکریوں سے گنتی سکھائی جاتی ہے) اسلئے اِحصاء کے معنی گنتی کے ذریعہ سے کسی چیز کا حاصل کر لینا یا اس کا احاطہ کر لینا ہیں واحصی کل شیء عددا (الجن ۷۲-۲۸) علم ان لن تحصوہ (المزمل ۷۳-۲۰)۔

ظلوم کفار

ظَلُوم اور کَفَّار۔ ظالم اور کافر سے مبالغہ کے صیغے ہیں بڑا ظالم بڑا ناشکر گزار۔

سورج چاند وغیرہ کی تسخیر

اوپر کی دونوں آیتوں میں جب یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کشتیوں اور دریاؤں کو۔ سورج اور چاند کو۔ رات اور دن کو انسان کے لئے مسخر کر رکھا ہے اور اس کے کام میں لگا دیا ہے تو یہاں اس کو عام کر کے بیان فرمایا کہ یہ کیا ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تم اس سے فائدہ اٹھاتے ہو۔ ہاں ان چیزوں سے پھر تم اس قدر فائدہ اٹھاتے ہو جس قدر مانگو اور وہ مانگنا اپنے عمل سے ہے۔ ہوائیں بادل بجلیاں آگ پانی یہ سب چیزیں انسان کی خدمت میں لگائی ہیں۔ کیونکہ انسان ان سے منفعت حاصل کرتا ہے مگر پھر جس قدر زیادہ ان سے وہ خود کام لے اسی قدر زیادہ نفع اٹھائے گا۔ پس جس طرح دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ کی روحانی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ ان کو کیوں ظلم اور ناشکری سے پھینکتے ہو۔ وحی الٰہی اسی طرح تمہیں روحانی طور پر فائدہ پہنچانے والی چیز ہے جس طرح جسمانی رنگ میں یہ نعمتیں اس لئے جب تم اسے رد کرتے ہو تو اس کے فائدہ سے محروم ہو کر اسی طرح دکھ اٹھاتے ہو جس طرح جسمانی نعمتوں سے محروم ہو کر بھی نتیجہ دکھ ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اس میں یہ بھی سمجھایا ہے کہ جن چیزوں کو تم اپنا معبود بناتے ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔

سلسلۂ نبوت کا نظم

۱۶۵۷ اس سارے رکوع میں صرف اس دعا کا ذکر ہے جو حضرت ابراہیم نے مکہ اور اہل مکہ کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے کی اور اس سے پہلے اور پیچھے دونوں طرف مخالفت حق اور اس کے انجام کا ذکر ہے یہ مضمون بے تعلق نہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ نبوت اور وحی الٰہی کا سلسلہ سب ایک نظم میں منسلک ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو اپنے اسی ارادہ کے مطابق دنیا میں مبعوث فرمایا ہے جو وہ مدتوں پیشتر انبیاء پر ظاہر فرما چکا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم گویا ایک جڑ کی طرح ہیں کیونکہ وہ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل کے لئے بطور جد کے ہیں اور یوں گویا یہ بھی ایک تشریح ہے اس اصول کی جو آیت ۲۴ میں بیان فرمایا کہ حق ایک درخت کی طرح ہے جس کی جڑ زمین میں قایم ہے اور شاخیں چاروں طرف آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں اور حضرت ابراہیم کے مذہب کا اصل الاصول بھی وہی توحید الٰہی تھا جو سب مذاہب کے لئے بطور ایک جڑ کے ہے۔ کوئی مذہب نہیں جس نے ایک خدا کے ساتھ تعلق قایم کرنے کو بطور اصل اور جڑ نہ ٹھہرایا ہو۔ اسی لئے حضرت ابراہیم کی دعا میں بھی سب سے پہلے ذکر توحید الٰہی کا کیا ہاں اس توحید کے ذکر کے ساتھ یہ بھی دعا ہے کہ مکہ امن والا شہر ہو سو اس لئے کہ اس میں خانہ کعبہ تھا جو وہ بھی توحید کے لئے بطور نشان

۳۶ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ

میرے رب انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے سو جو میری پیروی کرے تو وہ مجھ سے ہے اور جو میری

۳۷ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ

نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ۱۶۵۸ ہمارے رب میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس ایک وادی

زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ

میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہمارے رب تاکہ وہ نماز قایم کریں سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف

تَهْوِیْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝

مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے رزق دے تاکہ وہ شکر کریں ۱۶۵۹

ابتدائے عالم سے قایم کیا گیا اور ایک خدا کی پرستش کا سب سے پہلا معبد دنیا میں یہی ہوا +

عصمت انبیاء کا راز اور ہمارے لئے اسمیں نمونہ

حضرت ابراہیم کی یہ دعا عصمت انبیاء کے خلاف نہیں۔ اس لئے کہ وہ عصمت حاصل ہی اس سے ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتے اور اس سے مدد طلب کرتے رہتے ہیں اسی لئے حفاظت الٰہی ان کے شامل حال رہتی ہے عصمت انبیاء کا اگر یہ مطلب ہوتا کہ وہ کوئی علیحدہ قویٰ کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں تو انبیاء کی عصمت ہمارے لئے کچھ مفید نہ ہو سکتی تھی ان کی عصمت کا راز ہی یہ ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں حفاظت الٰہی طلب کرتے رہتے ہیں اور اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرتے اور ان کی عصمت کے اس راز کو سمجھ کر ہی ہم بھی گناہوں سے بچ سکتے ہیں کہ ان کی طرح اپنے نفسوں پر بھروسہ نہ کریں بلکہ ہر حال میں حفاظت الٰہی کے طالب ہوں۔ لا تکلنی الیٰ نفسی طرفۃ عین نبی کریم صلعم کی دعا ہمارے لئے کیسی اچھی تعلیم ہے +

انبیاء میں رحمت کا جوش

۱۶۵۸ آیت کے پہلے حصہ میں بتوں کو لوگوں کے گمراہ کرنے والے ٹھہرایا ہے اور یہ اسناد بطور مجاز ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرستی سے لوگ گمراہ ہو گئے ورنہ بت تو بے جان ہیں وہ گمراہ نہیں کرتے پچھلے حصہ میں انبیاء کی وسعت قلبی اور رحمدلی کا نقشہ ہے۔ وہ نافرمانوں کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کی صفت غفر اور رحم کا ہی ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کی اس دعا میں آپ کے اس فرزند کی حالت قلبی کا بھی نقشہ کھینچا ہے جو رحمۃ للعالمین کر کے بھیجا گیا۔ اس لئے اس کے دشمن یوں تباہ نہ ہوئے جیسے انبیائے سابق کے مخالفوں کی ہلاکت کا نقشہ قرآن شریف نے کھینچا ہے بلکہ زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کے غفر اور رحم کی صفات کے نیچے آ کر ہدایت پا گیا۔ اور چونکہ نقشہ حق کے مخالفین کی ہلاکت کا اس سورت میں کھینچا ہے اس میں خاص مقصود تو نبی کریم صلعم کے ہی دشمن ہیں اسلئے حضرت ابراہیم کی اس دعا میں یہ بتایا ہے کہ کچھ ہلاک ہو کر بہت غفر اور رحم کے نیچے آ جائینگے +

ھوی

۱۶۵۹ تھوی۔ ھَوٰی کے ایک معنی ۹۶۴ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اور گو یہ لفظ مطلق عموماً مذموم ہوتا ہے یعنی ادنیٰ یا بُری خواہشات پر بولا جاتا ہے مگر اچھے معنی میں بھی اس کا استعمال ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے متعلق تقربا الی اللہ بھواہ ای بحبہ یعنی محبت سے اللہ کا قرب حاصل کیا۔ اور اچھے کاموں کی محبت کے متعلق ہی اس کا استعمال رسول اللہ صلعم کے لئے بھی ہوا ہے جیسے حضرت عایشہ کی حدیث میں ہے ما اری ربک الا یسارع فی ھواک یعنی جن اچھی باتوں کی طرف آپ کا میلان ہوتا ہے ان میں آپ کا رب آپ کو بہت جلد عطا فرماتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ھوی کے معنی کسی چیز کی محبت اور اسکا دل پر غالب آ جانا ہیں (ل) حدیث میں ہے

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا ۳۸

ہمارے رب تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں ۔ اور اللہ پر کوئی چیز بھی چھپی نہیں رہتی (نہ) زمین میں اور نہ

فِي السَّمَاۗءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَي الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ ۳۹

آسمان میں سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسمٰعیل اور اسحاق دیئے ۔ یقیناً میرا رب

لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ۴۰

دعا کا سننے والا ہے میرے رب مجھے نماز کا قایم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے (بھی) ہمارے رب اور میری دعا کو قبول فرما

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ ۴۱

ہمارے رب میری مغفرت فرما اور میرے ماں باپ کی اور مومنوں کی (بھی) جس دن حساب قایم ہو ۔ ۱۶۱

یاخُذُ کلُّ واحِدٍ مِنَ البَیْعِ ما ھَوِیَ جس کے معنی ہیں ما اَحَبَّ یعنی جس چیز سے محبت کرتا ہو (ن) اور ھَوَی یَھْوِی ھَوِیًّا اور ھُوِیًّا دونوں طرح آتا ہے ۔ اور ھَوِیٌّ کے معنی نیچے کی طرف آنا ہیں اور ھُوِیٌّ کے معنی اوپر کی طرف جانا یا اسکے خلاف اور ھَوَی یَھْوِی کے معنی چلنے میں تیزی بھی ہیں اور تَھْوِی اِلَیْھِم ہیں معنی ان کی طرف مائل ہونے کے بھی کئے گئے ہیں اور بلند ہونے کے بھی اور ان کا ارادہ کرنے کے بھی اور انکی طرف جلدی کرنے کے بھی (ل) اور ھَوَاءٌ وہ ہے جو زمین اور آسمان کے درمیان ہے اور آیت ۴۳ میں اَفْئِدَتُھُم ھَوَاءٌ اسی لحاظ سے ہے یعنی جیسے خلا میں ہوا ہوتی ہے (غ) گویا وہ خالی ہیں یعنی عقل سے خالی یا خوف کی وجہ سے کسی چیز کو محفوظ نہ رکھ سکیں گے (ل) ۔

حضرت اسمٰعیل کا خانہ کعبہ کے پاس چھوڑا جانا کس غرض سے تھا

یہ حضرت اسمٰعیل کے خانہ کعبہ کے پاس چھوڑنے کی طرف اشارہ ہے یہاں لفظ اسکنت لا کر بتا دیا ہے کہ یہ چھوڑنا محض اخراج کے طور پر نہ تھا بلکہ مصلحت الٰہی کا تقاضا تھا کہ حضرت ابراہیم کی اولاد کا ایک حصہ یہاں آباد ہو اور حدیث میں بھی ہے کہ یہ چھوڑنا حکم الٰہی سے تھا ۔ اور وادٍ غیرذی زرع اسے کہا اس لئے کہ وہ پتھریلی زمین ہے جہاں سبزی وغیرہ نہیں ہوتی اور بارش بھی بہت کم ہوتی ہے اسلئے وہ زراعت کیلئے موزون نہ تھی ۔ اس لفظ کے لانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انہیں محض رضائے الٰہی کے ماتحت یہاں چھوڑا ہے کسی غرض دنیوی کیلئے نہیں اسی کی تائید کیلئے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا لیقیموا الصلوٰۃ یعنی غرض یہ ہے کہ قیام صلوٰۃ ہو جس میں حصول رضائے الٰہی مدنظر ہے نہ کوئی دنیوی غرض ۔ اور عند بیتک المحرم کے لفظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیت الحرام یعنی خانہ کعبہ وہاں موجود تھا ۔ حالانکہ حضرت ابراہیم کے بنانے کا جو ذکر ہے اس میں حضرت اسمٰعیل کی شمولیت موجود ہے واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل (البقرۃ ۱۲۷) لیکن جب اسمٰعیل کو وہاں چھوڑا تو انکی عمر چھوٹی تھی ۔ لوگوں کے دلوں میں مکہ کے رہنے والوں کیلئے محبت کا پیدا کرنا خود خانہ کعبہ کی

خانہ کعبہ میں کشش

محبت کے قائم مقام ہے یہ دعا بھی کیا عجیب ہے اس مقام کیلئے جذب اور کشش پیدا ہونے کی دعا ہے جہاں کوئی بھی ظاہری سامان کشش کا نہیں یہاں تک کہ وہ جگہ زراعت سے بھی خالی ہے ۔ یہ اسلئے ہوا کہ تا ایک اللہ کے نام کے سوائے یہاں کوئی دوسری کشش نہ ہو اور صرف دینی فوائد کیلئے ہی یہ جگہ مخصوص رہے ہاں یہ بھی دعا ہے کہ کھانے کو بھی انہیں ملتا رہے گو وہ اشیائے خوردنی وہاں باہر سے ہی جائیں ۔ اگلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ نیت اور ارادہ کا جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے ہماری نیتوں میں کوئی دنیا کی ملونی نہیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو ایسا بابرکت کیا کہ ساری دنیا کے دل اس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں ۔

ضروری نہیں کہ یہ ساری دعا ایک ہی موقعہ کی ہو

۱۶۱ یہ ضروری نہیں کہ یہ ساری دعا ایک ہی موقعہ کی ہو ۔ اس کا آخری حصہ جو آیت ۳۹ سے شروع ہوتا ہے بڑھاپے کے زمانہ کا ہے

ع ۱۱ / ۱۹

اعدائے رسول کی آخری مغلوبیت کا نقشہ

۴۲ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ

اور اللہ کو اس سے بے خبر نہ سمجھو جو ظالم کرتے ہیں وہ صرف ان (کے معاملہ) کو اس دن کیلئے ٹال رہا ہے جب آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائینگی ۱۶۶۱

۴۳ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۴۴ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ

بھاگے جا رہے ہونگے اپنے سر اٹھائے ہوئے انکی نگاہ انکی طرف نہ لوٹ سکے گی اور انکے دل خالی ہونگے ۱۶۶۲ اور اس دن سے لوگوں کو ڈرا

يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ

جب ان پر عذاب آ جائیگا تو جو ظالم ہیں کہینگے ہمارے رب ہمیں ایک نزدیک وقت تک تاخیر دے ہم تیری دعوت کو قبول کرینگے اور رسولوں کی پیروی کرینگے

جب حضرت اسمٰعیل اور اسحاق دونوں پیدا ہو چکے ہیں۔ اور اس وقت ماں اور باپ کیلئے دعائے استغفار کرنا صاف بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے جس اَب کا ذکر دوسری جگہ ہے وہ کوئی اور بزرگ تھے کیونکہ ان سے بعد میں بیزاری کا اظہار بھی کیا تھا۔ فلما تبین له انه عدو لله تبرا منه (التوبة ۹-۱۱۴) +

آخّر / شخص

۱۶۶۱ یوخر۔ تاخیر ضد تقدیم ہے یعنی کسی معاملہ کا پیچھے لانا +

تشخص۔ شخص انسان کا سواد ہے جو دور سے نظر آتا ہے۔ اور ہر جسم جس کیلئے ارتفاع اور ظہور ہو۔ اس لئے شخص کے معنی اِرْتَفَعَ آتے ہیں یعنی ایک چیز بلند ہو گئی اور شَخَصَ الْبَصَرُ کے معنی ہیں آنکھ کھل گئی اس طرح کہ پھر جھپکی نہ جائے اور حدیث میں میت کے ذکر میں ہے شَخَصَ بَصَرُہٗ جس سے مراد ہے پلکیں اوپر اٹھ گئیں اور نظر محدود ہو گئی (ل)۔ فاذا ھی شاخصة ابصار الذین کفروا (الانبیاء ۲۱-۹۷) +

عذاب کے وقت کا نقشہ

ظالم جو حق کو مٹانا چاہتے ہیں جب اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتے چلے جاتے ہیں تو اکثر دلوں میں یہ خلش پیدا ہوتی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ دیکھتا نہیں پھر انہیں پکڑتا کیوں نہیں جس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کے معاملہ میں تاخیر کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ دن آ پہنچتا ہے جب آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں اور وہ موت کا وقت ہے۔ مراد اس سے یا تو واقعی مجرم کی موت ہو سکتی ہے اور یا عذاب کا دن جب اکثر دلوں پر وہ کیفیت وارد ہوتی ہے جس کا نظارہ موت کے وقت دیکھا جاتا ہے۔ اور اگلی آیت سے ظاہر ہے کہ یہ عذاب کا دن ہے جب عذاب کی سختی سے مجرموں کی کیفیت اس شخص کی سی ہو جاتی ہے جو حالت نزع میں ہو +

ھطع اَھْطَع / مُھْطِع / مُقْنِع

۱۶۶۲ مھطعین۔ ھَطَعَ اور اَھْطَعَ کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف آیا اپنی آنکھ اس پر لگائے ہوئے اور اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ خوف سے دوڑتا ہوا اور یہ صرف خوف کی حالت پر بولا جاتا ہے اور ایک قول میں مُھْطِع وہ ہے جو عاجزی اور ذلت کی حالت میں دیکھے اور مُقْنِع وہ جو سر اٹھائے ہوئے ذلت کی حالت میں دیکھے مھطعین الی الداع (القمر ۵۴-۸) +

قناعة قُنُوع / قِناع اَقْنَع

مقنعی۔ قَنَاعة تھوڑی چیز پر راضی ہو جانا ہے اور قُنُوع سوال کرنا ہے جس سے قانع ہے واطعموا القانع والمعتر (الحج ۲۲-۳۶) مراد سائل ہے یا ایسا سائل جو تھوڑے پر راضی ہو جائے اور الحاح نہ کرے اور اَقْنَعَ رَاْسَہٗ کے معنی ہیں اپنا سر اٹھایا۔ کیونکہ قِناع وہ ہے جس سے سر ڈھانکا جاتا ہے (ل) +

یہاں وہ نقشہ کھینچا ہے جب بڑے بڑے مغرور اور متکبر انسان آخر کار مغلوب ہوتے ہیں اور انہی لوگوں کے سامنے جن پر انہوں نے ظلم کیا تھا ذلت کی حالت میں آتے ہیں شرمندگی کے مارے سر نیچا بھی ہے اور دہشت کی وجہ سے اٹھا ہوا بھی ہے +

أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُم مِّن قَبْلُ مَا لَكُم مِّن زَوَالٍ ۝ وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ۴۵

اور کیا تم پہلے قسمیں نہ کھایا کرتے تھے کہ تم پر زوال نہیں آنے کا ۱۶۶۳ اور تم ان لوگوں کی جگہوں میں آباد ہو جنہوں نے

ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ۝

اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تمہارے لئے کھل چکا ہے کہ ہم نے ان سے کیا معاملہ کیا اور ہم نے تمہارے لئے مثالیں بیان کیں ۱۶۶۴

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِندَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ ۴۶

اور انہوں نے اپنی چال چلی اور ان کی چال اللہ کے اختیار میں ہے اور گو ان کی چال ایسی ہی ہو کہ اس سے پہاڑ

الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ۴۷

ٹل جائیں ۱۶۶۵ سو اللہ کے متعلق یہ گمان نہ کر کہ وہ اپنے رسولوں سے اپنے وعدہ کا خلاف کریگا یقیناً اللہ غالب سزا دینے

ذُو انتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ ۖ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۴۸

والا ہے ۱۶۶۶ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دیجائیگی اور آسمان بھی اور (یہ لوگ) اللہ اکیلے سب پر غالب کے سامنے نکل کھڑے ہونگے ۱۶۶۷

زال
زوال

۱۶۶۳ زوال - زال کے معنی ہیں ایک چیز اپنی حالت یا طریق سے الگ ہو گئی لتزول منه الجبال (۴۶) ان تزولا (فاطر ۳۵ : ۴۱) ولئن زالتا (فاطر ۳۵ : ۴۱) اور زوال صرف اس چیز کے متعلق کہا جاتا ہے جو پہلے ثابت یعنی مضبوط ہو اور پھر وہ حالت اس کی بدل جائے اور زوال آفتاب بھی اسی لحاظ سے ہے کہ وہ پہر کے وقت وہ ثابت معلوم ہوتا ہے (غ) ۔

یہاں صاف اشارہ ہے کہ مخالفین کے اقتدار اور قوت کے ٹوٹنے کا وقت آجائیگا اس لئے ان کو وہ وقت یاد دلایا ہے جب اپنی طاقت کے نشہ میں سرشار وہ کہا کرتے تھے کہ ہماری قوت اور سلطنت کبھی زوال نہ دیکھے گی ۔

۱۶۶۴ اس سے مراد وہ قومیں ہیں جو پہلے عرب میں یا اس کے ارد گرد حکمران تھیں جن کے تذکرے اور انجام قرآن شریف میں مذکور ہیں ۔

قریش کی تدابیر

۱۶۶۵ اس میں قریش کا ذکر ہے اور یہ ان کی چال وہی ہے جس کا ذکر دوسری جگہ فرمایا اذ یمکر بك الذين كفروا ليثبتوك او يقتلوك او يخرجوك (الانفال ۸ : ۳۰) اور یہ ان کی چال تو اس قدر مضبوط تھی کہ پہاڑوں کو بھی اڑا دیتے مگر اللہ جو سب طاقتوں سے اس کے اختیار میں ہی ہر بات ہے اس لئے وہ ان کی چال کو سرسبز نہ ہونے دے گا - یہی معنی ہیں عند الله مکرھم کے ۔

۱۶۶۶ اس پر اس قدر زور اس لئے دیا کہ ابھی بڑی بڑی مشکلات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش آنے والی تھیں جہاں بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ دین اسلام کا خاتمہ ہو گیا اس لئے فرمایا کہ یہ کبھی ہو نہیں سکتا ۔ اللہ تعالے کا وعدہ سچا ہو کر رہیگا ۔

وعدۂ عذاب دنیا کے لئے بھی ہے

۱۶۶۷ قرآن کریم میں جس قدر وعدے عذاب کے کفار کے ساتھ ہیں وہ آخرت پر بھی چسپاں ہو سکتے ہیں اور دنیا پر بھی یہی زمین و آسمان کا بدل جانا قیامت میں بھی درست ہے اور ایک معنی میں جب عرب اسلام کے سامنے جھک گئے اور چاروں طرف بت پرستی کی جگہ توحید کا نقارہ بج گیا۔ بتوں کا نام و نشان باقی نہ رہا شرا بخوری اور زنا مٹ گئے ۔ جہالت

۴۹ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۞ ۵۰ سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ

اور تو اس دن مجرموں کو دیکھے گا کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونگے ۱۶۶۸ ان کے کرتے رال کے ہوں گے

۵۱ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ۞ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۞

اور انکے منہوں کو آگ ڈھانک رہی ہوگی ۱۶۶۹ تاکہ اللہ ہر نفس کو وہ بدلہ دے جو اس نے کمایا ۔ بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے

۵۲ هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۞

یہ لوگوں کیلئے کھول کر پہنچا دینا ہے اور تاکہ وہ اسکے ذریعہ ڈرائے جائیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہ صرف ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت پکڑیں ۱۶۷۰

کی جگہ علوم کی نہریں بہنے لگیں تو یہ بھی واقعی زمین و آسمان کے بدل جانے کا ہی نظارہ تھا اور اگلی آیت میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونے کا نظارہ بھی جنگوں میں دیکھ لیا گیا ۔

۱۶۶۸ مقرنین ۔ قرن یا اقتران دو یا زیادہ چیزوں کے اجتماع کا نام ہے اور قرّن میں تکثیر پائی جاتی ہے ۔ قرین ہمنشین ۔ قرّن بھی اسی معنی کے لحاظ سے ہے او جاء معه الملائکة مقترنین (الزخرف ۴۳ ۔ ۵۳) ۔ — قرن ۔ قرّن / قرین ۔ اقترن

اصفاد ۔ صَفَد کی جمع ہے جس کے معنی زنجیر ہیں ۔ — صفد

۱۶۶۹ سرابیل ۔ سربال کی جمع ہے ۔ کرتہ کسی چیز کا بھی ہو سرابیل تقیکم الحر و سرابیل تقیکم بأسکم (النحل ۱۶ : ۸۱) — سربال

قطران ۔ قُطْر کے معنی جانب ہیں جس کی جمع اَقْطَار ہے ان تنفذوا من اقطار السموات والارض (الرحمٰن ۵۵ ۔ ۳۳) ولو دخلت علیہم من اقطارہا (الاحزاب ۳۳ ۔ ۱۴) اور قَطَرَ اور تَقَطَّرَ کے معنی ہیں اپنی جانب پر گرا جس سے مراد بارش کا گرنا ہے اور قطران وہ چیز ہے جو ٹپکتا ہے یعنی رال سے گرتی ہے اور آتونی افرغ علیه قطرا (الکہف ۱۸ ۔ ۹۶) میں قِطْر (ع) پگھلا ہوا تانبا ہے ۔ — قُطْر ۔ اقطار / قَطَرَ / قطران ۔ قِطْر

۱۶۷۰ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو شناخت کریں ۔ سو ایسا ہی ہوا کہ کل عرب نے توحید الٰہی کے سامنے سر جھکا دیا اور جو نظارہ عرب میں پیش آیا اس کو دنیا بھی عنقریب کسی نہ کسی رنگ میں دیکھ لے گی ۔ — نتیجہ تبلیغ

سورۃ الحجر مکیۃ وھی تسع و تسعون اٰیۃ و ست رکوعات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱ — ۱۵ — قرآن کی حفاظت ابدی

الٓرٰ تلک اٰیٰت الکتٰب و قراٰن مبین ۝

میں اللہ دیکھنے والا ہوں یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور قرآن کی جو کھول کر بیان کرنیوالا ہے ۱۶۷۱

نام — اس سورت کا نام الحجر ہے اور اس میں چھ رکوع اور ننانوے آیات ہیں۔ حجر کے معنی پتھر ہیں، اور الحجر اس وادی کا نام ہے جس میں حضرت صالح کی قوم یعنی ثمود رہتے تھے۔ اس قوم کا مسکن نہ صرف اہل مکہ کے بالکل قریب تھا بلکہ اس رستہ پر تھا جو مکہ سے شام کو جاتا تھا اور جس پر ان کے قافلے آتے جاتے تھے۔ اور سخت دلی میں بھی معلوم ہوتا ہے یہ قوم اپنی نظیر آپ ہی تھی۔ جو کچھ انہوں نے حضرت صالح کے خلاف منصوبے اور سازشیں کیں وہ بعینہ ایسے تھے جیسے قریش نے ہمارے نبی کریم صلعم کے خلاف کئے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام الحجر ہے اور اس کے ساتھ ہی اس سورت میں دو اور قوموں کا ذکر ہے یعنی حضرت شعیب کی قوم اور حضرت لوط کی جن کے مسکن اسی رستہ پر تھے جس پر ثمود کا مسکن تھا۔ اور یہ تینوں قومیں ایک ہی عذاب یعنی زلزلہ سے تباہ ہوئیں ۔

خلاصہ مضمون — پہلے رکوع میں قرآن کریم کی حفاظت ابدی کا ذکر ہے یعنی نہ صرف یہ حق جو قرآن لایا ہے دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہیگا بلکہ تحریف وغیرہ سے بھی یہ ہمیشہ کیلئے محفوظ ہوگا دوسرے رکوع میں بتایا کہ شیاطین اس حق کو نابود نہیں کرسکتے بلکہ وہ خود اس سے نابود ہو جائیں گے اور کہانت نجوم وغیرہ اس کی بدولت مٹ جائینگے۔ تیسرے میں بتایا کہ شیطان کے پیچھے لگ کر انسان اعلیٰ مقصد زندگی میں ناکام رہتا ہے اور چوتھے میں اس کے متعلق متقی کی کامیابی کا ذکر کیا پانچویں میں لوط اور شعیب کی قوموں کی تباہی کا اور چھٹے کے شروع میں قوم ثمود کی بربادی کا ذکر کرکے اعدائے اسلام کو انذار کیا۔

تعلق — الٓرا مجموعہ کی یہ چھٹی سورت ہے۔ اس کے بعد جو ساتویں سورت اس مجموعہ میں آتی ہے وہ الٓرا سے شروع نہیں ہوتی۔ جب پچھلی سورت میں مثال سے سمجھایا کہ حق کو کوئی طاقت نابود نہیں کرسکتی تو اب یہاں نہایت صفائی سے قرآن کریم کی حفاظت ابدی کا ذکر کیا اور بتایا کہ باطل حق کو نابود نہیں کرے گا بلکہ خود حق کے سامنے نابود ہو جائے گا۔ اور حق کا مقابلہ کرنیوالوں میں سے وہ تین مثالیں پیش کیں جو اہل مکہ کی نظر کے سامنے شب و روز آتی تھیں۔ باقی تو عموماً تذکرے تھے جو وہ سنتے تھے مگر ان قوموں کا انجام اپنی آنکھوں سے بھی دیکھتے تھے ۔

زمانہ نزول — اس سورت میں بھی کئی اشارات موجود ہیں کہ یہ مکہ کے آخری زمانہ کی نازل شدہ سورت ہے۔ بالخصوص مقتسمین کے ذکر میں ان کا قسمیں کھا کر آپ کے خلاف آخری تدبیر اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے

قرآن پہلی کتابوں کے اجمال کو کھولتا ہے

۱۶۷۱ یہاں قرآن مبین کا عطف الکتاب پر ہے۔ الکتاب سے مراد بھی قرآن شریف ہی ہے مگر چونکہ یہ لفظ جنس کتاب پر بھی بولا گیا ہے اور اس کے لانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس طرح پہلے انبیاء پر کتابیں نازل ہوتی رہیں اسی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وحی ہے اس لئے قرآن کا لفظ ساتھ لاکر بتا دیا کہ آیندہ یہی کتاب دنیا میں پڑھی جائے گی اور ساتھ اسکی

۲ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ○ ذَرْهُمْ

جو کافر ہوئے بہتیرا چاہینگے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے ۱۶۷۳ انہیں چھوڑ دو

۳ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ○ وَمَا

کھائیں اور فائدہ اٹھائیں اور آرزو ئے (دنیا) انہیں غافل کئے رکھے عنقریب جان لینگے اور ہم نے کسی

۵ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ○ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا

بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کیلئے ایک میعاد مقرر تھی کوئی جماعت اپنے وقت سے پہلے نہیں جاسکتی اور نہ وہ

۶ يَسْتَأْخِرُونَ ○ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ○

پیچھے رہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں اے شخص جس پر نصیحت اتاری گئی ہو یقیناً تو پاگل ہے

۷ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ○ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا

تو فرشتوں کو ہمارے پاس کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچوں میں سے ہے ہم فرشتوں کو سوائے اسکے نہیں اتارتے کہ

صفت بھی بیان کردی کہ یہ ان تمام باتوں کو کھول کر بیان کرنے والی ہو جو پہلی کتابوں میں اجمال کے طور پر بیان ہوئی ہیں اور قرآن کی تنکیر بمقابلہ الکتاب کے یہاں اس کی عظمت پر دلالت کرتی ہو ✦

ربّ - رُبما

۱۶۷۳ رُبما۔ رَبّ کے معنی تربیت ہیں اور اسی سے اَرَبَّتِ السَّحَابَۃُ کے معنی ہو گئے ہیں بادل ہمیشہ رہا گو یا بلحاظ اسکی تربیت یعنی سبزیوں کو نشوونما دیتا رہنے کے اس میں اقامت کے معنی آگئے اس لئے رَبَّ میں استقلال کے معنی ہیں اور رُبَّ اور رُبَّمَا اس چیز پر بولا جاتا ہو جو بار بار ہوتی رہے (غ) ✦

کافروں کی مسلمان ہونے کی آرزو

کب ایسی آرزو کرینگے ؟ قیامت کے دن تو ایسا کرنا ظاہر ہی ہو جب انکشاف حقیقت پورے طور پر ہو جائیگا اور ضحاک کا قول ہو کہ یہ موت کے وقت دنیا میں ہوگا ۔ اور حضرت ابن مسعود کا قول ہو کہ یہ آیت کفار قریش کے بارہ میں ہو اور یہ ان کا آرزو کرنا بدر کے دن تھا جب اہل اسلام کا غلبہ دیکھا (د) ظاہر ہو کہ یہ پیشگوئی کا رنگ ہو اور رُبَمَا لاکر بتایا کہ یہ اکثر اوقات میں ہوگا پس یہ انکی آرزو ہر غلبہ کے وقت میں ہوگی جو اسلام کو حاصل ہوگا ۔ یہانتک کہ اسکے کامل غلبہ کا وقت آجائیگا اور سیاق عبارت اسی کو چاہتا ہو کیونکہ ابھی پچھلی سورت کے آخری رکوع میں کفار کی مغلوبیت کا نقشہ کھینچا جاچکا ہو اسی کی طرف یہاں اشارہ ہو کہ جب یہ اپنی مغلوبیت کے نظارہ کو دیکھینگے تو پھر یہ بھی آرزو کرینگے کہ ہم مسلمان ہی ہوتے یہی مضمون اگلی آیت کا بھی ہو جہاں صاف فرمایا کہ ایک غلط آرزو نے انہیں حق کی طرف سے غافل کر رکھا ہو اور اس سے بعد کی آیتیں جہاں ملائکہ کے آنے کا ذکر ہو جو جنگوں میں ہوا سب اسی طرف اشارہ کر رہی ہیں کیونکہ اسلام میں ان کو برائی تو کوئی نظر نہ آتی تھی ہاں انکے دلوں میں یہ تکبر بھرا ہوا تھا جس طرح آج مخالفین اسلام کے دلوں میں بھرا ہوا ہو کہ ہم اسلام کو تباہ کرکے رہینگے سو ہر مغلوبیت کا نظارہ ان کے دلوں میں یہ آرزو پیدا کرنیوالا تھا کہ کاش ہم مسلمان ہی ہوگئے ہوتے یہانتک کہ کامل غلبہ اسلام کے وقت جو فتح مکہ میں ہوا وہ آخر مسلمان ہو بھی گئے اس وقت بھی انکو افسوس ہوتا ہی ہوگا کہ ہم نے کیوں خواہ مخواہ ایسی صداقت کی مخالفت کی اور اتنی مدت تک اس سے اپنے آپکو محروم رکھا ✦

بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُّنظَرِينَ ۝ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۹

حکمت نہ چاہتی ہو اور اس وقت انہیں مہلت بھی نہ دی جائے گی ۱۶۷۳ یقیناً ہمیں نے اس نصیحت کو اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں ۱۶۷۴

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ ۱۱

اور یقیناً بھیجے تجھ سے پہلے بھی پہلے لوگوں کے گروہوں میں رسول بھیجے اور کوئی رسول ان کے پاس نہیں آتا رہا

إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۱۲

مگر اس سے وہ ہنسی کرتے تھے اسی طرح ہم اسے مجرموں کے دلوں میں داخل کرتے ہیں ۱۶۷۵

فرشتوں کے آنے سے مراد

۱۶۷۳ بالحق یا اقتضائے حکمت سے (دیکھو ۱۶۵) فرشتوں کے اتارنے سے مراد یہ ہے کہ وہ تو تمہاری سزا کیلئے نازل ہونگے اس لئے آگے فرمایا کہ جب فرشتے آجائینگے تو پھر سزا بھی ساتھ ہی آجائے گی فرشتوں اور سزا کا آنا دو الگ الگ باتیں نہیں ان سب آیات میں ان کی مغلوبیت کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ جو مجنون کہتے ہیں (آیت ۶) تو مراد یہ ہے کہ یہ پاگلوں کی سی باتیں ہیں کہ ہم بھی کبھی مغلوب ہو جائینگے ۔

قرآن کی حفاظت ابدی

۱۶۷۴ الذکر قرآن شریف کے ناموں میں سے ایک نام ہے دیکھو ۱۹۱ و ۱۵۷ اور یہاں یہی مراد ہے جیسا کہ آیت ۶ میں نزل علیہ الذکر کہکر صاف کر دیا ہے اور خود سیاق عبارت بھی چاہتا ہے کہ یہاں ذکر حفاظت قرآن کا ہے اسلئے کہ کفار کو اپنے ظاہری غلبہ پر فخر تھا اور پچھلی سورت میں ان کی تدابیر کا ذکر ہو چکا کہ وہ حق کو کس طرح ملیا میٹ کرنا چاہتے ہیں تو اب صفائی سے بتایا کہ کفار کا کتنا بھی غلبہ ہو وہ اس حق کو جو قرآن شریف میں نازل ہوا اب دنیا سے مٹا نہیں سکتے۔ نہ صرف یہ کہ وہ مٹا نہیں سکتے بلکہ اس میں کسی قسم کی تحریف کمی بیشی بھی نہ ہو گی کیونکہ اس کی حفاظت کو ہم نے اپنے ذمہ لیا ہے برخلاف دیگر کتب سماوی کے جن کی حفاظت انکے پیروؤں کے سپرد کی گئی تھی جیسا کہ بما استحفظوا من کتاب اللہ (المائدہ ۴۴) سے ظاہر ہے ۔

حفاظت قرآن سے مراد یہ ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی تغیر تبدل نہ ہو۔ یہ ایک دعویٰ ہے جس کی صداقت آج دشمنوں تک کو مسلم ہے۔ میور کہتا ہے " جہانتک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو " پھر وان ہیمر کا قول نقل کرتا ہے " ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہ محمد (صلعم) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں " اور واقعات خود بھی بتاتے ہیں اس لئے کہ وہ کتاب جسکے پہلے دن سے لکھے جا کر بکثرت نسخے ہر قوم اور ہر ملک میں شائع ہوئے اور آخر مشرق سے مغرب تک پھیل گئے ان ہزار در ہزار قدیم ترین نسخوں میں ایک بھی ایسا نسخہ نہیں ملتا جس میں ایک حرف کا یا ایک زیر و زبر کا فرق ہو اہل تشیع میں سے محقق اسکی حفاظت کے ہی قائل ہیں اور اگر نہ ہوں تو اس لازم کے نیچے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں قرآن کو کیوں مکمل نہ کیا یہ ایک وسیع مضمون ہے جس پر پوری تحقیقات میں نے اپنی کتاب جمع قرآن میں شائع کی ہے۔ اور یہاں اس کو دوہرانے کی گنجائش نہیں ۔

سلوک

۱۶۷۵ نسلکہ۔ سلوک کے معنی ہیں النفاذ فی الطریق ایک رستہ پر چلنا۔ فاسلکی سبل ربک (النحل ۶۹) لتسلکوا منہا سبلا فجاجا (نوح ۲۰) اور دوسرے کو کسی رستہ پر چلانے پر بھی بولا جاتا ہے جیسے ما سلککم فی سقر (المدثر ۴۲) اور جیسے یہاں (غ) ۔

۱۳ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ

وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پہلوں کا بھی یہی طریق رہا ١٦٧٦ اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول

۱۵ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ

دیں پھر وہ اس میں چڑھنے لگیں ١٦٧٧ تو کہیں گے ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے بلکہ ہم وہ لوگ ہیں

۱۶ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○ ع وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ○

ع ۲ / ۱۰ قرآن سے شیاطین ہلاک ہو گئے

جن پر جادو کر دیا گیا ہے ١٦٧٨ اور یقیناً ہم نے آسمان میں ستارے بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کیلئے خوبصورت بنایا

۱۷ ۱۸ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ○ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ○

اور انہیں ہر شیطان مردود سے محفوظ کیا ہاں جو چھپ کر کچھ سن لے تو اسے روشن کرنیوالا انگارا آ لیتا ہے ١٦٧٩

پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ وہ ہر رسول سے استہزا کرتے ہیں یہاں کذلک سے شروع کر کے بتایا کہ جس طرح وہ وحی الٰہی کے متعلق طریق استہزا اختیار کرتے ہیں اسی طرح ہم بھی ان کو اسی رستہ پر چلاتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا انہیں ایک راہ پر چلانا ان کے اپنے فعل کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالے صرف انہی لوگوں کو ایمان نہ لانے کی راہ پر چلاتا ہے جو استہزا کرتے ہیں اس لئے کہ استہزا کرنے والا کبھی غور کرتا ہی نہیں اور بغیر غور کرنے کے انسان صحیح نتیجہ پر پہنچ نہیں سکتا ٭

١٦٧٦ سنۃ الاولین سے مراد اللہ تعالیٰ کی سنت اولین میں ہے یعنی جن لوگوں نے استہزا کو اپنا طریق رکھا وہ ہمیشہ حق سے محروم ہی رہے

١٦٧٧ یعرجون میں عموماً مراد خود کفار کو لیا گیا ہے کہ وہ آسمان پر چڑھنے لگیں۔ مگر قتادہ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ مراد ملائکہ ہیں (د) اور سیاق عبارت بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ فرشتوں کے متعلق ہی ان کا اقتراح تھا تو فرمایا کہ اگر آسمان کا دروازہ کھول دیں اور فرشتے نازل ہوں اور ان کو سزا دے کر پھر چڑھنے بھی لگیں تو پھر بھی یہ ماننے کے نہیں اور صورت اول میں آسمان پر چڑھنے سے مراد سچ مچ اوپر چڑھنا نہیں بلکہ استعارہ کے رنگ میں یہ مراد ہوگی کہ بعض سماوی باتیں ان کو سمجھ بھی آنے لگیں پھر بھی ان کو یہ کہکر رد کر دینگے کہ ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے اور یہ ذکر شدید ترین مخالفوں کا ہے ٭

سَکْر ١٦٧٨ سُکِّرَت ۔ سَکْر کے معنی حَبْسُ الْمَاءِ یعنی پانی کا روک دینا بھی ہیں اور حالت سکر وہ حالت ہے جو انسان

سُکِّرَ بَصَرُہٗ اور اس کی عقل کے درمیان پردہ حائل کر دیتی ہے (غ) اس لئے سُکِّرَ بَصَرُہٗ کے معنی ہیں اس پر پردہ ڈال دیا گیا اور یہاں یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ انہیں دیکھنے سے روک دیا گیا (ل) ٭

مَسْحُور مسحور۔ سحر کے لئے دیکھو ١٢٩ مسحورون سے مراد ہے کہ ہمیں صحیح طور پر شناخت کرنے سے سحر کے ساتھ روک دیا گیا ہے (غ) ٭

اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں بتایا ہے کہ جب انسان لہو ولعب دنیا کو اور اس حیوانی زندگی کو ہی اپنا مقصد بنا لیتا ہے تو کتنے ہی کھلے نشان اسکے سامنے ظاہر ہوں پروا نہیں کرتا ٭

بروج ١٦٧٩ بروج ۔ برج کی جمع ہے اور مراد ستارے ہیں دیکھو ٦٩٦ قرآن کریم نے خود اس معنی کو واضح کر دیا ہے جب دوسری جگہ بجائے بروج کے لفظ کواکب اختیار فرمایا انا زینا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب وحفظاً من کل شیطان مارد (الصّٰفّٰت ۳۷: ۶، ۷)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا

19

اور زمین کو ہم نے پھیلایا

تیسری جگہ انہی کواکب کو مصابیح کہا ہو ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلنٰہا رجوماً للشیاطین (الملک ٦٧ - ٥) +

رجم — **رجیم**

رجیم دیکھو ۱۲:۱۷ لسان العرب میں رَجم کے معنی حسب ذیل دیئے ہیں۔ قتل۔ پتھر مارنا۔ طرد یعنی دور کرنا۔ ظن۔ سب و شتم اور رجیم کے یہ معنی لینا کہ اسے سچ مچ پتھر مارے جاتے ہیں یا شہاب اس پر پھینکے جاتے ہیں اسلئے اسے رجیم کہا جاتا ہو درست نہیں بلکہ رجیم بمعنی ملعون ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کیا گیا ہو اور یہ معنی لسان العرب میں قبول کئے ہیں اور قرآن کریم نے خود اسے صاف کیا ہو جہاں آیت ۳۴ میں شیطان کو بوجہ ایک اچھی حالت سے دور کیا جانے کے رجیم کہا ہو نہ اس لئے کہ اسے کسی نے پتھر مارے تھے اور یہ بھی قبول کیا ہو کہ رجوماً للشیاطین (الملک ٦٧ - ٥) میں (اور ایسا ہی یہاں) شیاطین سے مراد انسان شیطان ہیں یعنی کاہن وغیرہ جو اٹکل پچو باتیں اخبار غیبی کے متعلق کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ معنی ابن اثیر سے لئے ہیں +

شیطان کاہن یا نجم کو کہا ہے

استراق

استرق۔ سَرِقَۃ کسی چیز کا چھپکر لینا ہو جو لینے والے کی نہیں اور اِسْتَرَقَ السَّمْعَ چھپکر بات سننے کو کہتے ہیں (غ)

شہاب

شہاب روشن شعلہ کو کہتے ہیں جو جلتی ہوئی آگ سے لے لیا جائے یا جو فضا میں نظر آتا ہو (غ) انی آنست نارا لعلی آتیکم منہا بقبس (طٰہٰ ٢٠ - ١٠) +

شیاطین کا ملائکہ کی باتوں کو سننا

آیت ١٦ میں یہ بیان فرمایا کہ آسمان میں بروج بنائے اور آیت ١٧ میں یہ کہ ان ستاروں کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا ہے بعینہٖ یہی مضمون سورۂ والصّٰفّٰت میں ہو جہاں بروج کی بجائے کواکب کا لفظ رکھکر بتا دیا کہ بروج سے مراد کواکب یا ستارے ہی ہیں پہلا سوال یہ ہو کہ آسمان یا ستاروں کو شیاطین سے حفاظت میں رکھنے سے کیا مراد ہو اور دوسرا یہ کہ استراق سمع کیا ہے یا چھپکر کس چیز کو شیاطین سنتے ہیں اور تیسرا یہ کہ شہاب ثاقب کے پیچھے آنے سے کیا مراد ہو۔ وہ بات جسے مفسرین نے عام طور پر قبول کیا ہے اس کی بنیاد بخاری کی ذیل کی حدیث پر ہو جو اسی آیت کی تفسیر میں ہو۔ ملخصاً اس کا ترجمہ حسب ذیل ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہو (اور اس حدیث کی دوسری روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی بھیجنے کے لئے کلام کرتا ہو) تو فرشتے اظہار عاجزی کرتے ہیں اور ایسی آواز سنتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر مارنے کی آواز ہوتی ہو جب ان کا ڈر جاتا رہتا ہو تو دوسرے فرشتے ان سے دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تو وہ کہتے ہیں حق فرمایا اور وہ علی و کبیر ہے تو چھپکر سننے والے بھی اس میں سے کچھ سن لیتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے اوپر تہ بتہ ہوتے ہیں پھر شہاب یعنی انگارا کبھی تو اس سننے والے کو ہلاک کر دیتا ہے اور کبھی وہ انگارے سے ہلاک ہونے سے پیشتر اپنی بات دوسرے کو پہنچا دیتا ہو یہانتک کہ وہ زمین تک اس بات کو پہنچا دیتے ہیں اور وہ ساحر (یا کاہن) کے منہ میں ڈالی جاتی ہو جو اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر اسے بیان کرتا ہو اور جب وہ ایک بات سچی نکل آتی ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو اس نے سچ بولا تھا۔ اور طبرانی کی روایت میں یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی بھیجنے کے لئے کلام کرتا ہے تو آسمان کانپ اٹھتا ہو اور آسمان والے کلام سنتے ہی بیہوش ہو جاتے ہیں اور سجدہ میں گر پڑتے ہیں سب سے پہلے جبرئیل سر اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہو انسے فرماتا ہو تب فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تو وہ فرماتے ہیں الحق وھو العلی الکبیر ان احادیث سے ایک طرف تو یہ معلوم ہوتا ہو کہ ملائکہ جب جبرائیل سے یا ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تو جواب صرف اسی قدر ہوتا ہو الحق وھو العلی الکبیر اور دوسری طرف یہ کہ شیاطین اس کلام کو سن لیتے ہیں حالانکہ خود قرآن کریم صراحت سے اس عظیم الشان وحی کے متعلق جو قرآن کریم میں ہو فرماتا ہو کہ شیاطین اسے قطعاً نہیں سن سکتے وما تنزلت بہ الشیاطین وما ینبغی لہم وما یستطیعون انہم عن السمع لمعزولون (الشعراء ٢٦ - ٢١٠ تا ٢١٢) جہاں آخری الفاظ

وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

اور ہم نے اس میں پہاڑ بنائے

میں فرمایا کہ وہ سننے سے الگ کئے گئے ہیں اور انہیں اس بات کی طاقت ہی نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ قرآنی وحی کے متعلق نہیں بلکہ دوسرے امور کے متعلق ہے تو اس کی بھی قرآن کریم تردید فرماتا ہے ام لھم سلم یستمعون فیہ فلیات مستمعھم بسلطان مبین (الطور ۵۲-۳۸) یعنی ان کے قبضہ میں کوئی ایسے ذرائع ہیں جن سے وہ غیب کی باتیں سن لیتے ہیں تو ان کے سننے والے کوئی کھلی دلیل لائیں جس سے معلوم ہو کہ کوئی ذریعہ اخبار غیبی کے اس طرح پر سننے کا نہیں ہے اس لئے قرآن کریم کی صراحت کے مقابل پر حدیث کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے شیاطین کو آسمانوں میں جانے کی کوئی رکاوٹ نہ تھی جب حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تو انہیں تین آسمانوں سے روک دیا گیا اور پھر آنحضرت صلعم کی ولادت پر سارے آسمانوں سے روک دیا گیا اور یہ بات حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے، مگر اس کی سند قرآن و حدیث میں قطعاً کوئی نہیں۔

اگر غور کیا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ اس قسم کی ساری آیات میں شیاطین سے مراد کاہن اور منجم ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نجوم یعنی ستاروں سے کچھ علم حاصل کر کے آئندہ کی خبریں بتا سکتے ہیں۔ چنانچہ رجوماً للشیاطین میں ابن اثیر نے بھی اسی معنی کو قبول کیا ہے کہ رجوماً سے مراد ظنون اور شیاطین سے مراد منجم اور کاہن ہیں جیسا کہ لسان العرب کے حوالہ سے اوپر دکھایا جا چکا ہے اور خود الفاظ قرآنی پر غور کیا جائے تو یہی حق ثابت ہوتا ہے اسلئے کہ وہاں یعنی سورۂ ملک میں مصابیح یعنی ستاروں کو رجوماً للشیاطین کہا گیا ہے۔ اگر مطلب یہ ہوتا کہ ان ستاروں کو شیاطین پر پھینکا جاتا ہے تو آجتک یہ آسمان کے ستارے ختم ہو گئے ہوتے یا ان میں معتد بہ کمی نظر آتی اور واقعات بھی اس کو غلط ٹھہراتے ہیں یہانتک کہ مفسرین کو خود یہ کہنا پڑا ہے کہ مراد خود ستاروں کا پھینکنا نہیں بلکہ ستاروں میں سے شعلہ لیکر پھینکنا ہے۔ اس تاویل بعید کی نسبت یہ سیدھی تاویل کیوں قبول نہ کی جائے کہ رجوماً للشیاطین سے مراد منجموں کے ظنون فاسدہ لئے جائیں جیسا کہ رجماً بالغیب (الکہف ۱۸-۲۲) میں رجم کا لفظ اور واذا خلوا الی شیاطینھم (البقرۃ ۲-۱۴) میں شیاطین کا لفظ انہی معنوں میں آئے ہیں۔ تو گویا ایک طرف یہ فرما کر کہ ہم نے ستاروں کو شیاطین سے محفوظ کیا ہے یہ بتایا کہ فی الواقع ان منجموں اور کاہنوں کو علم غیب میں کچھ دسترس نہیں جیسا کہ ام لھم سلم یستمعون فیہ (الطور ۵۲-۳۸) سے اور ام عندھم الغیب فھم یکتبون (الطور ۵۲-۴۱) سے بھی ظاہر ہے اور دوسری طرف رجوماً للشیاطین کہکر یہ بتایا کہ یہ محض ظنون اور اٹکلیں ہیں جو وہ دوڑاتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ستاروں سے یہ علم حاصل کرتے ہیں حالانکہ یہ علم کوئی نہیں اور نہ ستاروں تک وہ پہنچ سکتے ہیں بلکہ محض اٹکل پچو باتیں ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ استراق سمع سے کیا مراد ہے۔ اور تیسرا یہ کہ شہاب کے پیچھے آنے سے کیا مراد ہے یہ دونوں سوال باہم ملے ہوئے ہیں۔ اگر استراق سمع سے یہ مراد لیجائے کہ واقعی شیاطین جن کچھ اللہ تعالیٰ کے رازوں کو بھی چھپکر سن لیتے ہیں تو اللہ کی قدرت کاملہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ شیاطین بھی چھپکر اسکے بھیدوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں گویا وہ اپنے بھیدوں کی اس قدر بھی حفاظت نہیں کر سکتا جس قدر ایک انسان کر سکتا ہے۔ دنیا کی حکومتوں تک تو اپنے اسرار پر دوسروں کو آگاہ ہونے نہیں دیتیں تو کیا اللہ تعالیٰ میں اتنی قدرت بھی نہیں۔ پھر خدا کے خبر دینے میں اور شیاطین کے اس طرح خبر حاصل کر لینے میں بھی مابہ الامتیاز اٹھ جاتا ہے کیونکہ یہ تو پھر محض شیاطین کا اختیار رہا کہ ایک سچی بات کے ساتھ سو جھوٹی باتیں نہ ملائیں۔ علاوہ ازیں باوجود شہاب ثاقب کے پیچھے آنے کے بھی وہ خبر کے پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں گویا اول تو اللہ تعالیٰ اپنے رازوں کو شیطانوں سے نہیں بچا سکتا۔ پھر جب پتہ لگ بھی جاتا ہے اور راز کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ کوشش بھی ناکام ہوتی ہے ان باتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اسکی صفات کاملہ میں نقص قبول کرنا ہے

آسمان کے شیاطین سے محفوظ ہونے سے کیا مراد ہے

استراق سمع سے کیا مراد ہے

وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ

اور اس میں ہم نے ہر ایک مناسب چیز اُگائی

اور یہ اس کا جواب نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور راستبازوں کو بھی ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے دکھ پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ عین اس کی صفات کا تقاضا ہے کہ بشر رسول سارے ان حالات کے ماتحت ہو جو دوسرے انسانوں کو پیش آتے ہیں۔ اور اس کی قدرت کاملہ کا اظہار یہی ہے کہ باوجود دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ جانے کے بھی وہ آخر کار اس کو بچا لیتا ہے مگر وہ راز جن کا علم اللہ تعالیٰ سوائے اپنے رسولوں یا برگزیدوں کے دوسروں کو نہیں دینا چاہتا شیاطین بھی اس علم کو حاصل کریں تو یہ اس کی صفات کاملہ میں نقص ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی درست نہیں کہ یہ سلسلہ شہاب کا حضرت عیسیٰ کے وقت سے شروع ہوا جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے شیاطین ان رازوں سے اچھی طرح واقف ہو جایا کرتے تھے اور کوئی روک نہ تھی حضرت عیسیٰ کے وقت میں تین آسمانوں سے اور آنحضرت صلعم کے وقت میں سب آسمانوں سے انہیں روک دیا گیا کیونکہ سلسلہ شہب کا اس وقت سے ہے جب سے دنیا ہے۔ اور یہ بے معنی بات ہے کہ پہلے یہ سلسلہ شہب یوں ہی تھا حضرت عیسیٰ کے وقت سے شیاطین کی سزا کیلئے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے قانون اس طرح تبدیل نہیں ہو جاتے سلسلہ شہب جس غرض کیلئے ہے وہ ہمیشہ سے ایک ہی ہونی چاہیئے۔ اور اس بحث میں عجیب تر وہ آیت قرآنی ہے جس میں فرمایا وانا کنا نقعد منہا مقاعد للسمع فمن یستمع الاٰن یجد لہ شہابا رصدا (الجن ۷۲-۹) جس سے معلوم ہوا کہ پہلے وہ گھات میں بیٹھ کر باتیں سن لیا کرتے تھے صرف رسول اللہ صلعم کے ظہور پر شہاب کا آنا شروع ہوا (یہ جن بھی انسان ہی ہیں جیسا کہ اپنے موقعہ پر دکھایا جائے گا) اس مشکل کو قرآن شریف دو لفظوں میں حل کر دیتا ہے جہاں یلقون السمع (الشعراء ۲۶-۲۲۳) میں القائے سمع شیاطین کی طرف ہے یعنی یہ منجم یا کاہن شیاطین سے کچھ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جس طرح القائے سمع ... اور فرشتوں کی باتیں سننا نہیں اسی طرح استراق سمع سے مراد بھی فرشتوں کی باتیں سننا نہیں اور جسے ایک جگہ استراق سمع کہا ہے اسے دوسری جگہ یوں ادا کیا ہے الا من خطف الخطفۃ (والصّٰفّٰت ۳۷-۱۰) اور یہ ایک دفعہ کا اُچک لے جانا درحقیقت ایک آدھ بات میں کامیاب ہو جانا ہے جب انسان اٹکل پچو باتیں کرتا ہے اور قیاس سے کام لے کر کچھ آئندہ کی خبر دیتا ہے تو بیس باتوں میں سے دو چار سچی بھی نکل آتی ہیں۔ چونکہ جس طرح رسول کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے کاہنوں اور منجموں کا تعلق شیاطین سے ہوتا ہے اور یہ کاہن اور منجم ان باتوں کو مخفی طور پر حاصل کرنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اسلئے ان باتوں کو القائے سمع اور استراق سمع فرمایا۔

شہاب کا شیطان کے پیچھے آنا۔

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ شہاب مبین یا شہاب ثاقب (والصّٰفّٰت ۳۷-۱۰) سے کیا مراد ہے شہاب کا لفظ بروئے لغت ہر شعلہ پر بھی صادق آتا ہے اور اس شعلہ پر بھی جو فضائے آسمان میں بعض وقت دکھائی دیتا ہے شہاب کا گرنا یا جس کو ہم ستارے کا ٹوٹنا کہتے ہیں۔ اصل میں کیا چیز ہے وہ بعض پتھر ہیں جو فضائے آسمان میں چکر لگاتے ہیں جس طرح بڑے بڑے سیارے چکر لگاتے ہیں جب ان میں سے کوئی ہمارے کرہ ہوائیہ میں داخل ہوتا ہے تو ہوا کی رگڑ سے بوجہ اپنی تیزئ حرکت کے جل اُٹھتا ہے اور شعلہ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ پھر بعض وقت اس کا کچھ حصہ زمین پر بھی گر پڑتا ہے اگر ان پتھروں سے اللہ تعالیٰ کوئی اور کام بھی لیتا ہے تو اس کے راز ہائے سربستہ سے کون آگاہ ہو سکتا ہے اگر شیاطین کی ہلاکت بھی ان کی ایک غرض ہو تو یہ کوئی بعید بات نہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم کے ظہور پر یہ شہب کثرت سے گرے اور ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں شاید اسی سے مفسرین نے یہ استدلال کیا ہو کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں شیاطین تین آسمانوں سے اور آنحضرت صلعم کے وقت میں سارے آسمانوں سے روک دیئے گئے (یہ بھی ایک لطیفہ ہے کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ کے جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ

۲۰، ۲۱ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرٰزِقِيْنَ ○ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ

اور تمہارے لئے اس میں روزی کا سامان بنایا اور اسکے لئے بھی، جسے تم رزق نہیں دیتے [۱۶۸۰] اور کوئی چیز نہیں

۲۲ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ

مگر اس کے خزانے ہمارے ہی پاس ہیں اور ہم اسے صرف ایک مناسب اندازہ سے اتارتے رہتے ہیں [۱۶۸۱] اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں

جانے کے قائل ہیں وہ انہیں چوتھے آسمان پر جگہ دیتے ہیں اور یہ آسمان بموجب اس خیال کے ابھی ایسا تھا جہاں شیاطین کا دخل تھا) سوال صرف یہ ہے کہ آیا یہاں شہاب سے مراد یہی ظاہری شہاب ہے اس پر آیت وانا کنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن یستمع الآن یجد له شهابا رصدا (الجن ۷۲-۹) سے کھلی روشنی پڑتی ہے۔ یہ شہاب ظاہری پہلے بھی تھے مگر آیت کہتی ہے کہ پہلے ایسے نجومی آزادی سے اپنا کام کرتے تھے اب ان سے کچھ اور سلوک ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں شہاب سے مراد یہ شہاب ظاہری نہیں۔ بلکہ اس شہاب سے استعارۃً کوئی ایسی روشنی مراد ہے جو ان کاہنوں کے استراق سمع کے اثر کو زائل کر دیتی ہے یعنی کچھ ان کی اٹکل پچو باتیں جو سچی نکل آتی ہیں تو اس سے لوگوں پر ایک اثر ہوتا ہے پہلے اس اثر کو دور کرنے والی کوئی چیز نہ تھی اور اس لئے لوگ کہانت اور نجوم کے اثر کے قائل تھے۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی روشنی آگئی ہے جو اس اثر کو دور کر دیتی ہے۔ یہ شہاب پیغمبر کے آنے سے خاص ہے۔ شہاب ظاہری پیغمبر کے آنے سے خاص نہیں پس اس شہاب سے مراد پیغمبر کی وہ کھلی پیشگوئیاں ہیں جو نجومیوں کی دھندلی پیشگوئیوں کے اثر کو باطل کر دیتی ہیں یہی چیز ہے جو پیغمبر سے خاص ہے سوائے اس کے اس آیت کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ اور شہاب کے لفظ کا یہ استعمال کچھ بھی بعید نہیں جب خود رسول اللہ صلعم کو بھی النجم الثاقب فرمایا ہے بلکہ والنجم اذا هوی (النجم ۵۳-۱) اور فلا اقسم بمواقع النجوم (الواقعۃ ۵۶-۷۵) میں خود مفسرین کو یہ امر مسلم ہے کہ نجم سے مراد قرآن کریم کا ایک ٹکڑہ ہے پس یہی مراد شہاب سے بھی لی جائے گی جب ظاہری معنی کو واقعات غلط ٹھہراتے ہیں +

کہانت اور نجوم کو قرآن کریم نے دور کیا

سیاق مضمون خود اس معنی کو چاہتا ہے اس لئے کہ پچھلے رکوع میں حفاظت قرآن شریف کا ذکر تھا اور چونکہ اس کے اعدا میں اگر ایک طرف سیاسی طاقت تھی تو دوسری طرف نجومیوں اور کاہنوں کی طاقت تھی جو لوگوں کو اپنے اثر باطل سے مرعوب کر رہے تھے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ بتایا جاتا کہ ان کا اثر بھی دور کیا جائیگا چنانچہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ نجوم اور کہانت جو ملک عرب میں بت پرستی کی طرح مروج تھے نبی کریم صلعم کے ظہور سے بالکل نابود ہو گئے۔ اور وہ سرزمین اس نجاست سے بھی پاک ہو گئی +

[۱۶۸۰] من لستم له برازقین سے مراد مجاہد کے نزدیک چارپائے وغیرہ ہیں۔ مطلب یہ کہ انسانوں کے لئے بھی اس میں سامان بنایا اور دوسری مخلوق کے لئے بھی جو گو تمہارے ماتحت ہے مگر رزق اسے تم نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالےٰ ہی دیتا ہے +

الٰہی خزانے

[۱۶۸۱] اس سے معلوم ہوا کہ تمام وہ چیزیں جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے ان کے اصل خزانے اللہ کے پاس ہیں یعنی ان کا وجود میں لانا اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ ایک معین اندازہ سے یعنی اپنے قانون کے مطابق وہ چیزیں انسانوں کو پہنچاتا ہے۔ انزال اور تنزیل کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ایک چیز کے اسباب مہیا کر دیتے جائیں یا اس کی طرف ہدایت کر دی جائے (غ) گو وہ چیز زمین پر ہی موجود ہو +

تنزیل

لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝

جو (بادلوں کو پانی سے) بار دار کرتی ہیں تب ہم بادل سے پانی اُتارتے ہیں پھر ہم وہ تمہیں پلاتے ہیں اور تم اسے جمع کر کے رکھنے والے نہیں ہو ۱۶۸۲

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ ۲۳ ۲۴

اور یقیناً ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں ۱۶۸۳ اور ہم تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو خوب جانتے

مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ ۲۵ ع

ہیں اور ہم پیچھے رہنے والوں کو بھی خوب جانتے ہیں ۱۶۸۴ اور تیرا رب انہیں اکٹھا کرے گا وہ حکمت والا علم والا ہے

لقح ۔ لاقح

۱۶۸۲ لواقح ۔ لقاح ماء الفحل کو کہتے ہیں اور لقحت اصل میں اونٹنی کے حاملہ ہونے پر استعمال ہوتا ہے پھر عورت کے اور لواقح لاقح کی جمع ہے اور مراد اس سے حمل والی ہیں بلحاظ اس پانی کے جسے وہ اُٹھائے ہوتے ہوتی ہیں کیونکہ اس پانی سے زندگی ملتی ہے اور اس کے مقابل پر الریح العقیم (الذٰریٰت ۵۱-۴۱) یا بانجھ ہوا وہ ہے جس میں پانی نہیں یا جس سے فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ وہ عذاب کے رنگ میں ہو (ل) ٭

الریح العقیم

خزن ۔ خازن خزائن

خازنین ۔ خزن کے معنی ہیں ذخیرہ کے طور پر کسی چیز کی حفاظت کرنا پھر عام طور پر حفاظت کرنا اس کے معنی ہو گئے ہیں اور اس سے پہلی آیت میں جو عندنا خزائنہ آیا ہے تو وہاں خزائن کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ وہ اپنی قدرت سے جس چیز کو چاہتا ہے وجود میں لاتا ہے اور ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ (الانعام ۶-۵۰) میں خزائن سے مراد اس کی مقدورات ہیں یا اس کی جود اور اس کی قدرت اور یہاں خازن کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں یعنی شکر کے ساتھ اس کی حفاظت کرنے والے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اسے بادلوں میں محفوظ کرتا ہے جیسا دوسری جگہ ہے افرءیتم الماء الذی تشربون ء انتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون (الواقعۃ ۵۶-۶۹) (غ)

۱۶۸۳ جس طرح پانی والی ہوائیں زندگی بخشتی ہیں اسی طرح وحی الٰہی بھی مردہ زمین کو زندہ کر دے گی اور جس طرح شہاب کی روشنی تاریکی کو دور کر دیتی ہے اسی طرح کہانت اور نجوم کی تاریکی قرآن شریف سے دور ہو جائے گی ۔ اسی احیاء اور اسی امانت کی طرف یہاں اشارہ ہے ٭

مستقدم ۔ مستاخر

۱۶۸۴ المستقدمین ۔ المستاخرین سے پہلے گزرے ہوئے لوگ اور پیچھے آنے والے لوگ بھی مراد لئے گئے ہیں اور نیکی میں قدم آگے رکھنے والے یا معصیت کر کے پیچھے رہنے والے بھی (ج) اور سیاق عبارت پہلے معنی کو صحیح ٹھہراتا ہے کیونکہ یہاں ذکر انہی لوگوں کا ہے جو خدا کی وحی سے زندگی حاصل کر کے قدم آگے رکھتے ہیں یا ظلمتوں اور تاریکیوں کی موت میں رہ کر زندگی کی اصل غرض کے حاصل کرنے میں پیچھے رہ جاتے ہیں ٭

ع ۳ (۱۵)
شیطان کے پیچھے لگ کر انسان حصول مقصد زندگی میں ناکام رہتا ہے

۲۶ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝

اور ہم نے انسان کو سوکھی ہوئی مٹی سے سیاہ کیچڑ سے جو متغیر ہو چکا ہو پیدا کیا ۱۶۸۵

صلصال — صلّ

۱۶۸۵ صلصال اصل میں آواز کے تردد کو کہتے ہیں جو خشک چیز سے پیدا ہو یعنی کھنکھناتا اور سوکھی ہوئی مٹی کو صلصال کہا جاتا ہے اور سڑی ہوئی مٹی کو بھی صلصال کہتے ہیں کیونکہ صَلَّ اللَّحْمُ کے معنی ہیں گوشت سڑ گیا یعنی بدبودار ہو گیا (غ) اور مجاہد کہتے ہیں کہ صلصال سے مراد حمإ مسنون ہے یعنی سڑی ہوئی مٹی (ل)، مگر قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے صلصال کالفخار (الرحمٰن ۵۵ ـ ۱۴) اسلئے پہلے معنی ہی درست ہیں کیونکہ فخار اسے کہتے ہیں جو آگ میں پکائی گئی ہو ٭

فخار

حمأ حمئۃ

حمأ ـ حَمْأَۃٌ اور حمأ سیاہ سڑی ہوئی مٹی کو کہا جاتا ہے ـ جیسے کنوئیں کا سیاہ کیچڑ اور عین حمئۃ (الکہف ۱۸ ـ ۸۶) سے مراد ذاتِ حَمأ یعنی سیاہ کیچڑ والا ہے اور حَمأ حَمْأَۃ کی جمع بھی ہے (غ)

سن ـ سنّ — مسنون

مسنون ـ سِنّ دانت کو کہتے ہیں السن بالسن (المائدۃ ۵ ـ ۴۵) اور سَنَّ کے معنی صاف کیا اور صیقل کیا اور اسی سے سُنَّۃ منہ کو اس کی صفائی کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور سَنّ کے معنی ایک چیز کو شکل و صورت دینا ہیں اور مَسْنون کے معنی مُصَوَّر یعنی تصویر بنایا گیا ہیں اور یہاں مَسْنُون کے معنی مُصَوّر ـ صورت دیا گیا ـ اور مُنْتِن بدبودار اور مُتَغَیِّر تبدیل شدہ کئے گئے ہیں (ل) اور مفردات میں صرف متغیر اس کے معنی دیئے ہیں اور لسان العرب میں اخفش کا قول منقول ہے کہ یہ تغیر اس وقت واقع ہوتا ہے جب پانی جاری نہ ہو یعنی چلتے پانی میں یہ تغیر واقع نہیں ہوتا ٹھہرے ہوئے پانی میں ہوتا ہے ٭

ابتدائے پیدایش

اس رکوع میں اصل مضمون تو شیطان کی انسان سے دشمنی ہے جو اسے ایک غلط راہ کی طرف لے جاتا ہے اور اس کے اعلےٰ قوی کی تکمیل میں روک ہوتا ہے اور اسے حصول مقصد زندگی میں ناکام رکھتا ہے مگر ابتدا ہر دو کی پیدایش سے کی ہے ـ اور سب سے پہلے انسان کے اصل کی طرف توجہ دلائی ہے یا زندگی کی ابتدا کی طرف ـ کوئی سے بھی مدارج ہوں جن میں سے ہو کر انسان بنا اور کتنی ہی مدت اس کے بننے میں یا بنانے پر گزر گئی ہو ـ زندگی کی ابتدا کا جو کچھ پتہ آج سائنس سے ملتا ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر یہاں دو تین لفظوں میں قرآن شریف نے کر دیا ہے یعنی سب سے پہلی حالت زمین کی جو انسانی زندگی کی معاون ہوئی وہ صلصال تھی یا سوکھی ہوئی مٹی اور دوسری جگہ اسے صلصال کالفخار (الرحمٰن ۵۵ ـ ۱۴) کہکر بتا دیا کہ گویا وہ آگ سے پک کر نکلی ہے اس میں یہ توجہ دلانا مقصود ہے کہ زمین کی موجودہ سطح گویا آگ سے پک کر تیار ہوئی ہے اور اسی کی شہادت آج سائنس سے ملتی ہے کہ ابتدا میں یہ زمین ایک آگ کا ٹکڑا تھا ـ تدریجاً ٹھنڈا ہوتے ہوتے اس کی اوپر کی سطح سخت ہو گئی ـ قرآن کریم نے اسے صلصال کالفخار کہکر اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے اور اگلی آیت میں اس کی ناری حالت کا ذکر بھی ان الفاظ میں کیا ہے کہ جنوں کو اس سے پہلے نار سے پیدا کیا گویا اس سے پہلی حالت زمین کی ناری تھی اور اس ناری صفت کے مطابق جو ہستیاں پیدا ہوئیں وہ جن ہیں ـ اور یہاں من صلصال کہکر پھر جو فرمایا من حمأ مسنون ـ تو بتایا کہ صلصال کی حالت سے تبدیل ہو کر پھر حمأ کی حالت ہوئی یعنی اس مٹی کے ساتھ پانی ملا ـ اور پھر اس میں تغیر آیا اور ابن عباس سے حمأ مسنون کے معنی طین رطب یعنی گیلی مٹی مروی ہیں (ج) اور ابتدائے زندگی کی تاریخ پر جو روشنی سائنس نے ڈالی ہے وہ یہی ہے کہ زندگی کی ابتدا ایسی مٹی سے ہوئی ہے جس میں پانی ملکر اس میں ایک تغیر واقع ہو جائے ـ ایک اُمّی کے منہ سے آج سے تیرہ سو سال پیشتر یہ الفاظ کہلوا کر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم کامل کا ثبوت دیا ہے جس کے مقابل پر انسانی علوم ہیچ ہیں ـ اور صلصال میں چونکہ آواز کا خیال پایا جاتا ہے اور مسنون میں شکل و صورت دینے کا اسلئے ان الفاظ کے اختیار کرنے میں ساتھ ہی انسان کی ان دو صفات کیطرف بھی اشارہ ہے جو اسے دوسرے حیوانات سے متمیز کرتی ہیں یعنی ایک گویائی اور دوسرے خاص قسم کی شکل و صورت ٭

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ ۲۸

اور جنوں کو ہم نے (اس سے) پہلے سخت تیز آگ سے پیدا کیا ۱۶۸۶ اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ ۲۹

کہ میں انسان کو سوکھی ہوئی مٹی سیاہ کیچڑ سے جو متغیر ہو چکا ہو پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اسے مکمل کو پہنچا دوں اور

نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ ۳۰

اپنی روح سے اس میں پھونکوں تو تم نے اس کیلئے فرمانبرداری کرتے ہوئے گر پڑنا ۱۶۸۷ پس کل فرشتوں نے سب کے سب نے فرمانبرداری کی

۱۶۸۶ جان جنّ کے لئے دیکھو ۱۰۱۵ اور جانّ کو بعض نے جنوں کا باپ کہا ہے جیسے آدم انسانوں کا باپ ہے اور بعض کے نزدیک جانّ جن ہی ہیں اور یہ اسم جمع ہے اور بعض نے جانّ کو جنوں کی ایک نوع قرار دیا ہے لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان (الرحمٰن ۵۵-۵۶) اور جانّ سانپ کی بھی ایک قسم ہے جو پتلا ہلکا سا ہوتا ہے کانھا جان (النمل ۲۷.. القصص ۲۸ ۳۱) اور جانّ شیطان کو بھی کہتے ہیں (ل) +

سمّ — سموم - سَمّ اور سُمّ ہر ایک تنگ سوراخ کو کہتے ہیں جیسے سوئی کا ناکہ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (الاعراف ۷-۴۰) اور اسی سے سَمّ کے معنی داخل ہونا آتے ہیں اور سَمّ زہر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی باریک تاثیر سے جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور

سموم — سَمُوم گرم ہوا کو کہتے ہیں کہ وہ بھی زہر کی طرح جسم پر اثر کرتی ہے فی سموم وحمیم (الواقعۃ ۵۶-۴۲) ووقنا عذاب السموم (الطور ۵۲-۲۷) (غ) اور سموم کے معنی ایسی گرم ہوا بھی کئے گئے ہیں جو قتل کر دے اور بعض نے اس کے معنی آگ کا شعلہ کئے ہیں اور یا اس کے معنی سخت تیز آگ کے ہیں (ج)

زمین کی سب سے پہلی حالت ناری مخلوق — اس میں زمین کی ابتدائی حالت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے یعنی نسل انسانی کی آبادی کے قابل ہونے سے پہلے اس میں ایسی مخلوق تھی جو آگ سے پیدا ہوتی تھی۔ اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ جس قسم کے حالات ہوں اسی قسم کی مخلوق ہو۔ انسان کا خود خاص حالات میں پیدا ہونا بتاتا ہے کہ مختلف حالات کے لحاظ سے مختلف قسم کی مخلوق ہو سکتی ہے محض یہ بات کہ ہمیں وہ ناری ہستیاں نظر نہیں آتیں ان کے وجود کے خلاف کوئی دلیل نہیں +

تسویۃ — ۱۶۸۷ سویت - سَوَّیْتُهٗ فاستوی - اور استوٰی کے معنی ہیں ایک چیز اپنے کمال کو پہنچ گئی پس سَوّی کے معنی ہیں اسکو کمال کو پہنچایا ثم سوٰک رجلا (الکہف ۱۸-۳۷) الذی خلق فسوّٰی (الاعلیٰ ۸۷-۲) اور یہاں مراد جسمانی تسویہ ہے نیز دیکھو ۴۲

روح — روحی - ابن الانباری کا قول ہے کہ روح اور نفس ایک ہی ہیں سوائے اس کے کہ روح مذکر ہے اور نفس مؤنث (ت) اور نفس کے لئے دیکھو ۵۹۸ جہاں ایک معنی قوت ممیزہ بھی اسکے دیئے گئے ہیں اور روح کے معنی جان بھی آتے ہیں اور نفس بھی (یعنی نفس ناطقہ) اور وحی اور قرآن وغیرہ (ل) اور روحی کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف بسبیل تشریف ہے جیسے بیتی میں (غ) اور یہاں

اسکی روح کا انسان میں نفخ — روح سے مراد نفس ناطقہ یا وہ چیز ہے جس سے انسان تمیز کرتا ہے یہاں روح حیات کے معنی میں اس لئے نہیں ہو سکتی کہ یہ روح انسان اور دوسرے حیوانات میں اشتراک رکھتی ہے اور سجدہ کا حکم کسی خصوصیت کی وجہ سے ہے اگر جان کے ڈالے جانے کی وجہ سے یہ حکم ہوتا تو دوسرے جاندار بھی اس میں شامل ہوتے اور سورۂ بقرہ میں اول انسان کو علم دیا جاتا ہے تب ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہاں نفخ روح سے مراد اس قوت ممیزہ کا نفخ ہے جس سے انسان علم حاصل کرتا ہے۔ اور روح

۳۱ ۳۲ إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ○ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا

مگر ابلیس (نے نہ کی) اس نے انکار کیا کہ فرمانبرداری کرنیوالوں کے ساتھ ہو — فرمایا اے ابلیس کیا وجہ ہے — کہ تو

۳۳ تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ○ قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ

فرمانبرداری کرنیوالوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اس نے کہا مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں ایک انسان کی فرمانبرداری کروں جسے تو نے سوکھی بجتی (ہوئی)

۳۴ ۳۵ مَّسْنُونٍ ○ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ○ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ○

مٹی سے تغیر شدہ کیچڑ سے پیدا کیا ہے کہا تو اس (حالت) سے نکل جا کیونکہ تو دور کیا گیا ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت ہے

۳۶ ۳۷ ۳۸ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ○ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ○ إِلَىٰ

کہا میرے رب تو مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن وہ اٹھائے جائیں کہا تو ان میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی — ایک معلوم

۳۹ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ○ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَ

وقت کے دن تک ۱۶۸۸ کہا میرے رب جیسا تو نے مجھ پر جہالت کا حکم لگایا میں انہیں زمین میں (زندگی) خوبصورت بنا کر

۴۰ ۴۱ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ○ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ○ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ○

دکھاؤنگا اور ان سب کو (حصول مقصد میں) ناکام رکھونگا ۱۶۸۹ سوائے تیرے بندوں کے جو ان میں سے خالص کئے گئے ہیں فرمایا یہ سیدھا رستہ میری طرف ہے ۱۶۹۰

سے مراد وحی بھی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ یہ وہ روح ہے جو تمام انسانوں میں نفخ ہوتی ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهين ثم سوّاه ونفخ فيه من روحه (السجدة ۳۲-۸و۹) ◆

شیطان کا آخر دنیا تک رہنا

۱۶۸۸ جب تک اس دنیا پر انسان ہے اس وقت تک شیطان کا رہنا بھی ضروری ہے مگر اس کی بھی ذریت ہے اور ہر انسان کے لئے ایک علیحدہ شیطان کا ہونا حدیث سے بھی ثابت ہے کان شیطان آدم کافرا و شیطانی مسلما ۔ دیکھو سورۃ اعراف کا دوسرا رکوع ◆

دنیوی زندگی کو مقصد ٹھہرانا اصل حصول مقصد میں ناکامی ہے

غوی ۔ اغواء

۱۶۸۹ فی الارض میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی زندگی انہیں اچھی کر کے دکھاؤں گا یہاں تک کہ وہ اس دنیوی زندگی کو ہی اپنا اصل مقصد بنا لیں۔ اسلئے آخر پر لاغوینہم کا لفظ استعمال کیا ہے اور غیّ کے معنی وہ جہالت ہیں جو اعتقاد فاسد سے پیدا ہو اور غوی کے معنی خاب یعنی ناکام ہوا اور اغواء کے معنی ناکام رکھنا ہیں دیکھو ۱۰۵۸ یعنی اصل مقصد زندگی کی طرف ان کی توجہ نہ ہونے دونگا اور یوں انہیں اس مقصد کے حصول میں ناکام رکھوں گا ◆

۱۶۹۰ یہاں علیّ بمعنی الیّ ہے (ج) یعنی مجھ تک پہنچانے والا یہ صراط مستقیم ہے اور یا علیّ کے معنی ہیں میں اسے ضرور ملحوظ رکھوں گا ◆

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ○ وَإِنَّ جَهَنَّمَ ۴۲ ۴۳

کہ میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں سوائے اسکے جو جاہلوں میں سے تیری پیروی کرے ۱۶۹۱ اور یقیناً ان سب کے

لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ○ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ۴۴ (ع)

وعدہ کی جگہ دوزخ ہے اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر ایک دروازہ کیلئے ان میں سے ایک حصہ الگ کر دیا گیا ہے ۱۶۹۲

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ○ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ○ وَنَزَعْنَا ۴۵ ۴۶ ۴۷

متقی باغوں اور چشموں میں رہینگے ان میں سلامتی سے امن میں ہو کر داخل ہو جاؤ اور جو ان کے دلوں میں

مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ○ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ ۴۸

کچھ کدورت ہو گی ہم اسے نکال دینگے وہ بھائی بھائی تختوں پر آمنے سامنے ہونگے ۱۶۹۳ انہیں ان میں کوئی تکلیف نہیں چھوئے گی

ع ۴ — متقی کی ۱۴ کامیابی

شیطان کو کسی انسان پر تسلط نہیں

۱۶۹۱ عبادی عبد کے لئے دیکھو ۲۰۴۴ عبادی سے مراد یہاں عموماً وہی عبادک منہم المخلصین لئے گئے ہیں جن کا ذکر آیت ۴۰ میں ہے مگر قرینہ یہ چاہتا ہے کہ یہاں لفظ عام ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عباد مخلصین سے تو شیطان خود ہی مایوس ہے کیونکہ انکو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی شیطان کی غلامی سے آزاد کر رکھا ہے اس لئے وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں انہیں چھوڑ کر باقی سب کو ناکام کر دونگا یعنی دنیا ہی ان کا مقصد ہو جائے گی اور وہ اصل مقصد زندگی کے حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا تسلط اور غلبہ تو کسی بندہ پر بھی نہ ہو گا۔ ہاں جو خود بخود اپنے فاسد اعتقاد کی وجہ سے جاہل رہکر تیری پیروی کرے تو کرے۔ یہ آیت اس بات پر قطعی شہادت ہے کہ شیطان کا بندوں پر تسلط کوئی نہیں وہ خود اسکے پیچھے لگتے ہیں ؛

باب

علیؓ باب علم ہیں

۱۶۹۲ ابواب۔ باب کی جمع ہے کسی چیز میں داخل ہونے کا رستہ۔ اور اصل میں مکانوں میں داخل ہونے کا رستہ ہے۔ اور ایک علم کو دوسرے علم کا باب کہا جاتا ہے یعنی اس کے ذریعہ سے اس دوسرے علم تک پہنچا جاتا ہے اور انا مدینۃ العلم و علیٌّ بابہا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے) میں باب سے مراد یہی ہے کہ اس کے ذریعہ سے مجھ تک پہنچ سکتے ہو۔ اور یہ کوئی خصوصیت نہیں ۔۔۔ بلکہ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اہتدیتم میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے مراد صرف یہ ہے کہ صحابہ بمثل دروازوں کے ہیں اور حقیقی علم صرف رسول اللہ صلعم ہی ہیں اسی لئے صحابی کا قول حجت شرعی نہیں۔ اور فتحنا علیہم ابواب کل شیء (الانعام - ۴۴) میں بھی ذرائع ہی مراد ہیں اور ابواب الجنۃ اور ابواب جہنم سے مراد وہ باتیں ہیں جن کے ذریعہ سے ان تک پہنچا جاتا ہے (غ) اور حضرت علی سے مروی ہے کہ ابواب جہنم سے مراد طبقات جہنم ہیں نہ دروازے (غ) اور ان سات طبقوں کے نام جہنم۔ لظی۔ حطمۃ۔ سعیر۔ سقر۔ جحیم۔ ھاویۃ لئے گئے ہیں (ج) اور قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساتوں دوزخ کے مختلف نام ہیں اور ہر ایک ان میں سے کسی وصف کے لحاظ سے دوزخ کا نام ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سات کا استعمال ایسی حالت میں عدد کامل کے طور پر ہو یعنی بہت سے دروازے ہیں۔ سبعۃ کے لئے دیکھو ۴۲ اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سات دروازے ان کے اعمال کے مطابق سات منزلیں ہیں (ج) اور یہی اصل حقیقت ہے کہ ہر ایک شخص کا دوزخ اس کے اعمال کے مطابق ہے کسی موٹی تقسیم کے لحاظ سے ان کی سات قسمیں بھی ہو سکتی ہیں ؛

دوزخ کے سات باب

سِرّ - سرور

۱۶۹۳ سرر۔ سریر کی جمع ہے اور مادہ اس کا سِرّ ہے جس کے معنی بھید یا چھپی ہوئی چیز ہیں اور سرور خوشی کو کہتے ہیں

۴۹ وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ○ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○

اور نہ وہ ان سے نکالے جائیں گے — میرے بندوں کو خبر دیدو کہ میں بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں

۵۰ ۵۱ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ○ — وقف لازم

اور کہ میرا عذاب دردناک عذاب ہی ۱۶۹۴ اور انہیں ابراہیم کے مہانوں کی خبر دےدو

۵۲ ۵۳ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ○ قَالُوْا لَا

جب وہ اس کے پاس آئے تو کہا سلامتی ہو — اس نے کہا ہم تم سے ڈرتے ہیں — انہوں نے کہا ڈر یئے

۵۴ تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ

نہیں ہم تجھے ایک صاحب علم لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں — اس نے کہا کیا تم مجھے خوشخبری دیتے ہو — حالانکہ مجھے بڑھاپے

۵۵ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ○ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ

نے آلیا ہی تو تم کس ذریعہ سے خوشخبری دیتے ہو — انہوں نے کہا ہم حق کے ساتھ تجھے خوشخبری دیتے ہیں پس تو نا امید وں

سماید — جنت کی کمالی راحت

اس لحاظ سے کہ وہ چھپی ہوتی ہی اور سریر تخت کو کہتے ہیں اس لئے کہ اس پر سرور کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور یہ صرف اہل نعمت کے لیے ہی اور جس پر میت کو رکھا جاسے اُسے بھی سریر کہا جاتا ہی اس لئے کہ اس میں خوشی کا تفاول ہی جو بعد موت ملیگی اور دنیا کے غم سے نجات ہی چونکہ پچھلے رکوع میں شیطان کا ذکر تھا اور ان لوگوں کے انجام کا جو اس کی اتباع کرتے ہیں اسلئے یہاں تقابل کے طور پر ان لوگو کا ذکر کیا ہی جو شیطان کے اتباع سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں یعنی متقی متبعین شیطان یا حیوانی زندگی کو مقصد بنالینے والے کیلئے اگر آخر کار آگ ہی تو متقی کیلئے جنت ہی۔ اس جنت کا نقشہ یہاں جن الفاظ میں کھینچا ہی اس کی طرف کم لوگ توجہ کرتے ہیں۔ انسان کے اپنے نفس کیلئے وہاں ہر قسم کے عیوب سے سلامتی ہی اور ہر قسم کے خطرات سے امن ہی پھر دوسروں سے بھی تعلقات ہیں اور وہ تعلقات اس اعلیٰ درجہ کی محبت کے ہیں جو اخوت کے نام سے موسوم ہی مگر اخوت بھی ایسی جس میں رنج وحسد کوئی نہیں جس سے دنیا کی محبتیں اور اخوتیں عموماً آلودہ رہتی ہیں پھر سب سے بڑھکر یہ کہ ان نعمتوں کا دوام ہی یعنی ان سے کبھی کوئی نکالا نہیں جائیگا جو بلا یہاں دنیا کی نعمتوں سے لگی ہوئی ہی کہ آج ایک شخص کو ملتی ہیں تو کل ان سے محروم ہو جاتا ہی مگر ایک چیز کی مداومت سے انسان تھک جاتا ہی اس لئے فرمایا کہ یہ مداومت ایسی نہ ہوگی جس میں تکان ہو۔ یہ کمال راحت کا نقشہ ہی جس سے بڑھکر راحت کیلئے اور الفاظ تجویز نہیں ہوسکتے۔ اور متقی کو جو اس دنیا میں جنت ملتی ہی اس میں بھی یہ سب کیفیات ایک نہ ایک رنگ میں موجود ہوتی ہیں فی جنات وعیون یعنی باغوں اور چشموں میں ہونگے اور دوسری جگہ فرمایا فی جنات ونھر (القمر ۵۴ - ۵۴) باغوں اور نہریں ہونگے جس سے معلوم ہوا کہ یہ چشمے اور نہریں ایسی ہیں کہ ان میں انسان رہ بھی سکتا ہی ٭

ایمان خوف ورجا کے درمیان ہی ٭

۱۶۹۴ جب دونوں راہیں بتادیں تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی ان دو صفات کی طرف بھی اشارہ کیا یعنی ایک طرف غفر و رحم اور دوسری طرف سزا دینے کی صفت۔ کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جبتک کہ ان دونوں باتوں پر اس کا ایمان نہ ہو اسی رجا و خوف کے درمیان ایمان ہی کہ اس کی رحمت بھی بہت وسیع ہی مگر اس کی سزا بھی سخت ہی اور آگے حضرت ابراہیم اور لوط کے ذکر میں

مِنَ الْقَانِطِينَ ○ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ○ ٥٦

ہیں سے نہ ہو ۱۶۹۵ اس نے کہا اور سوائے گمراہوں کے اپنے رب کی رحمت سے کون مایوس ہو سکتا ہے

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ○ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ○ ٥٧ ٥٨

کہا تو اے رسولو! تمہارا کام کیا ہے انہوں نے کہا ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں

إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ○ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ ٥٩ ٦٠

سوائے لوط کے لوگوں کے ہم ان سب کو ضرور بچا لیں گے مگر اس کی بی بی ہم مقدر کر چکے ہیں کہ وہ پیچھے رہنے والوں

الْغَابِرِينَ ○ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ○ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ○ ٦١ ٦٢

لوط اور شعیب کی قومیں

میں سے ہو ۱۶۹۶ سو جب رسول لوط کی آل کے پاس آئے اس نے کہا تم اجنبی لوگ ہو

قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ○ وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ○ ٦٣ ٦٤

انہوں نے کہا بلکہ ہم وہ بات تیرے پاس لائے ہیں جس میں یہ جھگڑتے تھے اور ہم ضرورت حقہ کے ساتھ تیرے پاس آتے ہیں اور یقیناً ہم سچے ہیں ۱۶۹۷

یہی دو نقشے پیش کئے ہیں ❖

قنوط - قانط

۱۶۹۵ یقنط - قنوط کے معنی بھلائی سے مایوس ہو جانا ہیں - اور قانط (۵۵) اور قنوط (حم السجدۃ ۴۱-۴۹) مایوس ہونیوالا ہے (غ)

ابراہیم کے مہمان انسان تھے

یہاں انہی واقعات کا ذکر ہے جو سورۃ ہود میں ۶۹ - ۷۶ میں بیان ہو چکے ہیں - یہاں ان آنیوالوں کو مہمان کہا ہے اس سے بھی یہ پتہ لگتا ہے کہ یہ انسان تھے اور حضرت ابراہیم کا یہ کہنا کہ تم کس ذریعہ سے مجھے خوشخبری دیتے ہو صاف بتاتا ہے کہ وہ انہیں ملائکہ نہ سمجھتے تھے اور یہ ناممکن ہے کہ فرشتہ نبی پر نازل ہو تو وہ اسے شناخت نہ کرے کہ یہ فرشتہ ہے اور انکا جواب کہ ہم تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دیتے ہیں اسی بات کا موید ہے گویا وہ بتاتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے آگاہ کیا ہے جو امر حق ہے ❖

۱۶۹۶ الا آل لوط میں الا استثنائے منقطع ہے اور مطلب صرف اس قدر ہے کہ آل لوط اس مجرم قوم میں داخل نہیں اور اگلے رکوع کی پہلی آیت میں صاف فرمایا کہ رسول آل لوط کے پاس آئے - حضرت ابراہیم اور لوط کے اس واقعہ کو اکٹھا بیان کرنے پر دیکھو ع ۱۲۸۰ - قدرنا میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف جاتی ہے کیونکہ قضاء و قدر نہ ملائکہ کے اختیار میں ہے نہ انسانوں کے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے - اور اس میں بُعد کوئی نہیں کہ ان مرسلوں کے کلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہو گیا ہو - دوسری جگہ انہی مرسلوں کا کلام یوں نقل کیا ہے قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین - لنرسل علیہم حجارۃ من طین - مسومۃ عند ربک للمسرفین فاخرجنا من کان فیہا من المؤمنین فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین وترکنا فیہا آیۃ للذین یخافون العذاب الالیم (الذٰریٰت ۵۱ - ۳۲ تا ۳۷) جس میں لازماً کہیں نہ کہیں ضمیر کو بدل کر اللہ تعالیٰ کی طرف لانا پڑتا ہے - کیونکہ آخری الفاظ کسی طرح ان ملائکہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے اور اس موقعہ پر فاخرجنا سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایتاً قول مانا گیا ہے اسی طرح یہاں انا لمنجوھم سے کلام حکایتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ❖

حضرت لوط نے بھی ان مرسلوں کو انسان ہی سمجھا

جس طرح حضرت ابراہیم نے ان آنیوالوں کو ملائکہ نہیں سمجھا حضرت لوط نے بھی نہیں سمجھا - کیونکہ نبی ملائکہ کو منکر یا اجنبی

۶۵ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ

سو اپنے اہل کو کچھ رات رہے لیکر چلے جاؤ   اور خود ان کے پیچھے چلو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑکر نہ دیکھے

۶۶ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ○ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ

اور چلے جاؤ جہاں تمہیں حکم دیا گیا ہے ۱۶۹۸ اور ہم نے اس کی طرف اس بات کی قطعی وحی کردی   کہ ان کی جڑ

۶۷ ۶۸ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ○ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائیگی ۱۶۹۹ اور شہر کے لوگ خوش   خوش آئے   (لوط نے) کہا یہ میرے مہمان

۶۹ ۷۰ ضَيْفِىْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ○ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ○ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○

ہیں تو تم مجھے رسوا نہ کرو ۱۷۰۰ اور اللہ کا تقویٰ کرو اور مجھے ذلیل نہ کرو انہوں نے کہا کیا ہم نے تمہیں سب لوگوں سے روکا نہیں ۱۷۰۱

لوگ نہیں کہہ سکتا اور ان کا حضرت لوط کو یقین دلانا کہ ہم سچے ہیں صاف بتاتا ہے کہ یہ انسان تھے۔ فرشتوں کو ایسا یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہوتی آتیناک بالحق کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک حق بات ہم آپکے پاس لاتے ہیں یعنی عذاب الٰہی جس کا آنا حق ہے مگر یہ خطاب حضرت لوط کے لئے موزون نہیں ان کی قوم کے لئے موزون ہو سکتا ہے اس لئے میں نے دوسرے معنی اختیار کئے ہیں کہ ہم اقتضائے حکمت کے مطابق آپکے پاس آئے ہیں تاکہ اس قوم پر اتمام حجت ہو جاتے اور یہ اپنی شرارت کو اس انتہا تک پہنچا دیں جس کے بعد قوم کو مہلت نہیں دی جاتی۔ یہاں جن واقعات کا ذکر ہے وہی سورۂ ہود کے ساتویں رکوع میں بیان ہو چکے ہیں دیکھو ۱۴۸۶ سے ۱۴۹۱ تک +

۱۶۹۸ خود ان کے پیچھے چلو۔ یہی انبیاء کی طرز ہے سب سے بڑھکر خطرے کے مقام میں خود رہتے ہیں نبی کریم صلعم نے بھی سب صحابہ کو مکہ سے رخصت کرکے سب سے آخر خود ہجرت کی تاکہ کمزور ناتوان وغیرہ پیچھے نہ رہ جائیں پیچھے مڑکر نہ دیکھنے کی تاکید اس لئے کی کہ وہ ایک خطرناک مقام تھا۔ ایسا نہ ہو کہ کل کر اس انتظار میں ٹھہر جائیں کہ اس قوم پر کیا سزا آتی ہے۔ اور جہاں حکم دیا جاتا ہے وہاں چلے جاؤ یہ حکم الٰہی حضرت لوط کو علیحدہ دیا گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ سارا کلام فاسر باھلك سے لیکر حضرت لوط کی طرف وحی ہے جیسا کہ ابھی آیت میں اس وحی کا صاف ذکر بھی ہے +

قضاء   ۱۶۹۹ قضینا۔ قضا کے معنی فصل امر یعنی ایک بات کا قطعی فیصلہ کر دینا ہیں اور جہاں وحی الٰہی سے ایک امر کا قطعی فیصلہ کر دیا جائے اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسے یہاں اور وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب (بنی اسرائیل ۱۷-۴) میں بھی قضاء بالاعلام مراد ہے یعنی ایک بات کا قطعی خبر سے علم دیدینا (غ)

اس سے معلوم ہوا کہ ان رسولوں کا آنا اور وحی الٰہی دو الگ الگ امر ہیں۔ اگر یہ رسول فرشتے ہوتے تو علیحدہ وحی الٰہی کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ فرشتوں کا آنا ہی کافی تھا۔ مگر چونکہ رسول اپنی وحی پر ہی عمل کرتے ہیں اسلئے حضرت لوط کیطرف وحی ہوئی +

فضح   ۱۷۰۰ تفضحون فضح کے معنی (جس سے فضیحت ہے) کسی برائی کی تشہیر ہے +

۱۷۰۱ پیدایش ۱۹: ۹ میں ہے "یہ ایک مرد یہاں گزران کرنے آیا" مطلب یہ ہے کہ ہماری قوم میں سے نہیں معلوم ہوتا ہے اسی وجہ سے انہوں نے حضرت لوط کو اس بات سے روک دیا تھا کہ آپکے پاس کوئی مہمان آکر رہے یعنی کوئی غیر قوم کا آدمی آکر ٹھہرے۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ۝ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝ ۷۱ ۷۲

کہا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم (ان سے نکاح) کرنا چاہتے ہو ۔ تیری زندگی کی قسم وہ اپنی بدمستی میں اندھے ہو رہے تھے ۱۷۰۲

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُشْرِقِیْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً ۷۳ ۷۴

سو ایک خطرناک آواز نے انہیں سورج نکلتے آ پکڑا ۱۷۰۳ پس ہم نے اسے تہ و بالا کر دیا اور ہم نے ان پر سخت

مِّنْ سِجِّیْلٍ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ۝ وَاِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ ۝ ۷۵ ۷۶

پتھر برسائے ۔ یقیناً اس میں فراست والوں کیلئے نشان ہیں ۱۷۰۴ اور وہ (شہر) ایک دائمی رستے پر ہے ۱۷۰۵

یہی مطلب ان الفاظ کا ہے +

لعمرك

۱۷۰۲ لعمرك ۔ عَمْرٌ اور عُمْرٌ کے ایک ہی معنی ہیں دیکھو ۱۲۱ قسم میں عَمْرٌ کا لفظ آتا ہے ۔ یہاں قسم کھانے والا کون ہے اور کس چیز کی قسم ہے اکثر اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلعم کی زندگی کی قسم کھائی ہے اور بعض کے نزدیک حضرت لوط کے مہمانوں نے لوط کی زندگی کی قسم کھائی ہے اور گو اس میں قالوا محذوف ماننا پڑے گا مگر قرینہ اسی کو چاہتا ہے اور اس طرح پر حذف قرآن شریف میں کئی جگہ آتا ہے اور یہاں ذکر قوم لوط کا ہی ہے ۔ پہلی صورت میں آنحضرت صلعم کی زندگی کی قسم کھانے سے کیا منشاء ہے ۔ انسان جب خدا کی قسم کھاتا ہے تو اس کا منشا عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس بات پر گواہ ٹھہراتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی قسم میں مراد صرف اس قدر ہوگی کہ کسی چیز کو بطور گواہ پیش کیا جاتا ہے ۔ تو اس صورت میں نبی کریم صلعم کی زندگی کو بطور گواہ پیش کیا ہے اور یہ سچ ہے کہ ایک راستباز ۔ ہاں تمام راستبازوں کے سردار کی زندگی ان لوگوں کے اندھا اور بدمست ہونے پر گواہ ہے جو بدی میں منہمک ہو جاتے ہیں اور لسان العرب میں ابن عباس کے اس قول کو نقل کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں نبی کریم صلعم کی زندگی کی قسم کھائی ہے اور آپ کے سوا کسی اور کی زندگی کی قسم نہیں کھائی اس کا انکار بھی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ دوسروں نے اس کے معنی کئے ہیں لَدِیْنُكَ الَّذِیْ تَعْمُرُ یعنی تیرے اس دین کی قسم جسے تو مروج کرتا ہے (ل) +

اللہ تعالیٰ کی قسم سے مراد

شرق ۔ اشراق

مشارق

۱۷۰۳ مشرقین ۔ شَرَقَتِ الشَّمْسُ کے معنی ہیں سورج طلوع ہوا ۔ اور اَشْرَقَ کے معنی روشن کر دیا بالعشی والاشراق (ص ۱۸) اور مَشْرِق جدھر سے سورج طلوع ہوتا ہے مکاناً شرقیاً (مریم ۱۹ ۔ ۱۶) +

سمة ۔ سیما

وسم

متوسم

۱۷۰۴ متوسمین ۔ وَسْم کے معنی نشان کرنا ہیں اور سِمَة نشان ہے یہی معنی سیما کے ہیں سیماهم فی وجوههم (الفتح ۴۸ ۔ ۲۹) تعرفهم بسیماهم (البقرة ۲ ۔ ۲۷۳) (اور یہاں فا کی جگہ عین سے لی ہے) اور وَسَمَ یَسِمُ کے معنی ہیں کسی نشان لگانیوالی چیز کے ساتھ نشان لگا یا سنسمه علی الخرطوم (القلم ۶۸ ۔ ۱۶) اور تَوَسَّمَ کے معنی فراست یا فطنت ہیں اور مُتَوَسِّم وہ ہے جو عبرت حاصل کرے یا فراست سے کام لے (غ)

اقامة

۱۷۰۵ مقیم ۔ اِقَامَة کے معنی دوام بھی آتے ہیں یعنی ہمیشہ رہنا جیسے عذاب مقیم (المائدة ۵ ۔ ۳۷) (غ) یہاں مراد دائمی رستہ ہے مراد یہ ہے کہ لوط کی یہ بستیاں ایک ایسے رستہ پر ہیں جو ہمیشہ چلتا ہے اس لئے یہ تباہ شدہ بستیاں بھی نظروں کے سامنے آتی رہتی ہیں ۔ آج بھی یہ رستہ اسی طرح جاری ہے +

۷۷ ۷۸ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ۝

بیشک اس میں مومنوں کیلئے نشان ہے اور بن کے رہنے والے بھی ظالم تھے ۱۴۰۶

۷۹ ۸۰ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ۝ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ۝

رکوع ۶ ۲۰ — اصحاب الحجر اور اعدائے اسلام کو انذار

سو ہم نے انہیں سزا دی۔ اور یہ دونوں (شہر) کھلے رستہ پر ہیں ۱۴۰۷ اور حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو جھٹلایا ۱۴۰۸

۸۱ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝

اور ہم نے انہیں اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے منہ پھیر لینے والے ہوئے۔

ایکۃ

۱۴۰۶ ایکۃ بہت سے درختوں کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں اور ایسی جگہ کو بھی کہتے ہیں جہاں اس طرح درخت ہوں یعنی بن کو دل، اور اصحاب الایکۃ یا تو بن کے رہنے والے ہیں اور یا ایکۃ شہر کا نام ہے ۔

اصحاب الایکہ کون تھے

اصحاب الایکۃ کون تھے؟ ان کا ذکر یہاں اور ص ۳۸ - ۱۳ میں اور ق ۵۰ - ۱۴ میں قوم لوط کے ساتھ ملا ہوا مجملاً آیا ہے - اور الشعراء ۲۶ - ۱۷۶ تا ۱۹۱ میں قوم لوط کے بعد ان کا ذکر مفصل آیا ہے جہاں یہ ذکر ہے کہ ان کے رسول حضرت شعیب تھے اور حضرت شعیب کا اہل مدین کی طرف مبعوث ہونا دوسری جگہ سے ظاہر ہے والی مدین اخاھم شعیبا (الاعراف ۷ - ۸۵) پس سوال یہ ہے کہ آیا یہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں یا دو الگ الگ قومیں ہیں اہل مدین کے عذاب کو ھود ۱۱ - ۹۴ میں صیحۃ کہا ہے اور اصحاب الایکۃ کے عذاب کو الشعراء ۲۶ - ۱۸۹ میں عذاب یوم الظلۃ کہا ہے اس سے اور ایک حدیث سے جو ابن عساکر میں مذکور ہے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ یہ دو الگ الگ قومیں تھیں۔ مگر علاوہ اس بات کے جس کا ذکر اوپر ہوا کہ دونوں قوموں کی بیماری ایک ہے قرآن شریف میں جہاں اہل مدین کا ذکر ہے وہاں اصحاب الایکہ کا نہیں اور جہاں اصحاب الایکہ کا ہے وہاں اہل مدین کا نہیں جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی قوم ہے اور عذاب کے دو نام آنے سے یہ قیاس کرنا کہ الگ الگ عذاب تھے بالکل غلط ہے صیحۃ زلزلہ کو کہا ہے اور زلزلہ جس میں آتش فشاں کی سنگباری ہو عذاب یوم الظلۃ کہلا سکتا ہے پس یا یہ ایک ہی قوم ہے اور یا ایک ہی قوم کے دو ٹکڑے ہیں ۔

امام

۱۴۰۷ امام کے معنی کے لئے دیکھو ۱۵۵ چونکہ رستہ پر چلا جاتا ہے اس لئے اسے بھی امام کہہ دیا ہے ۔

دونوں سے مراد لوط اور شعیب کی بستیاں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی رستہ پر واقع ہیں ۔

الحجر

۱۴۰۸ الحجر قوم ثمود کے مسکن کا نام ہے (غ) اور یہ قطعہ مدینہ کے شمال میں ملک عرب کی حدود کے اندر واقع ہے ۔

قوم لوط، قوم شعیب اور ثمود کا یکجائی ذکر

یہاں قوم ثمود کا ذکر ہے اس سے پہلے قوم لوط اور پھر قوم شعیب کا ذکر کیا تھا۔ ان تین کو یہاں ذکر سے کیوں مخصوص کیا۔ اور پھر یہ ترتیب کیسی ہے کہ لوط کی قوم ثمود کے بعد ہوئی اور شعیب کا زمانہ لوط سے بعد ہے لیکن یہاں ذکر اول لوط کا پھر قوم شعیب کا پھر قوم ثمود کا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان تینوں قوموں کے مسکن اس رستہ پر ہیں۔ جہاں سے اہل مکہ اپنی شام کی تجارت میں بار بار گزرتے تھے۔ اسلئے انہی تین کو یہاں ذکر سے مخصوص کیا۔ اور ترتیب اس لحاظ سے ہے کہ سب سے اوپر لوط کی بستیاں ہیں اس سے نیچے قوم شعیب کی اور اس سے نیچے وادی حجر ہے یعنی قوم ثمود کا مسکن ان کا ذکر اعدائے اسلام کی عبرت کیلئے کیا نبی کریم صلعم نے مسلمانوں کو فرمایا کہ ان تباہ شدہ مقاموں پر جاؤ تو روتے ہوئے جاؤ مطلب یہ ہے کہ عبرت حاصل کریں (بخاری) خود مدت بعد تبوک کو جاتے ہوئے صحابہ کو اسی طرح نصیحت فرمائی۔ معلوم ہوتا ہے یہ قوم قبول حق میں بہت ہی سخت تھی شاید اسی مناسبت سے سورۃ کا نام الحجر ہے ۔

وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۝ ۸۲ ۸۳

اور وہ امن کیلئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے سو صبح ہوتے ہی انہیں سخت آواز نے آلیا

فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۸۴ ۸۵

پس جو کچھ وہ کماتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ

وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ ۖ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ۝

ان کے درمیان ہے حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور یقیناً (موعود) گھڑی آنے والی ہے سو خوبی سے درگذر کرتے رہو ۱۶۰۹

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝ ۸۶ ۸۷

بیشک تیرا رب سب کا پیدا کرنیوالا جاننے والا ہے اور ہم نے ہی تجھے سات بار بار دہرائی گئی (آیتیں) اور عظمت والا قرآن دیا ہے ۱۶۱۰

جمال — ۱۶۰۹ جمیل۔ جَمَال حُسن کثیر کو کہتے ہیں اور یہ دو قسم ہے ایک وہ جو انسان سے مخصوص ہے اسکے نفس میں ہو یا بدن میں یا فعل میں۔ اور دوسرا وہ جو اس سے اس کے غیر کی طرف پہنچتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ **ان اللہ جمیل** اللہ جمیل ہے جمال سے محبت کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ تمام خیرات یعنی بھلائیاں اس سے نکلتی ہیں پس وہ ایسے شخص سے محبت کرتا ہے جو دوسروں سے نیکی کرے اور پھر اس سے کثرت معنی ہو گئے ہیں اس لئے **جُملة** جُمْلَة کے معنی کل ہیں لولا نزل علیہ القرآن جملة واحدة (الفرقان ۲۵-۳۲) اور جس چیز کی تفصیل نہ ہو اسے مُجْمَل کہا جاتا ہے۔ اور **جُمَل** جَمَل اونٹ کو کہتے ہیں جب اس کے سب دانت نکل آئیں حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (الاعراف ۷-۴۰) اور اس کی جمع جِمَال اور **جِمالة** جِمَالَة آتی ہے کانہ جمالة صفر (المرسلات ۷۷-۳۳)۔

ان تین قوموں کے ذکر میں یہ سمجھایا کہ اعمال کی جزا حق ہے۔ اس لئے اب عام کر کے سمجھایا کہ آسمان اور زمین میں جہاں تک بھی دیکھتے جاؤ یہی معلوم ہوگا کہ کوئی فعل بے نتیجہ نہیں پس اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ قوم جو اعمال بد میں بڑھتی چلی جاتی ہے آخر اس کی صف لپیٹ دی جاتی اور الساعة سے مراد یہاں وہی قوم کی تباہی کا وقت ہے جیسے الساعة الوسطیٰ کہا جاتا ہے دیکھو ۱۶۰۱ اسی لئے اس کے بعد درگذر کا حکم دیا کیونکہ ان کی ساعة ان کی مغلوبیت تھی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوة کانہ ولی حمیم (حٰم السجدة ۴۱-۳۴) یا فرمایا عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودة (الممتحنة ۶۰-۷)۔

ثنیٰ — ثناء۔ مثانی — ۱۶۱۰ مثانی۔ اس کا اصل ثَنْیٌ ہے اور ثِنْیٌ اور اِثْنَان گنتی کے اعتبار سے بھی بولا جاتا ہے اور دوبارہ لانے کے اعتبار سے بھی اور دونوں کے اعتبار سے بھی۔ اور ثَنَاء حمد کو کہتے ہیں اس لئے کہ اس کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے اور مَثَانِی (مَثْنَاة کی جمع) قرآن کریم کی سورتوں کو کہا گیا ہے اس لئے کہ وہ بار بار دوہرائی جاتی ہیں یعنی ہمیشہ پڑھی جاتی ہیں اور دوسری جگہ قرآن کریم کو مثانی **قرآن کریم کو مثانی اس معنی سے کہا گیا ہے** کہا ہے اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا مثانی (الزمر ۳۹-۲۳) اور یہ بھی درست ہے کہ قرآن شریف کو مثانی اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے فوائد بار بار اور از سر نو تازہ ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں اس کی صفت میں ہے کہ لَا یَعْوَجُّ فَیُقَوَّمُ وَلَا یَزِیْغُ فَیُسْتَعْتَبُ وَلَا تَنْقَضِی عَجَائِبُہٗ یعنی جب کبھی اس میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اللہ تعالیٰ اسے دور کر کے

۸۸ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

تو اپنی آنکھوں کو اس طرف نہ لگا جو ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو چندروزہ سامان دیا ہو اور انکے لئے غم نہ کھا

۸۹ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ○ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ

اور مومنوں کیلئے نرمی اختیار کر ۱۷۱۱ء اور کہہ میں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں

اسے قائم کرنے کا سامان کر دیگا۔ اور جب اس میں زیغ پیدا کیا جائیگا تو اللہ تعالیٰ اسے دور کر دے گا اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہونگے اور اس لحاظ سے بھی مثانی کا لفظ اس پر صادق آتا ہو کہ اس میں سے ایسی باتیں ہمیشہ ظاہر ہوتی رہیں گی جن کی وجہ سے اس کی ثنا ہوتی رہیگی۔ اور اس کی بھی جو اسے پڑھے اور سیکھے اور اس پر عمل کرے اور اسی معنی میں قرآن شریف کو کریم بھی کہا ہو انہ لقرآن کریم (الواقعۃ ۵۶-۷۷) اور مجید بھی بل ھو قرآن مجید (البروج ۸۵-۲۱) (غ)۔

سبع من المثانی

سبع من المثانی سے کیا مراد ہو بخاری میں ابو ہریرہ اور ایک دوسرے صحابی سے روایت ہو کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ یہ سورۃ فاتحہ ہو اور دونوں روایتوں میں اسی کو قرآن عظیم بھی فرمایا ہو۔ یا ابن عباس سے اور مجاہد وغیرہا سے روایت ہو کہ اس سے مراد سات لمبی سورتیں ہیں یعنی پہلی ساتوں سورتیں (ج) لیکن یہ سورت مکی ہو اور سات لمبی سورتوں میں سے پانچ مدنی ہیں اسلئے بھی یہ معنی قابل قبول نہیں۔ اور یہ یقینی امر ہو کہ اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہی ہو جو اس وقت نازل ہو چکی تھی اور نمازوں میں دوہرائی جاتی تھی اور وہ اس لحاظ سے بھی مثانی بالخصوص کہلائیگی کہ نماز میں یہی حصہ ہو جو بار بار دوہرایا جاتا ہو اور اس کے ساتھ کوئی سورت یا حصہ اور پڑھا جاتا ہو اور ہر رکعت میں دوہرائی صرف یہی سورت جاتی ہو اور اس کی سات آیات بھی ہیں۔ اور قرآن عظیم اس کو اس معنی سے کہا جیسے ام الکتاب اس لئے کہ اس میں ساری تعلیم قرآنی کا نچوڑ موجود ہو۔ اور اس کا ذکر اس لئے کیا کہ اگر لوگوں کے پاس مال و دولت ہو دیکھو اگلی آیت جس کے بھروسہ پر وہ تمہاری مخالفت کرتے ہیں تو تمہارے پاس وہ حق موجود ہو جسکے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی اور وہی غالب آکر رہے گا۔

مَدًّا۔ مُدَّۃ

۱۷۱۱ء تمدن۔ مَدّ کے معنی کھینچنا ہیں اور مُدَّۃ وقت ممتد یعنی لمبے وقت کو کہتے ہیں اور حرف کی مَدّ اس کا لمبا کرنا اور کسی چیز کی طرف مد بصر یا مد عین سے مراد ہوتی ہو اس کی حرص کرنا یا اس کا خواہشمند ہونا (غ)۔

مد البصر

ازواج

اَزْوَاجًا۔ اَزْوَاج۔ زَوْج کی جمع ہو دیکھو ۳۹ا و ۱۰۲۶ا اور چونکہ ہر ایک قرین یا ہمنشین پر یہ لفظ بولا جاتا ہو اسلئے ازواج کے معنی یہاں اَشْبَاہ اور اَقْرَان ہیں (غ) یعنی ایک دوسرے سے ملتے جلتے لوگ اور اَصْنَاف بھی اس کے معنی کئے ہیں یعنی قسم قسم کے لوگ اور بعض نے تکلف کر کے رجالا مع نسائہم بھی کہا ہو یعنی مرد اور ان کی عورتیں (ر)۔

خفض الجناح

اخفض جناحک خَفْض۔ رفع کی ضد ہو خافضۃ رافعۃ (الواقعۃ ۵۶-۳) اور جَنَاح جانب کو کہتے ہیں اور مراد خفض الجناح یا پہلو کے نیچا یا نرم کرنے سے نرمی کا اختیار کرنا ہو جب اس عظیم الشان حق کا ذکر کیا جو نبی کریم صلعم کو دیا گیا تو اس کے بالمقابل جن چیزوں پر لوگ فخر کرتے ہیں ان کا ذکر بھی کیا یعنی دنیا کا مال اور اس کی نعمتیں اور آسائشیں بعض نے یہاں مراد امت کو لیا ہو کیونکہ نبی کریم صلعم ابتدائے زندگی سے ہی کبھی مال و دنیا کی پرواہ نہ کرتے تھے لیکن دیکھو ۱۲۲۱ و ۱۲۷ ف ان سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ آئندہ زمانہ کی طرف اشارہ ہو جب سامان دنیوی کی افراط اس قدر دنیا میں ہونیوالی تھی تو یہ سمجھایا ہو کہ دنیا کے مال و متاع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو کیونکہ تمہارے پاس اس سے بہت بڑھکر دولت ہو حضرت ابوبکر صدیق سے روایت ہو کہ آپ نے فرمایا جس شخص کو قرآن دیا گیا پھر اس نے یہ خیال کیا کہ دنیا میں اس سے بڑھکر بھی کوئی چیز کسی کو دی گئی ہو تو اس نے

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ ۹۰ ۹۱

جس طرح ہم نے قسمیں کھانے والوں پر اُتارا ۱۴۱۲ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۱۴۱۳

ایک عظیم الشان چیز کو حقیر جانا اور ایک حقیر چیز کو بڑا سمجھا۔ ولا تحزن علیہم دوسری جگہ عیسائیوں کے ذکر میں ہو فلعلک باخع نفسک علیٰ آثارھم ان لم یؤمنوا بہذا الحدیث اسفا (الکہف ۱۸-۶) اور یا اس وجہ سے کہ وہ اپنے اموال کو حق کی مخالفت پر خرچ کرتے تھو تو مراد یہ ہو کہ ایسے لوگوں کا استیصال ضروری ہو +

ہم۔ اقتسم
قسمۃ
قسم۔ تقاسم
مقتسمین

۱۴۱۲ مقتسمین قَسَمَ کے معنی تقسیم کیا اور تقاسما المالَ اور اِقْتَسَمَا ہٗ کے معنی ہیں ان دونوں نے باہم مال تقسیم کیا۔ اور اسی سے قِسْمَۃ ہو واذا حضر القسمۃ (النساء ۴-۸) اور قَسَمَ امرہٗ اور اِقْتَسَمَ کے معنی یوں بھی آتے ہیں کہ اس معاملہ میں سوچتا رہا کہ اسے کرے یا نہ کرے اور اَقْسَمَ کے معنی ہیں قسم کھائی اور تقاسم القوم سب لوگوں نے ایک دوسرے سے عہد کے طور پر قسم کھائی تقاسموا باللہ (النمل ۲۷-۴۹) (ل) یہاں مقتسمین سے مراد راغب نے وہ لوگ لئے ہیں جنہوں نے مکہ کی گھاٹیوں میں باہم قسمیں کھائی تھیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلعم کے پاس آئیں انہیں روک دینگے یا نبی کریم صلعم کے خلاف تدابیر کرنے پر باہم قسمیں کھائی تھیں۔ اور بخاری نے بھی اس کے معنی الذین حلفوا ہی کئے ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں۔ اور بعض نے اقتسام سے مراد قرآن شریف کی تقسیم لی ہو یعنی ایسے لوگ جنہوں نے ایک حصہ کو حق کہا اور دوسرے کو باطل جیسا کہ اہل کتاب کرتے تھے یہی مضمون اگلی آیت میں بیان ہوا ہو

آئندہ زمانہ کے عذاب کی پیشگوئی

کما کو ولقد آتینٰک کے متعلق سمجھا گیا ہو مگر یہاں انزال وحی کا ذکر نہیں بلکہ انزال عذاب کا ذکر ہے جس کی طرف انا النذیر المبین میں اشارہ ہو جب عذاب سے ڈرایا تو فرمایا کہ ہم اسی طرح عذاب نازل کرینگے جس طرح قسمیں کھانے والوں پر اُتارا جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اب ظاہر ہو کہ یہ سورت مکی ہو اور ابھی نہ اہل کتاب پر عذاب اُترا تھا نہ اہل مکہ پر اسلئے بعض نے خیال کیا کہ مقتسمین سے مراد پہلے انبیاء کے مخالف ہیں اور اگلی آیت میں القرآن سے بھی پہلی کتب منزلہ کو مراد لیا ہو مگر یہ بالبداہت غلط ہو۔ القرآن کا لفظ ان پر صادق نہیں آسکتا پس مراد اس سے کسی آیندہ زمانہ کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ ۱۴۱۱ میں دکھایا گیا جب دنیا کے سامان بہت ترقی کر جائیں تو فرمایا کہ ان پر بھی ہم اسی طرح پر عذاب نازل کرینگے جس طرح ان سے پہلے لوگوں پر کیا جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی مخالفت پر قسمیں کھائیں۔ اور اس صورت میں انزلنا کا استعمال بسبب تحقق وقوع درست ہو اس لئے کہ انہیں بار بار اس کی پیشگوئیاں سنا دی گئی تھیں +

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہو کہ اصحاب الحجر ہی (جن کے نام پر سورت ہو) وہ لوگ تھے جن کے متعلق اپنے پیغمبر کے خلاف قسمیں کھانے کا ذکر ہو قالوا تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن لولیہ ما شہدنا مہلک اھلہ وانا لصٰدقون ۝ (النمل ۲۷-۴۹) اور بعینہٖ یہی معاملہ ہمارے نبی کریم صلعم کے خلاف ہوا +

عضۃ۔ عضو
تعضیۃ

۱۴۱۳ عضین۔ عِضُوْن۔ عِضَۃ کی جمع ہو اور اس کی اصل عِضْوَۃ ہے جس کے معنی جزو ہیں۔ اسی سے عُضْو اور عِضْو ہو کیونکہ عضو بھی جسم کا ایک جزو ہو اور تَعْضِیَۃ کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا آتے ہیں (ل) اور قرآن کو عضین بنانے سے یہ منشا ہو کہ کسی حصہ پر ایمان لاتے ہیں اور کسی کا انکار کرتے ہیں اور یا یہ کہ کبھی اسے سحر کہتے ہیں کبھی کہانت کبھی شعر وغیرہ بخاری میں ابن عباس سے پہلے معنی مروی ہیں اور یہود و نصاریٰ مراد لئے گئے ہیں +

الربع

۹۲ ۹۳ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ

سو تیرے رب کی قسم ہم ضرور ان سب سے بازپرس کرینگے اس کے متعلق جو وہ عمل کرتے تھے سو کھول کر کہدے جو تجھے حکم دیا جاتا ہے

۹۵ ۹۶ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ

اور مشرکوں کا خیال نہ کر ۱۶۱۴ ہم تیری طرف سے ہنسی کرنے والوں (کی سزا) کیلئے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود قرار

۹۷ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ

دیتے ہیں سو عنقریب جان لینگے اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا دل اس سے تنگ پڑتا ہے جو یہ کہتے ہیں

۹۸ ۹۹ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

سو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور سجدہ کرنیوالوں میں رہ اور اپنے رب کی عبادت کر یہانتک کہ تجھے یقینا ۱۶۱۵ آنیوالی (موت) آجائے

صدع ۔ صداع
تصدع

۱۶۱۴ اصدع ۔ صَدْع ۔ سخت اجسام میں شق کرنے کو کہتے ہیں ۔ اور صَدَعَ الْاَمْرَ کے معنی ہیں اس کو کھول دیا اور صُداع سخت سردرد کو کہتے ہیں گویا درد سے سر پھٹ رہا ہو اسی لحاظ سے ہے لا یصدعون عنہا (الواقعۃ ۵۶ - ۱۹) اور تصدّع القوم کے معنی ہیں تفرّقوا پراگندہ ہوگئے ۔ یومئذ یصّدعون (الروم ۳۰ - ۴۳) ۔

بار بار انذار کی ضرورت

مشرکوں سے اعراض کے یہ معنی ہیں کہ ان کی مخالفت اور عداوت اور منصوبوں کی کچھ پرواہ نہ کرو اور کھول کھول کر بیان کرتے چلے جاؤ یہ سورت مکہ کے آخری زمانہ کی ہے اور نبی کریم صلعم اس سے پہلے بھی کھول کر ہی بیان فرماتے تھے مگر اب چونکہ آپ کو مٹانے کیلئے کفار کی طرف سے سخت ترین منصوبے ہو رہے تھے اسلئے فرمایا کہ پرواہ نہ کرو ۔ اور یہ بھی بتادیا کہ اسلام کی اصل کامیابی اسی میں ہے کہ قرآن شریف کو کھول کھول کر بیان کردیا جائے جس طرح سخت چیزیں شق کرنے کے لئے بار بار ضرب لگانے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ان سخت دلوں پر جو دنیا کی آلایشوں میں ملوث ہیں صداقت تبھی اثر کرتی ہے جب اسے بار بار پیش کیا جائے ۔

یقین

۱۶۱۵ الیقین ۔ یقین کے معنی یہاں موت ہیں دیکھو بخاری کیونکہ اس کا آنا یقینی ہے اور بعض نے مراد نصرت لی ہے جو کفار کے مقابل آپ کو ملنے کا وعدہ تھا ۔

عبادت کبتک ہے

الحاد پسند طبائع نے ان الفاظ کی تاویل یوں کرلی ہے کہ اسی وقت تک عبادت کرنے کا حکم ہے جبتک یقین آجائے اور وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہمیں وہ یقین کا مرتبہ حاصل ہوگیا ہے اسلئے اب ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ضرورت نہیں رہی ۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ مراد اس سے ہوتی تو کیا نبی کریم صلعم کو ساری عمر یقین نہ آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں آپکے قدم تک سوج جاتے تھے یقین کے معنی یہاں موت ہیں لیکن اگر عام معنی بھی یہاں مراد لئے جائیں تو یہ مطلب نہیں کہ یقین آئے تو عبادت چھوڑ دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ عبادت الٰہی سے یقین پیدا ہوتا ہے سو عبادت کرو تاکہ وہ یقین کا مرتبہ حاصل ہو اور جب یقین کا مرتبہ حاصل ہوجائیگا پھر تو عبادت میں خود ایسی لذت پیدا ہوجائیگی کہ انسان عبادت کو نہ چھوڑ سکے گا ۔

سورۃ النحل مکیۃ وھی مائۃ وثمان وعشرون آیۃ وستۃ عشر رکوعاً

اس سورت کا نام النحل ہے اور اس میں سولہ رکوع اور ۱۲۸ آیات ہیں نحل کے معنی شہد کی مکھی ہیں اور اس سورت میں جہاں یہ دکھایا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت حیوانات تک میں کام کرتی ہوئی انسان کیلئے اچھی سے اچھی چیزیں پیدا کر دیتی ہے شہد کی مکھی کی نسبت لفظ وحی استعمال کرکے اشارہ کر دیا ہے کہ ان مثالوں میں جہاں دودھ اور شہد کے حیوانات کے ذریعہ سے پیدا کرنیکا ذکر ہے اصل غرض وحی الٰہی کی طرف توجہ دلانا ہے۔ شہد کی نسبت بالخصوص لفظ بھی ایسے ہی استعمال فرمائے ہیں یعنی فیہ شفاء للناس جیسے خود قرآن شریف کے متعلق گو ایک میں جسمانی بیماریوں کے لئے شفا ہے تو دوسرے میں روحانی بیماریوں کے لئے شفا ہے یوں تو حیوانات میں جس قدر ہدایت فطرتاً ملتی ہے وہ سب ان کیلئے وحی کا ہی حکم رکھتی ہے مگر شہد کی مکھی کا انتخاب بالخصوص وحی کے ذکر کے لئے اس لئے کیا کہ جس طرح شہد کی مکھی مختلف پھولوں پر بیٹھکر ان کی مٹھاس کو چوس کر ایک اعلیٰ درجہ کی شیریں اور شفا دینے والی چیز پیدا کر دیتی ہے اسی طرح وحی الٰہی جو قرآن میں ہے اس نے تمام بہترین ہدایات عالم کو جو کبھی دی گئی ہوں اس پاک کتاب کے اندر جمع کر دیا ہے جس طرح پھولوں سے مٹھاس کو انسان لیکر شہد کی صورت نہیں دے سکتا اسی طرح کسی انسان کا یہ کام نہ تھا کہ ان تمام بہترین ہدایات کو ایک جگہ جمع کر سکتا اور پھر ان کو ایسا رنگ دے سکتا کہ وہ روحانی بیماریوں کے لئے شفاء کا کام دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں شہد کی مکھی کی وحی کا ذکر ہے اس سے تین آیتیں پہلے قرآن کریم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ یہ کتاب تمام اختلافات کا فیصلہ کرنے کیلئے نازل کی گئی ہے۔ اور تمام اختلافات مذاہب کا فیصلہ ہو نہ سکتا تھا جبتک کہ تمام کی بہترین ہدایات جو باقی رکھنے کے قابل تھیں ایک نئی اور بہترین شکل میں محفوظ نہ کر دی جائیں۔ پھول آج پیدا ہوتا ہے اور کل اپنی مٹھاس سمیت ختم ہو جاتا ہے مگر شہد جو اس سے ایک حیوان کی وحی فطرت نے پیدا کیا وہ کبھی نہیں بگڑتا ۔

خلاصہ مضمون

سورت کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے جو اس کا تعلق پچھلی سورت سے پہلے طور پر قائم کرتے ہیں کیونکہ اس کا خاتمہ اعدائے اسلام کے انذار پر کیا تھا اور اس کے پہلے لفظ ہی یہ ہیں اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ وہ اللہ کا امر آہی گیا سمجھو جو اللہ کی بھیجی ہوئی صداقت کی تکذیب پر آیا کرتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی وحی جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے اور رکوع کی آخری آیت میں فرمایا کہ قصد السبیل سوائے اللہ تعالیٰ کی وحی کے نہیں مل سکتا۔ اور درمیان میں آسمانوں اور زمین اور انسان اور حیوانات کی ظاہری پیدایش کی طرف توجہ دلائی کہ جو اللہ اپنی قدرت کاملہ سے یہ چیزیں پیدا کرتا ہے اس کے ہدایت انسان کیلئے وحی بھیجنے پر تعجب کیوں کرتے ہو۔ دوسرے رکوع میں توحید الٰہی پر صحیفۂ قدرت کی شہادت بیان فرمائی کیونکہ وحی الٰہی کا سب سے بڑا کام دنیا میں توحید الٰہی کا قائم کرنا ہے اور خلق کو توحید پر بطور دلیل پیش کیا جو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں کر سکتا تیسرے رکوع میں بتایا کہ توحید کی طرف تو کم و بیش صحیفۂ قدرت بھی رہنمائی کر دیتا ہے مگر بعد الموت زندگی جس کی طرف صرف وحی الٰہی رہنمائی کرتی ہے۔ اس پر ایمان کے بغیر توحید الٰہی پر ایمان بھی ناقص ہی ہوتا ہے اور آخرت کا منکر عملاً توحید کا بھی منکر ہے چوتھے رکوع میں اس حق کے خلاف جو وحی الٰہی لاتی ہے تدابیر کے انجام کا ذکر کیا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے اور اعلےٰ صفات سے محروم رہ جاتے ہیں پانچویں رکوع میں مشرکین کے باطل عذروں کا ذکر ہے جو انہیں آخرکار کچھ کام نہ دینگے چھٹے میں اعدائے حق کی سزا کا ذکر ہے اور یہاں صاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ کس کس قسم کے عذاب ان پر آئینگے۔ ساتویں میں بتایا ہے کہ خود فطرت انسانی شرک کو قبول نہیں کرتی آٹھویں میں بتایا ہے کہ وحی الٰہی کی ضرورت دنیا سے ظلم کو دور کرنے کے لئے اور اختلافات مذاہب کو دور کرنے کے لئے نویں میں وحی الٰہی کی ضرورت کو ... کے رنگ میں بیان کیا دسویں میں مہبط وحی صلعم کی فضیلت کا ذکر کیا گیارھویں میں مہبط وحی کے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

۲ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ

اللہ کا حکم آگیا سو اس کیلئے جلدی مت کرو وہ پاک ہو اور اس سے بلند ہو جو وہ شریک بناتے ہیں ۱۶ا۷ا وہ فرشتوں کو وحی

بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ

کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہو اتارتا ہو کہ بتا دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میرا

۳ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

تقویٰ اختیار کرو ۱۸ا۷ا اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا وہ اس سے بلند ہو جو وہ شریک بناتے ہیں

راہ راست بتانے کیلئے وحی الٰہی کی ضرورت

انکار کا اور بارھویں میں اس انکار کی سزا کا ذکر ہو تیرھویں میں قرآن کریم کی تعلیم کامل کا ایک نمونہ بتایا اور اس پر قیام کی ضرور[ت] کو واضح کیا چودھویں میں وجوہات دیں کہ یہ وحی افترا نہیں پندرھویں میں بالخصوص مکہ والوں کو انذار کیا کہ ان کی حالت امن و اطمینان تبدیل کر دی جائے گی اور سولھویں میں حضرت ابراہیم کی مثال کا ذکر کرکے مومنوں کو نصیحت پر سورت کا خاتمہ کیا +

تعلق

یہ سورت الرا کے مجموعہ کی ہی آخری سورت سمجھنی چاہئے گو یہ الرا سے شروع نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہو کہ ان تمام سورتوں میں عموماً گزشتہ واقعات کی طرف توجہ دلا کر مخالفین کی ناکامی کا ذکر کیا ہو اور اس میں ایسا کوئی ذکر نہیں بلکہ صحیفۂ قدرت اور فطرت کی شہادت کو وحی الٰہی کی صداقت پر پیش کیا ہو - اور ضمناً اس صداقت کو رد کرنے والوں کا ذکر بھی آگیا ہو اور یوں یہ سورت انہی پہلی چھ سورتوں کے مضمون کی تکمیل کرتی ہو +

زمانہ نزول

اس سورت کا نزول بھی نبی کریم صلعم کے مکی زمانہ کے آخری ایام کا ہو اس لئے کہ اس میں صاف طور پر ہجرت کا ذکر ہو جو مدینہ کی طرف شروع ہو چکی تھی - اور اس ہجرت کے ذکر سے جن لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہو کہ ایسی آیات مدنی ہیں انہوں نے غلطی کھائی ہو کیونکہ نبی کریم صلعم کے مدینہ جانے سے بہت دن پیشتر صحابہ کی ہجرت شروع ہو چکی تھی - یوں بلحاظ زمانۂ نزول بھی یہ سورت اسی الرا کے مجموعہ کی سورتوں میں شامل ہو اور بلحاظ مضمون بھی +

امر اللہ

۱۶ا۷ا امر اللہ یا اللہ کے حکم کے آنے سے کیا مراد ہو - ابن جریر کہتے ہیں وہ عذاب جس کا کفار کو وعدہ دیا جاتا تھا - اور سیاق بھی اسی معنی کو چاہتا ہو پچھلی سورت کے آخر میں بھی یہی ذکر تھا - مگر اس عذاب کو یا مخالفت کے استیصال کو امر اللہ صرف اس لئے نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے متعلق حکم ہو چکا تھا بلکہ اسلئے بھی کہ اس کے ساتھ "خدا کی بادشاہت" جس کی خوشخبری بار بار حضرت مسیح نے دی تھی زمین پر آنے والی تھی اور نبوت کے ساتھ اسلام کی بادشاہت قایم ہونے والی تھی - اور فلا تستعجلوہ اسلئے فرمایا کہ کفار اس عذاب کے لئے جلدی کرتے تھے ویستعجلونک بالعذاب (العنکبوت ۲۹: ۵۴) اور اس امر اللہ کے ساتھ شرک کی نفی میں یہ اشارہ ہو کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید قایم ہو گی +

روح بمعنی وحی الٰہی

۱۷ا۷ا روح کے معنی کے لئے دیکھو ۱۱۱ - اور یہاں روح سے مراد وحی الٰہی ہی ہو کیونکہ یہاں ذکر یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہو روح نازل کرتا ہو اور روح جو حیات ہو یا جو نفس ناطقہ ہو وہ تو سب کو ملتی ہو - اور اسی

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا ۵

انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر دیکھو وہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا ہے ۱۷۱۸ اور چار پایوں کو اسی نے پیدا کیا تمہارے لئے انہیں

دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ ۶

گرمی کا سامان اور کئی فائدے ہیں اور انہیں سے تم کھاتے ہو ۱۷۱۹ اور تمہارے لئے انہیں میں خوبصورتی کا سامان ہے جب تم شام کو انہیں واپس لاتے ہو اور جب چرانے لیجاتے ہو ۱۷۲۰

روح کے نازل کرنے کا نتیجہ بھی انذار ہے پس یہ یقیناً وحی الٰہی ہے اور یہاں اشارہ قرآن کریم کے نزول کی طرف ہے۔ اور پہلی آیت سے تعلق یہ ہے کہ یہ غالب آکر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بیہودہ کام نہیں کرتا کیونکہ اس کی ساری خلق ہی بالحق ہے جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا تو حق کا نازل کرنا جس غرض کیلئے ہے ضرور ہے کہ وہ بھی پوری ہو کر رہے +

نطفۃ

۱۷۱۸ نطفة ۔ اصل میں اَلْمَاءُ الصَّافِی یعنی مصفے پانی کو کہتے ہیں (غ ۔ ت ۔ ل) خواہ قلیل ہو یا کثیر دونوں کی مثال حدیث میں موجود ہے ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے صحابہ سے پوچھا کیا وضو کیلئے پانی ہے فجاء رجلٌ بنطفة فی اداوة تو ایک شخص لوٹے میں تھوڑا سا پانی لایا جہاں تھوڑے پانی کیلئے نطفة کا لفظ استعمال فرمایا۔ اور دوسری حدیث میں ہے قال لایزالُ الْاِسلامُ یزیدُ واھله وینقص الشرك واھله حتی یَسِیْرَ الراكب بین النطفتین لایخشی اِلَّا جورًا یعنی اسلام اور اس کے اہل بڑھتے رہینگے اور شرک اور اس کے اہل گھٹتے چلے جائینگے یہانتک کہ ایک سوار دونوں سمندروں کے درمیان چلا جائیگا اسے کوئی خوف نہ ہوگا سوائے اس کے کہ رستہ بھول جائے جہاں دو نطفوں سے مراد عرب کے دونوں طرف کے سمندر یا مغرب میں سمندر اور مشرق میں دریا فرات ہیں جو عرب کی حدود ہیں (ل) اور نطفة ماء الرجل کو بھی کہا جاتا ہے جو اسکے مشہور معنی ہیں لسان العرب میں ہے کہ یہ نام اس کی قلت کی وجہ سے ہے۔ مگر چونکہ قلت و کثرت کے دونوں مفہوم لفظ میں پائے جاتے ہیں اسلئے یہ زیادہ صحیح ہوگا کہ اسکے مصفے پن کی وجہ سے ہے گویا یہ ایک مصفے جوہر ہے کیونکہ زمین کا خلاصہ پھلوں سبزیوں اناج میں آتا ہے جس سے انسان کی غذا بنتی ہے غذا سے مصفی جوہر خون پیدا ہوتا ہے اور خون کا مصفی جوہر وہ پانی ہے جس سے انسان بنتا ہے +

آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے بعد انسان کا ذکر کیا اور اس کی ابتدا کی طرف اشارہ کر کے اپنی قدرت کاملہ کا ذکر کیا کہ کس طرح یہ مصفی خلاصہ در خلاصہ نکلتا چلا جاتا ہے یہانتک کہ انسان بنتا ہے۔ باایں انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت میں جھگڑا کرتا ہے اور اسے اس موت کے بعد زندگی جس کے لئے وحی الٰہی انسان کو تیار کرتی ہے ایک بعید بات معلوم ہوتی ہے +

دِفْء

۱۷۱۹ دِفْءٌ ۔ بَرْدٌ یعنی سردی (غ) یا حِدَّةُ الْبَرْدِ یعنی سردی کی تیزی (ل) کی نقیض ہے +

انسان سے نیچے اتر کر چار پایوں کا ذکر کیا جو جاندار ہونے میں انسان کے شریک ہیں۔ اور یہ بتا کر کہ ان میں انسانوں کیلئے فوائد ہیں یہ ظاہر کیا کہ انسان کی زندگی کی کوئی اور بلند غرض ہے +

اراحۃ

۱۷۲۰ تریحون ۔ اصل اس کا روح ہے اور رَوَاحٌ زوال آفتاب کے بعد کا وقت ہے گویا کہ وہ راحت کا وقت ہے اور رَوَاحٌ کے معنی زوال آفتاب کے بعد گیا جیسا کہ جمعہ کیلئے جانے پر بولا گیا ہے اور اَرَاحَ یُرِیْحُ کی مصدر اِرَاحَةٌ کے معنی ہیں اونٹ بکری کو چرانے کے بعد اس کے رات کو آرام کرنے کی جگہ واپس لانا (ل)

سَرْح

تسرحون ۔ سَرْحٌ ایک خاص درخت ہے اور اونٹ وغیرہ کو اس درخت کے چرانے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور پھر عام طور پر چرانے کیلئے لے جانے پر بولا گیا ہے (غ) تریحون کو تسرحون سے پہلے رکھنے کی وجہ لفظ جمال کا استعمال ہے کیونکہ جانور جب چر کر آئے تو زیادہ خوبصورت ہوتا ہے +

۷ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ

اور وہ تمہارے بوجھ ایسے مقامات کیطرف اُٹھائے جاتے ہیں جہاں تم سوائے جانوں کو مشقت میں ڈالنے کے نہیں پہنچ سکتے تھے یقیناً تمہارا رب

۸ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا

مہربان رحم کرنیوالا ہے اور گھوڑے اور خچریں اور گدھے (پیدا کئے) تا تم ان پر سوار ہو اور زینت کا سامان ہوں اور وہ وہ کچھ پیدا

۹ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ

کرتا رہتا ہے جو تم نہیں جانتے ۱۶۲۱ اور اللہ پر ہی سیدھی راہ پر چلانا ہے اور بعض راہیں ٹیڑھی ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو

۱۰ أَجْمَعِينَ ۝ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ

ع ۷ | توحید الٰہی پر صحیفۂ قدرت کی شہادت

ہدایت کرتا ۱۶۲۲ وہی ہے جو تمہارے لئے بادل سے پانی اُتارتا ہے اس سے پینے کے کام آتا ہے اور اس سے درخت (پرورش پاتے) ہیں

۱۱ تُسِيمُونَ ۝ يُنبِتُ لَكُم بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۗ

جنہیں تم چراتے ہو۔ اسی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اُگاتا ہے اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل (پیدا کرتا ہے)

بغل۔حمار

۱۶۲۱ خیل کیلئے دیکھو ۳۸۵۔ بغال۔ بَغْل کی جمع ہے خچر۔ حمیر۔ حمار کی جمع ہے گدھا۔ ان کا الگ ذکر کیا اسلئے کہ یہ سواری کا کام دیتے ہیں۔ اور اونٹ گائے بکری وغیرہ سے دوسری قسم کے فوائد زیادہ ہیں اور جب ان پر سواری کا ذکر کیا تو ساتھ ہی بڑھایا کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے اور کرے گا جنہیں تم جانتے نہیں اور اس میں بالخصوص سواری کی ان چیزوں کیطرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو ابھی ظاہر ہونیوالی تھیں اور دوسری جگہ فلک یعنی کشتی کا ذکر کرکے جس سے سواری کا کام لیا جاتا ہے فرمایا وخلقنا لہم من مثلہ ما یرکبون (یٰسٓ ۳۶-۴۲) یعنی کشتی کی مثل سواری کی اور چیزیں بھی ہم پیدا کرینگے۔ اور عام بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی مخلوق ہے جس کا انسان کو علم بھی نہیں +

قصد

۱۶۲۲ قصد۔ دیکھو ۵۲۴ قَصْد کے معنی رستہ کی استقامت یا سیدھا ہونا ہیں اور یہاں مصدر بمعنی فاعل ہے یعنی استقامت والا رستہ یا سیدھا رستہ +

جَوْر۔جائر

جائر اس کی اصل جَوْر بمعنی قرب سے ہے اسلئے جار عن الطریق اصل میں بلحاظ قرب ہی بولا جاتا ہے پھر ہر ایک حق سے پھرنے کا نام ہو گیا جس سے جَوْر بمعنی ظلم ہے۔ اور جائر کے معنی سیدھے رستہ سے پھرنے والا ہیں (رغ)

جسمانی سامانوں کے مقابلہ پر روحانی سامان

جب انسان پر اپنی جسمانی نعمتوں کا ذکر کیا کہ ہم نے کیا کیا سامان اس کے لئے بنا رکھے ہیں تو اب اس طرف توجہ دلائی کہ کیا ضروری نہ تھا کہ جس نے اس قدر سامان جسمانی آسایش کیلئے بنائے ہیں وہ اخلاق اور روحانیت کے لئے بھی کوئی رستہ دکھاتا۔ اس لئے فرمایا کہ سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا ہی کام تھا۔ اور اسی غرض کے لئے وہ وحی بھیجتا ہے۔ ہاں لوگ خود بھی رستہ تراش لیتے ہیں مگر یہ سیدھی راہیں نہیں بلکہ طریق مستقیم سے ایک طرف پھیر دینے والی ہیں +

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۱۲

یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہے جو فکر سے کام لیتے ہیں　اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے

وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَمَا ذَرَأَ ۱۳

اور ستارے بھی اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں اور جو کچھ اسنے

لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝

تمہارے لئے زمین میں پیدا کیا ہے اسکے مختلف رنگ ہیں　یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہو جو نصیحت حاصل کرتے ہیں ۱۷۲۳

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً ۱۴

اور وہی ہو جس نے سمندر کو کام میں لگا رکھا ہو تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے (موتیوں کے) زیور نکالو جنہیں تم

تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

پہنتے ہو　اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہو اسے پھاڑتی چلی جاتی ہیں اور تاکہ تم اسکے فضل سے طلب کرو اور تاکہ تم شکر کرو ۱۷۲۴

الوان　۱۷۲۳ الوان. لَون کے معنی رنگ ہیں لیکن اَلوانٌ سے بعض وقت اجناس اور انواع بھی مراد لیجاتی ہیں مثلاً اتی بِالْاَلوانِ من الاحادیث کے معنی ہیں طرح طرح کی باتیں کین (غ) یہاں بھی نعمتوں کے مختلف انواع مراد ہیں۔ رنگوں کے اختلاف کی طرف دوسری جگہ توجہ دلائی ہو اختلاف السنتکم والوانکم۔

حدبندیاں محدود پردلالت کرتی ہیں۔　ان تمام نعمائے الٰہی کے ذکر میں ان کے پیدا کرنے والے کی طرف توجہ دلائی ہو کہ کس طرح زمین کے پھل اور آسمان کے ستارے یکساں انسان کیلئے فائدے کا موجب ہو رہے ہیں۔ یہ کام نہ عیسیٰ مسیح کا ہو جسے عیسائیوں نے خدا بنایا یا نہ رامچندر اور کرشن جی کا جن کو ہندوؤں نے خدائی کا مرتبہ دیا نہ کسی بت کا جسے بت پرست پوجتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی بتادیا کہ اس سورج اور چاند کو بھی کسی نے کام میں لگا رکھا اور قید میں جکڑ رکھا ہو۔ ان تمام چیزوں کی حدبندیاں بتاتی ہیں کہ کوئی حدبندی کرنیوالا بھی ہو اور یہ سارا نظم ظاہر کرتا ہو کہ کوئی اس نظام کو وجود میں لانے والا بھی ہو۔

طری　۱۷۲۴ طری. تازہ۔ اسی سے طراوت ہو۔ اور لحم طری سے مراد مچھلی کا گوشت ہو۔

حلیۃ　حلیۃ تلبسونہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ قرآن شریف عورتوں اور مردوں کو یکساں مخاطب کرتا ہو زیورات تو عورتیں ہی پہنتی ہیں اومن ینشؤا فی الحلیۃ (الزخرف ۴۳-۱۸) اور یہاں حلیۃ سے مراد موتی وغیرہ ہیں۔

مخر　مواخر۔ ماخرۃ کی جمع ہو اور مخرت السفینۃ کشتی کے پانی کو چیرنے پر بولا جاتا ہو۔

سمندر کا مسخر ہونا یہ ہے کہ کشتیوں کے ذریعہ سے انسان اس پر حکمرانی کرتا ہو اور طرح طرح کے فوائد حاصل کرتا ہو اللہ تعالیٰ نے تو چیزوں کو کام میں لگا رکھا ہو مگر انسان جد وجہد کے بغیر ان سے منافع حاصل نہیں کر سکتا۔

۱۵ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

اور اس نے زمین میں پہاڑ اور دریا ڈال رکھے ہیں تاکہ وہ تمہیں کھانے کا سامان دیں اور رستے (بنا دیئے ہیں) تاکہ تم ہدایت پاؤ[1725]

۱۶ ۱۷ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ

اور بہت سے نشان (بنا دیئے ہیں) اور ستاروں کے ذریعہ سے وہ رستہ معلوم کر لیتے ہیں تو کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اسکی طرح ہے جو پیدا نہیں کرتا سو کیوں تم نصیحت حاصل نہیں کرتے[1726]

۱۸ ۱۹ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ

اور اگر اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں گن نہ سکو گے۔ یقیناً اللہ حفاظت کرنیوالا رحم کرنے والا ہے[1727] اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو

۲۰ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ

اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور وہ جنہیں یہ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں

۱۷۲۵ تمید۔ ماد میدٌ کے لئے دیکھو ۸۹۰ اور مَیْدٌ کے معنی اِضطرابُ الشیءِ العظیم بھی ہیں یعنی عظیم الشان چیز کا اضطراب جیسے زمین کا اضطراب (غ) اور مَادَ کے معنی یہ بھی ہیں کہ ایک چیز ایک طرف مائل ہوگئی۔ اور یہ بھی کہ کچھ دوسرے کو دیا۔ اور ان تمید بکم کے معنی دونوں طرح ہوسکتے ہیں یعنی یہ کہ وہ تمہیں کھانے کا سامان دے اور یہ بھی کہ وہ اضطراب سے رک جائے اور پہلے معنی ترجمہ میں انہٰرا کی مناسبت سے اختیار کئے گئے ہیں کیونکہ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو دریا بھی نہ ہوتے اور انسان کی روزی کے سامان کا انحصار پہاڑوں اور دریاؤں پر ہی ہے اور یہ امر کہ پہاڑ اور دریا دونوں یہاں ان تمید بکم کے حکم میں ہیں اس سے ظاہر ہے کہ انہار کو سُبل کے ساتھ نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ دریا رستوں کا کام نہیں دیتے۔ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ لما خلق اللّٰہُ الارضَ جعلت تمید فارساھا بالجبال یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اس میں بہت اضطراب تھا تب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ قائم کئے سو یہ بالکل درست ہے اور سائنس بھی اس پر شاہد ہے کہ پہاڑوں کے بن جانے سے زمین کا اضطراب زلزلوں کے رنگ میں کم ہوگیا +

پہاڑوں سے اضطراب ارضی کا رک جانا۔

۱۷۲۶ انسان کیلئے ان بیشمار نعمتوں کے خلق کا ذکر کرکے اب فرماتا ہے کہ یہ سب نعمتیں پیدا کرنے والا اور وہ جو پیدا نہیں کرتا کیا یہ دونوں یکساں ہیں۔ من یخلق صرف ذات باری ہے لہ الخلق خالق کل شیءٍ۔ اور لا یخلق کل معبودان باطل ہیں۔ اور چونکہ دلیل عبادت خلق ہے پس جنہوں نے پیدا نہیں کیا وہ معبود بھی نہیں ہوسکتے اور یہ بھی سمجھایا کہ جو چیزیں تمہارے ہی فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہیں ان سے بجائے کام لینے کے انہیں اپنا معبود بناتے ہو؟

ناشکر گزاری

۱۷۲۷ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر کے بعد غفور اور رحیم کی صفات کا اس لئے ذکر کیا کہ انسان بہتیری نعمتوں کی ناشکر گزاری بھی کرتا ہے اور ان کی پروا نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ اپنے غفر سے کام لیتا ہے اور جس نعمت سے فائدہ اٹھاتا ہے اس پر صفت رحیمیت نتیجہ مترتب فرماتی رہتی ہے۔ اگلی آیت میں ما تسرون وہی نعمتیں ہیں جن سے انسان فائدہ نہ اٹھا کر انہیں گویا چھپاتا ہے۔ اور ما تعلنون وہ جن کا وہ اپنے عمل سے اظہار کرتا ہے +

ع ۳

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۲۱ ۲۲

مردے ہیں نہ زندے اور وہ نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائینگے ۱۷۲۸ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں

(حاشیہ: آخرت کا منکر توحید کا بھی منکر ہے)

بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۗ ۲۳

لاتے ان کے دل انکاری ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں ۱۷۲۹ ۱۷۳۰ حق یہی ہے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ لِيَحْمِلُوْٓا ۲۴ ۲۵

وہ تکبر کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا ۱۷۳۱ اور جب انہیں کہا جاتا ہے تمہارے رب نے کیا اُتارا ہے کہتے ہیں پہلوں کی کہانیاں ہیں نتیجہ یہ ہے

اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ ع

کہ اپنے بوجھ قیامت کے دن پورے اُٹھائینگے اور انکے بوجھوں سے بھی حصہ لینگے جنہیں علم کے بغیر گمراہ کر رہے ہیں سنو برا بوجھ ہے جو وہ اُٹھاتے ہیں ۱۷۳۱

(حاشیہ: حضرت عیسیٰ کی وفات پر ایک قطعی دلیل)

۱۷۲۸ یہ دونوں آیتیں بتاتی ہیں کہ وہ انسان جن کو لوگ خدا کرکے پکارتے تھے وہ مرچکے تھے کوئی ان میں سے زندہ نہ تھا اور نہ ان کو یہ علم تھا کہ وہ خود کب اُٹھائے جائیں گے ان باتوں کا ذکر کیوں فرمایا؟ اس لئے کہ اوپر فرمایا تھا کہ وہ جو پیدا کرتا ہے اس کی طرح نہیں ہوسکتا جو پیدا نہیں کرسکتا اور چونکہ وہ انسان جنہیں خدا بنایا گیا ان کے متعلق بھی خود ان کے پرستاروں کو یہ اعتراف ہے کہ انہوں نے پیدا کچھ نہیں کیا۔ اس لئے یوں اتمام حجت کرکے اب بتایا کہ انہوں نے نہ صرف کچھ پیدا ہی نہیں کیا بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور مخلوق کی جو حالت ہوتی ہے وہ ان پر آئی یعنی وہ مرگئے اور بعثت چونکہ دوسری پیدایش کا نام ہے اس لئے فرمایا کہ جب انہیں پہلی خلق میں کچھ حصہ نہیں تو دوسری میں بھی نہیں ان آیات سے یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو انسانوں کے ایک بڑے حصہ نے خدا بنایا ہے وہ بھی اس آیت کے نزول کے وقت مردوں میں داخل تھے۔ اموات کے بعد غیر احیاء تاکید کے طور پر لایا گیا ہے کیونکہ اموات سے یہ مراد بھی ہوسکتی تھی کہ آیندہ کبھی ان پر موت آجائے اس لئے فرمایا کہ نہیں وہ اس وقت بھی زندہ نہیں۔ عیسائیوں کا یہ اعتراض کہ روح القدس جو جبرائیل کا نام ہے وہ اموات غیر احیاء میں داخل نہیں اس لئے غلط ہے کہ اول عیسائیوں کے نزدیک روح القدس جبرائیل کا نام نہیں بلکہ وہ ایک فرضی اقنوم ہے اور دوسرے یہاں انسانوں کا ذکر ہے جنہیں خدا بنایا گیا کیونکہ یہاں بعثت کا ذکر ہے اور بعثت صرف انسانوں کیلئے ہے اور تیسرے روح القدس سے عیسائی دعائیں نہیں مانگتے جس طرح مسیح سے مانگتے ہیں ۔

(حاشیہ: انکار۔ منکرۃ)

۱۷۲۹ منکرۃ ۔ انکار جو ضد عرفان ہے اصل اس کی یہ ہے کہ دل پر کوئی بات وارد ہو جسے وہ تصور میں نہیں لاسکتا اور یہ ایک قسم کی جہالت ہے (غ) یہاں مراد ہے منکرۃ للوحدانیۃ (ل) ۔

(حاشیہ: آخرت سے انکار توحید سے بھی انکار ہے)

پہلے رکوع میں صحیفۂ قدرت سے وحی الٰہی پر اور دوسرے میں توحید پر دلائل دیئے تھے۔ اب دونوں باتوں کو ملا کر فرماتا ہے کہ جو لوگ زندگی بعد الموت کو نہیں مانتے ان کے دل درحقیقت توحید الٰہی سے بھی انکاری ہیں گویا وہ توحید الٰہی کی حقیقت کو بھی نہیں پہچانتے یوں برائے نام اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں۔ اور متکبر انکو اس لحاظ سے کہا کہ وہ اعمال کی ذمہ داری نہیں سمجھتے ۔

(حاشیہ: لاجرم)

۱۷۳۰ لا جرم ۔ جَرَمَ کے معنی ہیں گناہ کمایا۔ اور لا جرم محاورہ کے طور پر اسی طرح استعمال ہوتا ہے جیسے لَا بُدَّ ۔ لَا مَحَالَةَ ۔ اور اسکے معنی ہیں کہ حق یوں ہی ہے (ل) ۔

۱۷۳۱ لیحملوا میں لام عاقبت کا ہے یعنی ان کے ایسی باتیں کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ خود بھی گمراہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور دوسرے انکو

ع ۴ حق کے خلاف تدابیر کا انجام

۲۶ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

انہوں نے بھی (حق کے خلاف) تدبیریں کیں جو ان سے پہلے تھے سو اللہ نے انکی عمارت کو بنیادوں سے گرا یا سو چھت ان کے اوپر سے ان پر آگری اور عذاب ان پر وہاں سے آپہنچا جہاں سے انہیں خیال نہ تھا ۱۷۳۲

۲۷ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۚ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ

پھر قیامت کے دن انہیں رسوا کریگا اور کہے گا (تمہارے بنائے ہوئے) میرے شریک کہاں ہیں جن کے بارہ میں تم (حق کی) مخالفت کرتے تھے جنہیں علم دیا گیا ہو کہتے ہیں اس دن کی رسوائی اور خرابی کافروں پر ہے ۱۷۳۳

۲۸ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

جنہیں فرشتے وفات دیتے ہیں (درانحالیکہ) وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنیوالے ہیں۔ تب فرمانبردار ہونا ظاہر کرینگے (کہینگے) ہم کوئی بدی نہیں کرتے تھے۔ ہاں اللہ خوب جانتا ہو جو تم کرتے تھے ۱۷۳۴

۲۹ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

سو دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اسی میں رہوگے یقیناً متکبروں کا ٹھکانا بہت بُرا ہے۔

بھی گمراہ کرتے ہیں۔ وحی الٰہی کو جو انسان کے اعمال کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتی ہو اور بتاتی ہو کہ کوئی عمل بے نتیجہ نہیں رہیگا کہانیاں کہنے کا یہ نتیجہ ہو کہ اصلیت پر غور نہیں کرتے گمراہی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور کاملۃً اس بوجھ کو اسی لحاظ سے کہا کہ جس حد تک یہ بڑھ سکتا تھا انہوں نے اسے بڑھایا۔

۱۷۳۲ جب یہ بتایا کہ توحید الٰہی کا علم درحقیقت وحی الٰہی سے ہی آتا ہو تو اب ان لوگوں کا ذکر کیا جو اس عظیم الشان امر حق کی مخالفت میں تدبیریں کرکے اسے نیست و نابود کرنا چاہتے تھے اور اس آیت میں سمجھایا ہو کہ ان کی تمام تدابیر بمنزلہ ایک بڑی عمارت کے ہیں جس کی بنیادوں کو اللہ تعالیٰ کھوکھلا کردیگا اور بجائے اس کے کہ اس عمارت سے حق کو نقصان پہنچے یہ خود ہی ان تدابیر سے نقصان اُٹھائینگے بنیان سے مراد یہاں ان کی تدابیر کی عمارت ہو دیکھو ن ۱۳۵۰۔

خلاف حق تدابیر کا انجام

۱۷۳۳ الذین اوتوا العلم۔ اول انبیاء علیہم السلام پھر ان کے حقیقی متبع ہیں وہ قیامت کو بھی ایسا کہیں گے اس دنیا میں بھی کہتے ہیں

۱۷۳۴ سَلَم کے معنی استسلام یا فرمانبرداری یا اطاعت ہیں گویا اس دن کہینگے کہ ہم تو فرمانبرداری ہی کرتے تھے اور کوئی برا کام نہیں کرتے تھے۔ گویا جھوٹ عذر پیش کرینگے جیسا دوسری جگہ ہو واللہ ربنا ما کنا مشرکین (الانعام ۳۔ ۲)۔

سلم

٣٠ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي

اور جو تقوٰی کرتے ہیں انہیں کہا جاتا ہے تمہارے ربنے کیا اُتارا ؟ کہتے ہیں بھلائی جو لوگ نیکی کرتے ہیں ان کیلئے

هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ○

اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر یقیناً بہتر ہے اور متقیوں کا گھر کیا ہی اچھا ہے ۱۷۳۵

٣١ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ

ہمیشگی کے باغ جن میں داخل ہونگے ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان کیلئے ان میں ہے جو کچھ وہ چاہیں

٣٢ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ

اسیطرح اللہ متقیوں کو جزا دیتا ہے وہ جنہیں فرشتے وفات دیتے ہیں (درانحالیکہ) وہ پاک ہیں کہتے ہیں

٣٣ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن

تم پر سلامتی ہو جنت میں داخل ہوجاؤ اسکی وجہ سے جو تم عمل کرتے تھے وہ سوائے اسکے اور کچھ انتظار نہیں کرتے

تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ

کہ ان پر فرشتے آجائیں یا تیرے رب کا حکم آجائے اسی طرح انہوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے

٣٤ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ فَأَصَابَهُمْ

اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر آپ ہی ظلم کرتے تھے ۱۷۳۶ سو جو وہ عمل کرتے

سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ○

تھے اسی کی برائیاں ان پر آئیں اور اسی نے انہیں آلیا جس پر وہ ہنسی کرتے تھے

۱۷۳۵ ان دونوں رکوعوں کا مضمون ایک ہونا اس سے ظاہر ہے کہ پچھلے رکوع میں یہی سوال کفار سے ہے کہ تمہارے ربنے کیا نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں یوں ہی قصے ہیں ماننے کے قابل باتیں نہیں (۲۴) یہاں وہی سوال مومنوں سے ہے۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ وحی الٰہی انسانوں کی بھلائی کے سامان اپنے اندر رکھتی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ انکو دنیا کی بھی اور آخرت کی بھی بھلائی عطا فرماتا ہے۔ طیب کے معنی پر دیکھو ۵۷۴ ٭

۱۷۳۶ اس کے معنی پر بحث ۲۶۹ میں گزر چکی۔ یہاں آخر پر فرمایا کہ ایسے حالات میں عذاب ان پر آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے ظلم نہیں بلکہ ان کا اپنا ظلم اپنی جانوں پر ہے ٭

ع ۶

مشرکین کا عذر باطل

۳۵ وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ

اور جو شرک کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم اسکے سوائے کسی چیز کی عبادت نہ کرتے (نہ) ہم

وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ

اور نہ ہمارے باپ دادا، نہ ہم اسکے (حکم کے) سوائے کوئی چیز حرام ٹھہراتے اسی طرح انہوں نے کیا جو ان سے

۳۶ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ○ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ

پہلے تھے سو رسولوں پر سوائے کھول کر پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں اور یقیناً ہم نے ہر ایک قوم میں ایک رسول

رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ

بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو سو ان میں سے کوئی ایسا تھا جسے اللہ نے ہدایت دی اور کوئی

مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ○

ان میں ایسا تھا جس پر گمراہی ثابت ہوئی سو زمین میں چلو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا ۱۶۳۷

اللہ کی مشیت

۱۶۳۷ ان دو آیتوں میں باطل پرستوں کے اس عذر باطل کا فیصلہ کیا ہو کہ اللہ چاہتا تو ہم ایسا نہ کرتے۔ گویا اللہ ہی یہ چاہتا ہو کہ لوگ شرک کریں اگر وہ یہ چاہتا کہ شرک نہ کریں تو انہیں روک دیتا۔ اس کا جواب دیا ہو کہ اللہ تو رسولوں کو اسی لئے بھیجتا ہو کہ لوگ شرک سے بچیں فھل علی الرسل الا البلغ المبین لیکن رسولوں کا کام صرف پیغام کو پہنچا دینا ہو وہ جبراً نہیں روکتے۔ اگر اس کا ہی منشا یہ ہوتا کہ لوگ شرک کریں تو پھر وہ رسولوں کو شرک کے خلاف تعلیم دے کر کیوں بھیجتا۔ پھر آیت ۳۶ میں اس کو اور تقویت دی کہ ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے یعنی غیر اللہ کی پرستش سے بچو۔ پھر اس تعلیم کے آنے پر دو گروہ ہو جاتے ہیں ایک وہ جنہیں اللہ ہدایت دے دیتا ہو یعنی وہ ہدایت کو قبول کر لیتے ہیں اور دوسرے وہ جن پر ضلالت یعنی گمراہی ثابت ہو جاتی ہو۔ اب اس دوسرے فریق کے متعلق فرمایا کہ ان پر گمراہی ثابت ہو جاتی ہو یعنی ان کی تکذیب اور مخالفت حق اس حد کو پہنچ جاتی ہو کہ اللہ تعالیٰ انکے ان افعال کی وجہ سے ان پر گمراہ ہونے کا فتویٰ لگا دیتا ہو۔ چنانچہ آیت کے آخر پر مکذبین کا ذکر کر کے اسے صاف کر دیا کہ وہ خود تکذیب حق میں یہانتک بڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر بطور سزا یہ حکم لگ جاتا ہو۔ اور یہ وہ حالت ہوتی ہو جب انسان کو اپنے ان برے افعال سے آہستہ آہستہ اس قدر پیار ہو جاتا ہو کہ وہ گویا اس کی طبیعت کا جزو ہو جاتے ہیں دیکھو ۱۶۳۸ اسی لئے اگلی آیت میں یہ لفظ اختیار فرماتے ہیں فان اللہ لا یھدی من یضل یعنی جب یہانتک نوبت پہنچ جاتی ہو تو پھر وہ ہدایت سے بہت دور جا پڑتا ہو۔ اس لئے اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا۔ اور جو بعض جگہ ایسے لفظ آجاتے ہیں جیسے ولوشاء اللہ ما اشرکوا (الانعام ۶-۱۰۸) یا فلوشاء لھدٰکم اجمعین (الانعام ۶-۱۵۰) تو ان کا مفہوم بھی اسی کے مطابق ہو کیونکہ مطلب یہاں بھی یہی ہو کہ ہم نے انسان کو اختیار دیا ہو کہ وہ ایک راہ اختیار کرے یا دوسری یعنی اس کی مشیت یہی ہے کہ انسان مجبور محض نہ ہو۔ نہ وہ شرک پر مجبور ہو نہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت پر مجبور کرتا ہو اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور ہی کرنا ہوتا تو وہ ہدایت پر مجبور کرتا جیسے دوسری مخلوق کو کیا ہو شرک پر کسی صورت میں مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ پس ماحصل دونوں کے الفاظ کا ایک ہو*

إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّن ۳۷

اگر تو ان کی ہدایت کی آرزو کرتا ہے تو اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جس پر وہ گمراہی کا فتویٰ لگا دیتا ہے اور ان کیلئے کوئی

نَّاصِرِينَ ۝ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا ۳۸

مددگار نہیں ہونگے ۱۴۳۸ؔ اور اللہ کی قسم کھاتے ہیں سخت ترین قسم کہ جو مرجاتا ہے اللہ اسے نہیں اُٹھائیگا ہاں یہ وعدہ ہے

عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۳۹

جس کا پورا کرنا اسکے ذمہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے تاکہ ان پر وہ باتیں کھول دے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ۝ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ ۴۰

اور تاکہ جو کافر ہیں وہ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے ہمارا فرمان کسی چیز کیلئے جب ہم اس کا ارادہ کریں

أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۴۱

ع ۱۰ — عدائے حق کی سزا ۱۲

صرف یہی ہوتا ہے کہ ہم اسے کہدیں ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے ۱۴۳۹ؔ اور جن لوگوں نے اسکے بعد جو ان پر ظلم کیا گیا اللہ کے لئے ہجرت کی

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

وقف لازم

ہم ضرور انہیں دنیا میں اچھی جگہ دینگے اور آخرت کا بدلہ یقیناً بہتر ہے کاش وہ جانتے ۱۴۴۰ؔ

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ ۴۲

جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں

۱۴۳۸ؔ من یضلل کے ایک معنی وہ ہیں جو ترجمہ میں اختیار کیئے گئے ہیں اور جن کی تشریح اوپر گزر چکی اور دوسرے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔ اور مآل ایک ہی ہے اس لئے کہ ایک شخص کی جب گمراہی سے محبت ترقی کرکے اس کی طبیعت کا جزو ہوجاتی ہے تو پھر وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنا شروع کرتا ہے +

۱۴۳۹ؔ ان کے عذر باطل کا فیصلہ کرکے اب ان کی اصل بیماری کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ انہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اللہ تعالیٰ کو وہ اس بات پر قادر نہیں جانتے کہ موت کے بعد وہ انہیں پھر زندہ کرے اس لئے آخر پر فرمایا کہ اس کے حکم سے پہلے بھی خلق ہوئی ہے اسی کے حکم سے دوبارہ بھی ہوجائے گی +

دکھوں کے وقت کامیابی کی بشارت

۱۴۴۰ؔ اس آیت میں جو ہجرت کا ذکر ہے تو اس سے دونوں ہجرتوں کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے یعنی پہلی ہجرت جو ملک حبش کی طرف ہوئی اور دوسری ہجرت جو مدینہ کی طرف ہوئی کیونکہ مدینہ کی ہجرت بھی نبی کریم صلعم کی مکہ میں موجودگی میں ہی شروع ہوگئی تھی۔ اور آپ نے سب سے آخر ہجرت کی۔ ان لوگوں کو جو اس بے سرو سامانی میں اپنے گھروں سے نکلے اور جن کی کوئی بڑی تعداد بھی نہ تھی اتنی بڑی بشارت کہ ہم انہیں دنیا میں بھی اچھی جگہ دینگے قرآن کریم کی ان بینظیر پیشگوئیوں میں سے ایک ہے جن کے سامنے سخت سے سخت معاند

۴۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ

اور ہم نے تجھ سے پہلے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے تو اہل ذکر سے پوچھ لو اگر

۴۴ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ

تم نہیں جانتے ۱۷۴۱ کھلی دلائل اور کتابوں کے ساتھ (انہیں بھیجا) اور ہم نے تیری طرف ذکر بھیجا ہے تاکہ تو لوگوں کیلئے

۴۵ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ

کھول کر بیان کردے جو انکی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ فکر سے کام لیں تو کیا وہ جو برائی کی تدبیریں کرتے ہیں اس بات سے نڈر ہو گئے

اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا

ہیں کہ اللہ ان کو ملک میں ذلیل کردے یا ان پر ایسی طرف سے عذاب آجائے جس کا انہیں خیال

۴۶ يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

بھی نہیں ۱۷۴۲ یا وہ انہیں ان کے آنے جانے میں پکڑے تو وہ (اسکی گرفت سے) نکل نہیں سکتے

ع

کو بھی سر جھکانا پڑتا ہے یہ مکی سورت ہے مکہ میں اس کا اعلان ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں کے متعلق جو کس پرسی کی حالت میں کفار کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھا کر بھاگے جا رہے ہیں یہ آواز بلند ان کے مخالفین کو سنایا جاتا ہے کہ ان کا استیصال نہیں ہوگا جیسا کہ تم نے گمان کر لیا ہے بلکہ ان کو دنیا میں ہی مقامات بلند عطا ہونگے۔ سارا ملک چند نفوس کے استیصال کے درپے ہو یہ کسی کے وہم میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ یہی چند نفوس اس دنیا میں بھی اعلیٰ مقامات پر پہنچینگے اس قسم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے نے ہی ملک عرب کو آخر آنحضرت صلعم کے سامنے جھکا دیا۔

۱۷۴۱ ذکر کے لئے دیکھو ۱۹۱ و ۱۰۴۷ وغیرہ۔ الذکر قرآن کریم کا نام خصوصیت سے ہے اور ہر ایک وحی کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسلئے

اهل الذکر — اھل الذکر سے مراد یہاں اہل کتاب بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ سوال صرف اس قدر ہے کہ انسان ہی ہمیشہ رسول ہو کر آتے رہے یا نہیں اور مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ اصل غرض صرف ان پر اتمام حجت ہے یعنی تم ان باتوں کو جانتے تو ہو لیکن اگر نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔ اور اگلی آیت میں قرآن شریف کا یہی نام الذکر لیکر اسی دوسرے معنی کی تائید کی ہے +

عورت کی نبوت — رجالاً کا لفظ یہاں آنے پر یہ بحث ہوتی ہے کہ اس آیت کی تصریح کے بموجب عورت رسول تو نہیں ہو سکتی مگر آیا وہ نبی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ روح المعانی میں ہے کہ عورتوں کی نبوت کے صحیح ہونے کی ایک جماعت قائل ہے۔ سو اصل یہ ہے کہ اس نبوت سے مراد محض اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی ہے یعنی نبوت اپنے لغوی معنی میں جس کا سلسلہ ہمیشہ کیلئے جاری ہے لیکن اصطلاح شرعی میں نبوت چونکہ ماموریت کو چاہتی ہے اس لئے وہ رسالت سے الگ نہیں ہو سکتی اور اس لئے اصطلاح شریعت میں نبوت عورتوں کو نہیں ملتی +

خسوف، خَسْف — **۱۷۴۲** یخسف خُسُوف چاندکی اور کُسُوف سورج کی روشنی کے جاتے رہنے کا نام ہے اور عَيْنٌ خَاسِفَةٌ وہ چشمہ ہے جو غائب ہو جائے اور خَسْف کا استعمال استعارۃً ذلت پر بھی ہوتا ہے (غ)، اور خسف کے معنی اذلال اور ذلت اور اذلال یعنی کسی کو ذلیل کرنا بھی آتے ہیں اور خسف به الارض کے معنی ہیں اسے زمین میں غائب کر دیا (ل) +

آنحضرتؐ کے مخالفین کا عذاب — اس آیت میں آنحضرت صلعم کے مخالفین کے عذاب کا ذکر ہے۔ اور سب سے پہلے ان کے خسف کا ذکر کیا۔ اگر خسف سے مراد

أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا ٤٨

یا وہ انہیں تھوڑا تھوڑا گھٹا کر پکڑے تو یقیناً تمہارا رب مہربان رحم کرنے والا ہے ١٤٤٣ کیا وہ ہر اس چیز کو نہیں دیکھتے جو

خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ

اللہ نے پیدا کی ہے اسکے سائے بھی دائیں اور بائیں سے لوٹتے رہتے ہیں اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اور وہ

دَاخِرُونَ ۝ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ ٤٩

عاجزی ظاہر کرنیوالے ہیں ١٤٤٤ اور اللہ کی ہی فرمانبرداری کرتے ہیں جو کوئی جاندار آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور فرشتے بھی اور وہ

لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ ٥٠ السجدة

تکبر نہیں کرتے ١٤٤٥ وہ اپنے رب سے جو انپر غالب ہے ڈرتے ہیں اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے کرتے ہیں ١٤٤٦

زمین میں دھنسا نا لیا جاتے تو یہ عذاب عام طور پر آپ کے مخالفین پر نہیں آیا۔ ایک آدھ واقعہ جیسے سراقہ کا الگ امر ہے لیکن خسف کے دوسرے معنی یعنی ذلیل کرنا۔ آپ کے مخالفین پر اپنی عمومیت میں صادق آتے ہیں اس لئے وہی معنی یہاں لئے جائینگے +

خوف۔ تخویف تخوّف۔ ١٤٤٣ تخوّف خَوف کے معنی کسی مکروہ امر کی توقع ہیں جو ظنی یا یقینی علامات سے ہو اور تخویف کے معنی ایسے امر سے بچنے کی تحریص ہیں۔ ذٰلك يخوف الله به عباده (الزمر ٣٩-١٦) انما ذٰلكم الشيطان يخوف اولياءه (آل عمران ٣-١٧٤) اور تخوّفناهم کے معنی ہیں ہم نے تھوڑا تھوڑا کرکے یعنی تدریجاً کم کیا جسکا اقتضا خوف ہوا اور تخوّف کے معنی تنقص ہیں (ل) اور ابن جریر میں اسکے معنی دئیے ہیں کہ انکو اطراف و نواحی سے تھوڑا تھوڑا کرکے کم کرتا جائے یہاں تک کہ سب کو ہلاک کر دے۔

تین قسم کا عذاب ان تین آیات میں عذاب کے تین رنگ بیان کئے ہیں ایک ان پر ذلت وارد کرنا دوسرے ان کے آنے جانے یا سفروں میں ان کو پکڑنا اور تیسرے تدریجاً انہیں کم کرتے چلے جانا۔ یہاں بڑی صراحت اور صفائی سے اس عذاب کا ذکر ہے جو آپ کے مخالفین پر آنے والا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ عام طور پر ان کی مغلوبیت کا ذکر بہت دفعہ کیا ہے مگر یہاں اس مغلوبیت کی صورتیں بھی بتا دی ہیں اور انہی رنگوں میں سے ایک نہ ایک رنگ میں اہل مکہ پر یہ عذاب آیا۔ ان کے آنے جانے کے ذکر میں ان کے تجارتی سفروں کی طرف اشارہ ہے جو وہ شام کیطرف کرتے تھے انہی سفروں پر انکی تجارت اور خوشحالی کا دارومدار تھا اور مسلمانوں کی مدینہ میں موجودگی ہی تک میں سب سے بڑھکر ان کیلئے نقصان دہ ثابت ہوئی

فیء۔ فاء تفیّؤا ١٤٤٤ یتفیؤا۔ فیء کے معنی اچھی حالت کی طرف لوٹ آنا ہیں۔ اور فاء اور فیء اس سایہ پر بولا جاتا ہے جو لوٹ کر آتا ہے یعنی زوال کے بعد (غ) اور تفیؤا اس سے باب تفعّل ہے +

دخر داخرون۔ دَخَرَ کے معنی ہیں ذلیل و حقیر ہوا۔ داخِر ذلیل ہونے والا +

سایوں کے سجدہ کرنے کی تشریح ١٦٠٩ میں گزر چکی۔ یہاں سایوں کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے اگلی آیت میں خود ہر چیز کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے یہاں کفار کی ذلت کا ذکر کرکے پھر یہ ذکر کیا ہے کہ ہر چیز کے سائے بھی ذلیل ہو کر سجدہ کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اور اس کے اصل قوانین کے سامنے ہر چیز کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے یہ کافر اس قانون سے باہر نہیں +

فرشتے کیسی مخلوق ہیں ١٤٤٥ الملٰئکۃ کا عطف دابّۃ پر بتاتا ہے کہ فرشتے الگ قسم کی مخلوق ہیں اور معمولی جانداروں میں شمار نہیں ہوتے دابّۃ وہ ہیں جنہیں حرکت جسمانی ہے کیونکہ اس کا اصل دَبّ ہے جس کے معنی ہلکا چلنا ہیں +

من فوقهم ١٤٤٦ من فوقهم اللہ تعالیٰ کے انکے اوپر ہونے سے مراد اس کا قہر اور اس کا غلبہ ہے کیونکہ فوقیت مکانی کی نسبت اس کی طرف

ع ۱۰
شرک کے خلاف فطرت کی شہادت

۵۱ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝

اور اللہ نے کہا ہے کہ دو معبود مت بناؤ وہ صرف اکیلا ہی معبود ہے سو مجھ ہی سے ڈرتے رہو[۱۴۴۷]

۵۲ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝

اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور فرمانبرداری اسی کی لازم ہے تو کیا اللہ کے سوائے کسی اور کا تقویٰ کرو گے[۱۴۴۸]

۵۳ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــــَٔرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا

اور جو کوئی نعمت تمہیں حاصل ہے سو اللہ کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو اسی کی طرف تم فریادیں کرتے ہو[۱۴۴۹] پھر جب وہ

۵۴ كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ

تم سے دکھ دور کر دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک بناتے ہیں تاکہ اسکی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دیا ہے

۵۵ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ

سو چند روزہ فائدہ اٹھالو عنقریب جان لوگے اور وہ ان کیلئے جو کچھ نہیں جانتے اسکا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں جو ہم نے انہیں دیا ہے

۵۶ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ

اللہ کی قسم ضرور تم سے اسکے متعلق سوال کیا جائیگا جو تم افترا کرتے تھے[۱۴۵۰] اور اللہ کیلئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں وہ پاک ہے

نہیں ہوسکتی (د) اور اس میں بظاہر ملائکہ کی طرف ضمیر جاتی ہے اور یخافون ربہم میں رب کے خوف سے مراد اس کے حکم کی خلاف ورزی کا خوف ہے۔

دو خداؤں کا عقیدہ
۱۴۴۷ دو خداؤں اور تین خداؤں کا عقیدہ لوگوں نے علی الاعلان اختیار کیا ہے اور دونوں عقیدوں کی تردید قرآن کریم نے کھلے الفاظ میں کی ہے۔ وجعل الظلمت والنور میں بھی اس کی تردید ہو چکی ہے دیکھو ۹۰۱ مگر یہاں اثنین کا لفظ لاکر یہ صاف کر دیا کہ ثنویہ کا عقیدہ غلط ہے اس کی دلیل له ما فی السمٰوٰت والارض اگلی آیت میں ہے خود فطرت انسانی دو خداؤں کے عقیدہ کو قبول نہیں کرسکتی۔ دو خدا جو ایک دوسرے کے خلاف ہیں ان دونوں سے ایک انسان کس طرح ڈر سکتا ہے۔

دین - واصب
۱۴۴۸ له الدین واصبا۔ دین کے معنی جزا بھی ہیں اور طاعت بھی۔ اور واصب وَصَبٌ ہے جس کے معنی سقم لازم ہیں۔ اگر دین کے معنی جزا لئے جائیں تو یہ ذکر بطور وعید کے ہے کہ جو شخص دو خدا بناتا ہے اس کی سزا عذاب لازم ہے اور اگر دین بمعنی اطاعت لیا جائے اور یہی قرینہ چاہتا ہے تو واصب کے معنی دائم لئے جائینگے اور مطلب یہ ہوگا کہ انسان پر یہ لازم ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے (غ) یہ بھی فطرت کی شہادت ہے کیونکہ دو آقاؤں کی فرمانبرداری نہیں ہوسکتی۔

جأر
۱۴۴۹ تجٔرون۔ جأر کے معنی ہیں دعا میں مبالغہ اور تضرع کیا یعنی بہت فریاد و زاری کی اور جؤار دراصل وحشی کے چیخنے کو کہا جاتا ہے (غ)
یہ تیسری شہادت فطرت انسانی کی ہے کہ دکھ کے وقت وہ صرف ایک خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔

۱۴۵۰ لما لا یعلمون میں ضمیر آلہۃ کی طرف ہے جن کے بنانے کا ذکر یجعلون میں ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے یعنی کچھ علم نہیں رکھتے اور خود کفار کی طرف بھی ہوسکتی ہے یعنی وہ کفار ان معبودوں کی اصل حقیقت سے کچھ بھی واقف نہیں۔

وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ○ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا ۵۸

اور اپنے لئے (وہ چاہتے ہیں) جو انہیں مرغوب ہے۔ اور جب ان میں سے ایک کو لڑکی کی خبر دیجاتی ہے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے

وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ ۵۹

اور وہ غصہ سے بھرا ہوا ہوتا ہے[۱۷۵۱] وہ اس خبر کی برائی کی وجہ سے جو اسے دیجاتی ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کیا اسے ذلت کیلئے

عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

رہنے دے یا اسے مٹی میں گاڑ دے — سنو بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں[۱۷۵۲]

تاللہ — تاللہ۔ تؔ عموماً افعال کی ابتدا یا آخر میں آتی ہے جیسے تضرب۔ ضربت لیکن اسماء کی ابتدا۔ اور آخر میں بھی آتی ہے اور ابتدا میں اسم اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور تعجب کے لئے آتی ہے اور اس کے معنی قسم ہوتے ہیں اور ب اور و سے جو قسم آتی ہے اس سے بڑھ کر اس میں تعجب کے معنی ہوتے ہیں (مغنی)۔ +

ظَلَّ — ۱۷۵۱ ظَلَّ۔ ظَلَّ کے معنی بیان ہو چکے ہیں۔ ظَلْتَ (ظَلْتُ ایک لام کے حذف سے اور ظَلَلْتُ) اس کام پر بولا جاتا ہے جو دن کے وقت کیا جائے اور پھر اس کے معنی صار کی طرح ہو گئے ہیں (غ)۔ +

وجهه مسودا۔ چہرہ کی سیاہی سے مراد غم فکر نفرت وغیرہ کا پیدا ہونا ہے (د) سچ مچ سیاہ ہونا مراد نہیں +
توجہ دلائی ہے کہ کس قدر انسان اپنے فعل سے خود الزام کے نیچے ہے اپنے خدا کی طرف بیٹیاں منسوب کرنے والے لوگ اپنے ہاں بیٹی کی خبر کو کس قدر برا مانتے ہیں۔ گویا خود فطرت انہیں ملزم کر رہی ہے +

توارى — ۱۷۵۲ یتوارى۔ ورى سے ہے دیکھو ۸۱۶ اور اس کے معنی ہیں اپنے آپ کو چھپاتا ہے +

دَسَّ — یدس۔ دَسّ ایک چیز کا دوسری میں جبر کے ساتھ داخل کرنا ہے (غ)، اور دسست الشیء فی التراب کے معنی ہیں ایک چیز کو مٹی میں چھپا دیا اور یہاں مراد زندہ دفن کرنا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا واذا الموؤدة سئلت (التکویر ۸۱-۸) اور یدسه میں ضمیر مذکر ہے

دسّٰی — (ایسا ہی یمسکه میں) اس لئے کہ بلحاظ لفظ ضمیر ما بشر به کی طرف جاتی ہے۔ اور قد خاب من دسّٰها (الشمس ۹۱-۱۰) میں بھی وہ ہے (ل) اس لئے کہ وہاں بھی بمقابلہ تزکیہ کے جس میں نشوونما کا خیال پایا جاتا ہے۔ قوائے یا نعمائے خداداد کا اخفا مراد ہے +

لڑکیوں کے مار دینے کے رواج کا استیصال — اللہ تعالیٰ کی توحید کے ذکر میں ہی یہ ایک عظیم الشان اصلاح بھی قرآن کریم نے کی ہے یعنی لڑکیوں کو مار دینا جس کا رواج ملک عرب میں۔ بالخصوص اعلیٰ طبقہ میں بہت پایا جاتا تھا بعض باتیں اصلاح کی ایسی ہیں کہ پہلے دن سے ہی قرآن کریم نے ان کی طرف توجہ دلائی ہے حالانکہ کوئی تفصیلات شریعت ابھی نازل نہ ہوئی تھیں جیسے یتامٰی اور مساکین کی خبر گیری انہیں میں لڑکیوں کو مارنے یا زندہ گاڑنے کا رواج ہے جس کی اصلاح قرآن کریم نے ابتدا سے مدنظر رکھی چنانچہ اس سے بہت پہلے کی وحی میں ہے واذا الموؤدة سئلت (التکویر ۸۱-۸) عرب میں لڑکی کو جب وہ پانچ چھ سال کی عمر کو پہنچ جاتی تو یا گڑھا کھود کر اس میں زندہ دھکیل کر اوپر سے مٹی ڈال

آنحضرت کی بدی کو دور کرنے کی طاقت — دیتے یا پہاڑ سے نیچے گرا دیتے اس سنگدلی پر رحمۃ للعالمین کا دل پگھلا اور آپ کی آواز نے وہ اثر پیدا کیا جو نہ کوئی قانون اور نہ کوئی عبرتناک سزا پیدا کر سکتی ہے اسلام کے بعد اس بیرحمی کے اعادہ کی ایک اکیلی نظیر بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ بدی کو دور کرنے کی جو طاقت آپ کو دی گئی ہے اس کی نظیر کوئی اور طاقت دنیا میں نظر نہیں آتی +

۶۰ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ

ان لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے بُری مثال ہو اور اللہ کی صفت نہایت بلند ہو اور وہ غالب

۶۱ الْحَكِيمُ ۝ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ

حکمت والا ہو ۱۷۵۳ اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑتا تو اس پر کوئی جاندار نہ چھوڑتا

وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا

لیکن وہ انہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہو پس جب ان کا وقت آجائیگا وہ ایک گھڑی بھی پیچھے نہیں رہ سکتے اور

۶۲ يَسْتَقْدِمُونَ ۝ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ

آگے جا سکتے ہیں ۱۷۵۴ اور وہ اللہ کے لئے وہ باتیں تجویز کرتے ہیں جنہیں خود ناپسند کرتے ہیں اور انکی زبانیں جھوٹ

الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُم مُّفْرَطُونَ ۝

بیان کرتی ہیں کہ ان کیلئے بھلائی ہو حق یہی ہو کہ ان کیلئے آگ ہو اور یہ کہ وہ آگے بھیجے جائینگے ۱۷۵۵

ع ۵ — وحی الٰہی کی ضرورت ۱۴ ظلم اور اختلاف کو دور کرنے کے لئے

مَثَل — **۱۷۵۳** للہ المثل الاعلیٰ۔ چونکہ دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے لیس کمثلہ شیٔ (الشوریٰ ۴۲ : ۱۱) اسلئے یہاں مَثَل کے معنی صفت مراد ہیں۔ اور راغب نے اس آیت میں دونوں جگہ مثل کے معنی وصف ہی لئے ہیں لَہُمُ الصِّفَاتُ الذَّمِیْمَۃُ وَلَہُ الصِّفَاتُ الْعُلٰی یعنی آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کی صفات نہایت بری ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات بلند ہیں اور پہلے حصہ میں معنی مثال بھی ہو سکتے ہیں اور اصل غرض تو یہ توجہ دلانا ہو کہ ان لوگوں کی حالت کیسی بری ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہیں جو اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتے۔ لیکن ساتھ ہی سمجھا دیا کہ اگر یہ اپنے لئے بیٹوں کو پسند کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی بیٹا تجویز کرسکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف بہت بلند ہیں اور اس کی ذات ان تمام باتوں سے پاک ہو جو گو انسانوں کے لئے محبوب ہوں مگر وہ ایک رنگ کا نقص ہو جو مخلوق میں پایا جاتا ہو اور خالق کی ذات اس سے برتر ہو +

دابۃ سے مراد — **۱۷۵۴** دابۃ سے مراد یہاں بعض کے نزدیک سب جاندار ہیں اور بعض کے نزدیک صرف وہی ظالم لوگ ہیں جو ظلم کرتے ہیں اور ابن عباس سے مروی ہو کہ دابۃ سے مراد یہاں مشرک ہیں (د) اور گو یہ سچ ہے کہ اگر کل انسان تباہ ہو جائیں تو دوسرے جانداروں کی جو انسان کی خاطر ہی پیدا کئے گئے ہیں کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن ظلم کا ذکر صاف بتاتا ہو کہ مراد وہی مخلوق ہو جو ظلم کرسکتی ہے یعنی انسان۔ اور اس آیت میں آنحضرت صلعم کے زمانہ میں جو حالت دنیا کی تھی اس کی تصویر کھینچی ہو یعنی ظلم اس حد تک دنیا میں پھیل گیا ہو کہ زمین اس قابل نہ رہی تھی کہ اس پر انسان باقی رہے کیونکہ انسان نے اپنے خدا کو بالکل بھلا دیا اور ساری دنیا خطرناک شرک اور معصیت میں گرفتار ہوگئی۔ گویا روحانی طور پر دنیا پر موت وارد ہوگئی اس لئے یہ اس قابل تھی کہ اسے ویسے بھی مٹا دیا جاتا مگر اس موت سے اس آسمانی بارش نے اسے بچایا جس کا ذکر صاف الفاظ میں رکوع کے آخر میں ہو +

زمانہ جاہلیت

افراط — **۱۷۵۵** مفرطون۔ فَرَط کے معنی ۹۳ میں بیان ہو چکے ہیں اور اِفراط کے معنی آگے بڑھنے میں حد سے تجاوز کرنا ہیں اور اَفراط کے معنی اِعْجال یعنی جلدی کرنا بھی ہیں اور اس کے معنی ترک کرنا اور بھلانا بھی آتے ہیں ما أفرطتُ من القوم احدا ای ما ترکتُ

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ ۶۳

اللہ کی قسم ہم نے تجھ سے پہلے قوموں کی طرف (رسول) بھیجے۔ پھر شیطان نے انہیں انکے (برے) عمل اچھے کرکے دکھائے سو وہ

وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ ۶۴

آج ان کا ولی ہی اور ان کیلئے دردناک دکھ ہے [1656] اور ہم نے تجھ پر کتاب صرف اس لئے نازل کی ہی کہ تو ان کے لئے

لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَ ۶۵

وہ باتیں کھول کر بیان کرے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ ان لوگوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہی جو ایمان لاتے ہیں [1657] اور

اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِىْ

اللہ ہی بادل سے پانی اُتارتا ہی پھر اسکے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہی یقیناً اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ ۶۶

ع ۹ ۱۵ — ... کی تنبیہات

ان لوگوں کیلئے نشان ہی جو سنتے ہیں اور یقیناً تمہارے لئے چارپایوں میں سبق ہی ہم تمہیں اس چیز سے

مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝

جو ان کے پیٹوں میں ہی گوبر اور لہو کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کیلئے خوشگوار ہی [1658]

مُفْرَط — اَفْرَطَ الشَّیْئَ نَسِیَہٗ (ل) پس مُفْرَط کے معنی آگے بھیجا ہوا جلدی بھیجا ہوا یا عذاب میں چھوڑا ہوا ہو سکتے ہیں فراء نے یہی آخری معنی لئے ہیں (ل)

اعتقادات جاہلیت — ان کے اعتقادات فاسد کی تصویر یہاں کھینچی ہی کہ خدا کی طرف وہ باتیں منسوب کرتے ہیں جو اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتے۔ اسی کا اثر اعمال پر بھی ہوتا ہی۔ یہانتک کہ نیک اور بزرگ لوگوں کی طرف بدیاں منسوب کرنے لگتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ وہ بدی آہستہ آہستہ دل کو اچھی معلوم ہونے لگتی ہی۔ یہ بدترین حالت ہی جس پر قوم پہنچ جاتی ہی ۔

۱۶۵۶ یہاں بتایا کہ پہلے بھی ہم رسول بھیجتے رہے جس طرح اب رسول بھیجا ہی لیکن انکے متبعین بھی گمراہ ہوگئے اور شیطان نے برے عملوں کو ان کیلئے ایسا خوبصورت کر دکھایا کہ وہ اسکے پیچھے لگ گئے یہانتک کہ آج یعنی رسول اللہ صلعم کی بعثت کے وقت وہ بالکل شیطان کے تصرف میں آگئے کہ وہی ان کا ولی اور رفیق ہی ۔

قرآن کی ضرورت مذاہب کے اختلافات کے فیصلہ کے لئے بھی تھی — **۱۶۵۷** جب پہلے رسولوں کا ذکر کیا تو اب ساتھ ہی بتایا کہ باوجود پہلی قوموں میں رسولوں کے آنے کے اب ایک اور رسول کی ضرورت تھی تاکہ ان میں جو اختلافات پیدا ہوگئے ہیں وہ اپنی وحی یعنی قرآن سے ان کا فیصلہ کردے تمام دنیا کے اختلافات مذہبی کا فیصلہ سوائے اللہ تعالیٰ کی وحی کے نہ ہو سکتا تھا۔ اور چونکہ قرآن سب اختلافات کا فیصلہ کرتا ہی اس لئے خود مسلمانوں میں کوئی اس قسم کا اختلاف نہیں ہو سکتا جیسے پہلے مذاہب میں اختلافات ہوئے یعنی اصولی اختلاف نہیں اگلی آیت میں آسمانی پانی وحی الٰہی ہی جو مردہ دلوں کو زندہ کرتی ہی ۔

چارپایوں میں انسان کے لئے عبرت — **۱۶۵۸** پچھلے رکوع میں وحی الٰہی کا ذکر تھا کہ رفع ظلم و اختلاف کیلئے اس کی ضرورت ہی۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ انسان اپنی عقل سے ہی سب کچھ کر سکتا ہی۔ تو سمجھایا کہ دیکھو اگر تمہیں دودھ کی ضرورت ہی تو تم یہ نہیں کر سکتے کہ چارہ اور گھاس کو لیکر اس کا جوہر

۶۷ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور کھجوروں اور انگوروں کے میووں سے تم اس سے شراب اور اچھا رزق حاصل کرتے ہو۔

۶۸ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ

یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں ۱۶۵۹۔ اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کیطرف وحی کی کہ پہاڑوں

۶۹ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ○ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ

میں گھر بنا اور درختوں میں اور اس میں جو وہ بناتے ہیں پھر تمام پھلوں سے

الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ

کھا اور اپنے رب کے رستوں پر فرمانبرداری سے چلی جا۔ ان کے پیٹوں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف

اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

ہیں اس میں لوگوں کیلئے شفا ہے یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہے جو فکر سے کام لیتے ہیں ۱۶۶۰۔

دودھ کی صورت میں نکال لو بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی قدرت سے حیوانوں کے اندر ایک کل پیدا کی ہے وہ اس چارہ کو بدل کر تین چیزوں کی صورت میں بناتی ہے ایک فضلہ جو گوبر کی صورت میں نکل جاتا ہے دوسرا خون جو حیوان کے بقا کا موجب ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک تیسری چیز دودھ بن جاتی ہے جو انسان کے پینے کیلئے ایک نہایت ہی خوشگوار چیز ہے۔ پس اگر ایک اپنی زندگی کی ضرورت دودھ کیلئے انسان قدرت کی کل کا محتاج ہے اور خود اسے نہیں بنا سکتا تو روحانی بقا کیلئے بھی اس کی اپنی کوشش کارگر نہیں ہو سکتی +

سُکَر

۱۶۵۹ سکر۔ سُکْر کیلئے دیکھو ۶۶۳ اور سَکَر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے سُکْر یعنی نشہ پیدا ہو (غ) اور مراد اس سے خمر ہے (ج)

دوسری مخلوق میں عبرت

اس آیت میں پچھلی آیت کے مضمون کو وسیع کیا ہے مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے بقا کیلئے ہر قسم کے پھل اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کیلئے پیدا کر رکھے ہیں پس ضرور تھا کہ بقائے روحانی کے سامان بھی وہ خود پیدا کرتا اور انہیں انسان پر نہ چھوڑتا کیونکہ کسی چیز کا پیدا کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے ہاں پیدا شدہ چیز کو وہ استعمال کر سکتا ہے اور یہاں اس کے استعمال میں برے اور اچھے استعمال کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ خدا کے پیدا کئے ہوئے پھلوں سے انسان شراب بھی بنا لیتا ہے جو ان کا برا استعمال ہے کیونکہ اس سے نقصان پیدا ہوتا ہے اور رزق حسن بھی لے لیتا ہے رزق حسن کے مقابل پر سکر کو لانے سے صاف اس کی برائی کی طرف اشارہ کیا ہے اور حالانکہ ابھی تک شراب کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا کیونکہ یہ سورت مکی ہے مگر یہاں جس رنگ میں سکر کا ذکر کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی ساری تعلیم ایک ہی اصول پر ہے +

شہد کی مکھی سے سبق

۱۶۶۰ یہ تیسری مثال اسی اصول کی وضاحت کیلئے ہے۔ اور یہاں وحی کا ذکر صفائی سے کیا ہے۔ گو یہ وحی اور رنگ کی ہے۔ شہد کی مکھی علم حاصل نہیں کرتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کی فطرت میں رکھ دیا ہے اسکے مطابق چلکر مختلف پھولوں سے شیرینی حاصل کر کے اسے ایسے رنگ میں جمع کرتی ہے جو انسانوں کیلئے موجب شفا ہے۔ انسان اپنے سارے علوم کو خرچ کر کے وہ چیز پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب انسان کی ہدایت کیلئے اس کی شفائے روحانی کیلئے ایک شہد کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ مقصد بھی انسان کے علوم کسبیہ سے حاصل

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ ۷۰

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہ تمہیں وفات دیتا ہے اور تم میں سے کوئی وہ ہے جو نہایت خراب عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ جاننے

بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۷۱

ع ۹ — مہبط وحی کی فضیلت

کے بعد کچھ نہ جانے بیشک اللہ جاننے والا قدرت والا ہے ۱۷۶۱ اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں

فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

فضیلت دی ہے تو جنہیں فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی روزی انہیں نہیں دیدیتے جو ان کے ماتحت ہیں

فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ ۷۲

کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں تو کیا اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ۱۷۶۲ اور اللہ نے تمہارے لئے تم سے ہی

اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ

بیبیاں بنائیں اور تمہارے لئے تمہاری بیبیوں سے بیٹے اور خدمتگزار بنائے۔

نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لئے ایک وحی کی ضرورت ہے۔ ہاں چونکہ اللہ تعالیٰ کا تعلق جو اپنی ایسی مخلوق سے ہے جیسے شہد کی مکھی اس سے بہت بڑھکر تعلق ایسے انسان سے ہے اور یہ غرض بھی اعلیٰ اور ارفع ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی یہ وحی بھی اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اور یہ وحی الٰہی کا ہی کام تھا کہ تمام مذاہب کے اختلافات کا فیصلہ کرتی کوئی انسان اپنی کوشش سے یہ نہ کر سکتا تھا اس پر زیادہ تفصیل کے لئے دیکھو نوٹ جو تمہید سورت میں اس سورت کے نام پر دیا گیا ہے۔

۱۷۶۱ انسان کے حالات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی ہے کس طرح پیدا ہوتا ہے پھر بڑھتا ہے پھر گھٹتا ہے یہاں تک کہ وفات پاتا ہے اور ارذل عمر وہ ہے جس میں عجز اور ذلت کی حالت انسان پر وارد ہو جاتی ہے علم کے بعد نہ جاننے سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ جو کچھ علم سیکھا تھا وہ بھول جاتا ہے اور یہ بھی کہ جتنا علم حاصل کیا پھر اس کے بعد اور علم حاصل نہیں کر سکتا اور انسان کے حالات میں قوموں کے لئے سبق ہے کہ ان پر بھی ایک ارذل حالت آتی ہے اور اس کی طرف بھی یہاں اشارہ ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان کے علم کی ایک انتہا ہے اللہ تعالےٰ کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔

انسانوں کے مراتب میں اختلاف اور نزول وحی

۱۷۶۲ ما ملکت ایمانھم سیاق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے ماتحت ہیں یا جن سے دوسرے کام لیکر بہت دولت کے مالک بن جاتے ہیں۔ شاید اسی مناسبت سے رادّی (رادین یعنی لوٹانیوالے) کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس رکوع میں چند ایک تمثیلات بیان فرمائی ہیں جنہیں یہ توجہ دلائی ہے کہ مہبط وحی صلعم کو دوسرے عام انسانوں پر اللہ تعالیٰ نے ہی فضیلت دی ہے اس سب سے پہلی مثال میں یہ سمجھایا ہے کہ ظاہری سامان معیشت میں بھی جو سب کے لئے یکساں کھلے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہی بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ایک کام لینے والے ہیں ایک کام دینے والے۔ اسی طرح پر روحانیت میں الگ الگ استعدادیں ہیں جس کی طرف آیت کے آخر میں نعمۃ اللہ کا لفظ لاکر توجہ دلائی ہے خصوصیت سے نعمۃ اللہ کا اطلاق وحی الٰہی پر ہی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ فی الحقیقت سب سے بڑی نعمت الٰہی انسانوں پر ہے۔ اور بعض مفسرین نے بھی اس سے یہی مراد لی ہے۔ اور فما الذین فضلوا جملہ معترضہ کے طور پر ہے

وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ

اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ تو کیا جھوٹ کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہ انکار

۷۳ يَكْفُرُوْنَ ۙ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کرتے ہیں ۱۷۶۳ اور اللہ کے سوائے ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دینے کا کوئی اختیار

۷۴ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۚ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

نہیں رکھتے اور نہ ہی کچھ طاقت رکھتے ہیں پس اللہ کیلئے مثالیں نہ بناؤ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۱۷۶۴

معنی بعض نے یوں بھی لئے ہیں کہ اپنے ملوکوں کو تمہیں اپنے برابر رکھنا چاہئے۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ انہیں وہ کھانا دو جو خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ نظام عالم اس طرح کی مساوات پر چل نہیں سکتا کہ سب میں مال و دولت برابر تقسیم ہو اس لئے فرق مراتب رکھا ہے اور استعداد روحانیت میں اس فرق کا ذکر یہاں اس لئے کیا کہ پچھلے رکوع میں شہد کی مکھی کی طرف وحی کا ذکر کر کے سمجھایا تھا کہ وحی الٰہی جو سامان انسان کیلئے مہیا کر سکتی ہے وہ انسان اپنی کوشش سے نہیں کر سکتا تو اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ پھر ہر شخص کو خود وحی کیوں نہیں ہو جاتی۔ اور کفار کا یہ اعتراض قرآن شریف میں منقول بھی ہے حتّٰی نؤتیٰ مثل ما اوتی رسل اللّٰہ (الانعام۔ ۱۲۵) مفسرین نے اس مثال کو شرک پر لگایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو بتوں کی طرف منسوب کرتے ہو ÷

نفس

۱۷۶۳ انفسکم سے مراد من جنسکم و نوعکم ہے (ل) یعنی تمہاری جنس اور نوع سے یہاں سے وخلق منہا زوجہا کے معنی پر روشنی پڑتی ہے۔

حَفَدَ۔حفدۃ

حفدۃ حافِد کی جمع ہے۔ اور حفد کے معنی خدمت اور کام میں سرعت ہیں چنانچہ دعائے قنوت میں آتا ہے والیک نسعٰی ونحفِدُ یعنی عمل اور خدمت میں جلدی کرتے ہیں جس سے مراد فرمانبرداری ہے اور حَفَدَۃ کے معنی مددگار اور خدمتگذار ہیں اور بیٹیوں کو بھی حفدۃ کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اولاد اولاد ہے یعنی پوتے اور بعض کے نزدیک اصہار یعنی بی بی کے قرابتی یا داماد (ل) اور ابن جریر نے مختلف اقوال نقل کر کے کہا ہے کہ اصل اس کی یہی ہے کہ مراد اس سے خدمت کرنے والے ہیں اور یہ سب لوگ اس کے اندر شامل ہیں اور خود ازواج اور بیٹے بھی ایک رنگ میں حفدۃ ہیں +

اس آیت میں بھی اختلاف مراتب کی طرف ہی توجہ دلائی ہے حالانکہ سب انسان ایک ہی ہیں مگر ان میں کوئی مرد ہے کوئی عورت کوئی باپ ہے کوئی بیٹا کوئی خسر ہے کوئی داماد۔ گویا اختلاف مراتب پر نظام عالم کا دار و مدار ہے۔ اور آخر پر نعمت اللہ یعنی وحی الٰہی کے انکار کے مقابل پر ان کے باطل پر ایمان یعنی بت پرستی کا ذکر کیا اور اسی لئے اگلی آیت میں کھول کر ان کی بت پرستی کا ذکر کیا ÷

امثال

۱۷۶۴ امثال۔ مِثْل کی جمع بھی ہو سکتی ہے اور اس صورت میں امثال سے مراد ہو گی کہ اس کے شریک مت بناؤ اور نفضربوا کے معنی تجعلوا ہونگے فلا تجعلوا للّٰہ اندادا (البقرۃ۔ ۲۲) اور یہ معنی ابن عباس سے مروی ہیں اور عموماً اسے مَثَل کی جمع مانا گیا ہے۔ اور اس صورت میں مراد یہ ہو گی کہ کسی دوسرے کو اس جیسا نہ کہا جائے نہ اسے دوسرے جیسا۔ یا یہ کہ اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے ÷

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ ۷۵

اللہ ایک غلام کی مثال بیان کرتا ہے جو دوسرے کے اختیار میں ہے کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتا اور ایک وہ ہے جسے ہم نے

مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ

اپنے ہاں سے رزق دیا ہے سو وہ اس سے چھپا کر اور ظاہر خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ سب تعریف

لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ ۷۶

اللہ کیلئے ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۱۷۶۵ اور اللہ دو آدمیوں کی مثال بیان کرتا ہے

اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ

ایک ان میں سے گونگا ہے کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتا اور وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے جدھر اسے بھیجتا ہے کوئی اچھا کام

لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

کر کے نہیں آتا کیا وہ اور ایسا شخص برابر ہیں جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ سیدھے رستہ پر ہے ۱۷۶۶

کافر اور مومن کی مثال

۱۷۶۵ یہ کافر اور مومن کی مثال ہے (ج) اور غرض وہی ہے جس کا ذکر پہلے ہوا جب کافر اور مومن میں بھی یہ فرق بیّن ہے تو اول المنعمین کے ساتھ ان کفار کو کیا نسبت ہو سکتی ہے اور یا رزق حسن سے مراد وحی الٰہی ہے اور وہ جسے رزق حسن دیا ہے وہ مہبط وحی صلعم ہے اگلی آیت کے آخری الفاظ اسی کے مؤید ہیں اور سرًّا خرچ کرنا اپنے قوٰی کو مخلوق کی خدمت میں لگانا ہے اور جھرًا اپنے مال کو۔ اور کافر یا مشرک عبد مملوک ہے اس لئے کہ جن چیزوں پر اسے حکومت کرنے کیلئے بنایا گیا تھا وہ اپنے آپ کو ان کا محکوم اور انہیں اپنا معبود اور مسجود بناتا ہے۔ اور لا یقدر علی شیء اس لئے کہ جس غرض کیلئے اس کے اندر اعلیٰ درجہ کے قوٰی رکھے گئے تھے۔ وہ اسے پورا نہیں کرتا اس لئے اسے نتیجہ بھی کچھ نہیں ملتا لا یقدرون مما کسبوا علی شیء (ابراھیم ۱۴ - ۱۸) ✦

کلّ - کُلّ

۱۷۶۶ کَلّ ۔ کَلّ وہ ہے جو سارے اجزا کو جمع کرے اور کَلَّ یَکِلُّ کَلَالۃً کے معنی ہیں تھک گیا۔ اور یہاں مراد وہ ہے جو دوسرے پر بوجھ ہو یا دوسرے کیلئے بمنزلہ عیال کے ہو کہ اس کا بوجھ اسے اُٹھانا پڑے (ل) ✦

یہ مثال بھی ویسی ہی ہے جیسی اس سے پہلی۔ مگر یہاں من یامر بالعدل وھو علی صراط مستقیم سے زیادہ وضاحت کر دی ہے۔ بعض نے ان الفاظ کی وجہ سے یہ خیال کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور ابکم سے مراد بت ہیں اور پھر پہلی مثال کو بھی اسی پر قیاس کیا ہے مگر اللہ کی مثال کسی چیز سے نہیں دی جا سکتی جیسا کہ ابھی خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تضربوا للہ الامثال۔ اس لئے من یامر بالعدل سے مراد رسول اللہ صلعم ہی ہیں اور آپ ہی صراط مستقیم پر ہیں اور اس مثال میں اسی مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے جس کا ذکر اس رکوع میں ہے اینما یوجھہ لا یات بخیر میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ کافر اپنے کسی مقصد میں کامیاب نہ ہونگے ✦

ع ۱۱ ۵ ۱۷

مہبط وحی کا انکار

۷۷ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ

اور آسمانوں اور زمین کا علم غیب اللہ کو ہی ہو اور اس گھڑی کا معاملہ آنکھ کے جھپکنے کی طرح ہو بلکہ اس سے بھی

۷۸ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ

قریب بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۷۶۷ اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے

اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ

پیدا کیا تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے

۷۹ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ

تاکہ تم شکر کرو ۱۷۶۸ کیا یہ پرندوں کو نہیں دیکھتے

لمح ۔ لمحۃ

لمح البصر

۱۷۶۷ لمح ۔ لَمَحَ اور اَلْمَحَ کے معنی ہیں آنکھ چھپا کر دیکھا اور لَمْحَۃ عَجِلَۃ کے دیکھنے کو کہتے ہیں اور لَمَحَ البَرْقُ بجلی کی چمکار پر بھی بولا جاتا ہو دل کیونکہ وہ بھی عجلت سے ہوتی ہو اور کلمح البصر سے مراد اس کا عجلت سے آجانا ہو اور او ھو اقرب میں اَوْ بمعنی بَلْ ہو یعنی آنکھ جھپکانا گو ایک بہت قلیل وقفہ کو چاہتا ہو مگر وہ ساعت جب آئے گی تو اس سے بھی جلدی آجائے گی یہ ایک بات تھی جو ان کے وہم میں بھی نہ آسکتی تھی اس لئے فرمایا کہ اس سے بھی جلدی آجائے گی جو تمہارے وہم میں آسکے ؛

عذاب دنیا اور الساعۃ

قرآن کریم کا تسلسل مضمون اس سے ظاہر ہو کہ کس طرح یہاں پھر اس ساعت کا ذکر کیا ہو جو اس سورت کا اصل منشاء ہو جس کی طرف سب سے پہلی آیت میں ان الفاظ میں توجہ دلائی تھی اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ ۔ پھر چوتھے رکوع کے شروع میں آیت ۲۶ میں انکے مکروں کا ذکر کرکے فرمایا تھا اتٰھم العذاب من حیث لا یشعرون پھر اسی رکوع کے آخر میں آیت ۳۳ میں فرمایا ھل ینظرون الا ان تاتیھم الملائکۃ او یاتی امر ربک پھر چھٹے رکوع میں آیت ۴۵ ۔ ۴۶ ۔ ۴۷ میں مختلف قسم کے عذابوں کا ذکر کیا جو ان پر آنیوالے تھے اور اب پھر اس ساعت کا ذکر کرتا ہے جو ساعت کبریٰ یعنی قیامت کے لئے بطور ایک نمونہ کے ہو اور یہی وجہ ہو کہ اس رکوع کی آخری آیات میں صاف طور پر کافروں کے پھر جانے اور رسول اللہ صلعم کے انکار کا ذکر ہو ؛

۱۷۶۸ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنے عظیم الشان احسان کا ذکر کیا ہو کہ اس نے اس کے اندر سننے اور دیکھنے اور سوچنے کی وہ طاقتیں رکھدی ہیں جن سے وہ بڑے بڑے کام لیتا ہو چنانچہ آیت ۸۰ و ۸۱ میں جن نعمتوں کے دینے کا ذکر ہے کہ تمہارے لئے گھر بنائے اور تمہارے لئے لباس بنائے تو وہ انسان سب اپنے علم سے اور اپنی جد و جہد سے ہی حاصل کرتا ہو مگر اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا کہ اگر وہ طاقتیں اس نے انسان کے اندر نہ رکھی ہوتیں تو انسان یہ کام نہ کرسکتا تھا ۔ اور لا تعلمون شیئا سے اس لئے ابتدا کی کہ وحی الٰہی بھی انسان کو ایک علم دیتی ہو تو جب علم ظاہری کے لئے بعض قوائے خداداد کی ضرورت ہے تو علم باطنی کے لئے بھی ایسی ہی ضرورت ہو ؛

مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

جو آسمان کی فضا میں روکے ہوئے ہیں اللہ کے سوائے انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشان ہیں جو

یُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْۢ بُیُوْتِکُمْ سَکَنًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنْ جُلُوْدِ ۸۰

ایمان لاتے ہیں ۱۴۶۹ اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا اور تمہارے لئے چارپایوں کے چمڑے

الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِکُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِکُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا

سے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ کے وقت اور ٹھہرنے کے وقت ہلکا پھلکا پاتے ہو اور ان کی اون

وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ ۝

اور ان کی پشم اور ان کے بالوں سے تمہارے لئے اسباب اور ایک وقت مقرر تک سامان (دنیا) بنایا ۱۴۷۰

۱۴۶۹ جوّ کے معنی ہوا ہیں (غ)، یا آسمان اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے +

پرندوں کا تعلق ذکر عذاب سے

پرندوں کے ہوا میں روکنے کا ذکر دو جگہ قرآن شریف میں ہے ایک یہاں اور ایک سورۂ ملک میں اولم یروا الی الطیر فوقھم صٰفّٰت ویقبضن ما یمسکھن الا الرحمٰن (الملک ۶۷ - ۱۹) یہاں بھی اعداء پر عذاب آنے کا ذکر ہے اور وہاں اس سے بھی زیادہ صاف الفاظ میں ہے کیونکہ پہلی آیت میں ہے ولقد کذّب الذین من قبلھم فکیف کان نکیر (الملک ۶۷ - ۱۸) اور بعد کی آیت میں ہے امن ھذا الذی ھو جند لکم ینصرکم من دون الرحمٰن (الملک ۶۷ - ۲۰)؟ اور کوئی تعلق اس آیت کا یہاں نہیں ہے قرآن کریم نے اس مشکل کو خود ہی حل فرمایا جہاں تیسری جگہ پرندوں کے ذریعہ سے عذاب بھیجنے کا ذکر کیا ہے وارسل علیھم طیرا ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجیل (الفیل ۱۰۵ - ۳، ۴) اور خود شامت کو بھی طائر کہا ہے الا انما طائرھم عند اللہ (الاعراف ۷ - ۱۳۱) اور جب ہم محاورہ عرب کی طرف توجہ کرتے ہیں تو وہاں بھی یہی عجیب بات پاتے ہیں کہ عذاب یا ذلت یا شکست کے متعلق پرندوں کا ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ میدانی نے مجمع الامثال میں یہ مثال دی ہے تبدّد بلحمک الطیر جو بددعا ہے یعنی تو ہلاک ہو جائے اور ایسی طرح ہلاک ہو کہ دفن ہونا بھی میسر نہ آسکے اور پرندے تیرے گوشت کو کھائیں اور ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھیلائیں اور نابغہ کا شعر ہے اذا ما غدا بالجیش حلّق فوقہ ۔ عصائب طیر تھتدی بعصائب یعنی جب وہ لشکر کے ساتھ نکلتا ہے تو اس کے اوپر پرندے جھنڈ حلقہ باندھ لیتے ہیں اور جدھر لشکر چلتے ہیں انکے ساتھ ہی وہ بھی چلتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایک فاتح فوج کے ساتھ پرند ہوتے ہیں گویا انکو علم ہو جاتا ہے کہ دشمن اس فوج کے ہاتھ سے مارا جائیگا اور ایسا ہی ابو الطیب کا شعر ہے اذا لقوا جیشا تیقّن انہ ۔ من بطن طیر تنوفۃ محشور یعنی جب انکا مقابلہ کسی فوج سے ہوتا ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن وہ تنوفہ کے پرندوں کے پیٹ سے اٹھائے جائینگے اور بائبل میں یاجوج کی ہلاکت کیلئے ایسے ہی الفاظ میں پیشگوئی کی ہے "تو اسرائیل کے پہاڑوں پر گر جائیگا تو اور تیرا سارا لشکر اس گروہ سمیت جو تیرے ساتھ ہو اور میں تجھے ہر قسم کے شکاری پرندوں اور میدان کے درندوں کو خوراک کیلئے دونگا" (حزقی ایل ۳۹ : ۴) پس ان تمام شہادتوں سے ظاہر ہے کہ پرندوں کے روکنے میں اشارہ عذاب اور شر کے روکنے کی طرف ہے جو ان پر آنے والی تھی اور یوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظارہ اس میں سے بھی ہے کہ کس طرح پرند ہوا میں معلق رہتے ہیں +

خفیف

۱۴۷۰ تستخفون ۔ خفیف ۔ ثقیل کے مقابل پر ہے اور یہ کبھی باعتبار وزن ہوتا ہے اور کبھی جس چیز کو آسان سمجھا جاتا ہے اسے خفیف

۸۱ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ

اور اللہ نے تمہارے لئے اس سے جو پیدا کیا سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے

لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ

لئے کپڑے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور (ایسے) کپڑے جو تمہیں تمہاری جنگوں میں بچاتے ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمت

۸۲ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ

کو پورا کرتا ہے تاکہ تم فرمانبرداری کرو ۱۷۷۱ پھر اگر وہ پھر جائیں تو تجھ پر صرف کھول کر

۸۳ الْمُبِيْنُ ۝ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

پہنچا دینا ہے اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر کافر ہیں ۱۷۷۲

کہہ دیا جاتا ہے اور مشکل کو ثقیل اسی معنی میں ہے الئٰن خفف اللہ عنکم (الانفال - ۶۶) یرید اللہ ان یخفف عنکم (النساء - ۲۸) فلا یخفف عنہم (البقرۃ - ۸۶) اور کبھی ثقیل بلحاظ وقار کہا جاتا ہے اور خفیف اسکے مقابلہ پر اور اس حالت میں خفیف مذمت کا موقعہ ہوتا ہے اور اسی لحاظ سے اِستخفاف کے معنی میں اختلاف ہوگا چنانچہ فاستخف قومہ فاطاعوہ (الزخرف - ۵۴) میں اور ولا یستخفنک (الروم - ۶۰) میں مذمت کا موقعہ ہے۔ اور یخفوا عن منازلہم سے مراد ہوتی ہے ہلکے پھلکے اپنے گھروں سے چلے اور یہاں استخفاف اسی معنی میں ہے اور خُفّ موزہ کو کہتے ہیں (غ) +

استخفاف

خُفّ

اصواف - صُوف کی جمع ہے دُنبہ یا بھیڑ کی اون۔ اوبار وَبَر کی جمع ہے اونٹ کی پشم۔ اور اشعار شَعر کی جمع ہے بکریوں کے بال +

صوف - وبر شعر

اثاث - اَثّ کے معنی ہیں بہت ہوا۔ اور گھر کے سامان کو جب بہت ہو اثاث کہا جاتا ہے اور مال کو بھی جب بہت ہو اثاث کہا جاتا ہے اور اس کا واحد کوئی نہیں (غ) +

اثاث

اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری نعمتوں کا ان دو آیات میں ذکر کیا ہے اور غرض اس طرف توجہ دلانا ہے کہ وہ تمہیں روحانی نعمتوں سے کس طرح محروم کر سکتا تھا +

۱۷۷۱ سرابیل - سربال کی جمع ہے قمیص کسی قسم کی ہو (غ) +

سربال

ان دونوں آیتوں میں ایسی نعمتوں کا ذکر ہے جن سے انسان کو دکھوں اور تکلیفوں سے آرام ملتا ہے چنانچہ پہلی آیت میں گھر اور خیمے اور اس آیت میں سائے اور غاریں اور کرتے مذکور ہیں اور تقیکم الحر کہکر حرّ او بردٔ یعنی گرمی اور سردی دونوں مراد لئے ہیں اور اس آیت کے آخر میں اپنی روحانی نعمتوں کی طرف صاف توجہ دلائی جہاں اتمام نعمت کا ذکر کیا۔ کیونکہ اتمام نعمت اس کے بغیر نہ ہوتا تھا کہ جیسا کہ جسمانی طور پر تو اسقدر آرام کی چیزیں ہوتیں اور روحانی طور پر دکھوں اور تکلیفوں سے بچانے والی کوئی چیز نہ ہوتی اسی مناسبت سے آیت کا خاتمہ تسلمون پر کیا یعنی تم اسلام میں یا سلامتی میں داخل ہو جاؤ جس سے مراد روحانی سلامتی ہے اور اگلی آیت میں فان تولوا کہکر بالکل ہی مضمون کو صاف کر دیا +

نعمائے ظاہری سے مزدۂ وحی پر دلیل

۱۷۷۲ نعمت اللہ وہی وحی الٰہی ہے جس کا ذکر پچھلی آیت میں بھی ہے۔ اور اس کے معنی محمد صلعم سدی سے مروی ہیں (ج) +

رکوع ١٢/١٨

انکار کی سزا

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ ٨٤

اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کرینگے پھر جنہوں نے کفر کیا انہیں اجازت نہ دی جائیگی اور نہ انہیں عتاب دور کرنیکا

يُسْتَعْتَبُونَ ○ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ ٨٥

موقعہ دیا جائے گا ١٧٧٣ اور جب وہ جنہوں نے ظلم کیا عذاب کو دیکھینگے تو نہ وہ ان سے ہلکا کیا جائیگا اور نہ انہیں

يُنْظَرُونَ ○ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا ٨٦

مہلت دیجائے گی اور جب وہ جنہوں نے شرک کیا اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو دیکھینگے کہینگے اے ہمارے رب یہ ہمارے شریک ہیں

الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ○

جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے تو وہ بات کو ان (کے منہ) پر مارینگے کہ تم یقیناً جھوٹے ہو ١٧٧٤

وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ ٨٧

اور اس دن اللہ کے سامنے فرمانبرداری پیش کرینگے اور جو افترا وہ کرتے تھے ان سے جاتا رہے گا۔

عتبة عتب — اعتاب — استعتاب

١٧٧٣ یستعتبون۔ عَتَبَۃ دہلیز کو کہتے ہیں جو پاؤں سے روندی جاتی ہو (ل) اور عَتْب عتاب یا ناراضگی ہے جو انسان اپنے دل میں دوسرے کیلئے پاتا ہو اور اعتاب کے معنی اظہار عتاب بھی ہیں اور عتاب کا دور کرنا بھی فما ھم من المعتبین (حٰمٓ السجدۃ ٤١-٢٤) میں یہی دوسرے معنی ہیں اور اِستِعتاب یہ ہو کہ دوسرے سے یہ چاہا جائے۔ یا اسے یہ موقعہ دیا جائے کہ وہ عتاب کو دور کرے (غ)+

ہر نبی ہی گواہ ہے

گواہ سے مراد ہر قوم کا نبی ہو اور رکوع کی آخری آیت میں اس کو صاف کر دیا ہو اور نبی کا گواہ ہونا اپنے پیرووں کے لئے بھی ہو اور مخالفوں کے لئے بھی۔ اول کے لئے اس لحاظ سے کہ قیامت کے دن انکے ایمان اور طاعت کی گواہی دے گا اور اس دنیا میں ان کیلئے وہ نمونہ بنتا ہو جیسا کہ فرمایا وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (البقرۃ ٢-١٤٣) یا حضرت عیسیٰ کا قول وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم (المائدۃ ٥-١١٧) اور مخالفین کے لئے اس کی گواہی ان کے کفر و عصیان پر ہوگی فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا یومئذ یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوی بھم الارض (النساء ٤-٤١-٤٢) اور اذن نہ دینے سے مراد عذر پیش کرنے کی اجازت ہے جیسا کہ فرمایا ولا یؤذن لھم فیعتذرون (المرسلٰت ٧٧-٣٦) اور اس سے بڑھکر یہ کہ ان پر جو عتاب ہوگا اسے بھی دور کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ اس لئے کہ عذر اور عتاب کا دور کرنا اس وقت کوئی فائدہ نہ دے گا+

١٧٧٤ دوسری جگہ ہے ماکنتم ایانا تعبدون (یونس ١٠-٢٨) اور ایک جگہ ہو بل کانوا یعبدون الجن (السبا ٣٤-٤١) ایسے ہی تو ہمات کی پرستش کرتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں جن کی پرستش بظاہر کرتے ہیں+

۸۸ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا

وہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم انہیں عذاب پر عذاب بڑھا کر دینگے اس لئے

۸۹ كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ○ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا

کہ وہ فساد کرتے تھے ۱۷۷۵ اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے انکے اندر سے ہی ایک گواہ کھڑا کرینگے اور تجھے

بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّ

ان پر گواہ لائینگے اور ہم نے تجھ پر کتاب اُتاری ہو (جو) ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی اور فرمانبرداروں

۹۰ رَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي

ع ۱۳ / ۱۱ / ۱۹

قرآن کی تعلیم اور اسپر قیام کی ضرورت

کیلئے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری (ہے) ۱۷۷۶ اللہ تمہیں عدل اور احسان اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہو

الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○

اور بیحیائی اور برائی اور زیادتی سے روکتا ہو وہ تمہیں نصیحت کرتا ہو تاکہ تم یاد رکھو ۱۷۷۷

۱۷۷۵ ان کا جرم صرف خود کفر کرنا نہیں بلکہ دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکنا بھی ہو اس لئے عذاب پر عذاب بڑھایا +

۱۷۷۶ اس آخری آیت میں وہی ذکر کرکے جو پہلی آیت میں کیا تھا قرآن کریم کا ذکر کیا جس وحی الٰہی کا انکار ہو رہا تھا۔ اور یوں اگلے رکوع کے مضمون سے تعلق قایم کیا۔ اور قرآن کریم کا تبیاناً لکل شیٔ ہونا اس لحاظ سے ہو کہ تمام اصول مذہب کو اس میں کھول کر بیان کیا اور تمام ضروری تعلیم اپنے کمال کو پہنچائی اور تمام اصول باطلہ کی کھول کر تردید کی +

خیر و شر کی جامع تعلیم

۱۷۷۷ پچھلی آیت میں جب قرآن کریم کو تبیان لکل شیٔ کہا تو اب اس کی جامع تعلیم کا ایک نمونہ پیش کیا ہو۔ اور اس آیت میں خیر اور شر کو پورے طور پر جمع کیا ہو۔ خیر کی اقسام میں عدل اور احسان اور ایتاء ذی القربی کو بیان کیا ہو اور شر میں فحشاء اور منکر اور بغی۔ اور یہ تینوں باتیں ایک ترتیب میں ہیں عدل ادنیٰ درجہ کی نیکی ہو جو مساوات کے رنگ میں ہو یعنی جو کوئی تمہارے ساتھ نیکی کرے اس کے ساتھ نیکی کرنا یا احسان کے عوض احسان دیکھو ۷۹۶ احسان وہ نیکی ہو جو بطور ابتدا بغیر کسی معاوضہ کے یا معاوضہ کے خیال کے کیجائے۔ اور ایتاء ذی القربی سے مراد صرف قریبیوں کو دینا نہیں گو صلہ رحمی بجائے خود ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی نیکی ہو جس سے سب نیکیاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ ایسا ایتاء مراد ہو جیسے ذی القربی کا ہوتا ہو۔ قریبیوں کو انسان کسی احسان کے خیال سے نہیں دیتا۔ یہ بھی نہیں سمجھتا کہ میں کوئی نیکی کر رہا ہوں بلکہ یہ ایک فطری خواہش کے ماتحت ہوتا ہو پس یہ تیسرا مرتبہ یہ چاہتا ہو کہ نیکی انسان میں فطری خواہش کی طرح بن جائے ایک کام کو جب انسان بار بار کرتا ہو تو آخر ہوتے ہوتے وہ اس کی طبیعت کا جزو بن جاتا ہے پس انسان اس قدر احسان کی عادت کرے اور اس قدر بار بار اس کا اعادہ کرے کہ آخر ہوتے ہوتے احسان کرنا اس کی فطری خواہش کی طرح ہو جائے۔ اور اقسام شر میں سب سے پہلے فحشاء کا ذکر کیا یعنی ہر ایک امر جو بذات خود قبیح ہے گو اس کا اثر دوسروں پر ہو یا نہ ہو اور دوسری قسم منکر ہو جسے دوسرے برا مناتیں اور اس کا انکار کیا جائے گویا اس کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہو اور تیسری قسم بغی ہو جس میں انسان حد سے نکلنا چاہتا ہو وہ گویا ایسا تجاوز ہو جس کا اثر بہت ہی وسیع ہو ایک دوسرے رنگ میں

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ ۹۱

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کرلو اور قسموں کو ان کے پکا کرنیکے بعد مت توڑو اور تم

اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ ۹۲

اللہ کو اپنا ضامن کرچکے ہو بیشک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو ۱۷۷۸ اور اس عورت کی طرح نہ ہوجاؤ جو طاقت خرچ کرکے کاتا

بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ

ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کردیتی ہو تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب بنا لیتے ہو اسلئے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھکر ہو

إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ ۱۷۷۹

اللہ اسطرح صرف تمہیں آزماتا ہی اور وہ ضرور تمہارے لئے قیامت کے دن وہ باتیں کھولکر بیان کریگا جن میں تم اختلاف کرتے تھے

فحشاء قوت شہویہ سے پیدا ہوتا ہی۔ منکر قوت غضبیہ سے بغی قوت وہمیہ سے شہوت کا اثر بد دوسرے انسانوں پر بہت کم پڑتا ہی اور عموماً اس میں ظلم کا رنگ بہت کم ہوتا ہی غضب کے اثر بد کا دائرہ وسیع ہوجاتا ہی اور عموماً اس سے دوسرے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے مگر سب سے بڑے مظالم دنیا میں قوائے وہمیہ سے پیدا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے قوموں کی قومیں اور ملکوں کے ملک صرف ایک وہم کے ماتحت تباہ کردیئے جاتے ہیں اور یہ تینوں قوتیں اگر حالت اعتدال پر آجائیں تو انسان بدی کی تمام راہوں سے بچ سکتا ہی حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس آیت کو خطبہ جمعہ کے آخر میں داخل کیا +

نَقُضَ — ۱۷۷۸ تنقضوا۔ نقض۔ ابرام کی ضد ہو اور اس کے معنی ہیں ایک چیز کے اجزا کا الگ الگ کردینا اور بکھیر دینا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور استعارۃً عہد شکنی پر بولا جاتا ہی الذین ینقضون عہد اللہ (البقرۃ ۲ - ۲۷) ینقضون عہدھم (الانفال ۸ - ۵۶) اور

نقیض ۔ انقاض — نقیض ایک چیز کی وہ ہی کہ وہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہوسکتیں اور انقض ظہرک (الانشراح ۹۴ - ۳) میں انقض کے معنی ہیں توڑ دیا یہانتک کہ اس کی نقیض ہوگئی (غ) +

توکیدھا — ۔ ۔ ۔ ۔ توکید ۔ وکّد اور اکّد قول اور فعل دونوں کے لئے آتا ہی جس کے معنی ہیں اسے مضبوط کیا +

اللہ کا عہد اس کی شریعت ہی یا اس کی وحی اور اذا عاھدتم سے ان کا منہ سے قبول کرنا مراد ہی۔ اور محمد رسول اللہ صلعم پر جو اللہ کے رسول ہیں ایمان لاکر اور آپکے ہاتھ پر اقرار کرکے گویا اللہ کو ضامن بنایا گیا کہ ہم اس عہد کو پورا کرینگے پس جب قرآن کریم نے ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم بتائی اور یہ بتایا کہ وحی الٰہی تمہیں ہر نیکی کی طرف اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی نیکی کی طرف بلاتی ہی اور ہر بدی سے روکتی ہی تو اب یہ بھی سمجھا یا کہ نرا منہ سے اقرار کرلینا کافی نہیں بلکہ جب تم نے پختہ عہد کیا ہی تو اسے پورا بھی کرکے دکھاؤ +

غزل — ۱۷۷۹ غزل ۔ غَزَل عورت کا سوت کاتنا ہی اور مَغزول یعنی کاتے ہوئے سوت کو بھی غَزل کہتے ہیں اور غَزل عورتوں کے ساتھ کھیل وغیرہ شغل میں مصروف ہونا ہی (غ)

نکث ۔ اِنکاث — انکاث ۔ نِکث کی جمع ہی اور نَکث سوت کا توڑنا یا کپڑے کا ادھیڑنا ہی اور نقض کے قریب قریب ہی اور نقض عہد پر بھی بولا جاتا ہی وان نکثوا ایمانہم (التوبۃ ۹ - ۱۲) اذا ھم ینکثون (الاعراف ۷ - ۱۳۵) (غ) +

دخل — دَخَل ۔ دُخُول کے معنی داخل ہونا یا اندر آنا ہیں اور مکان اور زمانہ اور اعمال میں اس کا استعمال ہوتا ہی اور دَخَل فساد اور

۹۳ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ

اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی گروہ بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور ضرور تم سے

۹۴ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ

جو تم عمل کرتے تھے اور اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب نہ بناؤ ایسا نہ ہو کہ (تمہارا) کوئی قدم جمے پیچھے

۹۵ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا

پھسل جائے اور تم تکلیف کا مزہ چکھو اس لئے کہ تم نے اللہ کی راہ سے روک دیا اور تمہیں بڑا عذاب ملے ۱۴۸۰ اور اللہ

تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

کے عہد کے عوض تھوڑی قیمت نہ لو جو اللہ کے پاس ہے تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں کچھ علم ہے

عداوت سے کنایہ ہے جیسے دَغَل (غ)

ادبیٰ

ادبیٰ۔ رَبَا سے ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز بڑھ گئی اور ترقی کی۔ اور ادبیٰ سے مراد یہاں ہے گنتی میں زیادہ یا مال میں زیادہ۔

تفرقہ پر ایک مثال

بخاری میں اور تفاسیر میں ایک عورت کا ذکر ہے جو مکہ میں تھی جو دن بھر کات کات کر شام کو توڑ دیا کرتی تھی اور یہ اس کا جنون تھا۔ مگر سیاق بتاتا ہے اور ایسی ہی روایت مجاہد وغیرہ سے ہے کہ یہ ایک مثال کے طور پر ہے خاص عورت کا ذکر مقصود نہیں (ج) گویا پچھلی آیت میں جو فرمایا تھا کہ جب اللہ سے عہد کیا ہے یعنی ایمان لائے ہو تو اسے پورا کرو تو یہاں بتایا کہ اسے پورا نہ کرنا گویا اس عورت کی مثال ہے جو کات کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے بظاہر یہ ایک مجنون کا فعل ہے مگر دنیا میں کتنے عقلمند کہلانے والے ہیں جو اسی فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے ایک عمارت کو کھڑا کرتے ہیں پھر خود اس کی جڑ بنیاد کو اکھیڑتے ہیں مسلمانوں کو جس بات سے بچنے کی نصیحت کی تھی انہوں نے اس کا ارتکاب کیا اور اپنے ہی افعال سے اپنے کئے کرائے کام کو بگاڑا۔ اور سب سے زیادہ نقصان جو پہنچا وہ اسی بات سے پہنچا جس کا ذکر یہاں کیا ہے یعنی باہم اختلاف اور ان معاہدات کو مدنظر نہ رکھنا جو ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ اس وجہ سے کہ ایک جماعت اپنے آپ کو دوسری جماعت سے زبردست دیکھتی ہے یا اس لئے کہ وہ زبردست ہو جائے۔ یہی مسلمانوں کی بیماری ہے جس نے انہیں موجودہ حالت تک پہنچایا جن کی دنیا پر پھیلی ہوئی حکومت اس مجنون عورت کے سوت کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ مگر اب بھی اس کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں۔ تتخذون ایمانکم یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ہے جہاں اہل جاہلیت کا ذکر ہے یا

اہل جاہلیت اور معاہدات اور یورپ کی حالت

عام طور پر دنیا کی روش کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کو خاص حکم اس بارہ میں آیت ۹۴ میں موجود ہے۔ اہل جاہلیت میں یہ رواج عام تھا کہ معاہدے موجود ہوتے مگر ایک قوم ذرا اپنے آپ کو دوسری سے طاقتور پاتی تو سب معاہدات کو بالائے طاق رکھ دیتی۔ بعینہٖ جیسے آج یورپ کی حالت ہے کہ جس قوم کو کمزور دیکھا اس کے ساتھ معاہدہ ردی کا غذ کا ٹکڑا بن جاتا ہے +

۱۴۸۰ فتزل قدم بعد ثبوتہا۔ صاف بتاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ذکر ہے کہ ان کا قدم جمکر پھر باہمی فسادات سے پھسل جائیگا اور یوں وہ اللہ کی راہ سے روکنے والے ہو جائیں گے۔ اور عذاب بھی ان پر آئے گا؟ کیا آج اسی حکم کی خلاف ورزی کی سزا تو ہم پر نہیں؟

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا ۹۶

جو تمہارے پاس ہے وہ جاتا رہیگا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور ہم انہیں جنہوں نے صبر کیا

أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ۹۷

انکے بہترین اعمال کیلئے جو انہوں نے کئے ضرور ان کا اجر دینگے ۱۴۸۱ جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے مرد ہو یا عورت

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا

اور وہ مومن ہے ہم یقیناً اسے ایک پاک زندگی میں زندہ رکھینگے اور ہم یقیناً انہیں انکے بہترین اعمال کا جو وہ کرتے تھے

يَعْمَلُونَ ۝ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ ۹۸

اجر دینگے ۱۴۸۲ سو جب تو قرآن پڑھنے لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ ۱۴۸۳

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ ۹۹

کیونکہ اس کا کوئی غلبہ ان لوگوں پر نہیں جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں -

---

نفاد

۱۴۸۱ ینفد - نفاد کے معنی فناء ہیں ان ھذا لرزقنا ماله من نفاد (ص ۳۸ ع ۵)۔ لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی (الکہف ۱۸ ۱۰۹ ع ۶)۔ مال دنیا ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اعمال حسنہ کے نتائج ختم نہیں ہوتے +

مرد اور عورت کیلئے اعمال حسنہ کی جزا یکساں ہے

۱۴۸۲ اس آیت میں جیسا کہ اور بھی کئی موقعوں پر قرآن شریف نے نہایت صفائی سے بتا دیا ہے کہ اعمال حسنہ کی جزا میں مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ باوجود ان صراحتوں کے عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن شریف کی رو سے عورت میں روح کوئی نہیں جو

حیات طیبہ سے مراد

اصل میں ان کا اپنا خیال تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ یہاں حیات کا ہی ذکر ہے - حیات طیبہ دینے سے کیا مراد ہے۔ بعض نے کہا اس دنیا کی زندگی جو ہر قسم کی آلایشوں سے پاک ہو وہ مومن کو ہی میسر آتی ہے اور یہ درست ہے بعض نے کہا اس سے مراد برزخ میں پاک زندگی کا عطا فرمانا ہے اور بعض نے کہا آخرت میں یا جنت کی زندگی۔ اور حق یہ ہے کہ یہ تینوں زندگیاں ایک ہی تسلسل میں ہیں بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے اور یقیناً وہ قبر میں بھی رہتی ہے اور پھر قیامت کو اپنی پوری چمکار کے ساتھ ظاہر ہوگی مراتب ضرور ہیں۔ مگر چیز ایک ہی ہے۔ اور اسی پاک زندگی کا یہاں ذکر ہے جو یہاں سے شروع ہو کر ترقی کرتی چلی جائے گی اور ختم کبھی نہ ہوگی - قیامت کے ظہور کے بعد پھر اس کے اور کمالات ظاہر ہونگے۔ وما عند اللہ باق +

تلاوت قرآن اور استعاذہ

۱۴۸۳ واذا قرات القرآن سے مراد ہے جب قرآن شریف پڑھنے لگو تو اس وقت استعاذہ کر لیا کرو۔ اور سب سے مشہور استعاذہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہے جو اسی آیت کے حکم کی تعمیل ہے اور بعض روایتوں میں اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم بھی آیا ہے۔ اور تعامل سے بھی یہی ثابت ہے کہ اعوذ قرآن شریف کے شروع کرتے وقت پڑھا جاتا ہے اور ختم کرکے پڑھنا مراد نہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ استعاذہ کی ضرورت ہر وقت ہے اور خاتمہ پر بھی ہے اور قرآن کریم کا خاتمہ بھی معوذتین پر ہی ہے - اور ظاہر حکم کی تعمیل تو لفظوں میں ہوتی ہے مگر مراد یہی ہے کہ انسان ہر اس راہ سے جو شیطان کی طرف لے جاتی ہے بچنے کی کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ تلاش کرے اور قرآن شریف تو خود اللہ تعالیٰ کی راہ ہے پس اس کے پڑھنے سے پہلے شیطان سے

ع ۱۴ ۱۰ ۲۰

قرآن افترا نہیں

۱۰۰ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ وَاِذَا بَدَّلْنَآ

اس کا غلبہ صرف انہی لوگوں پر ہے جو اسے دوست بناتے ہیں اور وہ جو اس (کے اغوا) کی وجہ سے شریک بنانے والے ہیں ۱۶۸۴ اور جب ہم ایک

اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

پیغام کی جگہ دوسرا پیغام بھیجتے ہیں کہتے ہیں تو صرف افترا کرنیوالا ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۱۶۸۵

بھیجنے کی درخواست بارگاہ الٰہی میں کرنا عین مناسب موقعہ ہے۔ پھر اس کی تعلیم پر قیام بھی سوائے اس کے میسر نہیں آسکتا ۔

شیطان کا تسلط کس پر ہے

۱۶۸۴ ان دو آیات میں نہ صرف یہ بتا دیا کہ مومنوں پر شیطان کا کوئی تسلط نہیں بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ ان کا تسلط انہی لوگوں پر ہوتا ہے جو خود اس کی ولایت میں جاتے ہیں اور اسے اپنا دوست بناتے ہیں۔ ورنہ کسی شخص پر بھی شیطان کا تسلط نہیں۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (الحجر ۱۵-۴۲) ۔

ھم بہ مشرکون کے ایک تو وہ معنی ہیں جو ترجمہ میں اختیار کئے گئے ہیں یعنی اس کی وجہ سے یا اس کے اغوا سے شرک اختیار کرتے ہیں اور بہ میں ضمیر ربھم کیطرف بھی جاسکتی ہے یعنی وہ اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ اور ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ شیطان کو اپنے اعمال میں شریک کرتے ہیں ۔

قرآن میں نسخ نہیں

۱۶۸۵ تمام مفسرین نے اس آیت کے یہ معنی کئے ہیں کہ ہم ایک آیت قرآنی کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسری لاتے ہیں حالانکہ ادنے تدبر سے بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ آیت قرآنی کے منسوخ ہونے کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ اول یہ کہ یہ کفار کا قول ہے اور ان کو اس سے کیا واسطہ تھا کہ آج کونسا حکم قرآنی منسوخ ہوا ہے اور کونسا قائم ہے۔ وہ تو اصول کے ہی مخالف تھے۔ اور یہ تو ہوا نہیں کہ پہلے قرآن نے کبھی شرک کو جائز رکھا ہو پھر منسوخ کر دیا ہو کہ کفار ایسا کہتے ۔ دوم یہ کہ سیاق عبارت ناسخ و منسوخ کی بحث کو نہیں چاہتا بلکہ اصل مضمون کفار کے مقابلہ پر وحی الٰہی کی صداقت کو ثابت کرنا ہے اور آگے آیت ۱۰۳ میں صاف ان کا قول مذکور ہے کہ ایک بشر آپ کو سکھاتا ہے۔ سوم یہ کہ یہ سورۃ مکی ہے اور جن آیات کو ناسخ کہا جاتا ہے وہ سب مدینہ کی نازل شدہ ہیں جب مکہ میں تفصیلات شریعت ہی نازل نہیں ہوئیں تو منسوخ کیا چیز کی گئی اور یہ قطعی دلیل ہے کہ اس آیت میں ناسخ و منسوخ قرآنی کا کوئی ذکر نہیں۔ چہارم یہاں تبدیل آیت کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہاں ان آیات کا ذکر ہے جو قرآن کریم کے اندر نہیں اسلئے بین الدفتین کے ناسخ و منسوخ کا بیان کوئی ذکر نہیں اور ایسی کسی آیت کا ہمیں علم نہیں جو منسوخ التلاوۃ اور منسوخ الحکم ہو۔ پنجم اگلی آیت میں اس کے نازل کرنے کی غرض یہ بتائی کہ مومنوں کو مضبوط کیا جائے اور مسلموں کیلئے ہدایت اور بشارت ہو بعض آیتوں کے بعض کو منسوخ کرنے سے مومن کس طرح مضبوط ہوسکتے تھے۔ اور کسی آیت قرآنی کے منسوخ ہونے میں ان کیلئے ہدایت اور بشارت کیا تھی یہ تو سارے قرآن کے نزول کی شان ہے جیساکہ فرمایا لنثبت بہ فؤادک (الفرقان ۲۵-۳۲) ششم جب کفار تک کو یہ علم تھا اور مکہ میں ہی علم تھا کہ رسول اللہ صلعم نے فلاں فلاں آیتوں کو جو پہلے قرآن میں تھیں منسوخ کر دیا ہے تو تعجب ہے کہ ایک بھی صحابی ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ کبھی آنحضرت صلعم نے کسی آیت کو منسوخ فرمایا ہو۔ قرآن میں عدم نسخ پر اور دلائل کیلئے دیکھو ۱۳۸ ۔

یہاں بھی آیت کے بدلنے سے نئی رسالت یا نئے پیغام الٰہی کا آنا مراد ہے دیکھو ۱۳۸ اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ پیچھے سے پچھلے رکوع میں دوسرے انبیاء کا جو اپنی اپنی قوموں میں آئے ذکر کیا تھا دیکھو آیت ۸۴ و آیت ۸۹ اور پچھلے رکوع میں صرف یہ بتایا کہ قرآن کریم کی تعلیم نیکی سکھانے والی اور بدی سے روکنے والی ہے تو اب کفار کے اس اعتراض کا ذکر کیا کہ جب پہلے بھی رسول آئے تھے تو نئے رسول کی کیا ضرورت ہے اور کیوں اس نے سابق شرائع کو منسوخ کیا اسلئے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو بہرحال افترا ہے۔ اسکا جواب دیا ہے کہ روح القدس نے اسے نازل کیا ہے۔ روح القدس کے نازل کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا گناہ کی ظلمت میں مبتلا تھی اس کے دور کرنے کیلئے اس وحی کی ضرورت تھی چنانچہ اس نے

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَّبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۱۰۲

کہو اسے روح القدس نے تیرے رب کیطرف سے حق کیساتھ اُتارا ہے تاکہ انہیں مضبوط کرے جو ایمان لاتے اور وہ فرمانبرداروں کیلئے ہدایت اور خوشخبری ہے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا ۱۰۳

اور ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ اسے صرف ایک انسان سکھاتا ہے۔ اس کی زبان جس کی طرف یہ (سکھانے کی) نسبت کرتے ہیں

لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ ۱۰۴

عجمی ہے اور یہ کھلی عربی زبان ہے ۱۴۸۶ جو لوگ اللہ کی باتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کیلئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۱۰۵

دردناک عذاب ہے۔ جھوٹ تو صرف وہ لوگ بناتے ہیں جو اللہ کی باتوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہی جھوٹے ہیں ۱۴۸۷

ایک عالم کو گناہ سے پاک کر کے دکھا بھی دیا اور اس ظلمت کا ذکر رسول اللہ صلعم کے ظہور کے متعلق پیچھے ہو چکا ہے اور بالحق کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ باوجود پہلی رسالتوں کے ایک نئی رسالت کی ضرورت تھی جس پر قرآن کریم میں بار بار دلائل گزر چکی ہیں +

۱۴۸۶ یلحدون الیہ۔ الحاد کے اصل معنی میل اور عدول ہیں یعنی ایک طرف مائل ہونا یا جھک جانا۔ اور لحد الیہ بلسانہ کے معنی ہیں مال یعنی مائل ہوا یہاں الحد ہے اور فراء کا قول ہے کہ یلحدون کے معنی یعترضون ہیں یعنی اعتراض کرتے ہیں اور ومن یرد فیہ بالحاد بظلم (الحج ۲۲۔ ۲۵) میں الحاد کے معنی اعتراض ہیں اور زجاج نے الحاد کے معنی اللہ کے بارہ میں شک کرنا دیئے ہیں اور ظلم بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں (ل)

مخالفین کا اعتراض کہ کوئی انسان آپ کو سکھاتا ہے

کفار مکہ بھی ایسے اعتراض کرتے تھے اور مخالفت حق میں ان کے پیرو عیسائی بھی یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کفار قریش جن لوگوں کے نام لیتے تھے وہ سب اہل کتاب عموماً عیسائی نو مسلم تھے جو عجمی لوگ تھے کسی روایت میں جبر کا نام ہے اور کسی میں عایش یا یعیش کا اور ایک میں بلعام کا (جو کہا جاتا ہے کہ یہودی تھا) اور ایک میں ہے کہ عبداللہ بن مسلم الحضرمی نے کہا کہ ہمارے دو نصرانی غلام تھے یسار اور جبر جو مکہ میں تلواریں بنایا کرتے تھے اور وہ انجیل پڑھا کرتے تھے نبی کریم صلعم وہاں سے کبھی گزرتے تو ٹھہر جاتے تو مشرک کہتے کہ آپ ان سے سیکھتے ہیں۔ جتنے لوگوں کے نام لئے گئے ہیں وہ سب عجمی تھے اور نو مسلم غلام تھے۔ ان میں سے امر اول کو تو صفائی سے بیان کیا ہے قرآن کریم کی زبان ہمیشہ کے لئے عربی زبان کی فصاحت کا معیار ہو گئی اسے کوئی عجمی کب سکھا سکتا تھا؟ اور امر دوم کی طرف اگلی آیات میں اشارہ کیا ہے جہاں یہ ذکر ہے کہ اسلام کی خاطر کیا کیا تکلیفیں لوگوں کو اٹھانی پڑیں۔ اول تو ایسے لوگ جو خود سکھاتے ہوں مسلمان ہی کس طرح ہو سکتے تھے پھر ان ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت وہ کیوں کرتے جب جانتے تھے کہ یہ تو جھوٹ ہے جو ہم خود سکھا رہے ہیں جن دکھوں اور تکلیفوں میں سے مسلمان گزرے انہوں نے ان کے اخلاص پر تو ضرور مہر لگا دی اور جو کوئی چاہے کہ افترا کرنے والے یا افترا میں حصہ لینے والے انہیں کوئی نہیں کہہ سکتا +

۱۴۸۷ ان دونوں آیتوں میں بتایا کہ یہ لوگ یعنی رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھی مفتری نہیں ہو سکتے کیونکہ جو اللہ پر افترا کرتا ہے وہ آیات اللہ پر ایمان نہیں لا سکتا اور جو آیات اللہ پر ایمان نہیں لاتا وہ اس ہدایت پر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ خطرناک دکھوں اور تکلیفوں کا مقابلہ افترا کرنے والے نہیں کر سکتے اگلی آیت میں اس مضمون کو اور کھولا ہے +

١٠٦ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ

جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کرتا ہے وہ نہیں جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو لیکن وہ

١٠٧ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا

جس کا کفر پر سینہ کھل جائے تو ان پر اللہ کی طرف سے غضب ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے ١٤٨٨ یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی

١٠٨ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ

زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور کہ اللہ کافر لوگوں کو منزل مقصود پر نہیں پہنچاتا یہی وہ ہیں جن کے دلوں پر

١٠٩ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ

اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور یہی غافل ہیں ١٤٨٩ کچھ شک نہیں

١١٠ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ

کہ وہی آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں پھر تیرا رب ان لوگوں کیلئے جنہوں نے اسکے بعد کہ انہیں دکھ

مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

دیا گیا ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کیا یقیناً تیرا رب اس کے بعد حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے ١٤٩٠

حالت مجبوری میں کلمہ کفر

١٤٨٨ اصل غرض تو اسی بات کا بیان کرنا ہے کہ کس ہمت اور کس قوت ایمانی سے مسلمانوں نے مصائب کا مقابلہ کیا۔ اسی ضمن میں ان لوگوں کا ذکر بھی کر دیا ہے جو بعض وقت بتقاضائے بشریت کافروں کے ظلم کے نیچے منہ سے کوئی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جن سے ان کی جان بچ جائے بشرطیکہ قلب میں ایمان ہو۔ لیکن جو کفر کے دباؤ کے نیچے آکر کفر پر راضی ہو جائیں تو ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ غضب الٰہی کے نیچے ہیں۔ رہے وہ جو ایک وقت قلب میں تو کچھ انکار نہیں پاتے لیکن زبان سے انکار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو یہ کوئی اعلےٰ مقام نہیں ہاں چونکہ جان بچانے کی مجبوری کیلئے وہ ایسا کرتے ہیں اس لئے ایک حد تک انہیں قابل معافی سمجھا ہے چنانچہ ان دو شخصوں کے معاملہ میں جن میں سے ایک نے جان بچانے کیلئے مسیلمہ کذاب کے سامنے کلمۂ انکار کہہ دیا اور دوسرا بوجہ اپنی ثابت قدمی کے شہید کیا گیا۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ ایک نے رخصت سے فائدہ اٹھایا مگر دوسرے نے حق کو نہ چھپایا سو اس کیلئے مبارک ہے اور اصل میں ایمان کامل یہی ہے کہ جان کی بھی پروا اسکے مقابلہ میں انسان نہ کرے اور یہی اکثر مسلمانوں نے کیا۔ ایسے لوگوں کی مثالیں جنہوں نے کافروں کے ظلم کے نیچے کلمہ کفر کہہ دیا ہو شاذ و نادر ملینگی مگر ان لوگوں کی مثالیں جنہوں نے خوش دلی سے نہ صرف تکلیفیں اٹھائیں بلکہ گردنیں بھی کٹوائیں قدم قدم پر ملتی ہیں۔

مسلمانوں کا ایمان اور اخلاص

وما ان ابالی حین أقتل مسلماً علی ای شق کان للّٰہ مصرعی +

دل پر مہر

١٤٨٩ اللہ کن کے دلوں پر مہر لگاتا ہے؟ جو دنیا کی زندگی میں غرق ہو کر آخرت کی پروا نہیں کرتے اور وہ مہر کیا ہے انکی وہ حالت قلبی ہے جس کا نقشہ یہ ہے اولٰئک ھم الغافلون +

ہجرت حبش اور ہجرت مدینہ

١٤٩٠ آخر میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو نہ صرف خوش دلی سے اللہ کی راہ میں ہر قسم کی مصائب برداشت کرتے ہیں بلکہ آخر کار گھر بار کو

ع ١٥ / ٢ — مکہ والوں کو انذار

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا ١١١

جس دن ہر شخص اپنی ہی ذات کیلئے جھگڑا کرتا ہوا آئیگا اور ہر شخص کو جو اس نے کیا پورا دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم

يُظْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا ١١٢

نہیں کیا جائیگا ۱۷۹۱ اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے جو امن اور اطمینان کی حالت میں تھی اس کی روزی ہر جگہ سے

رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا

اس کے پاس بافراغت آتی تھی پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا اس کی وجہ سے

يَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ١١٣

جو وہ کرتے تھے ۱۷۹۲ اور انکے پاس ایک رسول انہی میں سے آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا سو عذاب نے انہیں آلیا درانحالیکہ وہ ظالم تھے

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ ١١٤

سو اس سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے حلال اچھی چیزیں کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو

وطن کو عزیز و اقارب کو بدی سے بچنے کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ بلکہ پھر اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے ہیں یعنی اپنا سارا زور بھی لگاتے ہیں اور پورے استقلال سے کھڑے ہو جاتے ہیں ایسے کامل الایمان لوگوں کیلئے اللہ کا غفور ہونا یہی معنی رکھتا ہے کہ وہ انہیں اپنی حفاظت میں لیکر گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ اس سورت میں دو بار ہجرت کا ذکر ہے اور اس سے مراد مدینہ کی ہجرت ہی ہے جس سے اس کے زمانہ نزول کا پتہ بھی لگتا ہے کیونکہ اگر ہجرت حبشہ کا ذکر ہوتا تو پہلی بہت سی سورتوں میں بھی اس کا ذکر ہوتا جو درمیانی زمانہ کی نازل شدہ ہیں اس ہجرت کا ذکر قرآن کریم نے اس لئے نہیں کیا کہ وہ ہجرت جس سے علم الٰہی میں مسلمانوں کی کامیابیاں وابستہ تھیں مدینہ کی ہجرت ہی تھی۔ مکی سورتوں میں جہاد کا ذکر جب ابھی قتال کی اجازت نازل نہیں ہوئی صاف بتاتا ہے کہ یہ جہاد اعلائے کلمۃ اللہ ہے جو ہر مسلمان کا سب سے پہلا فرض ہے ✦

جہاد اعلائے کلمۃ اللہ

جدل

۱۷۹۱ تجادل۔ جَدَلْتُ الحَبْلَ کے معنی ہیں میں نے رسہ کو مضبوط بٹا اور عمارت کے مضبوط بنانے پر بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے اور جدال

جدال یہ ہے کہ گویا ہر شخص دوسرے کو اپنی رائے سے ہٹانا چاہتا ہے (غ) یعنی دلائل کے ساتھ جھگڑنا وجادلهم بالتي هي احسن (۱۲۵) الذين يجادلون في آيات الله (المؤمن ۳۵) قد جادلتنا فاكثرت جدالنا (هود ۳۲) يجادلنا في قوم لوط (هود ۷۴)

اور یہاں مراد جھگڑا کرنے سے اپنی خلاصی کا جھگڑا یا کوشش یا اسکے لئے عذروں کا پیش کرنا ہے ✦

لباس

۱۷۹۲ لباس الخوف والجوع۔ لباس وہ چیز ہے جو پہنی جاتی ہے یا جسم کو ڈھانک لیتی ہے اور خوف اور جوع کو لباس کہا گویا اس نے جسم اختیار کر کے لباس کی صورت اختیار کر لی (غ) اور چاروں طرف سے انسان کو ڈھانک لیا ✦

یہ قریہ یا بستی جس کی مثال دی ہے مکہ ہے (ج)، امن اور اطمینان کی وہ حالت جو دنیا میں کسی بستی کو میسر نہیں آئی اور باوجود وادی غیر ذی زرع ہونیکے ہر قسم کے پھل اور غلہ وہاں پہنچتا۔ سارے عرب کی چیزیں گھر بیٹھے ان کے پاس پہنچ جاتیں۔ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری یہ کہ جب سب سے بڑی روحانی نعمت ملی تو اسے قبول نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے بھوک اور خوف کے رنگ میں عذاب آیا

۱۱۵ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ

اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سؤر کا گوشت حرام کیا ہے اور وہ جس پر اللہ کے سوائے کسی دوسرے کا نام پکارا جائے

۱۱۶ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ

پھر جو شخص ناچار ہو جائے نہ خواہش کرنیوالا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے ۱۶۹۳ اور اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ

أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

بیان کردیتی ہیں نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تاکہ اللہ پر جھوٹ افترا کرو

۱۱۷ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ○ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ

وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں کامیاب نہ ہونگے تھوڑا سا مال ہے اور انکے لئے دردناک

۱۱۸ أَلِيمٌ ○ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ

عذاب ہے اور ان پر جو یہودی ہیں ہم نے وہی کچھ حرام کیا تھا جو تجھ پر پہلے بیان کرچکے ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا

۱۱۹ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ

لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے تھے ۱۶۹۴ پھر تیرا رب ان لوگوں کیلئے جو نادانی سے بدی کر بیٹھتے ہیں

ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ○ ع

پھر اس کے بعد توبہ کرتے ہیں اور اصلاح کرلیتے ہیں یقیناً تیرا رب اسکے بعد حفاظت کرنیوالا رحم کرنے والا ہے ۱۶۹۵

بھوک تو یہ کہ سات سال کا قحط پڑا جس کی پیشگوئی پہلے سے ہو چکی تھی فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین (الدخان ۴۴: ۱۰) اور خوف ایک اس لحاظ سے کہ اسلام کی قوت روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ دوسرے مدینہ میں مسلمانوں کی ہجرت کی وجہ سے تجارت کے رُک جانے کا خوف تیسرے آیندہ جنگوں کی وجہ سے خوف۔ امن و اطمینان کی جگہ بھوک اور خوف کفران نعمت یعنی انکار رسول کی سزا تھی جیسا کہ اگلی آیت میں صاف ذکر ہے الفاظ قرآنی کے عجائبات ختم نہیں ہوتے اور آج بھی یہ لفظ کسی بستی پر صادق آتے ہیں +

۱۶۹۳ اہل مکہ جو قرآن کو افترا کہتے تھے انہیں بتایا ہے کہ جو حق ہے اسے تم افترا کہتے ہو اور خود افترا کرتے ہو۔ چنانچہ غذاؤں کی حلت و حرمت کے متعلق وہ اللہ تعالیٰ پر یہ افترا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یوں حکم دیا ہے اگلی آیت میں اسے اور صاف کیا ہے +

۱۶۹۴ یہ سورۃ الانعام ۶-۱۴۷ میں بیان ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ الانعام اس سورت سے پہلے نازل ہوئی تھی +

۱۶۹۵ سزا اور عذاب کے ذکر کے ساتھ یہ بشارت بھی ہے کہ یہ تم جہالت سے برے کام کررہے ہو۔ اگر توبہ کرو اور اصلاح کرو تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ گناہ بخش دے گا بلکہ تم پر رحم بھی کرے گا +

ع ١٦ / ٢٢ — ابراہیم کی مثال اور مومنوں کو نصیحت

١٢٠ ١٢١ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ

بیشک ابراہیم ایک امام اللہ کا فرمانبردار راست رو تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا ۱۷۹۶ اسکی نعمتوں کا شکر کرنیوالا

١٢٢ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ

اس نے اسے چن لیا اور اسے سیدھے رستہ کیطرف ہدایت کی اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی اور وہ

١٢٣ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

آخرت میں یقیناً نیکوں میں سے ہونگے پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم راست رو کے مذہب پر

١٢٤ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا

چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا ۱۷۹۷ سبت (کا وبال) صرف ان لوگوں پر ڈالا گیا جنھوں نے اس میں

فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

اختلاف کیا اور تیرا رب قیامت کے دن ضرور ان میں ان باتوں کا فیصلہ کریگا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ۱۷۹۸

امة — **۱۷۹۶** امة۔ اُمّۃ جماعت کو کہتے ہیں۔ اور امام راغب نے یہاں معنی کئے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں ایک جماعت کے قایم مقام تھے (غ) لیکن اس کے اور معنی بھی آئے ہیں چنانچہ ہر شخص کو جو دین حق پر ہو کر سب ادیان کا مخالف ہو۔ اُمۃ کہا جاتا ہے۔ اور ایسا ہی وہ شخص جو اپنی نظیر نہیں رکھتا اور ابو عبیدہ نے اس کے معنی امام کئے ہیں اور معلّم خیر بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں (ل)

حضرت ابراہیم اپنی نیکی کی وجہ دنیا کے پیشرو بنے — حضرت ابراہیم کا ذکر اس آخری رکوع میں دو وجہ سے کیا۔ ایک کفار کو توجہ دلانے کیلئے کہ حضرت ابراہیم جن کی وہ پیروی کا دعوے کرتے ہیں مشرک نہ تھے دوسرے مسلمانوں کو بتانے کیلئے کہ وہ اس شخص کا طریق اختیار کریں جو دنیا میں راستبازوں کا سردار ہوا۔ اور پھر اپنے زمانہ میں بےنظیر انسان تھا جس نے حق کی پیروی میں کسی کی پرواہ نہیں کی۔ اور ابراہیم کو اُمت کہنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نیکی کے معلّم دنیا میں ہمیشہ سردار بن جاتے ہیں پس اگر مسلمان بھی دنیا میں نیکی کے معلّم بنیں تو وہ بھی دنیا کے پیشوا بنا دیئے جائینگے۔ چنانچہ وان عاقبتم (۱۲۶) میں اور ان اللہ مع الذین اتقوا (۱۲۸) میں مسلمانوں کی آیندہ شوکت کیطرف صاف اشارہ ہے +

ملت ابراہیمی پر چلنے کا ارشاد — **۱۷۹۷** یعنی وہی کام کرو جو ابراہیم نے کیا مطلب یہ ہے کہ تم بھی شرک کی بیخکنی کرو جس طرح حضرت ابراہیم نے کی کیونکہ ملت ابراہیمی کا اصل الاصول تو یہی بیان کیا کہ وہ مشرکوں میں سے نہ تھا شرک سے دنیا کو صاف کرنا حضرت ابراہیم کا بھی مقصد تھا یہی مقصد محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت کا تھا۔ نیز دیکھو ۱۷۴ و ۹۸۰ +

سَبْت — **۱۷۹۸** السبت۔ سَبْت کے اصل معنی قطع عمل ہیں دیکھو ۹۲۲ اور یہاں راغب نے مراد لیا ہے تَرْكُ العملِ فیہ یعنی اس دن کام کا ترک کرنا اور سَبْت کے معنی مدت زمانہ بھی ہیں تھوڑی ہو یا بہت +

یہودیوں اور عیسائیوں کا سبت — اس آیت کے ماتحت مفسرین نے بخاری اور مسلم کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ بخاری کے لفظ یہ ہیں نحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ بید انہم اوتوا الکتاب من قبلنا ثم ھذا یومھم الذی فرض اللہ علیھم فاختلفوا فیہ فھدانا اللہ لہ فالناس لنا فیہ تبع الیھود غدا والنصاری بعد غد۔ ہم پیچھے آنیوالے قیامت کے دن سب سے پہلے ہونگے سوائے اسکے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب

۱۲۵ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ

اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلاؤ اور ان کے ساتھ اس طریق بحث کرو جو نہایت عمدہ ہو تیرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اسکے رستہ سے گمراہ ہوا اور وہ سیدھی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے[۱۷۹۹]

دی گئی پھر یہ ان کا دن تھا جو اللہ نے ان پر فرض کیا مگر انہوں نے اس میں اختلاف کیا پس اللہ نے ہمیں اس کی طرف ہدایت دی ہمو لوگ ہمارے پیرو ہیں یہود کل اور عیسائی کل کے بعد۔ اور مسلم میں کچھ لفظوں کا اختلاف ہے اور اس کے ابتدائی الفاظ یوں ہیں اضل اللہ عن الجمعۃ من قبلنا فکان للیہود یوم السبت وکان للنصارى یوم الاحد فجاء اللہ بنا فہدانا اللہ لیوم الجمعۃ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ہم سے پہلے تھے جمعہ سے محروم رکھا سو یہودیوں کیلئے ہفتہ کا دن تھا اور عیسائیوں کے لئے اتوار کا پھر اللہ ہمیں لایا اور ہمیں جمعہ کے دن کیلئے رہنمائی فرمائی مفسرین نے آیت اور ان احادیث کا مطلب یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کیلئے جمعہ کا دن ہی عبادت کا دن قرار دیا تھا مگر انہوں نے خود ہفتہ اور اتوار کا دن اختیار کیا۔ اب آیت میں تو یہ ذکر قطعاً نہیں اور بخاری کی حدیث کا اگر یہ مطلب لیا بھی جائے جہاں دن کا نام بھی نہیں تو مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہی یوم جمعہ سے ان لوگوں کو محروم رکھا اور ہفتہ اور اتوار کا دن ان کے لئے مقرر کیا۔ اور یہودیوں نے باہم تو کوئی اختلاف سبت کے بارہ میں نہیں کیا نہ عیسائیوں نے بلکہ ان کے سبت متفقہ طور پر ہفتہ اور اتوار ہی رہے اور اتنے بڑے تعامل قومی میں اس قدر اختلاف کا ہونا بھی مشکل ہے۔ پھر یہود کے اندر نبی پر نبی آتے رہے اگر کسی وقت انہوں نے اس کو بدل دیا تھا تو اس کی اصلاح انبیاء کر دیتے اور بخاری کی حدیث کا مطلب کچھ اور ہونا چاہئے۔ ممکن ہے یہی مراد ہو کہ اس امر یعنی نبی کریم صلعم پر پہلے عرب لوگ ایمان لائے بعد میں یہود و نصاریٰ لائیں گے۔ اور آیت کا مطلب سبت کے معنی عبادت کا دن لیکر یوں بھی ہو سکتے ہیں جُعِل وبال ترک تعظیم السبت یعنی سبت کی تعظیم کو ترک کرنے کا وبال ان لوگوں پر آیا جنہوں نے سبت میں اختلاف کیا یعنی سبت کی تعظیم کو قائم نہ رکھا۔ اور یہ معنی بعض مفسرین نے کئے ہیں اور یا سبت کے اصل معنی قطع عمل لے کر یہ مراد ہوگی کہ جن لوگوں نے قرآن شریف کے متعلق اختلاف کیا یا اسے نہ مانا ان کے عمل قطع ہو گئے کیونکہ قرآن کریم اعمال صالحہ کی طرف توجہ دلاتا ہے اور بلحاظ سیاق یہ معنی سب سے زیادہ موزون ہیں ❊

سبت میں اختلاف سے مراد

دعوت الی الحق کی طرز

۱۷۹۹ چونکہ اس سورت میں وحی الٰہی کی صداقت کا مسئلہ ہر قسم کی دلائل سے قائم کیا ہے اس لئے اسکے خاتمہ پر وحی کی اصل غرض دعوت الی الحق کا ذکر کیا اور اس کا طریق بتایا حکمت مضبوط بات یا فہم ہے یا مضبوط دلیل اور وعظ تنبیہ کیلئے ہے۔ دعوت الی الحق میں یہی دو چیزیں ضروری ہیں۔ نہ دلائل محکمہ کے بغیر دعوت کا کام ہو سکتا ہے نہ وعظ کے بغیر۔ اس کے بعد جدال کا ذکر ہے یعنی بحث کا اس لئے کہ دعوت میں بحث کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ پس اگر بحث کی ضرورت پیش آئے تو عمدہ طریق پر بحث کی جائے جس سے دلوں میں تنفر اور باطل پر اصرار پیدا نہ ہو بلکہ حق بات کے فہم میں مدد ملے ❊

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ ۱۲۶

اور اگر تم (انہیں) سزا دو تو اس کی مثل سزا دو جو تمہیں تکلیف دی گئی اور اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لئے

لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ ۱۲۷

بہت اچھا ہے اور صبر کر اور تیرا صبر اللہ کی مدد سے ہی ہے اور ان پر افسوس نہ کر اور اسکی وجہ سے تنگی محسوس نہ کر جو وہ

مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ ۱۲۸

تدبیریں کرتے ہیں بیشک اللہ انکے ساتھ ہے جو تقوٰی اختیار کرتے ہیں اور وہ جو احسان کرنیوالے ہیں عـــــ۱۸۰۰

عقاب

عـــــ۱۸۰۰ عقاب فعل بد کے پیچھے اس کی سزا لانا ہے اور مطلق سزا یا دکھ پہنچانے کے معنی میں بھی آتا ہے

دعوت الی الحق میں صبر کی ضرورت اور غلبہ کی پیشگوئی +

پس مراد یہ ہے کہ تمہیں جو دکھ اور تکلیفیں دی جاتی ہیں۔ ان کی سزا دینے کا موقعہ ملے تو اس سے زیادہ سزا نہ دو جس قدر تکلیف تمہیں پہنچائی گئی ہے بلکہ بہتر یہی ہے کہ تم صبر سے ہی کام لو اور بدلہ نہ لو۔ دعوت الی الحق میں اس کا ذکر اس لئے کیا کہ دعوت الی الحق کرنے والے لوگوں کو تکلیفیں بھی اٹھانی پڑتی ہیں اگر وہ دنیا کے لوگوں کی طرح غلبہ کے وقت انتقام لیں تو دل ان سے متنفر ہو جائیں اس لئے فرمایا کہ تمہارا کام یہی ہے کہ دکھ برداشت کرو اور کام کرتے جاؤ ہاں اگر کبھی ضرورت سزا دینے کی ہو تو اسی قدر سزا ہو جس قدر تکلیف تمہیں پہنچائی گئی تھی۔ سزا دینے کا ذکر کر کے صاف بتا دیا کہ تمہیں دنیا میں اس قدر غلبہ دیا جائے گا کہ تم اپنے مخالفین کو سزا دینے پر قادر ہو گے۔ اس آیت کا تعلق نہ سمجھنے کی وجہ سے اسے مدنی بھی کہدیا گیا ہے مگر اعتراض تو پھر بھی باقی رہے گا کہ اسے یہاں کیوں رکھا اور حق یہی ہے کہ یہ مکی ہے اگلی آیت میں پھر صبر کی تاکید کی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہی اصل چیز ہے جس پر تعلیم قرآنی زور دیتی ہے دشمنوں کی ایذا پر صبر کے بغیر دعوت الی الحق کا کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا اور سب سے آخری آیت میں یہ عظیم الشان خوشخبری تسلی کے طور پر دی کہ اللہ تقوٰی اختیار کرنے والوں اور احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے +

سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّاَحَدَ عَشَرَ اٰیَۃً وَّاثْنَا عَشَرَ رُکُوْعًا

نام

اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے اور اسرا بھی اس کا نام آیا ہے اور اس میں بارہ رکوع اور ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔ بنی اسرائیل کے ذکر سے ہی یہ سورت شروع ہوتی ہے اور انہی کے ذکر پہ ختم ہوتی ہے اور اس کی پہلی ہی آیت میں یہ اشارہ کر دیا گیا ہے کہ وہ سب برکات جو بنی اسرائیل کو دی گئیں ان کا وارث بھی اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جاتا ہے اور سورت کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں پندرہ آیتوں میں توریت کی ساری تعلیم سے بڑھ کر مکمل اور بلند تر اخلاق کی تعلیم اکٹھی کر دی گئی ہے اور سورت کے آخری رکوع میں پھر شریعت موسوی کا ذکر کیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاص طور پر بنی اسرائیل یعنی یہود کو خطاب ہے۔ اس لحاظ سے اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے۔ اور اس کے نام اسرا میں اشارہ کمالات محمدیہ کی طرف ہے جن پر آپ کا معراج جس کا ذکر سورت کی ابتدا اور پھر درمیان میں موجود ہے دلالت کرتا ہے۔

خلاصہ مضمون

سورت کی ابتدا نبی کریم صلعم کے معراج سے کی ہے مگر معراج کا ذکر ایسے رنگ میں کیا ہے جس میں مسجد اقصیٰ کا ذکر لا کر بتا دیا ہے کہ وہ برکات جو مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس سے تعلق رکھتی تھیں اور جنکے ساتھ بنی اسرائیل کو مخصوص کیا گیا تھا ان کا وارث اب نبی کریم صلعم اور آپ کی اُمت کو کیا جاتا ہے اور معراج نبوی میں گویا عروج اسلام کا ذکر کر کے مضمون کا انتقال فوراً بنی اسرائیل کے دو دفعہ فساد عظیم کرنے اور ان پر دو مرتبہ سزا آنے کا ذکر پہلے رکوع میں کیا ہے۔ اور اس میں اگر ایک طرف بنی اسرائیل کو سمجھانا مقصود ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی تنبیہ کرنا مقصود ہے اس لئے رکوع کے آخر میں قرآن کا ذکر کر کے بتایا کہ یہ پاک کتاب نہیں نہایت ہی مضبوط راہ پر چلاتی ہے۔ دوسرے رکوع میں بتایا کہ اعلیٰ اغراض زندگی کو چھوڑنے اور صرف دنیا پر گر جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی قوموں پر بربادی اور تباہی آ جاتی ہے اور اسی ضمن میں بتایا کہ انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے اور یہ نتائج یہاں انسان کی نظر سے مخفی رہتے ہیں اور قیامت میں یہ کھل کر سامنے آ جاتے ہیں ہاں دنیا میں بھی جب کوئی قوم حد سے تجاوز کرتی ہے تو یہ نتائج کھلا رنگ اختیار کر کے سامنے آ جاتے ہیں تیسرے اور چوتھے رکوع میں اخلاق فاضلہ کی تعلیم دی ہے اور یوں بتایا ہے کہ یہی اعلےٰ اغراض زندگی ہیں جن کی طرف انسان کو متوجہ ہونا چاہیئے اور اسی تعلیم میں توریت کی بھی ساری تعلیم آ گئی ہے۔ اور نہایت عجیب تقسیم کر کے تیسرے رکوع میں دوسروں سے نیکی کی تعلیم ہے اور چوتھے میں دوسروں سے بدی کرنے سے روکا ہے۔ پانچویں رکوع میں توحید کے مضمون کی طرف رجوع کر کے جس سے اخلاق فاضلہ کا مضمون شروع کیا تھا ایمان بالآخرۃ کی طرف توجہ دلائی ہے کیونکہ بغیر اس کے اخلاق فاضلہ حاصل نہیں ہو سکتے کہ اعمال کی جزا و سزا پر پورا پورا یقین ہو۔ چھٹے رکوع میں اسی قانون جزا و سزا کے ذکر کو جاری رکھتے ہوئے عذاب الٰہی کے آنے کا قانون بیان کیا اور ساتویں میں مخالفین نبی کریم صلعم پر عذاب کا ذکر کیا آٹھویں میں ان کوششوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلعم کے خلاف کی جاتی تھیں دکھوں اور تکلیفوں کے بعد آپ کو بادشاہت اور دولت کا لالچ دینا اور بالآخر آپ کے قتل کا منصوبہ اور نویں میں حق کی کامیابی کی عظیم الشان بشارت دی۔ اور بتایا کہ باطل یعنی بت پرستی اس ملک عرب سے ایسی دور ہو گی کہ پھر دوبارہ نہ آئے گی اور ضمناً سمجھا دیا کہ دنیا میں روز بروز توحید کا غلبہ ہوتا چلا جائیگا دسویں میں قرآن کریم کے اعجاز عظیم کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ ظاہر پرست مخالفین ظاہری کامیابی اور مال و دولت کو ہی معیار صداقت ٹھہرانے میں غلطی پر ہیں گیارھویں میں انکار رسول اور اس کی سزا کا ذکر کر کے بارھویں میں پھر شریعت موسوی اور اس کی صداقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے شریعت محمدیہ اور اس کی حقانیت کا ذکر کیا اور آخر میں سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری نبی یعنی مسیح کے متعلق جو غلط فہمی عقیدۂ ابنیت مسیح سے پیدا ہوئی۔ اس کی طرف توجہ دلا کر مضمون کا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۱

وہ ذات پاک ہو جو ایک رات اپنے بندے کو پاک مسجد سے

(رکوع ۱ – عروج اسلام اور بنی اسرائیل کی حالت سے تنبیہ)

انتقال عیسائیت کی طرف کیا جس کا ذکر اگلی سورت میں ہو +

تعلق — خلاصہ مضمون سے ظاہر ہو کہ اس سورت کا مضمون پچھلی سورتوں سے الگ رنگ کا ہو کیونکہ یہاں بالخصوص خطاب بنی اسرائیل کو ہو۔ لیکن با ایں ہمہ پچھلی سورت کے ساتھ اس کا تعلق نہایت واضح ہو۔ اول تو اس طرح پر کہ پچھلی سورت کا خاتمہ اس بات پر کیا تھا کہ مسلمان ایک بڑی قوم بنینگے تو اس سورت کی ابتدا نبی کریم صلعم کے معراج سے کرکے اسی عروج اسلام کی طرف توجہ دلائی۔ اور دوسرے اس طرح پر کہ سورت نحل کے آخر پر فرمایا تھا کہ اہل کتاب کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ حق کی طرف بلاؤ تو اب یہاں اہل کتاب کے پہلے گروہ یعنی یہود کو خطاب کیا ہو اور بتایا ہو کہ کس طرح ان کا دنیا پر جھک جانا ان کی تباہی کا موجب ہوا اس لئے اب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور حق کو قبول کریں اور اسی طرح سورۂ کہف میں عیسائیوں کو خطاب کیا ہو +

زمانۂ نزول — اس سورت کے زمانۂ نزول کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ سے صحیح روایت ہو کہ پہلے زمانہ کی نازل شدہ ہو چنانچہ بنی اسرائیل۔ الکہف۔ مریم۔ طٰہٰ۔ الانبیاء کے متعلق آپ نے فرمایا اِنَّهُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْاُوَلِ وَهُنَّ مِنْ تِلَادِيْ یعنی یہ وہ سورتیں ہیں جو ابتدا میں مکہ میں نازل ہوئیں اور یہ ان میں سے ہیں جو انہوں نے پہلے پہلے قرآن کریم سے سیکھا پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ابتدائی زمانہ مکہ کی سورتیں ہیں اور اس کی تائید دو اور باتوں سے ہوتی ہو۔ اول یہ کہ اس سورت میں یقیناً معراج کا ذکر ہو اور سورت النجم میں بھی یہ ذکر ہے اور سورت النجم بالاتفاق ابتدائی زمانہ کی ہو اس لئے یہ سورت جس میں معراج کا ذکر ہو اسی زمانہ کی ہونی چاہیئے اور دوسرے یہ کہ سورت مریم جسے اس سورت کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک ہی زمانہ کی قرار دیا ہو وہ حصہ قرآن کریم کا ہو جسے حبش کی پہلی ہجرت کے وقت حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کے سامنے پڑھا اور وہ پانچواں سال ہجرت کا تھا اور ایسا ہی حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے وقت سورت طٰہٰ نازل شدہ تھی اور اسی سے حضرت عمرؓ پر بھی اثر ہوا تھا۔ پس اگر ہم مکی زمانہ کی تقسیم یوں کریں کہ ابتدائی زمانہ پہلے سے پانچویں سال بعثت تک اور درمیانی زمانہ چھٹے سے دسویں سال بعثت تک اور آخری زمانہ ہجرت تک قرار دیں تو یہ بلا شبہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سورت کے نزول کی ابتدا ابتدائی مکی زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض آیات کا نزول پیچھے ہوا ہو اور یہ جو بعض لوگوں نے دو یا چار یا پانچ یا آٹھ آیتوں کو مدنی کہا ہے تو یہ درست نہیں۔ مثلاً آیت وان کادوا لیفتنونک (۷۳) وان کادوا لیستفزونک (۷۶) قریباً قریباً چھٹے سال بعثت کے واقعات میں سے ہیں اور انہیں مدنی کہنا غلطی ہو اور آیت وقل رب ادخلنی مدخل صدق بطور پیشگوئی کے ہو یا ممکن ہو ہجرت کے بالکل قریب کی ہو۔ لیکن مدنی یہ نہیں +

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

دور کی مسجد کیطرف لے گیا جس کے اردگرد ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے [١٨٠١]

المسجد الاقصیٰ

١٨٠١ المسجد الاقصا۔ اَقصٰی قَصِیٌّ بمعنی بُعد یعنی دوری سے ہے دیکھو ١٢٣٣ اور المسجد الاقصیٰ کے لفظی معنی ہوئے دور کی مسجد۔ اور مسجد اقصٰی بیت المقدس کو کہا ہے بوجہ اس فاصلہ کے جو نبی کریم صلعم کی جائے قیام یعنی حجاز اور بیت المقدس میں تھا (غ) اور بعض نے بُعد سے پلیدیوں اور ناپاکیوں سے دور ہونا مراد لیا ہے (ر) اور ہر دو معنی کے لحاظ سے مسجد نبوی کو جو مدینہ میں ہے مسجد اقصٰی کہا جا سکتا ہے مگر احادیث میں مسجد اقصٰی کا لفظ بیت المقدس پر ہی بولا گیا ہے۔

بارک۔ برکۃ

بٰرکنا۔ بارک کے معنی اسے برکت دی اور برکۃ کسی چیز میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلائی کا رکھا جانا ہے کیونکہ بِرکۃ حوض کو کہتے ہیں جس میں پانی ٹھہرتا ہے گویا اس چیز میں الٰہی خیر اسی طرح ٹھہر گئی جس طرح پانی حوض میں ٹھہر جاتا ہے (غ) اور یہاں بارکنا سے مراد دینی اور دنیوی بھلائیوں کا جمع کر دینا ہے۔ کیونکہ وہ سرزمین بوجہ اپنی انہار و اشجار کے دنیوی طور پر بھی بھلائیوں کی جگہ ہے جس طرح بوجہ انبیاء کا مقام ہونے کے دینی طور پر بھلائیوں کی جگہ ہے۔

حول

حول۔ اصل معنی کسی چیز کا تغیر ہیں دیکھو ٢٦٢ اور سال کو کہتے ہیں اسلئے کہ اس میں ایک دورہ بلحاظ نظام شمسی پورا ہوتا ہے حولین کاملین (البقرۃ ٢- ٢٣٣) اور کسی چیز کے اردگرد کو بھی حول کہا جاتا ہے گویا یہ اس کی وہ جانب ہے جس کی طرف اسے پھیرا جا سکتا ہے (غ) اور یہاں یہی مراد ہے۔

آیت اسرا اور احادیث معراج

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے نبی کریم صلعم کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصٰی کو لے جانے کا ذکر ہے۔ اور مفسرین نے اس سے مراد معراج لیا ہے۔ کیونکہ حدیث معراج میں نبی کریم صلعم کو پہلے بیت المقدس میں لے جانے کا ذکر ہے۔ احادیث اس بارہ میں بہت ہیں۔ اور ان میں سے صحیح بھی ہیں حسن بھی اور ضعیف بھی۔ اور ان میں بہت سے اختلافات بھی ہیں یہانتک کہ انہی اختلافات کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ معراج کئی بار ہوا ہے ایک بار نہیں۔ مگر کثیر صحابہ سے اس روایت کا پایا جانا اور سب میں ایک ہی معراج کا ذکر پایا جانا صاف بتاتا ہے کہ واقعہ تو صحیح ہے اور ہے بھی ایک لیکن بوجہ نوعیت قصہ کے اس میں راویوں سے بہت اختلاف ہو گیا ہے۔

معراج کے متعلق اُمت میں دو گروہ

خلاصہ احادیث معراج کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بیت المقدس میں تشریف لے گئے اور پھر سب آسمانوں کی سیر آپ کو کرائی گئی۔ یہانتک کہ آپ ان تمام مقامات سے اوپر نکل گئے جہانتک دوسرے انبیاء علیہم السلام پہنچے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نمازوں کا فرض ہونا بھی واقعہ معراج سے ہی متعلق ہے۔ اس بارہ میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ آیا معراج جسد عنصری کے ساتھ تھا یا نہیں۔ اور اس بارہ میں اُمت میں دو گروہ ہوئے ہیں کثیر گروہ اسے جسم عنصری کے ساتھ مانتا ہے اور قلیل گروہ جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور معاویہؓ اور حسنؓ ہیں اسے رویا مانتا ہے۔ ابن کثیر نے اس پر بحث کرتے ہوئے ابن اسحاق کے الفاظ نقل کئے ہیں واللہ اعلم ای ذالک کان قد جاءہ وعاین من اللہ فیہ ما عاین علی ای حالہ کان نائما او یقظانا کل ذٰلک حق وصدق یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ معراج جسم عنصری سے تھا یا بغیر اس کے ہاں آپ اللہ تعالیٰ کے حضور گئے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دیکھنا تھا دیکھا خواہ کسی حالت میں ہوں یعنی سوتے یا جاگتے یہ سب حق و صدق ہے اور یہی بات اقرب الی الصواب ہے مگر آج اس بات پر تعجب ہے کہ صرف اس بات کے کہنے کی وجہ سے کہ معراج روحانی تھا تکفیر تک نوبت پہنچائی جاتی ہے۔

معراج کے جسد عنصری کے ساتھ ہونیکی دلائل

جن لوگوں نے معراج کو جسمانی مانا ہے ان کی دلائل حسب ذیل ہیں اول یہ کہ اسے ایک عظیم الشان واقعہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہانتک کہ اس کی ابتدا سبحان الذی سے ہوتی ہے دوم یہ کہ اگر جسمانی نہ ہوتا تو کفار قریش تکذیب کیوں کرتے۔

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ

۲

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی

سوم یہ کہ بعض مسلمان اس بات کو سن کر مرتد بھی ہو گئے تھے چہارم یہ کہ لفظ عبد مجموعہ جسم و روح سے عبارت ہے +

ان میں سے پہلی بات تو چنداں قابل توجہ نہیں معراج روحانی بھی ہو تو اس کی عظمت کم نہیں ہو جاتی عظمت تو اس لحاظ سے ہے کہ آنحضرت صلعم کو تمام انبیاء سے بلند تر مقام پر پہنچایا گیا دوسری بات کہ کفار تکذیب نہ کرتے یہ بھی کوئی مضبوط دلیل نہیں اس لئے کہ کفار تو آنحضرت صلعم پر وحی آنے کی بھی تکذیب کرتے تھے۔ اور حضرت ابوبکر کا جواب بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب آپ کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا انی اصدقہ علی ابعد من ذلک اصدقہ علی خبر السماء غدوۃ او روحۃ یعنی تو اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس بات پر آپکی تصدیق کرتا ہوں میں تو آپکو اس میں بھی سچا مانتا ہوں کہ صبح شام آپ پر آسمان کی خبر آتی ہے تیسری بات کہ بعض مسلمان مرتد ہو گئے تھے صحیح معلوم نہیں ہوتی کوئی خاص نام کسی حدیث میں میری نظر سے نہیں گزرا کہ معراج کے واقعہ پر وہ مرتد ہو گیا ہو صرف یہی عام الفاظ بعض روایات میں ہیں کہ بعض لوگ مرتد ہو گئے تھے مگر ابوسفیان والی حدیث اسکی تردید کرتی ہے جہاں قیصر کے اس سوال کے جواب میں کہ کوئی مسلمان مرتد ہوتا ہے ابوسفیان نے یہ جواب دیا حالانکہ وہ اس وقت مسلمان بھی نہ تھا کہ دین سے ناراض ہو کر کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ اور چوتھی بات بہت ہی کمزور ہے کیونکہ رویا میں جو کچھ انسان دیکھتا ہے وہ گو اس جسد عنصری سے نہ ہو مگر روح کو ایک اور جسم مل جاتا ہے اور حالت کشفی میں بھی جو رویا سے زیادہ صفائی کی حالت ہے۔ ایک اور نورانی جسم عطا ہوتا ہے جسکے ساتھ انسان کسی دوسرے عالم کی اشیاء کو دیکھتا ہے۔ حضرت ابراہیم کہتے ہیں انی اری فی المنام یہ دیکھنے والا بھی تو روح مع الجسد ہی ہے مگر وہ جسم جو رویا اور کشف میں ملتا ہے یہ جسم عنصری نہیں ہوتا یہ جہاں ہے وہیں رہتا ہے اور انسان کہیں کا کہیں ہو آتا ہے لوگ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے رویا کو بھی اپنے خوابوں کی طرح سمجھتے ہیں اس لئے خیال کرتے ہیں کہ رویا کے نیچے حقیقت ہی کیا ہے +

سیر غیر عنصری ہونیکی دلائل

غور کیا جائے تو خود قرآن شریف سے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مذہب وہی ہے جس کی طرف قلت گئی ہے یعنی یہ کہ معراج نبوی اس جسد عنصری سے نہیں بلکہ دوسرے نورانی جسم کے ساتھ تھا جو اللہ تعالیٰ حالت کشف میں اپنے برگزیدوں کو عالم روحانی کی سیر کے لئے عطا فرماتا ہے قرآن کریم میں پہلی دلیل تو خود یہ موجود ہے کہ اسی سورت میں معراج کا ذکر کرکے فرمایا وما جعلنا الرءیا التی ارینٰک (۶۰) جہاں صاف الفاظ میں اسے رویا کہا ہے اور رویا کا لفظ عالم خواب سے مخصوص ہے جس میں جسد عنصری حرکت نہیں کرتا۔ والرویا ما یریٰ فی المنام (غ) رؤیا وہ ہے جو خواب میں دیکھا جاتا ہے دوم جب کفار نے جسد عنصری کے ساتھ اوپر جانے کا مطالبہ کیا او ترقیٰ فی السماء (۹۳) تو اس کا جواب دیا قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا گویا یہ تقاضائے بشریت کے خلاف ہے کہ انسان اس جسد عنصری کے ساتھ اس زمین کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر چلا جائے جیسا کہ دوسری جگہ ہے الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا (المرسلٰت ۲۵ و ۲۶) سوم حدیث بخاری میں صاف یہ لفظ ہیں۔ فیما یریٰ قلبہ وتنام عینہ ولا ینام قلبہ یعنی اس حالت میں معراج ہوا جب آپکا قلب دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوتی تھی مگر دل نہیں سوتا تھا۔ اور اسی حدیث کے آخر میں یہ لفظ ہیں واستیقظ وھو فی المسجد الحرام پھر آپ جاگ اٹھے اور آپ مسجد حرام میں تھے جس سے صاف ثابت ہوا کہ یہ سب کچھ آپ پر حالت خواب میں وارد ہوا۔ اور دوسری روایت میں جو وہ بھی بخاری کی ہے معراج کی حالت کو بین النائم والیقظان یعنی سونے اور جاگنے کے درمیان یا حالت مکاشفہ قرار دیا ہے اور مطلب دونوں کا ایک ہی ہے چہارم جو کچھ آنحضرت صلعم نے معراج میں دیکھا اس کا اسی زمین پر حالت کشف یا رویا میں دیکھنا ثابت

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور اسے بنی اسرائیل کیلئے ہدایت ٹھہرایا

ہوا اول بیت المقدس - حدیث میں ہو کہ جب کفار نے آپ کی بات کو نہ مانا اور بیت المقدس کے حالات دریافت کئے تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپکے سامنے کردیا یعنی کشفی حالت میں اور آپنے انکو سب کچھ بتا دیا قمت فی الحجر فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن اٰیاتہ وانا انظر الیہ میں حجر میں کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے کردیا تو میں انہیں اس کی نشانیوں سے خبر دینے لگا اور اس حالت میں کہ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا - دوسرا جنت و نار - حدیث کسوف میں ہو کہ آپنے فرمایا کہ مجھے اس جگہ سب کچھ دکھا دیا گیا یہانتک کہ بہشت اور دوزخ بھی اور یہ اس وقت کا ذکر ہو جب آپ نماز کسوف پڑھا رہے تھے - چنانچہ بخاری ابواب الکسوف میں حدیث اسماء بنت ابی بکر میں یہ لفظ ہیں قال ما من شیئ کنت لم اَرَہُ الا وقد رأیتہٗ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار یعنی کوئی چیز نہیں جسے میں نے نہیں دیکھا تھا مگر وہ مجھے اس مقام پر یعنی نماز پڑھتے پڑھتے دکھا دی گئی یہانتک کہ بہشت اور دوزخ بھی دکھا دیئے گئے تیسرا اللہ تعالیٰ جس طرح معراج میں دنا فتدلی کا نظارہ ہوا اسی طرح احمد اور ترمذی کی روایت میں ہو جسے حدیث صحیح کہا گیا ہو جو معاذ سے روایت ہو کہ آپنے فرمایا میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا اور یہ اسی زمین کا ذکر ہو انی قمت من اللیل فصلیت .... فاذا انا بربی فی احسن صورۃ .... فرایت وضع کفہ بین کتفی حتی وجدت بردانا ملہ بین صدری یعنی میں رات کے وقت اٹھا اور نماز پڑھی .... تب ناگہاں میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا ....
تب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا - یہانتک کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی تو جب اللہ تعالیٰ کو جنت و نار کو بیت المقدس کو مکہ یا مدینہ میں دیکھ لیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ نظارے اسی زمین پر دکھا دیا کرتا ہو - اور ان کیلئے نقل مکانی کی ضرورت نہیں ہوتی - ہاں اللہ تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہو کہ وہ ایک انسان کو اٹھا کر لیجائے یہانتک کہ جنت دکھا دے اور یہ بھی کہ جنت کو اٹھا کر لائے یہانتک کہ ایک انسان کو دکھا دے دونوں صورتوں میں قدرت میں کوئی فرق نہیں - اور نہ اس سے قدرت میں کچھ فرق آتا ہو کہ ایک چیز اپنی جگہ پر بھی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا نمثل دوسری جگہ بھی دکھا دے

معراج کی غرض

یہاں معراج کی ایک غرض بھی بتائی ہو لنریہ من اٰیاتنا یعنی آنحضرت صلعم کا معراج اس غرض کے لئے تھا کہ آپ کو کچھ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھائی جائیں گویا جو باتیں آپکو معراج میں دکھائی گئیں وہ کسی دوسری حقیقت کیلئے بطور نشان بھی تھیں اور در حقیقت معراج میں آنحضرت صلعم کے کمالات غیر متناہی کا نقشہ کھینچا ہو اور یہ بتایا ہو کہ آپ اس بلند ترین مقام پر پہنچے ہوئے ہیں جہاں کوئی دوسرا انسان یا فرشتہ نہیں پہنچا اور یہ بھی ہو سکتا ہو کہ اس اسرا میں اشارہ نبی کریم صلعم کی ہجرت کی طرف ہو خواہ اقصیٰ سے مراد مدینہ کو لے لیا جائے اور اس مسجد کو جو اس میں بننے والی تھی جہاں سے برکات اسلام دنیا میں پھیلنی تھیں اور خواہ مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہو مگر الٰی غایت کیلئے نہ ہو اور حدیث معراج کی بعض روایتوں میں یہ آتا ہو کہ آپنے پہلی منزل پر نماز مدینہ میں پڑھی - اور دوسری منزل پر بیت المقدس میں +

اسرا میں اشارہ

واقعہ اسرا میں یعنی آنحضرت صلعم کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لیجائے جانے میں یہ اشارہ ہو کہ بیت المقدس جو انبیائے بنی اسرائیل کا مقام تھا آنحضرت صلعم کے متبعین کو دے دیا جائیگا کیونکہ یہود یا عیسائیوں میں وہ لوگ نہ رہے تھے جو اس پاک سرزمین کے وارث قرار دیئے جاتے اور بموجب وعدہ خداوندی بھی ضروری تھا کہ ابراہیم کی اولاد کی دوسری شاخ اب اس پاک سرزمین کی مالک ہوتی پس اصل اشارہ اس طرف ہو کہ انبیائے بنی اسرائیل کی برکات کا وارث بھی اب حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو کیا جاتا ہو - اور یہی وجہ ہو کہ معراج میں کل انبیاء کا آپکے اقتدا میں بیت المقدس میں

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ۝ ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا ۳

کہ میرے سوائے کسی کو کارساز نہ سمجھو ۱۸۰۳ (تم) انکی نسل (ہو) جنہیں ہم نے نوح کیساتھ سوار کیا یقیناً وہ شکرگزار

شَكُوْرًا ۝ وَقَضَیْنَاۤ اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ ۴

بندہ تھا ۱۸۰۴ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یقینی خبر دیدی تھی کہ ضرور تم ملک میں فساد کرو گے

مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا ۵

دوبارہ (ایسا ہوگا) اور بڑی سرکشی اختیار کروگے ۱۸۰۴ سو جب دونوں میں سے پہلی (بار) کا وعدہ آپہنچا

نماز پڑھنا دکھایا گیا اور قرآن شریف میں معراج کا ذکر صرف اسی قدر ہے جو یہاں ہوا یعنی بیت المقدس کو لیجانے کا ذکر آسمانوں پر پہنچنے کا ذکر نہیں جس سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں بیت المقدس کے آنحضرت صلعم کو دیا جانے اور انبیائے سابق کی تمام برکات کا وارث کیا جانے کی طرف ہی خاص اشارہ ہے اور اسی کی تائید آیت کے آخری الفاظ سے ہوتی ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات سمیع و بصیر کا خاص ذکر کیا گیا ہے گویا بتایا ہے کہ وہ خدا جو مخلوق کی باتوں کو سنتا اور ان کے اعمال کو دیکھتا ہے اسی کا یہ کام ہے کہ اب ان تمام برکات کا وارث ایک دوسری قوم کو بناتا ہے اور اسی کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ آگے ذکر حضرت موسیٰ کا اور اس کے بعد بنی اسرائیل کے فساد فی الارض کا ہے اور ھو السمیع البصیر میں بعض نے ضمیر آنحضرت صلعم کی طرف لی ہے مگر اس صورت میں مراد صرف اس قدر ہوگی کہ آپ سب سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے والے اور سب سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے ہیں مگر چونکہ السمیع اور البصیر اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں اسلئے ھو کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لینی چاہیئے +

معراج کب ہوا — عام خیال یہ ہے کہ معراج دسویں یا گیارھویں سال بعثت کا واقعہ ہے مگر میرے نزدیک یہ غلط ہے اس سورت کے زمانہ نزول کی بحث میں میں نے دکھایا ہے کہ یہ چوتھے یا پانچویں سال کی سورت ہے اور حضرت ابن مسعود کی شہادت اس پر صریح ہے اور اس میں معراج کا ذکر آنا خود بتاتا ہے کہ معراج اس سے پہلے کا ہے اور اس سے بھی بڑھکر یہ شہادت موجود ہے کہ سورت النجم میں بھی معراج کا ذکر ہے اور وہ اس سے بھی پہلے کی ہے +

تعلیم توحید کی غرض — ۱۸۰۲ اس سورت میں یہود کی حالت کی طرف بالخصوص توجہ دلائی ہے اور یہ سب سے پہلے اور آخری رکوع کے مضمون سے صاف ظاہر ہے جس طرح اس سے اگلی سورت میں عیسائیت کا نقشہ کھینچا ہے۔ اور پہلی آیت میں اسرا کے ذکر میں بھی اسی طرف اشارہ تھا جیسا کہ اوپر کے نوٹ سے ظاہر ہے پس سب سے پہلے بتایا کہ انکی ہدایت کیلئے توریت کو ہم نے بھیجا تھا اور اسکی تعلیم کا اصل الاصول یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے اور کسی پر بھروسہ مت کرو۔ وکیل بمعنی موکول الیہ ہے یعنی جس کے سپرد کام کئے جائیں۔ میرے سوائے کسی کو وکیل

وکیل — نہ بناؤ گویا عملی رنگ میں توحید ہے اور زبان سے اقرار فائدہ نہیں دیتا جبتک عمل میں یہ رنگ پیدا نہ ہو کہ ایک خدا کے سوائے اور کسی پر انسان کا بھروسہ نہ ہو +

۱۸۰۳ ذریۃ پر نصب اختصاص کی وجہ سے ہے یا ندا ہے بنی اسرائیل حضرت نوح کی اولاد میں سے تھے اور انہیں یہ واقعہ یاد دلایا ہے کہ جب بندے شکرگزاری اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ خود ان کے لئے مصائب سے نکلنے کے سامان پیدا کر دیتا ہے +

بنی اسرائیل کا دو بار فساد کرنا اور دو باران پر تباہی آنا — ۱۸۰۴ قضینا کے معنی پر دیکھو ۱۶۹۹ دو مرتبہ بنی اسرائیل کے فساد کرنے کی خبر دی ہے مفسرین میں اختلاف ہے کہ کون کون سے واقعات ہیں مگر قرآن کریم نے خود تصریح فرما دی ہے لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی بن مریم (المائدۃ ۷۸)

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا

ہم نے تم پر اپنے سخت طاقت والے بندے اُٹھا کھڑے کئے پس وہ شہروں کے اندر گھس گئے اور وعدہ پورا ہوکر

۶ مَّفْعُولًا ﴿﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿﴾

رہنا تھا ۱۸۰۵ پھر ہم نے لوٹا کر تمہیں ان پر غلبہ دیا اور بہت مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تمہیں بڑے جتھے والے بنا دیا ۱۸۰۶

پس یہ دو خبریں وہ ہیں جو ایک دفعہ حضرت داؤد کی زبان سے دی گئی اور دوسری دفعہ حضرت عیسیٰ کی زبان سے گو یروشلم پر اور بھی کئی حملے ہوئے اور کم و بیش بربادی وہاں ہوئی مگر یہ تباہی کمال کو دو ہی دفعہ پہنچی ہے اور یہی قوم یہود کی تباہی تھی جیسا کہ لیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ میں صاف بتا دیا پہلی مرتبہ حضرت داؤد سے کوئی چار سو سال بعد یعنی حضرت مسیح سے چھ سو سال پیشتر بابلیوں نے بخت النصر کے ماتحت یروشلم کو فتح کرکے آخر کار ہیکل کو جلا دیا۔ اور دوسری دفعہ حضرت مسیح سے ستر سال بعد طیطوس رومی نے اسے برباد کیا۔ انہی دونوں تباہیوں کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اور انہیں بنی اسرائیل کے فساد اور سرکشی کا ہی نتیجہ بتایا ہے حضرت داؤد اور عیسیٰ کو خاص اس لئے کیا گیا کہ حضرت داؤد کے ذریعہ سے بنی اسرائیل پر جسمانی نعمتیں کمال کو پہنچیں اور حضرت عیسیٰ کے ذریعہ سے روحانی اور دونوں مرتبہ بنی اسرائیل نے سخت ناشکری اور سرکشی اختیار کی اس لئے سخت مواخذہ کے نیچے آئے حضرت عیسیٰ کے الفاظ نقل کرنے کے قابل ہیں "پھر جب تم یروشلم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو تو جان لینا کہ اس کا اُجڑ جانا نزدیک ہے ..... ملک میں بڑی مصیبت اور اس قوم پر غضب ہوگا اور وہ تلوار کا لقمہ ہو جائینگے اور اسیر ہو کر سب قوموں میں پہنچائے جائینگے اور جبتک غیر قوموں کی میعاد پوری نہ ہو یروشلیم غیر قوموں سے پامال ہوتی رہے گی" (لوقا ۲۱ : ۲۰-۲۴) اور متی ۲۳ : ۳۸ اور ۲:۲۴ میں ہیکل کی تباہی کی پیشگوئی صاف الفاظ میں ہے ✣

۱۸۰۵ جاسوا۔ مصدر جَوْس ہے جس کے معنی تردد یعنی بار بار آنا جانا ہیں اور کسی چیز کا پورے طور پر طلب کرنا بھی اسکے معنی ہیں (ل) یعنی وہ لوگ شہروں کے اندر تمہاری تلاش کیلئے گھس گئے تا کہ کوئی باقی نہ رہ جائے ✣ — جَوس

الدیار۔ دار کی جمع ہے جس کے معنی منزل یعنی رہنے کی جگہ بھی ہیں اور شہر پر بھی بولا جاتا ہے اور اسکا اصل دَوْر سے ہے جس کے معنی گھیر لینا ہیں کیونکہ گھر کا بھی دیوار احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے (غ) ✣ — دار۔ دَوْر

اللہ تعالیٰ کا بابلیوں کو جنہوں نے بنی اسرائیل کو تباہ کیا عبادًا لنا کہنا اور ایسا ہی ان کیلئے بعثنا کا لفظ استعمال کرنا (دیکھو ۱۳۱۵) صرف اس لحاظ سے ہے کہ اسی نے ان کو انکی تباہی پر مسلط کیا اور یہ تباہی ان کیلئے سزا کے طور پر تھی جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بابلیوں کو کھڑا کر دیا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی تھی یا وہ اللہ تعالیٰ کے رستباز بندے تھے ✣ — بابلیوں کی بعثت سے مراد

۱۸۰۶ الکرۃ۔ کَرّ کے اصل معنی ہیں کسی چیز پر پھر کر آنا بالذات ہو یا بالفعل (غ)، اسی سے تکرار اور کرر ہیں فلوان لنا کرۃ فنکون من المومنین (الشعراء ۲۶-۱۰۲) میں کرۃ سے مراد ہے دنیا میں دوبارہ آنا۔ اور یہاں کرۃ سے مراد غلبہ ہے کیونکہ ان کی باری ان کے دشمنوں پر ان کا غالب آنا تھا ✣ — کَرّۃ

یہ کرۃ یا غلبہ جس کا یہاں ذکر ہے خورس شاہ ایران کے ذریعہ سے وقوع میں آیا جس نے دوبارہ یہودیوں کو یروشلم میں آباد ہونے اور ہیکل کے بنانے کی اجازت دی اور یہ ۵۳۶ قبل مسیح میں ہوا۔ نفیر کے معنی جتھا ہیں دیکھو ۱۲۹۱ ✣ — خورس

إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ ۷

اگر تم نیکی کرو گے تو اپنی ہی جانوں کیلئے نیکی کرو گے اور اگر تم برائی کرو گے تو انہی کیلئے پھر جب پچھلی (بار) کا وعدہ آیا (وہ بندے آئیں)

لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا

اُٹھا کھڑے کئے) تاکہ وہ تمہارا برا حال کریں اور تاکہ وہ مسجد میں داخل ہوں جس طرح پہلی بار داخل ہوئے اور تاکہ جس چیز پر وہ غالب

وقف لازم

تَتْبِيرًا ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ ۸

آئیں پوری بربادی سے برباد کریں ۱۸۰۷ قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (کام) کرو گے ہم پھر وہی (سزا) دینگے اور ہم نے دوزخ کو

لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ ۹

کافروں کیلئے قیدخانہ بنایا ہے ۱۸۰۸ یقیناً یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو زیادہ مضبوط ہے

۱۸۰۷ لیسوءوا وجوھکم۔ وجہ کیلئے دیکھو ۱۶۷ یہاں منہ بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ مصیبت اور غم کے آثار چہرہ پر ظاہر ہوتے ہیں اور ذات بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ سوء سے یہاں مراد قتل و غارت اور قید کر لینا ہے اور یہ چیزیں انسان کی ذات پر وارد ہوتی ہیں۔ اور لیسوءوا محذوف سے متعلق ہے اور وہ محذوف وہی ہے جس کا ذکر آیت ۵ میں ایسے ہی موقعہ پر ہے یعنی بعثنا علیکم عبادا لنا ✦

اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ کا عام قانون بیان کیا کہ جو قوم نیکی کی طرف قدم اٹھاتی ہے اس میں اس کا اپنا ہی بھلا ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد بنی اسرائیل کی دوسری تباہی کا ذکر کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بار دوم پھر ان کی بدعملی ہی ان پر وہ سزا لائی جس کا ذکر یہاں ہے۔ اور یہاں ہیکل کی تباہی کا ذکر صاف الفاظ میں کرکے اور کما دخلوہ اول مرۃ بڑھا کر بتا دیا کہ دونوں مرتبہ ہیکل یعنی بیت المقدس کو تباہ کیا گیا ✦

مسلمانوں میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا دوہرایا جانا

بنی اسرائیل کے ذکر میں اگر ایک طرف مسلمانوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ایسی ناشکری سے بچیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تاریخ بھی اس میں آجاتی ہے اور حدیث صحیح لتتبعن سنن من قبلکم نے اسی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جو حالات بنی اسرائیل پر گزرے وہ تم پر بھی گزرینگے۔ چنانچہ اسی کے مطابق دو دفعہ مسلمانوں پر بھی تباہی آئی ہاں چونکہ مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے خاص شرف عطا فرمایا ہے اور اس کے لئے یہ وعدہ ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ سے کبھی برباد نہ ہوگا اس لئے اس تباہی سے خانہ کعبہ کو نقصان نہیں پہنچا لیکن خلافت اسلامی دونوں مرتبہ تباہ کی گئی یعنی بار اول جب بغداد و خلافت عباسیہ کے ساتھ تباہ ہوا اور دوسری مرتبہ اب جب یورپ نے سلطنت ٹرکی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے خلافت اسلامیہ کو تباہ کیا۔ مگر جیسے پہلی مرتبہ خلافت کی تباہی شوکت اسلامی میں تبدیلی ہوئی ایسا ہی پھر ہوگا ✦

حصیر

۱۸۰۸ حصیرا۔ حَصَر کے معنی روک لینا ہیں پس حصیر سے مراد روک لینے والا یا قیدخانہ ہے اور اس کے معنی بچھون اور فراش دونوں مروی ہیں (ج) ✦

دونوں عذابوں کا ذکر کرکے پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ذکر میں بعثت رحمۃ للعالمین کا ذکر ہے یعنی اب بھی اگر یہ قوم آنحضرت صلعم کو قبول کرے تو اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرکے انہیں ذلت اور محکومیت کی حالت سے نکال دے گا۔ اور عدتم سے مراد ان کا فساد کی طرف لوٹنا ہے اور عدنا سے اللہ تعالیٰ کا پھر سزا دینا ✦

۱۰ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ

اور ان مومنوں کو خوشخبری دیتا ہے جو اچھے کام کرتے ہیں کہ ان کیلئے بڑا اجر ہے ۱۸۰۹ اور کہ جو لوگ

۱۱ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ع وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ

آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کیلئے دردناک دکھ تیار کر رکھا ہے اور انسان بھلائی کو بلانے کی جگہ برائی کو

۱۲ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ

بلاتا ہے۔ اور انسان جلد باز ہے ۱۸۱۰ اور ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے

ع ۱۲ ۲ — اعلیٰ اغراض زندگی کو چھوڑنے کا نتیجہ عذاب ہے

توریت کے مقابل قرآن کریم کے امتیازات

۱۸۰۹ آیت ۲ میں حضرت موسیٰ کی کتاب کا ذکر کیا تھا کہ اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا۔ اس آیت میں اس کے مقابل پر قرآن شریف کا ذکر کیا ہے۔ اور اس میں دو باتیں قابل توجہ ہیں ایک تو یہدی کا مفعول کسی خاص قوم کو نہیں بنایا جیسے وہاں ھدی لبنی اسرائیل تھا پس یہدی سے مراد ہے کل لوگوں کو راہ دکھاتا ہے اور دوسرے اس راہ کو اقوم کہا ہے یعنی بمقابلہ اس پہلی راہ کے زیادہ مضبوط ہے۔ توریت کی تعلیم بھی مضبوط تھی مگر وہ وقتی تھی اور ایک قوم کے لئے تھی قرآن شریف کی تعلیم ہمیشہ کیلئے ہے اور تمام قوموں کے لئے ہے اور تمام قوائے انسانی کی تکمیل کرتی ہے اس لئے یہ اس سے زیادہ مضبوط ہے اور بہت زیادہ عرصہ تک قائم رہنے والی ہے اور بنی اسرائیل کی دو مصائب کے ذکر کے بعد تعلیم قرآنی کو اقوم کہنے میں یہ بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ گو جس طرح بنی اسرائیل پر مصائب آئیں مسلمانوں پر بھی آئینگی۔ مگر یہ تعلیم چونکہ زیادہ مضبوط ہے اور تا قیامت باقی رہے گی اس لئے مسلمان اس حالت کو نہ پہنچینگے جس حالت کو بنی اسرائیل پہنچے اور عظیم الشان مصیبت کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرمائیگا ٭

عَجَلَۃ

۱۸۱۰ عجول عَجَلَۃ کسی چیز کا اس کے وقت سے پہلے طلب کرنا اور قصد کرنا ہے اور چونکہ یہ اقتضائے شہوت سے ہوتا ہے اس لئے قرآن کریم کی عام اصطلاح میں اس کا استعمال محل ذم پر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اَلْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ یعنی جلد بازی شیطانی فعل ہے (غ)، اور عَاجِلَۃ دنیا کو کہتے ہیں (ل)، اور یہاں عجول کے معنی یا تو یہ ہیں کہ وہ شر اور عذاب کو جلد مانگتا ہے اور یا یہ کہ وہ طلب منفعت اور دفع مضرت میں جلد باز ہے یعنی جس چیز کا نفع جلد ہو اسے فوراً اپنے لئے چاہتا ہے اور انجام امور پر نظر نہیں کرتا کہ کون سی چیز اس کے حقیقی فائدہ کی ہے اور کون حقیقی نقصان کی ٭

عاجلۃ عجل

طلب شر میں انسان کی عجلت سے مراد

یہاں عموماً مراد یہ سمجھی گئی ہے کہ انسان اپنی جلد بازی سے اپنی اولاد یا اپنے دوستوں وغیرہ پر بد دعا کر دیتا ہے مگر سیاق مضمون وسعت معنی کو چاہتا ہے پیچھے قرآن کریم کا ذکر تھا جو انسان کی بھلائی کی راہیں بتاتا ہے اور آگے نتائج اعمال کا ذکر ہے پس یہاں بتایا ہے کہ انسان چونکہ جلد باز ہے اس لئے نفع عاجل یعنی دنیوی نفع کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی حقیقی بھلائی کی راہوں کو ترک کر دیتا ہے یعنی اعمال صالحہ کی پروا نہیں کرتا کیونکہ اس کا نفع دیر سے ملتا ہے اور یوں جہاں اسے بھلائی کا طالب ہونا چاہئے تھا وہ درحقیقت اپنے لئے شر کا طالب ہو جاتا ہے اور جلد آنے والے نفع کی خاطر اپنے حقیقی نفع کو ترک کر دیتا ہے اسی کے مطابق دوسری جگہ حضرت صالح کا قول نقل فرمایا ہے لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَۃِ قَبْلَ الْحَسَنَۃِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (النمل ۲۷-۴۶) اور اہل و اولاد وغیرہ پر بد دعا اس میں آ جاتی ہے کیونکہ اس سے بھی انسان اپنی فوری خواہش انتقام کو پورا کرنا چاہتا ہے اور نہیں سوچتا کہ وہ بات فی الحقیقت اس کے نقصان کا موجب ہے۔ احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے اپنی اولاد وغیرہ پر بد دعا کرنے سے منع کیا بعض لوگ بے سوچے سمجھے بد دعا کے کلمات بول دیتے ہیں اور بعض پیار میں بھی بد دعا کے کلمات منہ سے نکال دیتے ہیں ایسا ہی بعض لوگ بیماری کی

فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ

پھر ہم رات کی نشانی کو مٹا دیتے ہیں اور دن کی نشانی کو روشن بناتے ہیں تاکہ تم اپنے رب کا فضل طلب کرو

وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

اور تاکہ سالوں کی گنتی اور حساب کو جانو اور ہر چیز کو ہم نے پوری تفصیل سے بیان کر دیا ہے ۱۸۱۱

آنحضرت کی رحمت — حالت میں یا شدت درد میں اپنے لئے موت وغیرہ کی دعا کرنے لگ جاتے ہیں یہ سب منع ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اے اللہ میں بھی بشر ہوں بشر کی طرح راضی ہو جاتا ہوں اور بشر کی طرح ناراض ہو جاتا ہوں پس اگر میں کسی مومن کے حق میں بددعا کروں تو اسے اس کیلئے پاکیزگی کا موجب بنا۔ تعلق اس آیت کا پچھلے رکوع سے یوں ہے کہ وہاں بنی اسرائیل پر سزا آنے کا ذکر تھا یہاں بتایا کہ انسان خود ہی نفع عاجل کے پیچھے پڑ کر انجام کار اپنے لئے دکھ لانے کا موجب ہو جاتا ہے ✦

محو۔ الماحی — ۱۸۱۱ محونا۔ محو کے معنی نشان کا دور کر دینا یا مٹا دینا ہیں اور آنحضرت صلعم کے اسمائے مبارکہ میں الماحی ہے جس کے معنی حدیث میں ہی یوں مروی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے کفر کو مٹا دیگا ✦

ابصر — مبصرۃ — مبصرۃ۔ اَبْصَرَ کے معنی ہیں دیکھا اور کفر سے نکل کر بصیرت ایمانی کی طرف آیا فمن ابصر فلنفسہ (الانعام ۶ ع۔۱۰۴) میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں اور مُبْصِرَۃ کے معنی فلما جاءتھم اٰیٰتنا مبصرۃ (النمل ۲۷۔ ۱۳) میں واضحۃ ہیں یعنی صاف صاف اور کھلی کھلی نشانیاں اور اٰتینا ثمود الناقۃ مبصرۃ (بنی اسرائیل ۱۷۔ ۵۹) میں بَیِّنَۃ یعنی واضح معنی کئے گئے ہیں یا مُضِیْئَۃ یعنی روشن کرنے والی (نشانی) اور یہی آخری معنی یہاں ہیں (ل) ✦

رات کی نشانی کے محو کرنے سے مراد — رات اور دن کے اختلاف سے سالوں کی گنتی اور حساب کا معلوم ہونا تو ایک امر ظاہر ہے اور الحساب سے مراد یہاں وہی حساب ہے جو سالوں کے متعلق ہے یعنی مہینوں دنوں وغیرہ کا حساب لیکن یہاں فرمایا کہ ہم نے انہیں دو نشان بنایا ہے اس سے کیا مراد ہے بعض نے کہا ہے کہ مضاف محذوف ہے اور مراد ہے نیّری اللیل والنہار یعنی رات اور دن کے نیر یعنی چاند اور سورج کو نشان بنایا ہے اور پھر محو سے مراد لیا ہے کہ اس کی یعنی چاند کی شعاع نہیں رکھی یا اس کے نور اصلی کو محو کر دیا (د) علمی رنگ میں یہ درست ہے کہ چاند آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو کر اس حالت کو پہنچا ہے۔ اور آثار میں بھی ابن عباس سے ایسا ہی مروی ہے کہ پہلے چاند بھی سورج کی طرح روشن تھا پھر اس کی وہ اصلی روشنی محو ہو گئی (ج) اور ایک روایت میں یہی لفظ نبی کریم صلعم کی طرف منسوب کئے گئے ہیں (د) لیکن ہما ظاہر حقیقت کے یہاں لانے میں کیا اشارہ ہے جہاں پہلی آیت میں بھی اعمال انسانی کی جزا کا ذکر ہے اور اس سے اگلی آیت میں بھی اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ رات کی تاریکی اور ظلمت کو مصائب سے تشبیہ دی جاتی ہے پس جب پہلی آیت میں یہ ذکر کیا کہ انسان اپنی جلد بازی سے اپنے اوپر مصیبت کھینچ لاتا ہے تو اس آیت میں یہ اشارہ کیا کہ مصیبت آخر گزر جاتی ہے اور اس کی جگہ دن کی روشنی لے لیتی ہے۔ اور ایک طرف اگر ہر فرد بشر کے لئے اس میں خوشخبری ہے کہ مصیبت کے وقت گھبرائے نہیں تو بنی اسرائیل کے ذکر کے بعد مسلمان قوم کے لئے بالخصوص خوشخبری ہے کہ اگر وہ خیر قرآنی کو چھوڑ کر اپنے اوپر مصائب لے آئیں۔ تو پھر بھی رات کی ظلمت کو مٹا کر ان پر دن چڑھایا جائیگا اس لئے یہاں لیل کے لئے لفظ محو یا اس کا مٹا دینا اختیار کیا گیا ہے اور دن کیلئے مبصرۃ لا کر بصیرت ایمانی کی طرف اشارہ کیا ہے آخری الفاظ کہ ہر ایک چیز کو ہم نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے کیسی صداقت اپنے اندر رکھتے ہیں ایک ظاہری قانون کو علمی رنگ میں بیان کر دیا اور ساتھ ہی باطنی قانون بھی کھول کر بتا دیا ✦

۱۳ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ

اور ہر انسان کے عملوں کو ہم نے اسکی گردن کا طوق بنا دیا ہوا ہے ہم اس کے لئے قیامت کے دن ایک کتاب نکالینگے جسے وہ

۱۴ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ۭ

کھلا ہوا پائے گا ۱۸۱۲ اپنی کتاب پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کیلئے کافی ہے ۱۸۱۳

طائر

۱۸۱۲ طائر کے لئے دیکھو ۴۳۱ انسان کا وہ اچھا اور برا عمل جو اس سے اڑ جاتا ہے اسے بھی طائر کہا جاتا ہے جیسے یہاں اور طائرکم معکم (یٰسٓ ۳۶ - ۱۹) اور طائرکم عند اللہ (النمل ۲۷ - ۴۷) میں مراد ان کی شومئی اعمال ہے یعنی وہ برا نتیجہ جو انہیں اپنی بداعمالی کی وجہ سے ملا (غ) اور طائر کے معنی عمل حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہیں (ج) ۔

اعمال اور انکے نتائج کا فلسفہ

اس آیت میں اعمال خیر و شر اور ان کے نتائج کا ایک نہایت پرحکمت فلسفہ بیان کیا ہے اول تو عمل کیلئے لفظ طائر استعمال کیا ہے جو گو لغت کے مطابق ہے مگر اس میں اشارہ اس عمل کے اڑ جانے کی طرف ہے یعنی جو کچھ انسان کرتا ہے وہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے پھر اس کا اس پر اختیار کوئی نہیں رہتا لیکن ایک طرف اگر وہ عمل ہاتھ سے نکل گیا تو دوسری طرف اس کا نتیجہ انسان کی گردن میں باندھ دیا جاتا ہے یعنی اس کے گلے کا ہار بنا دیا جاتا ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ عمل کا اڑ جانا اور اس کے نتیجہ کا انسان کے لازم حال ہو جانا یہ دونوں حقیقتیں ہیں جن سے اکثر لوگ بے خبر ہیں وہ عمل کرتے وقت اس قدر لاپروائی برتتے ہیں کہ گویا سب کچھ ان کے قبضہ قدرت میں ہے بہتیرے ہیں جو کہتے ہیں یہ کام کریں پھر توبہ کر لینگے۔ وہ نہیں جانتے کہ جو عمل ہو گیا وہ پھر ہاتھ نہیں آتا۔ اور بہتیرے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ عمل کا نتیجہ کوئی شے نہیں اس لئے کہ انہیں کھلا کھلا نتیجہ ہر عمل کا نظر نہیں آتا اسلئے یہ کہکر کہ ہر عمل کے نتیجہ کو ہم نے انسان کے لازم حال کر دیا ہے فرمایا کہ وہ نتیجہ کھلا کھلا بیشک یہاں نظر نہیں آتا مگر قیامت کے دن وہ ایک کھلی کتاب کی صورت میں ہوگا یعنی وہ پردے جو اب انسان کو اسے دیکھنے نہیں دیتے اس وقت اٹھ جائیں گے۔ دوسری جگہ ہے لقد کنت فی غفلۃ من ھذا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید (قٓ ۵۰ - ۲۲) اور یہاں اسے کتاب منشور کہا ہے یعنی کھلا کھلا اس کے سامنے آموجود ہوگا اور بعض

کتاب منشور سے مراد

نے کتاب منشور کی تفسیر یوں کی ہے کہ اعمال کے آثار نفس پر منقش ہونگے کیونکہ ہر فعل کا اثر روح پر ساتھ ساتھ ہوتا رہتا ہے لیکن حواس موجودہ میں وہ اثر خفا کا رنگ رکھتا ہے اور جب ان حواس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے تب وہ اثر بھی ظاہر ہو جاتا ہے (د) اس پر اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس صورت میں قیامت سے مراد قیامت صغریٰ یا ایک شخص کی موت ہوگی۔ اور کہ یہ ظاہر کے خلاف ہے مگر یہ تو بہرحال ماننا پڑیگا کہ کتاب سے مراد اس قسم کے کاغذ نہیں جو ہماری ان قلموں اور سیاہی سے لکھے گئے ہوں کراماً کاتبین ان قلموں اور دواتوں سے اور اس کاغذ پر نہیں لکھتے۔ اور کتاب کے معنی میں لغت میں وسعت ہے دیکھو ۱۴۱۲ وغیرہ اور پھر اسے کتاب منشور کہا ہے جس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی ایک جگہ سے کھول کر رکھی ہوئی ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے باقی سارے حصے بند ہوتے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ہر جگہ کھلی ہے اور سب کا سب جو اس میں لکھا ہے ایک نظر میں نظر آجاتا ہے اگر یہ مراد نہ ہوتی تو اسے منشور کہنا بے فائدہ تھا پس وہ کتاب اس لحاظ سے ہے کہ اس میں اعمال محفوظ ہیں اور منشور اس لحاظ سے ہے کہ ان اعمال کے نتائج صاف صاف نظر آتے ہیں ۔

انسان کا قیامت میں اپنا محاسبہ آپ کرنا

۱۸۱۳ یہاں بتایا کہ انسان کے محاسبہ کے لئے اس کا اپنا نفس ہی قیامت کے دن کافی ہوگا اس میں صاف اس حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا کہ نفس کی حالت ہی خود سب کچھ ظاہر کر دے گی پس اقرأ کتابک میں جو پڑھنے کا ارشاد ہے وہ بھی دوسرے رنگ کا پڑھنا ہے۔ کیونکہ کہیں تو یہ ذکر ہے کہ میزان قائم کی جائے گی گویا اعمال ناموں کا وزن ہوگا اور کہیں یہ ذکر ہے جیسے یہاں کہ انسان کا اپنا نفس ہی حساب کریگا اور کہیں اسی اعمالنامہ کے پڑھنے کیلئے دوسروں کو بلایا جاتا ہے ھاؤم اقرءوا کتابیہ (الحاقۃ ۶۹ - ۱۹)

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ ۱۵

جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے وہ اپنے ہی لئے سیدھی راہ پر چلتا ہے اور جو گمراہ رہتا ہے تو اس کی گمراہی (کا وبال) اسی پر ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور ہماری شان نہ تھی کہ عذاب دیتے یہاں تک کہ ایک رسول کو اٹھا کھڑا کرتے ۱۸۱۴

حقیقت یہی ہے کہ جو چیزیں اس دوسرے عالم سے تعلق رکھتی ہیں انکو اس عالم پر قیاس کرنا غلطی ہے ان سمجھا یا انہی الفاظ میں جا سکتا تھا جو یہاں کی چیزوں پر بولے جاتے ہیں۔ وہ سب حق ہے جن کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے کس رنگ میں وہ واقع ہوگا اسکا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے +

۱۸۱۴ پہلی آیات کا مضمون اس آیت میں جاری رکھا گیا ہے اور اس کی تکمیل کی گئی ہے جب اعمال کی جزا و سزا کا قانون بتایا اور یہ بھی بتایا کہ قیامت کے دن یہ جزا و سزا کھلی کھلی نظر آجائے گی تو اب بتایا کہ ہدایت اختیار کرنے والا اپنے اعمال کا اچھا نتیجہ اپنے آپ میں دیکھ لیگا اور گمراہ اپنی گمراہی کا برا نتیجہ اپنے اندر دیکھ لیگا۔ گویا ہر ایک کو وہ کھلا نتیجہ جس کا ذکر اوپر تھا وہ کتاب منشور اپنے نفس میں ہی اسے نظر آجائیگی۔ اور پھر بتایا کہ اس نتیجہ کا تعلق نفس انسانی سے ایسا ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی دوسرا انسان اسے اپنے ذمہ لیکر عمل کرنیوالے کو چھڑا دے اور جب اس قانون جزا و سزا کی یوں تکمیل کردی تو پھر ایک اور پہلو سے بھی اس کی تکمیل فرمائی یعنی یہ فرمایا کہ اعمال کی یہ سزا انسان کو بے خبری کی حالت میں نہیں دی جاتی بلکہ پہلے ہم نے اپنے رسول بھیجکر لوگوں کو ان باتوں کی خبر پہنچا دی کہ اعمال کی جزا و سزا یوں ظاہر ہوتی ہے اور قرآن کریم کی متعدد آیات سے یہ ظاہر ہے کہ جبتک رسول بھیجکر نیکی اور بدی کا صحیح احساس پیدا نہ کیا جائیگا اس وقت تک عذاب نہ دیا جائیگا و سیق الذین کفروا الی جہنم زمرا حتی اذا جاءوھا فتحت ابوابھا وقال لھم خزنتھا الم یاتکم رسل منکم یتلون علیکم ایات ربکم (الزمر ۳۹ - ۷۱) اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر (فاطر ۳۵ - ۳۷) کلما القی فیھا فوج سألھم خزنتھا الم یاتکم نذیر قالوا بلی قد جاءنا نذیر (الملک ۶۷ - ۸ و ۹) ان تصریحات قرآنی کے ہوتے ہوئے ماکنا معذبین حتی نبعث رسولا کے اور کوئی معنی کرنا سخت غلطی ہے اصل بات یہ ہے کہ گو اللہ تعالیٰ کی ہستی بلکہ اس کی توحید کا علم بھی کچھ نہ کچھ قدرت کے مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے اور فطرت انسانی کے اندر بھی وہ مرکوز ہے مگر زندگی بعد الموت کا علم یا جزا و سزا کا وہ قانون جس کا ذکر اوپر ہوا اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے دنیا میں آیا کیونکہ انسان کی اپنی عقل کی روشنی اس قدر دور کے نتائج دیکھ نہ سکتی تھی پس اسی بات کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان کہاں ہو سکتی تھی کہ لوگوں کو ایسے قانون کے ماتحت سزا دیدے جس کا انہیں علم ہی نہیں دیا گیا اور عذاب دینے کا ذکر اس لئے کیا کہ نیک اعمال کے نتائج تو وہ بہرحال ہی دیگا کیونکہ یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے اور اسی رحمت کا یہ تقاضا ہے کہ عذاب نہ دے جبتک کہ پہلے بتا نہ دے کہ یہ امر سزا کے لایق ہے تاکہ انسان متنبہ ہو جائے +

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ ایک بچہ جس میں ابھی نیکی بدی کا احساس ہی پیدا نہیں ہوا یا وہ لوگ جنہیں انبیاء کی تعلیم ہی نہیں پہنچی وہ کسی مواخذہ کے نیچے نہیں۔ اور غور کیا جائے تو یہ بات ایک پرحکمت فلسفہ پر مبنی ہے۔ ایک خشک منطقی کہہ سکتا ہے کہ بچہ ہو یا بے خبر انسان خدا تعالیٰ کا قانون تو اپنا کام کرکے رہے گا ایک بچہ بھی آگ میں ہاتھ ڈالے گا تو اس کا ہاتھ جل جائیگا اس کے بچہ ہونے کی وجہ سے یا بیخبر ہونے کی وجہ سے وہ جلنے سے نہیں بچے گا۔ یہ سچ ہے لیکن ہر بات میں ظاہری قوانین پر اخلاقی قوانین کا قیاس نہیں کیا جا سکتا اخلاق کا تعلق احساس سے ہے وہ ایک باطنی چیز ہے بسا اوقات بچہ ایک بات خلاف واقعہ کہہ دیتا ہے یا ایک چیز کو چھپا لیتا ہے مگر ان باتوں کا کوئی اثر اس کی زندگی پر نہیں پڑتا لیکن وہی فعل ایک ایسا آدمی کرے جس میں نیکی بدی کا احساس پیدا ہو چکا ہے تو اس کا اثر یقیناً اس کی طبیعت پر پڑے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کے قوانین اخلاق کا تعلق احساس سے ہے اور یہی احساس انبیاء پیدا کرتے ہیں

جزا و سزا اعمال انسان کیلئے اپنے نفس میں ظاہر ہوتی ہے

جزا و سزا کے مکمل قانون زندگی بعد الموت کی بذریعہ انبیاء ملتی

بچہ جزا و سزائے اعمال کے قانون سے باہر ہے

کفار کے بچوں پر مواخذہ نہیں +

۱۶ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا

اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اسکے آسودہ حال لوگوں کو حکم بھیجتے ہیں

اس لئے بچہ تو کوئی بھی مواخذہ کے نیچے نہیں خواہ وہ ایک کافر کا بچہ ہو اور نبی کریم صلعم کا صاف ارشاد ہو ما من مولود یولد الا علی الفطرۃ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہو اور ایک حدیث میں ہو کہ آنحضرت صلعم سے جب کفار کے بچوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اہل جنت کے خادم ہونگے (ث)، شاید غلمان میں اسی طرف اشارہ ہو اور جن لوگوں نے کفار کے بچوں کو قابل مواخذہ سمجھا ہو اور یہ خیال کیا ہو کہ کفار کے بچے جو بلوغت سے پہلے فوت ہو جائیں وہ اپنے آباء کی وجہ سے دوزخ میں جائینگے۔ انہوں نے غلطی کی ہو۔ اور یہی حکم فاتر العقل لوگوں کے بارہ میں ہو اور مسند احمد کی حدیث میں ہو کہ قیامت کے دن چار قسم کے لوگ عذر پیش کرینگے یعنی بہرا۔ فاتر العقل اور بہت بوڑھا اور جو شخص زمانہ فترت میں مرگیا ہو تو اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیگا کہ آگ میں داخل ہو جاؤ تو سو اگر وہ داخل ہو جائیں تو آگ ان پر ٹھنڈی ہو جائے گی اس میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہو کہ انبیاء اللہ بھی درحقیقت ایک قسم کی آگ میں ہی انسان کو داخل ہونے کا حکم دیتے ہیں اور وہ عشق الٰہی کی آگ ہو جو دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کر دیتی ہو اور جو اس آگ میں داخل ہو جاتا ہو وہ دیکھ لیتا ہو کہ یہی انسان کی حقیقی راحت ہو اور اسی حکم میں وہ لوگ ہیں جو تعلیم انبیاء سے بے خبر ہیں اور بعض نے یہاں رسول میں عقل کو بھی شامل کیا ہو یعنی جن کو عقل دی گئی ہو وہی ان کیلئے رسول کا حکم رکھتی ہو بلکہ بعض نے تو کہا ہو کہ نبعث رسولا سے مراد ہی رسول عقل ہو کیونکہ اصلی رسول وہی ہو (ذ)، مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدایش کے ساتھ ہی سلسلہ نبوت شروع کر دیا اور دوسری طرف یہ بھی فرمایا کہ ان من امۃ الا خلا فیہا نذیر تو گویا رسولوں کی بعثت سب اقوام کی طرف ہو گئی ہاں اگر کوئی قوم ابھی وحشت کی حالت سے ہی باہر نہیں نکلی تو اس کی حالت ایک بچہ سے مشابہ ہو گی جس میں ابھی احساس اخلاق پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور جب ہم متمدن دنیا کی حالت دیکھتے ہیں اور امم انسانی کی حالت پر غور کرتے ہیں تو ہر ایک قوم کے اندر کوئی نہ کوئی معلم ایسا پاتے ہیں جس کے ذریعہ سے انہیں نیک و بد کی جزا و سزا کا علم دیا گیا بلکہ مذاہب میں گو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق بڑے بڑے اختلافات ہیں لیکن اعمال کی جزا و سزا میں سب متفق ہیں حتیٰ کہ عیسائی بھی جو کفارہ کو ہی بظاہر کافی سمجھتے ہیں۔ پس جملہ اقوام کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے یہ علم ہو چکا ہو کہ اعمال انسانی کی جزاء و سزا بھی ہو +

عقل کی رسالت

دنیوی عذاب اور بعثت رسل

سیاق و سباق کے لحاظ سے ان الفاظ کے معنی اور نہیں ہو سکتے لیکن اگر یہاں مراد عذاب دنیوی لیا جائے تو بھی مفہوم یہی ہوگا کہ دنیا کی قوموں پر جو ہم بعض وقت انکے سخت ظلموں کی وجہ سے عذاب دنیوی بھیجتے ہیں تو وہ بھی انہیں اعمال کی جزا و سزا کے قانون سے واقف کرنے کے بعد بھیجتے ہیں اور یہ خبر بذریعہ انبیاء علیہم السلام جو کل قوموں میں مبعوث ہو چکے ہم نے ان کو پہنچا دی ہو دنیا کی جاہل سے جاہل قومیں بھی اعمال کی جزا و سزا کا علم اور احساس رکھتی ہیں کیونکہ سب میں رسول مبعوث ہو چکے۔ لیکن جو لوگ ان الفاظ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ دنیا میں کبھی کوئی عذاب نہیں آتا جبتک کہ پہلے ایک رسول اس وقت مبعوث نہ کیا جائے وہ غلطی کرتے ہیں رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین کل دنیا کو بتا دیئے ہیں جو عذاب آئے گا وہ ان قوانین کو توڑنے کی وجہ سے آئے گا پس نئے رسول کی ضرورت نہیں اور جو مجدد اس رسول اور اس کی کتاب کی طرف بلاتا ہے وہ محض ظل ہے نہ اصل پھر اگر رسول کی ضرورت ہے تو عین اس مقام پر ہو جہاں عذاب آئے۔ مثلاً جنگ کا عذاب یورپ میں آئے یا کوئی بھاری زلزلہ اٹلی میں آئے اور اس سے دلیل یہ لی جائے کہ ضرور ہو کہ اس وقت کوئی رسول مبعوث ہو گیا ہو تو پھر ایسے رسول کا ہندوستان میں مبعوث ہونا خدا حکیم کا فعل نہیں ہو سکتا جس میں حکمت کچھ بھی نہیں۔ وہ رسول یورپ یا اٹلی میں آنا چاہیے تھا پھر دوسری دقت یہ ہو کہ ہر رسول کے لئے ایک وقت مقرر کرنا پڑے گا کہ اگر اس کے بعد اتنے عرصہ تک عذاب آئے تو وہ اس کی بعثت کی وجہ سے ہوگا اور اگر اس میعاد

ماکنا معذبین کا غلط مفہوم

فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ○

مگر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں تب (سزا) کا حکم اس پر صادق آجاتا ہے سو ہم اسے ہلاک کردیتے ہیں جیسا ہلاک کرنا چاہئے ۱۸۱۵

کے بعد آئے تو نیا رسول چاہیئے۔ اور اب جو عذاب آرہے ہیں اگر ان کیلئے کوئی نیا رسول پیدا ہونا ضروری ہو چکا ہے تو آپ بند ۂ رسول کی کب ضرورت ہوگی آیا یہ قانون تیرہ سو سال کا بن جائیگا؟ ایسی باتیں کرنا گویا لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ مذہب علم نہیں بلکہ کھیل ہے +

۱۸۱۵ نہلک۔ ھلاک کئی طرح پر ہے۔ ایک چیز ہم سے گم ہو جاتی ہے اور دوسرے کے پاس موجود ہوتی ہے جیسے ھلک عنی سلطانیہ (الحاقۃ ۶۹-۲۹) اور ایک ھلاک استحالہ اور فساد سے ہے یعنی بگڑ جانے سے جیسے یھلک الحرث والنسل (البقرۃ ۲-۲۰۵) اور ایک ھلاک موت ہے جس کی مثالیں بہت ہیں۔ اور ایک چیز کا عالم سے باطل ہو جانا اور اس کا اصلاً نابود ہو جانا بھی ہلاک ہے کل شیٔ ھالک الا وجھہ (القصص ۲۸-۸۸) اور عذاب اور خوف اور فقر کو بھی ھلاک کہا جاتا ہے وان یھلکون الا انفسھم (الانعام ۶-۲۶) کم اھلکنا قبلھم من قرن (الانعام-۶) وکم من قریۃ اھلکنھا (الاعراف-۴) اور فھل یھلک الا القوم الفسقون (الاحقاف ۴۶-۳۵) میں ہلاک اکبر مراد ہے جس کی طرف آنحضرت صلعم کے اس قول میں اشارہ ہے لا شر کشرّ بعدہ النار یعنی کوئی شر اس شر کے برابر نہیں جس کے بعد آگ ہے (غ) +

امرنا۔ امر کے معنی حکم دینا مشہور ہیں اور جس چیز کا حکم دیا وہ محذوف ہے جو طاعۃ اللہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے (ج) اور اس کے معنی اکثرنا بھی مروی ہیں (ج) یعنی انکی کثرت کردی اور لغت میں اَمِرَ القوم کے معنی کثروا ہیں گویا وہ جب کثرت کے ایسے ہوگئے کہ ان کیلئے امیر کا ہونا ضروری ہوگیا اور اسی لحاظ سے یہاں کثّرنا معنی درست تسلیم کئے گئے ہیں اور ابو عبیدہ نے ان معنوں کو صحیح تسلیم کیا ہے (غ)

دمرنا۔ تدمیر کے معنی ہیں کسی چیز پر ہلاکت کا داخل کرنا (غ) +

تدمیر

عذاب ہلاکت کا وقت اور غرض

اصل ذکر تو آخرت کے عذاب کا ہی چلتا ہے اور آیت ۱۸ میں صاف کہہ بھی دیا ہے کہ طالب دنیا کو ہم دنیا کے فوائد بھی دیدیتے ہیں پھر آخرت میں وہ جہنم میں جاتا ہے لیکن یہاں اسی عذاب آخرت کیلئے بطور دلیل اس بات کو بیان کیا ہے کہ جب بدی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور ایک قوم کی قوم اس میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی کھلا کھلا ہلاکت کا عذاب بھیج دیتا ہے تاکہ عذاب آخرت محض ایک قصہ کہانی نہ رہ جائے۔ چنانچہ فرمایا کہ کسی بستی کے رہنے والوں کو جب فسق و فجور کی کثرت ہو جائے تو ہلاک بھی کردیتے ہیں۔ امرنا مترفیھا کے دونوں معنی اوپر دیدیئے گئے ہیں حکم کے معنی لیکر بھی یہ ضروری نہیں کہ اس وقت کوئی نیا رسول بھیجکر نیا حکم دیا جائے بلکہ احکام تو رسولوں کے ذریعہ سے فسق و فجور سے بچنے کیلئے ہر قوم کو اللہ تعالیٰ دے ہی چکا ہے بلکہ انسان کو عقل دیکر بھی اسے اپنے احکام پہنچا دیئے ہیں یہ معنی کرنا کہ فسق و فجور کا حکم انہیں دیدیتے ہیں خلاف قرآن ہیں ان اللہ لا یامر بالفحشاء (الاعراف-۲۸) اور یہ سچ ہے کہ جبتک قوم میں فساق کی کثرت نہ ہو جائے وہ ہلاک نہیں ہوتی اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہلاکت سے مراد لازماً اس قوم کا موت کے گھاٹ اتارنا ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی قوت و طاقت کو برباد کردینا بھی اس کی ہلاکت ہی ہے جیسا کہ لفظ ہلاک کی تشریح میں بھی بتا دیا گیا ہے اگلی آیت میں بتایا ہے کہ اس قانون کے مطابق حضرت نوح کے بعد بھی بہتیری قوموں کو ہلاک کیا۔ ہاں قوم کے ذنوب اس قدر ہو جانا کہ ان پر اسی دنیا میں ہلاکت آجائے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کوئی انسان اس میں دخل نہیں دے سکتا کہ فلاں قوم فلاں وقت ہلاک کیوں نہیں ہوتی +

عذاب ہلاکت سے مراد

۱۷ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا

اور کتنی نسلیں ہم نے نوح کے بعد ہلاک کر دیں اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں (کے باطن) سے خبردار (ظاہر کو)

۱۸ بَصِيرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ

دیکھنے والا بس ہے جو کوئی جلد آنیوالا نفع چاہتا ہے ہم اسے اسی (دنیا) میں جو کچھ ہم چاہتے ہیں جسکے لئے ارادہ کریں جلد دیتے ہیں پھر

۱۹ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ

ہم نے اس کیلئے دوزخ ٹھہرائی ہے وہ اس میں بُرے حال میں دھتکارا ہوا داخل ہوگا ۱۸۱۶ اور جو آخرت کو چاہتا ہے

۲۰ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝ كُلًّا نُمِدُّ

اور اس کیلئے کوشش کرتا ہے جو اسکی کوشش کا حق ہے اور وہ مومن ہے تو یہی ہیں جنکی کوشش کی قدر کی جاتی ہے ۱۸۱۷ ہم سب کو مدد دیتے

۲۱ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ انْظُرْ

ہیں ان کو بھی اور اُن کو بھی۔ تیرے رب کی عطا سے (یہ ہوتا ہے) اور تیرے رب کی عطا کبھی رُکتی نہیں ۱۸۱۸ دیکھ ہم

كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝

کسطرح بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں اور یقیناً آخرت درجات میں بڑھکر اور فضیلت میں برتر ہے ۱۸۱۹

دنیا کو غرض زندگی والے

۱۸۱۶ یہاں پھر رکوع کی پہلی آیت کے مضمون کی طرف رجوع کیا ہے العاجلة سے مراد دنیا ہے دیکھو ۱۸۱۰ کیونکہ اس کا نفع جلد ملتا ہے یہاں اس شخص کا ذکر ہے جو اس زندگی کے نفع عاجل کو اپنی زندگی کی اصل غرض بنا لیتا ہے۔ فرمایا کہ اسے ہم جس قدر چاہتے ہیں دنیا بھی دیتے ہیں ما نشاء اس لئے کہا کہ دنیا کی ہوس ساری کبھی پوری نہیں ہوتی۔ دوسری جگہ ہے من کان یرید حرث الدنیا نؤته منها (الشوریٰ ۴۲-۲۰) مگر نتیجہ اس کا جہنم ہے یعنی انجام کار ایسا شخص جس کی نظر اس دنیا سے اوپر نہیں اٹھتی دکھ اٹھاتا ہے +

سعی

۱۸۱۷ سعی۔ سَعْی کے معنی تیز چلنا ہیں اور اس کا استعمال کسی معاملہ میں کوشش کرنے پر بھی ہوتا ہے اچھا ہو یا برا وسعی فی خرابها (البقرة ۲-۱۱۴) وان لیس للانسان الا ما سعی (النجم ۵۳-۳۹) اور اس کا اکثر استعمال افعال محمودہ میں ہے (غ) اور سعی لها سعیها کے معنی ہوئے ایسی کوشش کرے جو حق کوشش ہے +

شکر۔ مشکا

مشکورا۔ شکر کے معنی کیلئے دیکھو ۱۷۵ اور اللہ تعالیٰ کا شکر اپنے بندوں پر انعام اور ان کو جزا دینا ہے (غ) اور اسی لحاظ سے یہاں مشکور کہا گیا ہے +

یہاں فرمایا کہ جو آخرت کو اپنا مقصد بناتا ہے تو اس کی کوشش پر ضرور انعام ملتا ہے بشرطیکہ کوشش کا حق ادا ہو۔ گویا وہ لازماً کامیاب ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ہے الذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا (العنکبوت ۲۹-۶۹) +

حظر۔ محظو

۱۸۱۸ محظورا۔ حَظر کے معنی روکنا ہیں اور محظور کے معنی ہوئے روکی گئی چیز (ل) +

۱۸۱۹ یعنی دنیا میں انسان کوشش کر کے ایک دوسرے سے بڑھ جاتے ہیں تو آخرت کیلئے بھی جو کوشش کریگا وہ بڑھ جائیگا

رکوع ۳ ع ۸

اخلاق فاضلہ کی تعلیم

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ وَقَضٰى رَبُّكَ ۲۲

اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ بنانا ورنہ تو برے حال میں (خدا کی طرف سے) چھوڑا ہوا بیٹھ جائیگا اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہو

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ

کہ اسکے سوائے (کسی کی) عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے نیکی کرو اگر تیرے سامنے دونوں میں سے ایک یا دونوں ہی بڑھاپے

اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝

کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف (تک) نہ کہہ اور نہ ان کو ڈانٹ اور ان دونوں سے ادب سے بات کر ۱۸۲۱

بلکہ وہ مراتب تو بہت بڑھکر ہیں +

ف ۱۸۲۰ یعنی اللہ کے ساتھ اور کسی کو اپنا محبوب اور مطلوب اور مقصود نہ بناؤ اور تقعد (بیٹھ جائیگا) سے مراد یا مطلق ٹھہرنا ہو یا عجز

ف ۱۸۲۱ اُفّ ۔ کان یا ناخن کی میل یا ناخن کی تراش یا اور ایسی چیزوں کو کہا جاتا ہو جن کو حقیر سمجھا جاتے اور قلیل چیز پر بھی اسکا استعمال ہوتا ہو (ل)، اُفٍّ لکم ولما تعبدون من دون اللّٰہ (الانبیاء ۲۱ - ۶۷) +

نہر تنھر ۔ نہر مشہور ہو اور اس کے معنی شدت کے ساتھ روکنا یا ڈانٹنا بھی آتے ہیں الزّجر بغلظۃ اما السائل فلا تنھر (الضحیٰ ۹۳ - ۱۰) پس اُف میں تحقیر ہو اور نہر میں سختی +

اخلاق فاضلہ کی قدر کیا ہو

پچھلے رکوع میں یہ بیان کرکے کہ پست اغراض کو سامنے رکھنے سے انسان آخر کار نقصان اٹھاتا ہو اس اور اگلے رکوع میں کچھ اخلاق فاضلہ کی تعلیم دی ہو اور توریت کی گویا ساری تعلیم جو دس احکام پر مشتمل ہو اس رکوع اور اگلے رکوع میں آجاتی ہو مگر اس سے بہت زیادہ بسط اور بہت زیادہ وضاحت کے ساتھ اور اکمل رنگ میں اور یہ تعلیم اخلاق فاضلہ کی اس یعنی تیئسویں آیت سے لیکر سینتیسویں آیت تک ہو جو کل پندرہ آیتیں ہیں اور ابن جریر میں حضرت ابن عباس کا قول منقول ہو التوراۃ کلھا فی خمس عشرۃ آیۃ من بنی اسرائیل یعنی ساری توریت سورت بنی اسرائیل کی پندرہ آیتوں میں ہو اور یہاں اس تعلیم کو شروع بھی توحید الٰہی سے کیا ہو اور

توحید اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے

توریت کے دس احکام کی ابتدا بھی توحید سے ہی ہوتی ہو اور اس کی ابتدا اس سے کی ہو کہ اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ ہو۔ گویا یہ اخلاق فاضلہ کی جڑ ہو اور یہی سچ ہو کہ جو شخص ایک خدا کے آگے سر نہیں جھکاتا نہ وہ اخلاق کے بلند ترین مقام پر پہنچ سکتا ہو اور نہ وہ جو ہر چیز کے سامنے سر جھکاتا پھرتا ہو اور تذلل اختیار کرتا ہو۔ انسان سے بالاتر سوائے خدا کے کوئی طاقت نہیں یہی ایک چیز ہو جس کا اعتراف انسان کو انسان بناتا اور اخلاق فاضلہ پر قایم کرتا ہو۔ اسکے بعد انسانوں سے حسن سلوک کا حکم دیا اور اس میں سب سے پہلے والدین کے

والدین سے سلوک

حقوق کی طرف توجہ دلائی کیونکہ وہ انسان کی ربوبیت جسانی کرنے میں سب سے بڑھکر ہیں اور احسان کی تاکید کے ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ ان کو کوئی تحقیر کا کلمہ نہ کہا جائے اور نہ ان کو سختی سے کسی کام سے روکا جائے ۔ بلکہ قول کریم یعنی ایسے قول کے ساتھ جس میں ان کا اکرام ہو انہیں مخاطب کیا جائے اور بڑھاپے کا ذکر اس لئے کیا کہ بڑھاپے میں انسان کی طبیعت کمزور ہو جاتی ہو اور اس وقت والدین اولاد پر کچھ زیادتی بھی کر بیٹھتے ہیں وہی وقت ہوتا ہو جب اولاد کو والدین کے ساتھ اخلاق سے پیش آنے اور احسان کرنے کا موقعہ ہوتا ہو۔ اور یہ زمانہ بچپن کے زمانہ سے زیادہ مشابہ ہوتا ہو اور یہاں خطاب عام ہو +

۲۴ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ؕ

اور ان دونوں کے آگے رحم کیساتھ فرمانبرداری کا بازو جھکا اور کہہ اے میرے رب تو ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے ہوتے پالا ۱۸۲۲

۲۵ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِنْ تَكُونُوا صٰلِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیک ہو تو وہ بار بار رجوع کرنیوالوں کی حفاظت

۲۶ غَفُورًا ۝ وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝

کرنیوالا ہے اور قریبی کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو (بھی) اور بیجا خرچ کر کے (مال کو) ضائع نہ کر ۱۸۲۳

جناح الذل

۱۸۲۲ جناح الذل۔ جناح کے اصل معنی پرند کا بازو ہیں اور انسان کے جناح سے مراد اس کا ہاتھ ہوتا ہے اور ذُلّ فرمانبرداری ہے جو دوسرے کے غلبہ کی وجہ سے ہو اور راغب کہتے ہیں کہ جناح الذل استعارہ ہے کیونکہ فرمانبرداری یا اطاعت دو طرح پر ہے ایک وہ جو انسان کو پستی کی طرف لے جاتی ہے اور دوسری وہ جو اس کا رفع کرتی ہے یعنی اس کا مقام بلند کرتی ہے اور چونکہ یہاں وہ فرمانبرداری مراد ہے جو اس کا مرتبہ بلند کرتی ہے اس لئے لفظ جناح استعارۃً لایا گیا گویا یوں فرمایا گیا کہ وہ فرمانبرداری اختیار کرو جو تمہارے اکتساب رحمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارا مرتبہ بلند کرتی ہے (غ) اور یا من الرحمۃ سے مراد ہے فرط رحمت سے (رد)

ماں باپ کی فرمانبرداری اور محبت

یہاں پچھلی آیت کے مضمون کی تکمیل کی ہے اور بتایا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک محبت سے ہونا چاہئے یعنی انسان کا دل ان کی محبت سے بھرا ہوا ہو جس طرح ان کا دل اولاد کی محبت سے بھرا ہوا تھا۔ یہانتک کہ ان کیلئے دعائیں بھی کرے اور کَمَا رَبَّیٰنِی میں یہ بتایا کہ وہ رحمت ایسی ہو جس رحمت کے ساتھ انہوں نے اولاد کی پرورش بچہ ہونے کی حالت میں کی تھی کیونکہ وہ کمال درجہ کی رحمت تھی اور دوسرا اس تشبیہ کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ رحمت کے ساتھ تربیت ملی ہوئی ہو یعنی ان کی خبرگیری کی جائے اور اپنا مال اور آرام ان کیلئے قربان کیا جائے۔ قرآن کریم میں فطرت انسانی کا کس قدر گہرا علم پایا جاتا ہے کہ اولاد کو یہ تاکید کی ہے کہ ان کے دلوں میں ماں باپ کیلئے رحم اور محبت ہو والدین کو یہ نہیں کہا اس لئے کہ وہ فطرت میں موجود ہے اور بغیر کسی حکم کے اپنا کام کر رہی ہے ایسا ہی بڑھاپے میں ماں باپ سے نرمی سے پیش آنے میں یہی فطرت کا گہرا علم نظر آتا ہے ✢

والدین کی خدمت پر احادیث

احادیث میں ماں باپ کے ساتھ نیکی پر اس قدر ترغیب دلائی ہے کہ جنت کو ماؤں کے قدموں کے نیچے قرار دیا ہے گویا وہ ماں کی خدمت سے حاصل ہوتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ والدین کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور ان کی ناراضگی اس کی ناراضگی اور ماں باپ کی خدمت کو جہاد کی طرح قرار دیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ ان کی موت کے بعد بھی ان سے نیکی کرے اور اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے کہ ان کیلئے دعا اور استغفار کرے اور ان کے بعد ان کے عہد کا ایفا کرے اور صلہ رحمی کرے اور انکے دوست کا اکرام کرے ✢

بذر۔ تبذیر

۱۸۲۳ تبذیر۔ بذر وہ دانہ ہے جو بیج کے لئے محفوظ رکھا جائے اور راغب کہتے ہیں کہ تبذیر مال کو ضائع کرنا ہے کیونکہ بیج کا ڈالنا بھی بظاہر اس شخص کو مال ضائع کرنے کی طرح معلوم ہوتا ہے جو اس کے مآل سے ناواقف ہے (یا اس لئے کہ اس کا بیجا پھینکنا اس کا ضائع کرنا ہے) ✢

مال کا بیجا خرچ

ماں باپ کے حقوق کے بعد قریبیوں پھر مساکین پھر مسافروں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور حقہ کہکر یہ بتایا کہ ہر انسان کے مال میں اسکے قریبیوں اور مساکین اور مسافروں کا بھی کچھ حق ہے۔ اور اسکی تبذیر یعنی بیجا مال خرچ کرنے سے روک کر یہ سمجھایا کہ مال کو جب تم صحیح موقعہ پر خرچ کرتے ہو تو وہ ایک بیج کی طرح ہے جو زمین میں پڑتا اور پھل لاتا ہے لیکن جو بیج بے موقعہ پھینکا جائیگا وہ ضائع ہو گیا

٢٨ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوٓا إِخْوَانَ الشَّيٰطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهِۦ كَفُورًا ۝ وَإِمَّا

بیجا خرچ کرنیوالے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرگزار ہی [١٨٢٤] اور اگر تو

٢٩ تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝ وَلَا

اپنے رب کی رحمت کو چاہتا ہوا جس کی تجھے اُمید ہو ان سے منہ پھیرے تو ان سے نرمی کی بات کہدے [١٨٢٥] اور نہ تو

تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا

اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا رکھ اور نہ جتنا کھل سکتا ہو کھول رکھ ورنہ تو ملامت کیا ہوا درماندہ ہو کر بیٹھ رہیگا [١٨٢٦]

٣٠ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ بِعِبَادِهِۦ خَبِيرًۢا بَصِيرًا ۝ ع

بیشک تیرا رب جسے چاہتا ہو رزق کی فراخی دیتا ہو اور وہی اندازہ کرتا ہو کیونکہ وہ اپنے بندوں سے خبردار ہو، دیکھنے والا ہو

اس میں مال کی حفاظت کس قدر سکھائی ہو مگر اس کی محبت کی تعلیم قرآن شریف نہیں دیتا اور یہی اس کا کمال ہو اس رکوع کی تعلیم خلاصۃً سورۂ الانعام کے رکوع ١٩ میں آچکی ہو وہاں سارے رکوع کا خلاصہ صرف دو جملوں میں ہو الا تشرکوا بہ شیئا و بالوالدین احسانا (الانعام-١٥٢) یہاں والدین کے ساتھ احسان کو پہلے تفصیل سے بیان کیا پھر قریبیوں مسکینوں وغیرہ سے احسان کی تعلیم دی گویا بتایا کہ ماں باپ سے جب انسان نیکی کرتا ہو پھر دوسروں سے بھی نیکی کی توفیق ملتی ہو گویا وہ پہلی نیکی ہو جس سے - - - - - - اور نیکیوں کی طرف قدم اُٹھتا ہو +

اخوان الشیاطین ‏ کفران نعمت

١٨٢٤ اخوان الشیاطین - اَخٌ دین یا معاملہ یا محبت کے شریک پر بھی بولا جاتا ہو [٢٨٣] یہاں مراد بری صفات میں انکے مماثل یا انکے دوست ہیں کفور کا لفظ لاکر بتایا کہ نعمت کو بیجا طور پر خرچ کرنا بھی کفران نعمت ہو اسی طرح اس کو برمحل خرچ کرنا اس کا شکر ہو - اور برمحل خرچ نہ کرنا کفران ہو ناشکری کو شیطان کی صفت قرار دیکر ہر ناشکرگزار کو شیطان صفت قرار دیا +

میسور

١٨٢٥ میسور - یسر سے ہو [١٥٦١] اور میسور کے معنی سہل ہیں اور یہ اسم مفعول ہو یسّر الامر سے اور یا مصدر ہو اور مبالغہ کیلئے بطور صفت استعمال ہوا ہو +

اعراض یا منہ پھیر لینے سے مراد ہو کہ مسکین وغیرہ کو کچھ دینے کی استطاعت نہ ہو تو ایسی صورت میں سختی سے انہیں رد نہ کرے نرمی سے کلام کرنا بھی ایک صدقہ ہو - اور ابتغاء رحمۃ من ربک اس لئے بڑھا یا کہ نیت انسان کی ہر حال یہی ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے وسعت دے تو وہ دوسروں کو بھی دے گا +

لوم - لائم - ملوم ‏ ملیم

١٨٢٦ ملوما - لَوْم ملامت کرنا اور لائم ملامت کرنیوالا لایخافون لومۃ لائم (المائدہ ٥ - ٥٤) اور مَلُوم ملامت کیا گیا - اور اَلامَ کے معنی ہیں وہ ملامت کا مستحق ہوا جس سے مُلیم ہو فالتقمہ الحوت وھو ملیم (الصفت ٣٧ - ١٤٢) +

خرچ میں میانہ روی

ہاتھ کے بندھا ہوا ہونے یا گردن سے بندھا ہوا ہونے سے مراد بخل کرنا ہو دیکھو مغلولۃ الیدین [٨٥٥] اور اس کے کھولنے سے مراد اسراف ہو - جب انفاق کی نصیحت کی اور اس کے بعد تنگ دستی کی حالت کا ذکر کیا تو اب خرچ کرنے کا ایک عام اصول بھی بتادیا کہ مال کے خرچ کرنے میں نہ تو انسان بخیل ہو کیونکہ بخیل خدا کی راہ میں بھی نہیں دے سکتا اور نہ فضول خرچ ہو کیونکہ فضول خرچ کے پاس خدا کی راہ میں دینے کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا - اور حدیث میں ہو ما عال من اقتصد جو شخص خرچ میں میانہ روی اختیار کرے وہ تنگدست نہیں ہوتا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پس انداز کرنا یا کچھ نہ بچاتے رہنا

ع ۴ ۱۰

اخلاق فاضلہ کی تعلیم

۳۱ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ مار ڈالو ہمیں انہیں رزق دیتے ہیں اور تمہیں (بھی)، ان کا مار ڈالنا بڑی

۳۲ ۳۳ كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

غلطی ہے ۱۸۲۷ اور زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ وہ بےحیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے ۱۸۲۸ اور اس جان کو قتل نہ کرو

الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا

جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے اس کے کہ انصاف (چاہے) اور جو ظلم سے قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے

۳۴ فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ

مگر وہ قتل میں زیادتی نہ کرے اس لیے کہ اسے مدد دی گئی ہے ۱۸۲۹ اور یتیم کے مال کے قریب (بھی) نہ جاؤ سوائے اس طریق کے جو

اسلام کی تعلیم کے خلاف نہیں بلکہ اس کا عین منشا ہے اور بخل کا نتیجہ ملامت ہے اور اسراف کا درماندگی اور خدا کی راہ میں سارا مال دیدینا بھی اسراف نہیں اس لئے کہ وہ بیجا خرچ نہیں بلکہ اس سے بڑھکر کوئی ضروری خرچ نہیں اور اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فراخی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں میانہ روی کو نہ چھوڑنا چاہئے ۔

نیکی کرنے اور حق تلفی سے بچنے کی تعلیم

۱۸۲۷ پچھلے اور اس رکوع کی تعلیم سورۃ الانعام کے رکوع ۱۹ کی تعلیم ہے سوائے اس کے کہ یہاں بسط ہے۔ وہاں بھی توحید کے مضمون کے ساتھ یہ اخلاقی نصائح بیان کی ہیں اور یہاں بھی۔ وہاں شرک سے روک کر پھر والدین سے احسان کی تاکید کی، اور یہ مضمون پچھلے رکوع میں آچکا ہے اب یہاں تفصیل سے اخلاقی تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ پہلے رکوع میں دوسروں سے نیکی کی تعلیم ہے اور یہاں دوسروں سے بدی کرنے سے روکا ہے گویا ایک میں دوسروں سے نیکی کرنے کا ذکر ہے دوسرے میں ان کی حق تلفی سے روکا ہے اور یہ دونوں باتیں معاملات میں اخلاق کی تکمیل کرتی ہیں۔ موٹی موٹی باتیں جن کا یہاں ذکر ہے قتل اولاد۔ فواحش یا زنا۔ قتل نفس۔ یتیم کا مال کھانے سے روکنا ناپ اور تول اور عہد کا پورا کرنا ہیں۔ وہاں قتل اولاد کے ذکر میں من املاق آتا ہے یہاں خشیۃ املاق جسکے لئے دیکھو ۱۰۳۳ اسی لحاظ سے وہاں نرزقکم وایاھم فرمایا یہاں نرزقھم وایاکم۔ کیونکہ وہاں والدین واقعی مفلس ہیں اور یہاں افلاس کا خوف ہے اور خِطْأً اور خطاء کے ایک ہی معنی ہیں ۱۰۵۰ اور قتل اولاد سے مراد یہاں لڑکیوں کا زندہ گاڑنا نہیں کیونکہ وہ امرا اور بڑے لوگ جھوٹی غیرت سے کرتے تھے۔ بلکہ ان کو علم سے محروم رکھنا اور صحیح طور پر تربیت نہ کرنا ہے دیکھو ۱۰۳۳

قتل اولاد سے مراد

زنا کے مبادی سے بچنے کی تعلیم اور اس کے نتائج بد

۱۸۲۸ زنا کے قریب مت جاؤ یعنی اس کے مبادی سے بھی بچو اور یہی اسلام کا کمال ہے کہ صرف بدی سے روکتا نہیں بلکہ بدی سے بچنے کا طریق بھی بتاتا ہے اور پھر اسکے بد نتائج سے بھی آگاہ کرتا ہے اور بد نتائج میں اسکا فاحشہ ہونا بیان کیا یعنی اس سے بےحیائی بڑھتی ہے اور اخلاق فاضلہ کا ستیاناس ہوتا ہے۔ اور دوسرے اس میں اور بھی برائیاں ہیں مثلاً نسب کا ضائع ہونا فتنوں اور جنگ و جدل کا پیدا ہونا ۔

سزائے قتل میں اسراف

۱۸۲۹ یہاں نفس یا جان سے مراد کوئی خاص نفس نہیں بلکہ ہر ایک انسان کی جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اور ولی سے مراد وارث لیا گیا ہے جب وارث نہ ہو تو سلطان اور وارث کا اسراف فی القتل یہ ہے کہ خود بخود ایک شخص کو قتل کردے اور اس کی وجہ بتائی کہ وہ منصور ہے یعنی حکومت وقت اس کی مدد کرے گی اور وہی تحقیقات کرنے اور فیصلہ دینے کی مجاز ہے اور حکومت وقت کو بھی سزا کے طور پر قتل میں اسراف سے روکا ہے یعنی یہ کہ ایک کی جگہ کئی کو قتل کردے جیسے بعض ظالم حکام اپنے یا اپنے متعلقین میں سے

اَحۡسَنُ حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ ۪ وَ اَوۡفُوۡا بِالۡعَہۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَہۡدَ کَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۵﴾ وَ اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ

نہایت عمدہ ہو یہانتک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو کیونکہ (ہر) عہد کے متعلق سوال کیا جائیگا اور جب تم ناپو تو

اِذَا کِلۡتُمۡ وَ زِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ؕ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ﴿۳۶﴾ وَ لَا

ناپ کو پورا کرو اور سیدھے ترازو سے تولو یہ بہتر اور انجام کار بہت خوبی کی بات ہو[۱۸۳۰] اور اسکے

تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۷﴾

پیچھے نہ لگنا جس کا تجھے علم نہیں کان اور آنکھ اور دل ان سب اس کے متعلق سوال کیا جائیگا [۱۸۳۱]

دوسری سزاؤں میں اسراف — کسی کے قتل پر شہروں کے شہر اُڑا دیتے ہیں اور گنہگاروں کے ساتھ بیگناہوں کو بھی تہ تیغ کردیتے ہیں اور جب سزائے قتل میں بھی گنہگار سے تجاوز کرنا جائز نہیں تو دوسری سزاؤں میں کہاں جائز ہوسکتا ہو پس ضمناً سمجھا یا ہو کہ سزاؤں کے وارد کرنے میں یہ مدنظر رکھا جائے کہ ملزم کو حد سے زیادہ سزا نہ دی جائے نہ بیگناہوں کو گنہگاروں کے ساتھ ملا یا جائے جیسا کہ آجکل انتظام قایم رکھنے کی آڑ کے ماتحت مہذب گورنمنٹیں بھی کرگزرتی ہیں۔ اور حق یہ ہو کہ جن اخلاق کی تعلیم قرآن شریف نے دی ہو انہیں آج تک کوئی مہذب سے مہذب گورنمنٹ نہیں پہنچ سکی ✦

قسطاس — [۱۸۳۰] قسطاس۔ قسط کیلئے دیکھو [۳۸۹] اور قسطاس میزان یعنی ترازو کو کہتے ہیں اور میزان کی طرح اس سے عدل کرنا یا انصاف کرنا مراد لیا جاتا ہو اور زنوا بالقسطاس المستقیم کے معنی کہتے ہیں کہ یہ اشارہ ہو کہ انسان اپنے تمام اقوال و افعال میں جن کا وہ قصد کرتا ہو عدل و انصاف کی رعایت رکھے (غ)۔ امام راغبؒ نے اسے مادہ قسط کے نیچے بیان کیا ہو لیکن اکثر کا خیال یہ ہو کہ یہ رومی سے معرب ہے۔

پورا تولنے سے مراد — اس رکوع میں سب نواہی کا ذکر ہو لیکن ایفائے عہد اور ناپ اور وزن کا پورا کرنا اوامر ہیں اور غرض دونوں کی ایک ہو یعنی دوسروں کی حق تلفی سے روکنا۔ ایفائے عہد نہ کرنا بھی دوسروں کی حق تلفی ہو اور ناپ تول کو پورا نہ کرنا بھی۔ اور جیسا کہ لفظ کی تشریح میں گزرا ناپ تول کے پورا کرنے سے مراد صرف ترازو وغیرہ نہیں بلکہ تمام معاملات میں عدل و انصاف کا برتاؤ ہو۔ یورپ کی موجودہ تہذیب نے عیسائیت میں اپنے معراج پر پہنچ کر دو میزانیں رکھی ہیں مسلمانوں اور ایشیائی اقوام کیلئے اصول انصاف اور ہیں یورپ کی وحشی سے وحشی قوم کیلئے اور۔ پھر ایک قوم سے معاملہ میں لینے کے باٹ اور ہیں دینے کے اور ✦

تقفا۔ اقتفاء — [۱۸۳۱] تقف۔ قفا گردن کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں اور قفوتہ کے معنی ہیں اس کے قفا کو پہنچا اور اقتفاء قفا کا اتباع ہو اور اس سے کنایۃً کسی کے پیچھے اس کی بدگوئی کرنا اور عیب جوئی مراد لی جاتی ہو۔ اور لا تقف کے معنی ہیں قیافہ اور ظن سے کام نہ لو۔ اور قیافۃ اقتفاء سے مقلوب ہو (غ) ✦

بدگوئی — جب دوسروں کی ہر قسم کی حق تلفی سے روکا تو اب ایک اور بات سے بھی روکا جس سے بڑی بڑی بد اخلاقیاں پیدا ہوتی ہیں یعنی دوسروں کی بدگوئی یا عیب جوئی یا بغیر سننے اور دیکھنے کے ایک بات کا دیکھا اور سنا ہوا بیان کرنا یہی اکثر ان بد اخلاقیوں کی جڑ ہو جو اکثر مجلسوں میں رواج پا جاتی ہیں ✦

۳۷ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ

اور زمین میں اکڑتا ہوا نہ چل کیونکہ تو نہ زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو

۳۹ طُولًا ۝ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝ ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ

پہنچے گا ۱۸۳۲ ان سب کی برائی تیرے رب کے ہاں ناپسندیدہ ہے یہ اس سے ہے جو تیرے رب نے

إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ

تیری طرف حکمت کی باتیں وحی کیں ۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرا ورنہ تو ملامت کیا گیا دھتکارا ہوا

۴۰ مَلُومًا مَّدْحُورًا ۝ أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

ہو کر جہنم میں ڈالا جائے گا ۱۸۳۳ تو کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کیلئے چن لیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں

إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ۝ ع

بنایا بیشک تم بڑا بول بولتے ہو ۱۸۳۴

مرح ۱۸۳۲ مرحاً۔ مَرَح شدت فرح کا نام ہے جو اندازہ سے گزر جائے اور اکڑبازی اور متکبرانہ روش کو بھی کہتے ہیں ذٰلکم بما کنتم تفرحون فی الارض بغیر الحق و بما کنتم تمرحون (المومن ۷۵) (ل) +

متکبرانہ روش جب ہر ایک قسم کی دوسروں کی حق تلفی اور عیب گیری سے روکا تو آخر پر یہ بھی بتا یا کہ بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ گو ان میں دوسروں کی حق تلفی نہ ہو مگر ان کے کرنے سے انسان خود اخلاق فاضلہ سے محروم رہ جاتا ہے اور یہ انسان کی متکبرانہ روش ہے اور مشی یا چلنے سے مراد صرف چلنا نہیں بلکہ ہر قسم کی روش ہے کہ اس میں انسان تکبر اختیار نہ کرے گو اس کی سب سے موٹی مثال اکڑ کر چلنا ہے اس سے انسان کو حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ اور محروم بہت چیزوں سے ہو جاتا ہے اور اگلی آیت میں ربک کا لفظ لا کر بتا دیا کہ ان تمام باتوں سے انسان کی اپنی تربیت میں نقصان ہوتا ہے +

۱۸۳۳ اوحیٰ الیک فرمایا حالانکہ خطاب عام ہے کیونکہ وحی فی الحقیقت ہر ایک کی طرف ہے گو وہ اسے رسول کی وساطت سے پاتا ہے اور اسے حکمت کہا اس لیے کہ اعلیٰ درجہ کی مضبوط اور دانائی کی باتیں ہیں +

۱۸۳۴ سب اخلاق فاضلہ کی تعلیم کے بعد پھر اصل الاصول یعنی توحید کی طرف توجہ دلائی جیسا کہ پچھلی آیت کے آخری حصہ سے ظاہر ہے اور اس آیت میں عرب کے ایک موٹے قسم کے شرک کا ذکر کیا کہ یہاں تک ان کا شرک ترقی کر گیا ہے کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جسے خود اپنے لیے بھی ناپسند کرتے ہیں یعنی یہ کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور یہ مضمون تفصیل کے ساتھ النحل ۱۶-۵۷ تا ۶۲ میں بیان ہو چکا ہے دیکھو ۱۴۵۳ +

ع ۵ / ۱۲ — ایمان بالآخرۃ

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ ۴۱

اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے پیرائے اختیار کئے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور یہ بات (بھی) ان کو نفرت میں ہی بڑھاتی ہے ۱۸۳۵

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ ۴۲

کہو اگر اس کے ساتھ (اور) معبود ہوتے جیسا یہ کہتے ہیں تو یہ ضرور عرش کے مالک کی طرف رستہ ڈھونڈ

سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ ۴۳ ۴۴

نکالتے ۱۸۳۶ وہ پاک ہے اور جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے بہت ہی بلند ہے ساتوں آسمان اسکی تسبیح

السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ

کرتے ہیں اور زمین اور جو کوئی انکے اندر ہیں (وہ بھی) اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن

لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے بیشک وہ تحمل والا بخشنے والا ہے ۱۸۳۷

مضامین کا بار بار مختلف پیرایوں میں بیان کرنا

۱۸۳۵ اخلاق فاضلہ کے مضمون کی ابتدا بھی توحید آلٰہی سے کی تھی اور اس کے خاتمہ پر بھی اسی کا ذکر کیا اور اب اس رکوع میں ایمان بالآخرۃ کے ذکر میں پھر اسی سے ابتدا کی۔ اور بار بار اور طرح طرح کے پیرایوں میں اس مضمون کے بیان کرنے کی غرض بھی خود ہی بتا دی کہ کسی طرح سے لوگ سمجھ لیں ایک شخص ایک پیرایۂ بیان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور دوسرا دوسرے سے اس لئے قرآن کریم نے اہم مضامین کو رنگا رنگ کے پیرایوں میں بیان کیا ہے مگر جو شخص دشمنی کی ہی ٹھان لیتا ہے وہ اور بھی دور بھاگتا ہے۔

مشرک مقرب بارگاہ الٰہی نہیں ہو سکتا

۱۸۳۶ مشرک قوموں کا بڑا عذر یہ ہوتا ہے اور یہی عرب کے بت پرستوں کا تھا کہ ہم بتوں کی یا اوروں کی عبادت اسلئے کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا قرب اس ذریعہ سے حاصل کریں فرمایا کہ اگر یہ درست ہوتا تو پھر ان کو خدائے برتر کا قرب حاصل ہو جانا چاہیئے تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر اطلاع پا لیتے تو اس صورت میں وحی الٰہی کے پانے والے نبوت اور رسالت کے مقام پر کھڑے ہونے والے بھی مشرک ہوتے نہ موحد۔ حالانکہ جتنے اس قسم کے انسان تاریخ میں نظر آتے ہیں جو نبوت اور رسالت کے مقام پر کھڑے کئے گئے ہوں وہ سب موحد ہی ہوتے ہیں اور یا مراد یہ ہے کہ اگر یہ خدا تعالیٰ کے مقرب ہوتے تو پھر اسلام کی مخالفت میں کامیاب ہو جاتے اور بعض نے سبیل سے مراد سبیل مغالبۃ اور ممانعت لیا ہے یعنی وہ معبود کوشش کر کے خدا پر غالب آ جاتے جیسا دوسری جگہ ہے لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا (الانبیاء ۲۱ - ۲۲)۔

کل مخلوق کی تسبیح سے مراد

۱۸۳۷ یہ تسبیح جس کا یہاں ذکر ہے زبان حال سے ہے (د) اور یہ خود لا تفقھون تسبیحھم سے ظاہر ہے۔ کیونکہ زبان کی تسبیح کو وہ بھی سمجھتے تھے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہر ایک مخلوق اپنے خالق کے وجود پر گواہی دیتی ہے اسلئے کہ ہر مخلوق ایک قید اور ایک دائرہ اور ایک حد بست کے اندر ہے اور معرض زوال میں ہے لیکن خالق یا معبود مقید یا محدود اور زوال پذیر نہیں کیونکہ مقید اور محدود ہونا یا معرض زوال میں ہونا ایک عیب ہے پس عملی رنگ میں تمام چیزیں مقید اور محدود اور معرض زوال میں ہو کر ایک خالق کے وجود پر شہادت دیتی ہیں جو دوسری چیزوں کو اندازوں اور حد بست کے اندر رکھنے والا اور خود لازوال ہے اور یہی تسبیح ہے کہ وہ ان تمام عیوب سے پاک ہے جو مخلوق کے لاحق حال ہیں

۴۵ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا

اور جب تو قرآن کو پڑھتا ہی تو ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل

۴۶ مَّسْتُورًا ۝ وَّجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ

کر دیتے ہیں ۱۸۳۸ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ (ڈال دیا)

وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ۝

اور جب تو قرآن میں اپنے اکیلے رب کا ذکر کرتا ہی نفرت سے اپنی پیٹھیں پھیرتے ہوئے چل دیتے ہیں

اور شرک کی تردید اس سے ہوتی ہی اس لئے کہ جن کو خدا کے شریک بنایا جاتا ہی وہ سب مخلوقیت کی مہر اپنے اوپر رکھتے ہیں حلم و غفر کی صفات آخر میں لاکر یہ بتایا کہ جو لوگ اس کو چھوڑتے ہیں ان پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا - چنانچہ انہی لوگوں کا ذکر اگلی آیت میں ہی +

حجاب

۱۸۳۸ احجاباً - حَجَب اور حجاب کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف پہنچنے سے روک دینا، اور ایسی روک بھی - اور اہل جنت اور اہل نار کے درمیان جس حجاب کا ذکر ہی وبینہما حجاب (الاعراف - ۴۶) تو وہ ایسا پردہ نہیں جو نظر کو روکتا ہی بلکہ ایسا پردہ ہی جو اہل جنت کی لذات کو اہل نار کو پہنچنے سے اور اہل نار کی اذیت اہل جنت کو پہنچنے سے روکتا ہی (غ) اور یہاں تو خود ہی اس حجاب کو مستور بھی کہدیا ہی یعنی وہ ایسا پردہ ہی جو آنکھ سے نظر نہیں آتا +

اللہ تعالیٰ دلوں پر کیوں پردہ ڈالتا ہی

اس آیت میں حجاب کے حائل کرنے اور اگلی میں دلوں پر پردے ڈالنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہی جس کے متعلق مفصل بحث گزر چکی ہی ۱۸ - یہ پردے اس لئے ڈال دیئے جاتے ہیں کہ وہ خود سننا اور سمجھنا نہیں چاہتے چنانچہ یہاں بھی آیت ۴۱ میں بتایا کہ ہم تو طرح طرح کے پیرایوں میں باتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں مگر ان کی نفرت اور بڑھتی چلی جاتی ہے - اور اگلی آیت میں نفرت کو صاف الفاظ میں ان کی طرف منسوب کیا کہ جب ایک خدا کا ذکر ہوتا ہی تو وہ اس کے سننے کی برداشت ہی نہیں کر سکتے واذا ذکرت ربک فی القرآن وحدہ ولوا علیٰ ادبارھم نفوراً اور اسی کے مطابق دوسری جگہ اور بھی صفائی سے فرمایا واذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لایومنون بالآخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون (الزمر۳۹ - ۴۵) پس توحید الٰہی کا ذکر سنتے ہی ان کے دل گھٹ جاتے پھر سمجھنا کیا تھا یہی وہ پردے ہیں جو حائل ہو جاتے تھے - اور آیت ۴۷ میں اور بھی اسی بات کو واضح کیا ہی کہ وہ کچھ سنتے بھی ہیں تو صرف اس نیت سے کہ ان باتوں پر ہنسی اڑائیں اور حق تو یہ ہی کہ قرآن کریم اپنی تفسیر آپ کرتا ہے - دوسری جگہ قرآن کریم میں ہی وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی اٰذاننا وقر ومن بیننا وبینک حجاب (حٰم۴۱ - ۵) وہ خود کہتے تھے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہی اور ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب ہی اسی بات کو یہاں اس دوسرے پیرایہ میں بیان کیا ہی - اس آیت میں آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کا ذکر کرکے بتلایا کہ وہ توحید حقیقی سے بھی محروم رہ جاتے ہیں - گویا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہیں کہ ایک کا انکار دوسرے کا بھی انکار ہی +

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ ۴۷

ہم اس (نیت) کو خوب جانتے ہیں جس سے یہ سنتے ہیں جب تیری طرف کان لگاتے ہیں اور جب یہ خفیہ مشورے کرتے ہیں جب ظالم

الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۝ انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ ۴۸

کہتے ہیں کہ تم صرف ایک سحر والے مرد کی پیروی کرتے ہو ۱۸۳۹ دیکھ کس طرح تیرے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں

الربع

فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝ وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا ۴۹

سو یہ گمراہ ہو گئے اور راستہ نہیں پا سکتے ۱۸۴۰ اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائینگے تو کیا نئی

لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۝ أَوْ خَلْقًا ۵۰

پیدایش کیلئے اٹھائے جائینگے ۱۸۴۱ کہو پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور

مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ

مخلوق جو تمہارے دلوں میں بڑی سخت معلوم ہوتی ہو۔ پھر کہیں گے ہمیں کون لوٹائیگا کہو وہ جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا

مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا ۝ ۵۱

کیا۔ تب (بھی) وہ تیرے سامنے اپنے سر ہلائینگے اور کہینگے یہ کب ہوگا کہو شاید قریب ہی ہو ۱۸۴۲

مسحور

۱۸۳۹ مسحور۔ سَحَر غذا یا طعام کو کہتے ہیں اور سِحْر دھوکہ یا وہ چیزیں جن کا ماخذ دقیق و لطیف ہو اور مُسَحَّر اور مَسْحُور کے دونوں طرح معنی ہو سکتے ہیں یعنی سَحَر دیا گیا یا محتاج غذا یا کھاتا پیتا آدمی اور وہ جس کے لئے سِحْر کیا گیا ہو یعنی جس کی باریکی سے وہ اس امر کی طرف پہنچتا ہو جس کا وہ دعوی کرتا ہو (غ) گویا مراد اس سے ساحر ہی ہوا اور پہلے معنی ابن جریر نے بھی نقل کئے ہیں اور انکی صحت پر اشعار عرب سے سند دی ہو (ج) اور بعض نے مسحور بمعنی ساحر بھی لکھا ہو (د) گویا آپ کو چالباز یا دھوکہ دینے والا کہا نجوی کیلئے دیکھو ۷۳۱۔
یستمعون بہ میں یا تو مراد ہو جس چیز کو ساتھ لئے ہوئے سنتے ہیں یعنی استخفاف ہنسی وغیرہ اور یا لاجلہ مراد ہو یعنی جس نیت استہزاء وغیرہ سے سنتے ہیں۔ اور پھر بھی نہیں بلکہ آنحضرت کے خلاف مشورے کرتے ہیں +

آنحضرت کے متعلق مختلف رائیں

۱۸۴۰ ضربوا لک الامثال یا مثالیں بیان کرنے سے مراد ہو کہ کن کن سے تمہیں تشبیہ دیتے ہیں یعنی کبھی ساحر کہتے ہیں کبھی استہزاء کرتے اور مجنون کہتے ہیں کبھی مفتری قرار دیکر منصوبے کرتے ہیں اور گمراہ ہونے اور راستہ نہ پانے سے اسلامی صداقتوں کا انکار بھی مراد ہو سکتا ہو اور یہ بھی کہ آنحضرت کے معاملہ میں یہ بھٹک رہے ہیں اور کوئی مخرج نہیں ملتا کہ کیا ایک راستہ قایم کریں اسلئے کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ اور ایک دوسرے کو خود ہی جھٹلا دیتے تھے یہی حالت مخالفین اسلام کی آج بھی ہو اور یا مثالیں بیان کرنے سے مراد انکار بعثت وغیرہ کی باتیں ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہو +

رفت۔ رفات

۱۸۴۱ رفاتا۔ رَفْت کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہیں اور رفات وہ چیز ہے جو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پراگندہ کر دی جائے (غ)

انغاض

۱۸۴۲ ینغضون۔ اِنْغَاض دوسرے کی طرف سر کا ہلانا ہو گویا کہ اس کی بات پر تعجب کرتا ہو (غ) اور یہ اوپر نیچے ہلانا ہوتا ہو یا انکار

ع ۶ ۸ — عذاب الٰہی کے آنیکا قانون

۵۲ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۝ ۵۳ وَقُل لِّعِبَادِي

جس دن وہ تمہیں بلائیگا تب تم اسکی حمد کرتے ہوئے فرمانبرداری کروگے اور جان لوگے کہ تم تھوڑا ہی رہے ہو اور میرے بندوں کو کہدو

يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ

وہ (بات) کہیں جو بہت اچھی ہو بلا شبہ شیطان ان میں فساد ڈلوا تا رہتا ہو شیطان انسان کا

عَدُوًّا مُّبِينًا ۝ ۵۴ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِن يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ وَمَا

کھلا دشمن ہے ۱۸۴۳ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہو اگر وہ چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تمہیں عذاب دے اور ہم نے

۵۵ أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

تجھے ان کا ذمہ دار (بنا کر) نہیں بھیجا اور تیرا رب انہیں خوب جانتا ہو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں

کے طور پر بلانا دل) +

بعث بعد الموت پر تعجب

بعث بعد الموت مادہ پرستوں کے لئے ہمیشہ ہی تعجب کا مقام رہا ہے انکار کے رنگ میں کہتے ہیں کہ ہم مر جائینگے اور گوشت گل کر ہڈیاں رہ جائیں گی اور آخر وہ ہڈیاں بھی چورا ہو جائینگی تو کیا پھر ہم از سر نو زندہ کئے جائیں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ چورا اور مٹی تو آسانی سے زندگی قبول کرلیتی ہو اگر تم ایسی چیز بھی بن جاؤ کہ جو زندگی قبول ہی نہیں کرسکتی جیسے پتھر یا لوہا یا اس سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز جو تمہارے خیال میں آسکتی ہو۔ تب بھی موت کے بعد تم زندہ ہوگے اور آگے چل کر فرمایا کہ تم چورا چورا ہو جاؤ گے تو وہ تمہاری مثل پیدا کردے گا دیکھو (۹۹) کیونکہ وہ زندگی اعمال انسانی سے پیدا ہوتی ہو اور اس پیرایہ کے اختیار کرنے میں یہ بھی اشارہ ہو کہ اگر تمہارے دل پتھر اور لوہے کی طرح بھی سخت ہو جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی تمہیں ایمان کی توفیق دیدیگا اور شاید قریبا میں اسی طرف اشارہ ہو اور اگلی آیت میں حمد کے ساتھ فرمانبرداری کرنا اسی کا مؤید ہو گویا اس بعثت کبریٰ سے پیشتر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا نظارہ ایک بعثت صغریٰ میں بھی دکھادیگا +

آئندہ اسلام سے نرمی کی تعلیم

۱۸۴۳ عین اس وقت جب کفار کی طرف سے سخت تکلیفیں پہنچ رہی تھیں آنحضرت صلعم پر استہزا ہوتا آپ کو ساحر کاہن۔ مفتری شاعر کہا جاتا تھا مسلمانوں کو آیات بالا میں یہ خوشخبری سنا کر کہ یہ بھی ایک وقت اسلام قبول کریں گے یہ تعلیم دی جاتی ہو کہ سب کچھ سن کر بھی اپنے مخالفین سے احسن طریق پر بات کریں اور ان سے خشونت نہ کریں کیونکہ شیطان کی کوشش ہو کہ فساد بڑھائے نزغ کے لئے دیکھو ۱۱۹۵ اور سخت کلامی سے فساد اور بڑھے گا۔ کیا آج مسلمانوں کے لئے اس میں کوئی سبق نہیں آج سے کم اُس وقت مخالفین اسلام کی تباہی کے درپے نہ تھے۔ مگر حق اور صداقت دنیا میں صرف نرمی سے پھیل سکتے ہیں بغیر وحشی برتنے کے بھی ہم بعض افعال سے اظہار نفرت کرسکتے ہیں جن کا ارتکاب آج عیسائی اقوام طاقت کے نشہ میں کر رہی ہیں اگلی آیت میں بدحکم میں یہی اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام میں داخل کردے +

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ قُلِ ادْعُوا ۵۶

اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور داؤد کو ہم نے زبور دی[1844] کہو انہیں

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ ۵۷

پکارو جنہیں تم اسکے سوائے (معبود) گمان کرتے ہو تو وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنیکا اختیار رکھتے ہیں اور نہ بدل دینے کا[1845] وہ

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ

جنہیں یہ پکارتے ہیں خود اپنے رب کا قرب ڈھونڈھتے ہیں جو ان میں سے زیادہ قریب ہے اور اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور

يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ ۵۸

اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے[1846] اور کوئی بستی نہیں

زبور کی خصوصیت

۱۸۴۴ بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دینے میں اشارہ آنحضرت صلعم کی فضیلت کیطرف ہے دیکھو ۳۲۲ اور یہاں سورت کی ابتدا ہی اس ذکر سے ہوتی ہے جس میں یہ بتایا گیا کہ آپ کل انبیاء کے فضائل کو اپنے اندر جمع رکھتے ہیں اور کامیابی اور تقرب الٰہی کے بلند سے بلند مرتبہ پر جو انسان کے لئے ممکن ہے پہنچے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں اس فضیلت کی طرف اشارہ کرکے اس رکوع کے آخر پر پھر اسی رویائے معراج نبوی کا ذکر کیا۔ اور آیت ۸۵ میں آپ کی بعثت عامہ کا ذکر اسی کی طرف اشارہ ہے اور حضرت داؤد کو زبور دینے کا یہاں بالخصوص ذکر اس لئے کیا کہ ایک تو زبور میں شدت بہت ہے اس کے مقابل قرآن کریم نے اسی جگہ اعدائے اسلام تک کے لئے یقولوا التی ھی احسن کی تعلیم دی ہے اور دوسرے جن کامیابیوں کی طرف اس سورت میں توجہ دلائی ہے ان میں سے ایک یہی ہے کہ مسجد اقصٰی یعنی بیت المقدس بھی مسلمانوں کو دیا جائیگا اور یہ پیشگوئی خاص طور پر حضرت داؤد کی زبور میں ہی ہے ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (الانبیاء ۲۱ - ۱۰۵) پس حضرت داؤد اور زبور کا ذکر یہاں بے ربط نہیں بلکہ صاف بتاتا ہے کہ کس لطیف طریق پر سلسلہ مضمون کو قرآن کریم چلاتا ہے اور رکوعوں کے رکوع درمیان میں آجانے کے بعد بھی کس طرح سورت کے اصل مضمون کو قائم رکھتا ہے*

تحویل

حول

۱۸۴۵ تحویلا۔ حال سے ہے ۲۵۶ اور ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونا تحول اور منتقل کرنا تحویل ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ دکھ کو ان سے ہٹا کر دوسرے پر نہیں ڈال سکتے اور حِوَل اور تحوّل کے ایک ہی معنی ہیں لا یبغون عنھا حولا (الکھف ۱۸ - ۱۰۸) (ع)

وسیلة

۱۸۴۶ وسیلة کے لئے دیکھو ۸۲۳ ابن جریر میں اس کی تفسیر میں ہے کہ اس کے معنی قرب ہی ہیں اور یہی ابن عباس سے مروی ہیں

اَیّ

ایھم۔ میں یا ایّ موصولہ ہے اور یہ ضمیر یبتغون سے بدل بعض ہے یعنی جو ان میں سے مقرب ہیں وہ تو اللہ تعالٰی کی فرمانبرداری کے ساتھ اور بھی اس کے قرب کو چاہتے ہیں۔ اور یا ایّ استفہامیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ کوشش کرتے ہیں کہ کون ان میں سے زیادہ قرب حاصل کرے

حصول قرب الٰہی کا ذریعہ

یہاں کن معبودوں کا ذکر ہے بعض کے نزدیک جن مراد ہیں اور بعض کے ملائکہ اور بعض کے عیسٰی اور مریم اور عزیر (ج) اور آخری بات ہی درست ہے اس لئے کہ یہاں بذریعہ اعمال و طاعات کے قرب حاصل کرنے کا ذکر ہے کیونکہ جنوں کے مقرب بارگاہ الٰہی ہونے کا قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں۔ اور ملائکہ مقرب تو ہیں مگر وہ طاعات اور اعمال سے قرب حاصل نہیں کرتے نہ ان کے مدارج قرب میں کوئی ترقی ہوتی ہے پس مراد ایسے راستباز انسان ہی ہیں جیسے حضرت عیسٰی اور سب سے بڑا شرک انہی کے متعلق ہونے والا

اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ

مگر ہم اسے قیامت کے دن سے پہلے ہلاک کر دینگے یا اسے سخت عذاب دینگے یہ

۵۹ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا

کتاب میں لکھا ہوا ہے ۱۸۴۷ اور ہمیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ نشان بھیجتے رہیں ہاں یہ (ہوا) کہ پہلے انہیں جھٹلاتے

الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا

رہے اور ہم نے ثمود کو اونٹنی روشن (نشان کے طور پر) دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم نشان صرف ڈرانے کو بھیجتے ہیں ۱۸۴۸

تھا۔ اب بھی انجیل کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰی خود عبادات اور دعائیں کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں خدا کو خدا کا قرب حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اس کے عذاب سے ڈرنا اس کے قانون کو توڑنے سے ڈرنا ہے انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم (الانعام۔۱۵) خیر البشر کی زبان سے کہلوایا یعنی قرب الٰہی کو حاصل کرنے کا وہی راستہ ہے جس پر چل کر ان رہنماؤں نے قرب الٰہی حاصل کیا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کی جائے نہ یہ کہ ان کی عبادت کی جائے۔ جو شخص کسی بزرگ کو مقرب بارگاہ الٰہی سمجھتا ہو اسے چاہئے کہ خود اسی راستہ پر چلے جس پر چلکر وہ بزرگ مقرب بنا یہی سیدھی راہ ہے +

دنیا کی سب بستیوں کی ہلاکت یا عذاب کا آنا اور اس کی وجہ

۱۸۴۷ جب اوپر کی آیت میں بتایا کہ مقربین بارگاہ الٰہی بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں تو اب بتایا کہ ان کو خدا بنانیوالے کس طرح عذاب سے بچ سکتے ہیں کیونکہ وہ راستباز تو طاعات کی طرف قدم بڑھاتے تھے اور یہ ان کو خدا بنا کر معاصی پر دلیر ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان کے غلط راہ پر ہونے کا یہ نشان ہے کہ ان پر عذاب آتے رہینگے اسی کے مطابق دوسری جگہ ہے وقالت الیھود والنصٰری نحن ابناء اللہ واحباؤہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم (المآئدۃ ۵۔۱۸) اور یہاں حصر کیا ہے کہ قیامت سے پہلے ہر ایک بستی کو یا ہم ہلاک کر دینگے یا سخت عذاب دینگے۔ اور اسکے کتاب میں لکھا ہونے سے یہ مراد ہے کہ علم الٰہی میں یہ بات ہے جس کو اب قرآن شریف میں ظاہر کیا گیا۔ ان الفاظ سے خود قیامت کا آنا مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پھر ہلاکت اور سخت عذاب کو علیحدہ علیحدہ بیان نہ کیا جاتا۔ قیامت کے آنے پر تو ہلاکت ہی ہلاکت ہوگی اور خود زمین ہی پاش پاش کر دی جائیگی پس اس آیت میں ان امور کا ذکر ہے جو قیامت سے پیشتر آنحضرت صلعم کے زمانہ نبوت میں وقوع میں آنے والے ہیں اور ہلاکت سے مراد یہ ہے کہ بعض بستیاں بالکل تباہ کر دی جائینگی اور عذاب شدید سے مراد یہ ہے کہ ان پر طرح طرح کے مصائب بھیجے جائینگے اور جیسا کہ دوسرے مقامات سے ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا عذاب لوگوں کی اصلاح کے لئے آیا کرتا ہے اخذنا اھلھا بالبأساء والضرآء لعلھم یضرعون (الاعراف ۷۔۹۴) اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اسکے غضب پر سبقت لے گئی ہے اس لئے ہلاکت کا عذاب کم ہی آتا ہے بایں تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ بستیوں کی بستیاں دنیا سے بالکل نابود ہو گئیں اور یہ بھی سچ ہے کہ انسانوں کی ہر بستی کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ مزا طرح طرح کی بلاؤں کا چکھتی ہی رہتی ہے اور یہ اسلئے ہوتا ہے کہ لوگ ظلم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی سزا محض ان کی تنبیہ کیلئے اور ان کے معاصی کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فذاقت وبال امرھا وکان عاقبۃ امرھا خسرا (الطلاق ۶۵۔۹) وکاین من قریۃ عتت عن امر ربھا ورسلہ فحاسبنھا حسابا شدیدا وعذبنھا عذابا نکرا (الطلاق ۶۵۔۸) +

قرآن معجزات کا انکار نہیں کرتا۔

۱۸۴۸ اس آیت کے معنی میں بسا اوقات یہ غلطی کی جاتی ہے کہ اس میں معجزات یا خاص قسم کے معجزات کا انکار مانا جاتا ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب ہم نشان نہیں بھیجتے اسلئے کہ پہلے لوگوں نے ان کی تکذیب کر دی۔ اگر واقعی کسی کا تکذیب کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے روک

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً ۶۰

اور جب ہم نے تجھے کہا کہ تیرے ربّ نے لوگوں کا احاطہ کر لیا ہوا ہے اور ہم نے اس رؤیا کو جو تجھے دکھایا صرف لوگوں کیلئے فتنہ

لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۠

بنایا اور اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اور ہم انہیں خوف دلاتے ہیں تو اس سے انکی خطرناک سرکشی اور بڑھتی ہے [۱۸۴۹]

ہو سکتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سلسلہ رسل و انبیاء کو ہی بند کر دیتا کیونکہ کوئی رسول آیا جس کی تکذیب نہیں ہوئی۔ فان کذبوک فقد کذب رسل من قبلک (آل عمران ۳ - ۱۸۳) یحسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون (یٰس ۳۶ - ۳۰) اور یوں بھی یہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اسے پہلے علم نہ تھا کہ لوگ تکذیب کر دینگے جب لوگوں کے نشانات کی تکذیب کرنے سے یہ سمجھ آ گیا۔ کہ نشانات کا بھیجنا بے سود ہے تو پھر اس نے ان کا بھیجنا بند کر دیا۔ بعض روایات جو اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر اور ابن جریر نے بیان کی ہیں۔ ان میں یوں آیا ہے کہ کفار نے کہا تھا کہ صفا کا پہاڑ سونا ہو جائے تو ہم مان لینگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ایسا کر دونگا لیکن اگر یہ پھر بھی نہ مانیں گے تو بالکل تباہ کر دیئے جائینگے جیسے پہلی امتیں ہلاک کر دی گئیں تو آنحضرت صلعم نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ میں ان کے معاملہ میں نرمی کی درخواست کرتا ہوں تب یہ آیت نازل ہوئی اس صورت میں گویا الاٰیات سے مراد وہ خاص نشان لیا گیا تھا جو قریش نے مانگا اور کذب بہا میں ضمیر ان نشانوں کی طرف نہیں بلکہ ان کی جنس کی طرف ہوگی۔ مگر اس توجیہ کو آیت کے آخری الفاظ وما نرسل بالاٰیات الا تخویفا صحیح نہیں ٹھہراتے کیونکہ صفا کا سونا بنانا تخویف کے لئے نہ تھا۔ اور علاوہ ازیں اگلی آیت میں نخوفھم لا کر بتا دیا کہ جس طرح پہلے آیات تخویف کے لئے بھیجتے رہے ہیں اب بھی بھیج رہے ہیں اور یہ دونوں باتیں صاف بتاتی ہیں کہ اس آیت میں کسی قسم کے معجزات کا بھی انکار نہیں۔ اور سیاق مضمون بھی صاف یہی بتاتا ہے کہ یہاں انکار آیات نہیں کیونکہ اس سے پچھلی آیت میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا تھا کہ ہم عذاب ہلاکت یا دوسرے عذاب دنیا میں بھیجتے رہینگے اور اگلی آیت میں بھی عذاب بھیجنے کا ذکر ہے پس الّا کو استثناء منقطع لیکر آیت کے معنی یوں ہونگے کہ کسی چیز نے بھی ہمیں نشانوں کے بھیجنے سے نہیں روکا ہاں دوسری طرف یہ بھی ہوتا رہا کہ جن کیلئے یہ نشان بھیجے گئے تھے کہ وہ ان سے سبق حاصل کریں انہوں نے نشانات کی تکذیب کی۔ اور آیات تخویف کیلئے بھیجی جاتی ہیں یعنی ہلاکت سے کمتر عذاب اسلئے بھیجے جاتے ہیں کہ لوگ ڈر کر رجوع کریں ❖

ناقہ ثمود اور اسکے خصوصیت سے ذکر کی وجہ

اور درمیان میں ثمود کو ناقہ دینے کا ذکر بطور جملہ معترضہ کیا ہے اور یہ گویا ان آیات کی ایک مثال ہے یعنی اس اونٹنی کو بھی بطور ایک نشان کے انہیں دیا گیا تھا سو اس پر انہوں نے ظلم کیا۔ اس اونٹنی کا خصوصیت سے ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تباہ شدہ قوموں میں اہل حجاز سے قریب ترین قوم ثمود ہی تھی جو الحجر میں مدینہ کے شمال میں آباد تھی اور جو کچھ منصوبہ حضرت صالح کے اعداء نے صالح کے خلاف کیا بعینہ وہی منصوبہ نبی کریم صلعم کے اعداء نے آپکے خلاف کیا قالوا تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن لولیہ ما شھدنا مھلک اھلہ وانا لصٰدقون (النمل ۲۷ - ۴۹) اور بعینہ ایسا ہی منصوبہ نبی کریم صلعم کے خلاف ہوا تھا حالانکہ وہ سورت اس منصوبہ سے بہت پہلے کی ہے اور ثمود کا اونٹنی کو مارنا حضرت صالح کے قتل کا پیش خیمہ تھا اور شاید یہ بھی اس میں مدنظر ہو کہ وہ بھاگ نہ سکیں ❖

احاطۃ

[۱۸۴۹] احاط بالناس۔ احاطۃ کیلئے دیکھو [۱۳۸۷] یہاں مراد قدرت کے ساتھ احاطہ کرنا ہے اور احیط بفلان سے مراد ہوتی ہے اس کی ہلاکت قریب آ گئی ❖

رؤیا

الرؤیا۔ خواب کے ساتھ مخصوص ہے [۱۵۱۶] اور اس رؤیا سے مراد معراج ہے جیسا کہ بخاری اور دیگر کتب حدیث سے ثابت ہے لیکن یہاں جو مفسرین نے اسے رؤیا عین کہا ہے تو یہ صریحاً لغت کے خلاف ہے اور اسلئے قبول نہیں کیا جا سکتا مفصل [۱۸۰۱] میں گزر چکا ❖

ع ۱۰
مخالفین کیلئے عذاب

۶۱ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو انہوں نے فرمانبرداری کی مگر ابلیس (نے نہ کی)، اس نے کہا کیا میں اسکی فرمانبرداری (کروں جسے تو نے)

۶۲ طِيْنًا ۔ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

مٹی سے پیدا کیا ہے کہا بتا یہ بھی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر بزرگی دی ہے اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دے تو

۶۳ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

میں ضرور سوائے تھوڑے سے اسکی نسل کو ہلاک کر دونگا ۱۸۵۱ فرمایا چلا جا جو کوئی ان میں سے تیری پیروی کریگا

الشجرۃ الملعونۃ — الشجرۃ الملعونۃ سے مراد زقوم کا درخت لیا گیا ہے اور یہ معنی ابن عباس سے مروی ہیں اور ملعونۃ اسے اسلئے کہا کہ اس کے کھانیوالے ملعون ہونگے لیکن دیکھو ۵۵ ا بدو استکبار کی وجہ سے جسے قرآن شریف میں ایک شجرۃ ہی قرار دیا گیا ہے شیطان ملعون ہے اور خود بدی کو شجرۃ خبیثۃ کہا ہے (ابراھیم ۱۴-۲۶) +

رویائے معراج — رکوع کی اس آخری آیت میں صاف طور پر سورت کے اصل مضمون کی طرف پھر متوجہ کیا ہے اور اس رویا کا ذکر کیا ہے جس سے سورت کی ابتدا کی تھی اور پہلے بلحاظ سیاق مضمون بتایا کہ جو مخالف اپنے آپ کو بڑا طاقتور سمجھتے ہیں وہ سب اللہ کی گرفت میں ہیں اور ہلاک کر دیئے جائینگے اور بعض مفسرین نے یہاں اشارہ بالخصوص بدر کی طرف مانا ہے اور پھر رویائے معراج کا ذکر کیا ہے جس میں نبی کریم صلعم کی آیندہ کامیابیوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور پھر ملعون درخت کا یعنی زقوم کا درخت جو دوزخیوں کا طعام ہوگا اور اس میں اشارہ مخالفوں کی سزا دہی کی طرف ہے اور یا بدی کا درخت یا ابا و استکبار کا درخت کہ اسی سے ڈرانا مقصود ہے اور ان دونوں کو فتنۃ للناس فرمایا ہے رویا کا فتنہ ہونا تو اس لحاظ سے ہے کہ لوگوں کیلئے ابتلا اور امتحان کا موجب ہوگی اور ملعون درخت سے اگر زقوم مراد لیا جائے تو اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ سنکر کہ قرآن شریف نے دوزخیوں کی خوراک زقوم بتائی ہے ابوجہل نے کھجوریں اور مکھن منگوا کر اسے ملایا اور کہا ہم تو اسی کو زقوم کہتے ہیں اور اگر ابا و استکبار مراد لیا جائے تو وہ اس لحاظ سے فتنہ ہے کہ اس کو اختیار کرکے لوگ دکھوں اور تکلیفوں میں پڑتے ہیں +

اکرام۔ تکرم۔ مکرم — ۱۸۵۰ کرامت ۔ کرم کیلئے دیکھو ۲۲۷۱ اور اکرام اور تکریم ایسا نفع پہنچانا ہے جس میں کوئی خواری یا نقصان نہ ہو (غ) بل عباد مکرمون (الانبیاء ۲۱-۲۶) ہل اتٰک حدیث ضیف ابراھیم المکرمین (الذٰریٰت ۵۱-۲۴) +

حنک۔ احتناک — احتنکن ۔ حنک انسان اور جانور کے منہ میں اس حصہ کو جو ٹھوڑی کے نیچے اندر کی طرف ہے کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک تالو کو بھی ۔ اور احتناک جس سے یہاں احتنک فعل آیا ہے جانور کے متعلق کہا جاتا ہے جب اس کے نچلے جبڑے میں رسہ ڈال کر اسے چلایا جائے اور ٹڈی جب زمین کی روئیدگی کو کھا کر بالکل صاف کر دے تو اس پر بھی احتنک بولا جاتا ہے پس احتنک کے معنی ہونگے انہیں قابو میں کرکے ان کا استیصال کر دونگا (ل) +

شیطان کی تعلّی — پچھلے رکوع میں اعدائے حق اور انکے عذاب کا ذکر تھا ۔ اب بتایا ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلعم کے پیغام کو پھیلانے سے روکتے ہیں وہ عذاب سے بچ نہیں سکتے لیکن اس سے پہلے اپنا ایک عام قانون بیان فرمایا ہے کہ شیطان ہمیشہ سے ہی انسان کا دشمن چلا آیا ہے اور وہ راستی اور نیکی کے پھیلانے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے مگر یہاں فرمانبرداری کے انکار کے بعد شیطان کی تعلیوں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اپنے بڑے بڑے دعووں میں کہ میں یوں کردوں گا جھوٹا ہے اور اپنے اولیاء سے جو وعدے وہ کرتا ہے وہ بھی سب دھوکہ

فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ ۶۴

تو دوزخ تمہاری سزا ہی (اور) پوری سزا ہے ۱۸۵۱ اور ان میں سے جس کو تو کرسکے اپنی آواز سے خفیف کردے اور

اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا

ان پر اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کو اکٹھا کر لا اور ان کے مالوں اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدہ کرتا رہ اور

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝ ۶۵

شیطان جو ان سے وعدہ کرتا ہے صرف دھوکا ہے ۱۸۵۲ میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ حاصل نہیں اور تیرا رب کافی کارساز ہے ۱۸۵۳

ان تعلیمات میں اعدائے حق کی تعلیموں بلکہ تمام بدی کی طرف بلانے والوں کی تعلیموں کا نقشہ کھینچا ہے مٹی سے پیدا شدہ پر فخر کرنے کی وجہ کیلئے دیکھو ۱۰۵۴ +

وفرا ۔ موفور

۱۸۵۱ موفور ۔ وفرت کے معنی ہیں ایک چیز کو تمام اور کامل کیا ۔ اسی سے موفور بمعنی کامل ہے (غ)

فزّ ۔ استفزّ

۱۸۵۲ استفزز ۔ فزّ کے معنی ہیں گھبراہٹ میں ڈال دیا اور استفزّہٗ کے بھی یہی معنی ہیں اور نکال دیا یا اسے ہلاکت میں ڈال دیا یا ڈرا دیا یا خفیف بنا دیا ۔ وان کادوا لیستفزونک من الارض (۷۶) (ل) ان یستفزهم من الارض (۱۰۳) +

صوت ۔ انصات

صوت ۔ صَوْت مطلق آواز کو کہتے ہیں خواہ اس کے معنی ہوں یا نہ ہوں اور ہر آواز کو جو دو جسموں کے کھٹکھٹانے سے پیدا ہو صوت کہا جاتا ہے اور انصات کے معنی ہیں باتوں کو ترک کرکے ایک کلام کو سننا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (الاعراف ۲۰۴) (غ) اور یہاں شیطان کے وسوسہ کو یا اسکے بلانے یا اس کی تحریک کو تحقیر کے رنگ میں صوت سے تعبیر کیا ہے گویا وہ ایک بےمعنی بات ہے (ر) +

جلب ۔ اجلب

اجلب ۔ جلب ایک جگہ سے ہانک کر دوسری جگہ لے جانا اور اَجْلَبْتُ علیہ کے معنی ہیں اس پر زور سے چیخ ماری (غ) اور اَجْلَب علیه کے معنی یہ بھی آتے ہیں کہ اس پر جماعتوں کو اکٹھا کر لایا اور اسے شور سے ڈرایا (ل) +

شیطان کے سوار اور پیادے

بخیلک ورجلک ۔ خیل سوار ۳۸۵ رَجِل پیادہ بمعنی راجل ۳۰ اور یہاں راجل کی جمع کے طور پر استعمال ہوا ہے شیطان کے سواروں اور پیادوں سے مراد بعض نے وہ سوار اور پیادے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں جنگ کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک مراد صرف اس کے اعوان اور اتباع ہیں یعنی اس کے مددگار +

شیطان کی مال اور اولاد میں شرکت

شارکهم فی الاموال والاولاد ۔ شیطان کی مالوں اور اولاد میں شرکت سے مراد بعض کے نزدیک ان کا اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف کرنا اور ناجائز طریق پر کمانا ہے اور بعض نے اولاد میں شیطان کی شرکت سے مراد اولاد زنا لی ہے اور بعض نے ان کا ادیان باطلہ میں داخل کرنا مراد لیا ہے (ج) اور درحقیقت یہ لفظ ان سب باتوں پر حاوی ہیں +

یہاں بتایا ہے کہ شیطان جس رستہ سے بھی چاہے انسان کو بہکائے اور اپنی جمعیت سے اور اپنے اعوان و انصار سے ڈرائے یہ سب دھوکہ ہے فی الحقیقت وہ انسان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا +

شیطان کو انسان پر کوئی تصرف نہیں دیا گیا

۱۸۵۳ اوپر کی سب باتوں کا جواب ایک ہی دیا گیا ہے کہ میرے بندوں پر شیطان کو کوئی تسلط یا غلبہ حاصل نہیں ۔ عبادی سے مراد سب بندے بھی ہو سکتے ہیں اور عباد اللہ المخلصین بھی ۔ اور یہ سچ ہے کہ شیطان کو فی الواقع کسی انسان پر بھی غلبہ نہیں دیا گیا یعنی وہ اسے زبردستی پکڑ کر معصیت نہیں کرا سکتا جیسا کہ دوسری جگہ شیطان کا اپنا اعتراف موجود ہے ان اللہ وعدکم وعد الحق ووعدتکم

٦٦ رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝

تمہارا رب وہ ہو جو تمہارے لئے دریا میں کشتیاں چلاتا ہو تاکہ تم اسکے فضل کو طلب کرو بیشک وہ تم پر رحم کرنیوالا ہو ۱۸۵۴

٦٧ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ

اور جب تمہیں دریا میں مصیبت پہنچتی ہو تو وہ (سب) جاتے رہتے ہیں جنہیں تم پکارتے ہو مگر وہی (رہتا ہی) پھر جب تمہیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہی تم منہ پھیر لیتے ہو

٦٨ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۝ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ

اور انسان ناشکر گزار ہی تو کیا تم (اس سے) نڈر ہو کہ وہ تمہیں خشکی کے قطعہ پر ہی نابود کردے یا تم پر کنکر برسانیوالی آندھی

٦٩ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ۝ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ

بھیجدے پھر تم اپنے لئے کوئی کارساز نہ پاؤ ۱۸۵۵ یا تم (اس سے) نڈر ہو کہ ایک دفعہ پھر تم کو اسی دریا میں لیجائے پھر تم پر

عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ۝

(کشتی) توڑ دینے والی ہوا چلادے اور تم کو غرق کردے اسلئے کہ تم نے ناشکری کی پھر تم اپنے لئے ہمارے خلاف اس (معاملہ) کی کوئی پیروی کرنیوالا نہ پاؤ ۱۸۵۶

فاخلفتکم وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی (ابراھیم ۱۴ - ۲۲) یعنی اللہ وعدہ دیتا تھا تو وہ وعدہ سچا ہوتا تھا اور میرا وعدہ جھوٹا نکلتا تھا اور مجھے تم پر کوئی غلبہ بھی حاصل نہ تھا (اور یہاں مخاطب خود اسکے پیچھے لگنے والے ہیں) میں صرف تمہیں بلاتا تھا تو تم فوراً میری بات مان لیتے تھے۔ البتہ جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں ان کو وہ بلا بھی نہیں سکتا اور انکی مخالفت کے رنگ میں اس کی کوشش آخر کار ناکام ہوتی ہو ؛

۱۸۵۴ یہاں خطاب ان مشرکین سے ہو جو شیطان کے پیچھے لگ کر خدا کو چھوڑتے تھے اور شرک کرتے تھے۔ تو اپنی نعمتوں کو یاد دلایا ہو کہ ان سامانوں کا پیدا کرنیوالا جن سے تم فائدہ اٹھاتے ہو اللہ تعالیٰ ہی ہو نہ تمہارے معبودان باطل پھر بھی خدا کو چھوڑ کر ان کی طرف جھکتے ہو ؛

حاصب — ۱۸۵۵ حاصب۔ حَصَبَۃ کنکری کو کہتے ہیں اور حاصِب اس ہوا کو کہتے ہیں جو بوجہ اپنی شدت کے مٹی اور کنکر اُڑا دیتی ہو اور اس بادل کو بھی جس سے اولے برستے ہیں اور عذاب کے معنی میں بھی آتا ہو جیسے حضرت علی نے خوارج کو فرمایا اصابکم حاصِبٌ یعنی تم پر عذاب آیا (ل) ؛

خسف اور ہوا کا عذاب — یہ نقشہ قرآن کریم نے بار بار کھینچا ہو کہ کس طرح مشرک جب اس انتہائی بیکسی کی حالت کو پہنچتے ہیں جو طوفان کے وقت سمندر میں پیش آتی ہو تو شریکوں کو چھوڑ کر خدا کو پکارتے ہیں لیکن مصائب سے نکل کر پھر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں تو فرماتا ہو کہ اللہ تعالیٰ تو خشکی میں بھی یعنی اس جگہ جسے تم مقام امن سمجھتے ہو تمہیں نابود یا ذلیل کرسکتا ہو جیسا بدر میں ہوا۔ خسف کے معنی کے لئے دیکھو ۱۶۴۲ یا سخت ہوا چلا کر تمہاری قوت کو توڑ سکتا ہو جیسا کہ غزوہ احزاب میں ہوا ؛

قاصف — ۱۸۵۶ قاصف۔ وہ ہوا ہو جو جس چیز پر چلے درخت ہو یا عمارت اسے توڑ دے اور خطرناک گرج کو رعد قاصف کہتے ہیں (غ) ؛

تبیع — تبیع۔ تَبِعَ کے معنی ہیں پیروی کی اور تبیع کئی معنی میں آتا ہو حدیث زکوٰۃ میں اس سے مراد گائے کا نر بچہ ہو جب ایک سال کا ہو جائے اسلئے کہ وہ ماں کے پیچھے چلتا ہو اور حدیث حدیبیہ میں تبیع بمعنی خادم ہو اور تبیع وہ بھی ہو جو کسی حق کے لئے جس کا وہ

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ ۷۰

اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم انکو خشکی اور تری میں اٹھاتے ہیں اور انکو اچھی چیزوں سے رزق دیتے ہیں اور ہم نے ان کو بہتوں

عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ ۷۱

جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے بڑی فضیلت دی ہے ۱۸۵۷ جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے سرداروں کے ساتھ بلائینگے تو جسے اسکی کتاب

كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝

اسکے داہنے ہاتھ میں دیجائیگی وہ اپنی کتاب کو پڑھینگے اور انکی کتابیں، ذرہ بھر کمی نہ ہوگی ۱۸۵۸

ع — رسول اللہ صلعم کے خلاف کوششیں

مطالبہ کرتا ہے دوسرے کا پیچھا کرے (یعنی ناصر یا بدلہ لینے والا)۔ اور یہاں یہی معنی ہیں اور بعض نے تبیع کے معنی یہاں کئے ہیں ایسا پیچھا کرنے والا جو اس عذاب کا جو تم پر نازل ہوا انکار کرے یا اسے تم سے ..... پھیر سکے (ل)، شاید کشتیوں پر فخر کرنے والی قوم کو سمجھایا ہے کہ ایک دفعہ کشتی بچ نکلے تو دوسری دفعہ غرق ہوسکتی ہے اور یا عمومیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ایک وقت شدائد و مصائب سے جن کو ظلمات بحر سے تشبیہ دی جاتی ہے نجات دیدے تو انسان کو نڈر نہ ہو جانا چاہئے اور یہاں خطاب اس قوم کو کیا ہے جو مخالفت حق پر کمربستہ ہو رہی ہے ✦

بنی آدم کی فضیلت

۱۸۵۷ یہاں سب بنی آدم کو عزت اور بزرگی دینے کا ذکر ہے اور یہ بحیثیت مخلوق کے بمقابلہ دوسری مخلوق کے ہے۔ اور کثیر سے مراد یہ نہیں کہ بہت سی قسم کی مخلوق پر تو بنی آدم کو فضیلت دی ہے اور بعض پر نہیں بھی دی یعنی کثیر کسی کے مقابلہ پر نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ تمہیں ایک دو قسم کی مخلوق پر فضیلت نہیں دی بلکہ بہت قسموں کی مخلوق پر فضیلت دی ہے کیونکہ دوسری جگہ صاف فرمایا وھو فضلکم علی العالمین (الاعراف ۱۴۰) اور علاوہ ازیں یہاں اس تکریم کا ذکر بمقابلہ شیطان کے انکار تکریم کے ہے ھذا الذی کرمت علیّ کیونکہ انسان کی فرمانبرداری کا اسے حکم تھا اور انسان کی فرمانبرداری کا ملائکہ کو بھی حکم تھا پس جس دلیل سے انسان کی کرامت شیطان پر ثابت ہے اسی دلیل سے ملائکہ پر بھی اس کا شرف ثابت ہے اور یہ شرف اس لحاظ سے ہے کہ اس کی ترقیات غیر متناہیہ ہیں اور یہاں بنی آدم کی بزرگی کے ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ ہم نے تو تم کو مخلوق پر فضیلت دی ہے تم کیوں اس کمال نفس کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اپنی کرتوتوں سے اسے ذلیل کرتے ہو ✦

یمین

۱۸۵۸ یمین کے مختلف معانی کے لئے دیکھو ۱۵۲۱ قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال اللہ تعالیٰ کیلئے جہاں ہوا ہے وہ بطور استعارہ اور مجاز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تشبیہ اور جسم سے پاک ہے (ل) اور حدیث میں آتا ہے کلتا یدیہ یمین اس کے دونوں ہاتھ یمین ہیں یعنی صفت کمال سے متصف ہیں اور ایک سے دوسرے میں کچھ کمی نہیں کیونکہ بایاں ہاتھ بہ نسبت دائیں کے ناقص ہوتا ہے (ل) اور انسان کے متعلق بھی اس کا استعمال سوائے دائیں ہاتھ کے اور معنی میں ہوتا ہے ھو عندنا بالیمین کے معنی ہیں وہ ہمارے ہاں منزلہ حسنہ یا اچھا مقام رکھتا ہے۔ اور انکم کنتم تاتوننا عن الیمین (الصّٰفّٰت ۳۷ - ۲۸) میں زجاج نے معنی کئے ہیں باقوی الاسباب یعنی نہایت قوی ذرائع کے ساتھ اور ایسا ہی فراغ علیہم ضربا بالیمین (الصّٰفّٰت ۳۷ - ۹۳) میں ایک معنی قوت لئے گئے ہیں (ل) ✦

ظلم

یظلمون ظلم کیلئے دیکھو ۵۵ حق سے مجاوزت کمی سے ہو یا زیادتی سے ظلم ہے۔ اور اس لئے اس کے معنی صرف کم کرنے کے بھی آتے ہیں جیسے وما ظلمونا ولکن کانوا انفسہم یظلمون (البقرۃ ۲ - ۵۷) یعنی ہمارا کچھ کم نہیں کیا کلتا الجنتین اٰتت اکلہا ولم تظلم منہ شیئا (الکہف ۱۸ - ۳۳) یعنی اس میں سے کچھ کم نہیں کیا (ل) یہی معنی یہاں ہیں یعنی انکے اعمال حسنہ میں کوئی کمی نہ کی جائیگی ✦

۷۲ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى

اور جو کوئی اس (دنیا) میں اندھا رہا

لوگوں کا اپنے اماموں کے ساتھ بلایا جانا

پچھلے رکوع میں مخالفین کو سمجھایا تھا کہ عذاب الٰہی سے نڈر نہ ہوں اس میں مخالفین کی ان کوششوں کا ذکر کیا ہے جو وہ رسول اللہ صلعم کے خلاف کر رہے تھے۔ اور پہلی دو آیتوں میں پچھلے رکوع کی آخری آیت کے سلسلہ میں کہ بنی آدم کو ہم نے کتنا بڑا شرف عطا فرمایا ہے یہ بتایا ہے کہ جو کوئی اس کمال کے حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے اسی لئے محروم رہتا ہے کہ اس کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر رکھتا ہے۔ امام سے مراد یہاں روحانی سردار یعنی انبیاء ہی ہیں جن کی پیروی کا لوگ دعوٰی کرتے تھے اسی لئے دوسری جگہ انہیں شہید کہا ہے۔ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید و جئنا بک علٰی ھٰؤلاء شہیدا (النساء ۴ - ۴۱) اور امام کے ساتھ بلانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے امام نے تو انہیں کمال انسانی کی طرف دعوت دی تھی پھر ایک گروہ نے اس کی پیروی کی اور اس کمال کو پا لیا اور دوسرے نے اس سے آنکھیں بند کر لیں اور محروم رہ گئے اور بعض نے امام سے مراد ان کے اعمال اور بعض نے وہ کتاب مراد لی ہے جو ان پر نازل کی گئی (ج) اور نبی یا کتاب معنی کے لحاظ سے مفہوم ایک ہی ہے امام کیلئے دیکھو ۱۵۵ +

کتاب کا یمین یا داہنے ہاتھ میں دیا جانا

کتاب کے داہنے ہاتھ میں دیا جانے سے کیا مراد ہے؟ قرآن کریم میں جہاں بعض لوگوں کے یمین میں کتاب دینے کا ذکر ہے تو دوسروں کیلئے مختلف پیرائے اختیار کئے ہیں کہیں تو اسکے مقابل پر فرمایا واما من اوتی کتٰبہ بشمالہ (الحاقۃ ۶۹ - ۲۵) اور کہیں فرمایا واما من اوتی کتٰبہ وراء ظہرہ (الانشقاق ۸۴ - ۱۰) اور یہاں کتاب کو یمین میں دینے کے مقابل پر فرمایا ومن کان فی ھٰذہ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی تو پس یمین میں کتاب ہونے کے مقابل پر شمال میں کتاب ہونا بھی ہے اور پیٹھ پیچھے کتاب ہونا بھی اور اندھا ہونا بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قیامت کے دن کتابوں کا دیا جانا جزاء وفاقا کے رنگ میں ہے یعنی ایک لوگ وہ ہیں جو اس کتاب کو جو انہیں ان کے نبی کی معرفت ملتی ہے اس دنیا میں یمین میں لیتے ہیں یعنی قوت و قدرت سے اس پر عمل کرتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو شمال میں لیتے ہیں یعنی ناقص طور پر اسے لیتے ہیں یا وراء ظہرہ یعنی اسے پیٹھ پیچھے پھینک دیتے ہیں۔ جیسا دوسری جگہ ہے فنبذوہ وراء ظہورھم (آل عمران ۳ - ۱۸۶) یا وہ جو بالکل ہی اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اندھے رہتے ہیں تو اسی کے مطابق قیامت میں ان سے معاملہ ہوگا جس نے یہاں کتاب کو یمین میں لیا اسے وہاں بھی یمین میں دی جائے گی اور جس نے یہاں شمال میں لیا اسے وہاں بھی شمال میں ملے گی اور جس نے یہاں کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینکا اس کو وہاں بھی پیٹھ پیچھے ملے گی اور جو یہاں اندھا رہا وہ وہاں بھی اندھا ہوگا رہا یہ کہ یمین یا شمال یا وراء ظہرہ دینا کس رنگ میں ہوگا سو ان کیفیات کو ہم اس دنیا میں نہیں سمجھ سکتے آخرت کے جتنے معاملات ہیں مالا عین رأت کے مصداق ہیں۔ دوزخی اندھے بھی ہونگے اور دیکھینگے بھی ان کو کلام کی اجازت بھی نہیں ہوگی اور بولینگے بھی وہ جنت سے دور بھی ہونگے اور جنتیوں سے پانی وغیرہ بھی مانگینگے اور انہی یمین میں کتابوں والوں کو جو اصحاب الیمین اور شمال میں کتابوں والوں کو اصحاب الشمال کہا ہے تو اصحاب الیمین کے معنی امام راغب کرتے ہیں اصحاب السعادات والیمن یعنی سعادتوں اور برکتوں والے اور ایک حدیث میں جو ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ہے یوں آتا ہے کہ کتاب یمین میں ملتے ہی اس شخص کا چہرہ روشن ہو جائے گا +

نامۂ اعمال کا پڑھنا

اولٰئک یقرءون کتٰبھم سے کیا مراد ہے بظاہر یقرءون کتابھم کے مقابل پر اگلی آیت میں اعمٰی لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے نہیں پڑھینگے مگر اس سورت میں گزر چکا کہ سب کو حکم ہوگا اقرء کتٰبک (۴۷) اپنی اپنی کتاب پڑھو ۱۳-۱۸ +

پس یہ پڑھنا ایسا ہے جسے اندھا بھی پڑھ سکتا ہے اور چونکہ پڑھنے سے انسان کو علم حاصل ہو جاتا ہے اس لئے اصل منشا یہی ہے کہ انہیں ان اچھے اور برے اعمال کا علم ہو جائیگا مگر نہ صرف واقعات کے رنگ میں بلکہ نتائج کے رنگ میں کیونکہ بار بار اس کا

فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝ وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا ۷۳

تو وہ آخرت میں بھی اندھا اور رستہ (کے معاملہ) میں زیادہ گمراہ ہوگا ۱۸۵۹ اور انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ تجھے اس سے ہٹا کر جو ہم نے تیری طرف

إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ ۷۴

وحی کی دُکھ میں ڈالیں تاکہ تو اسکے سوا کے ہم پر جھوٹ بنا لے اور تب یہ ضرور تجھے دوست بنا لیتے ۱۸۶۰ اور اگر ہم نے تجھے ثابت قدم نہ بنایا ہوتا

لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ ۷۵

تو تو تھوڑا سا ضرور ان کی طرف جھک جاتا ۱۸۶۱ تب البتہ ہم تجھے دگنا (عذاب) زندگی میں اور دگنا

وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝

مرنے پر چکھاتے پھر تو ہمارے خلاف کوئی مددگار نہ پاتا ۱۸۶۲

ذکر یوں بھی آتا ہے ذوقوا ماکنتم تعملون (العنکبوت ۲۹ ۔ ۵۵) اور چکھنے سے مراد نتائج کا بھگتنا ہوتا ہے ۔

آخرت میں اندھا ہو

۱۸۵۹ اعمیٰ کے لئے دیکھو ۱۴۵۷ پہلے اعمیٰ سے مراد مجازاً اندھا لیا گیا ہے اور دوسرے سے حقیقی طور پر اندھا لیکن دوسری جگہ فرمایا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید (قٓ ۵۰ ۔ ۲۲) یعنی اس دن نظر تیز ہو جائے گی ۔ اور دوسری آیات سے بھی ان کا دیکھنا ثابت ہے پس دوسرے اعمیٰ سے مراد بھی ایسا اندھا نہیں ہو سکتا کہ جس کی بصارت نہ ہو اور اضل سبیلا سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور اضل اسے اسی لئے کہا کہ جو شخص غلط راستہ کو اختیار کر لیتا ہے وہ روز بروز حق سے دور ہی ہوتا چلا جاتا ہے اس آیت میں دوزخ کی کیفیات کو دوسرے رنگ میں بیان کیا ہے اور عذاب نار کے پہلو بہ پہلو یہ نقشہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور اعمیٰ سے مراد یہاں یہی ہو سکتی ہے کہ اپنے رب کے لقاء سے محروم رہے گا اور وہ نور اسے نہ ملے گا جو مومنوں کو ملیگا بلکہ وہ تاریکیوں میں رہے گا ۔

عذاب کا ایک رنگ

فتن

۱۸۶۰ لیفتنونک ۔ یفتنون ۔ فتن سے ہے اس کے ایک معنی کیلئے دیکھو ۲۷۷ اور راغب نے یوں معنی کئے ہیں کہ تجھے بلا اور مصیبت میں ڈالیں (غ)

آنحضرت کو لالچ دیکر دعوت سے روکنے کی کوشش

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بعض مدنی واقعات کا ذکر کر دیا ہے حالانکہ سورت اور اس کی یہ آیت مکی ہے اور اس میں اشارہ قریش کے اس وفد کی طرف ہے جس کا ذکر ابن ہشام میں ہے یعنی جب آپ کو اور آپکے صحابہ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا کر قریش آپکے دعوت الی الاسلام کے کام کو روکنے میں ناکامیاب ہوئے تو انہوں نے لالچ دیکر آپ کو اس کام سے روکنا چاہا اور آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا کہ قرآن شریف میں آپ من دون اللہ معبودان کا ذکر چھوڑ دیں تو جو چیز آپ چاہیں دولت حسن حکومت وہ سب حاضر کرنے کو تیار ہیں مگر آپنے اس لالچ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا ۔

آپکا ثبات قدم

۱۸۶۱ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رسول اللہ صلعم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ قریش کی بات مان لیں اور نہ الفاظ سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے بلکہ یہاں تو صاف فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم نہ کیا ہوتا تو تو جھک جاتا یعنی لالچ اس قدر زبردست تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت آپکے شامل حال نہ ہوتی تو آپ جھک جاتے یا کوئی آدمی کتنا ہی بڑا ہوتا جھک جاتا اگلی آیت بھی یہی بتاتی ہے کہ آپنے کبھی ایسا ارادہ نہیں کیا کیونکہ عذاب نہیں آیا ۔

آپکا حفاظت الٰہی پر بھروسہ

۱۸۶۲ ضعف الحیٰوۃ سے مراد دو چند عذاب دنیا ہے اور ضعف الممات سے مراد دو چند عذاب آخرت اور قتادہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے یہ دعا پڑھی اللھم لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین اے اللہ مجھے اپنے نفس کے سپرد ایک لمحہ کیلئے بھی نہ کیجیو جس سے معلوم

۷۶ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ

اور انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ تجھے اس سرزمین میں خفیف بنا دیں تاکہ تجھے اس سے نکال دیں اور اس صورت میں یہ بھی

۷۷ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ

تیرے پیچھے نہ رہینگے مگر تھوڑے دن ۱۸۶۳ یہی (ہمارا) طریق (انکے معاملہ میں) رہا جنہیں ہم نے تجھ سے پہلے اپنے رسولوں میں سے بھیجا اور تو ہمارے

۷۸ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَ

طریق میں کوئی تبدیلی نہ پائیگا ۱۸۶۴ سورج کے ڈھلنے سے (شروع کرکے) رات کے اندھیرے تک نماز کو قائم رکھ اور

قُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝

صبح کے قرآن کو (بھی) بیشک صبح کے قرآن میں حضور ہوتا ہے ۱۸۶۵

حق کی کامیابی کی عظیم الشان بشارت

ہوا کہ آپ کس قدر حفاظت الٰہی پر بھروسہ رکھتے تھے۔

شعب ابی طالب میں محصور ہونا

۱۸۶۳ اس آیت میں قریش کے اس ارادہ کا ذکر ہے کہ آپ کو ہلکا اور خفیف بنا کر نکال دیں اور یہ قریش کی آخری تدبیر کی طرف اشارہ نہیں جو دار الندوہ میں ہوئی تھی جس کا ذکر دوسری جگہ ان الفاظ میں ہے واذ یمکربک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک (الانفال ۔ ۳۰) یہاں صرف استفزاز کا ذکر ہے اور یہ اشارہ آپ کے شعب ابی طالب میں قید کر دینے کی طرف ہے اور اصل غرض یہ تھی کہ رسول اللہ صلعم گھبرا کر اس سرزمین کو چھوڑ دیں اور چونکہ آخر نبی صلعم کو ہجرت کرنی پڑی تو اس لحاظ سے فرمایا کہ گو یہ اس میں کامیاب تو نہ ہوسکے لیکن جب تم حکم الٰہی کے ماتحت مکہ سے نکل جاؤ گے تو پھر یہ بھی تمہارے بعد تھوڑے ہی دن یہاں ٹھہریں گے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور آپ کی ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہی قریش کو بدر میں ایسی سخت شکست اٹھانی پڑی کہ ان کی قوت ٹوٹ گئی اور آخر آٹھویں سال میں فتح مکہ میں ان کا دورِ حکومت و تکلیف دہی ختم ہو گیا۔ اور یہ جو بعض مفسرین نے یہاں یہود کے مطالبہ کا کہ انبیاء کی سرزمین شام ہے آپ وہاں جائیں اور اس کے ساتھ آپ کے تبوک جانے کا ذکر کیا ہے تو واقعات تاریخی کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور تبوک کا غزوہ آخری ایام مدینہ کا ہے۔

ہجرت کے بعد قریش کیلئے پیشگوئی

۱۸۶۴ یعنی جب رسولوں کی تکالیف اس انتہا کو پہنچ جاتی ہیں کہ انہیں وہ سرزمین چھوڑنی پڑتی ہے تو پھر مخالفین خود بھی جلد ہی ہلاک ہو جاتے ہیں یہی سنت اللہ در بارہ رسل ہے جس کا یہاں ذکر کیا ہے۔

دلک ۔ دلوک

۱۸۶۵ دلوک ۔ دَلَکَ کے معنی ملنا ہیں جیسے جسم کو نہاتے وقت یا کپڑے کو دھوتے وقت (ل) اور حدیث میں دلوک الشمس کئی جگہ پر آیا ہے اور اس سے مراد دوپہر کے بعد اس کا ڈھلنا بھی ہے اور اس کا غروب بھی اور اصل معنی دلوک کے مائل ہونا ہیں (ن) کلام عرب میں دُلُوک کے معنی زوال ہی تھے اس لئے سورج کو جب دوپہر کے بعد ڈھلے ذَالِکَۃ کہا جاتا تھا اور غروب ہونے کی حالت پر بھی یہی لفظ بولا جاتا تھا کیونکہ دونوں حالتوں میں اس کا زوال ہے (ل) راغب نے اس کے معنی کئے ہیں مَیْلُہَا لِلْغُرُوب اس کا مائل ہونا غروب کے لئے (غ) اور یہی معنی زجاج نے کئے ہیں اور ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ اور حضرت عمرؓ سے یہی معنی مروی ہیں گویا دلوک کی ابتدا ڈھلنے سے ہے اور اس کی انتہا غروب ہونا ہے اس لئے دونوں حالتوں پر بولا گیا ہے۔

غسق ۔ غاسق

غسق ۔ غَسَق رات کی شدت تاریکی کو کہتے ہیں اور غاسق تاریک رات کو کہتے ہیں اور ومن شر غاسق (الفلق ۱۱۳ : ۳)

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ٧٩

اور رات کے کچھ حصہ میں اسکے ساتھ جاگتا رہ یہ تیرے لئے نفل کے طور پر ہے امید ہے کہ تیرا رب تجھ کو بڑی تعریف کے مقام پر کھڑا کرے ۱۸۶۶

میں مراد اس سے رات کو آنے والی مصیبت لی گئی ہے +

نماز فجر کے مشہود ہونے سے مراد

مشہود یعنی ایسا کرنے والے کے پاس شفا اور رحمت اور توفیق اور سکینت وغیرہ جن کا ذکر وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمة للمؤمنین (۸۲) میں ہے آموجود ہوتی ہیں (غ) کیونکہ شھد کے معنی ہیں موجود ہوا یا گواہ ہوا اور ایک حدیث میں ہے کہ رات اور دن کے ملائکہ اس وقت حاضر ہوتے ہیں (د) اور سکینت اور توفیق اور شفا اور رحمت بھی ملائکہ کے ذریعہ سے ہی انسان کو ملتے ہیں اور رات چونکہ سکون کیلئے ہے اور دن جد وجہد اور سعی کیلئے اسلئے بھی رات اور دن کے ملائکہ کے جمع ہونے سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ اس وقت انسان کو پورا حضور قلب میسر ہوتا ہے +

پچھلے رکوع میں جب کفار کے فتنوں اور مخالفت کی کوششوں کا ذکر کرکے ہجرت نبوی کا ذکر بطور پیشگوئی کیا تو اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے مصائب میں قیام صلوٰۃ پر مداومت کی طرف توجہ دلائی جیسا کہ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ (البقرۃ ۲-۱۵۳) کا منشا ہے جس قدر مصائب بڑھیں اسی قدر زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں ان مصائب کی طرف اور مصائب سے نکلنے کی طرف دلوک الشمس اور غسق اللیل میں اور قرآن الفجر میں صاف اشارہ بھی ہے گویا زوال آفتاب مصیبت کی ابتدا ہے (اور نبی کریم صلعم کا آفتاب اقبال تو واقعی نصف النہار کے آفتاب کی طرح روشن تھا جب آپنے دعوٰی کیا کیونکہ سب لوگ آپ کی امانت صداقت راستبازی کے قائل تھے) اور اس کے مقابل پر نماز ظہر ہے پھر آفتاب جوں جوں ڈھلتا ہے وہ مصیبت کی زیادتی ہے یہانتک کہ عصر کے ساتھ اس کی دھوپ پھیکی پڑجاتی ہے اور اس کے مقابل نماز عصر ہے اور آخر وہ غروب ہوتا ہے اور اس کے مقابل نماز مغرب ہے اور تاریکی کا زمانہ شروع ہوکر شدت ظلمت میں انسان مبتلا ہوتا ہے گویا مصیبت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اور اس کے مقابل نماز عشا ہے لیکن اس کے بعد فجر کی روشنی بھی نمودار ہو جاتی ہے اسی لئے قرآن الفجر کو باقی نمازوں سے الگ کرکے بیان کیا ہے گویا یوں فرمایا کہ اگر مصائب بڑھتے بڑھتے تمام طرف تاریکی ہی تاریکی پھیل جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف رجوع کرنے والے بندوں کو ضائع نہیں کرتا بلکہ مصائب کی تاریکی کو دور کرکے روشنی نمودار کرتا ہے +

پانچ نمازیں

یہاں پہلی نماز نماز ظہر کو قرار دیا ہے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرائیل نے جب آنحضرت صلعم کو نماز سکھائی تو نماز ظہر سے ہی ابتدا کی۔ اور دلوک الشمس میں دونوں نمازیں ظہر اور عصر کی آجاتی ہیں اور غسق اللیل مغرب اور عشا کیونکہ رات کی تاریکی مغرب سے شروع ہوکر عشا کے وقت کمال کو پہنچ جاتی ہے اور پانچویں نماز فجر کا ذکر علیحدہ کیا ہے۔ اور قرآن الفجر سے مراد نماز فجر ہی ہے اور اس نام میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں قرآت لمبی ہوتی ہے اور دو دو نمازوں کے اکٹھا ذکر کرنے سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ بوقت ضرورت ظہر اور عصر کی اور مغرب اور عشا کی نمازیں جمع کی جاسکتی ہیں اور رسول اللہ صلعم سے ان نمازوں کا سفر میں جمع کرنا ثابت ہے اور بغیر سفر مدینہ میں جمع کرنا بھی۔ اور بارش یا بیماری میں بھی جمع ہوسکتی ہیں اور کسی اور ضرورت کے وقت بھی مگر نہ یوں کہ بلا وجہ اس کی عادت کرلی جائے اور

جمع بین الصلوٰتین

حضرت ابن عباس کے متعلق روایت ہے کہ آپنے ایک دن عصر کے بعد وعظ شروع کیا یہانتک کہ سورج غروب ہوگیا اور ستارے نکل آئے اور لوگوں نے نماز نماز پکارنا شروع کیا اور جب ایک شخص نے بہت زور سے اس طرح چلانا شروع کیا تو آپنے اسے ڈانٹا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو ظہر اور عصر میں اور مغرب اور عشا میں جمع کرتے دیکھا۔ اور جمع تاخیر بہتر ہے یعنی ظہر کو پیچھے کرکے عصر کے قریب کرلینا اور مغرب میں تاخیر کرکے عشا کے قریب کرلینا اور جمع تقدیم بھی جائز ہے +

ھجود - تہجد

۱۸۶۶ تہجد۔ ھجود کے معنی نیند ہیں اور ھجّدتہ کے معنی ہیں اس کی نیند کو دور کردیا اور اسی معنی میں تہجّد ہے اور فتہجد بہ سے مراد ہے کہ قرآن کے ساتھ جاگتا رہ اور یہ رات کی نماز پر ترغیب ہے (غ) اور تہجد بہ میں ضمیر قرآن کی طرف ہے یعنی نماز میں تلاوت قرآن

۸۰ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ

اور کہو اے میرے رب مجھ سچائی کے داخلہ سے داخل کیجیو اور سچائی کا نکلنا نکالیو اور میرے لئے اپنی جناب سے مدد دینے والا

۸۱ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

غلبہ مقرر فرمائیو ۱۸۶۷ اور کہو حق آگیا اور باطل ہلاک ہوگیا بیشک باطل ہلاک ہونیوالا ہی تھا ۱۸۶۸

کے ساتھ جاگنا رہ اور بعض لیل کی طرف بھی ہوسکتی ہو جو من سے مفہوم ہو یعنی رات کے ایک حصہ میں تہجد پڑھ۔ اور اصطلاح شریعت میں تہجد وہ نماز ہو جو رات کے وقت سوکر اٹھنے کے بعد پڑھی جاتے یعنی اس میں پہلے سونا لازمی ہو +

نفل۔نافلۃ — نافلۃ۔ نَفْل وہ ہو جو واجب سے زیادہ ہو دیکھو ۱۲۰۳ اور نافلۃ وہ ہو جو انسان کرتا ہو اور وہ اس پر واجب نہیں اور عبادت پر آتا ہو اور چونکہ بیٹے کا بیٹا اصل پر زیادت ہو اس لئے پوتے کو بھی نافلۃ کہتے ہیں و یعقوب نافلۃ (الانبیاء [21] ۷۲۔) (ل)

نماز تہجد — پانچ فرض نمازوں کے بعد نماز تہجد کا ذکر کیا ہو جو پچھلی رات پڑھی جاتی ہو اور نفل کے طور پر ہو اور یہ گیارہ یا تیرہ رکعت ہوتی ہیں جو دو دو کرکے پڑھی جاتی ہیں اور آخر میں ایک۔ یا صبح ہو جانے کی صورت میں اس سے کم جس قدر ہو سکے نماز تہجد کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ خاص کہا گیا ہو مگر دوسری جگہ صاف فرمایا وطائفۃ من الذین معک (المزمل [73] ۔۲۰) ہر ایک مسلمان کو پچھلی رات اٹھنے اور

مقام محمود — نماز تہجد کی عادت ڈالنی چاہئے اور مقام محمود سے مراد مقام شفاعت عظمٰی ہو جیسا احادیث میں وارد ہو اور بخاری کی حدیث کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالٰی آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا جس کی تشریح یوں کی ہو یحمد ہ اھل الجمع کلھم۔ سب لوگ جو جمع ہونگے آپ کی حمد کریں گے اور بعض احادیث میں مقام محمود سے مراد شفاعت ہی لی گئی ہو (ر) +

ہجرت میں کامیابی کی پیشگوئی — **۱۸۶۷** حضرت ابن عباس سے مروی ہو کہ یہ آیت ہجرت کے بارہ میں نازل ہوئی (ج)، یعنی دخول سے مراد دخول مدینہ ہو اور خروج سے مراد مکہ سے نکلنا۔ اور دخول کو خروج پر مقدم اس لئے کیا کہ وہ اہم ہو اور غرض یہ ہو کہ آپ کو ضائع نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر آپ مکہ سے نکلیں گے تو آپکے داخل ہونے کی جگہ اس سے پیشتر مقرر ہو چکی ہو اور سیاق مضمون سے بھی صاف اشارہ ہجرت کی طرف ہی معلوم ہوتا ہو جیساکہ پچھلے رکوع میں صفائی سے بیان ہو چکا اور سلطانا نصیرا سے مراد غلبہ ہو جس سے آپکو نصرت ملے اور بعض نے اسے فتح مکہ کہا ہو۔ اور اس پر اگلی آیت شاہد ہو کیونکہ یہی الفاظ نبی کریم صلعم نے فتح مکہ پر پڑھے۔ اور بعض نے سلطان سے مراد بادشاہ لیا ہو یعنی ہر زمانہ میں کوئی دین کا ناصر بادشاہ پیدا ہوتا رہے (ر) اللہ تعالٰی نے قرآن کریم میں آپ کو بار بار بتادیا تھا کہ آپ کو ہجرت کرنے پڑے گی اور اسی سے آپ کی کامیابی کی ابتدا ہوگی اور ہجرت فی الواقع تمام کامیابیوں کی جڑ ہو بشرطیکہ اپنی شرائط کے ساتھ ہو +

زھق — **۱۸۶۸** زھق۔ زَھَقَتْ نفسُہ کے معنی ہیں کسی چیز پر افسوس کرتے ہوئے اس کی جان نکل گئی تزھق انفسھم (التوبۃ [9] ۔۵۵) (غ)

زاھق۔زھوق — ...... اور زَھَقَ الشَّیْئُ کے معنی ہیں وہ چیز باطل ہوگئی اور ہلاک ہوگئی اور نابود ہوگئی فاذا ھو زاھق (الانبیاء [21] ۔۱۸) (ل)

خانہ کعبہ سے بتوں کے دور کیا جانا اور پھر بت پرستی کبھی نہ آنیکی پیشگوئی — بخاری میں ہو کہ نبی کریم صلعم جب فتح مکہ کے بعد مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے آنحضرت صلعم ایک چھڑی سے جو آپکے ہاتھ میں تھی ایک ایک بت کو مارتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور اس کے ساتھ ہی یہ آیت بھی وما یبدیٔ الباطل وما یعید (السبا [34] ۔۴۹) کس قدر عظیم الشان پیشگوئی اس وقت پوری ہوئی جو بیکسی کی حالت میں مکہ میں بیان کی گئی تھی اور کس قدر عظمت اس پیشگوئی کو حاصل ہو جس کا نظارہ ہم آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس خانہ کعبہ میں پھر وہ بت نہیں جاسکے اور الحق کا آنا آپ کی تشریف آوری ہی تھی اسی لئے حضرت عیسٰی کی پیشگوئی میں آپکو روح حق کہا گیا ہو +

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۙ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا ۸۲

اور ہم قرآن سے وہ کچھ اُتارتے ہیں جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو یہ (نزول) صرف نقصان میں

خَسَارًا ۝ وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ ۸۳

بڑھاتا ہے[۱۴۶۹] اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور اپنا پہلو پھیر لیتا ہے اور جب اسے برائی پہنچتی ہے تو ناامید

يَئُوسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا ۝ ۸۴

ہو جاتا ہے[۱۴۷۰] کہو ہر ایک اپنی طریق پر عمل کرتا ہے سو تمہارا رب اسے خوب جانتا ہے جو سب سے بڑھکر سیدھی راہ پر ہے[۱۴۷۱]

قرآن کن معنوں میں شفا ہے

۱۴۶۹ قرآن شریف روحانی بیماریوں کی شفا کیلئے نازل ہوا اور یہی شفا یہاں مراد ہے۔ جیسا کہ خود فرمایا وشفاء لما فی الصدور (یونس ۱۰ - ۵۷) اور جس طرح یہاں مومنوں کیلئے شفا اور رحمت قرار دیکر امراض روحانی سے شفا کی طرف اشارہ کیا اسی طرح دوسری جگہ ایمان والوں کیلئے اسے ہدایت اور شفاء فرمایا ھو للذین اٰمنوا ھدی وشفاء (حٰمٓ ۴۱ - ۴۴) اور حدیث میں ہے من لم یستشف بالقرآن فلا شفاہ اللہ جو شخص قرآن سے شفا نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ اسے شفا نہ دے اور یہاں بھی یہی شفا مراد ہے نہ امراض جسمانی سے شفا۔

امراض جسمانی اور قرآن کریم

اور تعویذ کے طور پر قرآن شریف کی یا دوسری عبارتیں لکھکر بیماروں کو پلانا کسی حدیث سے ثابت نہیں اور حسن اور مجاہد اور نخعی نے لوگوں کو اس سے روکا (د) اور تبرک کے طور پر قرآن شریف کا کوئی حصہ لکھکر بڑے یا چھوٹے کا اپنے پاس رکھنا ایک علیحدہ امر ہے مگر قرآن شریف کو امراض جسمانی کیلئے استعمال کرنا اس غرض کے منافی ہے جس کیلئے یہ پاک کلام نازل ہوا۔ اور افسوس یہ ہے کہ قوم تباہ ہو رہی ہے اور اس موت سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے تو قرآن کو استعمال نہیں کیا جاتا اور لغو موقعوں پر اس کا استعمال کیا جاتا ہے کوئی چور دریافت کرنے کیلئے یٰسین پڑھکر لوٹا گھماتا ہے کوئی تعویذ لکھکر بیماروں کو پلاتا ہے اگر ان باتوں میں حق و حکمت ہوتی تو نبی صلعم کو ان پر اطلاع دی جاتی اور احادیث میں ان کا ذکر ہوتا۔ اصل غرض یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان مرد ہو یا عورت اسے پڑھے اور اس پر عمل کرے اس پر عمل امراض جسمانی سے بھی بچاتا ہے اور آخر پر فرمایا کہ یہی قرآن جھٹلانے والوں کیلئے اور زیادہ ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اسلئے کہ ہر نیکی کے مقابل پر جو اس کے اندر سکھائی جاتی ہے وہ مخالفت کی وجہ سے اور زیادہ بدیوں کا ارتکاب کرتے ہیں یا اس کی مخالفت میں قدم بڑھاتے چلے جاتے ہیں +

تکلیف میں مایوسی

۱۴۷۰ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح انعام کے وقت اعراض فعل مذموم ہے اسی طرح تکلیف کے وقت مایوسی بھی مذموم فعل ہے رحمت الٰہی سے کبھی مایوس نہ ہو خواہ کیسی بھی مصائب پیش آئیں +

شکل۔ شاکلۃ
شیکال

۱۴۷۱ شاکلۃ۔ شکل کے معنی شبہ یا مثل ہیں وآخر من شکلہ ازواج (صٓ ۳۸ - ۵۸) اور انسان کی شاکلۃ اس کی شکل اور اس کی جانب اور اس کا طریق ہے (ل) اور مفردات میں ہے کہ شِکال چونکہ اسے کہا جاتا ہے جس کے ساتھ جانور کو قید کیا جاتا ہے اسلئے شاکلۃ انسان کی وہ خصلت ہے جو اسے قید کئے ہوئے ہے (غ) اور مفسرین نے طریق طبیعت اور دین اس سے مراد لئے ہیں +

جب اوپر دو گروہوں کا ذکر کیا ایک وہ جن کے لئے قرآن شفا ہو گیا دوسرا وہ جو گھاٹے میں بڑھ رہا ہے تو اب بتایا کہ ہر ایک اپنے اپنے طریق یا طبیعت پر عمل کرتا ہے نتیجہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہدایت پر کون ہے ان الفاظ کا یہ مطلب نکالنا کہ بعض انسان طبیعت کی رو سے ہی بدی کرنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن کریم کی ساری تعلیم کو باطل کرتا ہے +

ع ۱۰ / ۹

قرآن کریم اعجاز عظیم

۸۵ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

اور تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہو روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہے ۱۸۷۲

روح تین طرح پر ہے

۱۸۷۲ روح ۔ دیکھو ۱۱۱۱ و ۵۹۸ و ۱۲۲۲ روح کو کلام نے دو طرح پر قرار دیا ہے روح حیوانی اور روح انسانی یعنی نفس ناطقہ ۔ اور قرآن کریم میں جو آدم میں نفخ روح کا ذکر ہے فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی (الحجر ۱۵ ۔ ۲۹) تو وہ یہی روح انسانی ہے جو حیوان سے انسان کو ممتاز کرتی ہے کیونکہ حیوان آدم سے پیشتر بن چکے تھے اور ہر انسان میں جو نفخ روح کا ذکر ہے وہ بھی اسی معنی سے ہے ثم جعل نسلہ من سللۃ من ماء مہین ثم سوٰہ ونفخ فیہ من روحہ وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ (السجدۃ ۳۲ ۔ ۸ و ۹) اور تیسری قسم کی روح وحی الٰہی ہے ینزل الملئکۃ بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ (النحل ۱۶ ۔ ۲) کیونکہ یہ خاص خاص بندوں پر نازل ہوتی ہے اور اسی لحاظ سے قرآن کریم کو بھی روح کہا ہے وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا (الشورٰی ۴۲ ۔ ۵۲) اور آخر الذکر دونوں مقامات پر جہاں وحی مراد ہے من امرہ اور من امرنا کے الفاظ بھی ساتھ بڑھائے ہیں جیسے یہاں فرمایا قل الروح من امر ربی ✦

اقوال مفسرین دربارہ روح

یہاں سوال کس روح کے متعلق ہے مفسرین نے پانچ اقوال لکھے ہیں یعنی ارواح بنی آدم ۔ جبرئیل جن کو دوسری جگہ الروح الامین کے نام سے پکارا ہے ایک عظیم الشان فرشتہ ۔ فرشتے جو بنی آدم کی صورتوں پر ہیں ۔ وہ فرشتے جنہیں فرشتے بھی نہیں دیکھتے گو وہ انہیں دیکھتے ہیں گویا وہ بلحاظ دیگر ملائکہ کے ایسے ہیں جیسے ملائکہ بلحاظ انسان کے (ش) میرے نزدیک سوال عام ہے اور روح سے مراد روح حیوانی بھی ہے اور روح انسانی یا نفس ناطقہ بھی اور حیات اخروی والی روح یعنی وحی الٰہی بھی اور تینوں کے متعلق فرمایا کہ وہ من امر ربی ہے یعنی وہ جو ربوبیت کرنے والا ہے اس کے امر خاص سے ہے اور تینوں پر اسلئے حاوی ہے کہ ربوبیت تینوں سے ہوتی ہے اور چونکہ انسان کی اصل ربوبیت جو اسے اس کے حقیقی کمال تک پہنچاتی ہے وحی الٰہی سے ہے اس لئے اسی کے متعلق ذکر کو جاری رکھا ہے جیسے اگلی آیت میں الذی اوحینا کے ذکر سے یا آیت ۸۸ میں قرآن کے ذکر سے اور باقی دو اس کے اندر شامل ہیں ۔ اور ان تینوں کی حقیقت یا کنہ کو انسان نہیں پہنچ سکتا اور بخاری کی حدیث یا دیگر احادیث میں جو ذکر ہے تو وہ بھی ہر سہ کے متعلق ہو سکتا ہے کیونکہ یہود میں بھی لفظ روح کلام الٰہی پر بولا جاتا تھا البتہ یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی کیونکہ سورت مکی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ میں ہی ہوا ۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہود نے مدینہ میں سوال کیا ہو اور آنحضرت صلعم نے یہ جواب ان کو دیا ہو جو پہلے کا نازل شدہ تھا اور اسی وقت وحی ہونا محض راوی کا ظن ہے جیسا کہ ظننت کے استعمال سے ظاہر ہے ۔ اور ما اوتیتم من العلم الا قلیلا میں بتایا کہ انسان کا علم بمقابلہ علم الٰہی کچھ بھی نہیں ۔ انسان صرف چند اوپر اوپر کی باتوں کا علم حاصل کر سکتا ہے ان کی کنہ تک پہنچنا اس کا کام نہیں ✦

علم انسانی بمقابلہ علم الٰہی

روح جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہے

یہاں اس قدر اور بڑھا دینا ضروری ہے کہ یہ خیال کہ روحیں اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پیدا کر کے رکھ چھوڑی ہیں صحیح نہیں اور یہ حدیث کہ روحیں دو ہزار سال پیشتر پیدا ہوئیں اس کی اسناد صحیح نہیں جیسا کہ ابن قیم نے لکھا ہے (د) کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ انسان جب نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ بنتا ہے تب اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور روح المعانی میں یہ قول نقل کیا ہے کہ روحوں کا جسموں سے پہلے پیدا ہونا قول فاسد اور خطائے صریح ہے اور عقل اور شرع کے مطابق یہی امر ہے کہ روح جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور یہی مذہب اہل تحقیق کا ہے جیسا کہ امام غزالی نے بھی لکھا ہے ✦

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیْنَا ۸۶

اور اگر ہم چاہتے تو اسے لے جاتے جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہے پھر تو اپنے واسطے اسکے (لا دینے کے) لئے ہمارے اوپر کوئی ذمہ

وَکِیْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا ۝ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ ۸۷ ۸۸

لینے والا نہ پاتا[۱۸۷۳] اگر نہ تیرے رب کیطرف سے رحمت ہو بیشک اس کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے کہو اگر انسان اور جن اس بات پر اکٹھے

وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند بنا لائیں، تو اس کی مانند نہ لا سکینگے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے

ظَهِیْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ؗ فَاَبٰٓی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا ۸۹

مددگار ہوں[۱۸۷۴] اور یقیناً ہم نے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کی نادر باتیں بار بار بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگوں نے سوائے انکار کے

کُفُوْرًا ۝ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ۝ ۹۰

کچھ منظور نہیں[۱۸۷۵] اور کہتے ہیں ہم تجھ پر ایمان نہیں لائینگے یہاں تک کہ تو ہمارے لئے اس زمین سے چشمہ (نہ) بہا دے[۱۸۷۶]

قرآنی وحی ہمیشہ کیلئے دنیا میں رہے گی

۱۸۷۳ حضرت موسیٰ کے ذکر سے تو سورت ہی شروع ہوئی تھی اور دیگر انبیاء کا اور ان کے متعلق سنت اللہ کا بھی ذکر آیا تھا اور ظاہر ہے کہ ہر نبی کے بعد دوسرا نبی آتا رہا اور پہلی کتابیں پچھلی کتابوں کے آنے سے منسوخ ہوتی رہیں اور قرآن شریف کے آنے سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی وحی کی ضرورت باقی نہ رہی اور یوں بھی پہلی تمام کتابوں میں تحریف ہوتی رہی اس لئے فرمایا کہ یہ وحی جس کے ذریعہ سے اب ہم مخلوق کو حیات جاودانی دیتے ہیں اسے بھی اگر اللہ چاہتا تو پہلی وحیوں کی طرح لے جاتا پھر کوئی چیز اسے دنیا میں واپس نہ لا سکتی لیکن مشیت الٰہی ایسی نہ تھی بلکہ اس مشیت کا تقاضا یہی تھا کہ یہ آخری وحی ہمیشہ کیلئے دنیا میں رہے اور آپ کے بعد کوئی کتاب نہ آئے نہ کوئی نبی مبعوث ہو اور تمام لوگ اسی ایک نور سے روشنی حاصل کریں اسکی طرف اگلی آیت میں اشارہ ہے ان فضلہ کان علیک کبیرا۔

آخری نبوت

قرآن کی عظمت

۱۸۷۴ جب قرآن کے دنیا میں ہمیشہ باقی رہنے کا اور آخری کتاب ہونے کا ذکر کیا تو اب اس کی عظمت کی طرف بھی توجہ دلائی تمام دنیا کے انسان اس کی مثل نہیں لا سکتے نہ پہلی کتابوں میں سے نہ نئی بنا کر یں جس کی نظیر دنیا نہیں بنا سکتی اس کو اللہ تعالیٰ بھی ضائع نہیں کرے گا۔ دیکھو ۳۷ مگر جہاں سورۂ بقرہ میں وادعوا شہداءکم (البقرۃ ۲-۲۳) فرمایا یہاں فرمایا کہ انسان اور جن اکٹھے ہوں اور ایک دوسرے کی مدد کریں جس سے معلوم ہوا کہ وہی ان کے شہداء یا پیشرو وہی ہیں جنہیں اس کی سورۃ میں جن کے نام سے پکارا ہے +

جن سے مراد

مثل

۱۸۷۵ مَثَل کے معنی حجۃ یعنی دلیل اور حدیث یعنی بات اور صفت آتے ہیں (ت) اور روح المعانی میں مثل کے معنی یہاں دیئے ہیں ہر ایک معنی جو حسن میں اور نادر ہونے میں اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لینے میں بدیع یعنی بے مثال ہو +

تعلیم قرآنی کا کمال

قرآن کی عظمت کی اور اس کے ہمیشہ تک رہنے کی یہاں دلیل دی کہ اس میں ہر قسم کی باتیں بار بار اور کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں مذہب کے معاملہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو یہاں نہ ہو اور دوسری جگہ ہو +

نبع - ینبوع

۱۸۷۶ ینبوع ۔ نَبْع چشمہ سے پانی کا نکلنا ہے اور یَنْبُوع (جمع ینابیع) چشمہ کو کہتے ہیں فسلکه ینابیع (الزمر ۳۹-۲۱) (غ) +

روحانی انعامات کو جسمانی رنگ میں دیکھنے کی درخواست

باوجود قرآن شریف کی اس عظمت کے اس کے ہدایت میں بے مثل ہونے اور اس کی تعلیم کے کمال کے اس کا تو انکار کیا جاتا ہے اور مطالبہ

۹۱ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۝ أَوْ تُسْقِطَ

یا تیرا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو پھر تو اس کے اندر خوب نہریں بہا نکالے یا تو آسمان کو

۹۲ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۝ أَوْ

جیسا کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے یا تو اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئے ۱۸۶۷ یا

۹۳ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ

تیرا سونے کا گھر ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو بھی نہیں مانینگے یہاں تک

تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۝

کہ تو ہم پر کتاب اتارے جسے ہم پڑھ لیں کہو میرا رب پاک ہے میں صرف ایک انسان رسول ہوں ۱۸۶۸

یہ کیا جاتا ہے کہ مکہ کی زمین سے ایک چشمہ پھوٹ نکلے چونکہ راستبازوں کیلئے جنات و انہار کے وعدے تھے اور مخالفین پر عذاب کے آنے کے اسلئے مطالبات بھی قریباً اسی رنگ کے ہیں۔ چشمے اور نہریں اور باغ ہوں جن میں رسول اللہ صلعم رہیں یا مخالفوں پر آسمان ٹوٹ پڑے وہ نعماء جن کا روحانی طور پر وعدہ دیا گیا تھا انہیں جسمانی رنگ میں اس دنیا میں دیکھنا چاہتے ہیں یہی حالت آج بھی ہے اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان فتوحات میں جو مسلمانوں کو عطا فرمائیں ایک رنگ ظاہری بھی ان نعماء روحانی کا دکھا دیا مکہ معظمہ میں پانی کا چشمہ بھی بہ نکلا یعنی وہ نہر جو اب تک وہاں بہتی ہے۔ رسول اللہ صلعم باغوں اور نہروں کے مالک بھی ہوئے۔ مخالفوں پر آسمان بھی ٹوٹا مگر نہ اس رنگ میں جیسے وہ چاہتے تھے جس کی وجہ رکوع کی آخری آیت میں بتائی ہے +

کسفۃ — **۱۸۶۷** کسفا۔ کِسْفَۃ کی جمع کِسَف ہے اور کِسْفَۃ بادل کے ٹکڑے کو کہتے ہیں یا روئی کے اور اجسام کے جن کے اجزا ایک دوسرے (۱۸۷-۲۶ ع) سے مضبوط طور پر پیوستہ نہ ہوں اور ان میں رد و بدل ہوتا رہے ویجعلہ کسفا (الروم۳۰ - ۴۸) فاسقط علینا کسفا من السماء (الشعراء)

قبیل — قبیل۔ قبیلۃ کی جمع ہے جس کے معنی جماعت ہیں پس یہاں مراد ہے جماعت جماعت کر کے یا قبیل کے معنی ہیں مقابلۃً یعنی آنکھوں کے سامنے (ع)

عذاب کا ذکر استعارہ کے رنگ میں — یہ وہی عذاب ہیں جن کے ان کو وعدے دیئے جاتے تھے مگر جیسا کہ لفظ کِسف کا استعمال بتاتا ہے مراد یہ نہ تھی کہ آسمان کوئی ٹھوس چیز ہے جس کا ایک بڑا سا ٹکڑا ان پر گر کر انہیں تباہ کر دے گا جیسا انہوں نے سمجھا۔ بلکہ اس سے مراد اوپر سے کسی عذاب کا آنا تھا۔ ہوا کے رنگ میں ہو یا بادل کے۔ اللہ اور فرشتوں کا آنا بھی حق تھا مگر نہ اس رنگ میں جیسا انہوں نے خیال کیا یعنی ظاہر طور پر نہیں دیکھو ۲۶۹ مادہ پرستوں کی نظریں بھی لفظوں کے قشر تک محدود رہتی ہیں اور وہ اصل حقیقت پر غور نہیں کرتے +

رقی — **۱۸۶۸** ترقی۔ رَقِیَ ماضی ہے اور رُقِیّ مصدر اور اس کے معنی سیڑھی یا زینہ پر یعنی اوپر چڑھنا ہیں اور اسی سے ارتقاء ہے۔ فلیرتقوا فی الاسباب (ص ۳۸ - ۱۰) +

کھلا ہے کہ مطالبات میں لفظ پرستی — سونے کا گھر ہو یعنی زمین پر ہی عام انسانوں سے کوئی امتیاز ہو یا خدا سے باتیں کرنے کا دعویٰ ہے تو آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ۔ اور چڑھنا بھی دیکھ لیں تو بھی نہیں مانینگے جب تک اوپر سے خدا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب لا کر نہ دکھاؤ۔ ان تمام مطالبات میں وہی ایک ہی رنگ نظر آتا ہے یعنی لفظ پرستی اور اصل حقیقت کی طرف توجہ نہ کرنا۔ قرآن شریف میں دوسری جگہ فرمایا کہ ہمارے ہاں سونے اور چاندی کی کچھ بھی وقعت نہیں اور اگر لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا احتمال نہ ہوتا تو کافروں کے چاندی سونے کے گھر بنا دیتے

ع ۱۱

انکار رسول اور اسکی بشر

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۹۴

اور لوگوں کو کوئی چیز ایمان لانے سے مانع نہیں ہوئی جب انکے پاس ہدایت آئی مگر یہ کہ انہوں نے کہا کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بناکر بھیجا ہے

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰۗىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۹۵

کہو اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے سکونت رکھتے ہوتے تو ضرور ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسول بناکر بھیجتے ۱۸۷۹

لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتہم سقفاً من فضۃ و معارج علیہا یظہرون ..... وزخرفا (الزخرف ۴۳ - ۳۳ تا ۳۵) تو لفظ پرست کہتے ہیں کہ تمہارے رب کے ہاں اتنی بہتات سونے کی ہو تو پہلے تمہارا گھر ہی سونے کا بن لے۔ اور اسی سورت میں آپ کے معراج کا یعنی آسمانوں کے عجائبات کے دیکھنے کا ذکر ہو تو اس لئے کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھکر دکھاؤ۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ وہاں سے احکام آلٰہی لایا ہو تو اوپر سے ہی تمہارے ساتھ کوئی کتاب بھی آئے جس میں وہ احکام لکھے ہوئے ہوں۔ غرض باتیں تو وہی ہیں جو قرآن شریف نے فرمائیں لیکن ایک لفظ پرست قوم نے بجائے حقیقت کی طرف توجہ کرنے کے لفظوں پر اعتراض شروع کر دیئے۔ ان سب کا جواب ایک ہی دیا ہو کہ میں بشر رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات عیب سے پاک ہو یعنی وہ خدا جسم نہیں کہ آسمان پر چڑھکر اس تک پہنچ سکیں اور اس کا کلام بھی یوں سنا یا دیکھا نہیں جاتا بلکہ اسکے لئے دوسرے غیر مادی اور روحانی حواس بکار ہیں جو ان حواس کے نقصوں سے خالی ہوں اور اس کی تمام باتیں پوری ہوئیں اور ہونگی مگر نہ اس طرح پر کہ تم چاہتے ہو۔ اسی سورت میں معراج کا ذکر ہونے کے باوجود کفار کے اس مطالبہ کا ذکر کہ تم آسمان پر چڑھ جاؤ صاف بتاتا ہو کہ آنحضرت صلعم کا معراج روحانی تھا۔ اور جسمانی طور پر آسمان پر چڑھنا بشریت کے منافی ہو اور اللہ تعالیٰ کے سبحان ہونے کے بھی منافی ہو کیونکہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ خدا بھی ایک جسم ہو اور یہ اس میں عیب کا ماننا ہو +

معراج کے روحانی ہونے پر دلیل

آسمان پر جسم سے چڑھنا منافی بشریت ہو

۱۸۷۹ مطمئنین اطمینان کے معنی ہیں خوف کے بعد سکون (غ)، اور یہاں ظاہری قرار یا سکونت اختیار کرنا مراد ہو +

مطمئن

بشریت رسول کا مضمون جاری رکھکر فرمایا ہو کہ انسان کیلئے انسان ہی رسول ہو سکتا تھا اور جو انسان ہوگا اس کے ساتھ لوازم بشریت بھی ہونگے یہ روحانی امور کو جسمانی رنگ میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ فرشتے ان کو نظر آئیں۔ مگر فرشتے انسانوں کی طرف رسول بنکر نہیں آسکتے کیونکہ رسول کا کام تو ہی نمونہ دکھانا اور نمونہ جنس ہی جنس کیلئے ہو سکتی ہو نہ غیر جنس۔ انسانوں کی جگہ فرشتے زمین پر آباد ہوتے تو فرشتے ہی ان کی طرف رسول بنکر آتے۔ اور خود پیغمبر پر فرشتہ کا آنا اس کے منافی نہیں کیونکہ پیغمبر فرشتہ کو ان حواس جسمانی سے نہیں بلکہ حواس روحانی سے دیکھتا ہو انہی حواس سے جن حواس سے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہو +

انسانوں کیلئے فرشتہ پیغمبر بنکر نہیں آسکتا

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کے یہ حواس جسمانی فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے بلکہ وہ روحانی حواس کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں کیونکہ اس بات کو بشریت کے منافی قرار دیا ہو اور رسول اللہ صلعم جو ملائکہ کو دیکھتے تھے اور حضرت جبرائیل شب و روز آپ کے پاس آتے تھے تو وہ وہی حواس انبیاء سے دیکھنا تھا اور حضرت جبرائیل کو دحیہ کلبی یا کسی اعرابی کی شکل میں صحابہ کا دیکھنا اس آیت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اور وہ بھی ایک کشفی نظارہ ہی ہو سکتا ہو جس میں دوسرے صحابہ بھی بسبب زبردست قوت کشفی نبوی کے شامل ہو گئے جس طرح پر حضرت ابوبکر کا بعض وقت وحی کی آواز کی بھنبھناہٹ کو سن لینا روایات سے معلوم ہوتا ہو +

فرشتے حواس جسمانی سے نہیں بلکہ حواس روحانی سے دیکھے جاتے ہیں

اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح فرشتہ انسانوں کی طرف رسول نہیں ہو سکتا اسی طرح انسان فرشتوں کی طرف رسول نہیں ہو سکتا نہ جنوں کی طرف جو انسان کی جنس سے نہیں بلکہ دوسری جنس کی غیر مرئی ہستیاں ہیں جس جنس کو اپنی تکمیل کیلئے رسول کی ضرورت ہو اس رسول کا اسی جنس میں سے ہونا ضروری ہو اور رسول اللہ صلعم کے پاس جنوں کے آنے سے اور قرآن کو سننے اور اس پر ایمان لانے سے کیا مراد ہو اس پر آئندہ اپنے موقعہ پر بحث ہوگی +

انسان جنوں کی طرف رسول نہیں ہو سکتا

۹۶ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝ ۹۷ وَمَنْ يَّهْدِ

کہو اللہ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں سے خبردار (انہیں) دیکھنے والا ہے ۱۸۸۰ اور جسے اللہ ہدایت

اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

دے تو وہی ہدایت پانیوالا ہے اور جسے وہ گمراہ ٹھہرائے تو تو انکے لئے اسکے مقابلہ میں اور کوئی ولی نہ پائیگا اور ہم انہیں قیامت کے دن

عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ ۱۸۸۲

اپنے منہوں کے بل (گرتے ہوئے) اکٹھا کرینگے اندھے اور گونگے اور بہرے انکا ٹھکانا دوزخ ہے جب کبھی وہ (آگ) بجھنے لگیگی ہم انپر اور زیادہ بھڑکا دینگے

اللہ کی شہادت سے مراد

۱۸۸۰ اللہ تعالیٰ کی شہادت سے مراد اپنے فعل سے حق کے حق اور باطل کے باطل ہونے پر گواہی دینا ہے یعنی حق دنیا میں قایم ہوتا چلا جانا اور باطل جو اس کو نابود کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ خود باطل ہوتا چلا جاتا ہے اسی لئے خبیر اور بصیر کی صفات آخر میں لائی گئی ہیں۔

۱۸۸۱ فھو المھتد ۔ مراد یہ ہے کہ وہی شخص ایسے راستہ پر چلتا ہے جو اسے منزل مقصود تک پہنچا دے ۔ اسکے مقابل پر وہ ہے جو گمراہی میں اس قدر دور نکل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر گمراہ ہونے کا فرد جرم لگا دیا اب اس کی سزا سے اللہ کے مقابلہ پر اسے کوئی نہیں بچا سکتا ۔

علیٰ وجوھھم

علیٰ وجوھھم ۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں کا حشر ان کے منہوں کے بل کس طرح ہوگا تو آپ نے فرمایا جو انہیں پاؤں پر چلانے پر قادر ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ انہیں منہوں پر چلائے ۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

محشر میں تین گروہ

لوگوں کا حشر تین گروہوں میں ہوگا ایک وہ جو سوار ہونگے اور ایک وہ جو چلتے اور دوڑتے ہونگے اور ایک وہ جنہیں فرشتے ان کے منہوں کے بل گھسیٹتے ہونگے اور قرآن کریم میں ہے یوم یسحبون فی النار علیٰ وجوھھم (القمر ۵۴ : ۴۸) اور قرآن کریم میں ایک جگہ یوں بھی ہے افمن یمشی مکبا علیٰ وجھہ اھدیٰ امن یمشی سویا علیٰ صراط مستقیم (الملک ۶۷ : ۲۲) یہاں مراد یہ ہے کہ جو شخص قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا اور منہ کے بل گرتا ہے کیا وہ اس راہ پر ہے جو اسے منزل مقصود تک پہنچا دے گی اور چونکہ قرآن کریم میں سزا کو جزاء وفاقا (النبا ۷۸ : ۲۶) قرار دیا ہے

سزا کا مطابق اعمال ہونا

اسلئے جو لوگ یہاں سیدھی راہ اختیار نہیں کرتے بلکہ غلط راہ اختیار کرکے منہ کے بل گرتے ہیں ان کی سزا بھی ویسی ہی ہے جس طرح یہاں اندھے رہنے کی وجہ سے قیامت میں اندھے ہونگے اور یہاں حق کی طرف سے بہرہ ہونے کی وجہ سے وہاں بہرے ہونگے حالانکہ یہی اندھے وہاں دیکھینگے بھی اور یہی بہرے وہاں سنینگے بھی اور یہی گونگے وہاں بولینگے بھی گویا سزا کا ذکر انہی الفاظ میں کیا ہے جو الفاظ ان کی غلط کاریوں کے لئے استعمال کئے ہیں اور حدیث جو اوپر دی گئی ہے اس سے خود ظاہر ہے کہ جس طرح سوار ہونا چلنا بطور استعارہ ہے گھوڑوں یا بیلوں پر سوار ہونا مراد نہیں اسی طرح منہوں کے بل گرنا بھی بطور استعارہ ہے جس طرح انہوں نے انسان کی زندگی کے اشرف اور بلند تر مقصد کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھا اسی طرح ان کا اشرف حصہ وہاں ان کے پاؤں بنے گا ۔

خبو ۔ خباء

خبت ۔ خبو سے ہے اور خباء اصل میں پردہ کو کہتے ہیں جو کسی چیز پر ڈال دیا جائے اسلئے جلتی آگ پر جب خاکستر کا پردہ آکر اسکے شعلہ کو ساکن کر دیتا ہے تو اس پر یہ لفظ بولا جاتا ہے (غ) ۔

آگ کے بار بار بھڑکایا جانے سے مراد

آگ کا بجھنا اور پھر اس کا بھڑکایا جانا اسی کی مثال ہے جیسے فرمایا کلما نضجت جلودھم بدلنٰھم جلودا غیرھا (النساء ۴ : ۵۶) اور مطلب یہ ہے کہ وہ عذاب قایم رہے گا وہ ایسی آگ نہیں کہ ایک دفعہ جلا دی تو خود بخود اس پر خاکستر کا پردہ آکر بجھ جائے گی بلکہ اس کا اثر برابر قایم رہے گا جس طرح وہ مخالفت کی آگ بار بار بھڑکاتے تھے اسی طرح ان سے معاملہ ہوگا ۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۹۸

یہ انکی سزا ہو اسلئے کہ وہ ہماری باتوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائینگے تو نئی پیدائش

خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ ۹۹

میں اُٹھائے جائینگے کیا وہ غور نہیں کرتے کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر ہے

عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۚ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ

کہ ان (لوگوں) کی مثل پیدا کرے اور اس نے ان کیلئے ایک میعاد ٹھہرائی ہو جس میں کوئی شک نہیں مگر ظالموں کو سوائے انکار کے

اِلَّا كُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ ۱۰۰

کچھ منظور نہیں ۱۸۸۲ کہو اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تب تم انکے ختم ہو جانے کے ڈر سے (انہیں) روک

الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۱۰۱

رکھتے اور انسان تنگ دل ہو ۱۸۸۳ اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو نو کھلے نشان دیئے

ع ۱۱/۱۲

شریعت موسوی اور حقانیت شریعت محمدیہ

فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝

سو بنی اسرائیل سے پوچھ جب وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے اسے کہا اے موسیٰ میں تجھے ساحر سمجھتا ہوں ۱۸۸۴

حیات بعد الموت میں یہی جسم نہ ہوگا بلکہ اس کی مثل ہوگا

۱۸۸۲ یہاں حیات بعد الموت کو یا قیامت میں اُٹھایا جانے کو مثلہم قرار دیا ہو یعنی انہی انسانوں کی مثل جس سے معلوم ہوا کہ وہ بالکل یہی جسم نہیں اور یہ جسم تو ہر آن بدلتا بھی رہتا ہو۔ بلکہ اس کی مثل ہو اور مثل کا لفظ اس لئے بھی موزون ہو کہ جزا اور سزا مطابق اعمال ہو اور اجل کا ذکر اس لحاظ سے کیا کہ یہ جسم ایک وقت مقررہ کے بعد فنا ہو جاتا ہو۔ لیکن اعمال فنا نہیں ہوتے۔

۱۸۸۳ انفاق سے مراد یہاں مال کا جاتے رہنا یا ختم ہو جانا ہو ۱۳۱۲ اس آیت کا تعلق ماقبل سے کیا ہو بعض نے اسے انکے ان سوالات کے متعلق قرار دیا ہو کہ تمہارے لئے باغ اور نہریں اور رسونے کا گھر ہو۔ تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ دیدیگا۔ وہ بدوں کو دیدیتا ہو تو اچھوں کو کیوں نہ دے گا۔ انسان کی طرح وہ بخیل نہیں۔ مگر زیادہ قرین قیاس یہ ہو کہ رحمت ربی میں اشارہ اس رحمت کی طرف ہو جو بذریعہ وحی انسانوں پر نازل ہوتی ہو اور مراد یہ ظاہر کرنا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے بڑھکر دوسری نعمتیں ہیں اور وہ یہ بھی دیتا جاتا ہو وہ کبھی اسے ختم ہو جانے کا خوف نہیں کیونکہ اس کے خزانے بے انتہا ہیں اور یہ اشارہ رسول اللہ صلعم کی کامیابیوں کی طرف ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے آپ کو بڑے بڑے سامان اور بادشاہتیں دیدیگا کیونکہ مالک وہ ہو تم نہیں ہو۔

نعمائے جسمانی و روحانی دونوں غیر متناہی ہیں

۱۸۸۴ ایک حدیث میں ہو کہ دو یہودیوں نے آنحضرت صلعم سے تسع آیات کے متعلق دریافت کیا تو آپنے نو احکام بیان فرمائے یعنی شرک نہ کرو چوری نہ کرو زنا نہ کرو وغیرہ جو شریعت موسوی کی بنیاد کے طور پر ہیں۔ مگر کئی وجوہ سے یہ حدیث قابل قبول نہیں گو ترمذی ابن ماجہ اور امام احمد نے اسے لیا ہو اسلئے کہ اول تو یہ احکام دس تھے دوسرے یہ احکام بنی اسرائیل کو بعد میں دیئے گئے جب مصر سے وہ ارض مقدس میں کی طرف چلے گئے۔ اور یہاں ان کے متعلق صاف فرعون کا ذکر ہو نیز اگلی آیت میں صاف طور پر انہیں بصائر یعنی دلائل صداقت

تسع آیات سے مراد

۱۰۲ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ

اس نے کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ آسمانوں اور زمین کے رب کے سوائے اور کسی نے نہیں اتارے روشن دلائل کے طور پر اور میں اے فرعون

۱۰۳ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ

تجھے ہلاک شدہ یقین کرتا ہوں ۱۸۸۵ سو اس نے چاہا کہ انہیں اس زمین میں خفیف کردے سو ہم نے اسے غرق کر دیا اور ان کو جو

۱۰۴ جَمِیْعًا ۝ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ

جو اسکے ساتھ تھے اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا وعدہ کی زمین میں سکونت اختیار کرو پھر جب پچھلا وعدہ

۱۰۵ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ۝ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

آئے گا ہم تمہیں اکٹھا کر لائیں گے ۱۸۸۶ اور ہم نے اسے حق کے ساتھ اتارا اور وہ حق کے ساتھ اترا اور ہم نے تجھے صرف

۱۰۶ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا

خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور قرآن اسے ہم نے جدا جدا کر دیا ہے تا کہ تو اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں پر پڑھے اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا ۱۸۸۷

حضرت مسیح کو قرار دیا ہے۔ اور دلائل صداقت تعلیم نہیں بلکہ معجزات ہو سکتے ہیں۔ اسلئے تسع آیات سے مراد وہی نو نشان ہیں جن کا ذکر سورۃ الاعراف میں ہو دیکھو ۲۲۳ ۱ مسحور کیلئے دیکھو ۱۴۳۹ اور اسکے معنی مجنون بھی ہو سکتے ہیں اور دوسری جگہ ہے ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون (الشعراء ۲۶-۲۷)

تبر۔ ثبور ۱۸۸۵ مثبور۔ ثبر کے معنی حبس یعنی روکنا ہیں (ل)، اور ثبور کے معنی ہلاک اور فساد کے ہیں جو لازم حال ہو جائے دعوا ھنالک ثبورا

ثبور (الفرقان ۲۵-۱۴)، اور مثبور ہلاک شدہ ہو ابن عباسؓ سے ہو کہ اسکے معنی ناقص العقل ہیں کیونکہ یہی سب سے بڑی ہلاکت ہو (غ)، +

لفف۔ لفیف ۱۸۸۶ لفیف۔ لفف ران پر گوشت کی کثرت کو کہتے ہیں اور لفیف کے معنی ہیں جمع عظیم جو طرح طرح کے لوگوں سے ملکر بنی ہوئی ہو جنہیں شریف اور کمینے اور فرمانبردار اور عاصی اور قوی اور ضعیف ہوں (ل) اور ابن عباس نے اسکے معنی جمیعاً کئے ہیں (ج) اور جنات الفافا

الفاف (النبا ۷۸-۱۶) میں الفاف سے مراد درختوں کی کثرت ہو (ل)، +

وعد الآخرۃ یہاں مراد وعد الآخرۃ سے قیامت کا آنا لیا گیا ہو گویا مطلب یہ ہو کہ تم سب ہمارے حضور ملے جلے آؤ گے تو ہم تم میں فیصلہ کرینگے لیکن اسکے بعد فوراً آتا ہو وبالحق انزلناہ وبالحق نزل جس میں ذکر آنحضرت صلعم کی تشریف آوری کا ہو اسلئے وعد الآخرۃ سے مراد نبی کریم صلعم کا آنا بھی ہو سکتا ہو اسلئے کہ یہ خاص وعدہ تھا جو حضرت موسیٰ سے کیا گیا تھا اور اسکی تائید نہ صرف اگلی آیت سے ہوتی ہو بلکہ آگے چل کر پھر اسی وعدے کا ذکر کیا ہو ان کان وعد ربنا لمفعولا (۱۰۸) اور اسکے کہنے والے اوتوا العلم ہیں اور اس صورت میں اکٹھا کر لانے سے مراد یہ ہو کہ تم کو اس پاک سرزمین سے یعنی ارض مقدس سے بیدخل کر دیا جائیگا یا سلسلہ بنی اسرائیل ختم ہو جائیگا اور ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائیگا

فرق ۱۸۸۷ فرقنا۔ فرق کے اصل معنی دو چیزوں کا الگ الگ کرنا ہیں پس یہاں دو طرح پر معنی ہو سکتے ہیں کھول کھول کر بیان کیا یعنی اسکے احکام کو تفصیل کے ساتھ الگ الگ کر دیا۔ یا تھوڑا تھوڑا کرکے یعنی الگ الگ ٹکڑوں میں نازل کیا (غ)، +

مکث مکث۔ مکث کے معنی ہیں ثبات مع انتظار یعنی انتظار کرتے ہوئے ٹھہرے رہنا قال لاھلہ امکثوا (القصص ۲۸-۲۹) فمکث غیر بعید (النمل ۲۷-۲۲) (غ)، تنزیل دیکھو ۱۲۲۳ +

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ ۱۰۷

کہو اسے مانو یا نہ مانو جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب یہ ان پر پڑھا جاتا ہے وہ ٹھوڑیوں کے

لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَ ۱۰۸

بل سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے یقیناً ہمارے رب کا وعدہ ہو کر رہنا تھا اور

السجدۃ

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا ۱۱۰

وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں روتے ہیں اور یہ انہیں عاجزی میں بڑھاتا ہے ۱۸۸۸ کہو اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو جس کسی کو پکارو

تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝

اسی کے سب اچھے نام ہیں اور پکار پکار کر دعا نہ کر اور نہ چپکا ہی رہ اور اس کے درمیان رستہ طلب کر ۱۸۸۹

قرآن کریم کا بتدریج نزول

قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ یہاں اس کا ذکر بلحاظ اس کی عظمت کے ہے۔ کیونکہ اس میں ہر قسم کی تعلیم تھی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے میں حفظ اور فہم دونوں میں مدد ملتی تھی۔ اور تنزیلا میں اشارہ ہے کہ مصالح کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔ اور دوسری جگہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی حکمت کو یوں بیان فرمایا لنثبت به فؤادك (الفرقان ۲۵-۳۲) +

ذقن

۱۸۸۸ اذقان۔ ذقن کی جمع ہے ٹھوڑی (غ) (خرّ کیلئے دیکھو ۵۸۶) اور یہاں جزو سے کل مراد لیکر منہ مراد لیا گیا ہے (ر) +

حضرت موسیٰ کی پیشگوئی

کوئی ایمان لائے یا نہ لائے مگر جو شخص اوتوا العلم کا مصداق ہے اور علم کی بات کے سامنے نفس کی ہوا و ہوس کو چھوڑ دیتا ہے وہ انکار نہیں کر سکتا کہ بیشک وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی زبان سے کیا تھا استثنا ۱۸: ۱۵-۱۸ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی ذات بابرکات میں ہی پورا ہوا اور اگر آپ نہ آتے تو وہ وعدہ بھی پورا نہ ہوتا۔ دوبارہ گرنے میں نماز کے دو سجدوں کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور اصل مراد یہ ہے کہ جب وعدہ الٰہی کے پورا ہونے پر وہ سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں تو پھر ایک ایسا سرور قرآن کے ساتھ ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے کہ اس سے بھر کر پھر دوبارہ خدا کے حضور گر جاتے ہیں گویا ان کا علم و یقین اور ترقی کر جاتا ہے +

خفت۔ تخافت

۱۸۸۹ تخافت۔ خفت اور خفات بھوک سے جو کمزوری پیدا ہو یا آواز کی کمزوری کو کہتے ہیں اور جب موت کے ساتھ انسان کا کلام منقطع ہو جاتا ہے اور وہ خاموش ہو جاتا ہے تو اسے خافت کہتے ہیں اور بات کے چھپانے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ یتخافتون بینہم (طٰہٰ ۲۰-۱۰۳) (ل) +

صفت رحمانیت اور مذاہب باطلہ

اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت میں تمام مذاہب باطلہ نے ٹھوکر کھائی ہے عرب کے بت پرست بھی عیسائی قوم کی طرح صفت رحمانیت یعنی رحم بلا بدل کو نہ مانتے تھے۔ اور گو سورت میں ذکر بنی اسرائیل کا تھا مگر چونکہ ان سے پھیر کر اب عیسائیت کی طرف ذکر کو لاتا ہے جس پر سلسلہ موسوی ختم ہوتا ہے اسلئے اس آیت میں اور اگلی آیت میں صاف طور پر عیسائی عقیدہ کا ذکر کیا ہے۔ اور تفاسیر میں حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ مکہ میں آنحضرت صلعم اللہ تعالیٰ سے یا اللہ یا رحمٰن کہکر دعا کرتے تھے تو مشرکوں نے کہا کہ ہمیں دو خدا پکارنے سے روکتے ہیں اور آپ دو خداؤں کو پکارتے ہیں جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ ایک ہی ذات واحد کے اسماء ہیں یعنی اس کی مختلف صفات کے لحاظ سے اسکے نام ہیں۔ اور اصل میں یہاں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور خضوع و خشوع سے اور اپنے آپکو اسکے اسمائے حسنیٰ کے ماتحت لانے سے انسان اپنے کمال کو حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی سب صفات ہی خوبصورت ہیں جس صفت کو

۱۱۱ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ

اور کہو سب تعریف اللہ کے لئے ہی جس نے بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کا کوئی بادشاہی میں شریک ہی اور

لَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا ۝

نہ وہ عاجز ہی کہ اس کا کوئی مددگار ہو اور اس کی بڑائی بیان کر جو حق بڑائی بیان کرنیکا ہی ۱۸۹۰

انسان اپنے اندر لینے کی کوشش کرے اسی سے اس کے اندر حسن پیدا ہوگا +

دعا میں اعتدال

اور صلوٰت کا لفظ جو یہاں آیا ہی تو اس کے معنی دعا ہیں دیکھو ۱۳ گو بخاری میں دونوں قسم کی احادیث ہیں یعنی حضرت ابن عباس کی روایت کہ اس آیت کا نزول قرأت کے بارہ میں ہی یعنی نماز کی قرأت کے اور حضرت عائشہ کی روایت کہ یہ عام دعا کے بارہ میں ہی اور دوسری روایات میں مجاہد اور ابن عباس سے یہی تفسیر مروی ہی (د) اور سیاق مضمون اسکے دعا کے بارہ میں ہونے کو ہی صحیح ٹھہراتا ہی کیونکہ اوپر صاف ذکر دعا کا ہی یعنی جب یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کو اسکے اسمائے حسنیٰ سے پکارو تو اب یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں میانہ روی اختیار کرو نہ تو اس قدر چیخ کر پکارو کہ گویا خدا بلند آواز کو ہی سنتا ہی اور نہ یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ تو دل کی باتوں کو جانتا ہی منہ سے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہی بالکل خاموشی اختیار کرو۔ دعا کے معاملہ میں بھی لوگوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہی دعا میں زیادہ چلانا ادب کے خلاف ہی اور بغیر الفاظ کے دعا کا اثر قلب پر نہیں پڑتا اور نہ اس میں وہ گڈگڑاہٹ پیدا ہوتی ہی جو اسے قبولیت کے مقام پر پہنچائے اور صلوٰۃ کے معنی نماز لیکر قرأت ہی مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ نہ تو ساری قرأت بالجہر ہو اور نہ ساری آہستہ ہو بلکہ انکے درمیان چلو یعنی کچھ حصہ بالجہر ہو تاکہ اس حالت میں سب کے سب ایک ہی طرح پر خدا کی عظمت کے آگے سر جھکائے ہوئے ہوں اور ایک حصہ آہستگی سے ہو تاکہ ہر شخص اپنے رنگ میں خدا کے خیال میں محو ہو +

قرأت بالجہر اور آہستہ

توحید الٰہی

۱۸۹۰ سورت کا خاتمہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کرنے پر کیا ہی جیسا کہ ابتدا اس کی سبوحیت سے کی تھی نہ اس کا کوئی بیٹا ہی نہ کوئی شریک ہو نہ کوئی ولی مددگار رہی۔ بیٹا اس کو بکار ہی جس نے مرجانا ہو۔ شریک اسے بکار ہی جو خود سارا کام نہ کر سکے اور مددگار اسے بکار ہی جو اپنی طاقت سے ایک کام کو نہیں کر سکتا بلکہ دوسرے کا محتاج ہی اور عقیدہ ولد کا ذکر کرکے مضمون کا انتقال عیسائی مذہب کی طرف کیا جس پر اگلی سورت میں بحث ہی۔ نتیجہ سب کا ایک کہ داوں پر عظمت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا ہی رسولوں کی بعثت کی اصل غرض ہی۔ عیسائیت کے ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا ذکر بھی خاص معنی رکھتا ہی +

سورۃ الکہف مکیۃ وھی مائۃ وعشر آیات واثنا عشر رکوعا

اس سورت کا نام الکہف ہی اور اس میں بارہ رکوع اور ایک سو دس آیتیں ہیں اور کہف کے معنی غار بھی ہیں اور جائے پناہ بھی۔ اور اس سورت کا نام کہف اس وجہ سے ہی کہ اس میں اصحاب الکہف کا ذکر ہی یعنی چند لوگوں کا جنہوں نے شرک سے بچنے کیلئے اور توحید کو پھیلانے کیلئے ایک غار میں پناہ لی تھی۔ اور یہ لوگ عیسائی مذہب کے تھے اور عیسائی مذہب کی پرورش اس رنگ میں بھی کہف میں ہوئی کہ ایک عرصہ دراز تک اس کی حالت مظلومیت کی رہی اور آزادانہ اسکی تبلیغ نہ ہوسکتی تھی اور اس رنگ میں بھی کہ اس میں جو اچھے لوگ ہوئے ہیں وہ زیادہ تر رہبانیت کیطرف جھکے رہے ہیں یعنی دنیا و مافیہا سے الگ ہوکر پہاڑوں میں اور غاروں میں خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور چونکہ اس سورت میں صرف ایک ہی ذکر ہی یعنی عیسائی مذہب کا اسلئے اس کا نام کہف اسی مذہب کی تاریخ کی طرف اشارہ کرنیکے لئے ہی۔

اس سورت کے ربط مضامین میں بہت سی مشکلات کا سامنا ہی اور بظاہر اس میں تین موٹے موٹے ذکر الگ الگ نظر آتے ہیں یعنی ذکر اصحاب کہف۔ ذکر خضر و موسیٰ۔ ذکر ذو القرنین جن کا بظاہر ایک دوسرے سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا بمفسرین نے آسان توجیہ یوں کردی ہی کہ چونکہ یہود نے تین سوال اکٹھے کئے تھے یعنی روح کے متعلق اصحاب کہف کے متعلق اور ذو القرنین کے متعلق اسلئے ایک کا جواب پچھلی سورت میں دیدیا اور دو کا یہاں مگر اول تو جب دو سورتوں میں الگ الگ جواب کردیئے تو اس بنا پر ان کا اکٹھا ایک سورت میں لانا بے معنی ہی علاوہ بریں خضر و موسیٰ کا ذکر دونوں کے درمیان میں کیوں رکھا اصل بات یہ ہی کہ جو مفہوم ان تینوں کے پیچھے ہی وہ ایک ہی اور باوجود تین الگ الگ زمانوں کے الگ الگ ملکوں کے الگ الگ اشخاص کے واقعات ہونے کے تینوں کا تعلق ایک نہ ایک رنگ میں عیسائی مذہب سے اور نبی کریم صلعم کی تبلیغ حقہ سے ہی۔ سورت کی ابتدا قرآن کے کتاب قیّم ہونے اور ان لوگوں کے انذار سے کی ہی جو اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹا منسوب کرتے ہیں۔ پھر ان لوگوں کی زمینی آرائشوں کی طرف اشارہ کیا ہی یہی وہ فتنۂ دجالی ہی جس کا ذکر احادیث نبوی میں ہی اسلئے کہ انہی فتنوں کے علاج کے طور پر ان آیات کے پڑھنے کا حکم ہی اور اس فتنۂ دجالی کے ساتھ جو بالآخر عیسائی مذہب کی تعلیم اور عیسائی اقوام کی دنیوی حالت سے پیدا ہونا تھا عیسائی مذہب کی ابتدا کا ذکر اصحاب کہف کے تذکرہ میں کیا ہی یوں پہلے رکوع میں فتنۂ دجالی کے ذکر کو اصحاب کہف کے ذکر کے ساتھ ملایا ہی۔ دوسرے رکوع میں اصحاب کہف کی حقیقت کو بیان کیا ہی اور تیسرے میں ان کے خاتمہ کا ذکر کیا ہی اور چونکہ عیسائی اقوام اسلام کے پیغام حقہ کے قبول کرنے میں تمام دنیا کی اقوام سے پیچھے رہ گئی ہیں اس لئے چوتھے رکوع میں دعوت الی الحق اور اس کی مشکلات کا ذکر کیا۔ پانچویں میں عیسائیت اور اسلام کا ایک تمثیل کے رنگ میں ذکر کیا ہی اور بتایا ہی کہ عیسائیت کو اپنے مال و دولت اور حکومت پر فخر ہوگا اور اسلام کو خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم دینے پر فخر ہے۔ اسی بنا پر چھٹے رکوع میں بتایا کہ دنیا کا مال و دولت محاسبہ اعمال میں ہیچ اشیاء ہیں۔ ساتویں میں شیطان کی دوستی کا انجام بتایا اور سمجھایا کہ جن تعلقات کی خاطر انسان حق کو چھوڑتا ہی یہ بھی آخر کار کسی کام نہیں آتے بلکہ انسان کی ہلاکت کا موجب ہوتے ہیں۔ آٹھویں میں اس دنیا کی مالک قوموں کو سمجھایا کہ کوئی قوم نہیں جو ہمیشہ علو کے مقام پر رہی ہو بلکہ ہر ایک کیلئے ایک ہلاکت کا وقت ہوتا ہی اسی طرح ان کیلئے بھی ہوگا۔ یعنی ان کی یہ قوت جس کی بنا پر پیغام حق کے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہیں بالآخر توڑ دی جائے گی۔ نویں اور دسویں رکوع میں حضرت موسیٰ اور خضر کے واقعات کو بیان کرکے سمجھایا کہ خدا کا پیغام بنی اسرائیل تک محدود نہ تھا بلکہ سلسلہ اسرائیل کا عظیم الشان بانی یعنی حضرت موسیٰ بھی صرف ایک ہی قوم کیلئے ہدایت لیکر آئے تھے اور انہی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

کے زمانہ میں انکے سامنے ایسے لوگ موجود تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دوسری اقوام کے لئے پیغامبر بنایا تھا۔ اور جو علم خضر رکھتے تھے وہ موسیٰ کو نہ تھا اور جو موسیٰ کو علم دیا گیا تھا وہ خضر کو نہ تھا ان واقعات میں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ سلسلہ اسرائیل جو خود مختص القوم تھا اس میں کل دنیا کا نجات دہندہ کس طرح آسکتا تھا اور دوسری طرف یہ بھی اشارہ کے رنگ میں بتایا کہ خود تمہاری کتابوں میں وہ پیشگوئیاں موجود ہیں جن سے محمد رسول اللہ صلعم کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ گیارھویں رکوع میں ایک ایرانی نبی یا مصلح کا ذکر کیا جس کا نام ذوالقرنین ہے اور اس میں بھی یہی سمجھانا مقصود ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ ہر قوم کو الگ الگ نبوتیں دیتا رہا۔ اور ساتھ ہی اس ذوالقرنین کو یاجوج ماجوج سے مقابلہ پیش آیا جن کی روک تھام کیلئے اس نے ایک عظیم الشان دیوار بنائی اور یاجوج ماجوج کا ہی فساد بالآخر دوبارہ ظاہر ہونے والا تھا۔ جب اسلام کو ظاہری طور پر یعنی ملکی رنگ میں بہت مغلوبیت کا پہلو دیکھنا پڑے گا مگر آخر کار اسلام ہی غالب آئے گا اور یاجوج ماجوج جو زبردست عیسائی اقوام کے لئے ہی دوسرا نام ہے بالآخر اسلام کے سامنے گردن جھکائیں گے اس کے بعد آخری رکوع میں عیسائی اقوام کی آخری حالت کا نقشہ کھینچا ہے یعنی انسان کو خدا بنانے والے عملاً دنیا اور اس کی صنعتوں میں منہمک معلوم کرینگے کہ نجات بغیر اسلام کے نہیں۔ اور کہ مسیح خدا کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے اور کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نسل انسانی کو اعلےٰ سے اعلیٰ مقامات کی طرف بلاتے ہیں +

تعلق

اس سورت کا تعلق سورۃ بنی اسرائیل کے ساتھ نہایت صاف ہے پچھلی سورت کا خاتمہ ان الفاظ پر کیا تھا۔ وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا اور اس کی ابتدا الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب سے کر کے شروع میں ہی وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا کا ارشاد فرمایا اور بلحاظ مضمون سورت دیکھا جائے تو بھی تعلق نہایت صاف ہے۔ پچھلی سورت میں حضرت موسیٰ کے بعد کی تاریخ بنی اسرائیل کا کچھ ذکر تھا اور اس میں حضرت عیسیٰ کے بعد کی تاریخ کا کچھ ذکر ہے یعنی عیسائی مذہب کی تاریخ کا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ کے آخری خلیفہ ہیں لیکن اگر یہود کے ذکر کو نہایت مختصر کیا تھا لتفسدن فی الارض مرتین۔ تو عیسائیت کی تاریخ کو کہف کی حالت سے شروع کر کے یحسنون صنعا تک بیان کیا یعنی ایک طرف ان کی رہبانیت اور ترک دنیا اور دوسری طرف حد درجہ کی دنیا پرستی اور خدا کا نام تک ترک کر دینا۔ اور عالم الغیب خدا کے کلام میں ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہود اس قوت و اقتدار کو حاصل نہیں کرینگے جسے عیسائی حاصل کرینگے۔ ایک لطیف تعلق یہ بھی ہے کہ سورہ بنی اسرائیل میں اسریٰ کے ذکر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی طرف اشارہ تھا اور یہاں اس ہجرت میں کہف یعنی جائے امن ملنے کی خوشخبری دی +

زمانۂ نزول

زمانۂ نزول اس سورت کا وہی ہے جو سورۃ بنی اسرائیل کا یعنی قریبًا پانچواں سال بعثت کا یا اس سے بھی پیشتر اور یہ ان سورتوں میں سے ایک سورت ہے جو جملۃً واحدۃً نازل ہوئی ہیں یعنی ساری سورت ایک ہی وقت میں نازل ہوئی اور اس کی بنا ایک حدیث ہے (د) اور یہ ساری کی سورت ہے +

ع ۱۳

فتنۂ دجال اور اصحاب کہف کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ۝ ۱

سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب اُتاری اور اس کے لئے کوئی کجی نہ رہنے دی [۱۸۹۱]

لم یجعل له عوجا

۱۸۹۱ ولم یجعل له عوجا۔ ابن عباسؓ نے اس جملہ کو معترضہ قرار دیا ہے تو گویا ترکیب یوں ہوئی انزل علی عبدہ الکتاب قیما (ج) اور لم یجعل له عوجا کے معنی کئے گئے ہیں کہ اس میں کوئی میل عن الحق یا التباس نہیں (ج) یا اس میں کوئی اختلال لفظی یا تناقض معنوی نہیں (ل) مگر دوسری جگہ ہے یا اهل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ من اٰمن تبغونها عوجا (اٰل عمران ۳-۹۸) اور الذین یصدون عن سبیل اللہ ویبغونها عوجا (الاعراف ۷-۴۵) یعنی حق کے دشمن لوگوں کو اس سے روک کر سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اسلئے ہو سکتا ہے کہ یہاں اسی طرف اشارہ ہو کہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل بندہ محمد صلعم پر قیم ہونے کی حالت میں اُتارا ہے اسلئے جو لوگ اس سے روک کر یا وساوس ڈال کر اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کجیوں کو دور کر دیا ہے اور باقی نہیں رہنے دیا۔ اور چونکہ اس سورت میں خطاب عیسائیوں سے ہے جو تبغونها عوجا کے اصل مصداق بھی ہیں اس لئے یہ معنی زیادہ موزوں ہیں۔ اور اسی صورت میں اس کا جملہ معترضہ ہونا بھی موزوں ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ کتاب کا اُتارنا ہی بے معنی ہوتا اگر مخالف اس سے روک کر اس میں عوج پیدا کر سکتے اور عوج پیدا کرنا یہی ہے کہ اس غرض کو جس کے لئے کتاب اُتاری گئی ہے پورا نہ ہونے دیا جائے۔

نزول کتاب سے روحانی ربوبیت

اس سورت کو حمد کے ساتھ شروع کیا ہے اور حمد ربوبیت سے ہے الحمد للہ رب العالمین پس مراد یہ ہے کہ کتاب کا اُتارنا انسانوں کی ربوبیت کیلئے ہے اور اس میں بالخصوص ربوبیت روحانی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ قیم سے بھی ظاہر ہے کیونکہ اسی سے کمال انسانی حاصل ہوتا ہے اور اس سورت کی ابتدا ربوبیت روحانی کے ذکر سے اسلئے کی کہ اس میں اس قوم کا ذکر ہے جو بالکل دنیا کی زندگی پر گر گئی۔ الذین ضل سعیهم فی الحیٰوة الدنیا (۱۰۴) یعنی عیسائی قوم۔

فتنۂ دجال سے مراد فتنۂ عیسائیت ہے

حدیث صحیح میں ہے جسے مسلم ابوداؤد ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے عن النبی صلعم قال من حفظ عشر اٰیات من اول سورة الکهف عصم من الدجال یعنی نبی صلعم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں یاد رکھے گا وہ دجال سے محفوظ رہیگا اور دوسری حدیث میں جسے بھی مسلم اور نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے یہ لفظ ہیں قال من قرأ العشر الاواخر من سورة الکهف عصم من فتنة الدجال یعنی جو شخص سورۂ کہف کی پچھلی دس آیات پڑھیگا وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہیگا اور احمد کی ایک روایت میں ان دونوں کو یوں جمع کیا ہے کہ جو شخص سورۂ کہف کی پہلی اور پچھلی آیتوں کو پڑھے گا اس کے سر سے قدم تک نور ہو جائیگا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف ایک پرحکمت علمی کتاب ہے [illegible] اور تعویذوں منتروں کی طرح [illegible] کہ فلاں لفظ کے پڑھ لینے سے فلاں مشکل حل ہو جاتی ہے پس یہ غور طلب ہے کہ ان پہلی اور پچھلی دس آیتوں میں کیا خاص بات ہے جو فتنۂ دجال سے بچا سکتی ہے ایک سرسری نظر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں جگہ عیسائیت کا ذکر ہے پہلی دس آیات میں قالوا اتخذ اللہ ولدا میں بلحاظ عقیدہ کہ وہ خدا کا بیٹا بناتے ہیں اور انا جعلنا ما علی الارض زینة میں بلحاظ عمل یعنی زمین کو زینت دیں گے۔ اور پچھلی دس میں ان یتخذوا عبادی من دونی اولیاء میں بلحاظ عقیدہ اور الذین ضل سعیهم فی الحیٰوة الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا میں بلحاظ عمل کہ ان کی ساری کوشش دنیا پر اور صنعتوں پر صرف ہوگی تو جب انکے عقاید اور اعمال کی طرف توجہ دلا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ ان کی دنیوی ترقیوں کی ظاہری دلفریبیوں پر نہ جانا تو انکے فتنہ سے بچنے کی راہ بتا دی اور ایک مسلمان جو قرآن کے خدا کا کلام ہونے پر ایمان لاتا ہے آج تیرہ سو برس بعد ان نظاروں کو دیکھ کر جو قرآن شریف میں پہلے سے بتائے ہوئے موجود ہیں خدا کے کلام پر اور ایمان بڑھتا ہے اور یوں وہ عیسائیوں کے عظیم الشان فتنہ سے بچتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دجال کا فتنہ یہی عیسائیت کا فتنہ ہے اور قرآن شریف اپنی صراحت سے اس پر شاہد ہے حدیثوں میں تو دجال کی تعیین ہیں

۲ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

قایم رکھنے والی" تاکہ اس کی طرف سے سخت عذاب سے ڈراوے اور ان مومنوں کو خوشخبری دے جو اچھے عمل کرتے

۳ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ

ہیں کہ ان کیلئے اچھا اجر ہے ۱۸۹۲ وہ اس میں ہمیشہ ٹھہرنے والے ہیں

بہت سے اختلافات پائے جاتے ہیں یہانتک کہ بعض حدیثوں میں ابن صیاد پر جزم معلوم ہوتا ہو حالانکہ وہ مسلمان ہو کر مرا اگر قرآن شریف میں ایسی پکی بات ہو جس پر کسی کو اعتراض کی گنجایش ہی نہیں +

احادیث میں لفظ دجال اختیار کرنے کی وجہ اور لفظ کی لغوی تشریح

اس جگہ لفظ دجّال کی لغت دیدینا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا تا معلوم ہو کہ کیوں احادیث میں عیسائیت کی جگہ مسیح الدجال کا لفظ اختیار کیا گیا ہو۔ دَجَلَ الشّیءَ کے اصل معنی ہیں غَطَّاہُ یعنی اسے ڈھانک دیا اور دجّال کے مختلف معنی اس لحاظ سے ہیں کہ ڈھانکنا کیسا ہو چنانچہ اس کے پہلے معنی کذّاب ہیں اسلیئے کہ جھوٹ سے بھی ایک پردہ ڈال دیا جاتا ہو اور ابن سیدہ کہتے ہیں دجال کا نام دجال اسلیئے رکھا گیا کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ ڈھانک دیگا اور کہا گیا ہو بلکہ اس لیئے کہ وہ اپنی جماعتوں کی کثرت سے زمین کو ڈھانک دے گا اور بعض نے کہا اسلیئے کہ وہ لوگوں پر اپنے کفر کا پردہ ڈال دیگا اور حدیث میں ہو یکون فی اٰخر الزمان دجالون یعنی آخری زمانہ میں دجال ظاہر ہونگے اور ایک میں ہو کہ قیامت سے پہلے دجال ہونگے اور ازہری نے کہا کہ ہر کذاب دجال ہو اور دجال کے ایک معنی ہیں بڑا گروہ جو اپنی کثرت کی وجہ سے ساری زمین پر پھیل جائے اور بعض کے نزدیک ایسا گروہ جو اپنا سامان تجارت کیلیئے اٹھائے پھرے اور یہ بھی لکھا ہو کہ دجال کو دجال اسلیئے کہا گیا ہو کہ وہ جو کچھ دل میں رکھتا ہو اسکے خلاف ظاہر کرتا ہو (ل) اب اس تمام تشریح سے جو لسان العرب سے نقل کی گئی ہو کس قدر صفائی سے ظاہر ہو کہ قرآن کریم نے جو عیسائیت کے فتنہ کو فتنۂ دجال قرار دیا ہو تو یہ بالکل صحیح ہو اور آج واقعات نے کس دل کو اس بات کا قائل نہیں کر دیا کہ اسکے سوا دوسرے دجال کا تلاش کرنا ہی ایک غلطی ہو حدیث کے استعارات کو حقیقت پر محمول کرنے سے یہ غلطی پیدا ہوئی ہو۔ اور مسیح الدجال کا لفظ اسلیئے اختیار کیا گیا ہو کہ مسیح کی اصل تعلیم کے بالکل خلاف وہ تعلیم ہو جو عیسائیت اس وقت دنیا میں پھیلا رہی ہو +

قیّم
دین قیّم
کتاب قیم

۱۸۹۳ قیّما۔ قیام کے معنی کسی چیز کی نگہداشت اور حفاظت کرنا ہیں اور یہاں کتاب کو قیّم کہا ہو جو مبالغہ کا صیغہ ہو۔ اور دوسری جگہ دین کو قیّم کہا ہو ذٰلک الدین القیم (التوبۃ ۹ - ۳۶) اور ایک جگہ ہو ذٰلک دین القیّمۃ (البیّنۃ ۹۸ - ۵) اور دین کے قیّم ہونے سے مراد ہو مضبوط اور معاش اور معاد کے امور کو قایم رکھنے والا اور فیہا کتب قیمۃ (البیّنۃ ۹۸ - ۳) میں اشارہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کے معانی کی طرف ہو جو قرآن میں موجود ہیں اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ کی پہلی ساری کتابوں کے ثمرات قرآن میں جمع ہیں اور اللہ تعالیٰ

قیّوم

کو قیّوم کہا ہو یعنی سب چیزوں کی حفاظت کرنے والا اور انکے قیام کے سامان عطا کرنے والا (غ) اور فراء کا قول ہو کہ وہ ساری کتب سماوی پر قیم ہو یعنی ان کی حفاظت کرنیوالی اور ابو مسلم کہتے ہیں مصالح عباد کو قایم کرنیوالی اور ان کی متکفل اور بعض نے کہا اپنی ذات میں کامل دوسرے کو کامل کرنیوالی (د) اور حقیقت میں یہ دونوں رنگ میں قیم ہو یعنی کتب سماوی کی صحیح تعلیم کی حفاظت بھی کرتی ہے جیسا کہ دوسری جگہ اسے مھیمنا علیہ (المائدۃ ۵ - ۴۸) کہا ہو اور وہ انسان کو اپنے کمال کو پہنچانے والی بھی ہو اور تعلیم کو بھی۔ اور اس کی تعلیم کے کمال سے اس کا پیرو بھی اپنے کمال کو پہنچتا ہو +

کتاب کے کامل ہونیکے دو نتائج

دو باتیں بیان کی ہیں ایک سخت عذاب کا انذار یہ انکے لیئے ہو جو بیٹھ رہا عوجاً کے مصداق ہیں اور دوسرا اجر حسن اور یہ انکے لیئے ہو جو اسکے پیچھے چلکر اپنے کمال کو حاصل کرتے ہیں۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو اس کے کمال میں نقص ہوتا +

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ ۴

اور انہیں ڈرائے جو کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنا لیا ۱۸۹۳ انہیں اسکے متعلق کچھ بھی علم نہیں اور نہ انکے بڑوں کو تھا، بڑی بات

كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا ۵

ہے جو انکے منہوں سے نکلتی ہے وہ جھوٹ ہی کہتے ہیں ۱۸۹۴ تو کیا تو اپنی جان کو انکے پیچھے رنج میں ہلاک کر دیگا اگر وہ

بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَي الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا ۶

اس بات پر ایمان نہ لائیں ۱۸۹۵ جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے اس کیلئے زینت بنایا ہے تاکہ انہیں آزمائیں کون ان میں سے بہترین عمل کرنیوالا ہے اور ہم یقیناً

عیسائی اقوام کی مخالفت اسلام

۱۸۹۳ ۔۔۔ پہلے بھی انذار کا ذکر کیا ہے مگر یہاں پھر دوہرایا اور یہاں انذار کو اس قوم سے خاص کیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹا بنانا منسوب کرتے ہیں یعنی عیسائی اور یہ گویا عطف خاص علی العام ہے یعنی پہلے تو تمام ان مخالفین کا ذکر تھا جو یعقوبا عوجا کے مصداق ہیں اور اب ایک خاص قوم کا ذکر کیا جو سب سے بڑھکر قرآن شریف کے پھیلنے میں روک ہونے والی تھی۔ اور اس خاص ذکر میں یہی اشارہ ہے کہ سب مخالفتوں سے بڑھکر ان کی طرف سے اسلام کی مخالفت ہوگی۔ یہ خیال کہ اس سے مراد مشرکین عرب ہیں بالکل غلط ہے اسلئے کہ آگے صاف ذکر اصحاب کہف کا ہے جو عیسائی تھے ٭

کَبُرَتْ کَلِمَۃً

۱۸۹۴ کبرت کلمۃ ۔ نصب علی التمییز ہے گویا فرمایا کہ جو بات یہ کہتے ہیں وہ کتنی بڑی بات ہے ٭

عیسائیت کے اصل الاصول پر کوئی علمی یا عقلی دلائل نہیں۔

عیسائی عقیدہ ابنیت والوہیت مسیح پر اس سے بڑھکر کوئی زد نہیں ہوسکتی تھی جو قرآن شریف نے یہاں فرمایا یعنی اس عقیدہ اتخاذ ولد کا نہ انہیں علم حاصل ہے یعنی نہ انکے پاس کوئی علمی دلائل ہیں نہ انکے باپ دادوں کے پاس تھیں جس چیز کیلئے کوئی علمی اور عقلی دلائل پیش کی جائیں اس کی تردید دلائل سے کی جاسکتی ہے مگر عیسائیت نے اپنے عقیدہ کو خود بھی اس قدر عقل اور علم سے دور سمجھا ہے کہ اس مذہب کے مشنری سے جب ابنیت کفارہ وغیرہ کی عقلی دلائل پوچھو تو یہ جواب ملیگا کہ اسے مان لوگے پھر اس کی صداقت معلوم ہو جائے گی اور یہ صاف الفاظ میں اسبات کا اعتراف ہے کہ اسکے لیے کوئی علمی یا عقلی دلائل موجود نہیں اور نہ صرف ان کے پاس نہیں بلکہ جب سے یہ عقیدہ ایجاد ہوا کبھی اس پر کوئی علمی دلائل پیش نہیں کی گئیں ٭

بخع

علیٰ اٰثارھم

۱۸۹۵ باخع ۔ بخع کے معنی ہیں غم کے ساتھ اپنے آپکو ہلاک کر دینا (غ) لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین (الشعراء ۲۶ - ۳) علیٰ اٰثارھم ۔ کے لفظی معنی ہونگے انکے پیچھے ۔ اور مراد ہے انکے ایمان سے پھر جانے کے بعد ٭

عیسائیوں کا کفر پر اصرار

جب خدا کا بیٹا ماننے والی قوم کا ذکر کیا تو ساتھ ہی ان کے اس کفر پر اصرار کا بھی ذکر کیا۔ آج تیرہ سو سال سے اسلام انکے سامنے ہے مگر سوائے تھوڑوں کے انہوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ نہ صرف اس آیت سے بلکہ اس سے اگلی آیات سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم کو ان کی دنیوی زیب وزینت کا اور اسلام سے اعراض کا نقشہ دکھایا گیا اور اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے بھی ملتا ہے جہاں نزول عیسیٰ کی ضرورت یہ بتائی کہ وہ کسر صلیب کریگا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلیبی غلبہ آپکو دکھایا گیا تھا اور آپکے قلب

آنحضرت کا عیسائی اقوام کے لئے غم

کو اس سے اتنا رنج پہنچتا تھا کہ فرمایا تو اس رنج میں اپنے آپکو ہلاک کر دیگا۔ نبی کریم صلعم کے سینہ میں جو درد نسل انسانی کیلئے تھا اسکی تہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ آپکی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی فکر میں گذرتا [illegible] انسان اپنے مولیٰ کے حضور سر جھکائے جس طرح

ایک خوشخبری

اس قوم کی وجہ سے جو آپکے سا[illegible] کفر پر اصرار کر رہی تھی آپکو رنج و غم تھا اسیطرح ان قوموں کیلئے بھی تھا جو بعد میں آنیوالی تھیں اور آپ نسل انسانی کیلئے اسی غم میں گھل رہے تھے۔ مگر جس طرح [illegible] اس غم نے پہلے اپنا اثر دکھایا اور وہ قوم مسلمان ہو گئی اسی طرح ضرور ہے کہ آنحضرت صلعم کا یہ درد اب بھی اپنا رنگ لائے ٭

٩ لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۝

اسے جو اس پر ہے ہموار میدان سبزہ سے خالی بنا دینے والے ہیں ١٨٩٦ کیا تو سمجھتا ہے کہ غار اور کتبہ والے ہماری عجیب نشانیوں میں سے تھے ١٨٩٧

جرز

١٨٩٦ جرز۔ جُرُز کے معنی ہیں جلدی سے کھا جانا۔ اور جَرُوز بہت کھانے والے کو کہتے ہیں جو دسترخوان پر کچھ باقی نہ چھوڑے اور ارض جُرُز سے مراد وہ زمین ہے جس میں سبزی نہ اُگے گویا کہ وہ نبات کو کھا گئی انا نسوق الماء الی الارض الجرز والتی بجنبہ (ل) ۔

عیسائی اقوام کی زینت کی تباہی اور ایک پیشگوئی

اس سے پہلی آیت میں بتایا تھا کہ زمین پر جو سامان ہیں وہ موجب زینت بنا دیئے جائیں گے اور عیسائی اقوام نے اس میں فی الواقع کمال حاصل کیا ہے کہ جہاں ان کا تصرف ہوتا ہے وہاں وہ دنیوی زیب و زینت کے سامانوں کو کمال تک پہنچا دیتے ہیں گویا اشارۃً بتایا کہ حق سے اعراض کی وجہ یہی ہے کہ دنیا کی زیب و زینت میں منہمک ہو جائیں گے۔ گو چاہیئے یوں تھا کہ نہیں آرائش کے ساتھ اخلاق کی آرائش کی طرف توجہ کرتے اور سمجھتے کہ انسان کی اصل زینت دنیوی سامانوں سے نہیں بلکہ اخلاق سے ہے۔ ایہم احسن عملا میں یہی اشارہ ہے اسکے بعد فرمایا کہ اس خوبصورت اور آراستہ زمین کو ہم ایسی مٹی بنا دینگے جس پر کوئی سبزی نہیں اُگتی یعنی یہ اسکے دنیا کی زیب و زینت کے سامان برباد کر دیئے جائینگے اور مراد یہ ہے کہ ان کی دنیوی ترقی جس پر ان کو فخر ہے اور جس کی وجہ سے وہ اسلام سے رکے ہوئے ہیں ان کے کام نہ آئے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر یہ قوم حق کی طرف رجوع کرے گی۔ اور عام طور پر یہ بھی صحیح ہے کہ جب کبھی کوئی قوم عروج دنیوی کی انتہا پر پہنچی ہے تو اسکے بعد زوال بھی دیکھا ہے اور قوموں کے بارہ میں یہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون ہے جس سے دنیا کی کوئی قوم نہ پہلے مستثنیٰ ہوئی نہ آیندہ ہو گی موجودہ تہذیب اور اسکے تعیش کے سامانوں کا بھی آخر وہی حشر ہو گا جو پہلے ہوتا رہا ۔

کہف

١٨٩٧ اصحاب الکہف والرقیم۔ کہف غار کو کہتے ہیں اور فلان کہف فلان کے معنی ہیں وہ اس کی جائے پناہ ہے (ل) ۔

رقم۔ رقیم

رقیم۔ رقم سے ہے جس کے معنی ہیں موٹا لکھنا یا واضح طور پر لکھنا (غ) اور رقیم لکھی ہوئی چیز ہو فعیل بمعنی مفعول اور اس میں اختلاف ہے کہ رقیم سے یہاں کیا مراد ہے۔ ایک قول ہے کہ وہ اس جگہ کا نام ہے اور دوسرا یہ کہ وہ کتبہ ہے جس میں انکے نام لکھے ہوئے تھے اور ابن عباس سے ایک قول منقول ہے کہ میں نہیں جانتا الرقیم کیا ہے (ل) اور ایک حدیث میں ہے کان یزید فی الرقم جہاں رقم سے مراد کپڑے پر قیمتوں کا لکھنا ہے (ل) اور ابن جریر مختلف اقوال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ رقیم سے مراد تختی یا پتھر یا کوئی چیز ہے جس پر کچھ لکھا ہوا ہو (ج) ۔

اصحاب کہف کا مشہور قصہ

عیسائیوں کے انکار صداقت اسلامی اور ان کے دنیوی زینتوں کے سامانوں میں فوراً اصحاب کہف کا ذکر شروع ہو جاتا ہے اور یہ تعلق ہی اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ یہ مضمون عیسائیت سے تعلق رکھتا ہے اصحاب کہف کا مشہور قصہ خود اسی بنا پر ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے مذہب پر تھے اور شہنشاہ ڈیسیس یا دقیانوس کے زمانہ کے چند نوجوان تھے جنہوں نے اس بادشاہ کی ایذا رسانی سے تنگ آ کر ایک غار میں پناہ لی۔ جہاں اطلاع ملنے پر بادشاہ نے غار کے سامنے دیوار بنوا دی اور اختلاف روایات پر کوئی دو سو سال سے لیکر پونے چار سو سال تک یہ لوگ اس غار میں سوتے رہے تب وہ جاگے اور اس وقت رومن امپائر میں عیسائی مذہب کا دور دورہ تھا اس لئے ان کی اطلاع ملنے پر اس وقت کا بادشاہ خود انہیں دیکھنے گیا اور بعض روایات کے مطابق اس نے انہیں دیکھا اور بعض کے مطابق ان کا پتہ نہ ملا ۔

اصحاب کہف کے ذکر سے قرآن کریم کی اصل غرض

فی الواقع کوئی ایسے لوگ تھے یا نہیں۔ بظاہر اس قصہ کی عام شہرت بتاتی ہے کہ ان روایات میں گو کچھ غلط ملط ہو گیا ہو مگر کچھ نہ کچھ اصل اس کی ضرور تھی لیکن قرآن شریف کے ظاہر الفاظ بتاتے ہیں کہ غار کا منہ بند ہو جانے پر ان لوگوں کا اندر سو یا رہنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ آیت ١٧ کے مضمون سے ظاہر ہے پس جس رنگ میں یہ مشہور ہے اس رنگ میں قرآن شریف نے اسے قبول نہیں کیا۔ اور ابتدا میں ہی انہیں بجائے اصحاب کہف کے اصحاب الکہف والرقیم کے نام سے یاد کیا ہے۔ اصحاب الکہف تو وہ لوگ ہونگے

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ○ ۱۰

جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی تو کہا اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے بھلائی مہیا کر دے[۱۸۹۸]

جو غار میں رہے مگر اصحاب الرقیم سے کیا مراد ہے اس میں مفسرین کا بھی بہت کچھ باہم اختلاف ہے۔ رقیم کے معنی جو اوپر بیان ہوئے ہیں انسے ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا امتیازی نشان جس طرح پر غار ہے اسی طرح ایسی تختیاں بھی ان کا امتیازی نشان ہیں جن پر کچھ لکھا ہوا ہو۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک تختی پر ان کا قصہ یا ان کے نام لکھے ہوئے تھے اسی لحاظ سے انہیں اصحاب الرقیم کہا گیا ہے لیکن ایسی کوئی تختی آج موجود نہیں ہے علاوہ ازیں قرآن کریم میں جو قصص مذکور ہیں تو ان کی غرض صرف اسی قدر نہیں ہوتی کہ ایک پرانے قصے کو دہرایا جائے بلکہ آئندہ واقعات پر بھی کچھ روشنی ڈالنا مقصود ہوتا ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اصحاب الکہف والرقیم کے قصہ میں عیسائیت کی تاریخ بتائی گئی ہے۔ اصحاب کہف کون تھے اور ان سے کیا معاملہ ہوا اسکے جاننے کی ہمیں اتنی ضرورت نہیں جتنی اس بات کے جاننے کی ضرورت ہے کہ وہ مذہب جس کا مقابلہ سب سے بڑھکر اسلام سے ہونیوالا تھا اسکے متعلق قرآن شریف نے کیا فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے صرف اصحاب الکہف کا نام اختیار کرنے کی بجائے اصحاب الکہف والرقیم فرمایا ہے کیونکہ عیسائیت کی تاریخ کا خلاصہ انہی دو الفاظ میں آجاتا ہے یعنی کہف اور رقیم میں عیسائیت کی ابتدائی تاریخ غار سے وابستہ ہے اور اسکی آخری حالت رقیم سے۔ عیسائیت کی پرورش غاروں میں ہوئی نہ صرف اسلئے کہ ابتدا میں اس مذہب کے قبول کرنیوالوں کو ظالم سے تنگ آکر غاروں میں پناہ لینی پڑی بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ عیسائیت کا پہلا رجحان رہبانیت کیطرف تھا اور اسلئے عیسائیوں میں جو بڑے بڑے لوگ ہوئے انہوں نے رہبانیت اختیار کر کے غاروں میں ہی اپنے کمال کو حاصل کیا اور دنیا کو بکلی ترک کر کے گوشہ گزینی اختیار کی جس کی طرف لفظ کہف میں اشارہ ہے اور اس مذہب کی آخری حالت رقیم سے وابستہ ہے یعنی لکھی ہوئی تختیوں سے جو اس قوم کا نمایاں امتیاز ہے کہ نہ صرف ہر زندہ شخص کے نام کی تختی لکھی ہوتی ہے نہ صرف مردہ کی قبر پر لکھی ہوئی تختی ہوتی ہے بلکہ ان کی تمام تجارتی اشیاء پر بھی ایک لکھی ہوئی تختی ہوتی ہے۔ اور لفظ رقیم کے اختیار کرنے میں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ رقم کے معنی کپڑوں پر قیمتوں کا لکھنا بھی ہیں اور تجارتی اشیاء پر قیمتوں کے لکھنے میں اشارہ ان کی وسعت تجارت کی طرف معلوم ہوتا ہے یا ان کے [illegible] گویا رقیم کہف کے مقابل پر ہے اور جسطرح کہف رہبانیت کو ظاہر کرتی ہے یعنی دین کی خاطر دنیا کو بکلی ترک کر دینا۔ اسی طرح رقیم تجارت کو ظاہر کرتی ہے یعنی ان کے [illegible] کی خاطر دین کو بکلی ترک کر دینا اور تجارتی اغراض کے سامنے تمام قسم کی اغراض کو قربان کر دینا۔ سورت کے آخر پر الفاظ الذین ضل سعیہم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انہم یحسنون صنعا (۱۰۴) بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جن کی ابتدا رہبانیت تھی (۴۶-۳) کے مقام پر بھی پہنچینگے کہ صرف دنیا کے طالب رہ جائیں +

یہاں اصحاب الکہف والرقیم کے ذکر میں فرمایا کہ تم انہیں ہماری عجیب نشانیوں میں سے سمجھتے ہو اس میں بھی یہی [illegible] انکے سامنے ہے مگر سوائے تھوڑوں کے انہوں نے اس قدر عجیب نشان نہ تھے جس قدر عجیب وہ اصل بات ہے جس کی طرف اس ذکر سے رہنمائی ہوتا ہے کرنی کریں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصحاب الکہف [illegible] مقصود ہے۔ اسی سورت میں یاجوج ماجوج کا ذکر بھی جن کا خروج آخری زمانہ [illegible] اصحاب کہف کے ذکر سے بھی خود عیسائیت کا ذکر مقصود اصلی ہے +

۱۸۹۸ فتیۃ۔ فتی کی جمع ہے دیکھو ۱۳۵ اور فتیان بھی جمع آتی ہے وقال لفتیانہ (یوسف ۱۲-۶۲) +

مختصر طور پر اصحاب کہف کا ذکر اس اور اس سے اگلی دو آیات میں کر دیا ہے اور اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے کہ وہ چند جوان تھے جنہوں نے دین کی خاطر غار میں پناہ لی اور اس غار میں کئی سال تک وہ باہر کی خبروں سے [illegible] اور ان کی غرض وہاں جانے میں صرف اس قدر نہ تھی کہ وہ کسی ظالم کے مظالم سے بچ جائیں بلکہ ان کے دلوں میں [illegible]

کہف اور رقیم کا مقابلہ

فتیۃ

اصحاب کہف کے غار میں پناہ لینے کی اصل غرض

۱۱ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۙ ۱۲ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ

سو ہم نے انکے کانوں پر گنتی کے سال (پردہ) ڈال رکھا ۱۸۹۹ پھر ہم نے انہیں بھیجا تاکہ ہم ظاہر کریں کہ دونوں گروہوں

۱۳ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۧ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ط

میں سے کون اس مدت کا بہتر حفاظت کرنیوالا ہے جو ٹھہرے رہے ہیں ۱۹۰ ہم ان کی خبر تجھ پر حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں -

ع ۲ / ۱۴ — اصحاب کہف کی حقیقت

اسی لئے جب وہ غار کی طرف جاتے ہیں تو دعا کرتے ہیں کہ اے مولیٰ تو اپنی جناب سے ہمیں رحمت عطا فرما اور ہمارے معاملہ میں رشد یعنی بھلائی یا کامیابی کی راہ پیدا کردے اور دوسری جگہ فرمایا ویہیئ لکم من امرکم مرفقا (۱۶) یعنی کوئی نفع یا فائدہ کی بات مہیا کردے اور رشد زندگی کی اصل غرض کو پالینا ہے۔ فتنہ یا ظلم کے خوف سے محض کسی غار میں چھپ کر بیٹھ رہنا کوئی رشد نہیں بلکہ حقیقی بھلائی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا نام پھیلانے کی توفیق دے اور یہی رشد نبی کریم صلعم کو ملنے کا بھی ذکر ہے ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا (دیکھو نوٹ ۱۹)

ضربنا علی اذانہم سے مراد

۱۸۹۹ ضربنا علی اذانہم مفعول محذوف ہے۔ ضربنا علی اذانہم حجابا یعنی انکے کانوں پر پردہ ڈال دیا (د) مفسرین نے عموماً اس سے مراد نیند یعنی سلا دینا لیا ہے مگر اصل مفہوم ان الفاظ کا صرف اس قدر ہے کہ اس عرصہ میں وہ دنیا کے واقعات سے بیخبر رہے +

عدد

سنین عددا۔ سے مراد سنین معدودۃ ہے یعنی گنتی کے سال (ج) اور راغب کہتے ہیں کہ عدد سے مراد کبھی قلت کا ظاہر کرنا ہوتا ہے اور کبھی کثرت کا اور یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں یعنی چند سال یا بہت سے سال مگر قرآن کریم نے لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ (البقرۃ ۲ - ۸۰) میں اس کا استعمال تھوڑے پر ہی کیا ہے +

احصاء

نوٹ ۱۹۰ احصی۔ احصاء کے معنے ہیں گننا۔ احاطہ کرنا نوٹ ۲۵۶۱ مگر علم ان لن تحصوہ (المزمل ۷۳ - ۲۰) میں دو طرح پر معنی کئے گئے ہیں تم اس کی طاقت نہیں رکھتے یا تم ان اوقات کی حفاظت نہیں کر سکتے (اور حفاظت سے مراد ان اوقات میں قیام ہے جیسا کہ وہاں سیاق سے ظاہر ہے یا اعمال صالحہ سے حفاظت) اور حدیث میں آتا ہے ان للہ تسعۃ وتسعین اسما من احصاھا دخل الجنۃ تو اس سے مراد اسمائے الٰہی کا گننا نہیں بلکہ ان کا علم حاصل کرنا ان پر ایمان لانا اور یقین رکھنا ہے اور بعض کے نزدیک انکے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرنا (ل) +

دو فریق

دو فریق کون ہیں اور بعث اور زمانہ لبث کے احصاء سے کیا مراد ہے؟ دو فریق کے متعلق ذیل کے اقوال ہیں۔ (۱) خود اصحاب کہف کے دو گروہ اور وہ دونوں کافر تھے یا ایک کافر اور ایک مسلم گروہ تھا (ج) (۲) خود اصحاب کہف اور وہ لوگ جن کے وقت میں وہ اٹھے (۳) یہود اور نصاریٰ (۴) خالق اور مخلوق جیسے ءانتم اعلم ام اللہ۔ بعث سے مراد نیند سے جاگنا اور احصائے مدت سے مراد سالوں کی گنتی رکھنا سمجھا گیا ہے لیکن سالوں کی گنتی کا حساب کوئی ایسا واقعہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ لنعلم کا لفظ فرماتا پیچھے کئی موقعوں پر دکھایا جا چکا ہے کہ ایسے موقعہ پر علم الٰہی سے مراد ایک امر کے واقع ہو جانے کا علم ہوتا ہے جو پہلے غیب میں ہوتا ہے یا بالفاظ دیگر اس علم کا دوسروں پر ظاہر کرنا جیسے مثلاً ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم (آل عمران ۳ - ۱۴۲) میں مراد اصلی یہ ہے کہ ایسے واقعات ظاہر ہو جائیں جن سے لوگوں کو یہ علم ہو جائے کہ مجاہد کون ہے کیونکہ یہ علم پہلے غیب میں تھا کہ مجاہد کون ہے جب جہاد کا موقعہ آگیا تو اللہ تعالیٰ کا علم وقوع میں آگیا یعنی دوسروں پر ظاہر ہو گیا گو یا علم الٰہی دو طرح پر ہے ایک وہ جو پردہ غیب میں ہے جس کا لوگوں کو کوئی علم نہیں ہوتا اور دوسرا وہ جو واقع ہو جاتا ہے تو اس کا علم دوسروں کو بھی ہو جاتا ہے اور ایسے موقعوں پر یہ دوسری قسم کا علم ہی مراد ہوتا ہے۔ اب سالوں کی گنتی کوئی ایسا واقعہ نہیں بلکہ اس قسم کا علم ہمیشہ انسانوں کے اعمال سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ وہی علم ہے جو پہلے پردہ غیب میں ہوتا ہے اور پھر وقوع میں آتا ہے اس لئے احصی کے معنی بھی اسکے مطابق لئے جائیں گے یعنی اس وقت کی حفاظت کرنا یا جس غرض کیلئے انسان کو زندگی دی گئی ہے اسکے مطابق عمل

اللہ تعالیٰ کے علم غیب کا وقوع کیطرف منتقل ہونا

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ۝ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا ۱۴

وہ (کئی) جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھایا ۱۹۰۱ اور ہم نے انکے دلوں کو مضبوط کیا جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے

فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَٰهًا لَّقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ۝

۱۹۰۲

اور کہا ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوائے کسی اور معبود کو نہ پکاریں گے کیونکہ اس صورت میں ہم (ایسی) بات کہیں گے جو حق سے دور ہو

اصحاب کہف کے بعث سے مراد

کرنا یا ان اوقات کی اعمال صالحہ سے حفاظت کرنا اور بعث سے (دیکھو ۳۱۵) مراد ان کا کہف سے نکل کر دنیا میں جانا ہے یعنی جب انہوں نے اپنی تنہائی اور خلوت غار کی مدت کو بہترین طریق پر صرف کیا تو ہم نے انہیں دوسرے لوگوں کی طرف بھیجا تاکہ وہ اوروں کیلئے نیکی کا نمونہ بنیں اور دکھاویں کہ عبادت الٰہی سے انسان کس بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اور ان کا غار میں جانا اسی غرض کیلئے تھا کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے دنیا میں نکلیں جیسا کہ ۱۸۹۵ میں دکھایا جا چکا ہے نہ اسلئے کہ وہ غار میں پڑے سوتے رہیں انسان کی زندگی کی غرض سو رہنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اصحاب کہف کے سو رہنے کے قصہ کو ہمارے لئے اپنی ہدایت کے طور پر ذکر کرتا بلکہ وہ غرض اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ اصحاب کہف کا غار میں رہنا محض ایک وقفہ تھا جس کے اندر ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے سہولت کی راہ پیدا کر دی اور دو فریق جن کا یہاں ذکر ہے ایک تو خود اصحاب کہف ہیں جن کو غار میں پناہ لینی پڑی مگر انہوں نے حق کو نہ چھوڑا اور دوسرا وہ دنیاداروں کا گروہ ہے جن کے ظلم سے انہیں پناہ لینی پڑی اور جن کی نظر دنیا سے اوپر نہ اٹھ سکی اور وہ انسانیت کے مقام بلند کو نہ دیکھ سکے۔

قصہ اصحاب کہف میں آنحضرت کے واقعات زندگی کی طرف اشارہ

تاریخ عیسائیت پر ان بیانات سے جو روشنی پڑتی ہے اس کا ذکر آگے آئیگا لیکن نبی کریم صلعم کی زندگی کے واقعات کی طرف بھی اس قصہ میں اشارہ ہے اور اس کو خود قرآن کریم نے آیت ۲۴ میں ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے وقل عسی ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا یعنی جس قدر عرصہ اصحاب کہف کو غار میں رہنا پڑا اللہ تعالیٰ اس سے بہت قریب آنحضرت صلعم کیلئے سامان پیدا کر دے گا یہ سورت ہجرت سے بہت پیشتر زمانہ کی ہے اور ایسا ہی واقع ہوا کہ آپ کو بھی کفار کے ہاتھ سے ایک غار میں پناہ لینی پڑی مگر آپ کو سنین عددا یعنی کئی سال کی جگہ صرف تین دن رہنا پڑا اور اس کے بعد اعلائے کلمۃ اللہ کے کام کیلئے مدینہ میں پہنچ کر رستے کھل گئے اور دوسری طرف تاریخ عیسائیت اور تاریخ اسلام میں بھی یہی اقرب رشدا نظر آتا ہے یعنی عیسائیت تین سو سال تک مغلوبیت کی حالت میں رہی اور اسلام تین سو سال کے اندر اندر ساری روئے زمین پر پھیل گیا اور ساری دنیا پر اس کی حکومت قائم ہو گئی۔

اصحاب کہف کا تقاضا کے مقام بلند پر ہونا

۱۹۰۱ اس رکوع میں آیت ۱۰ کے مضمون کو ہی بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اصحاب کون تھے کہاں کے رہنے والے تھے ان کے نام کیا تھے یہ نہیں بتایا کیونکہ ناموں کے جاننے سے کوئی خاص فائدہ بھی نہیں۔ جو مطلب کی بات تھی وہ بتا دی کہ وہ مومن تھے اور معمولی طور پر ایمان لانے والے نہ تھے بلکہ ہدایت کے ایک اعلیٰ مرتبہ پر تھے۔ اور اعلیٰ مرتبہ ہدایت پر وہی لوگ کہلاتے ہیں جو تمام اغراض دنیا کو چھوڑ کر اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے اپنے آپکو وقف کر دیں۔ بالحق کا لفظ لاکر بتا دیا کہ جو قصے مشہور تھے وہ صحیح نہ تھے۔ اور انہی میں سے یہ سوئے رہنے کا قصہ ہے۔

ربط علی القلب سے مراد

۱۹۰۲ ربطنا علی قلوبہم۔ دیکھو ۱۲۱۱ اور ربط اللہ علی قلبہ یا بالصبر سے مراد ہے کہ اللہ نے اسکے دل میں صبر ڈالی دیا اور اسے مضبوط اور قوی کر دیا (ل)

شطط

شطط۔ الافراط فی البعد یعنی بہت دوری۔ اور شططا کہنے سے مراد ایسا قول ہے جو حق سے بہت دور ہو (مف)

یہی پہلے عیسائیوں کا مذہب تھا یعنی ایک خدا کے سوا دوسرے کو پکارنا خواہ اس کا نام بیٹا رکھا جائے یا کچھ اور حق سے بہت دور بات ہے۔ آج مسیحیت، مسیح کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور اسی لحاظ سے یہ تعلیم مسیح الدجال کی تعلیم ہے۔

۱۵ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ

ان ہمارے لوگوں نے اسکے سوائے اور معبود بنا لئے ہیں کیوں ان پر کوئی کھلی سند نہیں

۱۶ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا

لاتے پس اس سے زیادہ ظالم کون ہو جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتا ہے اور جب تم ان سے علیحدہ ہو گئے ہو اور اس سے

يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ

جس کی وہ اللہ کے سوائے عبادت کرتے ہیں تو غار میں پناہ لو تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت کے سامان وسیع کر دیگا اور

۱۷ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ

تمہارے معاملہ میں مفید بات مہیا کر دے گا ۱۹۰۳ اور تو سورج کو دیکھے گا کہ جب وہ نکلتا ہے تو ان کی غار سے دائیں طرف کو

ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ

جھک جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے اور وہ اسکے ایک کھلے میدان میں ہیں یہ

مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا

اللہ کی باتوں میں سے ہے جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت پانیوالا ہے اور جسے وہ گمراہی میں چھوڑ دے تو تو اس کیلئے کوئی دوست راہ بتانیوالا نہ پائیگا

نشر ۔ نشور — **۱۹۰۳** ینشر ۔ نشر کے معنی پھیلانا ہیں کپڑا ہو یا کاغذ یا نعمت یا بات ۔ اور نشور مردہ کا جی اٹھنا واذا الصحف نشرت (التکویر ۱۰) والناشرات نشرا (المرسلت ۳) والیہ النشور (الملک ۱۵) (غ)

ھیئۃ ۔ تھیئۃ — یھیئ ۔ ھیئۃ وہ حالت ہے جس پر کوئی چیز ہو محسوس ہو یا معقول کھیئۃ الطیر (المائدۃ ۱۱۰) (غ) اور تھیئۃ کسی ہیئت کا بنا دینا ہے پھر کسی چیز کے لا موجود کرنے یا اسکے سہل کر دینے پر بھی بولا جاتا ہے (د) مرفق کیلئے دیکھو ۶۹۳ +

یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ غار میں صرف ایک وقت کیلئے پناہ لیتے ہیں اور ان کی دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور رستہ کھول دے جو ان کیلئے نفع کا موجب ہو جیسا کہ لفظ مرفق لا کر بتا دیا غرض لفظ لفظ سے یہ شہادت ملتی ہے کہ اصحاب کہف کے مدنظر کوئی عظیم الشان کام تھا +

زاور ۔ زاود — **۱۹۰۴** تزاور ۔ زاورہ کے معنی ہیں اس سے ملاقات کی اور زَوَر میلان کو کہتے ہیں ۔ اور تزاور اصل میں تتزاور ہے

زُور — اور اسکے معنی ہیں تمیل یعنی مائل ہونا ۔ اور زُور جھوٹ کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی اصل جہت سے ایک طرف جھک جاتا ہے ظلما و زورا (الفرقان ۴) قول الزور (الحج ۳۰) (غ) +

قرض — تقرض ۔ قرض کے معنی قطع یا کاٹنا ہیں اور کسی جگہ سے کترا کر یعنی ایک طرف ہو کر نکل جانے پر بھی بولا جاتا ہے (غ) +

فجوۃ — فجوۃ اس کا اصل فجا ہے اور دو چیزوں کے درمیان جو کھلی اور وسیع جگہ ہو اسے فجوۃ کہا جاتا ہے (غ)

کہف سے سورج کے پھر جانے سے مراد — حاصل مطلب آیت کے پہلے حصہ کا تو صرف اس قدر ہے کہ یہ لوگ ایسی جگہ پہنچے جہاں انہیں غار کی تنگی اور سورج کی دھوپ

ع ۳ — اصحاب کہف کا خاتمہ

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ ۱۸

اور تو انہیں جاگتے ہوئے سمجھتا ہو اور وہ سوتے ہوتے ہیں اور ہم انہیں دائیں بائیں پھیرتے ہیں

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝

۱۹۰۵

اور انکا کتا صحن میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے اگر تو انپر جھانکے تو بھاگتا ہوا ان سے پیٹھ پھیرے اور انکی وجہ سے رعب میں آجائے

ایذا انہیں دیتی تھی پھر بعض کے نزدیک یہ اسلئے تھا کہ کہف کا دروازہ بنات نعش کے مقابل پر تھا۔ اور بعض کے نزدیک اللہ تعالےٰ خرق عادت کے طور پر سورج کو ان کی غار سے پھیر دیا کرتا تھا اور گروہ ثانی کے نزدیک ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ اس کی دلیل ہے (د) اور ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ کہف کا دروازہ شمال کی طرف تھا کیونکہ اگر مشرق مغرب یا جنوب کی طرف ہوتا تو یہ بات اس پر صادق نہ آتی اور مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ اسے اسلئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی غار کیطرف ہدایت دیدی (ث) اور جو کچھ

کہف اور اس کا محل وقوع

ابن کثیر نے کہا ہے وہ بالکل درست ہے کیونکہ خط استوا سے شمال کیطرف شمال رُخ مکانات میں دھوپ کم داخل ہوتی ہے اور خط استوا سے جس قدر زیادہ شمال کیطرف جگہ ہوگی اسی قدر زیادہ اس پر یہ الفاظ صادق آئینگے اور مفسرین کے اقوال مختلف ہیں بعض کے نزدیک یہ جگہ ایلہ کے قریب تھی اور بعض کے نزدیک نینوی کے قریب اور بعض نے اسے بلاد روم میں اور بعض نے بلاد بلقاء میں قرار دیا ہے لیکن جسطرح یہ الفاظ ایسی غار پر صادق آتے ہیں اس سے بڑھکر صحت کے ساتھ کسی شمالی ملک پر صادق آتے ہیں کیونکہ شمالی ممالک میں سورج سر پر نہیں آتا بلکہ جنوب کیطرف مائل رہتا ہے یعنی طلوع سے لیکر دوپہر تک دائیں طرف جھکا رہتا ہے اور دوپہر سے لیکر غروب تک بائیں طرف کو جھکا رہتا ہے اور ایسے ممالک میں سورج کی تیزی بہت کم ہو جاتی ہے جیسے ممالک یورپ ہیں کہ ان سب پر یہ بیان نہایت صفائی سے صادق آتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ

یوسف آرمیتیا کا انگلستان میں جانا

عیسائیت کا پہلا رُخ شمال کی طرف ہی ہوا ہے۔ اور بعض روایات سے جن کا ذکر انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوسف آرمیتیا جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دولتمند شاگردوں میں سے تھا مع کچھ اور رفقا کے انگلستان میں آیا۔ چنانچہ مضمون یوسف آرمیتیا کے نیچے لکھا ہے کہ سینٹ فلپ نے یوسف ارمیتیا کو انگلستان میں بھیجا اور وہ سومرسٹ شائر (انگلستان) میں ایک چھوٹے سے جزیرہ میں آکر رہا اسی انسکلوپیڈیا کے دسویں ایڈیشن میں ہے کہ یوسف ارمیتیا ۶۳ء میں پھرتا پھرتا برطانیہ میں آیا اور بھی بہت سی روایات ہیں جن کو جب اس تاریخی امر کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے کہ یوسف آرمیتیا کا نام حواریوں کی ان سرگرمیوں میں جو حضرت عیسٰی کے بعد اس ملک میں جاری رہیں نظر نہیں آتا تو یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ یوسف ارمیتیا کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ (اور مظالم تو ابتدائی عیسائیوں پر ہوتے ہی تھے۔ اور غالبًا اور بھی کوئی شاگرد یا مسیحی مذہب کے پیرو اسکے ساتھ آئے ہونگے پس ہو سکتا ہے کہ کہف سے مراد یہی ملک انگلستان ہی ہو اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے یورپ کے ممالک بھی ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کہف کوئی غار ہو جو کسی اور جگہ شمال رخ واقع ہو

یقظة۔ یقظان۔ یقظ

۱۹۰۵ ایقاظ۔ یَقَظَةٌ نیند کی ضد ہے اور فعل اِسْتَیْقَظَ ہے اور یَقْظَان صفت ہے جس کی جمع اَیْقَاظ ہے اور یہ یَقِظٌ اور یَقُظٌ کی بھی جمع ہے جسکے معنی ہیں چوکس یعنی جس شخص میں معرفت اور ذہانت ہو (ل)۔ +

رقاد۔ راقد / رقد۔ ارقد

رقود۔ رُقَاد۔ اچھی تھوڑی نیند کو کہتے ہیں اور رُقُوْدٌ مصدر بھی ہے اور رَاقِدٌ کی جمع بھی (غ) اور رَقَدَ الْحَرُّ کے معنی ہیں گرمی ساکن ہوگئی اور اَرْقَدَ بِالْمَکَانِ کے معنی ہیں مکان میں قیام کیا (ل)۔ +

وصید۔ وصیدة / موصدة

وصید۔ گھر اور کوٹھڑی کے صحن کو کہتے ہیں اور وَصِیْدَةٌ اس گھر کو کہا جاتا ہے جو پہاڑوں کے اندر پتھروں سے مال کیلئے بنایا جائے (ل) اَوْصَدْتُ الْبَابَ کے معنی ہیں اسے بند کر دیا اور مضبوط کر دیا اور یہی معنی اٰصَدَ کے ہیں اور مُؤْصَدَةٌ اسی سے ہے اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ (الھمزۃ ۔۸) یعنی ہر طرف سے ان پر بند کیا گیا (ل) اور بعض نے وصید کے معنی چوکھٹ یا دروازہ بھی کئے ہیں (ج) +

۱۹ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا

اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا تا ایک دوسرے سے سوال کریں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی مدت ٹھہرے ہو (بعض نے) کہا

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ

ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہے ہو (اور دوسروں نے) کہا تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کتنا ٹھہرے رہے

طلع ۔ اطّلع

اطلعت ۔ طلع سورج کے نکلنے پر بولا جاتا ہے اور اسی سے طلع اور اطّلع (مصدر ۔ اطّلاع) کے معنی ہیں ایک چیز کو دیکھکر اسکی حالت کی خبر پائی (غ) هل انتم مُطّلعون (الصّٰفّٰت ۳۷ ۔ ۵۴) اطّلع الیٰ الٰه موسیٰ (القصص ۲۸ ۔ ۳۸) *

اصحاب کہف کا سونا

اگر یہاں انہی لوگوں کا ذکر ہے جو غار میں چلے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ یہ صدیوں یا سالوں کی نیند نہیں کیونکہ لفظ رقود کی تشریح جو امام راغب نے کی ہے اسکے لحاظ سے یہ لفظ تھوڑی نیند پر بولا جا سکتا ہے نہ اتنی لمبی اور گہری نیند پر لیکن یہاں پر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں ۔ اول یہ کہ اس سے کیا مطلب ہے کہ وہ سو رہے تھے اور دیکھنے والا انہیں جاگتا ہوا سمجھتا بعض نے کہا انکی آنکھیں کھلی رہتی تھیں بعض نے کہا شدت حفاظت اور قلت تغیر حوان پر تھا اسکے لحاظ سے بعض نے کہا کروٹ لینے کی وجہ سے ان ساری توجیہات میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں اور لکھا ہے کہ کروٹ سال میں ایک دفعہ یا چھ ماہ میں ایک دفعہ لیتے تھے اور آنکھیں کھلی رکھنے کا کیا مطلب تھا اور پھر اس سارے قصے کو دہرانے کا کیا منشا ہے ۔ دوم کتے کا ذکر یہاں ساتھ شروع کیا آیا وہ بھی بطور اعجاز سو یا رہا یا نہیں بعض کہتے ہیں سو یا رہا بعض کہتے ہیں سویا نہیں پہرہ دیتا تھا اور اسے غذا اپنے ہاتھ چاٹنے سے پہنچ جاتی تھی ۔ اس پہرہ کا کیا منشا تھا کیا جس طرح سانپ اور بچھو سے ان کی حفاظت کی گئی اسی طرح جنگلی درندوں وغیرہ سے ان کی حفاظت نہ ہو سکتی تھی سوم کروٹیں بدلاتے رہنے میں کس حکمت کا اظہار ہے ۔ اگر بطور اعجاز تین سو سال تک سوتے رہے تو یہ اعجاز کیا خدا تعالیٰ کی قدرت سے باہر تھا کہ بغیر کروٹ بدلنے کے وہ پڑے رہتے اور اگر کروٹیں لیتے بھی تھے تو اس ذکر کا یہاں کیا مطلب ہے *

اقوام یورپ کی دنیوی ہشیاری اور دینی غفلت

میرے نزدیک اس آیت میں ذکر ان لوگوں کا ہے جن کی طرف پچھلے رکوع کی آخری آیت میں من یضلل کہکر اشارہ کیا ہے یعنی انہی اصحاب کہف کے جانشین جو دنیا میں غرق ہو کر اصحاب الرقیم بنے ۔ اپنی دنیوی جد وجہد کے لحاظ سے وہ ایقاظ ہیں نہ صرف جاگتے ہیں بلکہ کمال درجہ کی مستعدی اور ذہانت دکھا رہے ہیں لیکن حقیقت سے بے خبر ہونے کے لحاظ سے وہ سوتے ہوئے ہیں اور دنیا میں دائیں بائیں یعنی ہر جانب میں پھر بھی رہے ہیں اور کوئی جگہ نہیں جسے انہوں نے چھوڑا ہو ۔ اور حدیث میں جو دجال کا ذکر آتا ہے کہ اسکی دائیں آنکھ ماری ہوئی ہوگی تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کی دینی آنکھ اندھی ہوگی اور یوں یہ حدیث اسی آیت کے مضمون کو دہراتی ہے اور کتے کا ذکر اسلئے کیا کہ یہ بھی ان کی خصوصیت ہے جس قدر محبت اس قوم نے کتے سے کی ہے اور کسی نے نہیں کی ان کی عورتیں کتوں کو گودیوں میں لیکر بچوں سے زیادہ محبت کرتی ہیں کتوں کا منہ چاٹتے اور چومتے بلکہ ان کی زبانوں تک چوستے ہیں اور قریباً ہر شخص کتا بھی ضرور اپنے ساتھ رکھتا ہے شاید کوئی مناسبت روحانی بھی ہے کیونکہ کتا حرص میں ضرب المثل ہے اور ان قوموں کی مال دنیا کی حرص بھی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور یا کتے سے مراد انہیں قوموں میں سے کوئی قوم ہے جو بسبب اپنی وسیع طاقت کے گویا ہر وقت چوکھٹ پر موجود ہے اور ان کے لئے محافظ کا کام دیتی ہے اس کے لئے دیکھو ۱۹۰۸ اور آخر میں ان کی ظاہری شان و شوکت کا ذکر کیا جو اس قدر ہے کہ ان ظاہری سامانوں کو دیکھکر جو ان میں سے قریباً ہر شخص کو میسر ہیں دیکھنے والا مرعوب ہو جاتا ہے *

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا

اب اپنے میں سے ایک کو اپنے اس روپے کے ساتھ شہر کیطرف بھیجو سو وہ دیکھے کہ کونسا ان میں سے پاکیزہ کھانا ہے

فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝

پس تمہیں اس میں سے رزق لاوے اور چاہیئے کہ وہ نرمی کرے اور تمہارا پتہ کسی کو نہ لگنے دے ۱۹۰۶

ورق۔ ورقۃ

۱۹۰۶ ورق۔ وَرَق درخت کے پتوں کو کہتے ہیں واحد وَرَقَۃ ہے اور جمع اَوْرَاق۔ وما تسقط من ورقۃ (الانعام۔ ۵۹) اور کتاب کے ورقوں کو بھی) اور مال کثیر کو کہتے ہیں گویا وہ اپنی کثرت میں درخت کے پتوں کی طرح ہے اسی لحاظ سے مال کو ثری یا تراب یا سیل بھی کہا جاتا ہے اور وَرِق اور وَرْق کے معنی دراہم یا روپے ہیں (غ)۔

وَرِق

لطیف

یتلطف۔ لطیف اسمائے الٰہی میں سے ہے جسکے لئے دیکھو ۹۹۲ اور لطیف وہ ہے جو حاجت نرمی سے پہنچاوے اور ابن اثیر کہتے ہیں لطیف وہ ہے جس میں یہ چیزیں جمع ہوں یعنی فعل میں نرمی اور باریک مصالح کا علم اور اس کیطرف پہنچانا جس کیلئے اس کا اندازہ کیا ہے اور تلطف دوسرے سے نرمی کرتا ہے اور کسی امر میں تَلَطُّف اس کیلئے تَرَفُّق یا نرمی ہے۔

تلطف۔ تَلَطُّف

اس آیت میں پھر اصحاب کہف کا ذکر ہے آیت ۱۶ میں فرمایا تھا کہ جب غار میں گئے تو انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے کوئی مفید راہ پیدا کردے تو اللہ تعالیٰ نے آخر انہیں اس غرض کیلئے اُٹھا کھڑا کیا۔ رہا یہ سوال کہ کتنی مدت رہے سو آیت ۱۱ میں اسے سنین عدد کہا ہے یعنی گنتی سال اور یہی انسانی زندگی کے لحاظ سے صحیح مدت ہے۔ آیت ۲۵ کے تین سو سال پر اس آیت کے نیچے بحث ہوگی اور ان میں سے بعض کا یہ کہنا کہ ہم دن یا دن کا کچھ حصہ رہے اس لحاظ سے ہے کہ یوم کا لفظ وسیع معنی میں ہے اور چوبیس گھنٹے کا دن نہیں۔ اور شاید ان کا منشا یہی ہو کہ ہم نے تو گویا اپنی عمر ہی یہاں گزار دی یا عمر کا بڑا حصہ گزار دیا۔ اور ربکم اعلم بما لبثتم میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی منشائے الٰہی تھا یعنی یہ وقت بھی ضائع نہیں ہوا بلکہ اس میں کام کیلئے ایک تیاری ہوگئی اور عبادت الٰہی سے بعض اخلاق تکمیل کو پہنچے جن کی تکمیل کی ضرورت دعوت الی اللہ کے کام کیلئے تھی۔ اس کے بعد وہ کام کرنے کی تجویز سوچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو روپے دیکر شہر میں بھیجو کہ وہ اچھا کھانا لائے اور یوں کچھ تعلقات اہل شہر کے ساتھ قایم ہوں اور گفتگو اور تبلیغ میں نرمی کا پیرایہ اختیار کرے تاکہ آہستہ آہستہ لوگوں کا رجوع حق کیطرف ہو اور کسی کو پتہ نہ لگنے دے کہ اصل کیا منشا ہے یہاں اگر خیال گزرے کہ اس سے پہلے یہ لوگ کھانا نہیں کھاتے ہونگے تو یہ صحیح نہیں اسلئے کہ جو لوگ غاروں میں تنہا رہتے ہیں وہ کھانے پینے کا سامان بھی کر لیتے ہیں یا زیادہ تر ایسی چیزوں پر گزارہ کر لیتے ہیں جو جنگلوں میں پیدا ہوتی ہیں مدینہ یا شہر میں بھیجنے سے مراد یہی ہے کہ آہستہ آہستہ لوگوں کے ساتھ تعلقات پیدا کئے جائیں یہ نقشہ اگرچہ اصحاب کہف کا ہے تو عیسائیت کی ابتدائی تاریخ بھی اسی کے مطابق ہے۔ کیونکہ عیسائیت قریباً تین سو سال محکومیت کی حالت میں رہی اور اس وقت اس کی تبلیغ نہایت نرمی کے طریق سے کی جاتی تھی اور چھپ کر کی جاتی تھی۔ علانیہ تبلیغ نہ ہو سکتی تھی۔ جیسا کہ اگلی آیت میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ آج یورپ کی عیسائی اقوام اپنے سیاسی مقاصد کے حاصل کرنے میں بھی اسی طریق کا تتبع کرتی ہیں یعنی جس ملک میں یہ لوگ قدم رکھتے ہیں پہلے تجارت کے بہانہ سے جاتے ہیں اور نرمی کا طریق اختیار کرکے آہستہ آہستہ ملک کے اندر تصرف تام حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اس تصرف کے حاصل کرنے میں انکے بڑے معاون دراہم ہیں یعنی روپے دے کر اپنا کام نکال لیتے ہیں اور اپنے اصل ارادہ پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیتے پس اصحاب کہف کے قصہ میں یہاں بھی تاریخ عیسائیت ہی لکھی ہے۔

اصحاب کہف کا کام کیلئے اُٹھنا

اصحاب کہف کے ذکر میں ابتدائی عیسائیت کا نقشہ

اصحاب کہف کے ذکر میں یورپ کا موجودہ نقشہ

۲۰ إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوا إِذًا

کیونکہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تمہیں پر اکھینگے یا اپنے مذہب میں لوٹا دینگے اور اس وقت تم کبھی کامیاب

أَبَدًا ۝ ۲۱ وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا

نہ ہوگے اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) انپر مطلع کر دیا تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور کہ قیامت میں کچھ بھی

رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا رَّبُّهُمْ

شک نہیں جب وہ انکے معاملہ میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے تو انہوں نے کہا ان پر ایک عمارت بنادو ان کا رب

أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ۝

انکو خوب جانتا ہے جو لوگ اپنے امر پر غالب ہوئے انہوں نے کہا ہم ضرور ان پر مسجد بنائینگے ۱۹۰۷

اصحاب کہف کی اصل نشا پر اطلاع پا جانا

۱۹۰۷ کذالک اعثرنا علیہم میں عموماً یہ مرادلیگئی ہے اور اسی طرح پر یہ قصہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ درہم کی وجہ سے جو تین سو سال کا پرانا سکہ تھا لوگوں کو ان کی خبر لگ گئی۔ اور انہوں نے آکر انہیں دیکھا اور بعض روایتوں میں ہے کہ انہیں دیکھا نہیں بلکہ جب کبھی کوئی شخص جرأت کرکے دیکھنے کیلئے آگے بڑھتا دہشت زدہ ہوکر واپس ہوجاتا) کہ یہ تین سو سال کے لوگ ہیں اسلیئے ان کو یہ بھی یقین آگیا کہ قیامت حق ہے یعنی مردوں کو پھر زندہ کیا جائیگا۔ لیکن یہاں پر مفسرین کو خود شبہ پیدا ہوا ہے کہ اگر ایک طویل زمانہ تک اصحاب کہف کا سونا اور اس پر یقین کرنا مان بھی لیا جائے تو بھی اس سے یہ علم پیدا نہیں ہوتا کہ مرجانے کے بعد انسان زندہ ہوگا اور اس کا جواب صرف یہ دیا گیا ہے کہ دونوں باتیں اللہ تعالٰی کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں یعنی جو خدا اتنی مدت تک جسموں کو محفوظ رکھ سکا وہ دوبارہ زندہ بھی کرسکتا ہے مگر سوال تو پھر وہی باقی رہتا ہے کہ اگر اللہ تعالٰی کی ایک قدرت کے مشاہدہ سے دوسری قدرت کا علم حاصل ہوجاتا ہے تو پھر اس قدرت کے ہزار ہا نظارے تو انسانی آنکھوں کے سامنے ہر دم رہتے ہیں وہی کافی ہیں ایک جسم کے لمبی مدت تک محفوظ رہ جانے سے یہ علم پیدا نہیں ہوتا کہ موت کے بعد جب اجزائے جسم متفرق ہوجائیں گے پھر انسان کو زندہ کیا جائیگا۔ علاوہ ازیں یہ بھی قابل تسلیم نہیں کہ ایک شخص کے بیان پر اعتبار کرکے لوگوں کو اس قدر یقین حاصل ہوگیا ہو۔ میرے نزدیک اعثرنا علیہم میں ان کے اصل مقصد پر مطلع کر دینا ہے۔ یعنی یوں ہی وہ نرمی کے پیرایہ میں لوگوں کو سمجھاتے رہے یہانتک کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہوگیا کہ جس بات کی طرف یہ بلاتے ہیں وہ سچ ہے اور بعث بعد الموت بھی بلا شبہ صحیح ہے۔ قیامت پر یقین لوگوں کو انبیاء کی تعلیم سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے جب نیکی اور اخلاق کی تعلیم آہستہ آہستہ انکے اندر پھیلا دی تو انکے حق پر ہونے کا یقین بھی ان کو آگیا ۔

اقوام یورپ کے اصل منشا پر لوگوں کا اطلاع پا لینا

اور اگر عیسائیت کی تاریخ میں موجودہ ارادوں کے متعلق اسے لیا جائے تو بھی درست ہے کیونکہ آخر کار دنیا ان اقوام کے ارادوں پر مطلع ہوگئی ہے۔ اور اس صورت میں لیعلموا کی ضمیر خود ان لوگوں کی طرف جائیگی یعنی دنیا کے ان کے ارادوں پر اطلاع پا جانے سے جب انہیں دنیا میں ناکامی ہوگی تو پھر حق کیطرف توجہ ہوگی اور انہیں معلوم ہو جائیگا کہ یہی زندگی ہی سب کچھ نہیں جس پر انہوں نے اپنا سارا زور لگا دیا بلکہ اس کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے ۔

آیت کے پچھلے حصہ میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کے پیغام کو انہوں نے قبول کیا یعنی یا تو یہ حالت تھی کہ ان کی بات کوئی نہ سنتا تھا اور یا اب انکی نیکی کی وجہ سے انکی یادگاریں بنانے کی تجویزیں ہونے لگیں اور اس کے بھی بعد ایک اور مرحلہ آیا کہ وہ لوگ

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ ۲۳

کہینگے وہ تین ہیں ان کا چوتھا ان کا کتا ہے اور کہینگے پانچ ہیں ان کا چھٹا ان کا کتا ہے

رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا

اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں اور کہینگے سات ہیں اور انکا آٹھواں ان کا کتا ہے کہدے میرا رب انکی گنتی بہتر جانتا ہے سوائے

يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا

تھوڑوں کے انہیں کوئی نہیں جانتا سو انکے بارہ میں جھگڑا نہ کر سوائے (اسکے کہ) ظاہر جھگڑا (ہو) اور انکے بارہ میں ان میں سے کسی سے نہ پوچھ ۱۹۰۸

جنہیں پوری حکومت اور غلبہ ملا یعنی جب عیسائیت غالب ہوگئی (غلبوا علی امرھم سے مراد غلبہ ہی ہے جیسے واللہ غالب علی امرہٖ میں یعنی امرھم کی ضمیر انہی غالب آنے والوں کیطرف ہے انہم اذ ارادوا امرا لم یتعسہم علیہم (د)) تو اب انہوں نے انہی صلحا کو

نیک لوگوں کے حق میں غلو

اور نیک لوگوں کو اپنا معبود بنا لیا۔ اور عیسائیت میں مسیح کی خدائی کا عقیدہ بھی قسطنطین کے تبدیل مذہب کے ساتھ پختہ ہوا بخاری میں ہے لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا اور ایک اور حدیث میں ہے اذا کان فیہم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجدا وصوروا فیہ تلک الصور یعنی جب ان میں کوئی صالح آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں یہ صورتیں بنا لیتے یعنی نیک لوگوں کی

قبروں پر مسجدیں بنانا

تصویریں بنا کر انکی عبادت کرتے۔ اسی کی طرف یہاں اشارہ معلوم ہوتا ہے اور یہ ان کے غلو کا ذکر ہے اس سے قبروں پر مسجدیں بنانے کا جواز نکالنا عجیب ترین اقوال ہے جب حدیث صحیح اسکو غلط ٹھہراتی ہے اور یہ شرک کی بنیاد ہے ۔

س۔ سوف

۱۹۰۸ سیقولون۔ س مضارع سے خاص ہے یعنی مضارع پر داخل ہوتا ہے اور اسکو استقبال کیلئے خالص کر دیتا ہے اور سوف بھی یہی کام دیتا ہے مگر بعض کے نزدیک اسکے استقبال میں وسعت زیادہ ہے (مغنی) ۔

مراء۔ ماراۃ

تمار۔ مراء و مماراۃ اور امتراء کے ایک ہی معنی ہیں یعنی اس چیز میں جھگڑا کرنا جس میں تردد ہو (غ)، اور مراء اصل میں جدال ہے یعنی یہ کہ ایک شخص دوسرے سے بات نکلوائے اور مریت الشاۃ کے معنی ہیں میں نے بکری کا دودھ نکالا۔ اور اسی لحاظ سے شک اور تردد کے معنی آتے ہیں (ل) ۔

ظہر۔ بطن

ظاھرا۔ ظَھَرَ الشیءُ کی اصل یہ ہے کہ ایک چیز زمین کی پیٹھ پر یعنی زمین کے اوپر آگئی (ظَھْر پیٹھ کو کہتے ہیں) پس مخفی نہ رہی اور بَطَنَ جب وہ زمین کے پیٹ میں داخل ہوگئی اور چھپ گئی۔ ما ظہر منہا وما بطن (الاعراف - ۳۳) پس ہر ایک چیز کو جو کھلی ہو اور

ظاھر

آنکھ سے یا دلیل سے معلوم ہو جائے ظاھر کہا جاتا ہے (غ)، اور یہاں بعض نے معنی غیر متعمق کئے ہیں اور بعض نے مراد لیا ہے ایسا جھگڑا جس کی دلیل کھلی ہو اور ایک قول میں وہ ایسے عالم کا جدال ہے جسے حقیقت خبر کا یقین ہو اور ایک قول ہے جسے لوگ دیکھیں اور ایک اور قول ہے جو خصم کی دلیل کو باطل کر دے ۔

اصحاب کہف کی تعداد

اس آیت میں آیندہ کا ذکر ہے کہ لوگ ایسا کہیں گے یہ ذکر نہیں کہ پہلے کہتے ہیں مفسرین نے اس کی یوں توجیہ کی ہے کہ قرآن شریف میں جو کچھ ان کا مذکور ہوا اسے سنکر کہینگے کہ وہ تعداد میں اتنے تھے مگر کیونکہ ہی دقت باقی رہتی ہے جبتک پہلے ان میں ایسے اقوال موجود نہوں کہ وہ تین تھے یا پانچ تھے وہ یہ کہہ نہیں سکتے۔ اور جب پہلے ایسے اقوال موجود تھے تو اللہ تعالیٰ نے سیقولون کیوں فرمایا دوسری دقت یہ ہے کہ اگر قرآن شریف پہلے خود کوئی گنتی ان کی بیان کرتا تو یہ الفاظ موزوں ہوتے کہ اسے سنکر وہ یوں کہینگے مگر

ع ۹

دعوت الی الحق اور اس کی مشکلات

۲۳ ۲۴ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ

اور کسی چیز کی نسبت یوں نہ کہو کہ میں اسے کل کرنے والا ہوں سوائے اسکے کہ اللہ چاہے اور جب تو

رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝

بھول جائے تو اپنے رب کو یاد کر اور کہہ اُمید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے قریب تر بھلائی کا رستہ دکھائے گا ۱۹۰۹

نہ صرف پہلے ہی کوئی گنتی ان کی نہیں بتائی بلکہ بعد میں بھی یہی فرمایا ربی اعلم بعدتہم - ان کی گنتی کو میرا رب ہی بہتر جانتا ہے اور آگے جو فرمایا مایعلمہم الا قلیل تو وہاں عدت کا لفظ چھوڑ دیا ہے اور صرف یہی فرمایا ہے کہ انہیں سوائے تھوڑوں کے کوئی نہیں جانتا اور اس سے بھی مراد وہ لوگ نہیں ہو سکتے جنہیں ان کا قصہ یا ان کی گنتی معلوم ہو۔ کیونکہ اس لحاظ سے وہ ایسے قابل تعریف نہیں ٹھہر جاتے کہ اس بات کا ذکر قرآن شریف میں کیا جاتا بلکہ یہ قلیل علماء ہی ہیں جو ان لوگوں کی گنتی نہیں بلکہ انکے حالات کو جانتے ہیں اور لا تستفت فیہم منہم احدا میں منہم میں ضمیر اہل کتاب کی طرف لیگئی ہے من اھل الکتاب دج جن کا ذکر یہاں سوائے اس کے کوئی نہیں کہ خود اس قصہ میں اہل کتاب کا ذکر ہی اصل مقصود سمجھا جائے یعنی عیسائیت کا ۔

یورپ کی قوم حکمران

عام قول اہل کتاب میں اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق سات ہی ہے دوسرے اقوال تین یا پانچ کے اگر ہوئے بھی ہوں تو انکے بیان کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اور بھی بہتیری غلط باتیں اس قصہ میں مل گئی تھیں (اور ہر ایک ایسے قصہ میں مل جاتی ہیں) جن کا ذکر قرآن شریف نے نہیں کیا۔ میرے نزدیک یہاں زیادہ مد نظر عیسائیت کی تاریخ ہی ہے۔ اور غلبوا علی امرھم میں اسکی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے کہ وہ حالت محکومیت سے نکل کر آخر غالب بھی آگئے اور اسی لئے ثلثۃ۔ خمسۃ۔ سبعۃ مطلق آیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد تین آدمی وغیرہ ہوں یا تین اقوام وغیرہ ہوں یا تین حکومتیں وغیرہ ہوں اور لا تستفت فیہم منہم میں اشارہ ہے کہ یہ قصہ کے آدمیوں کی گنتی کا ذکر نہیں کیونکہ یہ ذکر تو ان میں مشہور تھا اور وہ سات ہی انہیں سمجھتے تھے اور پچھلی دو صورتوں میں کلبہم

کلب سے مراد

سے مراد کوئی ایسی قوم یا حکومت ہوگی جو انکے لئے کلب کا کام دے یعنی پہریدار کا یا انکی حفاظت کرنیوالے کا اور کلبہم کی جگہ ایک قرأت کالبہم بھی آئی ہے یعنی صاحب کلبہم (د) اور یوں سب کو ایک ذیل میں شامل کیا ہے یعنی کلب کوئی علیحدہ جنس نہ تھی یا یہ بھی ہیں اس آیت کے حل کو مشکلات میں سے سمجھتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ آیندہ کبھی کسی پر کھول دے۔ ہاں ایک ممکن توجیہ ان الفاظ کی یہ ہے کہ بڑی عیسائی طاقتیں دنیا میں آٹھ رہی ہیں جس عدد کو قرآن شریف نے علیحدہ کر کے بیان کیا ہے یعنی امریکہ۔ برطانیہ۔ فرانس۔ ہسپانیہ۔ آسٹریا۔ جرمنی۔ اٹلی۔ روس اور کبھی چار کو ہی سب طاقت کا مالک سمجھا جاتا ہے یعنی امریکہ۔ برطانیہ۔ فرانس۔ روس کو اور کبھی جرمنی اور اٹلی ساتھ مل کر چھ بن جاتی ہیں اور بلا شبہ ان میں سے ایک باقی سب کی حفاظت کا کام بھی دیتی ہے اور ربی اعلم بعدتہم میں بتایا کہ اصل میں زیادہ ہیں ان کی گنتی کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۔

غدا

۱۹۰۹ غدا - غَدٌ اصل میں غَدْوٌ ہے اور اس کے معنی کل ہیں اور حدیث عبد المطلب میں ہے لایغلبن صلیبہم و محالہم غدوا محالک جہاں غدْ سے مراد کل کا دن نہیں بلکہ قریب کا زمانہ ہے اور کبھی اس سے مراد اخیر زمانہ ہوتا ہے جیسے سیعلمون غدا من الکذاب الاشر (القمر ۵۴ : ۲۶) جہاں مراد قیامت کا دن یا فیصلہ کا دن ہے (ل) نیز دیکھو ۵۰۸ ۔

رشدا

رشد - رَشَدٌ اور رُشْدٌ کے ایک ہی معنی ہیں ۹۰۹ اور بعض کے نزدیک رَشَدٌ صرف اُخروی بھلائی پر بولا جاتا ہے اور رُشْدٌ دنیوی اور اُخروی دونوں پر (غ) ۔

تبلیغ اسلام میں آسانی کا وعدہ

ان آیات کے شان نزول میں جو قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ قریش نے یہود مدینہ سے آنحضرت صلعم کے متعلق دریافت کیا

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ۝ ۲۵

اور وہ اپنی غار میں تین سو سال رہے اور نو (اور) بڑھائے

تو انہوں نے کہا کہ آپ سے اصحاب کہف اور روح اور ذوالقرنین کے متعلق دریافت کرو اگر وہ جواب نہ دے سکے تو جھوٹا ہے اور دریافت کرنے پر آپ نے کل بتانے کا وعدہ کیا اور پھر پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی یہ ابن عباس سے ایک شاذ کسی روایت ہے اور یہود کا تعلق اصحاب کہف سے کچھ تھا بھی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اصحاب کہف اور انکی مشکلات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کس طرح پیغام حق پہنچانے میں انہیں ایک مدت غار میں رہنا پڑا اور آخران کو وہ راہ ملی کہ وہ پیغام حق پہنچانے کے قابل ہوئے یا ضمناً عیسائیت کا ذکر کیا کہ کس طرح تین سو سال کا عرصہ ورازوہ کھلے طور پر اپنے پیغام کو نہ پہنچا سکی تو بالمقابل اسلام کا ذکر کیا جیسا کہ لاقرب من ھذا رشدا سے ظاہر ہے یعنی جو بھلائی کا رستہ انکو دکھایا گیا اس سے قریب تر کوئی بھلائی کا رستہ اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہ کو دکھائے گا اللہ تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں پھیلانا تو ایسا کام ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اسے چاہتا ہے بایں فرمایا کہ ایسے کام کی نسبت بھی یہ مت کہو کہ ہم کل یا قریب زمانہ میں ایسا کر لینگے اور یہاں خطاب عام ہے مگر اصل خطاب انہی لوگوں کو ہے جو داعی الی الحق ہیں کیونکہ اوپر ذکر دعوت الی الحق کا ہی تھا اور یہ جو فرمایا کہ سوائے اس کے کہ اللہ چاہے تو ایک معنی اس کے یوں کئے گئے ہیں کہ ایسا مت کہو سوائے اسکے کہ ساتھ انشاء اللہ بھی کہو بالفاظ دیگر یہ بھی اللہ کی مشیت سے ہی ہوتا ہے انسان اپنے زور اور سعی سے کچھ نہیں کر سکتا اور طریق ادب بھی ہے کہ انسان ہر ایک معاملہ کو خود کوشش کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور ایک معنی یوں کئے گئے ہیں کہ تم مت کہو سوائے اسکے کہ اللہ چاہے اور اللہ کی مشیت اس کی وحی کا نزول ہے تو مطلب یہ ہوا کہ تم اپنی طرف سے مت کہو کہ ہم دنیا میں یوں خدا کا نام پھیلا لینگے ہاں جو کچھ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اسکے مطابق کہو۔ واذکر ربک اذا نسیت میں ہر ایک داعی الی الحق کو نصیحت کی ہے کہ اپنے رب کو بہت یاد کرے اور اپنے آپ کو غفلت کی حالت سے باہر نکالنے کی کوشش کرتا رہے اور ربک کی خصوصیت اسلئے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت روحانی چاہتی ہے کہ اس کا نام دنیا میں پھیلے۔ اور عسیٰ ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا میں بتایا کہ اسلام کیلئے دعوت الی الحق کے کام میں اس قدر مشکلات نہ ہونگی جیسے عیسائیت کے رستہ میں تھیں چنانچہ ابتدائی تاریخ اسلام اور ابتدائی تاریخ عیسائیت میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ عیسائیت تین سو سال تک ایک سلطنت روما کے اندر بھی بمشکل آٹھواں حصہ ساتھ ملا سکی مگر اسلام تین سو سال کے عرصہ میں کل روئے زمین پر پھیل گیا۔ اور نبی کریم صلعم کے غار میں ٹھہرنے کی طرف بھی یہاں اشارہ ہو سکتا ہے کہ آپ صرف تین دن غار میں رہے حالانکہ اصحاب کہف کو کئی سال تک اس حالت میں رہنا پڑا۔ ایسا ہی اس زمانہ میں بھی اگر کوئی شخص غور کرے تو کیسا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ نظر آتا ہے کہ ایک مذہب کروڑ ور کروڑ روپیہ خرچ کر کے اور ہزارہا مبلغ بھیج کر اس قدر کامیاب نہیں ہو سکتا جس قدر دوسرا مذہب اپنی کس مپرسی کی حالت میں ترقی کر رہا ہے ایک افریقہ کو دیکھو کہ عیسائیت اور اسلام کے مقابلہ ترقی میں وہاں کیسا لاقرب من ھذا رشدا کا نظارہ نظر آرہا ہے۔ پھر آج کسی عیسائی ملک میں ایک مشن اسلامی چلا جائے تو اس کی فتوحات ایک طرف اور کسی اسلامی ملک میں سو مسیحی مشن چلے جائیں تو ان کے نتائج کو دوسری طرف رکھکر مقابلہ کر لو۔ گو افسوس یہ ہے کہ باوجود اس قدر اسلام کیلئے سہولت کے مسلمان اسی کام میں سب سے بڑھکر غفلت دکھا رہے ہیں چنانچہ اس مقابلہ کے بعد فوراً عیسائیت کے اس زمانہ کی طرف توجہ دلائی ہے جب وہ غاروں میں چھپ چھپ کر گزارہ کرتے تھے اور اسی مقابلہ عیسائیت و اسلام کی پچھلی حالت کا ذکر چوتھے رکوع میں ہے ؏

اسلام اور عیسائیت کی ترقی کا مقابلہ

۲۶ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

کہو اللہ خوب جانتا ہے جتنا رہے[۱۹۱] آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اسی کو (معلوم) ہیں

عیسائیت کا تین سو سال غربت کی حالت میں رہنا

ف۱۹۱ بظاہر یہ دو نوں بیان۔ایک یہ کہ وہ اپنی غار میں تین سو نو سال رہے اور دوسرا یہ کہ اللہ بہتر جانتا ہے کتنا رہے متضاد معلوم ہوتے ہیں یہانتک کہ بعض رکیک تاویلیں بھی مفسرین نے کی ہیں مثلاً یہ کہ چونکہ شہر یعنی نو کیساتھ سال کا لفظ نہیں اور ممکن ہے نو مہینے یا نو دن یا نو گھڑیاں مراد ہوں اسلئے فرمایا کہ اللہ اعلم بما لبثوا۔ اور بڑی مشہور تاویل اسکی یہ ہے کہ ولبثوا فی کہفہم عطف ہے سیقولون پر اور مراد یہ ہے کہ یہ بھی دوسرے لوگوں کا قول ہے اور یہ حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے اور دوسرے یہ دقت ہے کہ کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس میں تین سو یا تین سو نو سال اصحاب کہف کا غار میں رہنا بیان کیا گیا ہو۔اور دوسرے اس طرح قالوا محذوف ماننے سے الفاظ سے امن اُٹھ جاتا ہے۔اور بعض نے یوں کہا ہے کہ اللہ اعلم بما لبثوا میں مراد وہ زمانہ ہے جو ان کی بات پر اطلاع پانے سے لیکر رسول اللہ صلعم کے زمانہ تک گزرا (ر) اور حق یہ ہے کہ تضاد کوئی نہیں قرآن کریم کا لفظ لفظ حکمت پر مبنی ہے پہلی آیت میں فرمایا کہ وہ تین سو نو سال اپنی کہف میں رہے دوسری میں فی کہفہم کا لفظ نہیں بلکہ صرف لبثوا ہے اور اسکے ساتھ لہٗ غیب السمٰوات والارض بڑھاکر بتادیا کہ یہ آیندہ کے زمانہ کی خبر ہے۔اور اصل یہ ہے کہ یہاں ان اصحاب کہف کا ذکر نہیں بلکہ خود عیسائیت کا ذکر ہے۔اور اسکی دو حالتوں کے متعلق فرمایا کہ ایک ان کی کہف کی حالت تھی اور ایک غلبہ کی حالت جب عیسائیت شاہی مذہب ہوکر اصل حقیقت سے بھی دور جا پڑی۔ان کی پہلی حالت تین سو نو سال تک رہی اور دوسری حالت کے متعلق فرمایا کہ جتنی مدت وہ رہینگے اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے کیونکہ یہ غیب کی بات ہے اور غیب کا جاننے والا صرف اللہ تعالےٰ ہی ظاہر ہے کہ پہلا رہنا غیب کی حالت نہیں کہلا سکتا۔اور پھر دوسرے رہنے کے ساتھ یہ بڑھاکر کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی ولی نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا یہ بھی بتادیا ہے کہ آخر کار انکے غلبہ کی صف بھی لپیٹ دی جائیگی +

تین سو نو سال اور قرآن کریم کا اعجاز اظہار علم غیب

تین سو نو سال کے متعلق غور کیا جاتا ہے تو یہ بھی قرآن کریم کے عجیب اعجازات میں سے نظر آتا ہے ہمارے نبی کریم صلعم تو اُمی تھے اور تاریخ عیسائیت کی عرب کو کیا خبر تھی جب خود عیسائیوں کو بھی ان باریک تفصیلات کا علم نہ تھا۔قرآن کریم نے چند لوگوں کے کہف میں جانے کی غرض یہ بیان کی ہے کہ وہ خدا کے سوائے کسی دوسرے کو معبود نہ مان سکتے تھے پس عیسائیت کے کہف میں رہنے کی وہ حالت ہے جب ابھی اس میں تین خداؤں کا عقیدہ جو شرک ہے مروج نہیں ہوا۔اب تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطین کے عیسائی مذہب علی الاعلان اختیار کرنے کے بعد ۳۲۵ء میں مذہب تثلیث کو اصل عیسائیت اور شاہی مذہب قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اگر ایک طرف عیسائیت مظلومیت کی حالت سے نکل کر غالب مذہب بن گئی تو دوسری طرف اصل توحید سے بہ دور جا پڑی لیکن ابھی یہ سوال باقی ہے کہ قرآن شریف نے بجائے ۳۲۵ سال کے تین سو نو سال کیوں فرمائے یہیں قرآن کریم کے علم غیب کے سامنے انسان کو سر جھکانا پڑتا ہے عیسائیت کی تاریخ میں خود چھ سال کی غلطی چلی آتی ہے یعنی حضرت مسیح کی پیدایش جس سے سنہ عیسوی شروع ہوتا ہے مشہور سنہ عیسوی سے چھ سال پہلے ہوئی اسلئے جسے ۳۲۵ء عیسوی کہا جاتا ہے وہ مسیح کی پیدایش سے فی الواقع تین سو تیس یا اکتیس سال ہیں اور حضرت مسیح کا دعویٰ تاریخ عیسائیت کے مطابق تیس سال کی عمر میں ہوا اسلئے دعوےٰ سے لیکر تثلیث کے سرکاری طور پر عیسائی مذہب قرار پانے تک پورے تین سو سال ہوئے اور نو سال کے بڑھانے کا جو علیحدہ ذکر قرآن شریف نے کیا ہے تو اسے مفسرین نے بھی قمری حساب کا اضافہ بیان کیا ہے یعنی ہر صدی میں قمری حساب سے تین سال بڑھ جاتے ہیں پس پوری تین صدیاں جو عیسائیت کی حالت کہف تھی اس پر قمری حساب سے نو سال اور بڑھ گئے۔اور قرآن شریف نے تین سو سال کو نو سال سے الگ کرکے بتادیا کہ عیسائیت کی اصل حالت کہف تو تین سو سال ہی رہی مگر قمری حساب سے اس میں نو سال اور

أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ ۚ مَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝

کیا خوب اسکا دیکھنا ہی اور کیا خوب سننا اسکے سوائے کوئی انکا ولی نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ۱۹۱۱

۲۷ وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن

اور پڑھ جو تیرے رب کی کتاب سے تیری طرف وحی کی گئی ہی کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں اور اس کے سوائے تو (انکے لئے)

۲۸ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ

پناہ نہیں پائیگا ۱۹۱۲ اور اپنے آپکو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں (اور)

يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ

اسی کی رضا کو چاہتے ہیں اور اپنی نگاہیں ان سے ہٹاکر (اور طرف) نہ دوڑا (کہ) تو دنیا کی زندگی کی آرایش کا ارادہ کرے اور اس کی بات نہ مان

الثلثة

۲۹ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝ وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ

جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل رکھا ہی اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہی اور اسکا معاملہ گیا گزرا ہی ۱۹۱۳ اور کہو حق تمہارے رب کیطرف سے ہی

بڑھ جائینگے آج دنیا میں تاریخی واقعات کے اظہار سے قرآن شریف کا حرف حرف اسطرح صحیح ثابت ہونا صاف بتاتا ہی کہ یہ خدائے عالم الغیب کا کلام ہی نہ کسی انسان کی بناوٹ +

ابصر بہ واسمع — ۱۹۱۱ ابصر بہ واسمع۔ بہ میں ضمیر اللہ کی طرف ہی اور یہ مدح میں مبالغہ ہی جیسے کہا جاتے ما ابصرہ وا سمعہ یعنی اللہ تعالیٰ کیسا عجیب دیکھنے والا اور کیسا عجیب سننے والا ہی کہ کوئی چیز اس پر مخفی نہیں رہتی (ج) . . . .

. . . .

اللہ کے حکم میں کسی کا شریک نہ ہونا — مالھم . . . . . . من ولی یہاں ضمیر انہی عیسائیوں کی طرف جاتی ہی جن کا ذکر ابھی ہو چکا اور مطلب یہ ہی کہ جب وہ اپنے غلبہ کے وقت حد سے تجاوز کرنے لگینگے تو نہیں معلوم ہوگا کہ اللہ کے سوائے انکی کوئی مدد نہیں کرسکتا اور اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا یعنی جو حکومت اور بادشاہت کسی قوم کو دیجاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حکومت میں شرکت کے طور پر نہیں کہ وہ اپنی قوت سے اسے قایم رکھ سکیں بلکہ مصالح الٰہی کے ماتحت وہ حکومت دیجاتی ہی اور اصل حکم اللہ کا ہی ہی اسلئے جب وہ چاہتا ہی حکومت لے بھی لیتا ہی۔ اور اسکے یہ معنی نہیں کہ اور کسی کو حکومت دیتا ہی نہیں بلکہ مراد یہ ہی کہ وہ حکومت میں اسکے شریک نہیں بلکہ اسکے ماتحت ہیں +

الحد۔ ملتحد — ۱۹۱۲ ملتحد الحد وہ گڑھا ہی جو وسط سے ایک جانب مائل ہو الحاد کیلئے دیکھو ۱۱۸۱ و ۱۷۸۶ اور التحد کے معنی ہیں ایک چیز کی طرف مائل ہوا پس ملتحد سے مراد پناہ یا جائے پناہ ہی (غ) +

یہاں "تلاوت کتاب" کا حکم دیکر صاف بتادیا کہ تم لوگوں کو حق کی طرف بلاؤ کیونکہ یہ کتاب تیرے رب کیطرف سے یعنی لوگوں کی ربوبیت روحانی کیلئے نازل ہوئی ہی اور لا مبدل لکلماتہ میں بتایا کہ حق کی آخری کامیابی کی پیشگوئی ٹل نہیں سکتی اور سب پناہیں جو عارضی طور پر انسان اپنے لئے تلاش کرتے رہینگے آخر دور ہوکر صرف ایک اللہ کی پناہ ہی رہ جائیگی +

وجہ — ۱۹۱۳ وجہ کے لئے دیکھو ۱۴۲ و ۱۸۱ وغیرہ وجہ کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کیطرف مضاف ہو تو اس سے مراد مجازاً اللہ تعالیٰ

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ

سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے ہم نے ظالموں کیلئے آگ تیار کی ہے جس کی قنات انکو

سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ

گھیرے گی اور اگر وہ پانی مانگینگے تو انہیں تلچھٹ جیسا پانی دیا جائیگا جو انکے منہ کو جھلس دیگا کیا ہی بُرا پانی ہوگا

۳۰ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

اور جائے آرام بھی بری ہوگی ۱۹۱۴ جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں تو ہم اس شخص کا اجر ضائع نہیں کرتے

۳۱ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ

جو اچھا عمل کرتا ہے ان کیلئے ہمیشگی کے باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی

کی رضا ہوتی ہے کیونکہ جو شخص کسی پر راضی ہو وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے (ر) ۔

عدو — تعد ۔ عدٰو کے اصل معنی تجاوز ہیں (غ) اور عَدَا وَتُہُ عن الامر کے معنی صرفتہ عنہ ہیں یعنی اسے اس امر سے پھیر دیا (ل)،

فُرُط — فرط ۔ فرط کیلئے دیکھو ۹۳۱ اور فُرُط سے مراد ہے اسراف اور تضییع یعنی ضائع کر دینا (غ) اسی معنی کی تائید ابن جریر کی ہے یہاں بھی عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ کیا ہے ایک طرف وہ لوگ ہیں جو صبح و شام یعنی اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور صرف اللہ کی رضا کو چاہتے ہیں ۔ اور دوسری طرف وہ ہیں جو دنیا کی آرایشوں کے پیچھے اس قدر پڑے ہیں کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دل بالکل غافل ہو گئے ہیں اور اپنی حرص و ہوا کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں تو رسول کو یا ہر داعی الی الحق کو حکم ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا ہی وہ چیز ہے جس کی طرف تمہاری نظر اُٹھنی چاہئے اور زیب و زینت دنیوی تمہاری نظر کو نہ کھینچ لے ۔

سرادق — ۱۹۱۴ سرادق ۔ قنات کو کہتے ہیں جو خیمہ کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے یا دیوار جو کسی چیز کو گھیرے اس کی جمع سرادقات آتی ہے (ل)،

مہل ۔ امہال مُہل — مہل ۔ مُہل آہستگی یا ٹھہر جانا ہے یعنی مہلت فمھّل الکٰفرین امھلھم رویدا (الطارق ۱۷) اور مُہل تلچھٹ کو بھی کہتے ہیں (غ) اور یہ معنی حدیث مرفوع میں نبی کریم صلعم سے مروی ہیں (ر) اور پگھلے ہوئے تانبے وغیرہ کو بھی کہتے ہیں جس کی گرمی انتہا کو پہنچ گئی ہو (ج)،

شوی — یشوی ۔ شوی اللحم کے معنی ہیں گوشت بھونا ۔ اور شَوٰی اطراف کو کہتے ہیں جیسے ہے اور ہیر نزاعۃ للشوٰی (المعارج ۱۶) (غ)

مرتفق — مرتفق ۔ رفق ۔ اور مرفق کیلئے دیکھو ۹۳ اور ارتفق کے معنی ہیں کہنی پر ٹیک لگائی (ل) اسلئے مراد آرام یا استراحت ہے اور یہاں اس کا استعمال اس لحاظ سے ہے کہ آرام اور استراحت کی جگہ بھی ان کیلئے آگ ہے ۔

ایمان یا کفر پر مجبور کوئی نہیں — اس آیت میں صاف بتا دیا کہ یہ وہ حق ہے جو ان لوگوں کو پیش کیا جاتا ہے الحق من ربکم ۔ ایمان لانا یا انکار کرنا ہر شخص کا اپنا اختیار ہے اللہ تعالیٰ نہ ایمان پر مجبور کرتا ہے نہ انکار پر ۔ پھر جیسے انکے اعمال ہیں ویسی سزا ہے جس طرح حرص دنیا نے یہاں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا وہی آگ بن کر وہاں گھیرے گی اور جس طرح دنیا کی محبت کی پیاس یہاں نہیں بجھتی تھی وہاں بھی اس کے بجھنے کا سامان کوئی نہ ہوگا ۔

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ

ان میں انہیں سونے کے کڑے پہنائے جائینگے اور وہ باریک اور موٹے ریشم کے سبز کپڑے پہنینگے ان کے اندر تختوں پر تکیے

فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا ۳۲

لگائے ہوئے ہونگے کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور جائے آرام بھی اچھی ہوگی ۱۹۱۵ اور ان کیلئے دو شخصوں کی مثال

رَجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا

بیان کر جن میں سے ایک کیلئے ہم نے انگوروں کے دو باغ بنائے اور انکے گرد اگرد کھجوریں لگائیں اور ان دونوں کے درمیان کھیتی لگائی ۱۹۱۶

عیسائیت اور اسلام کی مثال

سوار — ۱۹۱۵ اساور۔ اور اَسْوِرَۃ سِوار کی جمع ہے اسورۃ من ذھب (الزخرف ۔۵۳) دیکھو ۳۷

سندس استبرق — سندس ۔ باریک ریشم کو کہتے ہیں اور استبرق موٹے ریشم کو (ل)

اریکۃ — ارائک ۔ اَرِیْکَۃ کی جمع ہے اَرَکَ کے معنی ایک مکان میں ٹھہرا اور اَراک خاص درخت ہے اور اَرِیکۃ کے معنی ہیں حَجَلَۃٌ علی سریر یعنی تخت یا پلنگ جس پر چھپر کھٹ لگی ہوئی ہو (غ)۔

سونے کے کڑوں ریشمی لباس تختوں سے مراد — نعمائے جنت کے متعلق یہ تو بارہا بیان ہو چکا کہ وہ مالا عین رأت کی مصداق ہیں اور یہ جو نام لئے جاتے ہیں تو یہ مراد نہیں کہ یہ اس دنیا کی چیزیں وہاں ہونگی۔ کیونکہ اس دنیا کی سندس اور استبرق اور سونے کے کڑے وہ چیزیں ہیں جو آنکھیں دیکھتی ہیں یا کان سنتے ہیں مگر جنت کی چیزیں بروے حدیث صحیح ایسی ہیں کہ دل میں بھی ان کا خیال نہیں گزرا اور اس سے یہ خیال کر لینا کہ اس طرح ان چیزوں کے وجود کا ہی انکار ہوگیا کم فہمی ہے اصل میں ان اسماء سے اس بات کو ظاہر کرنا مقصود ہے جو ان چیزوں سے یہاں مقصود ہوتی ہے۔ سونے کے کڑے ۔ تختوں پر بیٹھنا ۔ فاخرہ لباس یہ سب زینت کی چیزیں اور سرداری کے نشان ہیں اور چونکہ یہاں عیسائی اقوام کے بالمقابل مومنین کیلئے نعماء کا ذکر تھا اسلئے خاص ان نعماء کا ذکر کیا ہے جس کی مالک اس دنیا میں یہ قومیں اپنے آپکو سمجھتی ہیں اور مراد یہ ہے کہ حقیقی سرداری انہی لوگوں کی ہے جو رضائے الٰہی کے طالب ہیں اور اس دنیا کی سرداری جلد ختم ہو جاتی ہے

سبز لباس — اور انکے لباس کو سبز کہا ہے اسلئے کہ سبز رنگ سے دیکھنے والوں کی آنکھوں کو راحت پہنچتی ہے۔ اسی لئے شہداء کی ارواح کے ذکر میں ہے کہ وہ جنت میں فی حواصل طیور خضر یا فی صور طیر خضر یعنی سبز پرندوں کے سینہ دان میں یا سبز پرندوں کی صورت میں ہیں (مسلم) تو دونوں صورتوں میں ایک ہی حقیقت کا انکشاف ہے۔

سونے کے کڑوں کے ذکر میں فتوحات کیطرف لطیف اشارہ اور سراقہ کا واقعہ — ہاں یہ بھی سچ ہے کہ ان نعمائے جنت کے ذکر میں فتوحات دینوی کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے اور اس کا پتہ ہمیں خود نبی کریم صلعم کی زبان سے لگتا ہے جب آپ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ کیطرف جا رہے تھے اور صرف حضرت ابو بکرؓ آپکے ساتھ تھے تو ایک شخص سراقہ نام نے آپ کا تعاقب کیا۔ مگر آخر اس پر بعض نشانات سے آپکی سچائی کا اثر ہوا تو مخلصانہ حاضر خدمت ہوا اور معافی کا خواستگار ہوا اس وقت نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ اے سراقہ میں تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں ۔ چنانچہ یہ خبر جو اس قدر بے سرو سامانی کی حالت میں دی گئی تھی کہ ایران کے خزانے مسلمانوں کے قبضہ میں آئینگے جب خود اپنی جان بھی سخت خطرہ کی حالت میں تھی چوبیس سال بعد پوری ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے ان وعدوں میں فتوحات دینوی کی طرف بھی لطیف اشارہ موجود ہے ۔

حف — ۱۹۱۶ حففنا حَفَّ بالشیٔ کے معنی ہیں ایک چیز کے گرد گرد گھوما یا اس کا احاطہ کیا وتری الملائکۃ حافین من حول العرش (الزمر ۔۷۵) ۳۹ (ل)

مومن اور کافر کی مثال — یہاں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مومنوں کی ایک مثال بیان فرمائی ہے ضرب المثل لا یقتضی وجودھا (د) اور جس چیز کی مثال بیان کی جائے

۳۳ ۳۴ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ وَّ

یہ دونوں باغ اپنے پھل دیتے تھے اور اس میں کوئی کمی نہ کرتے تھے اور ان دونوں کے درمیان ہم نے نہر بہائی تھی اور

كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝

اسکے پاس طرح طرح کا مال تھا (۱۹۱۷ ثمر) تو اس نے اپنے ساتھی کو کہا اور وہ اس سے باتیں کر رہا تھا میں مال میں تجھ سے بڑھ کر ہوں اور جتھے کے لحاظ سے غالب

۳۵ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۙ وَّمَاۤ

اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور وہ اپنے آپ پر ظلم کرنیوالا تھا کہنے لگا میں یقین نہیں کرتا کہ یہ کبھی برباد ہو گا ۱۹۱۸ اور میں

اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝

یقین نہیں کرتا کہ قیامت آئے اور اگر میں اپنے رب کیطرف لوٹایا بھی جاؤں تو یقیناً اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤنگا

اس کا وجود ضروری نہیں ہوتا یعنی یہ مطلب نہیں کہ فی الحقیقت کوئی ایسے دو آدمی تھے۔ مگر بعض مفسرین نے یہاں بھی نام لیکر قصہ بنانے کی کوشش کی ہے حالانکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ عیسائیوں کو جو مال و دولت ہم نے دیا ہے تو اس کی مثال یوں ہے اور باغوں سے مثال اسلئے دی کہ دنیا میں بیراحت کا بڑا بھاری سامان ہے ان باغوں میں بہترین پھل انگور کا ذکر کیا اور گرداگرد کھجور کا لگانا اس کی خوبصورتی کے لحاظ سے ہے کہ وہ بوجہ اپنی لمبائی اور سیدھا ہونے کے اعلیٰ درجہ کی زینت کا سامان ہے اور پھر صرف پھلدار درخت ہی نہیں بلکہ درمیان میں غلہ کے لہلہاتے کھیت ہیں اور اگلی آیت میں ہے کہ نہریں اس میں بہتی ہیں اور ظاہری طور پر بھی ان قوموں نے جنگلوں کو باغ بنا دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے باغ کے دیئے۔ کھجوریں لگانے۔ نہریں بہانے سب باتوں کو اپنی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ کفار نے انہیں اپنے لئے بنایا ہے اسلئے کہ سامان تو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کئے ہیں +

باغ سے مراد

کفار کی زینت کے سامانوں کی نسبت اللہ کیطرف

۱۹۱۷ ثمر۔ اصل میں تو درختوں کے پھل کو کہا جاتا ہے واحد ثَمَرَۃٌ ہے اور جمع ثَمَرَات اور ثمار۔ فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم (البقرۃ ۲۲) کلوا من ثمرہٖ اذا اثمر (الانعام ۱۴۲) اور پھر ہر چیز سے جو نفع حاصل ہو اس کو اس کا ثمرۃ کہا جاتا ہے جیسے ثمرۃ العلم۔ ثمرۃ العمل اور ثمر سے مراد مال بھی لیا جاتا ہے جس سے فائدہ اُٹھایا جا سکے اور یہی معنی یہاں کئے گئے ہیں (غ) اور انواع المال یعنی قسم قسم کے مال (قاموس) اور سونا اور چاندی (ج) بھی یہاں معنی لئے گئے ہیں +

ثمر

حالانکہ اوپر صرف باغ کا ذکر تھا مگر یہ سمجھانے کو کہ یہ محض بطور مثال بیان کیا ہے یہاں اس باغ والے کے مُنہ سے جو لفظ کہلوائے ہیں یہ ہیں کہ میرا مال اور میرا جتھا تم سے بڑھکر ہے اور اس جتھے کی وجہ سے اپنے غلبہ کو بھی ظاہر کیا ہے مال اور جتھے پر ہی عیسائیت کو فخر ہے +

عیسائیت کا مال اور جتھے پر فخر

۱۹۱۸ تبید۔ بَادَ (یَبِیْدُ) کے معنی ہیں ایک چیز پراگندہ ہو گئی اور بَیْدَاء بیابان کو کہتے ہیں (غ) +

باد

جنت میں داخل ہونے سے مراد ایک خاص وقت میں داخل ہونا نہیں بلکہ مراد اپنے مال و متاع سے فائدہ اُٹھانا ہے وھو ظالم میں بتایا کہ ان سامانوں میں ایسے منہمک ہوئے کہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرنے لگے۔ کیونکہ اخلاق اور روحانیت کی طرف سے لاپروائی اختیار کرکے اپنے آپکو ہلاکت میں ڈال دیا اور اصل غرض زندگی مال و دولت کو سمجھ لیا اور اس کیلئے اتنا زور لگایا کہ یہ یقین ہو گیا کہ اب دنیوی جاہ و حشم ہمارے ہاتھوں سے نہیں جا سکتا یہی حالت آج عیسائیت کی ہے اور اگلی آیت میں بتایا

عیسائی اقوام کی زندگی سے بے پروائی

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ۳۷

اسکے ساتھی نے اسے کہا اور وہ اس سے باتیں کر رہا تھا کیا تو اسکا انکار کرتا ہے جس نے تجھے (پہلے) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے

ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۳۸ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ ۳۹

پھر تجھے پورا انسان بنایا لیکن میں (جانتا ہوں کہ) وہی اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ۱۹۱۹ اور جب تو اپنے باغ

جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ ۴۰

میں داخل ہوا کیوں نہ تو نے کہا جو اللہ چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اللہ کے سوا کوئی بھی قوت نہیں اگر تو مال اور اولاد میں مجھے اپنے سے کمتر سمجھتا ہے ۱۹۲۰ سو امید ہے کہ میرا رب

اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝

مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرمائے اور اس پر آسمان سے بلا بھیجے تو وہ صاف میدان بغیر سبزی کے رہ جائے ۱۹۲۱

کہ آخرت پر ان کا یقین بالکل نہیں رہیگا سو یہ بھی سچ ہے کہ آج عیسائی اقوام کو نہ آخرت پر یقین ہے نہ آخرت کا کچھ فکر ہے ہاں چونکہ انجیل میں قیامت کا ذکر ہے اسلئے یہ فرض کر رکھا ہے کہ آخرت کی نعمتوں کے بھی ہم ہی مستحق ہیں +

لکنا

۱۹۱۹ لکنا۔ اصل میں لکن انا ہے اور مطلب ہے لکن انا اقول لیکن میں یہ کہتا ہوں یا مانتا ہوں +

عیسائیوں کا انکار خدا اور انکار قیامت

یہاں مومن کی حالت کو بیان کیا ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ عیسائیت کے بالمقابل اسلام کی حالت کو ولا اشرک بربی احدا۔ توحید کامل صرف اسلام میں ہی ہے۔ اور اس سے پہلی آیت میں جو اللہ تعالیٰ کے کفر کا ذکر ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ عملاً عیسائی اقوام خدا کا انکار ہی کر رہی ہیں یہانتک کہ کسی معاملہ میں خدا کا نام تک لینا معیوب سمجھتی ہیں۔ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا انکار کرتے ہیں کہ وہ جس نے انسان کو ایسا ظاہری کمال عطا فرمایا ہے وہ اسکو کمال روحانی کیلئے بھی اُٹھائیگا۔

ہر انسان کا مٹی سے پیدا ہونا

اسی آیت میں انسان کی پیدائش کے ذکر میں فرمایا کہ تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے تو مطلب یہ نہیں کہ تمہارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تمہیں نطفہ سے بلکہ یہ مطلب ہے کہ مٹی سے نباتات اور غلے پیدا ہوتے ہیں جن سے انسان کو غذا ملتی اور اس کا خلاصہ نطفہ بنتا ہے۔ تو یوں ہر ایک انسان مٹی سے ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر مٹی سے نطفہ کی صورت میں آتا ہے گویا اجزائے انسانی مٹی میں ہی ہوتے ہیں وہاں سے خلاصہ ہو کر نطفہ کی صورت میں آتے ہیں۔

دوسری زندگی کی طرح اس زندگی کی طرح ہیں

اسیطرح پر النشأة الآخرة یا دوسری زندگی ہے کہ انسان کے اعمال متفرق اور پراگندہ ہوتے ہیں۔ انکے نتائج کے ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہونے سے ایک خلاصہ انسان کی دوسری زندگی کا بنتا جاتا ہے جسکو نطفہ سے مشابہت ہے یعنی زندگی تو وہ یہاں بھی موجود ہے لیکن نطفہ کے طور پر ایک نامعلوم صورت میں ہے پھر عالم برزخ گویا اس حالت سے مشابہ ہے جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور قیامت اسکی پیدائش کا وقت ہے۔

ماشاء اللہ

۱۹۲۰ ماشاء اللہ یعنی الامر ماشاء اللہ یا ماشاء اللہ کائن۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو ہی پیدا نہ کرتا جن سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے۔ تو یہ کچھ نہ کرسکتا تھا۔ انسان تب ہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جب پہلے اللہ تعالیٰ اسے پہنچانا چاہتا ہے اور وہ فائدہ پہنچانا سامانوں کی پیدائش سے ہے لا قوۃ الا باللہ میں عجز انسانی کا اعتراف ہے اور حدیث میں اس قول کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ فرمایا ہے +

ان ترن۔ ترنی اصل میں ترنی ہے اور انا فصل کیلئے ہے اقل مفعول ثانی ہے۔ اور جواب شرط محذوف ہے جسکے قایم مقام اگلی آیت ہے +

حسبان

۱۹۲۱ حسبان کے اصل معنی حساب ہی ہیں اور یہاں مراد آسمان سے آگ یا عذاب ہے اور وہ حقیقت میں وہ ہے جس پر حساب لیا جائے پس اس کے مطابق جزا دی جائے (غ) +

۴۱ اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ○ ۴۲ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ

یا اس کا پانی نیچے چلا جائے پھر تو اسے نکال نہ سکے اور اس کا مال و دولت تباہ کر دیا گیا تو اپنے

كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُشْرِكْ

ہاتھ ملنے لگا جو اس پر خرچ کیا تھا اور وہ ویران تھا اس کی عمارتیں گری ہوئی تھیں اور کہنے لگا اے کاش میں اپنے رب کے ساتھ

بِرَبِّىْٓ اَحَدًا ○ ۴۳ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ

کسی کو شریک نہ کرتا ۱۹۲۲ اور اس کیلئے کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابل پر اسکی مدد کرتے اور نہ ہی وہ مدد طلب

ع ۶ ۵ — محاسبۂ اعمال

مُنْتَصِرًا ○ ۴۴ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ○ ۴۵ وَاضْرِبْ

کر سکا ۱۹۲۳ اسی مقام پر ولایت اللہ کیلئے ہے جو حق ہے وہی بدلہ دینے میں اچھا اور اچھا انجام لانے میں بہتر ہے ۱۹۲۴ اور ان کیلئے

لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

دنیا کی زندگی کی مثال بیان کر (اس کی مثال) پانی کی طرح ہے جو ہم بادل سے برساتے ہیں تو اسکے ساتھ زمین کی روئیدگی

الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○

دبڑھ کر مل جل جاتی ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے ۱۹۲۵

زلق — زلق اور زلل ایک ہی ہیں اور زلق وہ زمین ہے جس پر پاؤں نہ جمے یعنی پھسلنی زمین۔ اسلئے زلق سے مراد یہاں ایسی زمین ہے جس میں سبزی نہ ہو۔ اور دوسری جگہ ہے لیزلقونك بابصارهم (القلم ۶۸ - ۵۱) یعنی اپنی نظروں سے (یا گھور گھور کر) تجھے اپنے مقام سے جس پر اللہ نے تجھے کھڑا کیا ہے ہٹا دیں (ل) +

بہتر باغ سے مراد وہی جنت آخرت ہے جس کا مومنوں کیلئے وعدہ ہے جو کبھی فنا نہیں ہوگی۔ اس دنیا کے مال پر فنا بھی آجاتی ہے طاقت و حشمت۔ دولت سب کچھ جاتا رہتا ہے جس کیلئے کوئی آسمانی اسباب پیدا ہو جاتے ہیں من السماء یا زمینی جیسا اگلی آیت میں ہے کہ پانی خشک ہو جائے

تقلیب کفین — ۱۹۲۲ یقلب کفیه کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ ہاتھوں کو الٹا سیدھا کرتا یا ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے کی پشت پر رکھتا پھر اسکے برعکس مطلب اظہار ندامت ہے جسے ہماری زبان میں ہاتھ ملنا کہتے ہیں +

مال دنیا تو ہاتھ سے نکلتا ہی رہتا ہے تبھی انسان کو سمجھ آتی ہے کہ خدا سے تعلق ہی وہ چیز ہے جو ہر حال میں انسان کے کام آتا ہے فی الحقیقت یہی وہ جنت ہے جس سے انسان کبھی نکالا نہیں جاتا +

انتصار، استنصار — ۱۹۲۳ منتصر۔ انتصار۔ اور استنصار کے معنی ہیں مدد طلب کرنا (غ)

اللہ تعالیٰ کی موالات — ۱۹۲۴ ولایة کیلئے دیکھو ۳۳۲ اگر ابن جریر کہتے ہیں کہ وَلایۃ کے معنی موالات ہیں اور وِلایۃ کے حکومت اور غلبہ۔ اور عقب اچھا انجام ہے دیکھو ۱۹۱۴ مطلب یہ ہے کہ اس مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ نصرت اللہ کیطرف سے ہی ملتی ہے کیونکہ دنیا دار طاقتور آخر اپنی طاقت کو ہلاکت سے نہیں بچا سکتی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ہی ولایت یا دوستی کا تعلق کام آتا ہے

ہشم، ہشیم — ۱۹۲۵ ہشیم۔ ہشم نرم چیز جیسے نبات کے (غ)، یا ایسی چیز کے توڑنے پر بولا جاتا ہے جو اندر سے خالی اور خشک ہو (ل)

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا ٤٦

مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والے اچھے عمل تیرے رب کے نزدیک بدلے میں بہتر ہیں اور امید کے

وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ٤٧

لحاظ سے بھی بہت اچھے ہیں ۱۹۲۶ اور جس دن ہم پہاڑوں کو دور کر دینگے اور تو زمین کو کھلا میدان دیکھیگا اور ہم انہیں اکٹھا کرینگے سو انہیں سے کسی کو بھی پیچھے نہیں چھوڑینگے ۱۹۲۷

اسلئے ہڈیوں وغیرہ کے ٹوٹنے پر بھی بولا جاتا ہے اور ھشیم پتے وغیرہ ہیں جو خشک ہو کر ٹوٹ جائیں اور چورا چورا ہو جائیں فکانوا کھشیم المحتظر (القمر ۵۴-۳۱) +

ذرو — تذروہ - ذَرْوٌ ہوا کے مٹی وغیرہ اڑا کر لیجانے پر بولا جاتا ہے والذّٰریٰت ذروا (الذّٰریٰت ۵۱-۱) (ل) +

مقتدر — مقتدر کے معنی وہی ہیں جو قادر کے ہیں لیکن یہ ابلغ ہے (ل) مقتدر بشر پر بھی بولا جاتا ہے - اور مراد ہوتی ہے اکتساب سے قدرت حاصل کرنے والا (غ) +

دنیوی زیب و زینت چلی جانیوالی چیز ہے — کیسا پر حکمت کلام ہے چونکہ عیسائی اقوام کو حیات دنیا کی زیب و زینت پر ہی سارا فخر ہے اسلئے یہاں اسکی حقیقت بھی بتادی اور فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز ہے مگر یہ سبزی کیطرح ہے ایک وقت کیسی خوشنما ہوتی اور لہلہاتی ہے دوسرا وقت ہوتا ہے خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے یہی حالت قوموں کی زندگی کی ہے کہ ایک وقت ایک قوم زیب و زینت دنیوی کے لحاظ سے کمال کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے دوسرا وقت آتا ہے اس کا نام و نشان بھی نہیں ملتا علیٰ کل شیئ مقتدرا میں اسی طرف اشارہ ہے +

امل — ۱۹۲۶ اَمَلٌ - اور اَمْلٌ کے معنی ہیں آخری امید اور جمع اٰمال ہے (ل) +

اعمال حسنہ کا بقا — دنیوی زیب و زینت کے مقابل پر اس اصلی سامان زینت کا ذکر کیا جو کبھی برباد نہیں ہوتا اور اسی لئے اس کو باقیات کہا جیکے لئے دیکھو ۳۱۷ وہ اعمال جن کا مقصد حصول رضائے الٰہی ہو یہی ایک چیز ہے جو ہمیشہ کیلئے باقی رہتی ہے کیونکہ جزا اسی پر ملتی ہے وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ ولسوف یرضیٰ (الیل ۹۲-۱۹ تا ۲۱) اور حدیثوں میں جو الباقیات الصالحات کی تفسیر میں بعض کلمات آتے ہیں جیسے سبحان اللہ - الحمد للہ - اللہ اکبر - لا الٰہ الا اللہ تو مراد یہی ہے کہ وہ بھی الباقیات الصالحات میں داخل ہیں +

تسییر — ۱۹۲۷ نسیر - سار کے معنی ہیں چلا اور سیّرہٗ من بلدہٖ کے معنی ہیں اسے اس کے شہر سے نکال دیا اور جلا وطن کر دیا اور سیّرت الجُلَّ عن ظہر الدابّۃ میں نے چار پائے کی پیٹھ سے جھول کو دور کر دیا (ل) اور سیّرتہٗ میں کثرت پائی جاتی ہے اور تسییر میں بعض وقت چلنے والے کا ارادہ اور اختیار رہتا ہے ھو الذی یسیرکم (یونس ۱۰-۲۲) اور بعض وقت قہر اور غلبہ سے چلانا ہوتا ہے جیسے یہاں (غ) +

بارزۃ — بارزۃ - بُرُوز کیلئے دیکھو نمبر ۳۲ اور بارزۃ کو یا زمین خود کھلا میدان بن جائیگی جس میں کوئی روک باقی نہ رہے گی اور چونکہ بروز بعض وقت چھپی ہوئی حالت کے ظاہر ہونے پر بھی بولا جاتا ہے اسلئے بارزۃ سے مراد بھی اسی کے مطابق ہو سکتی ہے جیسے فرمایا یوم تبدل الارض غیر الارض +

غدر - غادر — نغادر - غَدَرَ کے معنی کسی چیز کا چھوڑ دینا اور ترک کر دینا ہیں اسلئے ترک عہد پر بھی بولا جاتا ہے اور غدیر وہ پانی ہے جسے سیلاب ایسی جگہ میں چھوڑ دے جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے - اور غادر کے معنی بھی چھوڑ دیا ہیں +

اس آیت میں اور اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا ہے جہاں یہ دنیا کا مال کچھ کام نہیں دیگا - مگر قیامت کے متعلق جس قدر الفاظ استعمال کئے ہیں وہ عموماً مجازی رنگ میں قیامت وسطیٰ یعنی ایک قوم کی تباہی پر بھی صادق آتے ہیں +

۴۸ وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ

اور وہ تیرے رب کے سامنے صف باندھکر پیش کئے جائینگے یقیناً تم ہمارے پاس آجاؤ گے جسطرح ہمنے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا بلکہ تم سمجھتے ہو کہ ہم تمہارے لئے وعدہ

۴۹ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ

کے پورا ہونیکا کوئی وقت مقرر نہیں کیا ۱۹۲۸ اور کتاب رکھی جائیگی تو تو مجرموں کو اس سے جو اس میں ہے ڈرتے ہوئے دیکھیگا اور

يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ

وہ کہینگے اے ہم پر افسوس یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو پیچھے چھوڑتی ہے نہ بڑی کو مگر اسے محفوظ کر لیا ہے

رکوع ۷ شیطان کی دوستی کا انجام

۵۰ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا

اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا موجود پائینگے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا ۱۹۲۹ اور جب ہم نے فرشتوں کو کہا آدم کی

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ

فرمانبرداری کرو تو انہوں نے فرمانبرداری کی مگر ابلیس نے (نہ کی)، وہ جنوں میں سے تھا سو اپنے رب کے حکم سے باہر نکل گیا تو کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے

وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝

اور اسکی نسل کو دوست بناتے ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں ظالموں کیلئے کیا ہی بُرا بدل ہے ۱۹۳۰

عَرَض ۔ صَفّ — ربکے سامنے پیش کیا جانے سے مراد

۱۹۲۸ عرضوا ۔ عَرَضْتُ علیہ کے معنی ہیں اس کیلئے ظاہر کیا (ل)، صفا ۔ صَفّ کے معنی ہیں چیزوں کو ایک خط مستقیم پر رکھنا اپنے رب کے سامنے صف باندھکر پیش کیا جانے سے کیا مراد ہے؟ حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو ایک ہی مقام پر صفیں باندھکر کھڑا کرے گا ۔ مراد اس سے ایک ہی صف میں سب کا کھڑا کرنا بھی ہو سکتا ہے یعنی سب کا یکساں حالت میں اللہ تعالےٰ کے حضور پیش ہونا اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ الگ الگ اُمتیں الگ الگ صفوں میں کھڑی کی جائینگی اور بعض نے کہا کہ یہ کلام استعارہ کے رنگ میں ہے اور مشہور معنی میں پیش ہونا یا صفیں باندھنا مراد نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کا انکے بارہ میں حکم صادر کرنا ہے (ر)۔

لقد جئتمونا یا قول کے طور پر ہے یعنی ہم کہینگے یا انہیں کہا جائیگا اور یا ماضی کا استعمال مستقبل کیلئے تحقیق وقوع فعل کیلئے ہے یعنی ضرور

موعد — تمہاری دوسری پیدایش اسی طرح حق ہے جسطرح یہ پہلی پیدایش حق ہے میرے نزدیک اسی کو ترجیح ہے اور موعد جو وعد سے اسم زمان ہے اس میں اشارہ

اس وعدہ کی طرف ہے جو دوسری پیدایش سے تعلق رکھتا ہے اور مصدر میمی بمعنی وعدہ بھی ہے دیکھو ۱۸۱۴

وضع کتاب — ۱۹۲۹ وُضع الکتاب ۔ وَضْع کے معنی رکھنا ہیں اور وضع الکتٰب سے مراد ہے بندوں کے اعمال کا ظاہر کرنا جسطرح فرمایا ونخرج لہ یوم القیامۃ کتبا یلقٰہ منشورا (۱۷-۱۳)

صغیرۃ ۔ کبیرۃ — صغیرۃ ۔ دیکھو کبیرۃ کی بحث ۶۴۶ اور فرمایا وکل صغیر وکبیر مستطر (القمر ۵۴-۵۳) اور فرمایا ولا اصغر من ذٰلک ولا اکبر (یونس ۱۰-۶۱) تو یہ سب خیر اور شر کا بلحاظ قدر و منزلت کے بڑا یا چھوٹا ہونا ہے ایک دوسرے کی نسبت سے (غ) پس یہاں ہر قسم کے اعمال مراد ہیں

ابلیس ملائکہ میں سے نہ — ۱۹۳۰ جب پچھلے رکوع میں محبت دنیا اور محاسبہ اعمال کا ذکر کیا تو یہاں بتایا کہ انسان شیطان کے پیچھے لگ کر اس غلط راہ پر پڑتا ہے جس کا انجام ہلاکت ہے ۔ شیطان کی نافرمانی وغیرہ کیلئے دیکھو ۵۲ وغیرہ یہاں کھول کر بتایا کہ شیطان ملائکہ میں سے نہیں بلکہ جنوں میں سے ہے

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۖ وَمَا كُنْتُ ۵۱

میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتے وقت شاہد نہ بنایا تھا اور نہ خود انہیں پیدا کرتے وقت اور میں ایسا نہ تھا

مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ○ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ ۵۲

کہ گمراہ کرنیوالوں کو (اپنا قوت) بازو بناتا ۱۹۳۱ اور جس دن کہے گا (انہیں) پکارو جنہیں تم میرا شریک قرار دیتے

زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ○

تھے پس وہ انہیں پکارینگے مگر وہ انہیں جواب نہ دینگے اور ہم ان کے تعلق کو ہلاکت بنا دینگے ۱۹۳۲

با ایں صراحت عجیب عجیب کہانیاں ابلیس کو ملائکہ میں سے قرار دینے کیلئے بنائی گئی ہیں کوئی جنوں کو ملائکہ کا قبیلہ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ جن کے متعلق صراحت سے مذکور ہے کہ اسے نار سے پیدا کیا گیا اور ملائکہ کا نور سے پیدا ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ کوئی اسے اشراف ملائکہ میں سے قرار دیتا ہے کوئی کہتا ہے کہ جنوں اور فرشتوں کی جنگ ہوا کرتی تھی ابلیس چھوٹا ہوتا قید ہوکر ملائکہ میں آگیا اور ملائکہ کیطرح عبادت کرنے لگا اسلئے ملائکہ میں سے سمجھا جانے لگا۔ یہ سب بے اصل باتیں ہیں حسن کا قول ہے قاتل اللہ اقواماً زعموا ان ابلیس من الملائکۃ واللہ تعالیٰ یقول کان من الجن (د) +

ذریت شیطان اور ہر انسان کیلئے الگ شیطان کا ہونا

ایک اور بات قابل توجہ یہ ہے کہ یہاں شیطان یا ابلیس کی ذریت بھی قرار دی گئی ہے۔ قتادہ سے روایت ہے ھم یتوالدون کما تتوالد بنو آدم یعنی ان کا سلسلہ نسل اسیطرح چلتا ہے جسطرح بنی آدم کا اور اس سے بھی زیادہ صاف ابن زید کا قول ہے قال اللہ لابلیس انی لا اُذْرِاُ لآدم ذریۃ اِلَّا ذرأت لک مثلہا (ج) یعنی اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو کہا کہ میں آدم کی نسل میں کوئی شخص پیدا نہیں کرونگا مگر تیرے لئے اس کی مثل پیدا کرونگا جس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کیلئے الگ شیطان ہوتا ہے اور اس سے صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کا شیطان الگ ہے اور فی الحقیقت ہر انسان کے بہیمی قوٰی سے جس ہستی کا تعلق ہے وہی اس کا شیطان ہے مگر ان روایات کا یہ مطلب لینا کہ جنوں میں اسی طرح نکاح اور سلسلہ توالد و تناسل ہوتا ہے جس طرح انسانوں میں صحیح نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسکی ذریت وہ اسی لحاظ سے ہے کہ وہی کام کرتی ہے جو وہ کرتا ہے چنانچہ بعض نے ذریت سے مراد اسکے اتباع لئے ہیں +

عضد

۱۹۳۱ عَضُد اصل میں وہ حصہ ہے جو کہنی اور کندھے کے درمیان ہے یعنی بازو اور استعارۃً مددگار کو بھی کہتے ہیں (غ) +

خلق میں عدم شرکت

ما اشھدتھم خلق السمٰوات۔ شاہد نہ بنانے سے کیا مراد ہے۔ شاھد یا شہید کے اصل معنی صرف گواہ کے ہیں تو بعض نے یہاں سے مراد لیا ہے کہ ان سے مشورہ نہیں کیا اور بعض نے یہ کہ وہ اپنی مشیئت کے مطابق پیدا نہیں ہوئے یعنی کامل پیدا نہیں ہوئے (ر) لیکن کسی کو کسی اہم کام کیوقت بلانے سے منشا یہ ہوتا ہے کہ اس سے مدد لی جاتے اسی بنا پر وادعوا شھداءکم من دون اللہ (البقرۃ ۲-۲۳) میں شہداء سے مراد مددگار رئے گئے ہیں اور ابن جریر نے یہی مراد لی ہے ما احضرتھم ذلک فاستعین بھم۔ اور خود آیت کے خاتمہ کے الفاظ اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں جہاں فرمایا کہ میں مضلین کو اپنا مددگار نہ بنا سکتا تھا پس مراد یہ ہے کہ پیدائش میں یہ خدا کے شریک یا معاون نہیں کہ انکی فرمانبرداری کیجائے کیونکہ حق عبادت خلق سے پیدا ہوتا ہے ما اشھدتھم میں کون مراد ہیں بعض نے شیاطین مراد لئے ہیں اور بعض نے کفار بعض نے ملائکہ مگر مراد یہاں وہ ہیں جنہیں شیاطین کے پیچھے لگ کر خدا کے شریک بنایا جاتا ہے اور اگلی آیت میں اسے صاف بھی کر دیا نادوا شرکاءی پس یہاں وہی شرکا مراد ہیں اور انہیں کو مضلین کہا ہے کیونکہ انکی وجہ سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں رب انھن اضللن کثیراً (ابراھیم ۱۴-۳۶)

بین

۱۹۳۲ بینھم۔ بَیْن درمیان کے معنی میں بھی آتا ہے اور اسکے معنی وَصْل یعنی ملاپ یا تعلق بھی ہیں۔ دوسری جگہ ہے لقد تقطع بینکم (الانعام ۶-۹۵) جہاں وصل ہی مراد ہے (غ) اور یہاں بھی یہی مراد ہے +

۵۳ ۵۴ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ وَلَقَدْ

اور مجرم آگ کو دیکھینگے تو یقین کر لینگے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور وہ اس سے ہٹکر جانے کی کوئی جگہ نہ پا ئینگے ۔ اور بلا شبہ

صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ

ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کی مثالیں بار بار بیان کی ہیں اور انسان زیادہ تر جھگڑا ہی

۵۵ جَدَلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ

کرتا ہے ۱۹۳۳ اور کسی چیز نے لوگوں کو جب ہدایت انکے پاس آگئی اس بات سے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں اور اپنے رب سے استغفار کریں

۵۶ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ

مگر یہ کہ پہلوں کا طریق ان سے برتا جائے یا عذاب ان کے سامنے آموجود ہو اور ہم رسولوں کو نہیں

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ

بھیجتے مگر اس حال میں کہ وہ خوشخبری دینے والے بھی ہوتے ہیں اور ڈرانیوالے بھی اور جو کافر ہیں وہ باطل کو لیکر جھگڑا کرتے ہیں

۵۷ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ

تاکہ اسکے ساتھ حق کو زایل کردیں اور میری آیتوں کو اور اسے جو انہیں ڈرایا جاتا ہے ہنسی سمجھتے ہیں ۱۹۳۴ اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہے

مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ

جسے اسکے رب کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ ان سے منہ پھیر لیتا ہے اور اسے بھول جاتا ہے جو اسکے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ ہم نے انکے دلوں پر پردے

اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝

ڈالدیئے ہیں تاکہ اسے نہ سمجھیں اور انکے کانوں میں بوجھ ڈالدیا ہے اور اگر تو انہیں ہدایت کیطرف بلائے تو وہ کبھی بھی ہدایت پر نہ آئینگے ۱۹۳۵

موبق ۔ وَبَق ایک امر سے باز رہا پس ہلاک ہوگیا ۔ او یوبقھن (الشوریٰ ۴۲ ۔ ۳۴) پس موبق ہلاکت ہے (غ)

۱۹۳۳ اکثر شیٔ جدلا سے یہ مراد نہیں کہ دوسری چیزوں کی نسبت انسان زیادہ جھگڑتا ہے ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حالانکہ حق کو طرح طرح کے پیرایوں میں بار بار بیان کیا جاتا ہے مگر اب بھی انسان سے جھگڑا ہی زیادہ سرزد ہوتا ہے اور وہ اسے قبول کرنیکی بجائے کٹ حجتی کرتا چلا جاتا ہے اصل غرض اس رکوع کی ان اعدائے حق کیلئے وعدہ ہلاکت ہے جنکے ذکر سے یہ سورت مخصوص ہے و ینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا (۴) مگر ابتدا اس طرح کی یوں کی کہ باوجود حق کی مختلف پیرایوں میں وضاحت کے بجائے اسے اختیار کرنے کے جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں ÷ (الشوریٰ ۴۲ ۔ ۱۶) (غ)

۱۹۳۴ ایدحضوا ۔ دَحَض کے معنی ہیں پھسلنا اور اِدْحاض پھسلانا (ل) اور دلیل کے داحض ہونے سے مراد اسکا باطل اور زائل ہونا ہے حجتہم داحضۃ عند ربہم

۱۹۳۵ دیکھو ۹۲۶ یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ دلوں پر پردے ابتداءً نہیں بلکہ بطور سزا ڈالے جاتے ہیں ایک شخص آیات سے روگردانی کرتا ہے

ع ۸ وعدۂ ہلاکت

وبق ۔ موبق

ادحاض ۔ داحضۃ

دلوں پر پردوں کا ڈالنا

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ ۵۸

اور تیرا رب بخشنے والا رحمت کا مالک ہو اگر وہ انہیں اس پر پکڑے جو وہ کماتے ہیں تو فوراً انپر عذاب بھیج دے بلکہ

لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ۵۹

ان کیلئے ایک وعدہ کا وقت ہو جسکے مقابل پر وہ کوئی پناہ نہ پائینگے ۱۹۳۶ اور ان بستیوں نے جب ظلم کیا ہم نے انہیں

ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝ ع وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى ۶۰

ع ۱۱ — قصۂ موسیٰ و خضر

ہلاک کر دیا اور انکی ہلاکت کیلئے (بھی) ہم نے ایک وعدہ کا وقت مقرر کر دیا ہوا اور جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہا میں (چلنا) نہیں چھوڑونگا یہاں تک

اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝

کہ دو دریاؤں کے اکٹھا ہونے کی جگہ پہنچ جاؤں یا برسوں چلنا ہوگا ۱۹۳۷

اور بدکاریوں میں بھی مبتلا ہو جیسا کہ نسی ما قدمت یداہ سے ظاہر ہو اسلئے اس کے دل کا شیشہ سیاہ ہو جاتا ہو اور حق اس میں منعکس نہیں ہوتا

وألی۔ موئل: ۱۹۳۶ موئل۔ وَأَلَ الیہ کے معنی ہیں اس کی پناہ میں گیا۔ اور مَوْئِل کے معنی ملجا یا پناہ ہیں (ل)۔

وعدۂ ہلاکت: مطلب یہ ہو کہ ظالموں کے کام تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر فوراً عذاب آ جائے مگر اللہ تعالیٰ کا غفر و رحم بہت بڑا ہو اسلئے بڑی مہلت دیکر عذاب بھیجتا ہو۔ اور پھر جب وہ عذاب آتا ہو تو اس سے پناہ بھی کوئی نہیں ملتی۔ یہاں صاف طور پہ بتا دیا کہ ان اعدائے حق کے لئے بھی جن کا ذکر ہو رہا ہو ایک وقت وعدہ عذاب کا ہو مگر وہ خدا کے علم میں ہو جلد نہیں آتا۔ اگلی آیت میں پہلوں کی ہلاکت کا ذکر کرکے صاف فرما دیا کہ ان کی ہلاکت بھی ایسی ہی یقینی ہو۔ مگر ہلاکت سے مراد محض ان کی قوت کا ٹوٹنا ہوتا ہو جو حق کے مقابل پر ہوتی ہو۔

برح: ۱۹۳۷ برح۔ لا ابرح۔ بَرَاح فراخ کھلے مکان کو کہتے ہیں جس میں کوئی روک نہ ہو اور بَرِحَ کے معنی ہیں براح میں قایم ہوگیا اور مراد اس سے زوال کی طرح نفی ہوتی ہو اسلئے لا ابرح اثبات کے معنی میں آتا ہو کیونکہ دو نفیوں کا اجتماع اثبات ہوتا ہو لن نبرح علیہ عاکفین (طٰہٰ ۲۰۔ ۹۱) (غ)

مجمع البحرین: مجمع البحرین۔ دو دریاؤں یا دو سمندروں کے ملنے کی جگہ ہو۔ مجاہد، قتادہ وغیرہ سے مروی ہو کہ بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ مراد ہو (ج)، مگر یہ دونوں سمندر باہم ملتے ہی نہیں اور بعض نے کہا کہ وہ آرمینیا میں دو دریا ہیں۔ مگر وہاں حضرت موسیٰ کبھی گئے ہی نہیں۔ اور اُبیؓ سے مروی ہو کہ وہ افریقہ میں ہو (د) اور یہی صحیح ہو اسلئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بعثت سے پیشتر بھی اور بعثت سے بعد بھی مدت تک مصر میں رہو اور مجمع البحرین بحر ابیض اور بحر اسود یعنی دریائے نیل کی دونوں بڑی شاخوں) کے ملنے کی جگہ ہو۔ اور یہ خرطوم پہ ملتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد بحر ملح اور بحر عذب یعنی نمکین اور میٹھے سمندر کا ملنا ہو (د) جنکا ذکر قرآن شریف میں ہو (الفرقان ۲۵۔ ۵۳۔ الفاطر ۳۵۔ ۱۲) مگر یہ خاص دو سمندروں کے نام نہیں اور بعض نے کہا کہ یہ موسیٰ اور خضر کے ملنے سے مجاز ہو کیونکہ وہ علم کے دو دریا تھے (د)، مگر اس صورت میں خود حضرت موسیٰ کا فرمانا کہ میں مجمع البحرین میں پہنچوں صحیح نہیں ٹھہرتا ہاں مجازی معنی لیکر یوں کہہ سکتے ہیں کہ دو بحر دنیا اور دین ہیں یا علوم دنیا اور علوم روحانی اور اسی کی طرف فی الحقیقت بحر ملح اور بحر عذب میں بھی اشارہ ہو تو اس صورت میں مجازاً مراد دین و دنیا کا ملنا یا علوم دینی اور علوم دنیوی کا اجتماع ہو جو نہ حضرت موسیٰ کی اُمت کو میسر آیا اور نہ حضرت عیسیٰ کو بلکہ اُمت محمدیہ کیلئے یہ مقدر تھا پس ظاہر طور پہ مجمع البحرین سے مراد بحر ابیض اور بحر اسود کے ملنے کی جگہ ہو اور اس میں اشارہ سلسلہ محمدیہ (صلعم) کی طرف ہو جیسا کہ آگے چلکر وضاحت سے دکھایا جائیگا۔

۶۱ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا

پس جب وہ ان دونوں دریاؤں کے اکٹھا ہونے کی جگہ پہنچے

حُقُب ۔ احقاب

حقب ۔ حِقبۃ زمانہ کی مدت ہے جس کا وقت مقرر نہیں اور سال کو بھی کہتے ہیں اور حُقُب اور حُقْب اسّی سال کو کہتے ہیں اور حُقب کی جمع حِقاب اور اَحقاب آتی ہے اور یا حُقُب زمانہ ہے اور احقاب زمانے اور ثعلب سے حُقُب کے معنی ایک سال یا کئی سال مروی ہیں (ل)

موسٰی اور خضر کے قصے
اختلاف روایات

یہاں سے وہ ذکر شروع ہوتا ہے جو حضرت خضر کے قصہ کے نام سے مشہور ہے ۔ خضر کون تھے ۔ اور ان کا قصہ کیا ہے حضرت موسٰے ان سے کیا سیکھنے گئے تھے ۔ اور اس قصہ کو یہاں لانے کی کیا غرض ہے جہاں پہلے بھی عیسائیت کا ذکر ہو رہا ہے اور ابھی ان اقوام کی ہلاکت کا ذکر کیا تھا اور بعد میں بھی یاجوج ماجوج کا ذکر ہے جو انہی اقوام سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہ دو سوال ہیں جن کا جواب اشکال سے خالی نہیں دوسرے سوال یعنی تعلق کی ایک ہی توجیہ مفسرین میں ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اصحاب کہف کا ذکر یہود کے سوال پر کیا گیا تو اس قصہ کو لا کر یہ بتایا گیا کہ ضروری نہیں کہ نبی کو سب باتوں کا علم دیا جائے ۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یہود نے یہ کہا تھا کہ اگر آپ اصحاب کہف کا قصہ بتا دیں تو آپ نبی ہیں ورنہ نہیں ۔ مگر میں دکھا چکا ہوں کہ یہ روایت ہی قابل قبول نہیں ۔ اور تعلق کی یہ وجہ بھی کافی نہیں ۔

احادیث قصص

میرے نزدیک سب سے زیادہ ضروری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ احادیث قصص گو وہ صحیح بخاری یا دیگر صحاح میں ہوں ہیں قابل نہیں ہوتیں کہ انکے ایک ایک لفظ کو نبی کریم صلعم کیطرف وثوق کیساتھ منسوب کیا جاسکے ۔ اور اس فرق کو جو احادیث مسائل اور احادیث قصص میں ہے محدثین نے خود تسلیم کیا ہے اسلئے جہانتک ممکن ہو قرآن شریف کے الفاظ پر قصص میں بہت سی تفصیلات کو بڑھانا نہیں چاہیئے

حضرت موسٰی کے تلاش خضر میں نکلنے کی وجہ

قرآن شریف میں یہ ذکر نہیں کہ حضرت موسٰی کو کیا واقعہ پیش آیا تھا احادیث میں اختلاف ہے ۔ بعض احادیث میں تو یہ ہے کہ حضرت موسٰے کے ایک موثر وعظ پر ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ سے زیادہ علم والا کوئی شخص بھی دنیا میں موجود ہے تو آپ نے فرمایا نہیں اس پر اللہ تعالٰی نے آپکو عتاب کیا اور فرمایا کہ ہمارا بندہ خضر ہے ۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ حضرت موسٰی نے اللہ تعالٰی سے سوال کیا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے زیادہ علم والا شخص ہو تو اس کا نشان مجھے بتا دیجئے تو اللہ تعالٰی نے بتایا اور اسکے ملنے کی اجازت بھی دی یہ دوسری حدیث ایک نبی کی شان کے زیادہ شایاں ہے اسلئے دوسری کو ہم قبول کرتے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت موسٰی نے کئی سوال کئے تھے کون بندہ سب سے زیادہ اللہ تعالٰی کو محبوب ہے کون سب سے اچھا فیصلہ کرنیوالا ہے کون سب سے زیادہ علم والا ہے تو اس آخری سوال کے جواب میں اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ سب سے زیادہ علم والا وہ ہے جو دوسرے لوگوں کے علم کو طلب کرتا ہے کہ اس طرح سے اپنا علم بڑھائے اس پر حضرت موسٰی نے سوال کیا کہ مجھے اس شخص کا پتہ بتایا جائے جو مجھ سے زیادہ علم والا ہے تاکہ میں اس کے پاس جاؤں تب اللہ تعالٰی نے آپکو خضر کا پتہ بتایا پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے حضرت موسٰی سے یہ سفر اسلئے کرایا کہ تا انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کا علم صرف ایک قوم کیلئے ہے ۔ ایسا ہی علم اللہ تعالٰی نے اور لوگوں کو بھی دیا ہے اور قرآن کریم سے اس کی تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے ان تعلمن مما علمت رشدا (۶۶) اور اس قصہ کے یہاں لانے کی غرض یہ ہے کہ ایک طرف عیسائیوں کے ان اعتراضات کا جواب دیا جائے جو وہ آنحضرت صلعم پر کرتے ہیں اکثر عیسائی مؤرخین اسی بات کے قائل ہیں کہ مکہ میں آپکی زندگی بالکل بے لوث تھی مگر مدینہ میں آکر بادشاہ بنکر لوگوں کو ناحق قتل کیا گیا ۔ اس کا جواب یہاں دیا ہے کیونکہ سب سے بڑی بات جو حالات خضر میں نظر آتی ہے وہ ایک ایسے شخص کا قتل ہے جس پر الزام قتل کوئی نہ تھا اور باقی دو معاملات میں بھی آنحضرت صلعم کی صداقت کیطرف ہی اشارہ ہے جس کیلئے دیکھو ۱۹۵۲ دوسری طرف یہ بھی اس قصہ کے لانے کی غرض معلوم ہوتی ہے کہ یہ بتایا جائے کہ سلسلہ موسوی ایک محدود سلسلہ تھا جس کا پیغام کل دنیا کیطرف ہوتا تو ایک طرف رہا وہ قومیں جو بنی اسرائیل سے بالکل قریب رہتی تھیں انکے حالات سے بھی انکو واقفیت نہ تھی اور نہ وہ سلسلہ دوسری قوموں کی ہدایت کیلئے تھا بلکہ ان قوموں کو علیحدہ ہدایتیں دی گئی تھیں اور وہ ایسی ہدایتیں تھیں جن سے خود حضرت موسٰی بھی ناواقف تھے ۔ عیسائیوں نے

نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ○ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ ۶۲

وہ اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے چلتے چلتے اپنا رستہ دریا میں لے لیا۱۹۳۸ سو جب وہ دونوں آگے نکل گئے (موسیٰ نے) اپنے نوجوان (ساتھی) سے کہا

یہ سخت غلطی کھائی ہی کہ اللہ تعالیٰ کی وحی کو چند انبیائے بنی اسرائیل تک محدود کیا ہو تیسرے یہ بھی ظاہر کرنا مقصود معلوم ہوتا ہی کہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئیاں خود یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور اس سورت میں چونکہ عیسائیت کے حالات سے بحث تھی اس لئے اس قصہ کو یہاں لایا گیا ہی تا وہ اسلام کی طرف رجوع کریں ✦

حضرت موسیٰ کا سفر خرطوم

سب سے پہلے اس تذکرہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ آیا فی الواقع بھی حضرت موسیٰ نے کوئی ایسا سفر کیا۔ جو واقعات آپکے بائبل میں موجود ہیں ان میں کوئی ایسا ذکر نہیں۔ نہ علمائے یہود کی روایات میں ایسا ذکر ہی لیکن توراۃ میں یہ ذکر ہی کہ حضرت موسیٰ کی ایک بی بی اس علاقہ کی تھیں "اور مریم اور ہارون نے موسیٰ کا شکوہ اس کوشی عورت کی بابت کہ اس نے لی تھی کیا کیونکہ اس نے ایک کوشی عورت لی تھی" (گنتی ۱:۱۲) اور علمائے یہود کی روایات میں جو ذکر حضرت موسیٰ کا ہی اس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ حضرت موسیٰ ایتھیوپیا گئے تھے جو مصر کے جنوب میں ایک بادشاہت تھی جس کی جنوبی حد خرطوم ہی بلکہ یہ بھی ذکر ہی کہ اس ملک کے بادشاہ کی بیوہ کے ساتھ انہوں نے شادی بھی کی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ انہی کی تدبیر اور بہادری سے اس کو ایک بڑے قومی دشمن سے نجات ملی تھی پس ان حالات کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ کا ایسا سفر کرنا بالکل قرین قیاس ہی۔ اور چونکہ مدین سے واپس آکر آپکو بہت وقت مصر میں رہنا پڑا اسلئے اغلب یہی ہی کہ یہ سفر اس وقت پیش آیا ✦

یوشع

حضرت موسیٰ کا فتیٰ یا نوجوان ساتھی یا خادم جس کا یہاں ذکر ہی اس کا نام معلوم کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں مگر اکثر روایات میں اس کا نام یوشع دیا گیا۔ یہ وہی یوشع ہیں جو حضرت موسیٰ کے جانشین بھی ہوئے ✦

مچھلی کا بھولنا اور اسکا دریا میں چلا جانا

۱۹۳۸ اس آیت میں دو باتوں کا ذکر ہی۔ ایک یہ کہ مجمع البحرین کے موقعہ پر پہنچکر وہ مچھلی کو بھول گئے اور دوسرا یہ کہ وہ مچھلی دریا میں چلی گئی اگر صرف الفاظ قرآنی کی تشریح مطلوب ہو تو اس میں چنداں دقت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ تو ظاہر ہی کہ وہ دریا کے کنارہ پر چل رہے تھے۔ سفر میں جب ٹھہر جاتے ہونگے تو مچھلی پکڑ لیتے ہونگے تاکہ بھوک کے وقت غذا کا کام دے اور سہل ترین غذا یہی تھی جو اس حالت میں میسر آسکتی تھی۔ اور اگلی آیت اور اس سے اگلی آیت صاف بتاتی ہیں کہ جب حضرت موسیٰ نے غذا مانگی تو آپکے ساتھی نے کہا کہ مچھلی تو میں بھول گیا یعنی ساتھ نہیں لایا جس سے معلوم ہوتا ہی کہ مچھلی غذا کیلئے ساتھ رکھتے تھے اور مچھلی کا دریا میں چلا جانا...... بھی معمولی بات ہی اور سَرَب کے معنی کیلئے دیکھو ۷۶۰۴ سَرَبَ فی الارض ذھب فی حدور یعنی نیچے کیطرف چلا جانا ہیں اور راغب نے یہی معنی دے کر اس آیت کو نقل کیا ہی۔ اور سارب کے معنی چلنے والا دیکھو ۷۶۰۴ پس سربا بلحاظ معنی فاتخذ سبیلہ کیلئے مصدر مؤکد کے طور پر ہو اور تفسیر ابن جریر میں ہی کہ سرب سے مراد مسلک اور رستہ ہی یعنی دریا میں رستہ بنا کر چلی گئی اور بخاری میں بھی سرب کے معنی مذھب یعنی رستہ ہی ہیں۔

سرب

مچھلی کا بطور نشان دیا جانا

لیکن بخاری کی روایات سے معلوم ہوتا ہی کہ جب حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ میں اس شخص تک کس طرح پہنچوں تو آپ کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی قال تَاْخُذُ معك حُوْتًا فَتَجْعَلُهٗ فِي مِكْتَلٍ فَحَيْثُمَا فَقَدْتَ الحُوْتَ فَهُوَ ثَمَّ یعنی ایک مچھلی ساتھ لے لو اور اسے ایک زنبیل میں رکھ لو پھر جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں وہ ہوگا اور ایک اور روایت میں ہی فاوحی الیه ان ائت البحر فانك تجد علی شط البحر حوتا فخذه فادفعه الی فتاك ثم الزم شاطئ البحر فاذا نسيت الحوت وهلك منك فثم تجد العبد الصالح الذی تطلب (ت) یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کیطرف وحی کی کہ دریا پر چلے جاؤ تو دریا کے کنارے ایک مچھلی تمہیں ملے گی اس کو لیلو اور اسے اپنے ساتھی کو دیدو پھر دریا کے کنارے کنارے چلتے جاؤ پس جہاں تم مچھلی بھول جاؤ اور وہ گم ہو جائے وہیں تم اس عبد صالح کو پاؤ گے جس کی تلاش کرتے ہو پھر کسی روایت میں اسے مری ہوئی مچھلی کہا گیا ہی اور کسی میں نمکین اور

۶۳ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ

ہمارا صبح کا ناشتہ لے آ ہمیں اس (آج کے) سفر سے تکان ہو گئی ہے ۱۹۳۹ کہا دیکھئے جب ہم نے چٹان پر پناہ لی تھی

فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝

تو میں مچھلی کو بھول گیا اور شیطان نے ہی یہ مجھے بھلا دیا کہ اس کا ذکر کروں اور اس نے سمندر میں اپنا رستہ لے لیا تعجب کر ۱۹۴۰

مچھلی کا بھنا ہوا ہونا قابل قبول نہیں

کسی میں بھنی ہوئی۔ اب روایات کو قبول کرتے وقت یا ان روایتوں کو قبول کرنا پڑیگا جو قرآن شریف کے بیان کے مطابق ہیں کہ معمولی مچھلی تھی اور دریا کے کنارے سے لی تھی اور یا ان کو جن میں اس کے بھنے ہوئے اور نمکین ہونے کا ذکر ہے اقرب الی الصواب یہی ہے کہ ان زوائد کو کہ وہ نمکین تھی یا کباب تھا قبول نہ کیا جائے۔

اسی قسم کے دوسرے قصے

علاوہ ازیں جو الفاظ اس قسم کے ہیں کہ جہاں چٹان کے پاس مچھلی رکھی تھی وہاں آب حیات کا چشمہ تھا اور یوشع کے وضو کے قطرے مچھلی پر پڑے تو وہ مچھلی زندہ ہو گئی یہ بھی ساتھ ہی رد کرنے کے قابل ہیں اور سب پر جو اور حاشیے چڑھائے گئے ہیں کہ جہاں سے مچھلی گزرتی تھی پانی جمتا چلا جاتا تھا یا پتھر کی طرح ہوتا جاتا تھا یا واقعی پتھر ہوتا جاتا تھا۔ اور ایک روایت میں تو کمال کر دیا ہے کہ دریا میں آگے آگے مچھلی بھاگی جاتی تھی پیچھے پیچھے حضرت موسیٰ اپنے عصا کی مدد سے پانی کو چیرتے ہوئے چلے جاتے تھے یہانتک کہ ایک جزیرہ پر پہنچ گئے جہاں خضر کو ملے اور مچھلی کے چھونے سے پانی پتھر کیطرح ہوتا جاتا تھا ان تمام باتوں کی قرآن شریف میں کوئی اصلیت نہیں اور روایات قصص اس قدر قابل اعتماد نہیں کہ ان کے ایسے بعید از عقل قصے بھی قبول کئے جائیں۔

حصول علم کیلئے سفر اور صعوبت کا اٹھانا

ہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ معمولی طور پر اگر کھانے کی مچھلی اسے سمجھا جائے تو قرآن شریف نے اس کا ذکر کیوں کیا۔ سو بات یہ ہے کہ بتانا یہ تھا کہ علم کے حاصل کرنے کیلئے انبیاء نے کیا کیا صعوبتیں اٹھائی ہیں اور علم سے کس قدر محبت رکھتے تھے کہ اتنا بڑا سفر اختیار کیا جس میں سواری کا بھی کوئی انتظام نہیں۔ اور پھر غذا کے ساتھ لینے کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا بلکہ مچھلی پر ہی صبر کیا جو وہیں دریا کے کنارے سے مل جاتی تھی۔ باقی یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کے الفاظ میں رواۃ سے اس قدر تصرف ہو گیا ہو کہ روزمرہ غذا کی مچھلی کو نشان سمجھنے کی بجائے انہوں نے ایک ہی خاص مچھلی کو نشان سمجھ لیا ہو۔ ممکن ہے یہی نشان قرار دیا گیا ہو کہ روزمرہ غذا کی مچھلی جہاں بھول جاؤ وہیں پہنچ گا۔

۱۹۳۹ انبیاء کی فطرت ایسی سلیم ہوتی ہے کہ اتنے لمبے سفر میں حضرت موسیٰ نے کوئی تکان محسوس نہیں کی جبتک کہ حد مقررہ سے آگے نہیں نکل گئے۔

صخرۃ۔ صخر

۱۹۴۰ الصخرۃ الحجر العظیم الصلب (ل) یعنی بہت بڑے اور سخت پتھر کو صخرۃ کہا جاتا ہے فتکن فی صخرۃ (لقمٰن ۳۱: ۱۶) جمع صخر ہے جابوا الصخر بالواد (الفجر ۸۹: ۹)

عجب۔ تعجب

عجبا عجب اور تعجب وہ حالت ہے جو انسان کو کسی چیز کے سبب سے ناواقفیت کی وجہ سے پیش آتی ہے اور بعض حکما کا قول ہے کہ عجب وہ ہے جس کا سبب سمجھ نہ آئے۔ کانوا من اٰیٰتنا عجبا میں یہ بتایا ہے کہ یہ کوئی بڑے تعجب کی بات نہیں بلکہ ہمارے امور میں اس سے بھی بڑی اور عجیب تر باتیں ہیں۔ اور یہاں عجبا فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کی تقدیر یوں ہے اعجب عجبا (د) یعنی میں اس بات پر تعجب کرتا ہوں کہ یہ آپ سے ذکر کرنا مجھے کیوں یاد نہ رہا یہی وجہ ہے کہ تحریر میں فی البحر کے بعد وقف لا کر پھر عجبا آتا ہے گویا اسے علیحدہ کیا ہے۔

مچھلی بھول جانے کا سبب

اویٰ کے لفظ سے جس میں پناہ لینے کا مفہوم پایا جاتا ہے دیکھو ۱۲۲۷ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے چٹان پر پناہ لی اور چونکہ ان کا سفر دریا کے کنارے کنارے تھا اسلئے پناہ سیلاب سے ہی لی ہو گی جو یکا یک آ گیا۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کوئی ایسا وقت تھا جب آپ آرام کر رہے تھے تو گھبراہٹ میں اٹھنا پڑا۔ مچھلی کو بھول جانے کی بھی یہی وجہ ہے خواہ یہ خاص مچھلی ہو جو بطور نشان ساتھ لیگئی تھی یا محض کھانے کیلئے کوئی مچھلی دریا سے پکڑ کر ساتھ رکھی ہو۔ ناشتہ کے مانگنے پر آپ کے ساتھی کا یہ کہنا بتاتا ہے کہ پہلی حد

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا ۶۴ ۶۵

کہا یہی تو ہے جو ہم تلاش کرتے تھے سو وہ دونوں اپنے دپاؤں کے نشانوں کا پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے ۱۹۴۱ پس انہوں نے ہمارے بندوں

مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝

میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی جناب سے رحمت عطا فرمائی تھی اور اپنے پاس سے اسے علم سکھایا تھا ۱۹۴۲

تھی، لیکن حدیث میں اسے خاص مچھلی قرار دیا ہے جو بطور نشان ساتھ لی تھی، تو اس صورت میں غذا کے ذکر کی وجہ سے مچھلی کا خیال یوشع کو آگیا۔ کیونکہ وہ مچھلی بطور نشان تھی مگر مچھلی کھائی بھی جاتی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مچھلی آپ کھاتے بھی تھے کیونکہ اگر وہی نشان والی مچھلی ہی کھانے ہوتے تو اتنے لمبے سفر میں وہ کفایت کیونکر کر سکتی تھی یہاں کہا انی نسیت الحوت اور پہلی آیت میں ہے نسیا حوتہما یعنی دونوں بھول گئے۔ یہ دونوں باتیں درست ہیں اسلئے کہ دونوں میں سے کسی کو مچھلی کا ساتھ لینا یاد نہ رہا اور اکیلے ساتھی کی طرف اسلئے منسوب ہے کہ اس کے سپرد یہ کام خصوصیت سے تھا۔

حضرت موسیٰ کیلئے نشان بروئے روایات صخرۃ بھی تھا اور مچھلی بھول جانا بھی

۱۹۴۱ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کے رفیق نے دو باتوں کا ذکر کیا ہے ایک چٹان پر پناہ لینے کا دوسرا مچھلی بھول جانے کا تو حضرت موسیٰ نے جو فرمایا ذلك ما كنا نبغ یہی ہم تلاش کرتے تھے۔ تو ممکن ہے ان کی مراد صخرۃ ہو۔ یعنی صخرۃ ہی تو ہماری مقررہ جگہ تھی اور ممکن ہے مراد یہ ہو کہ مچھلی کا بھول جانا ہی نشان تھا۔ اکثر روایات میں تو نشان مچھلی کا بھول جانا ہی قرار دیا ہے اور ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے پتہ دریافت کیا تو آپ کو بتایا گیا عند الصخرۃ التی عندها العین اس چٹان کے پاس جسکے قریب چشمہ یا دریا ہے۔ ممکن ہے وہاں کوئی چشمہ بہتا ہو اور ممکن ہے عین سے مراد دریا ہی ہو۔ غرض صخرۃ کے ذکر پر یا مچھلی بھول جانے کے ذکر پر حضرت موسیٰ واپس ہوئے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ انبیاء سے بھی غلطی یا فروگزاشت ایسے معاملات میں ہو جاتی ہے جو شریعت سے تعلق نہیں رکھتے مگر اللہ تعالیٰ انکو غلطی پر قائم نہیں رکھتا بلکہ جلد ہی اس کے دور کرنے کے سامان پیدا کر دیتا ہے خواہ بذریعہ اپنی وحی کے ایسا کرے خواہ اور واقعات پیدا کرکے۔

خضر کون تھے

۱۹۴۲ یہ بندہ کون تھا؟ احادیث میں ان کا نام خضر آیا ہے مگر ان کے بارہ میں اختلاف اقوال کی کوئی حد نہیں بعض انکو ولی بعض نبی غیر مرسل بعض نبی رسول کہتے ہیں بعض انہیں ایک فرشتہ قرار دیتے ہیں پھر کوئی کہتا ہے وہ آدم کی پیٹھ سے انکے فرزند تھے بعض انہیں قابیل کا فرزند کہتے ہیں کوئی انہیں ارمیاہ اور کوئی الیسع قرار دیتا ہے کوئی فرعون کا بیٹا اور کوئی فرعون کی بیٹی کا بیٹا قرار دیتا ہے پھر کوئی کہتا ہے وہ ابتک زندہ ہیں اور زندہ رہینگے یہانتک کہ دجال کی تکذیب کریں اہل علم کہتے ہیں وہ مر گئے۔ صوفی کہتے ہیں وہ اب بھی موجود ہیں اور لوگ ان سے ملاقات بھی کرتے ہیں بعض ان سے علم سیکھنے کا بھی دعوے

وفات خضر

کرتے ہیں اس میں تو کچھ شک نہیں کہ اگر وہ انسان تھے تو اپنے وقت پر فوت ہو چکے روح المعانی ابن کثیر فتح البیان میں اسی کو صحیح ٹھہرایا ہے کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو آنحضرت صلعم کی اتباع ان کیلئے لازمی تھی اسی موقعہ پر ابن کثیر نے آنحضرت صلعم کی اس

حدیث لو کان موسیٰ عیسیٰ حیین اور وفات مسیح

حدیث کو نقل کیا ہے۔ لو کان موسیٰ وعیسیٰ حیین لما وسعهما الا اتباعی اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میرا اتباع کرنا پڑتا جس سے نہ صرف خضر کا وفات یافتہ ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ حضرت عیسیٰ کا بھی وفات یافتہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ جو بڑی کثرت

خضر کی ملاقات

سے صوفیاء کی شہادت ملتی ہے کہ وہ خضر کو ملے تو یہ ملنا بطور مکاشفہ ہے جیسا کہ اور انبیاء اور صلحاء کی بھی ملاقات رویا یا کشف میں ہو جاتی ہے

خضر کی نبوت

دوسری بات جو وثوق سے کہی جا سکتی ہے یہ ہے کہ اگرچہ جمہور نے خضر کو ولی یا نبی غیر مرسل مانا ہے لیکن ان کے جن حالات کا ذکر قرآن شریف میں ہے ان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی طرف رسول تھے گو بلحاظ ضروریات تو بھی ان کی نبوت کا رنگ

۶۶ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۞

موسے نے اسے کہا میں تیرے ساتھ چلوں اس (شرط) پر کہ تو مجھے اس میں سے سکھائے جو بھلائی تجھے سکھائی گئی ہے ۱۹۴۳

ولی کا الہام حجت نہیں

علیحدہ ہو۔ ان کے نبی ہونے کا قطعی ثبوت ہے کہ قرآن شریف سے انکی وحی حجت ثابت ہوتی ہے ولی کا الہام حجت شرعی نہیں ہوتا جبتک کہ شریعت اس کی تصدیق نہ کرے صرف نبی کی وحی حجت ہوتی ہے میں اس جگہ ایک چھوٹا سا واقعہ لکھتا ہوں جو ولی کے الہام اور شریعت کے تعلق

مجدد صدی چہاردہم کا ایک واقعہ

کو ظاہر کرتا ہے اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو ایک دفعہ اُنتیس روزوں کے گزرجانے پر الہام ہوا کہ عید تو آج ہی جا ہو کرو یا نہ کرو۔ مگر اُنتیس کے دن قادیان اور اس کے گرد و نواح میں چاند نہ دیکھا گیا صبح کو جب آپ نے یہ الہام سنایا تو بعض لوگوں نے دریافت کیا کہ جب الہام آپ کو ہو گیا ہے تو کیا ہم روزے نہ کھول دیں اور عید نہ کرلیں۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اُنتیس کو اگر چاند نظر آئے تو عید کی جائے اسلئے روزہ ہی رکھنا چاہئے۔ بعد میں دوسرے مقامات سے تاریں آگئیں کہ چاند پہلی شب یعنی اُنتیس کا دیکھا گیا۔ یوں الہام کی بھی تصدیق ہوگئی مگر عمل شریعت پر ہی ہوا اور یہی اُمت کا مسلمہ مذہب ہے پس خضر کے اپنی وحی کو حجت قطعی ٹھہرانے سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ رسول اور نبی تھے۔ ہاں یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ باوجود نبی ہونے کے ان کو جو احکام دیئے

مقامی نبوتیں مقامی ضروریات

گئے ان کا رنگ کچھ اور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کو کہا یا موسیٰ اِنّی علیٰ علمٍ من علم اللّٰہ علّمنیہ لا تعلمہ انت و انت علیٰ علمٍ من علم اللّٰہ علّمکہ اللّٰہ لا اعلمہ اے موسیٰ میں اللہ کے علم میں سے ایک علم پر ہوں جو اس نے مجھے سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا اور تو اللہ کے علم میں سے ایک علم پر ہے جو اللہ نے تجھے سکھایا ہے اسے میں نہیں جانتا مطلب یہ کہ تم ایک قوم کیلئے مبعوث ہوئے ہو تمہیں ایک علم دیا گیا ہے جو اس کی ضروریات کے مطابق ہے میں ایک دوسری قوم کیلئے مبعوث ہوا ہوں مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو اس قوم کے حالات کے مطابق ہے نہ تمہارا علم مجھے فائدہ دے سکتا ہے نہ میرا تمہیں۔ ضروریات قومی کا اقتضاء یہی تھا کہ ہر قوم کے نبی کو اس قوم کے حالات کے

ضروریات نسل انسانی کا کامل علم آنحضرت کیلئے مخصوص ہوا

مطابق علم دیا جاتا کامل علم ہر قسم کی انسانی ضروریات کا صرف ایک ہی انسان کیلئے مقدر تھا۔ یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی لئے آپکو ایک قوم کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ کافۃ للناس مبعوث کیا گیا۔ حضرت موسیٰ کا دائرہ ہمت اسباب کا مقتضی نہ تھا کہ انہیں سوائے

خضر کے فرشتہ ہونیکا قول

بنی اسرائیل کے اور قوموں کی طرف بھی مبعوث کیا جاتا اور اگر خضر کو ایک فرشتہ مانا جائے جیسا کہ ایک قول میں ہے تو پھر جن واقعات کا آگے ذکر آتا ہے وہ سب خود حضرت موسےٰ کو بطور کشف پیش آئے اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ بطور کشف واقعات کیلئے سفر کی کیا ضرورت تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مصالح ہیں حضرت موسیٰ طور پر جاتے ہیں تو وحی ہوتی ہے حالانکہ خدا کی وحی تو ہر جگہ ہو سکتی ہے پھر وہیں طور پر جا کر ہی شریعت ملتی ہے۔ پس ایسا سفر کرانا بھی اللہ تعالیٰ کے مصالح میں سے تھا۔ اور درحقیقت وحی اور مکاشفات کیلئے بہت بڑی محنت شاقہ بکار ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جس رنگ میں چاہے وہ کرائے۔ مگر میرے نزدیک ترجیح اسباب کو ہے جیسا اکثر ہیں کہ حضرت خضر انسان تھے

اتباع سے مراد

۱۹۴۳ اتبعک اس سے مراد وہ اتباع نہیں جو ایک نبی کا پیروی کا اتباع کرتا ہے یعنی عبادات معاملات وغیرہ میں نقش قدم پر چلنا بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ جہاں تم جاؤ وہاں میں بھی جاؤں یعنی ساتھ رہنا مراد ہے۔ تاکہ جو واقعات خضر کو پیش آئیں آپ بھی انہیں دیکھ سکیں کیونکہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ خضر کی اتباع کیلئے نہیں آئے تھے بلکہ ان کے واقعات کا کچھ علم حاصل کرنے آئے تھے ٭

موسیٰ اور خضر کا علم

یہاں سے معلوم ہوا کہ جو علم خضر کو دیا گیا وہ اور تھا۔ کیونکہ علم تو حضرت موسیٰ کو بھی دیا گیا تھا جیسا کہ فرمایا اٰتینٰہ حکما و علما (القصص ۲۔ ۱۴) اور چونکہ دونوں علم علم دین ہیں اسلئے دین کا ایک علم حضرت موسیٰ کو دیا گیا تھا جو ان کی قوم کی ضروریات کے مطابق تھا اور دین کا ہی ایک علم حضرت خضر کو دیا گیا جو ان کی قوم کی ضروریات کے مطابق تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ اپنی اپنی اُمت کے متعلق اللہ تعالیٰ بعض وقت اپنے انبیاء کو خاص واقعات کا علم دیدیتا ہے جہاں تک ظاہر نظریں نہیں پہنچ سکتیں اور وہ ایک ایسا فعل اس علم کی بنا پر کرلیتے ہیں جو ظاہر نظروں میں قابل اعتراض بھی ہوتا ہے لیکن اگر حقیقت پر غور کیا جائے اور انکے سارے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اعتراض نہیں رہتا

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ○ وَكَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ○ قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ ۶۷ ۶۸ ۶۹

اس نے کہا تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا ۔ اور تو کس طرح اسپر صبر کریگا جسکی تجھے پوری پوری خبر نہیں ۱۹۴۴ (موسےٰ نے) کہا تو مجھے انشاء اللہ

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ○ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓى ۷۰

صابر پائے گا اور میں کسی معاملہ میں تیری نافرمانی نہیں کرونگا کہا اگر تو میرے ساتھ چلے تو مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کرنا یہاں تک

اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا ۷۱

کہ میں خود تجھ سے اس کا ذکر کروں ۱۹۴۵ پس وہ دونوں چلے یہانتک کہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے کشتی کو پھاڑ دیا (موسٰی نے) کہا کیا تو نے اسے

لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا ○ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ ۷۲

پھاڑ دیا تاکہ اسکے سواروں کو غرق کردے یقیناً تو نے ایک خطرناک بات کی ہے ۱۹۴۶ کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر

مَعِیَ صَبْرًا ○ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ○ ۷۳

نہیں کر سکے گا (موسٰی نے) کہا مجھے گرفت نہ کیجئے جو میں بھول گیا اور میرے معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالئے

خُبرًا — ۱۹۴۴ خُبرًا۔ خَبرًا۔ اشیائے معلومہ کا علم ہے جو خبر دینے سے ملے اور بعض نے خَبَر اور خُبرۃ میں یہ فرق کیا ہے کہ خُبرًا کے معنی ایک امر باطن کی معرفت ہیں +

نبی کے صبر نہ کرسکنے کی وجہ — نبی بھی ایک بشر ہے جب ایک صفت اس میں غالب ہو تو اس کا اظہار ہونے سے نہیں رہتا۔ حضرت موسٰی باوجود اپنے مشہور حلم اور بردباری کے حق کی غیرت اس قدر رکھتے تھے کہ جب انہوں نے ایک موقعہ پر حضرت ہٰرون کو قوم کی غلطی میں شریک سمجھا تو ان سے بھی یہانتک سختی سے پیش آئے کہ جبپر حضرت ہارون کو یہ کہنا پڑا لا تاخذ بلحیتی ولا براسی (طٰہٰ ۲۰-۹۴) حضرت خضر کو معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر بھی دیدی تھی کہ حضرت موسٰی اور قسم کی صفات الٰہی کے مظہر ہیں اور حضرت خضر اور رنگ کے۔ اسلئے انہوں نے کہا کہ آپکا میرے ساتھ صبر کرنا مشکل ہوگا اللہ تعالیٰ نے آپکے اندر اور قسم کے کمالات رکھے ہیں مجھے اور قسم کے کمالات سے حصہ دیا ہے +

۱۹۴۵ اس شرط کے لگانے کی وجہ وہی معلوم ہوتی ہے جس کا ذکر اوپر کے نوٹ میں ہوا۔ بتانا یہی مقصود تھا کہ تمہارے کمالات اسبات کے متحمل نہیں ہوسکتے جو مجھ میں ہیں۔ تمام قسم کے کمالات کا صرف ایک ہی انسان میں جمع ہونا مقدر تھا۔ اور وہ ذات پاک نبوی ہے +

سفینۃ — ۱۹۴۶ سفینۃ۔ سَفَن لکڑی وغیرہ کسی چیز کے بیرونی حصہ کا تراشنا ہے اسی لحاظ سے کشتی کو سفینۃ کہا جاتا ہے (غ)

اِمرًا — امرا۔ اَمِرَ الاَمرُ کے معنی ہیں کہ بڑا و کثیر ہوا اور بہت ہوا۔ اسلئے اِمرٌ کے معنی منکر ہیں یعنی بُرا (غ) یا بڑی مصیبت والی منکرات اور بعض کے نزدیک یہ نکرًا سے بڑھکر ہے جو آگے غلام کے قتل پر آیا ہے اسلئے کہ کشتی کے توڑنے سے بہت آدمیوں کے غرق ہونے کا خطرہ تھا (ل)، خرق کیلئے دیکھو ۹۹۱ +

خضر کا کشتی توڑنا — اس رکوع میں ان تین واقعات کا ذکر ہے جو حضرت موسٰی اور خضر کو پیش آئے پہلا واقعہ کشتی کا توڑنا ہے اس میں جو لتغرق اھلھا ہے تو یہ مطلب نہیں کہ کشتی کو اس غرض کیلئے توڑا ہے بلکہ لام عاقبت کا ہے یعنی کشتی کو توڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کشتی والے غرق ہو جاتیں۔ خضر کے اس طرح کشتی توڑنے سے اور آگے غلام کو قتل کرنے سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ خضر ایک ایسا انسان

۷۴ فَانْطَلَقَا حَتّٰىٓ اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ

پھر دونوں چلے یہانتک کہ جب ایک جوان سے ملے تو اس نے اسے قتل کر دیا (موسیٰ نے) کہا کیا تو نے ایک بیگناہ جان کو بغیر جان کے (بدلے کے) مار ڈالا یقیناً تو نے

۷۵ شَيْئًا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ
۷۶

بہت بری بات کی ۱۹۴۷ کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہ کر سکے گا کہا اگر میں تجھ سے اسکے بعد کسی

عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝

بات کے متعلق سوال کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا تو میری طرف سے عذر (کی حد) کو پہنچ چکا ۱۹۴۸

تھا جسے عام آنکھیں نہیں دیکھتی تھیں۔ صرف حضرت موسیٰ دیکھتے تھے ورنہ لوگ اسے کشتی توڑنے یا قتل کرنے سے روک دیتے تو یہ صورت مکاشفہ کی ہوگی یعنی وہ صورت جب خضر کوئی انسان نہیں بلکہ فرشتہ سمجھا جائے اور نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ خضر بادشاہت کے خاندان سے تھے۔ اور ممکن ہے کہ انہیں خود بھی اس علاقہ میں کوئی ریاست یا بادشاہی حاصل ہو جس وجہ سے انہیں روکا نہیں گیا یا ان لوگوں کو ان پر اس قدر اعتقاد ہو کہ ان کے فعل کو وہ ناپسندیدہ نگاہ سے نہ دیکھتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ خرقہا سے مراد صرف اسی قدر ہو کہ اس کے توڑنے کا حکم دیدیا کیونکہ اگر فی الواقع توڑ دی ہوتی تو لوگ غرق بھی ہو جاتے۔ اور ایسا ہی غلام کے قتل کرنے میں بھی ممکن ہے مراد صرف اس کے قتل کا حکم ہو ایسے موقعہ پر اس قسم کے الفاظ کا بول دینا عام محاورہ ہے۔ اور یہاں بہرحال کشتی کو صرف عیب دار کر دیا ہے بالکل نہیں توڑا جیسا کہ آیت ۷۹ سے ظاہر ہے ۔

خضر خاندان بادشاہت سے تھے

۱۹۴۷ غلام کے لئے دیکھو ۱۹۴۷ پیدا ہونے سے لیکر جوانی تک غلام کہا جاتا ہے اور کہل کو بھی غلام کہدیتے ہیں اور یہاں بعض نے نابالغ قرار دیا ہے بعض نے بالغ (ر) ۔

غلام

زکیة ۔ زکا ، کے اصل معنی ہیں بڑھا اور ارضٌ زکیةٌ اچھی زمین کو کہتے ہیں اور آگے آتا ہے خیرا منہ زکوٰۃ (۸۱)، جہاں زکوٰۃ کے معنی صلاح ہیں اور یہی معنی حنانا من لدنا وزکوٰۃ (مریم ۱۹-۱۳) میں ہیں۔ اور آیت ۸۱ میں زکوٰۃ کے معنی عمل صالح بھی کئے گئے ہیں جیسے للزکوٰۃ فاعلون (المؤمنون ۲۳-۴) میں (ل)، پس زکیة کے معنی ہونگے اچھا بھلا اور مفسرین نے اس کے معنی نامیة یعنی نمو پکڑنیوالا اور مسلمة یعنی فرمانبردار رکھے ہیں (ج) ۔

زکا - زکیة
زکوٰۃ

نکرا ۔ نکر کیلئے دیکھو ۱۴۸۱ وغیرہ اور نکر بڑے سخت امر کو کہتے ہیں جو پہچانا نہیں جاتا (غ) ۔

نکرا

یہ دوسرا واقعہ ہے۔ اور گو مفسرین نے عموماً اسے بچہ قرار دیا ہے اس وجہ پر کہ اسے زکیة کہا گیا ہے لیکن اگر زکیة کے معنی بے گناہ بھی لئے جائیں تو مراد صرف اس قدر ہوگی کہ اس نے کوئی ایسا گناہ نہ کیا تھا جس کی وجہ سے اسے قتل کیا جاتا۔ چنانچہ بغیر نفس اسی لئے بڑھایا ہے کہ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا اور یہ نابالغ بچہ نہ تھا بلکہ جوان تھا کیونکہ سزائے قتل بلوغت پر ہی وارد کی جاتی ہے جب سے دنیا پیدا ہوئی کسی شخص نے خواہ نبی ہو یا رسول بچوں کو اسلئے قتل نہیں کیا کہ یہ بڑے ہو کر گنہگار ہو جائیں گے اگر یہ بھی کوئی قانون ہوتا تو پھر چاہیے یوں تھا کہ جتنے گنہگار ہونے والے ہوتے اللہ تعالیٰ انہیں بچپن میں ہی خود مار دیا کرتا یا کم سے کم کسی نبی کے وقت میں ایسے ہی اطلاع دیدیا کرتا کہ فلاں بچہ گنہگار ہوگا اسے قتل کر دو ۔

خضر کا ایک شخص کو قتل کر دینا ۔

۱۹۴۸ پہلے موقعہ پر حضرت موسیٰ نے بھول جانے کا عذر کیا تھا۔ اس دوسرے موقعہ پر یہ عذر نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھ گئے ہیں کہ واقعی میری طبیعت ہی ان باتوں کو برداشت نہیں کر سکتی لیکن وہ کہتے ہیں کہ ایک موقعہ مجھے اور دیدیا جائے اگر تیسری مرتبہ

حضرت موسیٰ کا اعتراف

فَانْطَلَقَا ٝ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا ۷۷

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس آئے جہاں کے لوگوں سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے انکار کیا کہ انکی مہمانی کریں

فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ○

اسمیں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی تو خضر نے اسے کھڑا کردیا موسیٰ نے کہا اگر تو چاہتا تو اس کی مزدوری لے لیتا ۱۹۴۹

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ ۷۸

کہا یہ مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہو اب میں تجھے اس کی اصل حقیقت کی خبر دیتا ہوں جس پر تو صبر نہیں

صَبْرًا ○ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ ۷۹

کرسکا جو کشتی تھی وہ تو مسکین لوگوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسے

اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ○ وَاَمَّا الْغُلٰمُ ۸۰

عیب دار کردوں اور ان سے پرے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا ۱۹۵۰ اور جو جوان تھا

فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ○

تو اسکے ماں باپ مومن تھے تو ہم ڈرے کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر میں مبتلا کردے گا

بھی میں برداشت نہ کرسکا تو معلوم ہوگا کہ اس علم کا حاصل کرنا میرے لئے موزون یا مقدر ہی نہیں ✣

۱۹۴۹ یرید ان ینقض۔ مجاز کے طور پر ہو گرنے کے قریب ہونے کو یوں ظاہر کیا گیا ہو کہ وہ ارادہ کررہی تھی کہ گر پڑے نیز دیکھو ۱۵۳

دیوار کا واقعہ — یہ تیسرا واقعہ ہو پہلے دونوں میں بظاہر کوئی نقصان تھا مگر یہاں فائدہ پہنچایا گیا تاہم یہاں اس لحاظ سے سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ ادنےٰ احسان بھی مہمانوں کے ساتھ نہ کرسکے ان کے ساتھ کیوں بغیر معاوضہ لئے کوئی نیکی کی جائے ✣

غصب — ۱۹۵۰ غصب۔ غَصْب کسی چیز کے ظلم سے لینے کا نام ہو (ل)، جدار کیلئے دیکھو ۱۳۲۸ ✣

کشتی توڑنے کیوجہ — اس سے معلوم ہوا کہ کشتی کو صرف عیب دار کردیا گیا تاکہ اپنے عیب کی وجہ سے ظلماً لیا جانے سے بچ رہے تو یہ ایک پرحکمت فعل تھا اور اس میں حضرت خضر کو جو اطلاع تھی تو بوجہ حالات سے واقف ہونے کے تھی۔ وحی کے ذریعہ سے یہ اطلاع دی گئی کہ کشتی کو پھاڑ کر بچادیں اسی کی طرف مافعلتہ عن امری میں اشارہ ہو۔ حضرت موسیٰ کو مقامی حالات کا علم نہ ہونے کیوجہ سے اسکی اطلاع نہ تھی اسلئے انکے دل میں اعتراض پیدا ہوا اس میں یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ جب قومیں الگ الگ پڑی ہوتی تھیں اور ایک دوسرے کے حالات سے خبر نہ تھی تو نبوتیں بھی مقامی ہوسکتی تھیں ایک قوم کا نبی دوسری قوم کیلئے ہدایت کا موجب نہ ہوسکتا تھا اسلئے کہ وہ ان کے حالات پر اطلاع پانے کے ذرائع نہ رکھتا تھا۔ اور شاید یہی حضرت موسیٰ کو سمجھایا گیا کہ کیوں انکی نبوت بنی اسرائیل تک محدود ہو اور کیوں انہیں وہ علم نہیں دیا گیا جو اور قوموں کیلئے بھی موجب ہدایت ہوسکتا تھا۔ اور قرآن کریم کے الفاظ تو بہت صاف ہیں کہ خضر کو کچھ بھلائی کی باتیں سکھائی گئی تھیں جو حضرت موسیٰ کو نہیں سکھائی گئیں اور احادیث میں جو خضر کیلئے لفظ اعلم آیا ہو تو اس سے مراد یہ نہیں کہ انہیں وہ علم بھی حاصل تھا جو حضرت موسےٰ

اسمیں قومی نبوت کی ضرورت پر استدلال

۸۱ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝

سو ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں صلاحیت میں اس سے بہتر اور رحم سے قریب تر (چیز) بدلہ میں دے ۱۹۵۱

کو تھا اور اس سے بڑھکر بھی کچھ علم حاصل تھا بلکہ مراد صرف اس قدر ہی کہ جو علم خضر کو تھا وہ موسیٰ کو نہ تھا اور جو موسیٰ کو تھا وہ خضر کو نہ تھا جیسا کہ خود حدیث کے الفاظ نے بھی واضح کر دیا وانت علی علم من علم اللہ علمک اللہ لا اعلمہ ٭

خضر کے حاکم ہونے پر استدلال

۱۹۵۱ خشینا ۔ خشیۃ کیلئے دیکھو ۱۴۸۶ اور اسکے معنی میں بھی خوف کیطرح (دیکھو ۱۵۲) علم کا مفہوم پایا جاتا ہی اور خضر کا صیغہ جمع استعمال کرنا سیاست پر دلالت کرتا ہی کہ ان کو حکومت حاصل تھی کیونکہ جمع کا صیغہ واحد کیلئے عموماً ایسے ہی موقعہ پر استعمال ہوتا ہی ٭

رُحم ۔ مرحمۃ

رُحما ۔ رَحم ۔ رَحِمَ سے مصدر ہی اور رُحْمَۃ اور مَرْحَمَۃ بھی اسی طرح مصدر ہیں و تواصوا بالمرحمۃ (البلد ۹۰ ۔ ۱۷) (ل) ٭

خضر کے جوان کو قتل کرنے کی وجہ اس کا فساد اور قزاکی تھی

اس کی توجیہہ مفسرین نے عموماً یہ کی ہی کہ حضرت خضر نے ایک معصوم بچہ کو اسلئے مار ڈالا کہ بڑا ہو کر یہ اپنے والدین کیلئے بھی موجب کفر ہو جائیگا اس کی تردید میں اوپر ۱۹۴۸ میں کر چکا ہوں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہی کہ حضرت خضر کو اللہ تعالےٰ کیطرف سے یہ علم دیدیا گیا تھا کہ بڑا ہو کر یہ لڑکا کافر ہوگا یا والدین کو بھی اپنی محبت کی وجہ سے کافر بنا دےگا مگر اس بنا پر بھی جب سے اللہ تعالیٰ کا قانون دنیا میں نافذ ہوا کبھی کسی شخص کو قتل نہیں کیا گیا اور نہ کسی شریعت میں ایسے قتل کا جواز ہوا ۔ اور یہ کہنا کہ یہ شریعت کی رو سے تو جائز نہیں مگر حقیقت کی رو سے جائز ہی خود شریعت کی ہتک ہی حقیقت زیادہ سے زیادہ سیاست کو کہا جا سکتا ہے کہ انسان کو ایک علم حاصل ہو جو دوسرے کو نہ ہو ۔ اور بس ۔ اگر خضر کو یہ علم ہوگیا تھا کہ یہ شخص قاتل یا ڈاکو یا مفسد ہی اور پھر انہوں نے اسے قتل کیا تو شریعت کے ماتحت یہ فعل ان کا آجاتا ہی لیکن اگر ان کو صرف یہ علم تھا کہ یہ بڑا ہو کر کافر یا مفسد بن جائیگا تو اس بنا پر کوئی شریعت کوئی خدا کا قانون کوئی انسان کا قانون اسے جائز نہیں ٹھہراتا اور تعجب یہ ہی کہ آثار میں ایسی باتوں کے موجود ہوتے ہوئے جو امر اول کو ظاہر کرتی ہیں اور حضرت خضر کے اس فعل کو بروئے شریعت جائز ٹھہراتی ہیں مفسرین عموماً امر دوم کی طرف ہی چلے گئے ہیں ۔ آثار میں ہی کہ یہ جوان فساد برپا کرتا تھا اور ایک روایت میں ہی کہ ڈاکے مارتا تھا اور پھر اپنے ماں باپ کے سامنے قسم کھا دیا کرتا تھا کہ میں نے ایسا فعل کوئی نہیں کیا تو وہ اس سے قصاص نہ لینے دیتے تھے اور اسکی حمایت کرتے تھے (د) خود قرآن شریف میں

رَھَق

اول لفظ رھق موجود ہی اور اَرْھَقَ کے معنی ہیں غَشِیَہٗ بِقَہْرٍ (غ ، ۱۹۴۹) یعنی زبردستی یا غلبہ سے ڈھانک لینا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین پر بھی وہ کچھ جبر کرتا تھا ۔ دوسرے لفظ طغیان موجود ہی جس کے معنی ہیں حد سے گزر جانا تو یہاں کفر میں حد سے گزرنے کا ذکر

طغیان

نہیں کیونکہ کفر کا لفظ الگ بعد میں لایا گیا ہی بلکہ فساد اور قانون کی نافرمانی میں حد سے گزرنا ہی اور ان معنوں میں یہ لفظ قرآن شریف میں بکثرت آیا ہی جیسے فی طغیانہم یعمھون (البقرۃ ۲ ۔ ۱۵) جہاں پہلے ان کے فساد فی الارض کا ذکر ہی اور دوسرے کو طغیان میں وہی مبتلا کر سکتا ہی جو پہلے خود اس کا ارتکاب کرتا ہی جس سے معلوم ہوا کہ واقعی یہ شخص مفسد تھا تیسرے خیرا منہ زکوٰۃ بھی بتاتا ہی کہ اس میں صلاحیت نہ تھی اور چوتھا امر اقرب رحما سے ظاہر ہی کہ اس میں رحم نہ تھا تو ان الفاظ قرآنی سے اور آثار سے صاف ظاہر ہی کہ یہ جوان کوئی مفسد تھا جو بوجہ اپنے والدین کی عزت اور مرتبت کے یا ان کی حمایت کے قانون کی گرفت سے بچا ہوا تھا ۔ اور اس کا فساد ظاہر رنگ میں اتنا عیاں نہ تھا اسلئے حضرت موسیٰ کو اعتراض ہوا مگر حضرت خضر کو بوجہ علم حالات اصل حقیقت سے آگہی بھی تھی اور اللہ تعالےٰ کا حکم بھی آگیا کہ بغیر اس کے قتل کے اس کا فساد رفع نہیں ہو سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ بھی ممکن ہی کہ واقعی اسکے جرم کی شہادت ظاہر طور پر نہ ملتی ہو اور حضرت خضر کو اللہ تعالیٰ نے اطلاع دیدی ہو مگر الفاظ قرآنی سے یہ لازماً نتیجہ نہیں نکلتا ۔ رہی یہ بات کہ اس کا کیا مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ والدین کو اس سے بہتر صلاحیت اور قریب تر رحم والا بدلہ میں دے تو اس سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہی کہ جب وہ ایک مفسد کی حمایت کو چھوڑ دینگے تو یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور اولاد نہیں دیگا بلکہ

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ ۸۲

اور جو دیوار تھی تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا اور ان کا

اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً

باپ صالح تھا سو تیرے رب نے چاہا کہ وہ اپنی قوت کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں (یہ) تیرے رب

مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ۗ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۗ

کیطرف سے رحمت (ہوئی) اور میں نے اپنے اختیار سے یہ نہیں کیا یہ اس کی اصل حقیقت ہے جس پر تو صبر نہ کر سکا ۱۹۵۲

یہی ان کا فعل اللہ تعالیٰ کو ایسا پسند آئیگا کہ اس سے بہتر اولاد انکو دیدیگا اور یا ذکوۃ کے معنی صرف پاکیزگی بلکہ اچھے نتیجہ کیطرف اشارہ ہو سکتا ہے یہاں بھی حضرت خضر کو خاص حالات قومی کا علم ہے جو حضرت موسیٰ کو نہیں ❊

۱۹۵۲ تسطع۔ اصل میں تستطع ہے تائے افتعال کو تخفیف کیلئے ساقط کر دیا گیا ہے اور یہاں بعض نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ آخر میں تخفیف کی وجہ یہ ہے کہ اس بیان کے سبب سے حضرت موسیٰ کے دل پر وہ بوجھ نہ رہا تھا جو پہلے تھا ❊

بلا اُجرت دیوار بنانے کیوجہ نااہل لوگوں کے کسی بزرگ کی نیکی ہے

دیوار بلا اُجرت بنا دینے کی وجہ یہ بتائی کہ گو انہوں نے خود تو ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا مگر ان کا والد نیک آدمی تھا اسکی نیکی کی وجہ سے ان نااہل لوگوں کے ساتھ بھی نیکی کرنا ضروری تھا اور اسی معاملہ کو رحمۃ من ربك کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ میں نے اپنے اختیار سے ایسا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ایسا کیا ہے اور جعفر صادق نے کہا ہے کہ یہ ساتویں پشت میں ان کا جد امجد تھا جس کا ذکر یہاں ہے اور بعض نے کہا دسویں پشت میں (د) یہاں بھی حضرت خضر کا خاص حالات قومی کا علم نظر آتا ہے گو تینوں جگہ حضرت خضر کے فعل کی وجہ امر الٰہی ہے اور ما فعلته عن امری تینوں واقعات کے متعلق ہے۔

ذکر کنز میں آنحضرت کی پیشگوئی

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے بیان کے شروع میں میں نے کہا تھا کہ اس میں آنحضرت صلعم کی صداقت کی طرف خاص اشارہ ہے اور یہ صرف میرا قیاس نہیں بلکہ حضرت ابن عباس اور حضرت علی اور دیگر سلف کے اقوال سے بھی مستنبط ہوتا ہے۔ اس آیت میں جو لفظ کنز آیا ہے اس کی ایک توجیہ مال و دولت تو ظاہر ہے لیکن حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ سونا چاندی نہ تھا بلکہ علم کے صحیفے تھے۔ اور یہی حضرت علی اور ابن جبیر اور ابوذر سے مروی ہے اور ابن عباس کی ایک روایت میں یہ صاف لفظ ہیں کہ یہ ایک سونے کی تختی تھی جس پر چند نصائح کے بعد آخری لفظ یہ تھے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (د) تو اس صورت میں حضرت نبی کریم صلعم کا ذکر بتاتا ہے کہ موسیٰ اور خضر کے بیان کی اصل غرض بھی یہی ہے کہ وہ رسول جو ہر قسم کے علوم کا جامع ہوگا اور جو ہر قوم کیلئے ہدایت لائیگا اور جسے رشد کی ساری راہیں بتائی جائیں گی وہ موسیٰ نہیں ہو سکتے بلکہ محمد رسول اللہ صلعم ہیں۔ اور رحمۃ من ربك میں اسی طرف اشارہ ہے ❊

موسیٰ اور خضر کے واقعات میں آنحضرت کی صداقت کا اظہار

اب خواہ خضر کو فرشتہ قرار دے کر ان واقعات کو حضرت موسیٰ کا ایک کشف مانا جائے اور خواہ انہیں ایک نبی مان کر ظاہری واقعات ہوں دونوں صورتوں میں ان باتوں کے بیان کرنے کی اصل غرض کچھ اور ہے اور وہ رسول اللہ صلعم کا ذکر ہے اور اسکی طرف یہ آخری آیت صاف اشارہ کرتی ہے پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک کشتی کو عیب دار بنایا گیا تھا تا کہ ایک ظالم بادشاہ اس پر قبضہ نہ کرے

واقعہ کشتی اور ملک عرب کی حالت

اس میں ملک عرب کی حالت کیطرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جہاں سے آفتاب نبوت طلوع ہوتا تھا اور کشتی کے ساتھ اسے مشابہت دینے کی یہ غرض ہے کہ جس طرح کشتی طوفان سے نجات دیتی ہے اسی طرح انبیاء کا پیغام بھی نجات عالم کا موجب ہوتا ہے۔ ملک عرب کیلئے اللہ تعالیٰ

ع ۱۱ (۱۹) ذوالقرنین اور خروج یاجوج و ماجوج

۸۳ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝

اور تجھ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں   کہو میں اس کا کچھ ذکر   تم پر پڑھوں گا ۱۹۵۳

نے یہ پیغام اسلئے مخصوص کیا تا ایک ریگستانی ملک فاتحین دنیا کیلئے کسی کشش کا موجب نہ ہوا اور وہاں ایک آزاد قوم پرورش پا کے دنیا میں خدا کے پیغام کی حامل بنے یہودیوں اور عیسائیوں کا پہلا اعتراض اسلام پر یہی تھا کہ یہ نبی ملک عرب میں کیوں ہوا۔ اور قتل غلام میں اس سب سے بڑے اعتراض کا جواب دیا جو یہودیوں اور عیسائیوں کو اسلام پر ہے کہ نبی صلعم نے یہود کی ایک قوم کے بڑے بڑے آدمیوں کو قتل کروا ڈالا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ مفسد تھے۔ اگر ان مفسدوں سے مدینہ کو پاک نہ کیا جاتا تو حق زندہ نہ رہ سکتا تھا۔ اور تیسرے واقعہ کو لا کر یہ بتایا ہے کہ وہ شخص جو بلا کسی اجرت کے لینے کے دن رات ان لوگوں کی اصلاح میں لگا رہتا ہے جو اس سے طرح طرح کی بدسلوکی کرتے ہیں وہ کسی کے خون کا پیاسا کب ہو سکتا ہے وہ شخص جسے بادشاہت ملتی ہے تو وہ ایک فقیر کی طرح زندگی بسر کرتا ہے وہ شخص جس کا دل انسانوں کے مصائب پر غم سے پگھلتا ہے بادشاہت کا خواہاں نہیں ہو سکتا نہ کسی انسان کی دشمنی کا خیال اسکے دل میں آ سکتا ہے اور دو یتیم غلاموں میں جن کا ایک خزانہ دیوار کے نیچے ہے۔ اشارہ یہود و نصاریٰ کیطرف ہے جنکے جد صالح حضرت ابراہیم یا خود حضرت موسیٰ ہیں اور انکی دیوار کو سیدھا کر دینے سے مراد توریت و انجیل کا منجانب اللہ تسلیم کر لینا ہے اور اس دیوار کے نیچے کنز وہی پیشگوئیاں ہیں جن میں محمد رسول اللہ صلعم کا ذکر ہے تا کہ یہ لوگ جب اپنے قوائے روحانی سے پورا کام لیں تو انہیں سمجھ آ جائے کہ واقعی توریت اور انجیل نے انہیں اسی طرف ہدایت کی تھی۔ آثار نے اس آخری بات کیطرف ہدایت کر کے سارے معاملہ پر صفائی سے روشنی ڈال دی ہے +

واقعہ قتل اور آنحضرت پر بیگناہوں کے قتل کا جھوٹا الزام

واقعہ کنز اور آنحضرت کے متعلق پیشگوئیاں

نبوت خضر

ما فعلته عن امری خضر کی نبوت اور رسالت پر صریح دلیل ہے +

ذوالقرنین کون تھے

۱۵۲۳ ذوالقرنین۔ قرن کے معنی نسل بھی ہیں دیکھو ۹۰۶ اور قرن سینگ کو بھی کہتے ہیں ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ میں بہت سی روایات ہیں ابن جریر کہتے ہیں کہ اہل کتاب کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں وہ دو بادشاہتوں کا مالک تھا یعنی روم اور فارس کا بعض کہتے ہیں اسکے سر میں دو سینگوں سے مشابہ کوئی چیز تھی بعض کہتے ہیں اسکے سر کی دونوں طرفیں تانبے کی تھیں۔ وہ کون تھا مفسرین میں سے بعض نے اسے فرشتہ بھی کہدیا ہے۔ اکثر کا یہ قول ہے کہ وہ ایک عبد صالح تھا جسے اللہ تعالیٰ نے حکومت بھی دی تھی اور اسے علم و حکمت اور ہیبت دی تھی اور بعض اسکی نبوت کے بھی قائل ہیں۔ مگر اسکی تعیین کسی نے نہیں کی کہ کون تھا۔ اس عقدہ کا حل بائبل سے ہوتا ہے جہاں دانیال کی رویا میں دو سینگ کے مینڈھے کا ذکر ہے اور اسکی تعبیر بھی وہیں موجود ہے "وہ مینڈھا جسے تونے دیکھا کہ اسکے دو سینگ ہیں سو مادہ اور فارس کے بادشاہ ہیں" (دانیال ۸ : ۲۰) مادہ اور فارس کے بادشاہوں میں سے دارائے اول (۵۲۱ تا ۴۸۵ قبل مسیح) وہ شخص ہے جس پر قرآن شریف کا بیان جو یہاں ذوالقرنین کے متعلق ہے صادق آتا ہے۔ چنانچہ جیوش انسائیکلوپیڈیا یا دائرۃ المعارف یہود میں اس کے متعلق [illegible] راد قید کرنیکی گہ "دارا ایران کی شہنشاہت کی تنظیم کرنیوالا تھا۔ اسکی فتوحات نے اسکی سلطنت کی حدود کو آرمینیا اور کوہ قاف اور ہند ما ضامعان اور تورانی پہاڑوں اور وسط ایشیا کے مرتفع میدانوں میں درست کر دیا" اور انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا میں ہے "دارا اپنے کتبوں کی بنا ملنا سے زردشت کے سچے مذہب کا پکا پیرو معلوم ہوتا ہے مگر وہ بڑا مدبر اور بڑا منتظم بھی تھا۔ فتوحات کا وقت انجام کو پہنچ گیا تھا اور للح الل نے جو لڑائیاں اختیار کیں ان سے یہ فائدہ ہوا کہ سلطنت کیلئے مضبوط قدرتی حدود مل گئیں اور اسکی حدود پر جو وحشی اقوام تھیں اجانب ان کی طرف سے امن ہو گیا۔ چنانچہ دارا نے پانٹک اور آرمینیا کے پہاڑوں کی وحشی اقوام کو مسخر کیا اور سلطنت ایران کی حدود بسنتر کو کوہ قاف تک وسیع کیا۔ اسی وجہ سے اس نے ساسی اور دوسری تورانی قوموں سے بھی لڑائی کی" ان باتوں کا جو یہاں بیان بیلجی ہوئی ہیں اگر قرآن کریم سے مقابلہ کیا جائے تو صاف نظر آ جائیگا کہ قرآن کریم نے ذوالقرنین کے نام سے جو

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتَّىٰ إِذَا ۸۴ ۸۵ ۸۶

ہم نے اسے زمین میں طاقت دی تھی اور ہر قسم کا سامان اسے دیا تھا ۱۹۵۴ سو وہ ایک راہ پر چلا۔ یہاں تک کہ جب

بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا

وہ ادھر جا پہنچا جدھر سورج ڈوبتا تھا اسے ایک سیاہ کیچڑ والے پانی میں ڈوبتے ہوئے پایا اور اسکے پاس ایک قوم کو پایا

قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ ۸۷

ہم نے کہا اسے ذوالقرنین چاہو تو سزا دو اور چاہو تو اُن سے بھلائی کا معاملہ کرو ۱۹۵۵ اس نے کہا جو ظلم کرے ہم اسے

نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْرًا ۝

سزا دیں گے۔ پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائیگا تو وہ اسے بہت بڑا عذاب دیگا۔

دانیال کی رویا کی بنا پر اس کا نام تھا۔ دارائے اول کا ہی ذکر کیا ہے اور اس میں بھی قرآن کریم کے کمال علم پر دلالت ہے اور اس کے

ذوالقرنین کے یہاں ذکر کی وجہ

یہاں ذکر کی وجہ ایک تو یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ بھی ایک قوم کا نبی تھا اور یوں یہود اور نصاریٰ کو یہ بتایا ہے کہ نبوت اُنکی قوم سے مخصوص نہیں دوسری قوموں کے انبیاء کا ذکر کرنے میں شاید یہ بھی سمجھانا مقصود ہو کہ یہود اور نصاریٰ جو نبی آخر زمان کے عرب میں سے ہونے پر معترض تھے انہیں بتایا جائے کہ نبوت خدا کی ایسی نعمت نہیں جسے اس نے بنی اسرائیل سے مخصوص کیا ہو۔ اور دوسرے چونکہ ذوالقرنین کا ذکر یاجوج ماجوج کے ذکر پر ختم ہوتا ہے اور ساتھ ہی یاجوج ماجوج کے آخری زمانہ میں خروج کا بھی ذکر ہے اور یاجوج ماجوج عیسائی اقوام ہیں اسلئے اس ذکر کو اس سورت کے ساتھ خاص مناسبت ہے ✦

سبب

۱۹۵۴ سبب۔ ہر ذریعہ کو کہتے ہیں جس سے دوسری چیز کی طرف پہنچا جائے دیکھو ۲۰۴ اور یہاں راغب نے مراد ہر چیز کی معرفت اور اس کا ذریعہ لیتے ہیں اور ابن جریر نے علم معنی لئے ہیں اور اگلی آیت میں۔ سبب کے معنی یا تو ذریعہ یا سامان ہی ہیں اور مراد ہے سامان سفر اور یا اس کے معنی منزل اور طریق یعنی رستہ ہیں (ج) کیونکہ رستہ بھی کسی جگہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہے

کل شیٔ

اور ہر چیز سے مراد اس کی ضرورت کی ہر شے ہے یعنی جس چیز کی اسے اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے کیلئے ضرورت تھی اور مکنا لہ کیلئے دیکھو ۹۰۶

مغرب الشمس

۱۹۵۵ مغرب الشمس کے معنی کئے گئے ہیں منتہی الارض من جہۃ المغرب یعنی مغرب کیطرف الارض کا انتہائی مقام مگر الارض سے مراد یہاں روئے زمین لینا غلطی ہے اس سے مراد اس کا اپنا ملک ہے اور خاص ملک کے معنی میں یہ لفظ کثرت سے آتا ہے خود قرآن شریف میں بھی کئی جگہ ہے جیسے ان الارض یرثہا عبادی الصلحون (الانبیاء ۲۱ - ۱۰۵) اور مغرب الشمس سے مراد اس کی مغربی سرحد ہے۔ اور وہیں تک وہ جا بھی سکتا تھا ✦

عین۔ حمئۃ

عین حمئۃ۔ عین پانی کی افراط ہے یا وہ جگہ جہاں پانی جمع ہوتا اور رہتا ہے (ت)، اور حمئۃ سیاہ کیچڑ یا سیاہ کیچڑ والا پانی بحیرہ اسود ہے جس کا نام بسبب اسکے پانی کی سیاہی کے اسود ہے اور اس کی سیاہی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ دارائے اول کی حکومت مغرب میں بحیرہ اسود تک پہنچی ہوئی تھی ✦

ذوالقرنین کا سفر مغرب

سب سے پہلے قرآن کریم نے دارا کے مغربی سفر کا ذکر کیا ہے جو بحیرہ اسود پر جا کر ختم ہو گیا اسکے بعد سفر مشرق شمال کے سفر کا جو کوہ قاف کی طرف تھا۔ قرآن کریم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ واقعی سورج سیاہ پانی میں ڈوبتا ہے۔ ملک عرب کیلئے انہیں ایک نبی مان کر ظاہری ... صلعم کا ذکر ہے اور اسکی الم بادشاہ اس پر قبضہ کرے ... کے ساتھ اسے مشابہت

۸۹ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ

اور جو کوئی ایمان لاتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے تو اُس کے لئے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اسے اپنے معاملہ میں سہل بات کہیں گے ۱۹۵۶ پھر وہ ایک

۹۰ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝

(اور) راہ پر چلا۔ یہاں تک کہ جب وہ (ادھر) پہنچا جدھر سورج نکلتا تھا تو اسے ایک ایسی قوم پر نکلتے ہوئے پایا جن کیلئے ۱۹۵۷ ہم نے اس سے بچنے کے لئے کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی

ذوالقرنین نے ایسا پایا کیونکہ جب وہ خشکی کی سرحد پر پہنچ گیا تو آگے پانی ہی پانی تھا اور اسی میں اسے سورج ڈوبتا ہوا معلوم ہوا جیسے طرح آگے ہی وجدھا تطلع علی قوم اسے ایک قوم پر چڑھتے ہوئے پایا یہ مراد نہیں کہ واقعی اس قوم میں سے سورج طلوع ہوتا تھا۔ اسی طرح یہاں یہ مراد نہیں کہ واقعی سورج سیاہ پانی میں ڈوبتا تھا۔ اور غروب یا مغیب کے معنی ڈوبنا نہیں بلکہ غائب ہو جانا یعنی نظر سے اوجھل ہو جانا اور دور نکل جانا ہیں دیکھو ۱۱۶ پس یہ خیال سرے سے ہی غلط ہو کہ پانی میں سورج ڈوب جاتا تھا +

نبوتِ ذوالقرنین

آیت کے پچھلے حصہ سے معلوم ہوتا ہو کہ ذوالقرنین نبی بھی تھے کیونکہ ایک تو یہاں اللہ تعالیٰ کا انکے خطاب ہو جسمیں عذاب دینا کا اختیار دیا گیا ہی معلوم ہوتا ہو کہ انہیں وحی ہوتی تھی اور یہ ان کی نبوت پر ایک دلیل ہو دوسرے ایک قوم کے ان سے مقابلہ کا ذکر ہے۔ اور اپنی مخالفت پر وہ کہتے ہیں کہ جو شخص ظلم کرے گا اسے یہاں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی اسے عذاب ملیگا اور یہ بات صرف ایک نبی ہی کہہ سکتا ہو اور یہ جو اختیار دیا ہے۔ کہ چاہو تو سزا دو اور چاہو تو اچھا معاملہ کرو تو مراد یہ ہو کہ اس قوم میں سے جس سے چاہو وہ سلوک کرو جس سے چاہو یہ اس کی وجہ اگلی آیت میں مذکور ہو۔ اور حسنا سے مراد امرًا ذا حُسْنٍ یعنی خوبی کا معاملہ ہو۔ اور یہاں مراد ان سے احسان کرکے ان کو معاف کر دینا ہو +

مکذبین اور مومنین ذوالقرنین کا انجام

۱۹۵۶ یہاں ایسے ہی دو گروہوں کا ذکر ہو جو انبیاء کے معاملہ میں ہو جاتے ہیں یعنی ایک گروہ تو وہ جو ایمان لاتا اور عمل صالح کرتا ہے اور دوسرا گروہ محض منکروں کا نہیں ہوتا بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو حق کی مخالفت کرتے اور اہل حق پر ظلم کرتے ہیں جبکہ یہاں من ظلم کہا ہو اور اس سے مراد محض ارتکاب شرک نہیں بلکہ یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ کوئی ایسی قوم تھی جس کی طرف سے پہلے کسی قسم کی زیادتی ہو چکی ہو اس لئے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں بھی پہلے اما ان تعذب ہی رکھا ہو اور ذوالقرنین نے بھی پہلے سزا کا اور ظالموں کا ہی ذکر کیا ہو اور یہ مہم اسی قوم کی سزا کیلئے تھی لیکن چونکہ انبیاء صرف سزا کیلئے نہیں ہوتے اسلئے پھر بھی اس قوم کو موقعہ دیا ہو کہ جو ان میں سے ایمان لائے ان پر کوئی سختی نہ کی جائے گی سنقول لہ من امرنا یسرا لیکن جو پھر بھی ظلم اور مخالفت کو نہیں چھوڑتا تو اس کو اس دنیا میں بھی سزا دی جائیگی مفسرین نے فنسوف نعذبہ میں صرف سزائے قتل کو لیا ہو حالانکہ قرآن شریف نے قتل کا ذکر نہیں کیا اسلئے مراد کوئی سزا ہو جو ان لوگوں کے لائق حال ہو۔ اور یسرا سے مراد ذا یسر یعنی سہولت کی بات ہو۔ اور جن لوگوں نے آیت ۸۶ میں حسن کے معاملہ سے مراد قید کرنا لیا ہو گویا وہ قتل کے مقابل پر اچھا معاملہ ہو تو نہ صرف وہ الفاظ ہی ان کے اس خیال کو باطل کرتے ہیں کیونکہ احسان کا تقاضا معافی ہو بلکہ یہاں جزاء الحسنٰی کے لفظ بھی اس کی تردید کرتے ہیں۔ جو لوگ قید ہونے کے قابل ہوں انکو آخرت میں جزاء حسنٰی ملنا بے معنی ہو +

مطلع الشمس

۱۹۵۷ مطلع الشمس۔ طلع کیلئے دیکھو نمبر ۹۹ مطلع الشمس کے معنی کئے ہیں غایۃ الارض المعمورۃ من جھۃ المشرق (ل) یعنی مشرق کی جانب آخری آبادی۔ مگر یہاں بھی آخری آبادی سے مراد اس کی اپنی مملکت کی آخری آبادی ہو نہ روئے زمین کی آخری آبادی

ستر

ستر۔ سِتر کے معنی کسی چیز کا ڈھانک دینا ہیں اور یہاں ستر نہ ہونے سے مراد عمارتوں کا نہ ہونا ہو جیسا کہ ایک حدیث میں ہے ۔۔۔ لم یبن فیھا بناء قط (ل) +

كَذٰلِكَ ۖ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ ٩١ ٩٢ ٩٣

ایسا ہی تھا۔ اور جو اس کے پاس تھا ہمیں اس کا پورا علم تھا ١٩٥٨ پھر ایک (اور) راہ چلا یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا

مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ ٩۴

تو ان سے ورے ایک قوم کو پایا جو قریب نہ تھا کہ بات نہ سمجھیں ١٩٥٩ اُنہوں نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج اور ماجوج ١٩٦٠

سرحد کا سفر

یہ ذوالقرنین کا شرقی سفر ہے جو حدود کی مضبوطی کیلئے کیا۔ اور اس طرف اس کی مملکت کی انتہا اس قوم پر تبائی ہے جو عمارتیں بنا کر نہ رہتے تھے یعنی خانہ بدوش اقوام تھیں +

لشکر اور سامان

١٩٥٨ یعنی جو کچھ لشکر یا سامان حرب وغیرہ اس کے پاس تھا اس کا ہمیں علم تھا مطلب یہ کہ ان مہمات کیلئے اسکے پاس ہر قسم کا کافی سامان تھا

١٩٥٩ سدین۔ سَدّ کیلئے دیکھو ١٩٤٦۔ ہر ایک مانع سد ہے (غ) وجعلنا من بین ایدیہم سدا ومن خلفہم سدا (یٰسٓ ٣٦: ٩) اور دیوار کو اور پہاڑ کو بھی سد کہتے ہیں (ل) اور یہاں سدین سے مراد جیسا کہ ابن عباس سے مروی ہے۔ آرمینیا اور آذربائیجان کے دو پہاڑ ہیں +

سدین سے مراد

لا یکادون یفقہون قولا سے مراد ہے کہ وہ زبان نہ سمجھتے تھے یعنی ان کی زبان اور تھی۔ یہ ذوالقرنین کا شمالی سفر ہے اور سب سے زیادہ خطرہ اسی طرف سے تھا انسکلو پیڈیا برٹینیکا میں ہے کہ "میڈیا کے شمال میں جو اقوام تھیں وہ ایرانی یا انڈو یوروپین نہ تھیں بلکہ آرمینیا کے پہلے باشندوں کی طرح وہاں کی اصلی قومیں تھیں جو شاید کوہ قاف کی بیشمار قوموں سے تھیں" +

یاجوج و ماجوج کی وجہ تسمیہ

١٩٦٠ یاجوج و ماجوج۔ اَجِیج سے یَفْعُول اور مَفْعُول کے وزن ہیں اور اجیج آگ کے شعلہ مارنے یا بھڑکنے کو کہتے ہیں اور اَجّ کے معنی اَسْرَعَ بھی ہیں یعنی تیز چلا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں سے دو قبیلے ہیں اور ماء اُجاج کھارے پانی کو کہتے ہیں یا اسکو جس کا کھاری پن بہت سخت ہو (ل) ھٰذا ملح اجاج (فاطر ٣٥: ١٢) اور یاجوج اور ماجوج کو انکے کثرت اضطراب کی وجہ سے شعلے مارنے والی آگ سے اور موجیں مارنے والے پانیوں سے تشبیہ دی گئی ہے (غ) اور اَجّ سے مشتق ہونے میں شاید یہ اشارہ ہو کہ یہ قومیں آگ سے بہت کام لینگی اور یاجوج و ماجوج آدم کی نسل سے ہیں جیسا کہ صحیحین سے ثابت ہے (ث) اور بعض کے نزدیک وہ یافث بن نوح کی اولاد سے دو قبیلے ہیں اور ترک بھی انہیں میں سے ہیں جو دیوار سے ادھر چھوڑ جانے کی وجہ سے ترک کہلائے اور کعب احبار سے روایت ہے کہ یاجوج ماجوج آدم کی اولاد میں سے ہیں مگر حوا سے نہیں (ر) پس یاجوج ماجوج نسل انسانی میں سے ہیں انکے متعلق جو بعض الفاظ احادیث میں آتے ہیں جن سے بعض کو یہ خیال گزرتا ہے کہ وہ ہماری طرح کے آدمی نہیں تو لازماً وہ استعارہ کے رنگ کے ہیں۔ اور اس بارہ میں سب روایات قابل قبول بھی نہیں مثلاً یہ قول جو حضرت ابن عباس کیطرف منسوب ہے کہ انکے قد ایک بالشت اور دو بالشت یا زیادہ سے زیادہ تین بالشت ہیں۔ یا یہ کہ ان میں سے ایک مرتا ہے تو ایک ہزار ذریت چھوڑتا ہے جس کو مرفوع بھی بتایا جاتا ہے مگر منکر قرار دیا گیا ہے یہودی انسکلو پیڈیا میں ہے کہ جوزیفس ان کو وہی قوم بتاتا ہے جو سیتھین کہلاتی ہے

حدیث و آثار کی شہادت کہ یاجوج ماجوج ہماری طرح آدمی ہیں

اجاج

یاجوج ماجوج کی اصلیت پر انسکلو پیڈیا

اور جیروم بھی کہتا ہے کہ میگاگ (یاجوج) کوہ قاف سے پرے بحیرہ خضر کے قریب تھا۔ انسکلو پیڈیا برٹینیکا بھی اسی رائے کا مؤید ہے یعنی انہیں سیتھین قومیں قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شمال کی بہت سی اقوام میں سے کسی ایک یا سب پر اس لفظ کا استعمال ہو سکتا ہے اور بائیبل میں ہے "خداوند کا کلام مجھکو پہنچا اور اس نے کہا کہ اے آدمزاد تو جوج کے مقابل جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے اپنا منہ کر اور اسکے برخلاف نبوت کر اور کہہ کہ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے جوج روش اور مسک اور توبال کے سردار میں تیرا مخالف ہوں اور میں پھیر کے تجھے پھرا دوں گا اور تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا" حزقی ایل ٣٨: ١-۴)

بائیبل کی شہادت کہ یاجوج ماجوج اقوام یورپ ہیں

مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَہَلۡ نَجۡعَلُ لَکَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَہُمۡ سَدًّا ۝

اس ملک میں فساد کرنے والے ہیں۔ تو کیا ہم تیرے لئے کچھ خرچ مہیا کردیں تاکہ تو ہمارے اور اُن کے درمیان ایک روک بنادے ۱۹۶۱

یہاں تین نام یاجوج ماجوج کے ذکر میں آئے ہیں۔ روش مسک اور توبال بمفسرین بائبل ایسے صریح الفاظ سے گھبراکر ان ناموںکو ایشیاکوچک میں تلاش کرتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں روش سے مراد روس نہیں؟ کیوں اسلئے کہ اس صورت میں پیشگوئی اپنے ہی گھر کے خلاف ثابت ہوتی ہے۔ مگر واقعات ایسے زبردست ہیں کہ ان کے سامنے یہ انکار قایم نہیں رہ سکتا یاجوج ماجوج کا کوہ قاف کے شمال میں ہونا ایک امر مسلم ہے جسے یہودی انسکلو پیڈیا اور انسکلو پیڈیا بری ٹینیکا دونوں میں صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ اب ایشیائے کوچک میں ان ناموں کو تلاش کرنا عبث کوشش ہے۔ کوہ قاف کے شمال میں روس بھی ہے اور مسک اور توبال بھی موجود ہیں۔ متوخرالذکر دونوں ناموں کے دو دریا دمسکوا اور توبال، کوہ قاف کے شمال میں ملک روس میں بہہ رہے ہیں اور ان میں سے اول یہ ماسکو کا قدیم شہر آباد ہے اور موخرالذکر پر توبالسک۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ جوج یا یاجوج جس کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد روس ہی ہے نہ کچھ اور لیکن یاجوج ماجوج میں سے ایک روس ہے۔ یا سلافی قوموں کا مسکن ہے یا ماجوج ٹیوٹن قوموں کا مسکن ہے یا نہیں۔ گو اسکی تائید میں میں کوئی دلائل پیش نہیں کرسکتا مگر اقوام یورپ کے ایک حصہ پر اس صراحت سے یاجوج نام کا صادق آنا جو خود بائبل اور انسکلوپیڈیا سے ثابت ہے کوئی شک باقی نہیں رہنے دیتا کہ ماجوج سے مراد بھی انہی قوموں کا کوئی دوسرا عظیم الشان حصہ ہے۔ اور لندن کے گلڈ ہال کے سامنے یاجوج اور ماجوج کے بتوں کا نصب ہونا جنکی اصلیت بھی بہت پرانے زمانے کی بتائی جاتی ہے یعنی اس قسم کے بت ہنری خامس کے زمانہ میں بھی موجود تھے۔ بتاتا ہے کہ جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہیں وہی درست ہے اور ممکن ہے کہ ابتدا میں ان قوموں کے باہم تعلقات بھی ہوں یا یہ ایک ہی قوم کی دو شاخیں ہوں ✤

خرج خراج

۱۹۶۱ خرج خَرۡج اور خَرَاج وہ چیز ہے جو لوگ سال میں ایک دفعہ معلوم اندازہ سے اپنے مال سے نکالتے ہیں یا خراج جو لوگوں کے مال سے لیا جاتا ہے (ل)، ام تسألہم خرجًا فخراج ربک خیر (المؤمنون ۲۳ - ۷۲) اور خَرۡج میں خراج کی نسبت وسعت ہے اور آمد کے مقابل یعنی خرچ کو بھی خرج کہا جاتا ہے (غ) ✤

یاجوج و ماجوج کا دوبارہ فساد اور ترکوں پر حملہ

یاجوج و ماجوج کے فساد سے کیا مطلب ہے ابن کثیر میں ہے یخرج منہا یاجوج و ماجوج علی بلاد الترک فیعثون فیہا فسادا و یہلکون الحرث والنسل یعنی اس جگہ سے یاجوج و ماجوج ترکوں کے ملک پر حملہ آور ہونگے اور وہاں فساد برپا کرینگے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرینگے۔ احادیث میں یاجوج ماجوج کے ایک خروج کا آخری زمانہ میں ذکر ہے جس کی طرف آگے آیت ۹۸ و ۹۹ میں اشارہ ہے اور یہ دونوں خروج ترکوں پر حملہ سے ہی مخصوص معلوم ہوتے ہیں۔ خروج اول میں جو قوم ہے وہ بھی جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ترک ہی معلوم ہوتے ہیں وہ گو ان میں سے ہوں یا نہ ہوں لیکن اس میں کچھ شک معلوم نہیں ہوتا کہ دیوار جس کے بنانے کا یہاں ذکر ہے اسکے جنوب کی طرف جو قوم رہ گئی وہ ترک ہی تھے اور شمال کی طرف کی جو اقوام رہ گئیں وہ یاجوج ماجوج تھیں اور ایسا ہی مقدر تھا کہ بار اول بھی یہ شمالی اقوام ترکوں پر ہی حملہ آور ہوں اور آخری زمانہ میں بھی ترک ہی ان کے حملہ کا خاص نشانہ ہوں ✤

اور یہ جو یہاں یاجوج ماجوج کے فساد کا ذکر ہے تاریخ بھی اس پر شاہد ہے۔ وہ قومیں جو آرمینیا اور آذربائیجان کے پہاڑوں کے درمیان رہتی تھیں وہ اپنے شمالی ہمسایوں یعنی یاجوج ماجوج سے ہمیشہ تکلیف اُٹھاتی تھیں اور انکے اوپر حملے ہوتے رہتے تھے چنانچہ انسکلو پیڈیا بری ٹینیکا میں ہے کہ وہی سیتھین قومیں جنہیں ماجوج قرار دیا گیا ہے ماوہ پر ۲۸ سال کیلئے حکمران رہیں اور ۵۱۲ سنہ قبل مسیح کے قریب دارائے اُنپر فوجکشی کی اور کہ اس جنگ کی غرض صرف یہی تھی کہ تورانی قوموں پر عقب کی طرف سے حملہ آور ہوکے سلطنت کی شمالی سرحد پر امن قایم کیا جائے اس سے قرآن کریم کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے جو ذوالقرنین کے سفر شمال کے متعلق

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ ۹۵

اُس نے کہا جو میرے رب نے اس میں مجھے طاقت دی ہے وہ بہتر ہے سو تم مجھے (اپنی) قوت سے مدد دو میں تمہارے اور انکے درمیان ایک دیوار بنا دونگا ۱۹۶۲

آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا ۖ حَتَّىٰ ۹۶

میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لے آؤ تب جب اُس نے پہاڑ کی دونوں طرفوں کے درمیان (دیوار کو) برابر کر دیا کہا دھونکو یہاں تک

إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝

کہ جب اسے آگ (کی طرح) کر دیا کہا مجھے پگھلا ہوا تانبا لا دو تاکہ اُس کے اوپر ڈالوں ۱۹۶۳

اور نیز اس کی کہ کوہ قاف سے شمال کیطرف رہنے والی قوموں کیطرف سے ایران کی شمالی سرحد کی قوموں پر حملے ہوتے رہتے تھے +

ردم — ۱۹۶۲ رَدْم کسی رخنہ کا پتھروں سے روکنا ہو (غ) اور یہ سدّ سے بڑھکر ہے کیونکہ اس میں ایک چیز دوسری کے اوپر رکھی جاتی ہے (ل)

اعینونی بقوۃ - مراد یہ ہے کہ روپے کی مجھے ضرورت نہیں البتہ مزدوری وغیرہ کا تم انتظام کر دو +

ذوالقرنین کی دیوار — یہ دیوار جس کا یہاں ذکر ہے وہ مشہور دیوار ہے جو دربند پر جو بحیرۂ خضر کے کنارے واقع ہے بنی ہوئی ہے مسلمان جغرافیہ نویسوں نے بھی اس دیوار کا ذکر کیا ہے چنانچہ مراصد الاطلاع میں بھی یہ ذکر ہے اور ابن الفقیہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں اس دیوار کا حسب ذیل ذکر ہے "دربند ایران کا ایک شہر ہے جو علاقہ قاف میں داغستان کے صوبہ میں ہے اور بحیرۂ خضر کے مغربی کنارہ پر ہے ...... یہ سمندر کے ساتھ ہی ایک تنگ قطعہ زمین پر واقع ہے جہاں سے یہ ڈھلوان بلندیوں پر خشکی کے اندر کو اونچا چلا گیا ہے ..... اور جنوب کی طرف دیوار قاف کا سمندر کیطرف کا سرا واقع ہے جو پچاس میل لمبی ہے اور جسے سد سکندر کہتے ہیں جس کی وجہ سے باب حدید یا باب خضر کا تنگ درہ رکھا گیا ہے یہ دیوار جب سالم تھی تو ۲۹ فٹ اونچی تھی اور موٹائی میں تقریباً دس فٹ تھی اور اپنے لوہے کے دروازوں اور بیشمار حفاظت کے برجوں کے ساتھ سرحد ایران کا نہایت قیمتی استحکام تھی" اس دیوار کا شمالی سرحد پر ایران کی حفاظت کا ذریعہ ہونا جیسے یہاں تسلیم کیا گیا ہے بالکل قرآن شریف کے بیان کے مطابق ہے اور اسے جو سد سکندر کہا جاتا ہے تو اس کی وجہ مسلمان تاریخ نویسوں کی یہ غلطی معلوم ہوتی ہے کہ وہ ذوالقرنین سے مراد سکندر لیتے ہیں (یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ذوالقرنین دارائے اول ہے وہ دارا نہیں جس کا مقابلہ سکندر سے ہوا تھا) یہ بیان کچھ شبہ باقی نہیں رہنے دیتا کہ جس دیوار کا ذکر قرآن شریف میں ہے یہی دربند کی دیوار ہے جو قاف کی شمالی قوموں کو ایران پر حملہ آور ہونے سے روکنے کیلئے بنائی گئی تھی جنہیں نہ صرف قرآن شریف یاجوج ماجوج قرار دیتا ہے بلکہ خود مؤرخین بھی انہی کو یاجوج ماجوج قرار دیتے ہیں ۴

صدف — ۱۹۶۳ صدفین - صَدَف کا تثنیہ ہے - اور صَدَف پہاڑ کی جانب کو کہتے ہیں اور صَدَفَ عنه کے معنی ہیں اس سے سخت اعراض کیا وصدف عنہا (الانعام - ۱۵۸) (غ) +

قطر — قطر - قُطر جانب کو کہتے ہیں جمع اقطار ہے ان تنفذوا من اقطار السموات (الرحمٰن ۵۵ - ۳۳) ولو دخلت علیہم من

قطران — اقطارھا (الاحزاب ۳۳ - ۱۴) اور قِطر پگھلائے ہوئے تانبے کو کہتے ہیں اور قَطِران رال کو کہتے ہیں . سرابیلہم من قطران (ابراہیم ۱۴ - ۵۰) قِطار بھی اسی سے ہے (غ) +

پتھر کی دیوار میں لوہے کے دروازے — یہ دیوار لوہے کی بنی ہوئی نہ تھی بلکہ پتھروں کی تھی جس پر خود لفظ رَدْم شاہد ہے دیکھو ۱۹۶۲ پھر لوہے کے ٹکڑے کسلئے منگوائے بھی باتیں ہیں جو قرآن کریم کے کمال علم پر دلالت کرتی ہیں رسول اللہ صلعم تو اس دیوار کو دیکھنے نہ گئے تھے اور مسلمان آج تک اسکی

۹۷ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ ۹۸ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ

سو نہ تو وہ اس قابل تھے کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ اس میں سوراخ کرسکتے تھے ۱۹۶۴ کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے۔

۹۹ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ

پس جب میرے رب کا وعدہ آجائیگا تو اُسے ہموار زمین کردیگا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے ۱۹۶۵ اور ہم انہیں

۱۰۰ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ

اس دن ایک دوسرے پر موجیں مارتے ہوئے چھوڑ دینگے اور صور پھونکا جائے گا پس ہم ان کو ایک طرح اکٹھا کردینگے ۱۹۶۶ اور اسدن ہم دوزخ کو

۱۰۱ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا

ایک طرح کافروں کے سامنے لے آئیں گے وہ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں اور وہ سُن بھی نہ سکتے تھے۔

تعیین نہ کرسکے یہانتک کہ ہمارے اس زمانہ میں سرسید نے دیوار چین کو یہ دیوار قرار دیا ہے مگر اب اس کی صحیح طور پر تعیین ہو جانے پر کس قدر تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ فی الواقع دیوار تو پتھروں کی بنی ہوئی ہے جیسے قرآن کریم نے رَدْم کہکر بتا دیا مگر اس میں دروازے لوہے کے تھے اور انہی کیلئے لوہے کے ٹکڑے منگوائے گئے تھے اسلئے لوہے کے استعمال کا ذکر اس وقت آتا ہے جب دیوار بن چکی اور پہاڑ کی دونوں جانبوں میں برابر ہوچکی تو پھر لوہے کو گرم کیا گیا اور اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالا گیا تاکہ اس کی مزید مضبوطی کا موجب ہو۔ پگھلا ہوا تانبا دیوار پر نہیں ڈالا گیا بلکہ لوہے کے تختوں پر جنکے پھاٹک بنے +

۱۹۶۴ یعنی یہ دیوار ان شمالی قوموں کیلئے روک ہوگئی۔ نہ وہ اس کے اوپر چڑھ سکتے تھے نہ نقب لگا سکتے تھے۔ اس لئے کہ جابجا اس میں برج تھے جن میں فوج رہتی تھی +

دکّ - دکّاء

۱۹۶۵ دکّاء۔ دَکّ پہاڑ یا دیوار یا کسی ایسی چیز کے گرانے کو کہتے ہیں (ل)، فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا (الاعراف ۱۴۳) و حملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ (الحاقۃ - ۱۴) اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دَکّ سے مراد زلزلہ ہے (ل)، اور دَکّاء مٹی کے پشتہ کو کہتے ہیں جو بہت بڑا نہ ہو (ل)، اَرْضٌ دَکّاء ہموار زمین ہے (غ)، اور یہاں جعلہ دکاء میں مراد ارضا دکاء ہی ہے +

دیوار کی تباہی

مطلب یہ کہ یہ روک آخر کار تباہ ہو جائے گی اور پھر یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ خروج اسی دیوار کی جگہ سے ہو نہ یہ ضروری ہے کہ وہی قوم نکلے بلکہ اسی قوم کی نسل یا اسی قسم کی اور قومیں مراد ہوسکتی ہیں۔ اور ایک حدیث میں جو یہ لفظ آتے ہیں کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ آپ کی بعثت کے وقت اس دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ کرلیا گیا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان قوموں کے خروج اور دنیا پر غالب آنے کا وقت قریب آگیا ہے +

موج

۱۹۶۶ یموج۔ مَوْج سمندر کی لہر کو کہتے ہیں فی موج کالجبال (ھود ۴۲)، اور ماج (یَمُوج) کے معنی ہیں اس میں لہر کیطرح اضطراب آیا (غ)۔

یاجوج ماجوج کا آخری خروج اور ان کا انجام

یہ انہی اقوام کی حالت ہے جنکے خروج کی طرف آیت ماقبل میں اشارہ ہے خود قرآن کریم میں دوسری جگہ صاف الفاظ میں ہے حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون (الانبیاء ۹۶) یعنی جب یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا تو وہ ہر ایک بلندی سے نکل پڑینگے جس سے مراد یہ ہے کہ کل دنیا پر غالب ہو جائینگے۔ چنانچہ حدیث مسلم میں جہاں خروج یاجوج و ماجوج کا ذکر ہے وہاں صاف الفاظ ہیں لا یدان لاحد بقتالھم ان کے ساتھ جنگ کرنے کی کسی کو طاقت نہ ہوگی قرآن

رکوع ۱۲ — عیسائی اقوام کی آخری حالت

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا ۱۰۲

توکیا جو کافر ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ میرے مقابل میں میرے بندوں کو کارساز بنا سکیں گے ہم نے دوزخ کو

جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ ۱۰۳

کافروں کے لئے مہمانی (کے طور پر) تیار کیا ہے[۱۹۶۷] کہہ کیا ہم تمہیں عملوں میں بہت بڑھکر گھاٹے میں رہنے والوں کی خبر دیں

الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ ۱۰۴

وہ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صنعت کے اچھے کام بنا رہے ہیں[۱۹۶۸]

وحدیث کی یہ متفقہ شہادت ایک ذرہ بھر بھی شبہ باقی نہیں چھوڑتی کہ یاجوج و ماجوج کونسی قومیں ہیں اور کہ ان کا خروج ہو چکا ہے وہ یہی یورپین اقوام ہیں سلافی ہوں یا ٹیوٹن جنہوں نے دنیا پر ایسا غلبہ حاصل کیا ہے کہ کوئی بلندی ان کے تصرف سے باہر نہیں رہ گئی اور یہ دنیا کی تاریخ میں ایک بینظیر امر ہے اور اس آیت میں ان کی اپنی حالت کا ذکر ہے کہ ہم انہیں ایسی حالت میں چھوڑ دینگے جب وہ ایک دوسرے پر موجیں مارتے ہونگے یعنی ساری دنیا پر غالب آکر پھر آپس میں لگ جائینگے خواہ وہ جنگ کے ذریعہ سے ہو جیسا کہ گزشتہ جنگ یورپ میں ہوا یا اور کسی ذریعہ سے اور لفظ یموج میں ان کے اضطراب اور حیرت کا ذکر ہے کہ باوجود ساری دنیا کو مسخر کر لینے کے انہیں کوئی اطمینان قلب میسر نہیں ہوگا یہ تموج بہرحال شروع تو ہو چکا ہے آئندہ کس کس رنگ میں اس کا ظہور ہوگا یہ علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور ایسا ہی بگل بجانے پر ان کا جمع ہونا صرف قیامت کبریٰ تک محدود نہیں بلکہ یہاں انکی قومی قیامت کا ذکر معلوم ہوتا ہے اور کم از کم شامل ضرور ہے۔ اور انکے جمع ہونے میں اشارہ شاید دین حق پر یعنی اسلام پر جمع ہو جانا ہو یعنی اکثر حصہ ان کا اسلام قبول کر لیگا۔ اور اسی کے بالمقابل اگلی آیت میں کافروں کا ذکر ہو سکتا ہے۔ اور لیظهره على الدين كله صاف بتاتا ہے کہ آخر کار اسلام کو کثرت سے لوگ قبول کرینگے ۔

[۱۹۶۷] عبادی سے مراد مسیح اور ملائکہ لئے گئے ہیں (ج)، مگر جیسا کہ اگلی آیات ظاہر کرینگی یہاں بالخصوص حضرت عیسیٰ ہی مراد ہیں اور یہ کافر عیسائی ہیں۔

سورت کا خاتمہ عیسائی اقوام کی آخری حالت پر کیا ہے اور یہاں بتایا ہے کہ مسیح کی عبادت کرنیوالے یہ خیال نہ کریں کہ مسیح کی عبادت انہیں حق کے انکار کی سزا سے بچا سکے گی یا مسیح کی عبادت کر کے وہ فلاح پا جائینگے۔ نزل پہلی چیز ہوتی ہے جو مہمان کیلئے تیار کی جاتی ہے اسلئے جہنم کے لفظ میں اشارہ اس دنیا کی سزا کیطرف بھی ہے کیونکہ انسان کی ہوس بالآخر اس دنیا کو بھی اس کیلئے دوزخ بنا دیتی ہے۔

صنعۃ۔ صُنع

[۱۹۶۸] صُنع۔ صَنْعَة ہاتھ کے عمل کو کہتے ہیں ویصنع الفلك (ھود ۱۱-۳۸) واصنع الفلك (ھود ۱۱-۳۷) وعلمنٰه صنعة لبوس لكم (الانبياء ۲۱-۸۰) (ل)، اور صُنع کے معنی إجادة الفعل ہیں یعنی ایک کام کا جید بنانا۔ فعل عام ہے اور حیوانات وغیرہ کی طرف منسوب ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں (غ)، صنع الله الذى اتقن كل شئ (النمل ۲۷-۸۸)۔

عیسائی اقوام کی صنعت

ابن عباس سعد بن ابی وقاص اور مجاہد سے مروی ہے کہ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے وہ یہود و نصاریٰ ہیں (ر) اور حق یہ ہے کہ جس قدر یہ الفاظ آج نصاریٰ قوموں کی حالت پر صادق آتے ہیں ایسا کسی قوم پر صادق نہیں آئے یہی اقوام ہیں جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی کیلئے ہے یہانتک کہ انکے پادریوں کے مدنظر بھی دنیوی طور پر دوسری قوموں پر غالب آنا ہے اور

۱۰۵ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی باتوں اور اُس کی ملاقات کا انکار کیا سو اُن کے عمل کام نہ آئے اس لئے ہم قیامت کے دن

۱۰۶ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ○ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَ

اُن کے لئے وزن قائم نہیں کرینگے ۱۹۶۹ یہ اُن کی سزا ہے (یعنی) دوزخ اسلئے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری باتوں اور

۱۰۷ رُسُلِي هُزُوًا ○ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ

میرے رسولوں کو ہنسی بنایا جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اُن کے لئے فردوس کے

۱۰۸ ۱۰۹ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ○ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ○ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ

باغ مہمانی ہیں ۱۹۷۰ انہی میں رہیں گے وہاں سے جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے کہو اگر سمندر میرے رب

مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا

کے کلمات کے لئے سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائیگا قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں گو ہم اسی جیسا (اور اسکی) مدد کو لائیں ۱۹۷۱

بلحاظ اکثریت کہا جا سکتا ہے کہ یورپ و امریکہ کی نصاریٰ اقوام دنیا میں بکلی منہمک ہیں شب و روز یہی فکر ہے کہ دنیا میں کس طرح ترقی کریں مال و دولت کن کن ذرائع سے آ سکتا ہے ضل سعیہم فی الحیوۃ الدنیا اور اس کوشش کا برباد ہونا اسلئے کہا کہ ان چیزوں کو اخلاق انسانی سے کچھ تعلق نہیں اور جو چیز باقی رہتی ہے وہ اخلاق سے ہی تعلق رکھتی ہے آسائش جسمانی کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اور صُنع کے لفظ میں اگر ایک طرف ان کے ہاتھ کی کاریگری کے کاموں کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں یہ اقوام کل دنیا پر سبقت لے گئی ہیں تو دوسری طرف یہ بھی بتایا ہے کہ یہ ان کا گمان باطل ہے کہ یہ کوئی بڑے جید اور اعلےٰ درجہ کے کام ہیں *

۱۹۶۹ قیامت کے دن ان کیلئے وزن قائم نہیں ہوگا اسلئے کہ وزن تو ان افعال کا ہے جو ابتغاء لمرضات اللہ کئے جاتے ہیں *

فردوس — ۱۹۷۰ فردوس۔ کو بعض نے معرب کہا ہے اور بعض نے اسے عربی قرار دیا ہے۔ کَرْمٌ مُفَرْدَسٌ کے معنی ہیں مُعَرَّشٌ یعنی ٹٹی پر چڑھائے ہوئے بعض کے نزدیک اس کے معنی محض باغ ہیں یا سرسبز وادی یا وہ ایسا باغ ہے جس میں وہ تمام اشیاء جمع ہوں جو باغوں میں ہوتی ہیں (ل) اور حدیث نبوی میں جو بخاری اور مسلم میں ہے اسے وَسَطُ الْجَنَّةِ اور اَعْلَى الْجَنَّةِ کہا ہے یعنی جنت کا بہترین اور سب سے بلند مقام (د) *

مَدَّ - مداد — ۱۹۷۱ مداد۔ مَدَّ کے معنی کھینچنا یا لمبا کرنا ہیں دیکھو ۱۱۷۱ اور مداد سیاہی کو کہتے ہیں جس سے لکھا جاتا ہے اور مَدَّ الدَّوَاةَ اور اَمَدَّهَا دونوں کے معنی ہیں دوات میں سیاہی ڈالی یا اور زیادہ کی۔ اور بعض نے کہا کہ مداد سیاہی کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کاتب کو مدد دیتی ہے (ل) *

اللہ تعالیٰ کے لاانتہا کلمات ہیں مسیح ایک کلمہ ہے — اصل مضمون تو یہ تھا کہ جو لوگ مسیح کو خدا بناتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اور انہی کے مقابل پر ایمان والوں کا ذکر کیا تھا تو اس مضمون کا کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات لاانتہا ہیں یہاں کیا تعلق ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ کلمات اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ١١٠ ع

کہہ میں صرف تمہاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو چاہئے کہ وہ اچھے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے ۱۹۷۲

معلومات ہیں مگر معلومات کیلئے بولنا ضروری نہیں اور کلمۃ کے معنی کلام یا بات ہیں دیکھو ۲۵ دوسری طرف قرآن کریم میں ہے انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اسکے کلمہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضرت مسیح کو جو کلمتہ کہا ہے تو اس سے بھی اصل مراد یہی ہے کہ وہ اس کی مخلوق ہے نہ خدا یا خالق۔ اور عیسائیوں نے چونکہ مسیح کے کلمہ ہونے پر بڑی ٹھوکر کھائی ہے اور وہ کلمۃ کو خدا کا مترادف ہی قرار دیتے ہیں "اور کلام خدا تھا" (یوحنا ۱:۱) تو اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ ساری مخلوق ہی اس کے کلمے ہیں ایک مسیح ہی کلمہ نہیں۔ اور وہ مخلوق اتنی بڑی ہے کہ یہ اس زمین کا جو سمندر ہے اگر وہ سیاہی بن جائے تو خدا کی مخلوق لکھکر ختم نہیں ہوتی پس ان الفاظ میں بھی عیسائی مذہب کی غلطی کو ہی واضح کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگلی آیت میں رسول اللہ صلعم کی بشریت کا ذکر کیا +

انا بشر مثلکم میں عیسائیت کی تردید اور نسل انسانی کیلئے خوشخبری

۱۹۷۲ سورت کا خاتمہ ایک ایسی آیت پر کیا ہے جو نہ صرف عیسائی مذہب کی بنیاد ہی کو گرا دیتی ہے بلکہ انسان کے سامنے ترقیات کا ایک نہایت کھلا میدان لاکر اسے اعلیٰ سے اعلیٰ منازل روحانی پر پہنچنے کی خوشخبری سناتی اور ان منازل کو حاصل کرنے کیلئے اس کی ہمت بندھاتی ہے۔ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں پس تم میری پیروی تو کر سکتے ہو لیکن جو تمہارے اعتقاد میں تم جیسا بشر نہ تھا اس کی پیروی تم کیونکر کر سکتے ہو اس کا آنا نہ آنا تمہارے لئے برابر ہے کیونکہ انسان انسان کے قدم بقدم تو چل سکتا ہے مگر خدا کے قدم بقدم نہیں چل سکتا۔ دوسری طرف بشر مثلکم کہکر ہمیں یہ خوشخبری سنائی کہ وہ مقامات عالیہ جن پر محمد رسول اللہ صلعم پہنچے انہی کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق تم بھی حاصل کر سکتے ہو اسلئے کہ جیسے وہ بشر تھے تم بھی بشر ہو۔ اور بشر بشر کے نقش قدم پر چل سکتا ہے ہاں ہر شخص اپنی استعداد اور اپنے حالات کے مطابق ان مقامات عالیہ پر پہنچ سکتا ہے لیکن جو کچھ موہبت سے ملتا ہے جیسے نبوت اس میں انسان کی کوشش کا کوئی دخل نہیں +

سورۂ مریم مکیۃ وھی ثمان وتسعون آیۃ وست رکوعات

نام — اس سورت کا نام مریم ہے اور یہ نام خود نبی کریم صلعم سے مروی ہے اور اس میں چھ رکوع اور اٹھانوے آیات ہیں اور مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ہے اور چونکہ اس سورت میں حضرت عیسیٰ کا ذکر کرکے عیسائیت پر اتمام حجت کیا ہے اسلئے اس سورت کا نام حضرت عیسیٰ کی والدہ کے نام پر رکھا ہے اس سورت کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں تمام انبیاء کی بیگناہی یا عصمت پہ زور دیا گیا ہے۔ اور یوں حضرت عیسیٰ کا جو خاص امتیاز عیسائی قایم کرتے ہیں اسے باطل کیا گیا ہے۔ یہ خاص امتیاز حضرت عیسیٰ کی عصمت ہے جو عیسائیوں کے نزدیک دوسرے کسی نبی کو حاصل نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اس کے مقابل پر کہیں حضرت یحییٰ کو پاکیزہ اور بیگناہ فرمایا کہیں حضرت ابراہیم کو صدیق قرار دیکر تمام گناہوں سے پاک ثابت کیا ہے کہیں حضرت موسیٰ کو ہر قسم کے کھوٹ سے پاک قرار دیا ہے۔ کہیں حضرت اسمٰعیل کی عصمت بیان فرمائی ہے اور پھر ان تمام باتوں کے ساتھ سورت کا نام مریم رکھکر یہ توجہ دلائی ہے کہ عیسائیوں کے عقیدہ کے بموجب گناہ دنیا میں عورت کی وجہ سے آیا پس اگر وہ گناہ ورثہ میں ملتا ہے جسکی وجہ سے تمام انبیاء کو گنہگار قرار دیا جاتا ہے تو حضرت عیسیٰ بھی اس سے خالی نہیں جو ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور خود ان کی اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیونکر پاک ٹھہرے" (ایوب ۲۵ : ۴) +

خلاصہ مضمون — اس سورت کی ابتدا حضرت زکریا کے ذکر سے کی ہے جس کیلئے دیکھو ۱۹۶۴ اور پہلے رکوع میں حضرت یحییٰ کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ کے ساتھ نبی تھے۔ اور اس ذکر میں نہ صرف حضرت یحییٰ کی بیگناہی پر زور دیا ہے بلکہ یہ بھی سمجھایا ہے کہ اس زمانہ میں صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے بھی اکیلے حضرت عیسیٰ کافی نہ تھے اس لئے آپکے ساتھ ایک دوسرے نبی کے کھڑا کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ دوسرے رکوع میں حضرت مریم کے حضرت عیسیٰ کو حمل میں لینے اور جننے اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کا ذکر ہے۔ اور ان تمام باتوں میں یہ دکھایا ہے کہ وہ انسان سے بڑھکر کچھ نہیں۔ یہانتک کہ یہودیوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے بھی مسیح کے خدائی کے عقیدہ کا ابطال کیا ہے۔ تیسرے رکوع میں حضرت ابراہیم کا ذکر کیا ہے جو بوجہ اپنی مقبولیت عامہ کے حضرت مسیح سے بھی بڑھے ہوئے ہیں اور ان پر جو ایک ہی الزام تھا کہ انہوں نے جھوٹ بولا اس کی تردید کی ہے چوتھے رکوع میں حضرت موسیٰ حضرت اسمٰعیل اور بعض دیگر انبیاء کا ذکر کرکے اور ان کی معصومیت ثابت کرکے یہ بتایا ہے کہ سلسلۂ نبوت ابتدائے آفرینش سے چلتا ہے پانچویں رکوع میں بتایا ہے کہ عیسائیت کو جن سامانوں پر اور جس مال و دولت پر فخر ہے یہ سامان آخر اس سے چھن جائینگے اور چھٹے میں بتایا ہے کہ عقیدۂ ابنیت مسیح دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا اور تمام صالحین کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی محبت آخر دنیا میں پھیل جائیگی +

تعلق — اس سورت کا تعلق پچھلی سورت سے ظاہر ہے اُس میں تاریخ عیسائیت بیان کی ہے اور اس میں عقیدتاً عیسائیت پر اتمام حجت کیا ہے اور عقیدۂ ابنیت مسیح کا جو عیسائیت کا بنیادی پتھر ہے ابطال کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ عقیدہ دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا۔ گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ دونوں سورتوں کا ایک ہی مضمون ہے۔ اور یہ دونوں سورتیں پوری کی پوری عیسائیت پر ہیں +

زمانۂ نزول — اس سورت کے زمانۂ نزول کیلئے دیکھو سورۃ بنی اسرائیل کے زمانۂ نزول پر نوٹ۔ اور خاص اس سورت کے متعلق یہ امر تاریخی طور پر ثابت ہے کہ جب ہجرت حبش کیوقت جو پانچویں سال بعثت نبوی میں ہوئی یہ سورت نجاشی کے سامنے پڑھی گئی۔ اور چونکہ یہ واقعہ ابتدائے ہجرت کا ہے یعنی جبکہ کفار قریش نے اسی وقت مہاجرین کے پیچھے اپنا وفد نجاشی کے پاس بھیجا تھا اور اسی وفد کی شکایت پر نجاشی نے حضرت صلعم اور آپ کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ دریافت کیا تھا اسلئے یہ امر قریباً ثابت شدہ ہے کہ یہ سورت چوتھے سال بعثت نبوی کی یا اوائل پانچویں سال کی آغاز کی ہے اور یہ کل کی کل مکی ہے +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ع ۱۵ — زکریا اور یحییٰ

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ ۳

کافی۔ ہادی۔ برکت والا۔ عالم صادق (خدا) ۱۹۷۳ (یہ) تیرے رب کی رحمت کا ذکر (ہے جو) بندے زکریا پر ہے جب اس نے اپنے رب کو (لوگوں سے) مخفی آواز سے پکارا ۱۹۷۴

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ ۴

کہا میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر بالوں کی سفیدی سے شعلے مار رہا ہے اور میرے رب تجھ سے دعا کرکے میں محروم نہیں رہا ۱۹۷۵

کھیعص — ۱۹۷۳ کھیعص۔ اُم ہانی نے رسول اللہ صلعم سے ان حروف کے معانی میں روایت کی ہے کہ اس سے مراد اسمائے الٰہی کافی ہاد عالم صادق ہیں اس صورت میں یا بطور حرف ندا ہوگی اور ابن اثیر میں سعید بن جبیر کی تفسیر میں (لفظ یمن کے نیچے) مذکور ہے کاف ھاد یمین عزیز صادق جہاں یا کو یمین کے قائمقام ٹھہرایا ہے اور یا من اور یمین کے معنی برکت والا دیتے ہیں جیسے قادر اور قدیر کے معنی قدرت والا ہیں۔

خفی — ۱۹۷۴ اخفیا خفی وہ ہے جو دوسروں پر ظاہر نہ ہو اور ندا کے خفی ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اسکی آواز لوگوں سے مخفی تھی ٭

سورت کو ذکر یا کے ذکر سے شروع کرنے کی وجہ — اس سورت کی ابتدا حضرت زکریا کے ذکر سے کرنے میں یہ بتایا ہے کہ خود حضرت عیسٰی کے زمانہ میں ان سے پہلے ایسے پاک اور نیک لوگ تھے جنکے متعلق خود انجیل میں موجود ہے کہ وہ اور اسکی بیوی "دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے" (لوقا ۱: ۶) چونکہ اصل غرض اس سورت کی عیسائیت پر اتمام حجت ہے اور یہ اتمام حجت حضرت عیسٰی کی خاص بیگناہی کو جس پر عیسائی زور دیتے ہیں مٹا کر کیا ہے اور تمام انبیاء کو بیگناہ ثابت کیا ہے اسلئے سورت کی ابتدا اس شخص کے ذکر سے کی ہے جسکے متعلق خود عیسائیوں کی کتابوں میں یہ اعتراف موجود ہے کہ وہ خدا کے حضور راستباز اور بے عیب تھا نہ صرف وہی بلکہ اسکی بی بی بھی باوجود عورت ہونے کے بیگناہ تھی ٭

دعا میں اخفا اور تضرع — دعا کے متعلق اصول دوسری جگہ بیان فرمایا ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ (الاعراف ۵۵) اور تضرع گڑگڑانا ہے پس چھپکر دعا کرنا تضرع کی حالت کے خلاف نہیں بلکہ زیادہ تر تضرع اسی دعا میں پیدا ہوتا ہے جو لوگوں سے چھپکر کی جائے ہمارے نبی کریم صلعم علاوہ ان دعاؤں کے جو نماز میں مخلوق خدا کیلئے کرتے رہے زیادہ تر دعا رات کی نماز میں یعنی تہجد میں کرتے تھے جو وقت ہی ایسا تھا کہ کسی دوسرے کو اطلاع نہ ہوتی۔ اور یہ حکم صرف کثرت پر ہے۔ ہر دعا کیلئے مخفی ہونا ضروری نہیں بعض دعائیں جماعت میں بھی کیجاتی ہیں اور دعائے جماعت بھی ایک خاص کیفیت تضرع پیدا کرتی ہے مگر بیشتر حصہ دعا کا وہی ہونا چاہئے جو دوسروں سے الگ ہو کر کیجائے

عظم — ۱۹۷۵ عظم۔ جمع عظام ہڈی کو کہتے ہیں فکسونا العظام لحما (المؤمنون ۲۳- ۱۴) اور عظم کے اصل معنی ہیں ایک چیز کی ہڈی بڑی ہوگئی پھر ہر ایک طرح بڑا ہو جانے پر بولا گیا ہے معقول ہو یا محسوس اسی سے عظیم ہے اور یہاں مفرد کا استعمال جنس پر دلالت کرنے کیلئے ہے

اشتعال — اشتعل۔ شعل آگ کے شعلہ مارنے پر بولا جاتا ہے اور اشتعال کا لفظ غضب میں آنے پر استعارۃ ہے۔ اور رنگ سفید کی تشبیہ کے لحاظ سے سفیدی کے چھا جانے پر بولا جاتا ہے جیسے یہاں ٭ (دیکھو ۱۹۷۸)

شیب — شیب۔ بالوں کی سفیدی کو کہتے ہیں (غ-ل)

شقیت زکریا اور اسکی — بدعائک کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں۔ تجھ سے دعا کرکے یا تیرے مجھے اپنی طاعت کیطرف بلانے سے۔ تو صورت اول میں مراد

۵ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ

اور میں اپنے بھائی بندوں سے اپنے پیچھے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے سو اپنی جناب سے

۶ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ يٰزَكَرِيَّآ ۷

مجھے کوئی وارث عطا فرما جو میرا ورثہ لے اور آل یعقوب کا ورثہ لے اور اے میرے رب اسے (اپنی) رضا کا محل بنائیو1967 اے زکریا

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں اس کا نام یحییٰ ہے ہم نے اس کا کوئی نظیر پہلے نہیں بنایا1968

یہ ہوئی کہ تجھ سے دعا کرکے میں بھلائی سے محروم نہیں رہا یہ شاید اس لئے کہا کہ اس زمانہ میں لوگ ظاہر طور پر دعائیں بھی کرتے تھے اور پھر خدا سے دور بھی پڑے ہوئے تھے۔ تو بتایا ہے کہ اخلاص کی دعا کو تو ضائع نہیں کرتا۔ اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہے کہ تیری طاعت کو قبول کرکے میں کسی بھلائی سے محروم نہیں رہا مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے یعنی خدا کا ہو کر انسان نقصان نہیں اٹھاتا گو عام طور پر یہی معنی کئے گئے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی سب دعائیں قبول ہوتی رہی ہیں مگر میرے نزدیک اسباب کو پیش کرنے کا یہ موقعہ نہیں یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ میری پہلی دعائیں قبول ہوتی رہی ہیں تو یہ بھی قبول فرما بلکہ اس وقت کی حالت عامہ کا نقشہ کھینچا ہے کہ یہ لوگ تیرے بندے نہیں بنتے تجھ سے اخلاص سے دعا نہیں کرتے تیری طاعت نہیں کرتے اسلئے بھلائیوں سے محروم ہیں میں نے تیری عبادت اور طاعت کی اور سب کچھ پایا اور بڑھاپے کا ذکر اسلئے کیا کہ اب انہیں نظر آرہا ہے کہ ان کی موت کا وقت قریب ہے بعد میں اس قوم کی حالت کیسی ہوگی جیسا اگلی آیت میں صاف کر دیا ہے وانی خفت الموالی من ورائی یعنی جو میرے بھائی بند نظر آتے ہیں اپنی موت کے بعد (من ورائی کے یہی معنی ہیں) میں ڈرتا ہوں کہ ان شریر لوگوں سے قوم کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچے۔

1967 رضی۔ کے معنی دونوں طرح ہو سکتے ہیں مرضی یعنی وہ جس سے خدا راضی ہو۔ یا راضی جو خدا سے راضی ہو راضیة مرضیة (الفجر ۸۹ ۔ ۲۸) رضا کیلئے دیکھو 386 ۔ — رضی ۔ مرضی

حضرت زکریا کو کیا فکر تھی؟ یہ کہ ان کے پیچھے قوم کو کوئی نیک رستہ پر ڈالنے والا نظر نہیں آتا۔ یا یہ کہ کوئی جائداد انہوں نے بڑی محنت سے پیدا کی ہو انکے پیچھے اسے کوئی سنبھالنے والا نظر نہیں آتا کیا انبیاء اور صلحاء کو اپنی جائداد کی فکر ہوا کرتی ہے یا اپنی قوم کی؟ اہل تشیع نے اور انکے تتبع میں آج کل ایک غلطی خوردہ فرقے نے یہ خیال کیا ہے کہ یہاں یرثنی سے مراد یہ ہے کہ میری جائداد کا وارث ہو مگر اس سے بڑھکر ایک راستباز کی کوئی ہتک نہیں ہو سکتی کہ اسکے متعلق یہ کہا جائے کہ بڑھاپے کو پہنچ کر اور موت کا نظارہ سامنے دیکھکر اسے یہ فکر ہوا کہ میری جائداد کو چچا کے بیٹے سنبھال لینگے اس لئے وہ دعا کرتا ہے کہ مجھے ایک بیٹا ملے جو اس جائداد کو سنبھال لے۔ میں کہتا ہوں یہ الفاظ قرآنی کی تحقیر ہے اور پھر اس کے ساتھ ویرث من آل یعقوب کے الفاظ جو ہیں وہ ان باطل خیالات کا قلع قمع کرنے کیلئے کافی ہیں کیا آل یعقوب کی بھی کوئی جدی جائداد چلی آتی تھی جو زکریا کو بھی نہ ملی تھی اور وہ اب چاہتے ہیں کہ حضرت یعقوب کی کچھ زمینیں اور املاک چلی آتی ہیں ان کا وارث بھی یہی لڑکا ہو؟ یہ سب بودے خیالات ہیں راستبازوں کی وراثت علم اور ہدایت کی ہوتی ہے سلسلہ اسرائیل یعنی آل یعقوب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص روحانی نعمت ہدایت قوم رکھی تھی پس وہی مراد ہے۔ اور اپنے ورثہ سے مراد ان علوم کا وارث ہونا ہے جو آپ کو دیئے گئے تھے ۔ — زکریا کو ورثہ سے مراد

1968 سمی۔ کیلئے دیکھو 1622 ہمنام اور نظیر اسکے معنی ہیں۔ اور یہاں شبیہہ یا نظیر بجاہد اور عطاء وغیرہ سے مروی ہیں (ر) — سمی

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ ۸

کہا میرے رب میرے لڑکا کب ہوگا اور میری عورت بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں ۱۹۷۸

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ ۹

کہا ایسا ہی ہوگا۔ تیرا رب فرماتا ہے یہ مجھ پر آسان ہے اور پہلے میں نے تجھے پیدا کیا اور تو کبھی کچھ چیز نہ تھا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰى ۱۰ ۱۱

کہا میرے رب میرے لئے کوئی نشان مقرر کردے کہا تیرے لئے نشان یہ ہے کہ تو تین راتیں صحیح سالم ہے کہ لوگوں سے بات نہ کرے ۱۹۷۹ سو وہ عبادتگاہ

قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۱۲

سے اپنی قوم پر نکلا تو انہیں اشارہ سے کہا کہ صبح اور شام تسبیح کرو اے یحیٰی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لے

یحیٰی کی بے نظیری یحیٰی نام پر دیکھو ۱۹۷۷ انجیل میں ہے "آٹھویں دن ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کا ختنہ کرنے آئے اور اس کے باپ کے نام پر زکریا رکھنے لگے مگر اس کی ماں نے کہا نہیں بلکہ اس کا نام یوحنا رکھا جائے انہوں نے اس سے کہا کہ تیرے کنبے میں کسی کا یہ نام نہیں" (لوقا ۱: ۵۹-۶۱) پس اگر سمی کے معنی ہمنام لئے جائیں تو مراد یہی ہوگی کہ اس خاص گھرانے میں پہلے اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہوا اگر فی الواقع اس نام کا آدمی پہلے کوئی نہ ہوا ہو تو یہ کوئی خوبی کی بات نہیں جس کا ذکر قرآن شریف میں کیا جاتا۔ اسلئے مراد یہی ہے کہ اس کا نظیر کوئی نہیں ہوا - - - - - - - - - - - - اب سوال یہ ہے کہ کس معنی میں نظیر نہیں ہوا بعض مفسرین کہتے ہیں اسلئے کہ حضرت یحیٰی نے نہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کی اور نہ کبھی معصیت کا خیال ان کے دل میں آیا اور ایک حدیث بھی ہے مامن احد

یحیٰی کی بے گناہی من ولد آدم الا وقد اخطأ او هم بخطيئة الا يحيى بن زكريا عليهما السلام لم يهم بخطيئة ولم يعملها آدم کے فرزندوں میں سے کوئی نہیں مگر اس نے خطا کی یا خطا کا ارادہ کیا سوائے یحیٰی بن زکریا کے کہ نہ اس نے خطا کا ارادہ کیا اور نہ خطا کی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ انجیل میں بھی اسی قسم کا اعتراف موجود ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورت سے پیدا ہوئے ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں ہوا" (متی ۱۱: ۱۱) مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ امر اسی نسل کے متعلق ہے کیونکہ جیسا کہ یحیٰی کی وجہ تسمیہ میں لکھا گیا ہے دیکھو ۱۹۷۷ خود یحیٰی نام میں یہی اشارہ تھا کہ وہ گنہگار نہیں ہوگا جیسی وہ نسل عام طور پر تھی اور خود زکریا کی دعا یہی بتاتی ہے اور سارا ذکر اسی نسل کا ہے ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الفاظ قرآنی میں یہ بھی اشارہ ہو کہ جن خصوصیات کو یحیٰی لیکر آتا ہے وہ سلسلہ اسرائیلی میں اور کسی کو نہیں دی گئیں اور یہ ان کی نبوت کی طرف اشارہ ہوگا کیونکہ سلسلہ اسرائیلی میں ہر ایک نبی خاص صفات کا مظہر ہو کر آتا تھا جن کا مظہر دوسرا نبی نہ ہوا ہوتا تھا۔

عتی۔ عتو ۱۹۷۸ عتیا۔ عتی (مصدر عتو اور عتی) کے معنی ہیں تکبر کیا اور حد سے نکل گیا وعتوا عتوا کبیرا (الفرقان ۲۵-۲۱) عتت عن

عتی امر ربها (الطلاق ۶۵-۸) اور یہاں عتی سے مراد وہ حالت ہے جس کی اصلاح کا رستہ باقی نہیں رہا (غ)، یا انتہا کو پہنچ جانا (ل)، ایسے ہی الفاظ سورۂ آل عمران میں گزر چکے ہیں دیکھو ۴۱۶۔

سوی ۱۹۷۹ سویا۔ سوی وہ ہے جو اندازہ اور کیفیت میں افراط و تفریط سے محفوظ ہو۔ من اصحاب الصراط السوی (طٰہٰ ۲۰-۱۳۵) اور رجل سوی وہ ہے جو اخلاق میں اور خلقت میں افراط و تفریط سے محفوظ ہو (غ) جمہور نے سوی کے معنی یہی لئے ہیں یعنی صحیح سالم ہونے

۱۳ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ۝ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوةً ۭ وَکَانَ تَقِیًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَیْهِ وَ

اور ہم نے اُسے لڑکپن کی حالت میں فہم دیا تھا ۱۹۸۰ اور اپنی جناب سے رحمدلی اور پاکیزگی (دی تھی) اور وہ (گناہ سے) بچنے والا تھا ۱۹۸۱ اور اپنے ماں باپ سے نیکی کرنیوالا تھا اور

۱۵ لَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ۝ ع

سرکش نافرمان نہیں تھا اور اس پر (ہر حال میں) سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ اٹھایا جائیگا ۱۹۸۲

کی حالت میں جس میں کوئی گونگاپن وغیرہ نہیں (د) باقی تشریح کے لئے دیکھو نوٹ ۱۷۱۵

حکم

۱۹۸۰ حکم۔ دیکھو نوٹ ۱۳۷ یہاں مراد حکمت ہے یا کتاب اللہ کا فہم (ج) +

یحیٰی کی کتاب

یہاں کتاب سے مراد عموماً مفسرین نے توریت کو لیا ہے اگر توریت ہی مراد ہو تو ہرج نہیں اسلئے کہ کل انبیائے بنی اسرائیل توریت پر عمل کرتے اور کراتے تھے یہانتک کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تعلیم میں بھی توریت پر عمل کو ضروری قرار دیا ہے۔ مگر اغلب یہ ہے کہ کتاب سے یہاں مراد حضرت یحیٰی کی اپنی کتاب ہے اور یہ ان کے زمانہ نبوت کا ذکر ہے اور آگے جو آتا ہے۔ و

اصول عصمت انبیاء

اٰتینٰه الحکم صبیا تو یہ پہلے زمانہ کا ذکر ہے یعنی وہ باتیں جن کی ضرورت نبوت کے لئے ہوتی ہے وہ شروع سے دی جاتی ہیں جیسے فہم یا حکمت۔ رحمدلی۔ پاکیزگی۔ بدیوں سے بچنا اور یوں عصمت انبیاء کے اصول کو ساتھ ہی قایم کیا ہے۔ اور میرے نزدیک ترجیح کتاب کے اس دوسرے معنی کو ہے۔ کیونکہ یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ بطور وحی ہے +

حنان

۱۹۸۱ حنان۔ حنین وہ شوق ہے جس میں شفقت پائی جائے اور حنان سے مراد رحمت ہے (غ) اور حنّان اللہ تعالےٰ کے اسماء میں سے ہے یعنی بہت رحم والا (ل) اور حناناً من لدنا کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں یعنی اس پر اپنی جناب سے رحمت کی یا یہ کہ اس کے قلب میں اپنی جناب سے رحمت رکھی۔ اور میں نے یہی دوسرے معنے ترجمہ میں لئے ہیں کیونکہ یہاں تین چیزوں کا ذکر ہے جو انبیاء کو شروع سے دی جاتی ہیں جن میں سے پہلی چیز شفقت علی خلق اللہ ہے جو رحمدلی سے پیدا ہوتی ہے اور دوسری بات زکوٰۃ ہے اور تیسری اتقاء +

زکوٰۃ

زکوٰۃ۔ کے اصل معنی نمو ہیں جو اللہ تعالےٰ کی برکت سے حاصل ہوتا ہے اور اسی سے زکوٰۃ ہے جو مال میں سے

ذکّی

دی جاتی ہے اور یہاں اور غلاماً ذکیا (۱۹) میں مراد تزکیہ بطور اجتباء ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو عالم اور طاہر الخلق بناتا ہے نہ اس طرح کہ وہ ان باتوں کو سیکھ کر حاصل کریں بلکہ توفیق الٰہی سے (غ) اور یہاں چونکہ تقویٰ یا بدی سے بچنے کا ذکر الگ ہے اس لئے مراد اصل معنی یعنی وہ نمو ہیں جو اللہ تعالیٰ کی برکت سے حاصل ہوتا ہے گویا بمقابلہ بدیوں سے بچنے کے یہ نیکیوں میں ترقی ہے +

نبی کیلئے تین سلامتیاں

۱۹۸۲ یہاں تین موقعوں پر سلامتی کا ذکر ہے ولادت کے وقت۔ موت کے وقت۔ بعثت کے وقت یوں تین زمانوں پر اس سلامتی کا دائرہ وسیع کیا ہے۔ ولادت کے وقت سلامتی وہ ہے جو اس دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے موت کے وقت کی سلامتی حالت قبر یا عالم برزخ کے متعلق ہے اور بعثت کے وقت کی سلامتی وہ جو قیامت سے تعلق رکھتی ہے گویا ہر نبی دنیا میں سلامتی کی حالت میں آتا ہے یعنی شیطان کے حملہ سے محفوظ ہوتا ہے اور موت کے بعد بھی اسے سلامتی ہوتی ہے یعنی عذاب قبر سے محفوظ ہوتا ہے اور قیامت کو سلامت ہے یعنی عذاب جہنم سے محفوظ ہے +

ع ۵ ق ۲

حضرت مریم اور عیسیٰ

وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِيًّا ۙ‏ ۱۶

اور کتاب میں مریم (کی خبر) کو بیان کر جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر ایک مشرقی مکان میں چلی گئی ۱۹۸۳

انتبذ

۱۹۸۳ انتبذت - نبذ کیلئے دیکھو ۱۲۶ اور انتبذ کے معنی ہیں الگ ہوگیا اس شخص کا الگ ہونا جو لوگوں کے اندر اپنے نفس کو بہت کم قابل توجہ سمجھتا ہو (غ) ●

حضرت عیسیٰ اور یحییٰ کے اکٹھے ذکر میں حکمت

یہی مضمون یعنی حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا ذکر زکریا اور یحییٰ کے ذکر کے ساتھ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے یہاں کچھ مزید تفصیلات ہیں جو وہاں موجود نہیں۔ ان دونوں موقعوں پر حضرت یحییٰ اور عیسیٰ کا اکٹھا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے اس کی وجہ مفسرین نے عموماً یہ دی ہے کہ حضرت یحییٰ کی پیدائش میں بھی ایک اعجاز تھا اور اس سے بڑھکر اعجاز حضرت عیسیٰ کی پیدائش میں تھا لیکن اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ جیسا اعجاز حضرت یحییٰ کی پیدائش میں ہے ویسا حضرت اسحاق کی پیدائش میں ہے ان کا ذکر دونوں موقعوں پر کیوں نہ کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو حضرت یحییٰ کے ساتھ اکٹھا کرنے میں عیسائیت پر اتمام حجت ہے عیسائی حضرت مسیح کی بن باپ پیدائش کو اس کی خدائی کی دلیل ٹھہراتے ہیں تو اس کے مقابل حضرت یحییٰ کی پیدائش کا ذکر کیا کہ وہ کم اعجاز نہیں۔ پھر عیسائی حضرت مسیح کی بے گناہی کو اسکی خدائی کی دلیل ٹھہراتے ہیں۔ تو اس کے مقابل حضرت یحییٰ کی بیگناہی کو کس قدر پر زور الفاظ میں بیان فرمایا ہے پھر اگر مسیح کے لئے پیشگوئی تھی تو یحییٰ کے لئے بھی پیشگوئی تھی دیکھو ۱۷۴ پھر سب سے بڑھکر اتمام حجت دونوں کے اکٹھے ذکر میں یوں کیا ہے کہ وہ نبی جو اکیلا ایک قوم بنی اسرائیل کی اصلاح کیلئے کافی نہ تھا وہ اصلاح عالم کا بیڑا کیونکر اٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ باوجود اپنی ساری عظمت کے حضرت عیسیٰ صرف ایک شاخ اخلاق انسانی کی پرورش کیلئے آئے تھے اسی لئے ان کے ساتھ حضرت یحییٰ کی ضرورت پیش آئی۔ جس طرح حضرت موسیٰ جب اکیلے بوجھ کو نہ اٹھا سکے تو ان کے ساتھ حضرت ہارون کو کھڑا کیا گیا پس اس سارے ذکر کو اس نگاہ سے پڑھنا چاہیئے کہ یہ دراصل عیسائیت پر اتمام حجت ہے اور سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم دونوں سورتیں عیسائیت پر اتمام حجت کے طور پر ہیں ●

مریم کا شرقی مکان میں جانا

مکان شرقی سے مراد مفسرین بیت المقدس کے مشرق کی طرف لیتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ عیسائیوں کے بیت المقدس کی بجائے اپنی عبادتگاہوں کا مشرق کیطرف منہ کرنے کی وجہ یہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں مریم کے پہلے حالات جو بچپن کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں بیان نہیں ہوئے وہ سورۂ آل عمران میں ہیں کہ کسطرح حضرت مریم ہیکل میں (یروشلم میں) رہتی تھیں کیونکہ ان کی ماں نے انہیں ہیکل کی خدمت کیلئے نذر مانا تھا۔ یہاں حضرت مریم کے بلوغ کو پہنچ جانے کے بعد کے حالات ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں لفظ حجاب اکرتیا بھی دیا ہے پس مکان مشرقی میں چلے جانے سے مراد یہی ہے کہ جب آپ بلوغت کو پہنچیں اور حیض کے ایام آنے تو اب مسجد میں نہ رہ سکتی تھیں اس لئے کسی شرقی مکان میں چلی گئیں اور غالباً یہ مشرقی مکان ناصرہ

شرقی مکان کون تھا

تھا جہاں کا رہنے والا یوسف نجار تھا اور حضرت مریم کی اصل رہائش بھی وہیں کی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یوسف آپکے چچا کا بیٹا بھی تھا اور ناصرہ بیت المقدس سے شمال مشرق کی طرف ہے مگر قرآن کریم نے عموماً شمال جنوب کا ذکر چھوڑ کر مشرق مغرب کا ہی ذکر کیا ہے اس لئے اسے مکان شرقی کہدیا ہے یا ممکن ہے کہ کوئی اور مکان شرقی ہو۔ لیکن انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے کی خوشخبری ملنے کے وقت حضرت مریم ناصرہ میں تھیں (لوقا ۱: ۲۶) بہرحال جیسا کہ اگلی آیت سے معلوم ہوگا یہ جانا اسلئے تھا کہ آپ بوجہ حیض آجانے کے مسجد میں نہ رہ سکتی تھیں اور اسلئے یہاں لفظ انتبذت بھی اختیار کیا ہے کیونکہ تکمیل روحانی کے اعلیٰ مقام سے الگ ہوکر جو مسجد میں رہنے سے حاصل تھا اب ایک رنگ کی معمولی گھر کی زندگی اختیار کرنی پڑی جس میں گھر کے دھندے زوجیت کے تعلقات اولاد کی پرورش وغیرہ امور شامل ہیں ●

۱۸ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ○ قَالَتْ

پس اس نے ان سے پردہ کر لیا سو ہم نے اپنی روح کو اس کی طرف بھیجا تو اسے ایک صحیح سالم انسان کی شکل نظر آئی ۱۹۸۴ کہا

۱۹ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ○ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ

میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو متقی ہو ۱۹۸۵ اس نے کہا میں صرف تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں وہ فرماتا ہی تا کہ تجھے

۲۰ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ○

الربع

ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں ۱۹۸۶ کہا میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے کسی انسان نے (نکاح کرکے) چھوا نہیں اور نہ میں بدکار ہوں ۱۹۸۷

تَمَثَّلَ

۱۹۸۴ تمثّل مثل سے ہی ۳۔ اور تَمَثَّلَ کے معنی ہیں ایک چیز کی شبیہ یا مثال بنائی اور تَمَثَّلَ فلانٌ کے معنی ضرب مثلاً بھی آتے ہیں یعنی مثال بیان کی (ل)، اور ایک چیز کی مثال ہو گیا (منتہی الارب) +

حضرت مریم کا حجاب کرنا اور اس کی غرض

حضرت مریم کے پردہ میں ہو جانے سے کیا مطلب ہی؟ مفسرین نے مختلف توجیہات کی ہیں بعض کہتے ہیں غسل حیض کیلئے پردہ کیا اور بعض کہتے ہیں ایام حیض میں مسجد سے الگ ہو جانا مراد ہی۔ اور بعض کہتے ہیں عبادت کیلئے مگر عبادت کیلئے تو مسجد موجود تھی اور وہیں حضرت مریم صغر سنی میں رہتی بھی تھیں کلما دخل علیہا زکریا المحراب (آل عمران ۳ - ۳۶) اسلئے اصل بات یہ ہی کہ جب آپ بلوغت کو پہنچیں تو اسلئے چونکہ مسجد کا رہنا آیندہ کیلئے موزون نہ تھا..... کسی اور مکان میں جانا پڑا۔ بہرحال یہ تبدیلی بلوغت سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی لئے حجاب کا بھی ذکر ہی کیونکہ حجاب سن بلوغت کو پہنچنے پر ضروری ہوتا ہی +

حضرت مریم کا کشف

روح سے مراد اکثر نے یہاں جبرائیل لیا ہی اور ابو مسلم نے خود حضرت عیسیٰ کو مگر دیکھو ۱۸۶۲ روح کے معنی کلام الٰہی بھی ہیں اور دوسری جگہ اذ قالت الملئکۃ (آل عمران ۳ - ۴۴) اسی کا مؤید ہی اور وحی جبرائیل انبیاء سے مخصوص بھی ہی پس مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام یا الہام اس کی طرف بھیجا اور تَمَثَّلَ لَہَا میں ضمیر اپنے اوپر ہوگی یعنی اس کلام الٰہی کے آنے کی تفصیل یہ ہے کہ ایک متمثل ہونے والا بشر کی صورت پر متمثل ہوا یعنی ایک کشفی نگاہ میں اسے ایک بشر نظر آیا +

کشف یا رویا میں بُرے کام کا ارتکاب

۱۹۸۵ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ جس کے خیالات نیک ہوں وہ رویا یا کشف کی حالت میں بھی بُرے کام کا ارتکاب نہیں کرتا یہ حضرت مریم کے خیالات کے کمال عصمت پر دلیل ہی۔ ان کنت تقیا اسلئے بڑھایا کہ متقی ہی انکی اس بات کی پروا کرسکتا تھا ایک شریر کیا پروا کرتا

۱۹۸۶ لِاَھَبَ میں فاعل وہ انسان کی صورت نہیں جس کی وساطت سے کلام ہو رہا ہی بلکہ خود اللہ تعالیٰ ہی چنانچہ دوسری قرأت اسکی لیھب ہی جو اس معنی کی صحت کی مؤید ہی اور اس ترکیب کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہی کہ جب اس متمثل نے یہ کہا کہ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تو اب اس پیغام کو بھی ظاہر کیا جو وہ لیکر آیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ تھے کہ میں تجھے ایک لڑکا دوں گا۔ اور یہ اس کے مطابق ہی جو فرمایا ان اللہ یبشرك (آل عمران ۳ - ۴۴) +

بغیّ

۱۹۸۷ بغیا۔ بَغِیٌّ کیلئے دیکھو ۱۱۵ وغیرہ۔ اور بَغَتِ الاَمَۃُ کے معنی ہیں لونڈی نے زنا کیا۔ اور اسی سے بَغِیٌّ ہی یعنی زنا کرنے والی لونڈی اور اسی سے بغاء ہی جو لونڈیوں کی زناکاری پر قرآن شریف میں آیا ہی ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء (النور ۲۴ - ۳۳) اور بعض نے کہا ہی کہ بَغِیٌّ صرف لونڈی ہی بدکار ہو یا نہ ہو۔ اور بعض نے کہا بَغِیٌّ ہر ایک بدکار عورت ہی لونڈی ہو یا آزاد اور بَغِیٌّ لونڈی کو کہہ دیا جاتا ہی گو اس سے ذم مراد نہ ہو (ل) +

لم یمسسنی بشر پر دیکھو ۴۲۶ اور لم اك بغیا نکاح کے مقابل پر بڑھایا کیونکہ مس بشر کنایہ ہی اس سے کہ نکاح ہوا ہو

قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً ٢١

اسنے کہا ایسا ہی ہوگا ۔ تیرا رب کہتا ہے یہ مجھ پر آسان ہے اور تا کہ ہم اسے لوگوں کیلئے نشان اور اپنی طرف سے رحمت

مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ○ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ○ ٢٢

بنائیں اور یہ امر فیصلہ شدہ ہے ١٩٨٨ پھر (مریم نے) اسے حمل میں لیا اور اسکے ساتھ الگ ہو کر دور جگہ چلی گئی ١٩٨٩

حضرت مریم کی منگنی

البتہ انجیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی منگنی ہو چکی تھی "چھٹے مہینے جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا" (لوقا ۱ : ۲۶ و ۲۷) حضرت مریم کا یہ کہنا کہ مجھے ابھی بشر نے نہیں چھوا خود یہی ظاہر کرتا ہے کہ نکاح کا معاملہ ہو چکا تھا تو جب بیٹے کی خوشخبری ملتی ہے تو وہ متعجب ہو کر کہتی ہیں کہ ابھی تو نکاح نہیں ہوا اور بشر نے مجھے چھوا نہیں اور یہ بھی نہیں کہ نکاح کے بغیر میرا تعلق کسی مرد سے ہو گیا ہو کیونکہ میں بدکار عورت نہیں۔ ھو علی ھین میں ظاہر یہی مراد ہے کہ اس شک کا دور ہونا کیا مشکل ہے۔

حضرت عیسیٰ کے آیت ہونے سے مراد

١٩٨٨ آیۃ للناس۔ آیۃ کے معنی کیلئے دیکھو ن٦ ہر چیز جو بطور ایک دلیل یا نشان کے ہو آیۃ کہلاتی ہے وجعلنا الیل والنھار اٰیتین (بنی اسرائیل ١٧ - ١٢) حالانکہ دن رات معمولی طور پر آتے جاتے ہیں۔ ہر خدا کی طرف بلانیوالے کا وجود ایک آیت ہے حق کی مخالفت کرنیوالوں کی ہلاکت بھی ایک آیت ہے یوسف اور اس کے بھائیوں کا معاملہ بھی ایک آیت ہے لقد کان فی یوسف واخوتہ اٰیات للسائلین (یوسف ١٢ - ٧) بلکہ کئی آیات ہیں اسلئے کہ اس ذکر سے بہت سے سبق ملتے ہیں اور حدیث میں سورج گرہن کو آیۃ کہا ہے۔ اور درحقیقت اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق ہی نشان ہے وکاین من اٰیۃ فی السمٰوات والارض (یوسف ١٢ - ١٠٥) حضرت مسیح کس معنی میں آیت تھے یہاں آپ کو آیۃ للناس کہا ہے اگر صرف اعجازی ولادت میں نشان مراد ہو تو صرف مومنوں کیلئے نشان ہوتے نہ عام طور پر لوگوں کیلئے۔ ہوسکتا ہے کہ آیۃ میں یہاں ان کی رسالت کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نبی بلکہ اس کے صالح بندے بھی اس کے وجود پر ایک آیت بن جاتے ہیں۔ یا خصوصیت سے مراد یہ ہو کہ ان کے بعد نبوت بنی اسرائیل سے منقطع ہو گئی مگر پہلے معنی کی رحمۃ منا سے تائید ہوتی ہے۔

حضرت مریم کا حاملہ ہونا الوہیت مسیح کے خلاف دلیل ہے

١٩٨٩ اس آیت میں مریم صدیقہ کے عیسیٰ کو حمل میں لینے کا ذکر کیا۔ اس ذکر کی ضرورت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ تا یہ بھی عیسائیت کے عقیدۂ الوہیت مسیح کے خلاف دلیل ہو اور ایسی ہی دلیل کے طور پر خود نبی کریم صلعم نے وفد نجران کے سامنے اسے استعمال کیا کیونکہ وہ چیز جسے عورت حمل میں لیتی ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا اور شاید اسلئے بھی حمل کا ذکر ہو کہ تا معلوم ہو کہ جس طرح پر عورتوں کو حمل ہوتا ہے اسی طرح حضرت مریم کو بھی ہوا اور نبی کریم صلعم نے وفد نجران کے مقابل پر ایسا ہی فرمایا الستم تعلمون ان عیسیٰ حملتہ امہ کما تحمل المراۃ کیا تم نہیں جانتے کہ عیسیٰ کو اسکی ماں نے حمل میں لیا جس طرح عورتیں حمل میں لیا کرتی ہیں کما تحمل المراۃ کے لفظ فیصلہ کن ہیں کہ یہ حمل اسی طریق پر ہوا جس طرح عورتوں کو ہوا کرتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسے مریم کے کشف اور فرشتہ کے کلام سے بالکل الگ کرکے بیان کیا ہے۔ اور یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ خود مفسرین نے ایسے اقوال نقل کئے ہیں جیسے وہب کا قول ان مریم لما حملت کان معہا ابن عم لھا یسمی یوسف النجار (یعنی جب مریم کو حمل ہوا تو ان کے ساتھ انکے چچا کا بیٹا یوسف نجار تھا (ر) اور یہ یوسف نجار وہی ہیں جو بروئے انجیل وتاریخ حضرت مریم کے شوہر تھے اور جنکے ساتھ مریم کا تعلق زوجیت یعنی میاں بی بی کا تعلق ہونا خود عیسائیوں کو مسلم ہے جو حضرت عیسیٰ کو خدا بناتے ہیں۔ مگر مسلمان بعض یہاں تک گئے ہیں کہ کہتے ہیں حضرت مریم کو حیض بھی نہیں آتا تھا۔ اور کبھی کہدیتے ہیں کہ مریم کا حمل صرف ایک گھڑی کیلئے تھا یعنی فوراً حمل ہوا فوراً آپ وہاں

۲۳ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ○

پھر دردزہ اسے کھجور کے تنے کی طرف لے آیا کہنے لگی اے کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہوتی ع ۱۹۹

چل پڑیں اور فوراً حضرت عیسیٰ پیدا ہوگئے (اور اس کے آگے ایک مرحلہ اور ترقی کرکے یہ بھی کہ وہ فوراً نبی بھی بن گئے) حالانکہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت مریم کو نو ماہ حمل رہا جس طرح تمام عورتوں کو حمل رہتا ہے (د) ٭

مکانا قصیاً سے مراد حضرت مریم کا سفر بیت لحم

فانتبذت به مکانا قصیا سے یہ مراد نہیں کہ حمل ہوتے ہی وہ کسی دوسرے مکان میں چلی گئی بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ حالت حمل میں اسے کہیں دور جانا پڑا۔ اور بہ کا لفظ ساتھ بڑھا سے کا منشا سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ وقت ایسا تھا کہ حمل کا اچھا بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وضع حمل کا وقت قریب تھا اور یہ سفر مردم شماری کی غرض کیلئے یوسف نے مریم کے ساتھ اختیار کیا تھا "یہ پہلی اسم نویسی سوریہ کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی اور سب لوگ نام لکھوانے کیلئے اپنے اپنے شہر کو گئے پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرہ سے داؤد کے شہر بیت لحم کو گیا جو یہودیہ میں ہے اس لئے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا کہ اپنی مریم منگیتر کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے جب وہ وہاں تھے تو ایسا ہوا کہ اسکے جننے کا وقت آپہنچا" (لوقا ۲: ۲-۶)

جاء - اتی

ع ۱۹۹ اجاء جاء (مجیء) کے معنی وہی ہیں جو اتی کے یعنی آیا لیکن اتیان سہولت کی مجیء ہے یعنی سہولت سے آنا اور اتیان یا اتی قصد کے اعتبار سے کہا جاتا ہے گو وہ مقصد حاصل نہ ہوا ہو اور مجیء یا جاء حصول کے اعتبار سے اور اعیان اور معانی دونوں میں مستعمل ہوتا ہے جاء من اقصا المدینة رجل (یٰس ۳۶-۲۰) فاذا جاء الخوف (الاحزاب ۳۳-۱۹) فاذا جاء اجلهم (الاعراف ۷-۱۴) اور فقد جاء و ظلما و زورا (الفرقان ۲۵-۴) میں مراد ہے کہ ظلم اور جھوٹ کا قصد کیا اور اسے کر گزرے اور جاء ربك والملك صفا صفا (الفجر ۸۹-۲۲) میں بالذات آنا مراد نہیں بلکہ اپنے امر کے ساتھ آنا مراد ہے اور یہ ابن عباس کا قول ہے اور اجاء جاء سے متعدی کیا گیا ہے اور اسکے معنی الجاء ہیں یعنی اسے ایک بات کیلئے مضطر کر دیا اور جاء بکذا کے معنی ہیں اسے حاضر کیا لولا جاءو علیه باربعة شهداء (النور ۲۴-۱۳) (غ) ٭

اجاء

مخاض

مخاض - اس کا اصل مخض ہے اور مخاض دردزہ کو کہتے ہیں یعنی حاملہ کو جننے کے وقت جو درد ہوتا ہے (ل) ٭

جذع

جذع - جذع کھجور کے تنے کو بھی کہتے ہیں اور شاخ کو بھی (ل) جمع جذوع ہے فی جذوع النخل (طٰہٰ ۲۰-۷۱) ٭

حضرت مریم کا دردزہ دلیل ابطال الوہیت مسیح ہے

حضرت مریم کے حمل کے ذکر کے بعد اب دردزہ کا ذکر کیا ہے اور جس طرح ذکر حمل عیسائیت پر اتمام حجت کیلئے ہے اسی طرح دردزہ کا ذکر بھی ہے کیونکہ عیسائی کہتے ہیں کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے عورت کو یہ سزا ملی تھی کہ "درد سے تو لڑکے جنیگی" (پیدائش ۳: ۱۶) اور جسے عیسائی اپنا خدا سمجھتے ہیں جس نے آدم کے گناہ کا ازالہ کرنا تھا جب وہ جنا جاتا ہے تو اس کی ماں بھی دردزہ سے جنتی ہے اور یہاں تک شدت دردزہ کی ہوتی ہے کہ وہ چلا اٹھتی ہے یلیتنی مت قبل هذا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت مریم کی طرف اسیات کو منسوب کرنا کہ انہوں نے دردزہ کی شدت سے ایسا کہا ہو ان کی شان کے لائق نہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ بڑی سے بڑی عورت کی شان بھی اسے اس تکلیف سے نہیں بچا سکتی اور اگر کسی رسوائی کے خیال سے حضرت مریم یہ بات کہہ سکتی ہیں تو دردزہ کی شدت سے کیوں نہیں کہہ سکتیں۔ پھر یہ پہلوٹھی کا بچہ تھا اور پہلے وضع حمل میں عورت کو ہمیشہ بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں مشکلات تھیں کہ گھر میں نہ تھیں حالت سفر میں تھیں بے سروسامانی حد درجہ کی یہاں تک کہ باہر کھلے میدان میں یہ واقعہ پیش آیا جس پر قرآن کریم و انجیل دونوں شاہد ہیں دائی تک پاس نہیں ایسی حالت میں شدت دردزہ سے ان الفاظ کا انکے منہ پر آجانا بالکل قرین قیاس ہے۔

کھجور کے تنے سے سہارے کیلئے مضطر ہو جانا بھی انجیل کے بیان سے ملتا جلتا ہے "اور وہ پہلوٹا بیٹا جنی اور اسکو کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھا کیونکہ ان کیواسطے سرائے میں جگہ نہ تھی" (لوقا ۲: ۷) اور یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ سرائے کے باہر کسی کھجور کے درخت سے سہارا لیا ہے اور اس کا ذکر قرآن شریف نے اسلئے کیا کہ جسے عیسائی خدا خدا کرکے پکارتے ہیں وہ کیسی بیکسی کی حالت میں

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ○ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ ۲۴ ۲۵

تو اسکے نیچے سے اسے ایک ندا آئی کہ غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ (بہا) رکھا ہو ۱۹۹۱ اور کھجور کی شاخ کو اپنی طرف ہلا

تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ○ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ ۲۶

تجھ پر تازہ پکی کھجوریں جھڑ پڑیں گی ۱۹۹۲ سو کھا اور پی اور آنکھ کو راحت پہنچا پھر اگر تو کسی انسان کو دیکھے

فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ○

تو کہنا میں نے رحمان کیلئے (اپنے اوپر) روزہ واجب کیا ہو اسلئے آج میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی ۱۹۹۳

پیدا ہوا اور جسے خدا کی ماں کہا جاتا ہو اس نے کس مصیبت کی حالت میں اسے جنا +

سریّا — ۱۹۹۱ سری۔ سَرَیٰ رات کو چلا اور یہ سَرَاۃ سے ہو جو فراخ زمین کو کہتے ہیں اور سَرِیّ نہر ہو جو چلتی ہے (غ) +

نادٰھا کا فاعل نہیں بتایا ظاہر ہو کہ خدا کا فرشتہ ہو اور یہ الہامی آواز ہو۔ مگر بعض مفسرین کو حضرت عیسیٰ کو جلد بلانے کا شوق یہانتک ہو کہ کہتے ہیں کہ یہ آواز حضرت عیسیٰ نے پیدا ہوتے ہی دی تھی حضرت عیسیٰ کے متعلق عجوبہ پرستی کسی زمانہ میں لوگوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی +

ھزّ۔ اھتزاز — ۱۹۹۲ ھزی۔ ھَزّ زور سے ہلانا ہو اسی سے اِھْتَزَّ ہو فلما راٰھا تھتزّ (النمل ۲۷۔ ۱۰) اور سبزی کا اپنی تر و تازگی سے حرکت کرنا بھی اھتزاز ہے فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت (الحج ۲۲۔ ۵) +

رطب — رطب۔ رَطْب تازہ یا یبس (یعنی خشک) کے خلاف اور رُطَب تازہ کھجور سے مخصوص ہو (غ) +

جنی۔ جَنِیّا — جنی۔ جَنَی پھل کے چننے پر بولا جاتا ہو اور جَنِیّ وہ ہو جو چنا گیا مگر اس کا استعمال تازہ پھل پر ہو اور جَنیٰ پھل ہو وجنا الجنتین دان (الرحمٰن ۵۵۔ ۵۴) اور استعارۃً جنایۃ کا استعمال گناہ پر ہوتا ہو (غ) +

کھانے اور پینے دونوں کا سامان موجود تھا۔ کھجور موجود تھی اس کے ہلانے سے تازہ کھجوریں مل جائینگی اور پانی کا چشمہ نیچے بہ رہا تھا اس کا پتہ بتا دیا اگر ایک طرف بیکسی کا اظہار کیا تو دوسری طرف یہ بھی بتا دیا کہ کس طرح جنگل میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں مہیا فرما دیتا ہے

قرّت عینہ — ۱۹۹۳ قری عینا دیکھو نمبر ۹۶ قَرَّتْ عَیْنُہٗ کے معنی ہیں مسرّت یعنی آنکھ کو راحت پہنچی اور یا یہ قُرّ بمعنی سردی سے ہو یعنی آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور یا یہ قرار سے ہو یعنی آنکھ کو اس سے سکون ملا پس وہ دوسری چیز کی طرف نہ اُٹھی۔ قرۃ عین (القصص ۲۸۔ ۹) قرۃ اعین (الفرقان ۲۵۔ ۷۴) کے تقرّ عینھا (طٰہٰ ۲۰۔ ۴۰) (غ) +

مریم کے کسی سے کلام نہ کرنے کی غرض — کھانے پینے کا سامان سفر میں بہم پہنچایا آنکھوں کی راحت کیلئے بیٹا عطا فرمایا اس لئے ساتھ ہی اپنی نعمت کی شکرگزاری کیلئے لوگوں سے بات چیت بند کرکے اللہ کے ذکر کی طرف توجہ دلائی جس طرح زکریا کو فرمایا تھا الا تکلم الناس ثلٰثۃ ایام الا رمزا واذکر ربک کثیرا و سبح بالعشی والابکار (اٰل عمران ۳۔ ۴۰) یعنی تین یوم کی خاموشی سے فائدہ یہ اُٹھاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح بہت کرو جو ایک نعمت پر شکرگزاری کے طور پر ہو۔ حالانکہ دوسرے موقعہ پر جب اس سورت میں تین دن کی خاموشی کا ذکر کیا تو وہاں کوئی ایسے لفظ نہیں مگر مراد وہی ہو اسیطرح حضرت مریم کے ذکر میں خاموشی کی ہدایت فرما کر اس ذکر کی ضرورت نہ تھی کہ اس اثنا میں ذکر خدا کرو۔ مگر مطلب یہی ہو اور یہ کہنا کہ اس سے مطلب یہ تھا کہ لوگ تم پر الزام لگائینگے تو تم جواب نہ دے سکو گی اسلئے خاموش رہو۔ درست نہیں اسلئے کہ یہ تو حالت سفر تھی سرائے کے باہر پڑے تھے اندر بھی جگہ نہ ملی تھی۔ وہاں

۲۷ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝

پھر وہ اسے سوار کئے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی۔ انہوں نے کہا اے مریم تو ایک بناوٹ بنا لائی ہو ۱۹۹۴

خاموشی کا روزہ شریعت اسلام نے منسوخ کر دیا

کون جانتا تھا کہ یہ مریم کون ہو اور اس سے بچہ بن باپ کے جنا ہو۔ قرآن کریم کے پرحکمت الفاظ پر بھی غور نہیں کیا۔ من البشر احدا صاف بتاتا ہو کہ کسی انسان سے بھی کلام نہیں کرنا یہانتک کہ یوسف سے بھی نہیں کیونکہ وہ بھی بشر میں داخل ہو یہ خاموشی کا روزہ صرف ذکر الٰہی کیلئے تھا۔ اور یہودی ایسا کرتے تھے کہ ذکر الٰہی کیلئے خاموشی کا روزہ رکھتے تھے اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی اور نبی کریم صلعم نے اسے منع کر دیا (د) اور حضرت ابوبکر ایک عورت پر داخل ہوئے جس نے نذر مانی تھی کہ کلام نہ کرے گی تو آپ نے فرمایا کہ اسلام نے اسے منسوخ کر دیا ہو (د)۔ ہاں اس قصہ سے اس قدر سبق ہر مسلمان کو اب بھی ملتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر کس طرح شکر گزاری کرے۔

حمل

۱۹۹۴ تحمله سے مراد گود میں اُٹھانا ہی نہیں بلکہ سواری دینا بھی جیسے دیکھو ۱۳۳۵ یا سوار کرنا ✦

فریّ

فریّ۔ فَرَی کے معنی ہیں قطع کیا ۳۹۵ اور فَرِیًّا کے معنی عظیم عجیب اور بناوٹی ہیں (غ)

حضرت عیسیٰ کے زمانہ نبوت کے حالات

مفسرین کا خیال تو یہ ہو کہ حضرت مریم حاملہ ہو جانے پر اپنے رشتہ داروں سے بھاگ گئی تھیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ بچہ جنتے ہی پھر اسے گود میں لئے قوم کے پاس پہنچیں یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں اگر وہ اس خوف سے بھاگ گئیں کہ لوگ مجھ پر الزام لگائینگے تو پھر بچہ کو اٹھائے ہوئے آنے کے کیا معنی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ پھر انہیں یقین ہو گیا کہ یہ بچہ خود الزام کا جواب دے لیگا۔ یہ تو اس تفسیر کے مطابق پہلے سے علم تھا ویکلم الناس فی المهد اسلئے یہ قصہ بنانا پڑا کہ شیطان نے یہودیوں کو خبر دیدی تھی کہ مریم کے ہاں لڑکا ہوا ہو اسلئے انہوں نے اسے بلا بھیجا۔ اصل بات یہ ہو کہ یہ واقعہ بالکل الگ ہو اور حضرت عیسیٰ کی ولادت کے ساتھ اس ذکر کو چھوڑ دیا ہو یہانتک کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت کا زمانہ آجاتا ہو اور یہ بالکل اسکے مطابق ہو جو پچھلے رکوع میں حضرت یحییٰ کے ذکر میں طرز اختیار فرمائی تھی یعنی بشارت دیکر اور اس پر تسبیح کا ارشاد کرکے فوراً فرمایا یٰیحییٰ خذ الکتٰب بقوة۔ حالانکہ یحییٰ کے پیدا ہونے کا بھی ذکر نہیں کیا تھا۔ یہاں ولادت کے ذکر کے بعد حضرت مریم کو ذکر و تسبیح کا ارشاد کرکے اسی طرح حضرت عیسیٰ کے زمانہ نبوت کا ذکر کیا ہو۔ اور پچھلی آیت کا تعلق اس مضمون سے کوئی نہیں۔ اور اس پر قطعی دلیل یہ ہو کہ اس موقع پر جو کچھ حضرت مریم کو کہا گیا اور اس کا جو جواب حضرت عیسیٰ نے دیا وہ یقیناً اور قطعاً زمانہ نبوت سے تعلق رکھتا ہو۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کہتے ہیں جعلنی نبیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اٰتانی الکتٰب مجھے کتاب دی ہو اور یہ کہنا کہ یہ باتیں لامحالہ واقع ہونے والی ہونیکی وجہ سے ماضی کے صیغہ میں بیان کی گئی ہیں اور مراد استقبال ہو تو اوصٰنی بالصلوٰة والزکوٰة ما دمت حیا کے کس طرح معنی کئے جائینگے اور وہ مجھے نماز اور زکوٰة کا حکم دیگا جبتک میں زندہ رہوں گو یا جب کلام کر رہے ہیں اسوقت ما دمت حیا میں داخل نہ تھے۔ اور لم یجعلنی کے معنی کس طرح کرینگے یہ سب ماضی کے صیغے ہیں یا تو ان سب کے معنی مستقبل کے ہونگے اور وہ ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ پھر لازم آتا ہو کہ کلام کرتے کیوقت حضرت عیسیٰ زندہ نہ ہوں اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ بعض مستقبل کے صیغے مانے جائیں اور بعض ماضی کے کیونکہ اس صورت میں ایک دن یا چالیس دن کے بچے کو نماز اور زکوٰة کا حکم ملنا بے معنی ہو پھر کیا حضرت عیسیٰ ایک ماہ کی عمر میں ماشاء اللہ نمازی اور تہجد خواں بھی تھے اور کسی مال کے مالک بھی تھے؟ اور یا ماننا پڑے گا کہ اس کلام کے کرتے وقت حضرت مسیح نبی بن چکے تھے۔ انجیل ان پر نازل ہو رہی تھی۔ نماز اور زکوٰة کا حکم مل چکا تھا اور ان پر یہ الزام تھے کہ یہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہو جس کا جواب انی عبد اللہ میں ہو اور یہ کہ ماں سے بھی اچھا سلوک نہیں کرتا اور یہ واقعہ انا جیل میں بھی موجود ہو جس کا جواب برا بوالدتی میں ہو اور یہ کہ یہ ایک سرکش آدمی ہو جو علماء اور گدی نشینوں کو برا کہتا ہو جس کا جواب لم یجعلنی جبارا شقیا میں ہو۔ اور نہ اسکے سوائے چارہ نہیں پس فاتت به قومها تحمله

يَٰٓأُخۡتَ هَٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ ٱمۡرَأَ سَوۡءٖ وَمَا كَانَتۡ أُمُّكِ بَغِيّٗا ۝ فَأَشَارَتۡ ۲۸ ۲۹

اے ہارون کی بہن تیرا باپ بُرا آدمی نہیں تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی ۱۹۹۵ تو اس نے اس کی

إِلَيۡهِۖ قَالُواْ كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي ٱلۡمَهۡدِ صَبِيّٗا ۝

طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے کہا ہم کس طرح اس سے کلام کریں جو (ابھی کل) جھولے میں لڑکا تھا ۱۹۹۶

حضرت عیسیٰ کا گدھی سوار ہونا

لازماً حضرت عیسیٰ کے زمانہ نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت عیسیٰ اس وقت حضرت مریم کی گود میں نہ تھے بلکہ سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوئے تھے۔ اور سوار ہو کر داخل ہونا کسی خاص غرض سے تھا جیسا کہ انجیل میں ہے دیکھو متی ۲۱ باب جس میں حضرت مسیح کے یروشلم پہنچنے کا اور گدھی یا گدھی کے بچے یا دونوں پر سوار ہونے کا ذکر ہے" اور گدھی اور بچے کو لا کر اپنے کپڑے ان پر ڈالے اور وہ ان پر بیٹھ گیا" (متی ۲۱: ۷) اور "یہ اسلئے ہوا کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو" (متی ۲۱: ۴) اور حضرت مریم کا ساتھ ہونا

حضرت مریم کا ساتھ ہونا

اسلئے بیان کیا کہ اناجیل کے بعض بیانات سے پایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ اور ان کے بھائی گویا ان پر ایمان نہ لاتے تھے۔ تو والدہ کے ساتھ ہونے کو اس کی تردید کیلئے بیان کیا ہے کیونکہ اگر فی الواقع یہ سچ ہو کہ حضرت مریم بھی حضرت عیسیٰ کو جھوٹا مانتی تھیں تو پھر آپ کی نبوت پر اور خود حضرت مریم کے صدیقہ ہونے پر سخت شبہات وارد ہوتے ہیں اور اناجیل سے ہی کئی موقعوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مریم حضرت عیسیٰ کے ساتھ رہتی تھیں اور فقیہوں وغیرہ کا یہ کہنا کہ اے مریم تو ایک بناوٹ بنا لائی ہے یا تو ایک عجیب چیز لائی ہے اسی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ ایک طرف انکے نزدیک خدائی کا دعویٰ ہے دوسری طرف حضرت مسیح نے اپنے وعظوں میں اپنی

شیئاً فریاً سے مراد

حضرت مسیح کے کلمات بزرگان یہود کے حق میں

قوم کے علماء کے ساتھ سختی بھی کی تھی اور ایسے ایسے الفاظ میں انہیں خطاب کیا تھا "اے سانپ کے بچو تم برے ہو کر کیونکر اچھی باتیں کہہ سکتے ہو" (متی ۱۲: ۳۴) "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوتی ہیں اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو" (متی ۲۳: ۲۷ و ۲۸) "اے سانپو اے افعی کے بچو" (متی ۲۳: ۳۳) حضرت مسیح کی عمر اس وقت تیس بتیس سال کی بتائی جاتی ہے اس لئے انہوں نے انکو نوعمری کی وجہ سے قابل خطاب بھی نہیں سمجھا جیسا کہ آگے ذکر آتا ہے اور ماں سے خطاب کیا +

اخت ھارون

۱۹۹۵ اخت ھارون حضرت مریم کو ان الفاظ میں خطاب کیا ہے دیکھو ۴۰۷ تعجب ہے کہ عیسائی اعتراض کرتے ہیں جن کی اپنی انجیل میں موجود ہے "اے یوسف ابن داؤد" اور جہاں بار بار مسیح کو ابن داؤد کہا گیا ہے اور اس خطاب میں ایک گونہ حضرت مریم کی بزرگی کا اعتراف بھی ہے۔ کیونکہ حضرت ہارون کی طرف آپکو نسبت دی گئی +

یہودیوں کا اعتراض حضرت عیسیٰ پر تھا یا مریم پر

اور ان کا یہ کہنا کہ تیرا باپ برا نہ تھا اور تیری ماں بدکار نہ تھی یا لونڈی نہ تھی (دیکھو ۱۹۸۷) میں بھی اشارہ حضرت مسیح کی طرف ہی ہے کہ یہ ہمیں گالیاں دیتا ہے اور تمہارا خاندان تو اچھا خاندان تھا یہ ایسا کہاں سے پیدا ہو گیا اور اگر یہ کہا جائے کہ یہودیوں نے مریم پر زنا کا بہتان تو باندھا ہے تو کیوں وہی مراد نہ سمجھا جائے تو وہ باندھنے والے پچھلے لوگ ہیں وقولہم علیٰ مریم بہتاناً عظیما وقولہم انا قتلنا المسیح (النساء ۴- ۱۵۶- ۱۵۷) پیچھے جب مخالفت حد کو پہنچ گئی تو اس مخالفت کے جوش میں سب کچھ کہہ دیا۔ اور اگر مریم پہ جھوٹا الزام بھی دیا ہو تو کیا شادی شدہ عورتوں پر بہتان نہیں باندھے جاتے مگر سیاق سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں ذکر یا تو نبوت حضرت عیسیٰ کا انکے مزعومہ خدائی کے دعویٰ کا اور انکی مزعومہ سختی کا ہے جو وہ بزرگان قوم پر کرتے تھے بلکہ خود ماں سے بھی کرتے تھے +

اشار

۱۹۹۶ اشارت۔ اشاد یشیر کا مادہ شور ہے (۲۰۲ ب) اور اسی سے مشورہ ہے حضرت مریم نے بجائے خود جواب دینے کے حضرت

۳۱ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ط اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا

(عیسیٰ نے) کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا اور مجھے برکت والا بنایا

۳۲ اَیْنَ مَا کُنْتُ صلے وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ وَّبَرًّا

جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم دیا ہے جبتک میں زندہ رہوں اور اپنی

بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۝

ماں سے نیکی کرنیوالا (ہوں) اور اس نے مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا ۱۹۹۷

مسیح کی طرف اشارہ کیا یہ خاموشی کے روزہ کی وجہ سے نہ تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اور یہ خود اس سے بھی ظاہر ہے کہ خاموشی کے روزہ پر یہ حکم تھا فقولی انی نذرت للرحمٰن صوما فلن اکلم الیوم انسیا۔ یعنی اگر کوئی پوچھے تو اسے بتا دو کہ میں نے خاموشی کا روزہ رکھا ہوا ہے مگر یہاں انہوں نے بتایا کچھ نہیں اور بات بھی یہی معقول تھی اعتراض تو حضرت مسیح پر تھا آپ اس کا کیا جواب دیتیں آپ نے ان کی طرف اشارہ کر دیا کہ خود انہی سے دریافت کرو مجھے کیا کہتے ہو تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم کل کے بچہ سے کیا بات کریں حضرت عیسیٰ تیس سال کے نوجوان تھے پرانے بزرگوں کے سامنے وہ بچہ ہی تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ جو ہمارے سامنے کا بچہ ہے ہم اس سے کیا خطاب کریں اسکے سوائے من کان فی المھد صبیا کے کچھ معنی نہیں بنتے مفسرین نے خود اس مشکل کو محسوس کیا ہے واستشکلت الاٰیۃ بان کل من یکلمہ الناس کان فی المھد صبیا قبل زمان تکلیمہ (ر) یعنی اس آیت میں اشکال واقع ہوا ہے اسلئے کہ ہر شخص جس سے لوگ بات کرتے ہیں وہ گفتگو کے زمانہ سے پہلے جھولے میں بچہ رہ چکا ہے اور یہ کس قدر ظاہر بات ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ اس کلام کے وقت بھی بچہ ہوتے تو انہیں کہنا چاہئے تھا کیف نکلم من ھو فی المھد صبی کان کا استعمال خود بتاتا ہے کہ کلام کرنے والا اس حالت سے نکل چکا ہے رہا یہ کہ زمانہ قریب میں نکل چکا ہے یا بعید میں اس سے بحث نہیں لیکن قرآن کریم کے الفاظ کی صراحت بتاتی ہے کہ اس کلام کے وقت حضرت عیسیٰ مہد میں نہ تھے اور بچپن کی حالت سے نکل چکے تھے رہا یکلم الناس فی المھد سو دیکھو ۴۲۶ اور ایک یا دو دن کا بچہ تو اس وقت بھی فی المھد نہیں کہلا سکتا۔ مہد کا وقت بھی کچھ بعد ہی آتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر فی الواقع ایسا ہی ہوا کہ حضرت عیسیٰ نے ایک یا دو دن کی عمر میں لوگوں کو یہ بتا دیا ہو کہ میں خدا کا نبی ہوں۔ تو جوانی کو پہنچنے پر کون یہودی کتنا بھی سخت دل ہوتا اس کا انکار کرتا۔ وہ جانتے تھے کہ مریم نے کل بچہ جنا ہے وہ جانتے تھے کہ ایک دن کا بچہ سوائے رونے کے کچھ نہیں جانتا پھر جب وہ اس قدر باتیں اس سے سن چکے ہوتے اور اس نے اپنی نبوت کی خبر پیدا ہوتے ہی دیدی ہوتی تو کس یہودی کا سر پھرا تھا کہ وہ کہتا یہ افترا کرتا ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر انکار حضرت عیسیٰ کا ہوا انبیائے بنی اسرائیل میں سے اور کسی کا انکار اس قدر نہیں ہوا پس یہ تمام باتیں ایک ہی امر کو قطعی اور یقینی ٹھہراتی ہیں کہ یہ زمانہ نبوت کا کلام ہے نہ پیدائش کے فوراً بعد کا ۔

۱۹۹۷ اس جواب میں جو آیت ۳۰ و ۳۱ و ۳۲ میں حضرت عیسیٰ نے دیا ہے ذیل کی باتیں کہی ہیں۔ میں[۱] اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے[۲] کتاب ملی ہے۔ میں[۳] نبی بنایا گیا ہوں۔ میں[۴] بابرکت ہوں یہاں رہوں یا دوسری جگہ جاؤں۔ مجھے[۵] جبتک زندہ ہوں نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم ملا ہے۔ میں[۶] اپنی ماں سے حسن سلوک کرتا ہوں انکی گستاخی نہیں کرتا۔ میں[۷] جبار شقی نہیں کہ بزرگوں اور نیکوں کو برا کہوں اب جیسا کہ میں نے کہا یہ زمانہ نبوت کا کلام ہے۔ اس صورت میں ہر ایک جواب اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہے۔ اپنی عبودیت

کان فی المھد صبیا کا مفہوم

حضرت عیسیٰ پر اعتراضات اور انکا جواب اور عیسائیوں پر اتمام حجت

۳۳ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ

اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا

کا اعتراف اسلئے کیا کہ لوگ آپکی طرف خدائی کا دعویٰ منسوب کرتے تھے - اس کی قطعی تردید کی - اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح پر جو سب سے بڑا الزام یہودیوں نے لگایا تھا وہ یہی تھا کہ یہ خدا بنتا ہے - اسلئے سب سے پہلے اسی کا جواب دیا جب خدا نہیں تو پھر کیا ہے - آتانی الکتاب ملی ہے کتاب ملنے سے توریت کا جاننا مراد نہیں تھا بلکہ بحیثیت نبی اللہ تعالیٰ کیطرف سے کتاب کا ملنا اسلئے ساتھ ہی اپنے نبی ہونے کا ذکر کیا گویا بتایا کہ جس طرح پہلے تم میں نبی ہوتے رہے ہیں میں بھی نبی ہوں اور آیت ۳۰ کی یہ تینوں باتیں گویا ایک خدائی کے دعوے کے اعتراض کا جواب ہیں اور پھر آیت ۳۱ میں اپنی نبوت پر دلیل دی کہ میں بابرکت ہوں یعنی میرا پیغام مقبول ہے یہاں بھی مقبول ہو رہا ہے کیونکہ باوجود علماء کی مخالفت کے لوگ انکے ساتھ ملتے بھی تھے بلکہ انکی خاطر سب کچھ چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو گئے تھے اور اینما کنت میں پیشگوئی ہے کہ میں کسی دوسری جگہ جاؤں گا اور وہاں بھی میرا پیغام مقبول ہوگا - دوسری دلیل یہ ہے کہ میں نیکی پر عمل پیرا ہوں اور اسی کا حکم دیتا ہوں اسلئے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا کہ یہی دو باتیں تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہیں اور نیکی پر عامل ہونا اور اس کی تعلیم دینا یہی انبیاء کا کام ہوتا ہے - یہ دلیل انجیل میں بھی دی ہے کہ تم میری تعلیم کو شیطان کی طرف منسوب کرتے ہو شیطان نیکی کی تعلیم کس طرح دے سکتا ہے - اسکے بعد آیت ۳۲ میں ان اعتراضات کا جواب دیا جو سخت کلامی کے متعلق تھے اول ماں کے متعلق کہ میں ہرگز ان کی گستاخی نہیں کرتا بلکہ ان سے نیکی کرتا ہوں دوسرا اوروں کے متعلق کہ میں جبار شقی نہیں کہ خواہ مخواہ دوسروں کو برا کہوں اور ان پر زیادتی کروں - اور عجیب بات یہ ہے کہ ان تمام باتوں میں اگر یہودیوں کے اعتراضات کا جواب ہے تو ساتھ ہی عیسائیت پر بھی اتمام حجت ہے +

حضرت مسیح کے ماں سے نیکی کا ذکر بالخصوص کیوں کیا

براً بوالدتی - بالخصوص قابل توجہ ہے اسلئے کہ کہا جاتا ہے کہ اس سے یہ دلیل پیدا ہوتی ہے کہ آپ کا باپ کوئی نہ تھا - یہ دلیل صحیح نہیں کیا ممکن نہیں کہ باپ مر چکا ہو - اور اصل بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ پر اعتراض تو یہ تھا کہ یہ اپنی والدہ سے سختی کرتے ہیں اور اناجیل میں بھی لکھا ہے کہ آپ کو "اے عورت" کہکر خطاب کیا کرتے - اور ایک واقعہ بھی لکھا ہے کہ آپ کی والدہ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تھی تو آپنے اجازت نہ دی تھی "کسی نے اس سے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے باتیں کرنی چاہتے ہیں اس نے خبر دینے والے کے جواب میں کہا کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی ؟ اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہے" (متی ۱۲ : ۴۷ - ۵۰) اب اس واقعہ کی اصلیت کچھ ہی ہو اور اس میں شک نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت مسیح کے بھائی آپ پر صرف ایمان نہ لاتے تھے بلکہ شاید مجنون سمجھتے تھے - لیکن ماں جو ایک راستباز عورت تھی وہ ایک نبی کی منکر نہ ہو سکتی تھی اور غالباً اصل واقعہ میں یا کچھ ملاوٹ ہو گئی ہے اور یا ممکن ہے کہ ماں بھائیوں کو سفارش کے طور پر لائی ہو اسلئے ان کا نام بھی ساتھ آ گیا - بہرحال جن باتوں کا اس سے استدلال ہوتا ہے کہ ماں سے حضرت مسیح سختی کرتے تھے اور کہ حضرت مریم آپ پر ایمان نہ لاتی تھیں - ان دونوں کی تردید قرآن کریم نے کی ہے سختی کا جواب تو یہ دیا کہ براً بوالدتی - ماں سے میں نیکی کا سلوک کرتا ہوں ان کی گستاخی نہیں کر سکتا اور ماں کے ایمان کے متعلق دوسری جگہ فرمایا امہ صدیقۃ (المائدۃ ۵ - ۷۵) اور یہی وجہ ہے کہ ان دو باتوں کے ذکر کی ضرورت ہوئی یعنی حضرت عیسیٰ کے والدہ سے نیکی کرنے کی اور ان کی والدہ کے راستباز اور مومن عورت ہونے کی - یہ ہے وہ پرحکمت طریق جس سے قرآن کریم نے حضرت مسیح اور انکی والدہ سے ہر قسم کے الزامات کو دور کیا ہے +

امہ صدیقۃ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی

انی عبداللہ والا کلام زمانہ طفولیت کا نہیں ہو سکتا

یوں زمانہ نبوت کا کلام قرار دیکر یہ کلام کیسا پرحکمت ٹھہرتا ہے کہ جس کے ایک ایک لفظ میں نہ صرف تمام اعتراضات کا جو

٣٤ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝ ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ

اور جس دن میں مروں اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں ۱۹۹۸ یہ مریم کا بیٹا عیسیٰ ہے یہ سچائی کی بات ہے

٣٥ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهُ ۚ

جس کے بارہ میں وہ جھگڑتے ہیں اللہ کو شایاں نہیں کہ وہ کوئی بیٹا بنائے وہ پاک ہے

إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

جب کسی امر کا فیصلہ کر دیتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے ۱۹۹۹

آپ پر کئے جاتے تھے اور جنکو عیسائیوں نے بھی مسیح کو خدا بنانے کیلئے قبول کر لیا ہے جواب آگیا ہے بلکہ ساتھ ہی اپنے دعوی کو بھی صاف کر دیا ہے لیکن اگر اسے بچپن کا کلام سمجھا جائے تو اس سے کیا غرض پوری ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم پر جو اعتراض تھا کہ بن باپ بچہ کیونکر ہو گیا یہ اس کا جواب ہے۔ میں کہتا ہوں اگر اس کا جواب ہوتا تو حضرت عیسیٰ کو صاف کہنا چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسا کر دیا اور پھر اس وقت کلام کرنا اور یہ شہادت ادا کرنا اس پر کافی دلیل ہے بجائے اسکے کہ وہ ذکر یہ شروع کرتے ہیں کہ میں خدا نہیں خدا کا بندہ ہوں نبی ہوں صاحب کتاب ہوں نماز پڑھتا ہوں زکوٰۃ دیتا ہوں ماں سے اچھا سلوک کرتا ہوں جبار شقی نہیں ہوں۔ تو کیا جو شخص ایسا ہو وہ بن باپ پیدا ہوا کرتا ہے اس قسم کے تو بہت لوگ بنی اسرائیل میں ہو چکے تھے۔ ابھی یحییٰ کا ذکر گزر چکا جو اس سے کم نہیں بڑھکر ہی ہے تو کیا وہ بن باپ ہوئے تھے اسلئے ان میں یہ صفات تھیں یہ سچ ہے کہ اس سے اس قدر استدلال تو ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے راستباز انسان کی ماں زانیہ نہیں ہو سکتی۔ گو عیسائیوں نے تو اسکے خلاف بھی کہا ہے لیکن اصل اعتراض کا جواب کچھ نہ آیا اور پھر یہ ساری باتیں بے ضرورت تھیں ایک بچہ کا اتنا کہدینا ہی کافی تھا کہ یہ بڑی راستباز ہے اور میں نبی بنوں گا مگر وہ اپنے متعلق سب کچھ کہتے ہیں لیکن والدہ کے متعلق ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے جس سے انکے جواب کا کوئی تعلق حضرت مریم پر الزام کے ساتھ سمجھا جائے +

علاوہ ازیں بچہ کا کلام ہو کر کچھ معنی نہیں بنتے اور بالخصوص اوصٰنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا اس ساری توجیہ کو قطعی طور پر غلط ٹھہراتا ہے۔ ما دمت حیا اس صورت میں اس کے ساتھ ل سکتا ہے جب حکم نازل ہو چکا ہو اور بچہ کو حکم نماز بے معنی ہے پھر زکوٰۃ کا حکم اور بھی بے معنی ہے مفسرین نے اس مشکل کو یوں دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ صلوٰۃ سے مراد محض دعا ہے اور زکوٰۃ سے مراد تطہیر نفس ہے اور اس ذریعہ سے شاید آسمان پر بٹھانے کی مشکل کو بھی حل کرنا چاہا ہے مگر وہی ما دمت حیا کی شرط یہاں بھی کچھ نہیں بننے دیتی وفات کے بعد دعا اور تزکیہ کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا۔ پس یہاں وہی صلوٰۃ اور زکوٰۃ مراد ہے جو اس دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے اور یہ الفاظ نہ صرف اسی بات کو غلط ٹھہراتے ہیں کہ یہ بچپن کا کلام ہے بلکہ ساتھ ہی حضرت مسیح کے آسمان پر پہونچنے کو غلط ٹھہراتے ہیں کیونکہ اس خاص صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا تعلق اس زمین سے ہے

۱۹۹۸ یہ وہی لفظ ہیں جو حضرت یحییٰ کے حق میں ہیں پس وہی تین زندگیاں حضرت مسیح کیلئے ہیں جو اوروں کیلئے ہیں یعنی ایک ولادت سے لیکر وفات تک اس زمین پر زندگی۔ ایک وفات سے لیکر قیامت تک یعنی برزخ کی زندگی ایک بعد قیامت۔ اگر آسمان پر جانا اور وہاں سے اترنا بھی کوئی حقیقت رکھتا تو اس قدر اہم واقعہ کا ذکر بھی یہاں ہونا چاہئے تھا +

۱۹۹۹ ان دو آیتوں میں کھولکر بتا دیا کہ اصل غرض اس بحث کی عیسائیت پر اتمام حجت ہے جو مسیح کو خدا بناتی ہے۔ اور فیہ یمترون میں مراد نصاری کا جھگڑا رسول اللہ صلعم سے ہے کیونکہ آگے ان یتخذ من ولد میں اسی کی تردید ہے +

صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم مسیح کے آسمان پر ہونے کو غلط ٹھہراتا ہے۔

وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ ٣٦ ٣٧

اور بیشک اللہ میرا رب اور تمہارا رب ہے سو اسکی عبادت کرو یہ سیدھا رستہ ہے پھر انکے درمیان

الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

فرقوں نے اختلاف کیا سو ان پر جنہوں نے کفر کیا ایک عظیم الشان دن کے حاضر ہونے پر افسوس ہے ٢٠٠٠

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ٣٨

وہ کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہونگے جس دن ہمارے سامنے آئینگے لیکن ظالم آج کھلی گمراہی میں ہیں

وقف لازم

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ٣٩

اور انہیں حسرت کے دن سے ڈرا جبکہ معاملہ کا فیصلہ ہوچکا ہے ٢٠٠١ اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے

ع ١١ — حضرت ابراہیم

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝ ع وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ ٤٠ ٤١

یقیناً ہم ہی زمین کے وارث ہیں اور (انکے بھی) جو اس پر ہیں اور وہ ہماری طرف لوٹائے جائینگے اور کتاب میں ابراہیم کی خبر

اِبْرٰهِيْمَ ڛ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ ٤٢

کو بیان کر یقیناً وہ صدیق نبی تھا ٢٠٠٢ جب اس نے اپنے بزرگ سے کہا اے میرے بزرگ تو کیوں اس کی عبادت کرتا ہے

عیسائیت کے فرقوں کا باہم اختلاف

٢٠٠٠ احزاب یا فرقوں (۱۴۵۱) سے مراد عیسائیت کے مختلف فرقے ہیں (ج) انکے باہمی اختلافات حضرت عیسٰی کے بارہ میں بہت ہیں اور ہر ایک عقیدہ باطلہ کا یہی حال ہوتا ہے مسلمانوں کے فرقوں اور عیسائیوں کے فرقوں میں کتنا فرق ہے کہ وہ سب فرقے حتیٰ کہ سنی اور شیعہ بھی رسول اللہ صلعم کے متعلق کوئی اختلاف ایسا نہیں رکھتے کہ آپکا مرتبہ کیا تھا اور ان میں اصولی اختلاف کوئی نہیں مگر عیسائیوں کے تمام فرقوں میں ایک دوسرے سے اصولی اختلاف ہے اور کوئی دو فرقے اس پر اتفاق نہیں کرتے کہ حضرت عیسٰی کو کیا کہیں اور ان لچر بحثوں سے دفتروں کے دفتر سیاہ ہوئے ہیں۔ انہی سے اسکندریہ کا کتبخانہ بھرا ہوا تھا جسکے جلانے کا غلط الزام حضرت عمر پر عیسائی دیتے ہیں۔ گبن اس الزام کی تردید کرکے لکھتا ہے کہ اگر ان فضول بحثوں سے بھری ہوئی کتابوں کو واقعی عمر نے جلاکر چھ ماہ تک اسکندریہ کے حمام گرم رکھے تو اس سے بہتر مصرف ان کتابوں کا اور نہ ہوسکتا تھا +

کتبخانہ اسکندریہ

٢٠٠١ یوم الحسرۃ سے مراد قیامت ہے اس لئے کہ اس دن عمل کے ہاتھ سے جاتے رہنے سے شدت غم ہوگی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی ایک لمبے زمانہ تک حالت غفلت میں رہینگے اور ایمان نہ لائینگے اور اس سے اگلی آیت میں بتایا کہ انہیں حکومت اور ملک ملیگا مگر آخر یہ چیزیں ہماری ہی طرف واپس آئینگی +

٢٠٠٢ اس سورت کا اصل مضمون عیسائیت پر اتمام حجت ہے اور حضرت ابراہیم کا ذکر اسلئے کیا کہ آپ ان تمام انبیاء کے مورث اعلیٰ ہیں جو سلسلہ اسرائیلی میں ہوئے جن میں سے ایک حضرت عیسٰی بھی ہیں اور بلحاظ قبولیت آپکا مرتبہ بہت ہی بلند ہے اسلئے کہ یہودی اور عیسائی اور مشرکین عرب اور مسلمان سب انکی راستبازی کے قائل تھے۔ اور توجہ اس عظیم الشان سلسلہ نبوت کیطرف

۴۳ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ○ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ

جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ کچھ تیرے کام آسکتا ہے اے میرے بزرگ یقیناً مجھے علم کا وہ حصہ

۴۴ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ○ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ

ملا ہے جو تجھے نہیں ملا سو تو میری پیروی کر میں تجھے سیدھا رستہ دکھا دونگا اے میرے بزرگ شیطان کی عبادت نہ کر

۴۵ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ○ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ

کیونکہ شیطان رحمان کا نافرمان ہے ۲۰۰۳ اے میرے بزرگ میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمان کی طرف سے کوئی

۴۶ مِنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ○ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ

عذاب آ پہنچے تو تو شیطان کا مددگار بن جائے ۲۰۰۴ اس نے کہا اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے منہ موڑتا ہے

۴۷ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ○ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا

اگر تو باز نہ آئے میں تجھے دھتکار دونگا اور تو ایک مدت مجھ سے الگ ہو جا ۲۰۰۵ کہا تجھ پر سلامتی ہو میں اپنے رب سے تیرے لئے استغفار کرونگا بیشک وہ مجھ پر غایت درجہ کا مہربان ہے

ولائی ہے جو حضرت ابراہیم سے شروع ہوتا اور حضرت عیسیٰ پر ختم ہوتا ہے +

حدیث لم یکذب ابراہیم الا ثلاثا غلط ہے

صدیق کیلئے دیکھو ۵۸۶ اور نبی کے متبع بھی مرتبہ صدیقیت کو پاتے ہیں اور وہ خود بھی صدیق ہوتا ہے یعنی ایمان کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچا ہوا اور صدیق کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سچ بولے اس سے کبھی جھوٹ سرزد نہ ہو۔ اسلئے حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لم یکذب خط (ر) پس وہ حدیث غلط ہے جس میں تین دفعہ جھوٹ بولنا حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کیا گیا ہے

حضرت ابراہیم کی عصمت

یوں حضرت ابراہیم کے متعلق جو ایک ہی بات ان کی عصمت کے خلاف بیان کی جاتی ہے اس کی تردید کرکے حضرت ابراہیم کی عصمت کو قائم کیا ہے

شیطان کو معبود بنانے سے مراد

۲۰۰۳ شیطان کو کوئی معبود نہیں کہتا مگر چونکہ عبادۃ غایۃ تذلل کا نام ہے اسلئے جو لوگ شیطان کے آگے غایت درجہ کا تذلل اختیار کرتے ہوئے اس کی ہر آواز کی پیروی کرتے چلے جاتے ہیں وہ گویا اسی کی عبادت کرتے ہیں بعض نے شیطان کی عبادت سے مراد بتوں کی عبادت لی ہے اسلئے کہ شیطان ہی اس کی تحریک کرتا ہے (د) ابراہیم کے اس اب کے متعلق دیکھو ۹۶۷

شیطان کا ولی بننے سے مراد

۲۰۰۴ رحمان کی طرف عذاب کی نسبت اسلئے کی کہ اس کا رحم تو اتنا بڑا ہے کہ بلا بدل بھی رحم کرتا ہے پس اس کا عذاب سوائے اس کے نہیں آتا کہ انسان حد سے نکل جائے یا شاید اسلئے کہ ایک رنگ میں بت پرست رحمانیت کا منکر ہے۔ اور اس عذاب کا نتیجہ یہ بتایا کہ تو شیطان کا ولی بن جائے یعنی دوسروں کے بہکانے میں شیطان کا مددگار ہو جائے پس اس عذاب سے مراد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے

اللہ تعالیٰ سے دوری

گو اس میں کوئی ظاہری دکھ نہ ہو۔ یعنی خود شیطان کا اتباع کرتے کرتے تو اللہ سے اس قدر دور پڑ جائے تو پھر خود دوسروں کو غلط راہ پر ڈالنے لگے اسی دوری کو یہاں عذاب کہا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بُعد اور دوری سب سے بڑا عذاب ہے +

رجم

۲۰۰۵ رجم کے معنی پر اکہنا دھتکارنا بھی آتے ہیں ۱۸۰۰ یہاں یہی معنی مراد ہیں (ج) ملی کیلئے دیکھو ۵۷۳ +

حفی

۲۰۰۶ حفی۔ حفی۔ احفاء کیلئے دیکھو ۱۱۸۶ اور حفا رقت قدم اور پیر کے ننگا ہونے کو کہتے ہیں اور حفی بالرجل کے معنی ہیں اسکے اکرام میں غایت درجہ کو پہنچا۔ اسلئے حفی وہ مہربانی کرنیوالا ہے جو اکرام میں غایت درجہ کو پہنچے (ل) اور کسی چیز کا علم رکھنے والے کو بھی [illegible]

وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي ۴۸

اور میں تم سے الگ رہونگا اور اس سے جسے تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو اور میں اپنے رب سے دعا کرونگا امید ہو میں اپنے رب سے دعا کرکے محروم

شَقِيًّا ○ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۴۹

نہیں رہونگا سو جب ان سے الگ ہو گیا اور اس سے جس کی وہ اللہ کے سوائے عبادت کرتے تھے ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب دیئے

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۵۰ ع

اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا ۲۰۰۷ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے حصہ دیا اور ہم نے ان کیلئے سچا ذکر بلند کیا ۲۰۰۸

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ○ ۵۱

اور کتاب میں موسیٰ (کی خبر) کو بیان کر وہ ہر کھوٹ سے پاک تھا اور رسول نبی تھا ۲۰۰۹

ع ۴ (۱۵)

حضرت عیسیٰ کے پہلے اور انبیاء

دشمن سے پیار

یہاں بدی کے مقابل نیکی کا طریق سکھایا ہو وہ برا کہتا ہو حضرت ابراہیم سلام علیک فرماتے ہیں اور استغفار کرنیکا وعدہ کرتے ہیں دشمن سے یہ پیار کا عملی ثبوت ہو عیسائیوں کا فخر کہ یہ تعلیم حضرت عیسیٰ نے دی بیجا ہو ہر نبی کی یہی تعلیم تھی اور یہی بتانا مقصود ہو استغفار ابراہیم کے لئے دیکھو ۱۳۵۵۔

۲۰۰۷ یہاں اسحاق اور یعقوب دینے کا ذکر ہو۔ اشارہ یہ ہو کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اپنے بزرگ اور اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کی تو ہم نے اسے ایک ایسی نسل دی جس میں ایک مدت تک سلسلۂ نبوت چلا اسی لئے اسحاق کے ساتھ اسکے بیٹے یعقوب کا بھی ذکر کیا۔ یہاں حضرت اسمٰعیل کا ذکر اسی لئے نہیں کیا اور اسلئے بھی کہ اسمٰعیل کا ذکر آگے علیحدہ آتا ہو کیونکہ اس سے ایک علیحدہ نسل چلی جس میں سے ہمارے نبی کریم صلعم پیدا ہوئے۔

لسان

۲۰۰۸ لسان۔ زبان یعنی عضو کو بھی کہتے ہیں اور اس کی قوت کو بھی (غ) اور لسان صدق کیلئے دیکھو ۱۳۷۱ اور واحلل عقدۃ من لسانی (طٰہٰ۔ ۲۷) میں مراد قوت لسان ہی ہو نہ خود لسان اسلئے کہ عقدہ قوت لسان یعنی نطق میں تھا نہ زبان میں (غ)۔

اَخْلَصَ مُخْلَص

مُخْلِص

۲۰۰۹ مخلص۔ اَخْلَصَہٗ اَمْحَضَہٗ (ل) یعنی اَخْلَصَ کے معنی ہیں ایک چیز کو ہر قسم کی آمیزش سے پاک کیا یا رکھا اسلئے مُخْلَص وہ ہو جسے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی میل یا کھوٹ سے پاک رکھا ہو اور مُخْلِص وہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو ہر آمیزش سے پاک رکھے

سورۃ الاخلاص

اسلئے قل ھو اللہ احد کا نام سورۃ الاخلاص ہو کیونکہ اس میں توحید کو ہر آمیزش سے پاک کیا گیا ہو (ل)۔

حضرت موسیٰ کی عصمت

رسول نبی

چونکہ سورت کا اصل مضمون عیسائیت پر اتمام حجت ہو اسلئے حضرت ابراہیم کے بعد سلسلۂ اسرائیلی کے اس عظیم الشان نبی کا ذکر کیا جو اس سلسلہ کا بانی ہو۔ اور باقی تمام انبیاء کے ذکر کو چھوڑ دیا۔ لیکن ہارون کا ذکر ساتھ کر دیا اسی بات کیطرف اشارہ کرنیکو جو ۱۹۸۳ میں بیان ہوئی اور چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ کے بیگناہ ہونے پر بڑا زور دیتے ہیں اسلئے حضرت موسیٰ کو مُخْلَص فرمایا یعنی جو ہر قسم کی میل اور کھوٹ سے پاک تھا اس سے بڑھکر بیگناہی متصور نہیں ہوسکتی۔ اور یہاں حضرت موسیٰ کو رسول نبی کہا ہو۔ اصطلاح شرعی میں ہر ایک رسول نبی ہو اور ہر نبی رسول ہو اسلئے جس کو ایک جگہ نبی کہا ہو اسے دوسری جگہ رسول کہا ہو مثلاً حضرت عیسیٰ کے متعلق اوپر فرمایا وجعلنی نبیا اور آل عمران میں فرمایا تھا ورسولاً الی بنی اسرائیل اور دونوں ناموں کو اکٹھا کرنے میں دونوں کے لغوی معنوں کیطرف اشارہ ہو۔ رسول کیلئے دیکھو ۱۱۰ وہ ہو جسے پیغام دیکر بھیجا جاتا ہو اور نبی وہ ہو دیکھو ۹۱ جسے اللہ تعالیٰ اپنی

٥٢ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ

اور ہم نے اسے بابرکت پہاڑ کی طرف سے پکارا اور اپنے راز بتاتے ہوئے اسے مقرب بنایا[۲۰۱۰] اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے اس کا

٥٤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ○ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ

بھائی ہارون نبی عطا فرمایا اور کتاب میں اسمٰعیل کی خبر کو بیان کر وہ وعدے کا سچا تھا اور

٥٥ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ○ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ

رسول نبی تھا[۲۰۱۱] اور اپنے ساتھیوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک

٥٦ مَرْضِيًّا ○ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○

محل رضا تھا[۲۰۱۲] اور کتاب میں ادریس کی خبر کو بیان کر وہ صدیق نبی تھا

توحید کی خبر دیتا ہے اور اسے غیب کی باتیں بتاتا ہے۔ اور چونکہ رسول سوائے پیغام الٰہی کے کسی اور چیز کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اس لئے بعد میں لفظ نبی لایا گیا +

یُمن۔ اَیمن

۲۰۱۰ ایمن۔ یُمن کے معنی برکت ہیں اور اَیمن برکت والا (ل)، اور اس کے معنی دایاں بھی ہیں مگر پہاڑ کا دایاں یا بایاں سوئے معنی نہیں اور بابرکت پہاڑ کو ان برکات کی وجہ سے کہا جو وہاں حضرت موسیٰ پر نازل ہوئیں۔ اور یہاں ایمن جانب کی صفت بھی ہو سکتا ہے اور طور کی بھی +

نجیّ

نجیّ۔ نجاۃ کیلئے دیکھو ۔۔ اور ناجَیْتُہٗ کے معنی ہیں ساررتہٗ یعنی اسے اپنا رازدار بنایا اور اس کا اصل نجاۃ سے ہے یعنی تم اسکی ایسی بات ہیں مددگر جس میں اس کی نجات ہے (غ) اور نجیّ مناجی ہے (غ) یعنی جسے اپنے راز پر اطلاع دی جائے +

حضرت اسمٰعیل کی رسالت

۲۰۱۱ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت اسمٰعیل کا ذکر کیا ہے اسلئے کہ سلسلہ موسوی کے ختم ہونے کے بعد حضرت اسمٰعیل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور نبوت سلسلہ موسوی سے سلسلہ محمدی میں منتقل ہوتی ہے۔ اور حضرت اسمٰعیل کے صادق الوعد ہونے کے ذکر میں بائبل کے اس بیان کی تردید ہے کہ اسمٰعیل ایک وحشی آدمی تھا (پیدائش ۱۶: ۱۲) اور ہمارے نبی کریم صلعم میں بھی یہ وصف کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ اور امت محمدیہ میں بھی وعدہ کی سچائی کی صفت خاص طور پہ نمایاں نظر آتی ہے بمقابلہ دوسری اقوام کے جن میں وعدہ توڑنا ایک معمولی بات ہے۔ حضرت اسمٰعیل قبیلہ جرہم کی طرف مبعوث ہوئے تھے (ر) کیونکہ اس وقت کہیں کوئی آبادی نہ تھی بائبل میں ان کی رسالت کا ذکر نہیں +

حضرت اسمٰعیل کی عصمت

۲۰۱۲ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی تعلیم سب انبیاء میں مشترک تھی یہ دو اصل دین کے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں حضرت عیسیٰ کو بھی یہی حکم دیا تھا۔ حضرت اسمٰعیل بھی اپنے پیروؤں کو اسی راہ پر چلاتے تھے۔ اور آپ کے مرضیّ یا رضائے الٰہی کا محل ہونے میں یہ بتایا کہ ان سے کوئی فعل اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف سرزد نہیں ہوا اور یہی مقام عصمت ہے +

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ ۵۷ ۵۸

اور ہم نے اسے بلند مرتبہ پر رفع دیا ۲۰۱۳ یہ نبیوں میں سے وہ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا آدم کی

اٰدَمَ ۙ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا

نسل سے اور ان سے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی

سجدۃ وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝

اور چن لیا جب ان پر رحمان کی آیتیں پڑھی جاتیں وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ۲۰۱۴

ادریس کا رفع

۲۰۱۳ حضرت ادریس وہی ہیں جن کا ذکر بائبل میں حنوک کے نام سے ہوا اور یہ حضرت نوح سے پہلے کے ہیں بعض کے نزدیک ان میں اور نوح میں ایک ہزار سال کا فرق ہے جس طرح نوح اور ابراہیم میں ایک ہزار سال کا فرق ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ حضرت آدم کے بعد پہلے رسول ہیں۔ اور بائبل میں ہے کہ "حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اس لئے کہ خدا نے اسے لے لیا" (پیدائش ۵: ۲۴) اور پولوس کہتا ہے "ایمان ہی سے حنوک اٹھا لیا گیا تاکہ موت کو نہ دیکھے" (عبرانیوں ۱۱: ۵) اسی وجہ سے ہمارے بعض مفسرین نے بھی لکھ دیا ہے کہ حضرت ادریس زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور وہ چوتھے یا چھٹے آسمان پر ہیں اور بعض نے کہا کہ چوتھے آسمان پر ان کی روح قبض کر لی گئی ان باتوں کی کوئی اصلیت نہ قرآن شریف میں ہے نہ حدیث صحیح میں اور کعب احبار سے جو روایت ہے کہ ایک فرشتہ حضرت ادریس کا دوست انہیں چوتھے آسمان پر لے گیا تھا اور وہاں ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی تو اس کو نقل کر کے ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ کعب کی اسرائیلیات ہیں اور ان میں بعض باتیں ناقابل قبول ہیں۔ اور رفعناہ مکانا علیا کی تفسیر حسن سے مروی ہے ھو شرف النبوۃ والزلفی عند اللہ تعالیٰ (د) یعنی اس سے مراد شرف نبوۃ اور قرب الٰہی ہے اور پھر روایات کو نقل کر کے بتایا ہے کہ بلند مکان سے مراد علو شان اور بلند مرتبہ ہو تو یہ تعریف کی بات ہے ورنہ صرف اونچے مکان پر لے جانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا (د) اور حضرت ادریس کے رفع کا ذکر کر کے یہ بھی بتا دیا کہ رفع بھی حضرت عیسیٰ کی خصوصیت نہیں بلکہ سب انبیاء کا ہوا

انبیاء کی غیر تاریخی ترتیب میں حکمت

اس سورت میں جو ترتیب انبیاء ہے وہ تاریخی نہیں مگر اس کی وجوہات خاص ہیں۔ پہلے یحییٰ کا ذکر کیا جو حضرت عیسیٰ کے ذکر کے لئے بطور تمہید تھا۔ پھر حضرت عیسیٰ کا جو اصل مقصود ہے پھر حضرت ابراہیم جہاں سے ایک عظیم الشان سلسلہ نبوت چلتا ہے اس میں اول ایک شاخ کے ذکر کو اسحاق یعقوب سے شروع کر کے جو ابتداء میں ہیں موسیٰ اور ہارون پر جو سلسلہ موسوی کی بنیاد رکھنے والے ہیں ختم کر دیا اور دوسری شاخ میں صرف حضرت اسمٰعیل کا ذکر کیا کیونکہ اس کے اول اسمٰعیل اور آخر حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلعم ہیں پھر ادریس کا ذکر کر کے یہ بتا دیا کہ سلسلہ نبوت کی بنیاد ابراہیم سے نہیں رکھی گئی بلکہ جب سے انسان ہوا اسی وقت سے انبیاء بھی ہوتے چلے آتے ہیں۔ اور یہ ترتیب اسی سورت سے خاص ہے۔ کیونکہ اس میں عیسائی مذہب پر اتمام حجت ہے +

۲۰۱۴ آدم کی ذریت سے تو سب ہیں مگر یہاں قریب ترین جد کا ذکر کیا ہے۔ یعنی ادریس آدم کی ذریت سے۔ ابراہیم نوح کی ذریت سے اسحاق اور اسمٰعیل ابراہیم کی ذریت سے موسے ہارون عیسیٰ یحییٰ اسرائیل کی ذریت سے۔ حضرت عیسیٰ کے یوں ذریت میں شامل کرنے پر مفسرین کو یہ کہنا پڑا ہے کہ نسب لڑکی کی طرف سے بھی ہوتی ہے اور ان تمام انبیاء کے ایک جا ہدایت اور اجتبا کا ذکر کر کے حضرت عیسیٰ کی فرضی خصوصیات کو توڑا ہے +

۵۹ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ

پھر ان کے بعد ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی سو وہ

۶۰ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

ہلاکت کو پا لینگے ۲۰۱۵ مگر جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور اچھے عمل کئے تو یہ جنت میں داخل

۶۱ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ جَنّٰتِ عَدْنِ ۣ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ

ہونگے اور انپر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا ہمیشگی کے باغوں میں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے پوشیدہ (رکھکر)

۶۲ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ

وعدہ کیا ہے بیشک اس کا وعدہ آکر رہے گا ۲۰۱۶ اس میں کوئی بیہودہ بات نہیں سنینگے ہاں سلام (سنینگے) اور انکا رزق اس میں

۶۳ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝

صبح اور شام (ملیگا) ۲۰۱۷ یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اسے بناتے ہیں جو متقی ہو

غیّ

۲۰۱۵ غیّ کے معنی یہاں راغب نے عذاب لئے ہیں مگر دیکھو ۱۰۵۸ اغویتنی اھلکتنی (ج) شاہد ہے کہ غیّ کے معنی ہلاکت بھی ہیں اضاعت صلوٰۃ یا نماز کا ضائع کرنا اس کا ترک کر دینا بھی ہے یا ظاہر صورت کو قایم رکھکر حقیقت سے بے خبر ہونا یا اس کے اوقات کو ترک کر دینا۔ اور گو لفظ عام ہے مگر بالخصوص عیسائیوں نے عبادات کو کفارہ کے خلاف سمجھ کر بالکل ترک کر دیا ہے اور شہوات کے پیچھے بھی جس قدر یہ قوم لگی ہے دوسری کوئی نہیں لگی۔ آج مسلمان بھی نماز کو ضائع کر رہے ہیں ؛

جنت غیب ہے

۲۰۱۶ بالغیب میں با ملابست کیلئے ہے یعنی اس نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور وہ ان سے غیب کا حکم رکھتی ہے (د) کیونکہ وہ ان آنکھوں سے نہیں دیکھی جاتی بلکہ اس کا علم دوسرے حواس سے ہوتا ہے

اتی۔ ماتیّ

ماتیا۔ اتیان (اتی) سہولت سے آنے پر بولا جاتا ہے اور یہاں ماتی بمعنی اٰتی ہے یعنی مفعول بمعنی فاعل اور مراد یہ ہے کہ ضرور آکر رہے گا ؛

بہشت کی صبح وشام

۲۰۱۷ بہشت میں رات نہیں کہ وہاں صبح اور شام ہوں آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اوقات مراد ہیں جن میں یہاں نماز پڑھتے تھے (د) گویا ان کا رزق وہی نماز کا پھل ہے اور صبح وشام سے دوام بھی مراد ہوتا ہے یعنی ہر حالت میں اور تمام اوقات میں اور سلام وہاں ہونے سے مراد تمام آفات سے سلامتی کا ہونا ہے اور سلام سننے سے مراد ایک تو ان کا باہمی سلام ہے تحیتھم فیہا سلام (ابراھیم ۱۴۔ ۲۳) اور دوسرا ملائکہ کا ان پر سلام کہنا۔ سلام علیکم طبتم (الزمر ۳۹۔ ۷۳) ؛

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ ۶۴

اور ہم تیرے رب کے حکم کے سوائے نازل نہیں ہوتے اسی کا ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان ہے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ ۶۵

اور تیرا رب بھولنے والا نہیں ۲۰۱۸ آسمانوں اور زمین کا رب اور جو ان دونوں کے درمیان ہے سو اسکی عبادت کر

وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝ وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ ۶۶

اور اسی کی عبادت پر مضبوط رہ کیا تو اس جیسا کوئی اور جانتا ہے ۲۰۱۹ اور انسان کہتا ہے کیا جب میں مر جاؤں گا تو (پھر) زندہ

ع ۵ / ۱۶ — بعث حق ہے انسان بیان کرتا ہے خدا ان سمجھیں جانبیگے

لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۝ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ ۶۷

کرکے نکالا جاؤں گا ۲۰۲۰ کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پہلے پیدا کیا اور وہ کچھ بھی

شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ۶۸

نہ تھا سو تیرے رب کی قسم ہم یقیناً انہیں اور (انکے) شیطانوں کو اکٹھا کرینگے پھر ہم ضرور انہیں گھٹنوں پر گرے ہوئے دوزخ کے گرد لا حاضر کرینگے ۲۰۲۱

ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ۝ ۶۹

پھر ہر گروہ میں سے ہم ضرور انہیں الگ نکال لینگے جو رحمٰن کے خلاف سرکشی میں سخت تر تھے

انبیاء کا نزول مراد ہے یہ ہوتا ہے

۲۰۱۸ اسی ایک روایت کی بنا پر جو اصحاب کہف کے سوال کے متعلق ہے یہاں یہ سمجھا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل کا قول ہے جس میں گویا یہ بتایا ہے کہ وحی کیوں رک گئی تھی اور بخاری میں ابن عباس کی روایت صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت صلعم نے جبرائیل کو کہا تھا کہ آپ اس سے زیادہ نزول کیوں نہیں کرتے تو انھوں نے یہ جواب دیا لیکن آیت کے الفاظ سے جو مفہوم اقرب الی الذہن معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں خود انبیاء علیہم السلام کے نزول کا ذکر ہے اور اگر فرشتوں کا آنا بھی مراد ہو تو پھر بھی مراد نزول قرآن ہی ہوگی ۔ کیونکہ لیلۃ القدر جس میں قرآن نازل ہوا اس میں ملائکہ بھی نازل ہوتے ہیں تو پس یا تو عام طور پر انبیاء کا آنا مراد ہے کہ نبی تبھی آتا ہے جب امر رب ہوا اور یا بالخصوص نزول قرآن کریم کا ہی ذکر ہے کہ اب جو یہ وحی نازل ہوئی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہے ما بین ایدینا سے مراد مستقبل اور ما خلفنا سے مراد ماضی اور ما بین ذلک حال ہے اور ما کان ربک نسیا میں یا تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کو بھول نہیں سکتا تھا جو اس نے ایک آخری رسول بھیجنے کے متعلق سب انبیاء سے کئے تھے اور یا یہ کہ وہ لوگوں کو اس طرح ضلالت کی حالت میں چھوڑ نہیں سکتا تھا ۔ اور بعض نے مراد یہ لی ہے کہ اپنے نبیوں کو نہیں چھوڑ سکتا یعنی ان کی نصرت کریگا ۔

اصطبار

۲۰۱۹ اصطبر، اصطبار ۔ صبر سے باب افتعال ہے اور اصطبر کے معنی ہیں تحمّل الصبر بجہد (غ) اپنی کوشش سے صبر کو قائم رکھ معنی کیلئے دیکھو ۱۹۲ اس جیسا کوئی نہیں اس میں انبیت کی بھی تردید ہے ۔

۲۰۲۰ یہاں کسی خاص انسان کا ذکر نہیں بلکہ ہر اس انسان کا ہے جو منکر بعث ہے ۔

جُثِیّ ۔ جاث جثیّ

۲۰۲۱ جثیّ ۔ جثی کے معنی گھٹنوں پر بیٹھ گیا اور جاث گھٹنوں پر بیٹھنے والا وتریٰ کل امۃ جاثیۃ (الجاثیۃ ۔ ۲۸) اور اس کی جمع جثیّ

۷۰ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۞ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ

پھر یقیناً ہم انہیں خوب جانتے ہیں جو اس میں داخل ہونیکے زیادہ اہل ہیں ۲۰۲۲ اور تم میں سے کوئی نہیں مگر اس پر آئیگا یہ

۷۲ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۞ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۞

تیرے رب پر لازم ہو چکا ، فیصلہ ہو چکا (ہی) ۲۰۲۳ پھر ہم انہیں نجات دینگے جنہوں نے تقوی اختیار کیا اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دینگے

ہے اور جِثِیّ بھی ہے (ل) +

شیاطین سے مراد یہاں وہ شیطان بھی ہوسکتے ہیں جو ہر انسان کے قرین ہیں مگر شیاطین الانس زیادہ قرین قیاس ہیں +

صِلِیّ۔ صال

۲۰۲۲ صلی صالٍ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں آگ میں داخل ہونے والا (غ) ، دیکھو ۱۳۱۱ الا من ھو صال الجحیم (الصٰفّٰت ۳۷-۱۶۳)

بدکاروں کیلئے جہنم ضروری ہے -

اولی لانے سے یہ مطلب نہیں کہ بعض زیادہ اہل ہیں بعض کم گو یہ بھی معنی کئے گئے ہیں اور ہوسکتے ہیں کہ جو لوگ کفر میں زیادہ سخت تھے جیسا اوپر کی آیت میں ہے وہی آگ میں بھی پہلے داخل ہونگے ۔ اور ان کا عذاب بھی سخت تر ہوگا ۔ مگر یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جن کا آگ میں داخل ہونا بہ نسبت ان کے باہر رہنے کے زیادہ مفید ہے اسلئے وہ آگ میں داخل ہونے کی بہ نسبت نہ داخل ہونے کے زیادہ اہل ہیں اس میں یہ بتایا ہے کہ ان کا آگ میں داخل ہونا ہی ان کا علاج ہے +

وارد

۲۰۲۳ وارد ۔ وُرود کیلئے دیکھو ۱۲۵۰ اس کے اصل معنی ہیں پانی یا آگ پر پہنچنا بغیر اس میں داخل ہونے کے گو بعض نے توسیع کرکے داخل ہونا بھی اس میں شامل کرلیا ہے +

حتم

حتم ۔ حتم ایک امر کا احکام یعنی مضبوط کرنا ہے یا ایک بات کا واجب کرنا یا تقضاء (ل) +

مومن دوزخ میں داخل نہیں ہونگے

ورود کے معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس آیت کے معنی میں قطعاً کوئی وقت نہیں رہتی گو ان منکم میں تمام انسان یعنی مومن وکافر شامل ہوں کیونکہ یہ دوزخ کے اوپر پہنچنا ہے نہ دوزخ میں داخل ہونا اور ایک حدیث میں ہے جسے غریب کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نیک اور بد دونوں اس میں داخل ہونگے مگر نیکوں پر وہ آگ ٹھنڈک اور سلامتی ہوگی اور ایک اثر میں ہے کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہونگے تو وہ دریافت کرینگے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ان منکم الا واردھا تو کہا جائیگا تم اسکے اوپر سے گزر آئے ہو اور اس کی آگ بجھی ہوئی تھی تو ان تینوں سے ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے یعنی یہ کہ حقیقتاً نیک لوگ دوزخ میں داخل نہ ہونگے ۔ اور یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے کیونکہ فرمایا لا یسمعون حسیسھا (الانبیاء ۲۱-۱۰۲) وہ اسکی آواز تک کو نہ سنینگے اور اولئک عنھا مبعدون (الانبیاء ۲۱-۱۰۱) وہ اس سے دور رکھے جائینگے پس اگر یہاں ورود میں نیک و بد دونوں شامل بھی سمجھے جائیں تو وہ ورود ہے جس کے ساتھ دخول نہیں ۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں منکم میں خطاب صرف کفار کو ہے اور شروع رکوع سے ہی ذکر کفار کا ہے ۔ مثلاً آیت ۶۶ میں انسان کا لفظ عام ہے مگر مراد صرف وہی انسان ہے جو منکر بعث ہے پھر آیت ۶۸ میں انہی منکران بعث اور شیاطین کے حشر کا ذکر ہے پس منکم میں یہی لوگ داخل ہیں اور یہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے (ج) اور بعض نے کہا کہ مومن کا ورود بھی گو شامل ہے مگر اس سے مراد وہ مصائب و تکالیف ہیں جو اس دنیا میں مومن پر آتی ہیں اور یہ مجاہد کی طرف منسوب ہے (ج) ، اور اس کے آگے جو آتا ہے ثم ننجی الذین اتقوا تو یہاں ثم ترتیب کے لیئے نہیں دیکھو ۱۲۰۱ بلکہ یہ ایک الگ واقعہ کا ذکر ہے کہ متقی نجات پا جائینگے یعنی عذاب سے بچ جائینگے اور ظالم دوزخ میں رہینگے +

تکالیف میں دوزخ کا رنگ

اور یہ جو بعض آثار میں صحابہ کے ایسے اقوال پائے جاتے ہیں کہ وہ اس آیت سے بہت خائف رہتے تھے ۔ تو ان سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ ایک نہ ایک رنگ میں ہر انسان کو مصائب برداشت کرنی پڑتی تھیں اور مقامات عالیہ بغیر تکالیف شاقہ میں پڑنے کے

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ ۷۳

اور جب ہماری کھلی کھلی آیات انپر پڑھی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں انہیں جو ایمان لائے کہتے ہیں دونوں فریق میں سے کس کا مقام

مَقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ○ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ○ ۷۴

اچھا ہے اور کس کی مجلس زیادہ خوبصورت ہے ۲۰۲۴ اور کتنی نسلیں ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیں جو سامان اور حسن منظر میں ان سے زیادہ خوبصورت تھیں ۲۰۲۵

قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا ۷۵

کہو جو کوئی گمراہی میں رہ گیا تو رحمان اس کیلئے مہلت بڑھاتا جائیگا یہانتک کہ جب وہ دیکھینگے جسکا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے خواہ

الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ○ وَيَزِيدُ ۷۶

وہ عذاب اور خواہ وہ گھڑی تو جان لینگے کس کی حالت بری ہے اور کس کا لشکر کمزور ہے ۲۰۲۶ اور اللہ انہیں

اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ○

ہدایت میں بڑھاتا ہے جو سیدھے رستہ پر چلتے ہیں اور باقی رہنے والے اچھے عمل تیرے رب کے نزدیک ثواب میں بہتر ہیں اور انجام میں خوب تر ہیں ۲۰۲۷

میسر ہی نہیں آسکتے تو گویا یہ تکالیف بھی بظاہر ایک رنگ دوزخ کا ہی رکھتی ہیں لیکن مومن کیلئے وہ بردوسلام بن جاتی ہیں +

ندیؔ ۔ نادی

۲۰۲۴ ندیؔ ۔ نداء آواز دینا ہے اسی سے ندیؔ اور نادی مجلس کو کہتے ہیں اور نادی ہمنشین کو بھی کہتے ہیں فلیدع نادیہ (العلق ۹۶: ۱۷) وتاتون فی نادیکم المنکر (العنکبوت ۲۹ ۔ ۲۹) اور اسی سے مکہ کا دار الندوہ ہے جہاں لوگ بڑے بڑے مشوروں کیلئے اکٹھے ہوتے تھے (غ) +

مجالس کی خوبصورتی پر جس قدر فخر عیسائی اقوام کو ہوا ہے اور کسی قوم کو نہیں ہوا اسلئے کہ ان کی عورتیں آرائش کے سامان سے مزین ہو کر ان کی مجالس کی زینت بنتی ہیں۔

رئیؔ

۲۰۲۵ رئیا ۔ الذی یرمق من الحسن بہ (غ) وہ جس کی طرف اس کے حسن کی وجہ سے نظر اٹھے +

اعلیٰ فرنیچر اور حسن منظر والی قوم

یہاں انہی اعدائے حق کے اثاث اور حسن منظر کا ذکر ہے اثاث کیلئے دیکھو ۱۵۲۵ گھر کا سامان بھی ہو سکتا ہے اور مال بھی اور گھر کے سامان میں سب فرنیچر اور لباس آجاتا ہے ۔ کون قوم اس کی مصداق ہے یہ محتاج بیان نہیں جو سامان اور لباس بادشاہوں اور امراء کو میسر نہ آتے تھے وہ اس قوم کے معمولی آدمیوں کے پاس موجود ہیں +

اس سورت میں لفظ رحمٰن کے بار بار لانیکی وجہ

۲۰۲۶ فلیمدد لہ الرحمٰن ۔ میں بتایا کہ عادت اللہ یہ ہے کہ ضال قوم کو مہلت زیادہ دیتا ہے اور اما العذاب وا ما الساعۃ میں چھوٹے عذاب اور ساعت وسطے یعنی قوم کی تباہی کا وقت مراد ہیں ۔ کیونکہ آگے لشکر کی کمزوری کا ذکر ہے اور تباہی سے مراد انکے ساز و سامان کا چھن جانا ہے دیکھو ۲۰۳۰ اس سورت میں لفظ رحمان کو بڑی کثرت سے دوہرایا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ سورت عیسائیت پر اتمام حجت کے طور پر ہے اور عیسائیت نے صفت رحمانیت کا مطلق انکار کیا اور رحم بلا بدل کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے خلاف قرار دیکر بیٹے کی قربانی کو گنہگاروں کی بخشش کا بدل ٹھہرایا ہے گویا اللہ تعالیٰ کوئی گناہ بخش نہیں سکتا جبتک اسکا بدلہ نہ لیلے اور یہ اسکی صفت رحمانیت کے خلاف ہے دیکھو صفحہ ۳ فاتحہ پر عقاید باطلہ کی تردید +

۲۰۲۷ مردؔ ۔ رد کی طرح مصدر ہے اور اسکے اصل معنی صرف یا پھیرنا ہیں فلا مرد لہ (الرعد ۱۳ ۔ ۱۱) (ل) اور یہاں مراد مرجع اور عاقبت ہے

۷۷ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ ۷۸

تو کیا تو نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے مجھے (ہمیشہ) مال اور اولاد ملتے رہینگے ۲۰۲۸ کیا اسے غیب کی اطلاع ہے یا اس نے رحمان

۷۹ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ ۲۰۲۹

سے کوئی اقرار لے لیا ہے ہرگز نہیں ہم لکھتے رہینگے جو وہ کہتا جاتا ہے اور اس کیلئے عذاب کو لمبا کھینچتے چلے جائینگے

۸۰ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ ۸۱

اور ہم اس چیز کے وارث ہونگے جو وہ کہتا ہے اور وہ اکیلا ہمارے پاس آئیگا ۲۰۳۰ اور وہ اللہ کے سوا اور معبود بناتے ہیں تاکہ انکے لئے قوت کا موجب

۸۲ عِزًّا ۝ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ ع

ہوں ایسا نہ ہوگا۔ وہ ان کی عبادت کا انکار کرینگے اور انکے مخالف ہونگے ۲۰۳۱

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی بنایا ہے کہ جب وہ غلطی کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو ادھر ہی اس کا قدم اٹھتا چلا جاتا ہے جب نیکی اور ہدایت کی طرف قدم اٹھاتا ہے اسی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت میں بڑھاتا ہے +

۲۰۲۸ لاوتین مالا وولدا۔ کہنے والا پہلے ہی صاحب مال و ولد ہے پس یہاں مراد اپنا نے مستمرہ ہے یعنی یہ چیزیں ہمیشہ ہی مجھے ملتی رہینگی گویا یہ ایک انسان کا کہنا نہیں بلکہ ایک قوم کا کہنا ہے جو اپنے مال و ولد پر فخر کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے دنیا کے اموال اور بڑے جتھے کی مالک ہوگئی ہے +

۲۰۲۹ سنکتب یعنی جو کچھ وہ کہتا رہتا ہے ہم اسے لکھتے رہینگے اسی لئے س بڑھایا۔ یہاں بھی پچھلی آیت کی طرح استمرار ہے +

۲۰۳۰ مایقول سے مراد وہی مال وولد ہے جس پر وہ فخر کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے اس کے وارث ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مال اس سے لے لیا جائیگا۔ موت کے وقت تو ہوتا ہی ہے مگر یہاں قومی حالت کا ذکر ہے مال اور جتھے کی مالک دنیا میں کبھی ایک قوم ہوتی ہے کبھی دوسری اور جس قوم کو اپنے مال اور جتھے پر فخر ہو اس کا اس سے چھن جانا اس پر سخت ترین عذاب بلکہ اس کی ہلاکت ہے +

ضِدّ

۲۰۳۱ ضد۔ ضدّ ایک چیز کی وہ ہے کہ ایک آئے تو دوسری چلی جائے جیسے رات اور دن۔ اور جو چیز دوسری کے خلاف ہو اسے بھی اس کی ضد کہا جاتا ہے اور عکرمہ سے یہاں ضدّ کے معنی اعداء مروی ہیں (ل) +

پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ یہ دوسرے معبود اس لئے بناتے ہیں کہ ان کے لئے قوت کا موجب ہو اور اس آیت میں پہلے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا اور پھر فرمایا کہ وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے یعنی جنہیں معبود بنایا تھا وہ نہ صرف ان کی قوت کا موجب نہ ہونگے بلکہ ان کی عبادت کا انکار کرینگے جیسا کہ فرمایا ما کانوا ایانا یعبدون (القصص ۲۸ - ۶۳) اور پھر اس سے بڑھکر یہ فرمایا کہ وہ ان کے خلاف ہونگے . . . . یعنی ان کے خلاف شہادت ادا کرینگے اور یہ نیک لوگ ہیں جنہیں معبود بنایا گیا بالخصوص حضرت مسیح جن کی قوم کا یہاں خاص ذکر ہے۔ یہاں پرستاروں کے انکار کا ذکر نہیں بلکہ معبودین کے انکار کا ذکر ہے +

رکوع ۱۶ — عقیدۂ ابنیت دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۙ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّمَا ﴿۸۴﴾

کیا تو نے غور نہیں کیا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ دیا ہے جو انہیں انگیخت کر کے اکساتے ہیں ۲۰۳۲ سو تو ان پر (عذاب کے لئے) جلدی نہ کر ہم صرف

نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۚ﴿۸۴﴾ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۙ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ ﴿۸۶﴾

ان کے (دنوں) کی گنتی اچھی طرح پوری کر رہے ہیں۔ جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف ایک عزت والے گروہ کے طور پر اکٹھا کریں گے ۲۰۳۳ اور مجرموں کو ہم

وقف لازم

الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا ۘ﴿۸۶﴾

جہنم کی طرف (پیاسے جانوروں کی طرح) ہانک لے جائیں گے ۲۰۳۴

ارسال

۲۰۳۲ ارسلنا۔ اِرْسال (بھیجنا) انسان کیلئے بھی ہوتا ہے اور پسندیدہ یا ناپسندیدہ چیزوں کیلئے بھی کبھی تسخیر سے جیسے وارسلنا السماء علیہم مدرارا (الانعام ۔ ۶) اور کبھی اس شخص کے بھیجنے سے ہوتا ہے جس کیلئے اختیار ہو ویرسل علیکم حفظۃ (الانعام ۔ ۶) فارسل فرعون فی المدائن حاشرین (الشعراء ۲۶ ۔ ۵۳) اور کبھی تخلیۃ اور ترک منع سے یعنی ایک چیز کو اس کی حالت پر چھوڑ دینا اور اسے نہ روکنا جیسے یہاں (یعنی یہاں ارسلنا الشیٰطین سے مراد ہے کہ ہم نے ان شیطانوں کو منع نہیں کیا اور وہ اپنا کام کرتے ہیں) اور ارسال امساک یعنی روک رکھنے کے مقابل پر ہے ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ (فاطر ۳۵ ۔ ۲)

اَزّ

تؤز۔ اَزّ۔ ہانڈی کے ابال پر بولا جاتا ہے جب وہ جوش میں ہو اور یہ ھَزّ یعنی محض ہلانے سے بڑھ کر ہے (غ) اور اَزّ کے معنی اختلاط یعنی ملا دینا اور تہییج یعنی ابھارنا اور اِغراء یعنی اکسانا بھی آتے ہیں اور حرکت شدید بھی اس کے معنی ہیں (ل) +

شیاطین سے مراد

یہاں شیاطین سے مراد بھی سردار ہیں جن کا ذکر ایہم اشد علی الرحمٰن عتیا میں ابھی ہو چکا ہے۔ گویا ان کے بڑے بڑے شریر کفار کو انگیخت کرتے اور اکساتے رہتے ہیں تاکہ وہ حق کی مخالفت میں لگے رہیں اسی لئے اگلی آیت میں فرمایا کہ ان کیلئے عذاب کی جلدی مت کیونکہ ان کے گنتی کے دن تو پورے ہونے ہی ہیں گویا ان کا جرم کسی قدر ہلکا کیا ہے اسی لئے پیچھے آیا تھا فلیمدد لہ الرحمٰن مدا کسی قدر مہلت ان کی بنی کی جاتی ہے اس عام ذکر میں خاص اشارہ اس قوم کی طرف ہے جس کا ذکر ابھی آتا ہے وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا جو اس سورت میں بالخصوص مخاطب ہے

شیطان کی تحریک

اور اگر وہ شیاطین مراد لئے جائیں جو قرین انسان ہیں تو گناہوں پر ابھارنا مراد ہے اس صورت میں بھی شیطان کا کام صرف تحریک کرنا ہی بتایا ہے ہاں اسے زور کی تحریک کہا ہے اور ارسلنا کی تشریح اوپر ہو چکی شیطان کا کام بدی کی تحریک ہے سو اللہ تعالیٰ اسے ایسا کرنے سے منع نہیں کرتا مگر شیطان کا تسلط انسان پر کوئی نہیں +

وفد

۲۰۳۳ وفدا۔ وَفْد اصل میں وہ لوگ ہیں جو بادشاہوں کے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ حوائج کو پیش کریں (غ) یا معزز سوار (ل) +

وِرْد

۲۰۳۴ وردا۔ وِرْد۔ وُرُود کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی لوگوں کا پانی پر جانا اور اس پانی کو بھی کہتے ہیں جس پر جائیں اور ان اونٹوں کو بھی جو جائیں اور پیاس کو بھی (ل) بئس الورد المورود (ھود ۱۱ ۔ ۹۸) یہاں لفظ وِرد میں لطیف اشارہ ہے کہ پیاسا تو پانی پر پیاس بجھانے کیلئے جاتا ہے مگر ان کی پیاس بجھانے کا سامان بھی آگ ہی ہوگی بالفاظ دیگر وہ روحانی پیاس جو انہوں نے اپنے افعال سے پیدا کی ہے پانی سے نہیں بلکہ آگ سے بجھ سکتی ہے +

٨٧ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ ‏— وقف لازم

وہ شفاعت کے مالک نہ ہوں گے سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے عہد باندھا ہے ٢٠٣٥ اور کہتے ہیں

٨٩ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ

رحمٰن نے بیٹا بنایا یقیناً تم ایک خطرناک بات کر گزرے ٢٠٣٦ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں

٩١ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝

اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں ٢٠٣٧ کہ وہ رحمٰن کے لئے بیٹے کا دعوے کرتے ہیں

مومنوں کا شفاعت کرنا — شفاعت کیلئے تعلق کی ضرورت

٢٠٣٥ من اتخذ عند الرحمٰن عہدا سے مراد یہاں شفیع بھی ہو سکتا ہے اور مشفوع بھی۔ شفیع کی صورت میں مراد کامل الایمان لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو مضبوط پکڑا یعنی اس کے احکام پر عمل کیا اور مقامات عالیہ حاصل کئے۔ پس کامل الایمان مومن دوسرے مومنوں کیلئے شفیع ہو جائینگے اور مشفوع کی صورت میں مراد یہ ہے کہ شفاعت ان کے حق میں ہو گی جنہوں نے رحمٰن سے عہد باندھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی شرائع کو انہوں نے قبول کیا مگر کسی وجہ سے کچھ نقص انکے عمل میں رہ گیا بہرحال یہ ضروری ہے کہ شفیع کے ساتھ تعلق قائم کیا ہو اور یہ شفاعت صلحاء اور انبیاء کی ہے اللہ تعالیٰ تمام شفاعتوں کے بعد بھی لوگوں کو جہنم سے باہر نکال دیگا۔ اور بعض نے عہد سے مراد یہاں امر او راذن لیا ہے +

اِدّ

٢٠٣٦ اِدّ۔ وہ امر ہے جس کی برائی حد سے گزری ہوئی ہو اور وہ بڑی بھاری بات ہو یا بڑی مصیبت کی بات (ل) +

عقیدہ ابنیت کو دنیا میں پھیلانے والی قوم

یہاں صاف طور پر بتا دیا کہ وہ کونسی قوم ہے جس کا خاص ذکر اس سورت میں چلا آتا ہے اور جس کے سامانوں اور آرائشوں اور حسن منظر کا ذکر تھا یہ وہ قوم ہے جنہوں نے عقیدۂ ابنیت کو دنیا میں پھیلایا ہے۔ گو مفسرین نے یہاں عیسائیوں کے ساتھ عزیر ابن اللہ کہنے والوں کو اور ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہنے والوں کو بھی شامل کیا ہے لیکن ان دونوں گروہوں کا وجود بھی دنیا میں باقی نہیں رہا۔ اور اتخذ الرحمٰن ولدا کہنے والی ایک ہی قوم رہ گئی جنہوں نے عقیدۂ ابنیت کو دنیا میں پھیلا کر اپنے آپ کو ان آیات کا مصداق بنایا ہے۔ اور اس آیت سے اور اس سے اگلی آیت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ دنیا میں اس قدر زور پکڑنے والا تھا کہ قرآن کو اس قدر پرہیبت الفاظ میں اس کی تردید کرنی پڑی بت پرستی عناصر پرستی اور دیگر قسم کے شرک کے متعلق ایسے الفاظ نہیں فرمائے اور جئتم سے مراد بھی ہے دیکھو ن ١٩٩ کہ ایک بات کا قصد کیا اور اسے کر گزرے اور یہ عقیدۂ ابنیت کے دنیا میں پھیلا دینے کی طرف اشارہ ہے +

فَطَرَ۔ تفطّر

٢٠٣٧ یتفطرن۔ فطر کے اصل معنی طول میں شق یعنی پھاڑ دینا ہیں۔ اور تفطّر کے معنی تشقّق یعنی پھٹ گیا ہیں +

ھدّ

ھدّ سخت گرنے اور ٹوٹ جانے کو کہتے ہیں جیسے ایک چیز یکبارگی گر کر منہدم ہو جاتی ہے (ل) +

عقیدۂ ابنیت نظام عالم کو باطل کرتا ہے

ان ہیبتناک الفاظ میں صرف اس عقیدہ کی برائی کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ فی الواقع دنیا میں کوئی قانون باقی نہیں رہتا اور نہ خود اس عالم کا وجود باقی رہتا ہے بلکہ عالم بالا کا بھی وجود باقی نہیں رہتا اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانا جائے کیونکہ بیٹا ماننا ہی اس بنا پر جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں رحم بلا بدل نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ رحم بلا بدل بھی کر سکتا ہو تو اسے کسی بیٹے کی ضرورت نہیں جو انسانوں کے گناہوں کیلئے معاوضہ بنے اور عیسائیت نے ابنیت اور کفارہ کی بنیاد ہی اسی بنا پر رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کوئی بدلہ نہ لیلے اس وقت تک وہ گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا اور انسان کی نجات ناممکن ہو جاتی ہے تو اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر رحم بلا بدل اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک آن کیلئے بھی نکل جائے تو نہ آسمان باقی رہیں نہ زمین نہ پہاڑ خلق عالم اور نظام عالم

وَمَا يَنۢبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ ۹۲ ۹۳

اور رحمٰن کو تو شایاں نہیں کہ وہ بیٹا بنائے آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سوائے اسکے نہیں

اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ ۹۴ ۹۵

کہ وہ رحمٰن کے پاس بندہ بن کر آئیں گی ۲۰۳۸ اُس نے ان کا احاطہ کر لیا ہے اور انہیں پورا پورا گن رکھا ہے اور وہ سب کے سب قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ فَاِنَّمَا ۹۶

اسکے پاس اکیلے اکیلے آئینگے ۲۰۳۹ وہ جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا ۲۰۴۰ سو ہم نے

يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا ۹۷

اُسے تیری زبان میں آسان کیا ہے تاکہ تو متقیوں کو اس کے ذریعہ سے خوشخبری دے اور ایک جھگڑالو قوم کو اس کے ساتھ ڈرائے ۲۰۴۱ اور ان سے پہلے

النصف

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ ع

ہم نے کتنی نسلیں ہلاک کر دیں۔ کیا تو ان میں سے کسی کو دیکھتا ہے یا ان کی بھنک بھی سنتا ہے ۲۰۴۲

کی بنیاد ہی رحم بلا بدل پر ہو۔ اسی سے معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ دنیا میں رہ نہیں سکتا۔ مَا يَنۢبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا میں اسکو صاف بیان بھی کر دیا ہے کہ اگر رحمانیت مانی جائے تو عقیدہ ابنیت باقی نہیں رہ سکتا۔

مخلوق کا کمال عبدیت میں ہے

۲۰۳۸ یعنی مخلوق کا کمال ہی عبد ہونے میں ہے اسی لئے محمدؐ عبدہ و رسولہ میں اصل عبدیت کو ہی رکھا ہے۔

۲۰۳۹ یعنی عابد و معبود سب خدا کے حضور اپنی اپنی ذمہ داری کو لیکر آئینگے۔

پاک لوگوں کی محبت دنیا میں بڑھتی چلی جاتی ہے

۲۰۴۰ یعنی پاک لوگوں کی محبت خود بخود دنیا . . . . میں پیدا ہوتی چلی جاتی ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو پہلے ملائکہ میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے پھر وہ محبت زمین میں پھیل جاتی ہے اور یہ قانون بالکل صحیح ہے جتنے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوئے ہیں ابتدا میں ان کی مخالفت بھی سخت ہوتی ہے مگر آہستہ آہستہ ان کی محبت دنیا میں بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہاں شاید رسول اللہ صلعم کی قبولیت کیطرف بھی اشارہ ہے کہ آپکی محبت دنیا میں یوماً فیوماً ترقی کرتی جائیگی چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہی عیسائی جنہوں نے کسی زمانہ میں آنحضرت صلعم کے متعلق ہر قسم کی بدزبانی کی اور غلطیوں کو پھیلایا اب انہی میں سے بہتسے دلوں میں آپکی محبت پیدا ہوتی جا رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار یہ قوم بھی آپکو قبول کریگی اور عیسائیت پر اتمام حجت کے ذکر میں اس کو لانے سے اسیطرف اشارہ کرنا مقصود معلوم ہوتا ہے۔

۲۰۴۱ جن الفاظ سے سورۂ کہف کو شروع کیا تھا یعنی مومنوں کو بشارت اور ولد بنانیوالوں کو انذار انہی پر سورۂ مریم کا خاتمہ کیا ہے سوائے اس کے کہ یہاں اتخاذ ولد کی بجائے ان کا قوم لُدّ ہونا بیان کیا ہے اسلئے کہ جس قدر جھگڑا اس قوم نے حق کے ساتھ کیا ہے اور کسی نے نہیں کیا۔

رکزا

۲۰۴۲ رِکْز ۔ صوت خفی یعنی ہلکی آواز کو کہتے ہیں (غ)۔

تباہ ہونے والی قوموں کی ہلاکت کا اٹل قانون

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اٹل قانون کیطرف توجہ دلائی ہے کہ کس طرح قومیں دنیا میں بڑھتی اور ترقی کرتی ہیں پھر ان پر وہ وقت آتا ہے کہ انکی صف لپیٹ دیجاتی یہانتک کہ انکا نام و نشان مٹ جاتا ہے ہاں حق ہی ایک چیز ہے جو دنیا میں رہ جاتی ہے اور اسے کوئی مٹا نہیں سکتا۔

سورۃ طٰہٰ مکیۃ وھی مائۃ وخمس وثلثون آیۃ وثمان رکوعات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

نام — اس سورت کا نام طٰہٰ ہی اور اس میں آٹھ رکوع اور ۱۳۵ آیات ہیں اس کا نام اس کے پہلے حروف سے لیا گیا ہی جن سے یہ سورت شروع ہوتی ہی اور جن میں آنحضرت صلعم کو مرد کامل کے نام سے خطاب کرکے یہ ظاہر کیا ہی کہ نور محمدی اپنے کمال کو پہنچکر رہیگا گو ابتدا میں وہ ایک ہلال کی طرح نظر آئے اور اسی کمال کا ذکر ہی اس سورت میں ہے پس اس کا نام اس کے مضمون کو ظاہر کرتا ہے +

خلاصہ مضمون — اس سورت کی ابتدا ہی کامیابی کی بشارت سے کی ہی نہ صرف طٰہٰ کے لفظ میں آنحضرت صلعم کے کمال کی طرف اشارہ کرکے بلکہ اس کے ساتھ ہی صریح الفاظ میں یہ بتا کر کہ قرآن جیسی کتاب نازل کرکے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا مہبط دنیا میں ناکام رہی وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ پھر اس کے ساتھ حضرت موسیٰ کی بعثت کا ذکر کیا جس کی غرض بھی یہی بتانا ہی کہ باوجود ساری مشکلات کے جس طرح نور موسوی کمال کو پہنچا اسی طرح نور محمدی بھی ضرور ہی کہ اپنے کمال کو پہنچکر رہے۔ حضرت موسیٰ کے ذکر کو جاری رکھتے ہوئے دوسرے رکوع میں ان کے اور حضرت ہارون کے فرعون کیطرف جانیکا تیسرے میں انکے ساحروں سے مقابلہ کا اور چوتھے میں فرعون کی ہلاکت کا ذکر کیا اور اس کامیابی کے بعد بتایا کہ بنی اسرائیل اپنے مقام بلند سے گر کر عجل پرستی میں پڑ گئے۔ اور پانچویں رکوع میں عجل پرستی کے انجام کا ذکر کیا اور یوں مسلمانوں کو بتایا اگر وہ بھی بنی اسرائیل کی طرح زینت دنیوی کے ظاہری سامانوں پر گر گئے تو یہ بات ان کے حصول مقصد میں روک ہو جائے گی۔ چھٹے رکوع میں ذکر قیامت میں بتایا کہ بڑی بڑی روکیں آخر دور ہو جائیں گی اور وہ انسان اور قومیں جو پہاڑوں کی طرح نظر آتی ہیں وہ بھی آخر رجوع الی الحق کریں گی ساتویں رکوع میں بتایا کہ حق و باطل کا مقابلہ ہمیشہ سے رہا ہی اور حق ہی آخر کار غالب آیا کرتا ہی اور اس کو آدم اور شیطان کے قصہ سے واضح کیا۔ آٹھویں رکوع میں بتایا کہ حق کی آخری کامیابی اور مجرموں کی سزا دونوں امور یقینی ہیں یہ ہو کر رہیں گے اور یہ بھی بتایا کہ اس عذاب کی جو نبی کریم صلعم کے مخالفین پر آئیگا نوعیت کیا ہوگی +

تعلق — پچھلی سورت میں عیسائیت کے عقاید باطلہ کی تردید کی تھی اور بتایا تھا کہ یہ عقیدہ ابنیت مسیح جس سے اسلام کو مقابلہ پڑے گا دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا اور سورت کے آخری رکوع میں اشارہ کیا تھا کہ رسول اللہ کی محبت آخر کار دنیا میں پھیل جائے گی اس سورت میں اسی مضمون کی زیادہ توضیح کی ہی اور بتایا ہے کہ قرآن کا لانے والا دنیا میں کبھی ناکام نہیں رہ سکتا۔ اور نہ اس کے مخالف اس عذاب ہلاکت سے بچ سکتے ہیں جو پہلے مکذبین پر آتا رہا ہاں یہاں اس کی نوعیت بھی بتا دی +

زمانہ نزول — یہ سورت مکی ہے اور اس کا نزول بھی ابتدائی زمانہ سے ہی تعلق رکھتا ہی دیکھو بنی اسرائیل کے زمانہ نزول پر نوٹ۔ اور حضرت عمر کے اسلام کی تاریخ میں صاف آتا ہی کہ یہی وہ سورت تھی جس کو سن کر حضرت عمر کانپ اٹھے اور قاتلانہ ارادہ کو چھوڑ کر غلامی کی حیثیت میں دربار نبوی میں جا حاضر ہوئے۔ یہ بھی اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ سورت اس وقت لکھی ہوئی موجود تھی پس اس کا نزول بھی پانچویں سال بعثت کے قریب کا ہی +

ع ۱۴ / ۱

آنحضرت صلعم کی کامیابی کی بشارت اور حضرت موسیٰ کی بعثت

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا ۱-۲-۳-۴

اے مرد کامل[۲۰۴۳] ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تو ناکام رہے[۲۰۴۴] بلکہ یہ اس کے لئے نصیحت ہے جو ڈرتا ہے اسکی طرف سے اتارا گیا ہے

مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ۵

جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کئے[۲۰۴۴] وہ رحمٰن (ہے جو) عرش پر غالب ہے

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَاِنْ تَجْهَرْ ۷

اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو مٹی کے نیچے ہے[۲۰۴۵] اور اگر تو پکار کر

بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۝ ۸

بات کہے تو وہ بھید کو اور اس سے مخفی بات کو بھی جانتا ہے[۲۰۴۶] اللہ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اس کے بہت ہی اچھے نام ہیں

طٰہٰ

۲۰۴۳ طٰہٰ۔ بعض لغتوں میں یا رجل کی جگہ بولا جاتا ہے یعنی اے مرد (ج) اور اس کے نکرہ رکھنے میں عظمت اور کمال کی طرف اشارہ ہے اور روح المعانی میں باب الاشارہ میں ہے کہ طٰہٰ کے عدد چودہ ہیں اور یہ مرتبہ بدریہ کی طرف اشارہ ہے (د)۔ یا یہ کہ نور محمدی جس کا انکار کیا جائیگا چودھویں کے چاند کی طرح اپنے کمال کو پہنچے گا اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ حق جو شروع میں ایک ہلال کی طرح تھا ٹھیک اپنے چودھویں سال میں یوں کمال کو پہنچا کہ اس کی قبولیت کو استحکام حاصل ہوا اور اس کے مخالفوں کی قوت و شوکت ٹوٹ گئی کیا عجب ہے کہ چودھویں صدی میں پھر ایک دفعہ یہ نور محمدی جس کے مٹانے کی کوشش کی گئی ہے از سر نو بدر ہو کر چمکے والقمر قدرناہ منازل حتّٰی عاد کالعرجون القدیم (یٰسٓ ۳۶ - ۳۹) +

نور محمدی کا کمال

چودھواں سال اور چودھویں صدی

کامیابی کی بشارت

۲۰۴۴ شقاوۃ سعادت کی ضد ہے دیکھو [۱۵۰۴] اور اس کے معنی ہیں بھلائی کے پانے سے یا اعانت الٰہی سے محرومی۔ پس مراد یہ ہے کہ اتنی بڑی عظیم الشان اور کامل کتاب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ پیغمبر اب اس غرض کے حصول میں ناکام رہے جس کیلئے وہ کتاب نازل کی گئی ہے۔ بالفاظ دیگر کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ تم مخلوق الٰہی کو ہدایت پر لا سکو اس لئے یہ لازمی ہے کہ تم کامیاب بھی ہو۔ چونکہ پچھلی سورت کے آخر پر ایک سخت جھگڑالو قوم کا ذکر کیا تھا اس لئے اب تشفی دیتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ سے آخر دنیا ہدایت کو قبول کرے گی +

عُلےٰ

۲۰۴۴ العُلےٰ عُلیا کی جمع ہے اور عُلیا اعلےٰ کی تانیث ہے اور یہاں مراد ہے کہ اس عالم کی نسبت وہ اشرف اور افضل ہیں (غ)

ثریٰ

۲۰۴۵ الثریٰ۔ اصل میں گیلی مٹی کو کہتے ہیں حدیث میں ہے فاذا کلب یاکل الثریٰ من العطش ایک کتا پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا (ل)، اور اسی مادہ سے ثروت ہے جو کثرت کو کہتے ہیں اور ثریا کواکب میں سے ہے (ل)، پس تحت الثریٰ سے مراد ہے زمین کے اندر اور مفسرین نے کہیں ساتویں زمین اور کہیں صخرۃ مراد لیا ہے +

اخفی

۲۰۴۶ اخفیٰ یعنی جو سر یا بھید سے بھی زیادہ مخفی ہے مثلاً وہ خیال جو دل میں گزرے یا اس سے بھی مخفی جو ابھی انسان کے دل میں بھی نہیں آیا +

وقف لازم

۹ ۱۰ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ

اور کیا تجھے موسیٰ کی خبر پہنچی ۲۰۴۷ جب اس نے آگ کو دیکھا تو اپنے گھر والوں کو کہا ٹھہر جاؤ میں نے

۱۱ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝

آگ دیکھی ہے شاید میں تمہارے پاس اس میں سے شعلہ لے آؤں یا (اس) آگ پر ہدایت پاؤں ۲۰۴۸ سو جب اس کے پاس آیا آواز آئی اے موسیٰ

۲۰۴۷ جب حضرت موسیٰ اپنے محدود پیغام کے ساتھ بھی ناکام نہیں رہے تو محمد رسول اللہ صلعم کس طرح ناکام رہ سکتے ہیں یہ اصل غرض معلوم ہوتی ہے جس کیلئے حضرت موسیٰ کا ذکر یہاں شروع کیا ہے۔ اس سورت میں حضرت موسیٰ کے ذکر کو وحی کی ابتدا سے شروع کرکے ساری شریعت کے ان پر نازل ہونے تک پانچ رکوعوں میں بڑے بسط سے بیان کیا ہے۔ اور غالباً بلحاظ نزول یہ سب سے پہلی سورت ہے جس میں اس قدر بسط کے ساتھ حضرت موسیٰ کا ذکر ہے ۔

قبس ۔ اقتباس

۲۰۴۸ قبس ۔ وہ ہے جو شعلہ سے یعنی جلتی ہوئی آگ میں سے لے لیا جائے قَبَس اور اقتباس اس کا طلب کرنا ہے پھر علم و ہدایت کے طلب کرنے پر استعارۃً بولا جاتا ہے انظرونا نقتبس من نورکم (الحدید ۵۷ پ ۱۳) (غ) ۔

حضرت موسیٰ پر وحی کی ابتدا

یہاں حضرت موسیٰ پر نزول وحی کی ابتدا کا ذکر کیا ہے اور جو کچھ یہاں فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰ سفر میں تھے اور آپ کے اہل آپ کے ساتھ تھے اور یہ سفر مدین سے مصر کی طرف واپسی کا تھا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فلبثت سنین فی اہل مدین ثم جئت علی قدر یا موسیٰ (۴۰) اور طور کی جانب میں یہ واقعہ پیش آیا فلما قضی موسی الاجل وسار باھلہ انس من جانب الطور نارا (القصص ۲۸ ۔ ۲۹) انہوں نے آگ دیکھی۔ یہ آگ کیسی تھی؟ یہ تو اگلی آیات سے ثابت ہے کہ یہ وہ آگ نہ تھی جو جلانے کا کام دیتی ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ آگ کو لوگوں نے چار قسم کہا ہے۔ ایک وہ جس میں نور ہے اور وہ جلاتی بھی ہے جیسے اس دنیا کی آگ۔ اور ایک وہ جس میں نہ نور ہے نہ وہ جلاتی ہے جیسے درختوں کی آگ۔ اور ایک وہ جس میں نور نہیں مگر وہ جلاتی ہے جیسے جہنم کی آگ اور ایک وہ جس میں نور ہے اور وہ جلاتی نہیں جیسے وہ آگ جو حضرت موسیٰ نے دیکھی۔ اور غرائب القرآن میں ہے کہ اس با . . . . . میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ چیز جو حضرت موسیٰ نے دیکھی تھی آگ تھی یا نہیں اور پھر اس قول کو بیان کرکے کہ وہ آگ ہی تھی ورنہ موسیٰ اپنی خبر میں صادق نہیں ٹھہرتے لکھا ہے کہ اگر وہ آگ سے مشابہ ہو تو بھی کذب لازم نہیں آتا مگر میرے نزدیک یہاں ن۱ کا مفہوم وہ نہیں جو خیال کیا گیا ہے جب حضرت یوسف نے کہا تھا انی رایت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رایتہم لی ساجدین تو وہ کوکب اور سورج اور چاند تو اپنی جگہ پر ہی رہے تھے پھر انبیاء علیہم السلام کی ایک رویت حالت منام میں ہے اور ایک رویت حالت کشف میں اور ایک حالت وحی میں اور ایک رویت عام واقعات کی جیسے عام انسانوں میں۔ اب یہ رویت عام واقعات کی تو نہ تھی کیونکہ وہ آگ ایسی نہ تھی جس میں سے حضرت موسیٰ جلتی ہوئی لکڑی اٹھا لاتے۔ اور یہ حالت خواب بھی نہیں اور وحی کا نزول بھی ابھی آپ پر نہیں ہوا پس یہ کشف کی حالت ہے اور کشف میں انسان حالت بیداری میں ایک واقعہ کو دیکھتا ہے مگر وہ واقعہ دوسرے عالم کا ہوتا ہے اسی حالت کشف میں حضرت موسیٰ نے آگ کو دیکھا اور یہ کہنا کہ اگر سچ مچ وہاں آگ نہ ہو تو خبر میں کذب لازم آتا ہے صحیح نہیں اسلئے خبر تو اس بات کی دی ہے کہ اس نے آگ دیکھی سو اس کا دیکھنا بالکل حق تھا ۔

حضرت موسیٰ کا کشف

اجد علی النار ھدی کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہاں کوئی رستہ بتانے والا مل جائے اور یہ بھی کہ وہاں ہدایت دینے والے اسی دوسرے معنی کے قریب قریب معنے مجاہد اور قتادہ سے مروی ہیں (ر) یہ دوسرے معنی ہی یہاں موزون ہیں۔ گویا حضرت موسیٰ کو خود بھی ظن غالب یہ تھا کہ یہ کشفی نظارہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت دینے والی ہے اور میرے نزدیک القصص ۲۸ ۔ ۲۹)

إِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ ۱۲

یقیناً میں تیرا رب ہوں سو تو اپنی جوتیاں اتار دے تو پاک وادی دو بار (برکت دی گئی) میں ہے ۲۰۴۹

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ ۱۳

اور میں نے تجھے نیک بنایا ہے سو اسے سن جو وحی کی جاتی ہے ۲۰۵۰

میں خبر سے مراد بھی یہی ہے +

خلع یعنی۔ رجل ناعل۔ اخلع نعلیک

۲۰۴۹ اخلع نعلیک۔ خَلْع کے معنے ہیں اتار دینا اور نعل کے معنی ہیں جوتی اور رَجُلٌ نَاعِلٌ اور مُنْعَل غنی کو کہتے ہیں جیسے حافِر ننگے پاؤں والا فقیر کو کہتے ہیں (غ) اور اخلع نعلیک کے معنی دو طرح پر کئے گئے ہیں یعنی ظاہر پر اس لحاظ سے کہ وہ مردہ گدھے کے چمڑے کی تھیں۔ اور بعض صوفیوں کا قول ہے کہ یہ ایک مثال ہے اور یہ امر ہے اقامت اور مضبوط ہو جانے کیلئے جیسا کہ تم اس شخص کو جسے کہنا ہو کہ مضبوط ہو جاؤ کہتے ہو اپنے کپڑے اور بوجھ اتار لو (غ) اور نعل سے وہ چیز بھی مراد لی جاتی ہے جو آرام کا موجب ہو اسلئے کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں اہل اور مال سے اپنے دل کو خالی کر دے (ر) +

طوی۔ طیّ۔ طُویً

طوی۔ طوٰی (مصدر طَیّ) کے معنی ہیں لپیٹنا۔ یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب (الانبیاء ۲۱-۱۰۴) اور یہاں طُوًی اس وادی کا نام بھی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ اس حالت کی طرف اشارہ ہے جو حضرت موسیٰ کو طریق اجتباء پر حاصل ہوئی گویا کہ اس پر مسافت لپیٹ لی گئی اگر اجتہاد سے اس تک پہنچنا ہوتا تو وہ اس سے دور رہتے (غ) اور بعض کے نزدیک طُوًی اور طِوًی کے ایک ہی معنی ہیں اور وہ چیز ہے جو دوہرائی گئی ہو اور طُوًی کے معنی کئے گئے ہیں طُوًی مرتین یعنی دو بار پاک کی گئی اور حسن کا قول ہے کہ اس میں برکت اور تقدیس دوچند کی گئی (ل) اور بعض نے یہاں معنی لئے ہیں کہ اس کے رب نے اسے دو بار بلایا اور مجاہد نے دو بار پاک کی گئی اور برکت دی گئی معنی لئے ہیں (ج) اور دو بار برکت سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ پہلے بھی ارض مقدس یا مبارک سرزمین میں ہے اور پھر حضرت موسیٰؑ کو وہاں وحی ملنے سے اس کی برکت دوچند ہو گئی +

حضرت موسیٰ کی وحی انبیاء کیطرح تھی

ظاہر ہے کہ جس کا ذکر پہلی آیت اور اس آیت میں ہے وحی الٰہی ہے اذ ناداہ ربہ بالواد المقدس طوی (النّٰزعٰت ۷۹-۱۶) اور پکارنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے وہ آواز کسی درخت کی نہیں اور انی انا ربک سے بھی یہی ظاہر ہے اور وحی جس طرح پر انبیاء کو ہوتی ہے اسی طرح حضرت موسیٰ کو ہوئی۔ اور بعض لوگوں نے جو یہاں پر بحث کی ہے کہ لفظ کوئی نہ تھے تو یہ صحیح نہیں وحی متلو میں ہمیشہ لفظ ہوتے ہیں اور یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ وحی کا ہے البتہ وحی خفی میں ایک بات دل میں ڈالی جاتی ہے اس میں الفاظ نہیں ہوتے۔

جوتیاں اتارنے سے مراد

اور جوتیاں اتارنے سے کیا مراد ہے آیا ظاہر طور پر بلحاظ جگہ کی تقدیس کے ہے اکثر مفسرین کا یہی خیال ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جوتی میں رہ کر بھی اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی ہو سکتی ہے جیسا کہ خود حضرت موسیٰ کو ہوئی۔ اور پاک جوتی ہو تو پاک جگہ پر اس کے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ پاک جوتی کیساتھ مسجد میں بھی جانا جائز ہے۔ اور درحقیقت اگر جوتی میں ہو کر اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے تو کسی پاک مقام پر پاک جوتی کا جانا منع نہیں ہو سکتا اس لحاظ سے وہ دوسرے معنی جو اوپر دیئے گئے ہیں زیادہ موزون ہیں یعنی یا تو یہ حضرت موسیٰ کو حکم ہے کہ وہ مضبوط ہو کر اس کام کو اختیار کریں اور یا یہ مطلب ہے کہ اب دنیا کے فکروں کو چھوڑ کر تبلیغ کو اختیار کریں ورنہ وحی ہوتے ہوتے درمیان میں جوتیاں اتارنے کی بظاہر کوئی ضرورت نظر نہیں آتی۔ جیسا نبی کریم صلعم کو حکم ہوا وثیابک فطہر (المدثر ۷۴-۴) تو مراد اس سے عمل صالح کا کرنا یا تطہیر نفس ہے +

اختیار

۲۰۵۰ اختَرْتُکَ۔ اختیار سے ہے (مادہ خیر ہے) اور اختیار کے معنی ہیں اس کا طلب کرنا جو خیر ہے اور اس کا کرنا اور کبھی اس پر بولا جاتا ہے

۱۴-۱۵ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ○ اِنَّ السَّاعَةَ

بیشک میں اللہ ہوں میرے سوائے کوئی معبود نہیں سو میری عبادت کر اور میرے ذکر کے لئے نماز قایم کر وہ گھڑی ضرور

۱۶ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ○ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ

آنے والی ہے میں اسے مخفی ہی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر نفس کو اس کے مطابق بدلہ دیا جائے جو وہ کوشش کرتا ہے ۲۰۵۱ سو تجھے اس سے وہ شخص نہ روکے جو

۱۷-۱۸ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ○ وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰى ○ قَالَ

اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہو سو تو ہلاک ہو جائیگا ۲۰۵۲ اور اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اس نے کہا

هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ○

یہ میرا عصا ہے میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اس سے میں اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور بھی فائدے ہیں ۲۰۵۳

۱۹-۲۰ قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰى ○ فَاَلْقٰىهَا

کہا اے موسیٰ اسے ڈال دے سو اسے ڈال دیا

جسے انسان خیر سمجھے گو وہ خیر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کو اختیار کرنے ہیں جیسے یہاں اور اخترنٰہم علی علم علی العالمین۔ (الدخان ۴۴-۳۲) میں یہ بھی صحیح ہو کہ اشارہ ان کے نیک پیدا کرنے کی طرف ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہو کہ اشارہ یہ ہو کہ انہیں دوسروں پر مقدم کیا ہو (غ)، اور عرف متکلمین میں مختار اس فعل کو کہا جاتا ہو جسے انسان مجبوری سے نہیں کرتا اسی سے کہا جاتا ہو فلان شخص اسباب میں مختار ہو (غ)۔

مختار

۲۰۵۱ اخفی یخفی (یخفِی)، کے معنی دونوں طرح پر آتے ہیں اور یہ اضداد میں سے ہو یعنی چھپایا اور ظاہر کیا لیکن اُخفی (یُخفِی) مصدر اِخفاء کے معنی صرف چھپانا ہیں (ل)، لیکن اکاد یہاں بمعنی ارید ہو بعض نے یہاں قرأت اَخفِیہا لی ہو جس کے معنی اظہرھا ہونگے مگر ابو علی نے اُخفیہا کے معنی بھی اظہرھا لئے ہیں (ر)، اکاد اخفیہا جملہ معترضہ کے طور پر ہو۔ یعنی وہ قیامت کبریٰ جو انسان کے اعمال کی جزا و سزا سے قایم ہوگی اس کو اللہ تعالیٰ انسان کی نظروں سے مخفی ہی رکھتا ہو اس لئے کہ اعمال کی جزا و سزا خود ایک مخفی چیز ہو جس کا ظہور صرف قیامت میں ہوگا۔

خفی
اخفاء
قیامت کا مخفی رکھنا

۲۰۵۲ عنہا میں اور بہا میں ضمیریں یا دونوں ساعت کی طرف جاتی ہیں یا دونوں صلوٰۃ کی طرف یا پہلی صلوٰۃ کی طرف اور دوسری ساعت کی طرف (ر) یعنی تجھے ساعت سے نہ روکے یا نماز سے نہ روکے وہ شخص جو ساعت پر ایمان نہیں لاتا یا وہ شخص جو نماز پر ایمان نہیں لاتا۔ اور ہو سکتا ہے کہ ضمیر عنہا میں فعل مفہوم کی طرف جاتی ہو یعنی تبلیغ امر حق سے نہ روکے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہی آیات وہی ہیں۔ جو تبلیغ سے روکنے والوں کے مقابلہ پر ہیں۔

۲۰۵۳ اھش۔ ھشّ۔ ھشّ کے قریب قریب ہو یعنی اس کے معنی تحریک ہیں اور لاٹھی سے پتے جھاڑنے پر بولا جاتا ہو (غ)، مآرب۔ مأربۃ کی جمع ہو اور یہ اَرِب سے مصدر ہو اور اَرَب سخت حاجت کو کہتے ہیں جس کیلئے حیلہ کرنا پڑے (غ)، اور اولی الاِربۃ من الرجال (النور ۲۴-۳۱) میں اِربۃ سے مراد نکاح کی حاجت ہو۔

ھشّ
ارب - مأربۃ
اِربۃ

فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ○ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا ٢١

تو کیا دیکھا کہ وہ سانپ ہے (جو) دوڑ رہا ہے ٢٠٥٤ کہا اسے پکڑ لے اور ڈر نہیں۔ ہم اسے اس کی پہلی حالت پر

الْاُوْلٰى ○ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً ٢٢

لوٹا دیں گے ٢٠٥٥ اور اپنے ہاتھ کو اپنے پہلو سے لگا وہ سفید نکل آئے گا بغیر اس کے کہ اس میں کوئی برائی ہو یہ

اُخْرٰى ○ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ○ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○ ٢٣ ٢٤

دوسرا نشان ہے تاکہ ہم تجھے اپنے بہت بڑے نشانوں میں سے دکھائیں ٢٠٥٦ فرعون کی طرف جا کہ وہ حد سے نکل گیا ہے۔

وحی کی حالت میں بندے کیطرف سے سوال اور پھر بذریعہ وحی اس کا جواب بھی ہو سکتا ہے یہاں وحی کے درمیان حضرت موسٰی کا جواب ایسا ہی ہے جیسے آنحضرت صلعم کو جب وحی ہوئی تو اسی حالت وحی میں آپ نے تین بار فرمایا ما انا بقارئ +

حیۃ

حضرت موسٰی کے عصا کا ابتدائے نزول وحی میں باریک سانپ بننا اور فرعون کے سامنے اژدہا بننا اور اس کا مفہوم

٢٠٥٤ حیۃ سانپ کو کہتے ہیں اور یہ حیاۃ بمعنی زندگی سے مشتق ہے بوجہ اپنی زندگی کے طول کے (ل) اور چھوٹے بڑے دونوں پر اس کا استعمال ہوتا ہے قرآن کریم میں تین جگہ یہ ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰی کو وحی کی اور عصا ڈالنے کو کہا تو وہ سانپ بن گیا ایک یہاں اور اسے حیّۃ کہا ہے دوسرا (النمل ٢٧-١٠) میں اور تیسرا (القصص ٢٨-٣١) جہاں دونوں جگہ اسے جانّ کہا ہے اور جانّ باریک سانپ کو کہتے ہیں اور دو جگہ یہ ذکر ہے کہ حضرت موسٰی نے فرعون کے سامنے عصا ڈالا تو وہاں دونوں جگہ ثعبان کا لفظ ہے یعنی اژدہا (الاعراف ٧-١٠٧) اور (الشعراء ٢٦-٣٢) اور ساحروں کے مقابلہ پر جہاں ڈالنے کا حکم ہے تو وہاں ان دونوں میں سے کوئی لفظ بھی نہیں فرمایا صرف یہ فرمایا ہے کہ جو کچھ ساحروں نے بنایا تھا عصا اسے نگل گیا (الاعراف ٧-١١٧) (طٰہٰ ٢٠-٦٩) (الشعراء ٢٦-٤٥) یہ فرق بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت موسٰی کو اکیلے عصا کا سانپ بننا دکھایا گیا ہے تو یہ معجزہ نہیں کیونکہ معجزہ کی ضرورت منکر کیلئے ہوتی ہے اور حضرت موسٰی منکر نہ تھے نہ یہ بتانے کو ہے کہ اس عصا میں یہ خاصیت ہے کہ جب ڈالا جائیگا تو سانپ بن جائیگا۔ کیونکہ نہ صرف اس کے حضرت موسٰی کی ساری زندگی میں سوائے فرعون کے مقابلہ پر سانپ بننے کا ذکر نہیں کیا بلکہ خود ساحروں کے مقابل پر بھی حضرت موسٰی نے عصا نہیں ڈالا جبتک کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے وحی نہیں ہوئی پس ہر جگہ پر عصا ڈالنے اور اس کے سانپ بننے کی الگ غرض ہے اور حضرت موسٰی کو اپنے طور پر اس کیفیت کے دکھانے کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قوم کو اللہ تعالیٰ زندہ کریگا اور فرعون کے مقابل پر اژدہا بنانے کا یہ منشا ہے کہ آپ کی جماعت اسے اور اس کی افواج کو کھا جائے گی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عصا سانپ یا اژدہا نہیں بنا تھا بلکہ یہ مطلب ہے کہ سانپ یا اژدہا بننے کے پیچھے یہ مفہوم تھا +

سیرت

٢٠٥٥ سیرت۔ سَیْر چلنے کا نام ہے۔ اور سِیْرَت وہ حالت ہے جس پر انسان ہو قدرتی ہو یا اکتساب سے حاصل ہوئی ہو جیسے کہا جاتا ہے اس کی سیرت اچھی ہے اس کی سیرت بری ہے اور یہاں مراد ہے اس کی پہلی یعنی لکڑی ہونے کی حالت (غ) +
اس سے معلوم ہوا کہ عصا کے سانپ ہونے کی حالت محض ایک وقتی حالت تھی +

٢٠٥٦ لنریک من آیاتنا الکبریٰ کے معنی یوں بھی کر لئے گئے ہیں کہ یہی بڑی نشانیاں ہیں جو ہم تمہیں دکھانا چاہتے ہیں مگر میرے نزدیک مطلب یہ ہے کہ یہ نشان جو ہم نے دکھائے ہیں اسلئے دکھائے ہیں تاکہ اس سے بھی بڑے نشان تمہیں دکھائیں اور اس سے بڑے نشانوں سے مراد وہی غلبہ ہے جس کی طرف ان نشانات میں اشارہ تھا +

٢٥ ٢٦ ٢٧ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝

(موسیٰ نے) کہا میرے رب میرا سینہ کھول دے اور میرا کام میرے لئے آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کھول دے

٢٨ ٢٩ ٣٠ ٣١ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝

تاکہ میری بات کو سمجھ لیں ٢٠٥٧ اور میرے ساتھیوں میں سے ایک میرا بوجھ بٹانے والا بنادے ہارون میرا بھائی ٢٠٥٨ میری قوت کو اسکے ساتھ مضبوط کر ٢٠٥٩

٣٢ ٣٣ ٣٤ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ۝ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝

اور میرے کام میں اُسے شریک کر ٢٠٦٠ تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کریں اور تجھے بہت یاد کریں

ع ٢ — حضرت موسیٰ اور ہارون کا فرعون کی طرف جانا۔

شرح صدر اور عقدہ لسان سے مراد

٢٠٥٧ شرح صدر کیلئے دیکھو ٤٢٤١ مراد دلائل کا ملنا ہے اور یسّر میں مشکلات کے دور ہونے کی دعا ہے اور عقدہ لسان کے کھلنے سے مراد جیساکہ امام راغب نے لکھا ہے قوت بیانی میں جو نقص ہے اس کا دور کیا جانا ہے دیکھو ٢٠٠٨ اور قرآن شریف نے خود بھی یہی فرمایا ہے کیونکہ ایک جگہ فرعون کا اعتراض ہے ولا یکاد یبین (الزخرف ٤٣-٥٢) یعنی موسیٰ میں قوت بیانی نہیں۔ اور حضرت موسیٰ خود ہارون کا ذکر کرکے فرماتے ہیں ھو افصح منی لسانا (القصص ٢٨-٣٤) اور خود اپنے متعلق فرماتے ہیں و یضیق صدری ولا ینطلق لسانی (الشعراء ٢٦-١٣) پس یہ خیال کہ حضرت موسیٰ کی زبان (جارحہ) میں کوئی گرہ تھی صحیح نہیں اور یہاں عصا اور ید بیضا کا نشان مل جانے کے بعد حضرت موسیٰ تین باتوں کیلئے دعا کرتے ہیں اول شرح صدر یعنی اعلیٰ درجہ کی دلائل میسر آجائیں۔ دوسرے ان دلائل کے پیش کرنے میں جو مشکلات اور رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو جائیں تیسرے فصاحت لسانی ملے اور ان سب کا نتیجہ یہ کہ آپکے مخاطب اصل بات کو اچھی طرح سمجھ لیں جس سے صاف معلوم ہوا کہ تبلیغ حق کیلئے ان باتوں کی ضرورت حضرت موسیٰ کو تھی جیسے آج ہر مبلغ کو ہے +

وزیر

٢٠٥٨ وزیر۔ یعنی مُوازِر ہے اور بادشاہ کے وزیر کو وزیر اسلئے کہا جاتا ہے کہ تدبیر مملکت کا جو بوجھ بادشاہ پر ہے وہ اسے اُٹھاتا ہے (ل)، اور مُوازرۃ بمعنی معاونت ہے (غ) +

حضرت موسیٰ کی درخواست ہارون کو نبی بنانے کی نہیں، اپنا معاون بنانے کی ہے +

حضرت موسیٰ کی یہ دوسری درخواست جناب باری میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے قبضہ سے نکالنے کیلئے اور اس کی سارے پہلوؤں میں اصلاح کیلئے حضرت موسیٰ نے اپنے آپکو کافی نہیں سمجھا اور ایک مددگار ساتھ چاہا ہے۔ اور اس مددگار کو نام سے مخصوص کیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت موسیٰ نے دعا کی تھی کہ ہارون کو نبی بنا دیا جائے ایسی کسی دعا کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں اور فارسل الی ھرون (الشعراء ٢٦-١٣) اور فارسلہ معی (القصص ٢٨-٣٤) سے بھی یہ مراد نہیں کہ اسے رسول بنا دے بلکہ اپنے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا جانے کی درخواست ہے اور حضرت موسیٰ کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ علم تھا کہ ان کے بھائی ہارون کو نبوت مل چکی ہے اور یہ حضرت موسیٰ سے بڑے تھے، پس انکی درخواست یہ ہے کہ کام مشترک طور پر دونوں کے سپرد ہو تاکہ ایک دوسرے کی قوت کا موجب ہوں جیساکہ اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری سے ظاہر ہے۔ سلسلہ کی ابتدا اور انتہا کو چونکہ زیادہ وقعت حاصل ہوتی ہے اسلئے سلسلہ اسرائیلی کی ابتدا میں بھی دو نبی پائے جاتے ہیں یعنی موسیٰ اور ہارون اور انتہا میں بھی دو ہیں یعنی عیسیٰ اور یحییٰ +

اَزْر اَزَر

٢٠٥٩ ازر۔ اس کی اصل ازار سے ہے جو لباس ہے۔ اور اَزْر قوت شدید کو کہتے ہیں۔ اور آزرہ اسے مدد دی اور مضبوط کیا اخرج شطاہ فآزرہ (الفتح ٤٨-٢٩) (غ)

٢٠٦٠ امر سے مراد یہاں امر تبلیغ و دعوت الی الحق ہے۔ نہ نبوت +

إِذْ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ○ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ○ وَلَقَدْ مَنَنَّا ٣٥ ٣٦ ٣٧

یقیناً تو ہمیں ہر حال میں دیکھتا ہے ۔ کہا اے موسیٰ تیری مانگی ہوئی چیز تجھے دی گئی ٢٠٦١ ۔ اور یقیناً ہم نے

عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ○ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ○ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي ٣٨ ٣٩

تجھ پر ایک بار اور احسان کیا ۔ جب ہم نے تیری ماں کی طرف وحی کی جو وحی کی گئی ۔ کہ اسے صندوق میں

التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي

ڈال دے ۔ پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈالدے تو دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا ۔ تاکہ میرا ایک دشمن

وقف لازم — وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ○ إِذْ ٤٠

اور اسکا دشمن اسے لے لے ۔ اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالی ۔ اور تاکہ میرے سامنے تیری تربیت کیجائے ٢٠٦٢ ۔ جب

تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ

تیری بہن گئی ۔ اور کہا ۔ کیا میں تمہیں بتاؤں جو اس (کی پرورش) کو اپنے ذمہ لے ۔

سؤل — ٢٠٦١ سؤل ۔ فُعل بمعنی مفعول ہے یعنی مسئول ۔ اور سوال کیلئے دیکھو ٢١٥ ۔

قذف — ٢٠٦٢ اقذفی ۔ قَذْف کے معنی دور پھینکنا ہیں اور یہاں معنی طَرْح یعنی ڈال دینا ہیں وقذف فی قلوبہم الرعب (الاحزاب ٣٣ ۔ ٢٦) بل نقذف بالحق علی الباطل (الانبیاء ٢١ ۔ ١٨) ویقذفون من کل جانب (الصّٰفّٰت ٣٧ ۔ ٨) اور استعارۃً شتم اور عیب بھی اس کے معنی آتے ہیں (ع)۔

یم — یم ۔ یَمّ کے معنی دریا یا سمندر ہیں اور اس کے معنی قصد کرنا بھی آتے ہیں جس سے تیمم ہے (غ) ۔

صنع ۔ اصطناع — تصنع ۔ صُنع کے معنے ہیں اجادۃ الفعل یعنی کام کا اچھا بنانا ۔ اور اِصْطِناع کسی چیز کی اصلاح میں کمال کر دینا ہے اور واصطنعتک لنفسی اور ولتصنع علی عینی میں اشارہ اسبات کی طرف ہے جیسا کہ بعض حکماء نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کیلئے تعاہد کرتا ہے جس طرح دوست دوست کیلئے تعاہد کرتا ہے (غ) ، اور صَنَعَ الفرس سے مراد ہے گھوڑے کی نگہداشت نہایت خوبی سے کی اور صَنَعَ جاریتہ کے معنی ہیں لونڈی کی تربیت کی اور لتصنع علی عینی کے معنی ہیں تاکہ میرے سامنے تیری تربیت کی جائے (ل) اور صَنَعَ کے معنی

علی عینی — احسان بھی کئے گئے ہیں یعنی مراد یہ ہے کہ تا تیری پرورش مہربانی اور شفقت سے ہو (ل) علی عینی سے مراد ہے میرے سامنے گویا میں دیکھ رہا ہوں اور کوئی امر میرے خلاف منشا تم میں نہیں ہو سکتا ۔

غیر نبی کی وحی نبی کی وحی کیطرح یقینی ہو سکتی ہے — یہاں اللہ تعالیٰ نے اس وحی کا ذکر کیا ہے جو حضرت موسیٰ کی والدہ کو ہوئی ۔ کہ اپنے بچہ کو صندوق میں رکھکر دریا میں ڈال دے اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کے سامان پیدا کر دیگا ۔ اور ایسا ہی انہوں نے کیا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی غیر نبی کو بھی (کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ نبیہ نہ تھیں) ایسی ہی یقینی ہو سکتی ہے جیسے نبی کو لیکن ہاں جو امور ظاہر کئے جاتے ہیں وہ اور رنگ کے ہوتے ہیں اگر حضرت موسیٰ کی والدہ کو اس وحی کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کامل نہ ہوتا تو وہ اپنے بچہ کو اس کی بنا پر دریا میں نہ ڈال سکتی تھیں ۔ فرعون کو یہاں اللہ تعالیٰ کا دشمن کہا ہے اسلئے کہ وہ حق کا دشمن تھا اور حضرت موسیٰ کا بھی دشمن کہا ہے یا تو اس لحاظ سے کہ وہ آگے چلکر دشمن ثابت ہوا اور یا اس لئے کہ وہ بنی اسرائیل کے سب بچوں کا دشمن تھا ۔

فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ

سو ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غم نہ کرے۔ اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا سو ہم نے تجھے

الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى

غم سے نجات دی اور ہم نے تجھے طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کیا پھر تو مدین کے لوگوں میں کئی سال رہا پھر تو اے موسےٰ ایک

۴۱ ۴۲ قَدَرٍ یّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ ۝ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْ

اندازہ پر آگیا ۲۰۶۳ اور میں نے تجھے اپنی لئے کمال خوبی میں بنایا ۲۰۶۴ تو اور تیرا بھائی میری آیتوں کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا ۲۰۶۵

انبیاء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت کا ڈالا جانا۔

اللہ تعالیٰ کے حضرت موسیٰ پر محبت ڈالنے میں یہ بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی محبت قلوب میں پہلے سے ہوتی ہے یہ حضرت موسیٰ کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ اس قسم کے الفاظ سب ہی انبیاء پر صادق آتے ہیں خود ہمارے نبی کریم صلعم پر اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت ڈالی گئی تھی اور کوئی دل نہ تھا جو آپ کی محبت سے خالی ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ میرے سامنے تو اچھا بنایا جائے ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

انبیاء کا اللہ تعالیٰ کے سامنے پرورش پانا دلیل عصمت ہے

انبیاء کے لئے پرورش کے سامان بھی ایسے مہیا فرما دیتا ہے کہ ان کی تربیت اچھی ہو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اسلئے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان میں کوئی ایسی بات پیدا ہونے نہیں دیتا جو ان کے آئندہ منصب کے خلاف ہو وہ گویا اللہ تعالیٰ کے حضور پرورش پاتے ہیں گو ظاہری ذرائع کیسے ہی ہوں یہانتک کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے ہاتھ سے بھی انکی پرورش اسی اعلیٰ درجہ کے معیار پر کرا لیتا ہے۔ یہ بھی انبیاء کی عصمت پر دلیل ہے۔

فُتُون

۲۰۶۳ فتونا۔ یا مصدر ہے (فعول کے وزن پر) یا فتن کی جمع ہے یعنی طرح طرح کے ابتلا۔ یا فتنۃ کی جمع ہے یعنی طرح طرح کی تکالیف میں ڈالا۔ اور راغب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتن یا دکھوں میں ڈالنا حکمت کے طریق پر ہوتا ہے جس طرح سونے کو آگ میں ڈالا

انبیاء پر مصائب کا آنا

جاتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو طرح طرح کی تکالیف میں ڈالا تاکہ آپ اس منصب پر کھڑا ہونے کے اہل ہو جائیں جس پر آپ کا کھڑا ہونا مقدر تھا اور کوئی نبی نہیں جسے تکالیف میں نہ ڈالا گیا ہو +

قدر۔ علی قدر

علی قدر۔ قَدَر قضائے موفق کو کہا جاتا ہے جب ایک چیز دوسری کے موافق ہو (ل) پس علی قدر سے مراد ہے کہ حضرت موسیٰ کا آنا یعنی سفر مصر اختیار کرنا اس اندازہ پر تھا کہ وہی وقت آپ پر نزول وحی کا بھی آپہنچا تھا اور بعض نے قَدَر کو بمعنی قَدْر لیکر مقدار معنی لئے ہیں یعنی اس زمانہ کو پہنچ گیا جس میں انبیاء پر وحی نازل ہوتی ہے +

حضرت موسیٰ کو واپس ماں کے پاس پہنچا دینے کا ذکر اسلئے کیا تا معلوم ہو کہ وحی الٰہی اس راستہ پر کبھی نہیں ڈالتی جس کا نتیجہ ہلاکت ہو بلکہ ظاہر ہلاکت کے سامان بھی معلوم ہوتے ہیں تو انجام اچھا ہوتا ہے +

انبیاء کا اغراض نفسانی سے پاک ہونا۔

۲۰۶۴ اصطناع کیلئے دیکھو ۲۰۶۲۔ لنفسی اپنی ذات کیلئے۔ اسلئے کہ انبیاء اللہ تعالیٰ کا نام ہی دنیا میں پھیلاتے ہیں اور نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے اس کے معنی مروی ہیں اپنی وحی اور رسالت کیلئے (د) پس معلوم ہوا کہ انبیاء کی زندگی محض خدا کیلئے ہوتی ہے اور وہ تمام اغراض نفسانی سے پاک ہوتے ہیں +

وَنی

۲۰۶۵ تنیا۔ وَنی سے ہے جس کے معنی ضعف۔ فتور عاجز آجانا تھک جانا ہیں۔ (ل) +

حالانکہ اوپر ذکر صرف حضرت موسیٰ کا تھا مگر یہاں دونوں کو خطاب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی واقعات بہت سے چھوڑ دیئے ہیں یا حضرت ہارون کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اطلاع فرمایا +

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ ۴۳ ۴۴

دونوں فرعون کی طرف جاؤ کہ وہ حد سے نکل گیا ہے سو اسے نرم بات کہو شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے ۲۰۶۶

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ ۴۵ ۴۶

دونوں نے کہا ہمارے رب ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پہ جلدی کر بیٹھے یا حد سے نکل جائے ۲۰۶۷ کہا مت ڈرو میں تمہارے ساتھ ہوں

اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۵ ۴۷

سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں سو اسکے پاس جاؤ اور کہو ہم تیرے رب کے دو رسول ہیں سو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے

وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝

اور انہیں دکھ نہ دے ہم تیرے رب کیطرف سے تیرے پاس ایک پیغام لائے ہیں اور اس پہ سلامتی ہے جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے ۲۰۶۸

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ ۴۸ ۴۹

ہماری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ اس پہ عذاب ہے جو جھٹلاتا ہے اور پھر جاتا ہے (فرعون نے) کہا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے ۲۰۶۹

لَیِّن — دعوت الی الحق کا صحیح طریق — فَرَط

۲۰۶۶ لَیِّن۔ لین سے ہے دیکھو ۱۵۵ نرم بات۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرعون حد سے گزر گیا ہے۔ وہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا نہایت ذلیل کام ان سے لیتا تھا۔ باایں کلمۂ حق پہنچانے کیلئے اپنے نبیوں کو بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس سے نرمی سے بات کرنا اور پھر ساتھ ہی امید دلاتا ہے کہ شاید وہ نصیحت پکڑے یہ ہی تبلیغ حق کا طریق جس کی پیروی آج مسلمانوں کو کرنی چاہئے۔ اگر وہ اس وقت اسی حالت میں ہیں جس حالت میں بنی اسرائیل فرعون کے ماتحت تھے اگر ان پہ حکمران قوم حد سے نکل چکی ہے اگر انکے بیٹے ذبح کئے جاتے ہیں اگر ان کو ذلیل سمجھا جاتا ہے اور ذلیل حالت میں رکھا جاتا ہے تو بھی اس قوم سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ لعلہ یتذکر او یخشی جب ایک شقی ازلی کے متعلق بھی ہے تو آج کیوں قول لین سے دعوت الی الحق دیکر ان کے مسلمان ہونے کی امید نہ رکھی جائے۔ فرعون کا تذکرہ مسلمانوں کی ہدایت کیلئے ہے مگر وہ فائدہ نہیں اٹھاتے۔

۲۰۶۷ یفرط۔ فَرَط کے معنی ہیں تَقَدَّم یعنی پیش دستی کی اور فَرَطَ علیہ کے معنی ہیں اَسْرَف و تقدم یعنی زیادتی کی اور پیشدستی کی (دل)۔

اور یہاں مراد ہے کہ قبل اس کے کہ ہمارے پیغام کو سنے ہمارے اوپر کوئی حکم سزا صادر کر دے اور یطغی سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں طغیان کرے۔

۲۰۶۸ یہاں جو یہ فرمایا کہ ہم ایک آیت تیرے پاس لاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد رسالت یا پیغام ہی ہے دیکھو آیۃ کے معنی کیلئے ۱۰ کیونکہ اگر اس سے مراد معجزہ ہوتا تو معجزے دو تھے ایک نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ساتھ ہی فرمایا من اتبع الھدی گویا وہ آیت ہدایت الٰہی یا پیغام الٰہی ہی ہے نہ کچھ اور۔

۲۰۶۹ یہاں پھر بہت سے درمیانی واقعات کو چھوڑ دیا ہے یہانتک کہ حضرت موسیٰ اور ہارون دونوں فرعون کے پاس پہنچکر اپنا پیغام ادا کرتے ہیں۔

٥٠ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ ٥١

کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی پھر اسے (اپنے کمال کی) راہ دکھائی ۲۰۷۰ اس نے کہا تو پھر پہلی نسلوں کا کیا

٥٢ الْاُوْلٰى ○ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ○ الَّذِيْ ٥٣

حال ہے کہا ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے میرا رب غلطی نہیں کرتا نہ بھولتا ہے ۲۰۷۱ وہ جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے لئے اس میں رستے چلائے اور بادل سے پانی

٥٤ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ○ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ

اُتارا پھر ہم اسکے ساتھ مختلف سبزیوں کے جوڑے پیدا کرتے ہیں ۲۰۷۲ کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو چراؤ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ○

یقیناً اس میں عقل والوں کے لئے نشان ہیں ۲۰۷۳

ہر چیز کا اپنے دائرہ میں کمال۔

۲۰۷۰ سوال رب کے متعلق تھا اسلئے فرمایا کہ وہ صرف خالق ہی نہیں اور اس نے مخلوق کو پیدا کرکے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی ربوبیت کا یہ اقتضا ہے کہ اسے ہدایت بھی دی یعنی منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ دکھائی ایسی فطری ہدایت سے ہر چیز اپنے دائرہ میں کمال کو حاصل کرتی ہے اور اس میں وحی الٰہی کی ضرورت پر بھی دلیل ہے اور بتایا ہے کہ انسان کو اس کے کمال تک پہنچنے کیلئے وحی کی ضرورت ہے کیونکہ روحانی کمال کیلئے روحانی سامانوں کی ہی ضرورت ہے ✦

۲۰۷۱ سوال کا مطلب یہ تھا کہ پہلی قومیں جنہیں یہ ہدایت نہیں ملی ان کا کیا حال ہے تو اس کا جواب دیا ہے کہ وہ بیرا کام نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب حال جو سامان چاہا کر دیا کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے وہ نہ کسی کے متعلق غلطی کرتا ہے نہ کسی کو بھولتا ہے لاینسٰی میں یہ اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کتاب کا محتاج نہیں جس طرح انسان بوجہ نسیان کے محتاج ہوتا ہے گویا اس کی کتاب بھی اس کا علم ہے جس سے کوئی چیز باہر نہیں ✦

۲۰۷۲ اس میں اسی پہلی دلیل کو اور ربط کے ساتھ بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح اوپر سے پانی برستا ہے تو زمین کی روئیدگیاں نکل آتی ہیں اسی طرح وحی الٰہی قلب انسانی کو زندگی بخشتی ہے اور اس میں طرح طرح کی قوتیں نشوونما پاتی ہیں۔ ازواج کے لفظ میں یہی اشارہ ہے کہ ہر چیز اپنا ایک زوج رکھتی ہے جس سے اثر قبول کرکے وہ بقائے حیات میں معاون ہوتی ہے۔ قلب انسانی بغیر ہدایت وحی کے ترقی نہیں کرسکتا ✦

نهية - نُهیٰ

۲۰۷۳ نُہیٰ۔ نُہْیَۃ کی جمع ہے جس کے معنی عقل ہیں اسلئے کہ وہ بری باتوں سے روکتی ہے۔ نَہْی کے لئے دیکھو ۹۵۲ ✦

ع ۳ ۱۲

حضرت موسیٰ اور ساحروں کا مقابلہ

مِنۡہَا خَلَقۡنٰکُمۡ وَ فِیۡہَا نُعِیۡدُکُمۡ وَ مِنۡہَا نُخۡرِجُکُمۡ تَارَۃً اُخۡرٰی ۝ وَ لَقَدۡ اَرَیۡنٰہُ ۵۶

اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائینگے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری دفعہ نکالینگے ۲۰۷۴ اور ہم نے اسے اپنے سب

اٰیٰتِنَا کُلَّہَا فَکَذَّبَ وَ اَبٰی ۝ قَالَ اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِکَ ۵۷

نشان دکھائے مگر اس نے جھٹلایا اور انکار کیا ۲۰۷۵ کہا اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس آیا ہے کہ اپنے جادو سے ہمیں اپنے ملک سے

یٰمُوۡسٰی ۝ فَلَنَاۡتِیَنَّکَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِہٖ فَاجۡعَلۡ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُہٗ ۵۸

نکال دے سو ہم بھی ضرور تیرے پاس اسی طرح کا جادو لائینگے سو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ ٹھہرا لے جس کی نہ ہم خلاف

نَحۡنُ وَ لَاۤ اَنۡتَ مَکَانًا سُوًی ۝ قَالَ مَوۡعِدُکُمۡ ۵۹

ورزی کریں اور نہ تو برابر مکان میں رہوں، ۲۰۷۶ کہا تمہارا وعدہ کا وقت

تارۃ

۲۰۷۴ تارۃ - تور سے ہے اور تور ایک برتن ہے اور اس کے معنی مرّۃً یا دفعہ ہیں اور تارۃً اُخری کے معنی کئے ہیں مرۃً بعد مرۃٍ (ل)، سب انسان زمین سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور زمین میں ہی لوٹ کر جاتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے اور دوسری مرتبہ زمین سے پیدا کیا جانا اس لحاظ سے ہے کہ انسان کے وہ اعمال جن سے اس کی دوسری زندگی پیدا ہوتی ہے اسی زمین پر ہی ہوتے ہیں نہ اس سے باہر اور صحیح تو یہ ہے کہ پہلی مرتبہ زمین سے پیدا کیا جانا بھی کئی مراحل سے وقوع میں آتا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ ایک مٹی کا بت بنا کر کھڑا کر دیا جائے بلکہ اس مٹی سے نباتات وغلے پیدا ہوتے ہیں جنہیں حیوانات کھاتے ہیں اور انسان بھی پھر ان غذاؤں کا خلاصہ در خلاصہ وہ جیسے ہے جس سے ہر انسان کی پیدائش کی ابتدا ہوتی ہے دوسری زندگی کن مراحل سے گزر کر آئے گی اور کن طریقوں پر پا کیسی ہوگی یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ دوسرے عالم کے متعلق ہے

انسان کی پہلی اور دوسری پیدائش کا اسی زمین سے ہونا

حضرت موسیٰ کی دلائل

۲۰۷۵ نشان تو صرف دو ہی تھے یعنی عصا اور ید بیضاء کیونکہ باقی نشان اس واقعہ کے بہت بعد دکھائے گئے ہیں پس یہاں نشانوں یا آیات میں علاوہ معجزات کے دلائل و بینات بھی داخل ہیں جو حضرت موسیٰ نے بیان کئے جیسا کہ اوپر انہی آیات کا ذکر ہے یعنی جو دلائل حضرت موسیٰ نے توحید باری تعالیٰ پر دیئے ہیں۔ اور یہ قابل غور ہے کہ یہاں فرعون اور حضرت موسیٰ کی صرف گفتگو کا ذکر ہے اور حضرت موسیٰ کی دلائل کا جو ہستی باری اور ضرورت وحی پر دیئے ہیں اور فرعون کے سامنے عصا ڈالنے یا سفید ہاتھ نکالنے کا یہاں مطلق ذکر نہیں اور انہیں دلائل کو یہاں آیات کہا ہے اور اسی کا نام فرعون نے سحر رکھا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے لتخرجنا من ارضنا بسحرک گو یا یہ دلائل بھی سحر ہیں اور دلائل اور بیان کا سحر ہونا ان من البیان لسحرا سے ظاہر ہے دیکھو ۱۲۹۰

فرعون کا تحقیق مذہبی میں برابری اختیار کرنا

۲۰۷۶ مکانا سوی کے ایک معنی کئے گئے ہیں کہ ہم سے اور تم سے برابر مسافت ہو اور ایک یہ کہ ہموار ہو مگر امر اول تو ایک بہت گری سی بات ہے اور دوسری بات کوئی ذکر کے قابل شے نہیں۔ تیسرے معنی یوں کئے گئے ہیں کہ ایسی جگہ ہو جہاں ہم اور تم برابر ہوں یعنی حاکم اور رعیت کا جو فرق ہے وہ اس میدان میں نہ ہوگا (ر) کیونکہ اس اجتماع کی غرض تحقیق حق تھی اور یہی معنی یہاں موزوں ہیں یہ حضرت موسیٰ کی نرم گفتگو کا نتیجہ تھا کہ فرعون تحقیق حق پر اس طرح راضی ہو گیا اور گو وہ خود منکر ہی رہا مگر اس کی قوم میں سے کئی لوگ ایمان لے آئے۔

٦٠ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَن يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ۝

جشن کا دن ہے اور یہ کہ لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں ۲۰۷۷ سو فرعون پھر گیا اور اپنی تدبیر (دوں) کو جمع کیا پھر آیا ۲۰۷۸

٦١ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُم بِعَذَابٍ ۖ وَ

موسےٰ نے انہیں کہا تم پر افسوس اللہ پر جھوٹ نہ بناؤ ورنہ وہ تمہیں عذاب سے فنا کر دے گا اور

٦٢ ٦٣ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ۝ فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوَىٰ ۝ قَالُوا إِنْ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ

جو افترا کرتا ہے نامراد رہتا ہے تب انہوں نے اپنے معاملہ میں باہم جھگڑا کیا اور مشورہ کو مخفی رکھا ۲۰۷۹ انہوں نے کہا یہ دو جادوگر ہیں (ج)

يُرِيدَانِ أَن يُخْرِجَاكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ ۝

چاہتے ہیں کہ اپنے جادو سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارے اعلیٰ درجہ کے طریقہ کو دور کر دیں ۲۰۸۰

یوم الزینۃ — **۲۰۷۷** یوم الزینۃ سے مراد وہ دن ہے جس میں لوگ زینت کرتے ہیں اور یہ نوروز یا کوئی میلہ یا کوئی اور جشن کا دن ہو سکتا ہے۔

ضحی ضحی — ضحیٰ ضُحیٰ۔ دھوپ کا پھیل جانا اور دن کا امتداد ہے اور اس وقت کو بھی جب دھوپ پھیل جائے ضحی کہتے ہیں یعنی چاشت کا وقت۔ اور ضَحِیَ یَضْحیٰ کے معنی ہیں دھوپ کے سامنے ہونا وانک لا تظمؤا فیہا ولا تضحی (۱۱۹) سویرے کا وقت مقرر کرنا بتاتا ہے کہ یہ مجمع بہت دیر تک رہنا تھا اسلئے سویرے سے لوگوں کو جمع کیا گیا۔

جمع۔ اجمع — **۲۰۷۸** جمع کیدہٗ۔ جَمْع ایک چیز کے بعض کا بعض سے قریب کرکے ملا دینا ہے اور جَمْع امرہٗ اور اَجْمَعَ کیلئے دیکھو ۱۴۱۹ اور یہاں جمع کیدہٗ ہے اور آگے آتا ہے فاجمعوا کیدکم تو اس کے معنی احکام و عزیمت کئے گئے ہیں یعنی ایک امر کو پختہ اور مضبوط کرنا اور جمع کیدہٗ کے معنی بھی اسی طرح ہونگے یعنی اپنی تدبیریں سے کسی بات کو باقی نہ چھوڑا اور بعض نے جمع اور اجماع میں یہ فرق کیا ہے کہ جمع ایک چیز کا دوسری کے ساتھ ملانا ہے اور اجماع ایک پراگندہ چیز کے اجزا کو اکٹھا کرنا (دل)، تو اس لحاظ سے جمع کیدہٗ کے معنی یہ ہوئے کہ جتنی تدبیریں کر سکتا تھا

فرعون کی تدابیر مختلفہ — وہ سب کیں۔ اور اجمعوا کیدکم میں مراد یہ ہوئی کہ اس بات کو پختہ اور مضبوط کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہاں ایک سے زیادہ رنگوں میں مقابلہ ہوا ہو یعنی کچھ ہاتھ کے کرتب کے علاوہ تقریریں وغیرہ بھی ہوئی ہوں۔

حضرت موسیٰ کی تقریر کا اثر — **۲۰۷۹** اس سے پہلی آیت میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے ان کو سمجھایا کہ افترا نہ کریں اسی کا اثر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں باہم کچھ اختلاف ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے یقیناً وہاں کوئی تقریر کی ہے اور یہی اصل بات ہے جو کبھی فرعون کے سرداروں کے اور کبھی ساحروں کے دلوں کو کھائے چلی جاتی ہے اور یہ ہونا بھی ضروری تھا۔ اس لئے کہ اشرح لی صدری اور احلل عقدۃ من لسانی کی دعا بیکار تھی اگر اصل مقابلہ دلائل میں نہ تھا اور قبل اس کے کہ ساحر اپنے ہاتھ کے کرتب دکھائیں ان کے دل حضرت موسیٰ کی دلائل حقہ سے کھائے گئے تھے۔ چنانچہ آخر پر وہ کہتے بھی ہیں ماأکرھتنا علیہ من السحر (۷۳) جس سے معلوم ہوا کہ فرعون نے مجبور کرکے ان سے وہ شعبدہ بازی کرائی جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ خود اس پر رضامند نہ تھے۔

ذھب۔ اذھب — **۲۰۸۰** یذھبا۔ ذَھَبٌ سونا ہے اور ذَھَبَ کے معنی چلا گیا اور ذھب بالشئ اور اَذْھَبَ کے معنی ہیں اسے لے گیا اسے دور کر دیا اور اس کا استعمال اشیاء اور معانی دونوں میں ہوتا ہے جیسے انی ذاھب الی ربی (الصّٰفّٰت ۳۷ ـ ۹۹) فلما ذھب عن ابراہیم الروع (ھود ۱۱ ـ ۷۴)، اذھب عنا الحزن (فاطر ۳۵ ـ ۳۴)، لیذھب عنکم الرجس (الاحزاب ۳۳ ـ ۳۳) ذھب اللہ بنورھم (البقرۃ ۲ ـ ۱۷)

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝ قَالُوْا ۶۴ ۶۵

اسلئے اپنی تدبیر کو پختہ کرو پھر صف باندھکر آؤ اور آج وہ کامیاب ہو جائیگا جو بڑائی چاہتا ہے ۲۰۸۱ انہوں نے کہا

يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا ۶۶

اے موسیٰ کیا تو ڈالے گا یا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں کہا بلکہ تم ڈالو تو انکی

حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝

رسیاں اور لاٹھیاں انکے جادو سے اسے ایسا خیال ہوا کہ گویا وہ دوڑ رہی ہیں ۲۰۸۲

طرق ۔ طریق طریقۃ ۔ طرق ۔ اصل میں ضرب کی طرح ہے مگر صرف ایک چیز کے دوسری پر مارنے کو کہا جاتا ہے اور اسی سے طریق رستہ کو کہتے ہیں کیونکہ اسے پیروں سے روندا جاتا ہے اور پھر ہر ایک مسلک پر بولا جاتا ہے جس کو انسان اختیار کرے اچھا ہو یا برا اور یہاں طریقۃ سے مراد ایسا ہی مسلک یعنی مذہب ہے ۔

امثل ۔ مثلی مثلی ۔ مثل کیلئے دیکھو ۳۰ و ۲۷۳ اور امثل کے معنی ہیں وہ چیز جو افضل اور اقرب الی الخیر چیزوں سے زیادہ مشابہ ہو اور اماثل القوم بہترین لوگوں کو کہا جاتا ہے اذ یقول امثلہم طریقۃ (۲۰ : ۱۰۴) اور مثلی اسی سے تانیث ہے طریقۃ مثلی سے مراد انکا مذہب اور ان کے رسوم و رواج ہیں جنہیں وہ حضرت موسیٰ کے مذہب سے افضل قرار دیتے ہیں ۔

استعلاء ۲۰۸۱ استعلی ۔ استعلاء کے معنی طلب علو ہیں یعنی دوسروں سے اونچا یا بلند رہنے کی خواہش اور یہ علو مذموم بھی ہو سکتا ہے اور طلب رفعۃ یا بلندی مرتبہ بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے اور یہاں دونوں باتیں مراد ہو سکتی ہیں (غ) اور بعض نے علا سے مراد لیا ہے یعنی غالب رہا (ر) ۔

خیال تخییل ۲۰۸۲ یخیل ۔ خیال ۔ صورت مجرّدہ کو کہتے ہیں (یعنی صرف ایک صورت کو) جیسے وہ صورتیں جو خواب میں نظر آتی ہیں یا شیشہ میں یا کسی چیز کے غائب ہونے کے باوجود دل میں آ جاتی ہیں پھر ہر ایک صورت پر بولا جاتا ہے جس کا تصور کیا جائے اور تخییل کسی چیز کے خیال کی صورت کا دل میں آنا ہے (غ) ۔

ساحروں کی رسیاں سانپ نہیں بنی بلکہ یہ شعبدہ بازی تھی اعراف ۱۱۶۰ میں صرف یہ ذکر ہے کہ لوگوں کو مرعوب کر دیا اور ان کی آنکھوں کو دھوکا دیا ۔ یہاں حضرت موسیٰ کا ذکر ہے کہ آپکو وہ رسیاں وغیرہ دوڑتی ہوئی خیال میں گزریں ۔ یہ نہیں فرمایا کہ ساحروں نے رسیوں کی قلب ماہیت کر دی تھی اور وہ فی الواقع دوڑنے لگیں بلکہ صرف ان کی چالاکی سے اور دھوکا دہی سے حضرت موسیٰ کو بھی یہ خیال گزرا کہ یہ دوڑ رہی ہیں ۔ پس یہ محض چالاکی اور دھوکا دہی تھی جس طرح آج کل بھی شعبدہ باز کر لیتے ہیں ۔ ساحروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کا فی الواقع سانپ بننا قرآن شریف میں مذکور نہیں ۔ مفسرین نے اس شعبدہ بازی کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں کسی نے کہا ہے ان میں پارہ بھر دیا تھا کسی نے کہا نیچے آگ جلا دی تھی یہ سب بے ضرورت باتیں ہیں جن تفصیل کو اللہ تعالیٰ نے چھوڑ دیا ہے اس کی ہمیں ضرورت نہیں اور اس قسم کی شعبدہ بازیاں ایسی عام ہیں کہ کسی شخص کو یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں مداری ہر جگہ ایسی شعبدہ بازیاں دکھاتے رہتے ہیں اور حضرت موسیٰ کا خیال ایسا ہی ہے جیسے آج بھی کوئی اس قسم کی شعبدہ بازی دیکھکر خیال کرنے لگے یہ نہیں کہا کہ حضرت موسیٰ کو یقین ہو گیا تھا ۔

٦٧ ٦٨ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝

پس موسےٰ نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا ٢٠٨٣ ہم نے کہا ڈر نہیں یقیناً تو ہی غالب ہے

٦٩ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ

اور جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے ڈال دے جو انہوں نے بنایا ہے وہ نگل جائیگا انہوں نے صرف جادوگر کی چال بنائی ہے اور جادوگر کامیاب نہیں

٧٠ ٧١ حَیْثُ اَتٰى ۝ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ

ہونا خواہ کہیں آئے پس جادوگر سجدے میں گر گئے کہنے لگے ہم ہارون اور موسےٰ کے رب پر ایمان لائے (فرعون نے) کہا تم اس پر ایمان لائے پہلے

اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

کہ میں تمہیں اجازت دوں یقیناً وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے سو میں ضرور تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف

مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝

اطراف سے کاٹ دونگا اور تمہیں کھجوروں کے تنوں میں صلیب دوں گا اور تم جان لوگے ہم میں سے کون زیادہ سخت اور دیرپا عذاب دے سکتا ہے

٧٢ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ

انہوں نے کہا ہم تجھے اس پر ترجیح نہ دینگے جو دلائل سے ہمارے پاس آچکا اور اس پر جس نے ہمیں پیدا کیا سو تو حکم کر جو حکم تو کرنیوالا

٧٣ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ؕ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا

ہے تو صرف اس دنیا کی زندگی کے متعلق ہی حکم دے سکتا ہے ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں بخش دے

الثلثة

٧٤ وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ

اور وہ جادو (بھی) جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا اور اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے بات یہ ہے کہ جو اپنے رب کے حضور

مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰى ۝

مجرم بنکر آئیگا تو اس کیلئے دوزخ ہے وہ نہ اس میں مریگا اور نہ زندہ ہی ہوگا ٢٠٨٤

حضرت موسیٰ کا خوف

٢٠٨٣ یہ خوف اس لئے تھا کہ لوگ دھوکا نہ کھا جائیں اور اللہ تعالےٰ نے تسلی کی اور بتایا انت الاعلیٰ یعنی تمہارا غلبہ کھلا ہوگا اور کسی قسم کا دھوکا باقی نہ رہے گا +

جہنم میں نہ موت ہے نہ زندگی

٢٠٨٤ جہنم میں موت نہیں کیونکہ مرکر انسان دکھ سے چھوٹ جاتا ہے اور وہاں حیات یعنی زندگی بھی نہیں اسلئے کہ اصل زندگی تو لقاء اللہ ہے اذا دعاکم لما یحییکم اور وہ اہل نار کو میسر نہیں اور یا اسلئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعماء سے محروم ہونگے اور زندگی ان نعماء سے

وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۙ جَنّٰتُ ۷۵ ۷۶

اور جو کوئی اس کے حضور مومن ہو کر آئیگا کہ اس نے اچھے عمل کئے ہیں تو یہی لوگ ہیں جن کیلئے اونچے درجے ہیں ہمیشگی کے

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ع

باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہیں میں رہیں گے۔ اور یہ اس کا بدلہ ہے جو پاک ہوا

ع ۱۳ — فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۵ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۷۷

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی ۔ کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جا پھر انہیں سمندر میں خشک رستہ پر جلد لیجا

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا ۷۸

نہ تجھے پکڑا جانیکا خوف ہو اور نہ تو (غرق ہونے سے) ڈرے ۲۰۸۵ تب فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا سو سمندر سے وہ چیز ان پر آ گئی جس نے

غَشِيَهُمْ ۝ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ ۷۹ ۸۰

انہیں ڈھانک لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو ہلاک کیا اور (منزل مقصود کا) رستہ نہ دکھایا۔ اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے

مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝

نجات دی اور طور کی بابرکت جانب کا تمہارے ساتھ عہد کیا اور تم پر من اور سلویٰ اُتارا ۲۰۸۶

فائدہ اُٹھانا ہے جیسا کہ بل احیاء عند ربهم میں نعماء سے لذت حاصل کرنا مراد لیا گیا ہے اہل نار کی حیات صرف ان کی قوت حاسہ کے لحاظ سے ہے کہ وہ عذاب کو محسوس کریں گے۔

ضرب — ۲۰۸۵ اضرب لهم طريقا۔ بعض مفسرین نے ضرب مارنے کے معنی میں لیکر یوں معنی کئے ہیں اضرب البحر بعصاك ليصير لهم طريقا سمندر کو اپنے عصا سے مار تاکہ وہ ان کے لئے رستہ بنا دے۔ مگر یہ الفاظ سے بہت دور نکل جانا ہے۔ بعض نے ضرب کو یہاں بمعنی اتخاذ لیکر لهم اور طریق کو دو مفعول مانا ہے (ر) اور ضرب کے معنی اسراع فی السیر چلنے میں جلدی کرنا لغت میں موجود ہیں (ل) اور ضرب یحسبوا الذین بنا میں یہی معنی کئے گئے ہیں یعنی فنون سے بھاگتا ہوا جلدی چلا گیا (ل) پس ضرب کے معنی میں یہی اشارہ ہے +

یبس — یبسًا۔ یبس کے لئے دیکھو ۱۵۴۴ اور یبس اس مکان کو کہتے ہیں جس میں پانی ہو پھر جاتا رہے (غ)۔ +

حضرت موسیٰ کا سمندر میں خشک رستہ چلنا — ان الفاظ سے اول تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ رستہ جس پر حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کو لیجانے کا حکم ہوا تھا ایک ہی رستہ تھا۔ نہ بارہ رستے جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ پھر اسے طریق یا رستہ کہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اور لوگ بھی وہاں سے چلتے تھے کیونکہ طریق اسی کو کہا جاتا ہے جس پر لوگ چلیں دیکھو ۲۰۸۰ اور یہی وجہ ہے کہ فرعون بھی اس رستہ پر چل پڑا اگر وہ سمندر کی دیواریں بنکر غیر معمولی خشک جگہیں ہوتیں تو نہ ان پر طریق کا لفظ بولا جاتا نہ فرعون کبھی ان پر چلنے کی جرأت کرتا۔ پھر حضرت موسیٰ کو مصر سے چلنے سے پیشتر وحی ہو جاتی ہے کہ سمندر میں خشک رستہ مل جائیگا اور یبس کے جو معنی امام راغب نے دیئے ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سے پانی ہٹ گیا تھا خواہ جوار بھاٹے سے ہو یا اور غیر معمولی اسباب سے

۲۰۸۶ ایمن کیلئے دیکھو ۲۰۱۰ یہاں یہ جانب کی صفت ہے اور واعدنا سے مراد وہی حضرت موسیٰ کو توریت کا عطا کرنا ہے واذ

۸۱ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ

ستھری چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں۔ اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ میرا غضب تم پر اُترے گا اور جس پر

۸۲ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَ

میرا غضب اُترا وہ پستی میں گر گیا[۲۰۸۷] اور یقیناً میں اس کی بہت حفاظت کرنیوالا ہوں جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور

۸۳ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝

اچھا عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر قایم رہتا ہے[۲۰۸۸] اور اے موسیٰ کیا چیز تجھے اپنی قوم سے (آگے) جلدی لے آئی

۸۴ ۸۵ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ قَالَ فَاِنَّا

کہا وہ بھی میرے نقش قدم پر ہیں اور اے میرے رب میں نے تیری طرف جلدی کی تا کہ تو راضی رہے[۲۰۸۹] کہا تو ہم نے

واعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ (البقرۃ ۲۔ ۵۱) اور یہاں واعدنا کہا اسلئے فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی وساطت سے توریت بنی اسرائیل کو ہی ملی تھی جو کچھ نبی کو دیا جاتا ہے وہ اس کی اُمت کو ہی اس کے واسطہ سے دیا جاتا ہے +

۲۰۸۷ تطغوا فیہ۔ فیہ کی ضمیر ما رزقنکم کی طرف ہے۔ اور ھوٰی کے معنی بلندی سے پستی کی طرف گرنا ہیں دیکھو ۱۵۲ اس مطلب یہ ہے کہ وہ اس بلند مقام سے جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا تھا یعنی رضائے الٰہی کا مقام ایک نہایت پست مقام کیطرف گر گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فی الحقیقت رضائے الٰہی کا حصول سب سے بلند مقام ہے جس پر انسان پہنچ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہی اسفل سافلین میں گر جانا ہے۔ اور ھوی کے معنی ہلاک ہو گیا بھی کئے گئے ہیں اسلئے کہ بلندی سے پستی میں گرنا موجب ہلاکت ہے

رضائے الٰہی ہی انسان کا بلند ترین مقام ہے

۲۰۸۸ اھتدی۔ اِھْتِدَاء (جو ھدی سے ہے) اس سے مخصوص ہے جس کا انسان اختیار کے طریق پر قصد کرتا ہے امور دنیوی میں یا اخروی میں جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا (الانعام ۶۔ ۹۸) لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا (النساء ۴۔ ۹۸) اور کبھی طلب ہدایت پر بولا جاتا ہے واذ اٰتینا موسی الکتاب والفرقان لعلکم تھتدون (البقرۃ ۲۔ ۵۳) ولاتم نعمتی علیکم ولعلکم تھتدون (البقرۃ ۲۔ ۱۵۰) اور اھتداء کسی صاحب ہدایت کا اقتدا کرنا بھی ہے اولو کان اٰباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون (البقرۃ ۲۔ ۱۷۰) یعنی کسی عالم (یا ہادی) کی پیروی نہ کرتے تھے اور فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ (یونس ۱۰۔ ۱۰۸) میں اھتداء میں کئی وجوہ داخل ہیں یعنی طلب ہدایت اور اقتدائے ہدایت اور قصد ہدایت اور یہاں اھتدی کے معنی ہیں ہدایت کی طلب میں مداومت اختیار کرتا ہے یعنی اس میں لگا رہتا ہے اور اس کا قصد کرنے میں سستی نہیں کرتا اور نافرمانی کی طرف نہیں لوٹتا (غ) +

اھتداء

۲۰۸۹ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کے آدمیوں کو جو ساتھ لائے تھے پہاڑ کے نیچے چھوڑ کر خود اوپر چلے آئے تھے واختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا لمیقاتنا (الاعراف ۷۔ ۱۵۵) اور اس سوال میں کوئی تنبیہ کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ انبیاء کے سب کام رضائے الٰہی کیلئے ہوتے ہیں اور بعض کے نزدیک ھم اولاء علی اثری سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے قریب ہی ہیں اور مراد ساری قوم ہے یعنی میری قوم بھی مجھ سے کچھ دور نہیں اور بعض کے نزدیک علی اثری سے مراد علی دینی ہے یعنی وہ میرے ہی دین پر ہیں (ر) +

علی اثری سے مراد

قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ ٨٦

تیری قوم کو تیرے پیچھے فتنہ میں ڈالا اور سامری نے انہیں گمراہ کیا ٢٠٩٠ سو موسیٰ اپنی قوم کی طرف ناراض افسوس کرتا ہوا

أَسِفًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَنْ

لوٹا۔ کہا اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہ کیا تھا تو کیا وہ وعدہ تمہیں اتنا لمبا معلوم ہوا بلکہ تم نے یہ ارادہ کر لیا

يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي ۝ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا ٨٧

کہ تم پر تمہارے رب کا غضب اترے سو تم نے میرے ساتھ وعدہ کا خلاف کیا ٢٠٩١ انہوں نے کہا ہم نے تیرے ساتھ وعدہ کا خلاف اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ

حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝

ہم پر قوم کی زینت کے بوجھ ڈالا گیا سو ہم نے اسے پھینک دیا اور ایسا ہی (سامری نے (خیال) ڈالا ٢٠٩٢

٢٠٩٠ السامری۔ سُمرۃ اس رنگ کو کہتے ہیں جو سفیدی اور سیاہی کے درمیان ہو (یعنی گندم گوں) اور سمر رات کی تاریکی کو کہتے ہیں اور رات کو کہانی بیان کرنے کو بھی اور سامر ایسی کہانیوں کا بیان کرنے والا ہے اور سامری ایک شخص کی طرف منسوب ہے (غ) اور سامرہ بنی اسرائیل کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ ہے جو بعض امور دینی میں یہود سے اختلاف رکھتے تھے اور سامری انہی کی طرف منسوب ہے (ل) اور بعض مفسرین نے سامری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک قبطی تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلا تھا اور وہ ایک منافق آدمی تھا (د) اور یہ حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے +

٢٠٩١ وعدا حسنا سے مراد بعض نے توریت کا دینا لیا ہے اور بعض نے وہ وعدے جو اہل طاعت کے ساتھ کئے جاتے ہیں اور یہی درست معلوم ہوتا ہے وطال علیکم العہد سے مراد وہ وعدہ کا زمانہ لیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ ان سے الگ ہوئے تھے مطلب یہ ہے کہ یہ زمانہ تو اتنا لمبا نہیں تھا کہ تم بھول جاتے پس تم نے عمداً خلاف ورزی کی +

٢٠٩٢ مَلک اور مِلک کے ایک ہی معنی ہیں (غ) یعنی اختیار (یعنی اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا بلکہ کسی کے ورغلانے سے +

القیٰ۔ اِلقاء کے معنی کسی چیز کا وہاں پھینکنا ہیں جہاں وہ تمہارے سامنے ہو (کیونکہ اس کا مادہ لقی ہے) اور پھر عام ہو گیا ہے یعنی ہر طرح کا پھینکنا۔ اما ان تلقی واما ان نکون اول من القی (٦٥) اور پھر کلام۔ قول۔ سلام۔ دوستی کے پیش کرنے پر بھی یہی لفظ آجاتا ہے فالقوا الیہم القول (النحل ١٦۔ ٨٦) والقوا الی اللہ یومئذ السلم (النحل ١٦۔ ٨٧) او القی السمع (ق ٥٠۔ ٣٧) (غ) اور چونکہ یہاں مفعول مذکور نہیں اور زیورات کے ڈالنے پر قذفنا استعمال کیا ہے (٢٠٦٢) اور یہاں اسکے مقابل پر القیٰ ہے اسلئے مراد یہاں یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ بات سامری نے ہمارے سامنے پیش کی اور اسکے مطابق تفاسیر میں ایک قول بھی ہے فمثل ذلک الذی ذکرنا لک القی السامری الینا وقررہ علینا (د) +

اوزارا من زینۃ القوم سے وہی مراد ہے جو دوسری جگہ من حلیہم سے مراد ہے (الاعراف ٧۔ ١٤٨) یعنی زیورات اور زینۃ القوم کے لفظ سے مفسرین نے عام طور پر یہ مراد لیا ہے کہ یہ وہ زیورات تھے جو بنی اسرائیل قبطیوں سے عاریتاً لے آئے تھے جیسا کہ خروج ١٢: ٣٥ میں ذکر ہے مگر قرآن شریف کے الفاظ جہاں ان زیورات کو (الاعراف ٧۔ ١٤٨) میں حلیہم یعنی بنی اسرائیل کے زیورات قرار دیا ہے اس توجیہ کو صحیح نہیں ٹھہراتے اور بعض نے اسے مال غنیمت قرار دیکر پھر خود ہی اعتراض کیا ہے کہ مال غنیمت

٧ ۔ س۔ سامرہ ۔ ع ۔ ا ر ۔ زینۃ القوم ۔ اوزار

۸۸ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى۝ فَنَسِيَ

پس ان کیلئے ایک بچھڑا نکال کھڑا کیا (نخض) ایک جسم جس سے آواز نکلتی تھی تو انہوں نے کہا یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود وہی مگر (موسیٰ) بھول گیا ۲۰۹۲

۸۹ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ وَلَقَدْ قَالَ

ع ۱۵ — عجل پرستی کا انجام

کیا وہ غور نہ کرتے تھے کہ وہ ان کی طرف بات نہیں لوٹاتا اور نہ ان کیلئے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نفع کا اور ہارون نے ان سے

۹۰ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ

پہلے ہی کہہ دیا تھا اے میری قوم تم اس سے صرف فتنہ میں ڈالے گئے ہو اور تمہارا رب بہت رحم کرنیوالا ہے سو میری پیروی کرو

۹۱ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝

اور میرے حکم کی فرمانبرداری کرو ۲۰۹۳ انہوں نے کہا ہم اسکی عبادت میں لگے رہینگے یہانتک کہ موسیٰ ہماری طرف لوٹ کر آئے

کا پہننا ان کیلئے جائز نہ تھا اور مال غنیمت اسے یوں بنایا ہے کہ جب فرعون اور اسکے ساتھی سمندر میں غرق ہوگئے تو ان کے زیورات سمندر نے ساحل پر پھینک دیئے اور وہ بنی اسرائیل نے لے لئے مگر یہ سب دور از قیاس باتیں ہیں اور صحیح بات صرف اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ فرعونیوں کی نقل کرکے بنی اسرائیل کے خیالات بھی زینت کے ظاہری سامانوں یعنی زیورات وغیرہ کی طرف بہت جھک گئے تھے۔ اس لئے یہ تجویز کہ زیورات کو اتار دیا جائے سب کو اچھی بھی معلوم ہوئی پس زینۃ القوم سے مراد اہل مصر کی ظاہری آرائش کے سامان ہیں اور حملنا میں یہ اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل بھی ان کی نقل کرکے اسی مرض میں مبتلا ہوگئے اور زیورات وغیرہ کا شوق بہت بڑھ گیا اسی لئے دوسری جگہ حلیہم فرمایا پھر یا تو ان زیورات سے بچھڑا بنایا گیا اور یا کوئی بت بچھڑے کا بنا کر ان زیورات سے آراستہ کیا گیا اور بتوں کو زیورات پہنانے کا دستور بھی بت پرست قوموں میں پایا جاتا ہے ✣

زیورات اور بچھڑے کا تعلق

۲۰۹۲ زیورات سے بنے ہوئے یا زیورات سے آراستہ بچھڑے کی پرستش میں کیا اشارہ ہے؟ کیونکہ بنی اسرائیل کے واقعات کا ذکر تو مسلمانوں کی ہدایت کیلئے کیا اس کی تصریح قرآن کریم نے خود اس سورت میں کردی ہے جہاں فرمایا لا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منہم زہرۃ الحیوۃ الدنیا (۱۳۱) یعنی جس طرح بنی اسرائیل فرعون اور اسکے ساتھیوں کی نقل کرکے دنیوی آرائش کے سامانوں پر گر گئے تھے مسلمان ایسا نہ کریں مگر آج یہی حالت مسلمانوں کی ہے کہ وہ فی الحقیقت عجل یورپ کی پرستش کررہے ہیں اور ہر بات میں ان کی نقل اتارتے ہیں۔ فی الواقعہ یورپ کی ظاہری ٹیپ ٹاپ ایک عجل ہے اور اس کی پرستش یہی ہے کہ مسلمان بھی اپنے تمام کاروبار میں دنیا اور اس کے مال اور اس کی آرائشوں کو اپنی زندگی کی غرض و غایت سمجھتے ہیں بمبئی اور مدراس کے شہروں میں انہماک دنیا کی حالت کو دیکھ کر کوئی شخص خیال نہیں کرسکتا کہ یورپ سے ان کا نمبر کسی طرح پیچھے ہے ✣

مسلمان اور عجل یورپ

۲۰۹۳ یہاں قرآن کریم نے نہایت صفائی سے بائبل کے اس قصہ کی تردید کی ہے کہ حضرت ہارون بچھڑے کے بنانے اور عبادت میں شریک تھے یوں نہ صرف ان کی عدم شرکت کا ذکر کیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ حضرت ہارون نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے روکا بھی تھا ایسے ایسے مقامات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم بائبل کے قصوں کو نقل نہیں کرتا بلکہ اس کلام پاک کا سرچشمہ کوئی اور ہے اور وہ بائبل کی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے اور یہاں حضرت ہارون کی عصمت کو ثابت کیا ہے ✣

حضرت ہارون کی عصمت اور بائبل کے بیان کی

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ ۹۲ ۹۳

(موسیٰ نے) کہا اے ہارون کس چیز نے تجھے روکا جب تو نے انہیں دیکھا تھا کہ گمراہ ہو گئے کہ تو نے میری اتباع نہ کی[۲۰۹۴] تو کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ ۹۴

کہا اے میری ماں کے بیٹے میری ڈاڑھی اور میرا سر نہ پکڑ میں ڈر گیا کہ تو کہے گا تو نے بنی اسرائیل

بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا ۹۵ ۹۶

میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا پاس نہ کیا[۲۰۹۵] (موسیٰ نے) کہا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے اس نے کہا میں نے وہ کچھ جانا

لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝

جو انہوں نے نہیں جانا پس میں نے رسول کے نقش قدم سے کچھ حاصل کیا پھر اسے پھینک دیا اور ایسا ہی میرے دل نے مجھے (یہ کام) اچھا کر دکھایا[۲۰۹۶]

۲۰۹۴ اتباع نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایسے حالات میں تم نے وہ کچھ کیوں نہ کیا جو میں کرتا اور بعض کے نزدیک یہ مراد ہے کہ تو ان لوگوں کو ساتھ لیکر جو شرک سے بچے رہے تھے میرے پیچھے کیوں نہ آ گیا۔ مگر پہلے معنی زیادہ صاف ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں سے تعلق منقطع کر دیتا یا ایسا فساد ڈالنے والے کو قرار واقعی سزا دیتا یا سختی سے روک دیتا +

۲۰۹۵ دیکھو ۱۱۵۹ حضرت ہارون کو یہ خیال تھا کہ اگر انہوں نے سختی کی تو قوم میں فساد پڑ جائیگا کیونکہ دوسرا گروہ اور ان کے سرغنے بہت زبردست تھے جیسا کہ اعراف میں ہے کادوا یقتلوننی +

بصر - ابصر

۲۰۹۶ بَصُرْتُ - بَصَرَ کیلئے دیکھو ۱۲۱ جب ظاہری آنکھ سے دیکھنا مراد ہو تو کہتے ہیں اَبْصَرْتُ اور جب قلب کی قوت مدرکہ کا ذکر ہو تو کہتے ہیں اَبْصَرْتُہٗ اور بَصُرْتُ بِہٖ اور بَصُرْتُ کا سہ میں یعنی آنکھ سے دیکھنے کیلئے بہت ہی کم استعمال ہوتا ہے جبتک کہ اس کے ساتھ رؤیت قلب بھی نہ ہو لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر (مریم ۱۹ - ۴۲) اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا (السجدۃ ۳۲ - ۱۲) (غ) اور اسی کے مطابق زجاج کا قول ہے یعنی بَصُرَ بِالشَّیْءِ کے معنی ہیں عَلِمَہٗ اسے جانا اور اَبْصَرَ کے معنی ہیں دیکھا +

قبض

قَبَضْتُ قَبْضٌ کیلئے دیکھو ۳۱۴ مگر محض کسی چیز کے حاصل کرنے پر بھی بولا جاتا ہے گو اس میں ہاتھ سے لینا نہ ہو (غ) اور قَبْضَۃً ایک مرتبہ حاصل کرنا ہے +

سامری کا بچھڑا بنانا اور حضرت جبرئیل کی گھوڑی کا بے بنیاد قصہ

یہاں بہت سے زوائد داخل کر کے یوں معنی کئے گئے ہیں کہ میں نے رسول یعنی جبرائیل کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے کی مٹی لے لی اور اسے آگ میں ڈالا۔ تو بچھڑا بن گیا معلوم نہیں اس عجیب کہانی کا ماخذ کیا ہے۔ اول تو یہاں جبرئیل کا ذکر نہیں پھر جبرئیل کا گھوڑا درمیان میں زبردستی داخل کیا جاتا ہے پھر مٹی کا کوئی ذکر نہیں۔ اثر کے معنی مٹی نہیں بلکہ نقش ہیں خواہ وہ نقش ظاہری ہو یا معناً۔ پھر آگ میں ڈالنے کا کوئی ذکر نہیں۔ پھر بچھڑا بننے کا کوئی ذکر نہیں۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ سامری کو منافق بھی کہا جاتا ہے اور ساتھ ہی اسکے اس کو ایسی قوت کا مالک بھی سمجھا جاتا ہے کہ جبرائیل اور اس کا گھوڑا جو مخلص مومنوں کو نظر نہ آئے وہ منافق سامری کو نظر آ گیا۔ پھر یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ جبرئیل کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے کی مٹی سے زیورات کا بت بن جایا کرتا ہے اور اس میں سے عجیب و غریب آوازیں آنے لگتی ہیں یا کیا اسے سامری کا معجزہ کہا جائیگا۔ غرض یہ کہانی کسی طرح پر قابل قبول نہیں۔ رسول خود حضرت موسیٰ ہیں اور انکے اثر سے کچھ لینا صاف بتاتا ہے کہ ان کی تعلیم کو اس نے پورے طور سے قبول نہیں کیا

۹۷ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۖ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ

کہا تو چلا جا پھر تیرے لئے زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا رہے چھونا نہیں ۲۰۹۷ اور تیرے لئے ایک (اور) وعدہ ہے جس کے خلاف

تُخْلَفَهُ ۚ وَانْظُرْ إِلٰى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي

تجھ سے نہ ہوگا اور اپنے اس معبود کو دیکھ جس کی عبادت میں تو لگا ہوا تھا ہم اسے جلا دینگے پھر اسے دریا میں اچھی طرح

۹۸ الْيَمِّ نَسْفًا ۝ إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ كَذٰلِكَ

بکھیر دینگے ۲۰۹۸ تمہارا معبود صرف اللہ ہے وہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے اسی طرح

نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَّدُنَّا

ہم تجھ پر اس کی خبریں بیان کرتے ہیں جو پہلے گزر چکا اور ہم نے تجھے اپنے پاس سے ذکر

۱۰۰ ذِكْرًا ۝ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝

دیا ہے جو کوئی اس سے منہ پھیریگا تو وہ قیامت کے دن بوجھ اٹھائے گا

بلکہ اس کو بہت تھوڑا قبول کیا۔ اور بصُر کے معنی قلب کی قوت مدرکہ سے دیکھنا ہیں پس وہ اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ جو بلا سوچے سمجھے تمہاری تعلیم کی پیروی کرتے چلے جاتے ہیں میں ان میں سے نہیں بلکہ صاحب علم ہوں کچھ اپنے مطلب کی بات لے لی پھر اسے بھی پس پشت پھینک دیا قبذتہا وہ وراء ظہورہم۔ اور یہ سب کچھ اس کے نفس کی تزیین تھی یعنی میرے دل نے مجھے یہ کام اچھا کرکے دکھایا اس لئے میں نے ایسا کیا یہی قول ابومسلم کا ہے اور یا مراد یہ ہے کہ زیورات کا جو بنی اسرائیل سے لینا تو رسول کی تعلیم کا کچھ اثر تھا مگر پھر اسے پھینک دیا اور انہی زیورات کے ذریعہ سے قوم کو مشرک بنا دیا۔

مساس

۲۰۹۷ لا مساس۔ مَسّ دیکھو ۱۳۵ اور مِساس ایک دوسرے کو چھونا اور لا مساس کے معنی ہیں تم کسی سے مخالطت نہ کرو یعنی میل جول نہ رکھو سامری کا میل جول دوسرے لوگوں سے بطور سزا روک دیا گیا (ل)، پس معلوم ہوا کہ سامری کو یہ سزا دی گئی تھی کہ لوگوں سے اس کا میل جول روک دیا گیا۔ اور لا مساس کہنے سے مراد بظاہر یہی ہے کہ وہ کسی سے ملے نہیں اور یہ قول اس معنی میں آسکتا ہے دیکھو ۴۷۵ اور اگر منہ سے کہنا ہی مراد ہے تو بھی غرض یہی ہے کہ اگر کوئی اس سے کلام کرنا بھی چاہے تو بھی وہ کہہ دے کہ اسے یہ حکم نہیں۔

سامری کا لوگوں سے میل جول روکا جانا

۲۰۹۸ ظلت۔ اصل میں ظللت ہے۔ ایک لام حذف ہو گیا ہے دیکھو ۱۷۵۱۔

حرق۔ احراق۔ تحریق۔ احتراق

نحرقنہ۔ حَرَق آگ یا اس کا شعلہ ہے اور اَحْرَقَہٗ کے معنی ہیں جلایا اور حَرَّقَہٗ کثرت کیلئے ہے اور اِحْتَرَقَتْ حدیث میں آیا ہے جہاں اسکے معنی ہیں ھَلَکَتْ یعنی ہلاک ہوگئی اور دوسری حدیث میں ہے اُوحِیَ اِلَیَّ اَنْ اُحْرِقَ قَومًا یعنی جہاں اُحرِق کے معنی ہیں اُھْلِکَ یعنی انہیں ہلاک کردوں اور حَرَق نابہ (یحرقہ) کے معنی ہیں دانت پیسے یہاں تک کہ اس کی آواز سنی گئی اور حَرَقَ الحدید بالمبرد یحرقہ اور حَرَّقَہٗ کے معنی ہیں لوہے کو سوہان سے کوٹا اور اس کے بعض کو بعض سے رگڑا اور یہاں لنحرقنہ کی جگہ لنحرقنہ بھی قرأت پڑھی گئی ہے اور دونوں کے معنی ایک ہیں (ل)۔

خٰلِدِیْنَ فِیْہِ ؕ وَسَآءَ لَہُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حِمْلًا ۝ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ ۱۰۱ ۱۰۲

اسی میں رہیں گے ۔ اور قیامت کے دن ان کا بوجھ بُرا ہوگا ۔ جس دن صور میں پھونکا جائیگا اور ہم اس دن

الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۚۖ یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَہُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ ۱۰۳

نیلی آنکھوں والے مجرموں کو اکٹھا کرینگے ؀۲۹۹ آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرینگے کہ تم صرف دس دن ہی ٹھہرے

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُہُمْ طَرِیْقَۃً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ۝ ع ۱۰۴

ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہینگے جب ان میں سے اعلیٰ درجہ کے طریق والا کہیگا ۔ تم صرف ایک ہی دن ٹھہرے ؀۳۱۰

ننسفن ۔ نَسْفٌ ہوا کا ایک چیز کو اکھیڑ دینا اور اس کو دور کر دینا ہے ۔ ینسفہا ربی نسفا (۱۰۵) اور لننسفنہٗ فی الیم نسفا کے معنی ہیں ہم اسے دریا میں اس طرح ڈال دینگے جس طرح مٹی کا غبار ہوتا ہے ۔

چونکہ تحرقنہ کے معنی دو طرح ہو سکتے ہیں یعنی جلانا اور ریتی سے ریزہ ریزہ کرنا ممکن ہے جلانے سے وہ خاکستر کی طرح ہو گیا ہو ۔ اور ممکن ہے چونکہ سونے چاندی وغیرہ سے بنا ہونے کے اس کو پیس کر ریت کی طرح کیا گیا ہو دونوں صورتوں میں اسے دریا میں ڈال دیا گیا تاکہ اس کی خاکستر سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے یہاں بھی قرآن کریم نے بائیبل کے اس قصہ کی تردید کی ہے کہ بچھڑے کی خاکستر گھول کر بنی اسرائیل کو پلائی گئی (خروج ۳۲ : ۲۰) بعض مفسرین نے یہاں بھی یہ قصہ بڑھا دیا ہے کہ اس بچھڑے میں گوشت اور خون پیدا ہو گیا تھا گویا وہ سچ مچ کا زندہ بچھڑا بن گیا تھا اسلئے اسے جلانے کی ضرورت پیش آئی ۔ یہ بھی بالکل بے بنیاد بات ہے ۔

زُرق ؀۲۹۹ زرق ۔ زُرْقَۃ سیاہی اور سفیدی کے درمیان ایک رنگ ہے یعنی نیلا اور کہا جاتا ہے زَرِقَتْ عینہ یعنی اس کی آنکھ نیلی ہے اور یہاں معنی عُمْیًا یعنی "اندھے" کئے گئے ہیں (غ) مگر ظاہر معنی زیادہ موزوں ہیں ۔

نیلی آنکھوں والے قومیں ۔ حضرت ابن عباس سے دریافت کیا گیا کہ ایک آیت میں عُمْیًا یعنی حشر میں اندھے ہونے کا ذکر ہے اور یہاں زرقا یعنی نیلی آنکھوں والے تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے مختلف حالات ہیں (ر) اور ہو سکتا ہے کہ اس زرق کے لفظ میں بعض ایسی قوموں کی طرف اشارہ ہو جن کی آنکھیں نیلی ہیں اور نحشر کے لفظ میں ان کے دنیوی حشر کی طرف اشارہ ہو ۔

دس دن اور ایک دن رہنے سے مراد ؀۳۱۰ پہلی آیت میں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے کہینگے کہ تم دس دن رہے اور یہاں ان میں سے اعلیٰ درجہ کے انسان کا قول بیان کیا ہے کہ تم ایک ہی دن رہے ۔ اگر یہ قیامت کا قول ہے تو عشرا اور یوم کا الگ الگ بیان کرنا کوئی خاص معنی نہیں رکھتا دونوں قلت میعاد پر دلالت کرتے ہیں اگر کسی قوم کی حیات دنیا کی طرف اشارہ لیا جائے تو پھر عشرا سے مراد دس صدیاں ہونگی اور افضل انسان کا قول کہ یہ دس صدیاں نہیں ایک یوم ہے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک یوم ہزار سال کی طرح ہے وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون (الحج ۲۲ ۔ ۴۷) اور دوسری جگہ امر اسلام کا ایک ہزار سال رکا رہنا مذکور ہے ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون (السجدۃ ۳۲ ۔ ۵) اسلئے اگر یہاں مراد ایسی قوم لی جائے جو اسلام کی ترقی میں مانع ہو اور اس کے خلاف زور لگانے تو واقعات کے لحاظ سے اقوام یورپ پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں کہ انکی آنکھیں بھی نیلی ہیں اور ایک ہزار سال تک انہوں نے اسلام کی ترقی کو بھی روکا ہے ۔

ع ۱۱/۱۵

ذکر قیامت میں رجوع الی الحق کی پیشگوئی

۱۰۵ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا

اور تجھ سے پہاڑوں کے متعلق پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ میرا رب انہیں جڑ سے اڑا کر بکھیر دے گا ۲۱۰۱ پس ان کو صاف ہموار

۱۰۷ قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۝

میدان کر چھوڑے گا نہ تو ان میں کجی دیکھے گا اور نہ اونچ نیچ ۲۱۰۲

پہاڑوں کے اڑنے سے مراد

۲۱۰۱ جبال اور ان کے اڑا دینے کے متعلق دیکھو ۱۶۲۳ جیسا کہ میں بارہا کہہ چکا ہوں قرآن کریم نے جو الفاظ قیامت کبریٰ کے متعلق استعمال کئے ہیں وہ ایک رنگ میں قیامت وسطیٰ پر بھی صادق آتے ہیں۔ اور وہ وعید جن کا ذکر آیت ۱۱۳ میں ہے جس طرح قیامت سے تعلق رکھتے ہیں اس دنیا کی زندگی سے بھی تعلق رکھتے ہیں مثلاً اسی سورت میں فرعون کی ہلاکت اور سامری کی سزا کا ذکر ہو اور یہ دونوں باتیں اس دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ ناممکن ہو کہ قرآن شریف ایک قوم کی اس دنیا میں تباہی کو بطور نظیر بیان کرکے پھر مخاطب نبی کریم صلعم کو صرف عذاب قیامت سے ڈرائے کیونکہ عذاب قیامت سے تو یوں بھی ڈرایا جا سکتا تھا اس کیلئے کسی قوم کی دنیوی سزا کے ذکر کی کیا ضرورت تھی۔ اور خود الفاظ آیت پر غور کیا جائے تو یہاں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہو۔ کیونکہ قیامت کے آنے یا مردوں کے زندہ ہونے کیلئے جبال یعنی پہاڑوں کا وجود کوئی رکاوٹ نہیں کہ وہ لوگ اس کے متعلق سوال کرتے نہ ایسا سوال کبھی کسی نے فی الواقع کیا کہ پہاڑ موجود ہیں۔ تو قیامت کیونکر آئے گی اور مفسرین نے جو اس وقت کو یوں دور کرنا چاہا ہو کہ یہ سوال بطور استہزا تھا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس میں استہزا کیا ہو اور اگر بطور استہزا ہی ذکر تھا تو سمندروں کے متعلق سوال کیوں نہ کیا یا درختوں کے متعلق کیوں نہ کیا۔ اصل بات یہی ہو کہ وہ لوگ جبال کا لفظ عظیم الشان انسانوں پر بولتے تھے۔ اور جب انہیں طرح طرح کے پیرایوں میں بتایا جاتا کہ آخر ان کی بھی وہی حالت ہوگی جو پہلے حق کا مقابلہ کرنے والوں کی ہوئی جیسا کہ آیت ۱۱۳ میں ذکر ہو تو انہیں یہ امر مستبعد معلوم ہوتا ہو اور وہ کہتے ہیں کہ اتنے اتنے عظیم الشان انسان جو حق کی مخالفت کے درپے ہیں یہ کہاں جائینگے اور اس کے جواب میں ایسا پیرایہ اختیار فرمایا کہ ان الفاظ میں قیامت کبریٰ اور قیامت وسطیٰ دونوں کا ذکر آگیا ہو اور لو ان قرانا سیرت به الجبال (الرعد ۱۳-۳۱) اس پر شاہد ہو کہ اس قرآن کے مقابل پر کتنے بھی عظیم الشان لوگ آئیں اللہ تعالیٰ ان سب کو دور کردے گا۔

قاع

۲۱۰۲ قاع۔ قاع اور قیع ہموار زمین کو کہتے ہیں جس کی جمع قیعان ہو (غ) یا فراخ نرم پست زمین جس میں کوئی اونچ نیچ نہ ہو اور نہ اس میں سبزی وغیرہ ہو اور قیعۃ بعض کے نزدیک واحد اور بعض کے نزدیک قاع کی جمع ہو (ل) کسراب بقیعۃ (النور ۲۴-۳۹)

قیعۃ

صفصفا

صفصف ہموار زمین کو کہتے ہیں گویا کہ وہ ایک صف میں ہو (غ)۔

امت

امت کے اصل معنی قدر یا اندازہ ہیں اور امت چھوٹے ٹیلے کو کہتے ہیں اور اس زمین کو بھی جس میں نشیب و فراز ہو اور حدیث میں عیب اور شک کے معنی میں بھی آیا ہو (ل)۔

ان آیات میں ھا کی ضمیر جبال کی طرف ہی ہو گویا پہاڑ جو روک کا کام دیتے ہیں وہ نہ رہینگے اور وہی ہموار پست زمین بن جائینگے گویا ایک انقلاب عظیم کا آنا مراد ہو وہ انقلاب عظیم اس دنیا میں یوں آیا کہ مقابلہ کرنے والے سب نابود یا مطیع ہو گئے اور سب روکیں جو حق کے پھیلنے میں نظر آتی تھیں دور کر دی گئیں اور ان میں عوج اور امت نہ رہنے کا ذکر کیا حالانکہ عوج اس ٹیڑھا پن کو کہا جاتا ہو جس کا ادراک فکر اور بصیرت سے ہو اگر آنکھ سے دیکھا جانا والا ٹیڑھا پن مراد ہوتا تو عَوَج چاہیئے تھا دیکھو ۱۷۸ اور پہلے یہ لوگ تبغونها عوجا (الاعراف ۷-۸۶) کے مصداق تھے آخر یہ عوج نہ رہیگا۔

يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا ۱۰۸

اس دن اس دعوت دینے والے کی پیروی کرینگے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں۔ اور رحمان کے سامنے آوازیں پست ہو جائینگی پس تو سوائے

تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۝ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ ۱۰۹

ہلکی آواز کے کچھ نہ سنے گا ۲۱۰۳ اس دن شفاعت کسی کو نفع نہ دے گی سوائے اسکے جس کیلئے رحمان اجازت دے

وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۱۱۰

اور اس کیلئے بات کو پسند کرے ۲۱۰۴ وہ جانتا ہے جو انکے آگے ہے اور جو انکے پیچھے ہے اور وہ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے

اور اسی طرح امت کے دوسرے معنی کے لحاظ سے پہلے وہ شک میں تھے وہ بھی جاتا رہیگا اور قیامت میں پہاڑوں کو دور کر کے زمین کے ہموار کرنے سے جو مراد ہے اس کی اصل حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ اس کی کیا صورت اور کیا غرض ہے +

داعی

۲۱۰۳ داعی۔ دعاء کیلئے دیکھو ۲۰۲۱ اور داعی دعا کرنیوالا یا پکارنے والا ہے اور داعی ایک لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو پکارنیوالا ہے اجیب دعوۃ الداع (البقرۃ ۲۔ ۱۸۶) اور ایک لحاظ سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اطاعت کی طرف بلانیوالا۔ اسی لحاظ سے نبی کریم صلعم کو داعی کہا ہے وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا (الاحزاب ۳۳۔ ۴۶) اور قرآن کریم میں آنحضرت صلعم کو داعی اللہ بھی کہا ہے اجیبوا داعی اللہ (الاحقاف ۴۶۔ ۳۱) اور داعی اللہ مؤذن کو بھی کہا جاتا ہے اسلئے کہ وہ بھی توحید اور طاعت کی طرف بلاتا ہے (ل) +

ھمس

ھمس۔ صوت خفی کو کہتے ہیں (غ) یعنی ایسی آواز جو مخفی ہو یا بہت ہی ہلکی ہو +

داعی کے اتباع سے مراد

داعی کون ہے قرآن کریم میں تو یہ لفظ بالخصوص رسول اللہ صلعم پر ہی بولا گیا ہے اور آپ کا نام خاص طور پر داعی الی اللہ یا داعی اللہ رکھا گیا ہے مگر مفسرین یہاں داعی الی المحشر مراد لیتے ہیں یعنی اسرافیل۔ مگر اسرافیل کی اتباع لوگ کس طرح کرینگے اور پھر لاعوج لہ سے کیا مراد ہے۔ اگر داعی رسول اللہ صلعم ہوں تو لاعوج لہ آپ کی صفت ہے انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجا (الکہف ۱۸۔ ۱) مگر اسرافیل مراد لیکر یوں تاویل کرنی پڑتی ہے کہ وہ ظلم نہیں کرے گا اور یا یوں کہ وہ بعض لوگوں سے ہٹکر بعض کی طرف مائل نہ ہوگا یعنی اپنی آواز سب کو سنائے گا اور یہ دونوں تاویلیں بعید ہیں۔ اور بعض مفسرین نے داعی سے مراد یہاں رسول اللہ صلعم کو ہی لیا ہے (د) اور رسول اللہ صلعم کو داعی مراد لیکر یہ امر دنیا میں بھی صحیح ثابت ہوا اور آخرت میں بھی ہوگا کہ وہی لوگ جو پہلے آپ کے حد درجہ کے مخالف تھے وہ سب بڑے بڑے لوگ آپکے متبع ہوئے اور آوازوں کا رحمان کے سامنے پست ہونا بھی دنیا میں صحیح ہوا کہ سرکشی کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور فروتنی اختیار کی +

شفاعت میں شافع اور شفیع دونوں کیلئے اذن کی ضرورت اور اس سے مراد

۲۱۰۴ ان الفاظ کے معنی دو نوں طرح پر ہو سکتے ہیں اول یہ کہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کسی کو نفع نہ دے گی مگر صرف اسی کو جسکی شفاعت کیلئے اللہ تعالیٰ اجازت دے اور جس کی خاطر قول شفاعت کو پسند کرے یا جس کی بات کو پسند کرے یعنی جو ایمان اور طاعت پر قایم ہو اور دوسرے یہ کہ کوئی شفاعت نفع نہ دے گی سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن اجازت دے اور جس کی بات کو پسند کرے اور قرآن شریف سے ثابت ہے کہ شفاعت میں اذن شفاعت کرنیوالے کیلئے بھی ہے اور جس کیلئے شفاعت کی جائے اس کیلئے بھی من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ (البقرۃ ۲۔ ۲۵۵) لا یشفعون الا لمن ارتضیٰ (الانبیاء ۲۱۔ ۲۸) اور اذن سے مراد یہ ہے کہ شفاعت کرنیوالے بھی خاص لوگ ہونگے جو قرب کے مرتبہ پر ہیں اور شفیع بھی خاص لوگ ہونگے جنہوں نے کوشش کی مگر ایسی وجوہات سے جو انکی طاقت سے باہر ہیں کمال کے حاصل کرنے سے رہ گئے +

۱۱۱ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ

اور زندہ قایم (خدا) کے سامنے لوگ عاجز ہوجائینگے اور وہ نامراد ہوا جس نے ظلم (کا بوجھ) اُٹھایا [۲۱۰۵] اور جو اچھے عمل

۱۱۲ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا

کرے اور وہ مومن ہو تو اسے نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ حق تلفی کا [۲۱۰۶] اور اسیطرح ہم نے اسے قرآن عربی

۱۱۳ عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ

اُتارا اور اس میں طرح طرح سے ڈرانے کی باتوں کو بیان کیا ہو تاکہ وہ (بری راہوں سے) بچیں بلکہ یہ ان کیلئے بڑائی پیدا کریگا [۲۱۰۷] سو اللہ کی بلند شان ہو جو (بادشاہ)

۱۱۴ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝

(اور) حق ہو اور تو قرآن کے معاملہ میں جلدی نہ کر قبل اسکے کہ اس کی وحی تیری طرف پوری کی جائے اور کہو میرے رب مجھے علم میں بڑھا [۲۱۰۸]

۲۱۰۵ عنت کے لئے دیکھو ۲۸۳ اور وجوہ وجہ کی جمع ہو جس کیلئے دیکھو ۱۴۴ و ۶۶۷ اور مراد منہوں سے خود وہ لوگ بھی ہوسکتے ہیں اور اشراف الناس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہو (د) پس مطلب یہ ہو کہ بڑے بڑے لوگ حی قیوم خدا کے سامنے ذلیل ہوجائینگے۔ اور حی قیوم کا لفظ لانے میں یہ اشارہ ہو کہ وہ ان کو حقیقی زندگی عطا فرمائے گا یعنی وہ اسلام میں داخل ہوجائینگے اور عرب کے کل کے کل بڑے بڑے لوگ آخر مسلمان ہوئے +

هضم ـ هضيم

۲۱۰۶ ھضم ـ ھَضْم کے معنی ہیں اس چیز کا توڑنا جس میں نرمی ہو اور طلعها هضيم (الشعراء [۲۶] ۔ ۱۴۸) میں مراد یہ ہو کہ اس کا بعض بعض میں داخل ہو گویا کہ اسے توڑا گیا ہو (غ) اور اسی سے کھانے کا ہضم ہونا ہو اور ھَضَمَهٗ حَقَّهٗ کے معنی ہیں اس کا حق اسے ناقص کرکے دیا اور ھضیم اسے کہتے ہیں جو اپنے کا بھر کے اندر رہو اور خوشگوار اور تازہ بھی اسکے معنی ہیں (ل) +

مومنوں کے حق میں ظلم وہضم کی نفی

ایسے مومن کو جو اعمال صالحہ کرے ظلم اور ہضم کا خوف نہیں ہوگا ظلم تو یہ ہو کہ ایک شخص نے ایک کام نہیں کیا اور اسے سزا دیجائے یا جتنا برا کام کیا ہو اس سے بڑھکر سزا دیجائے اور ہضم یہ کہ جو اس نے اچھا کام کیا ہو اسکے بارہ میں اس کی حق تلفی ہو یعنی اس کے ذمہ خواہ مخواہ کوئی بدی نہ لگائی جائے گی نہ اس کے نیک کام بلا اجر رہینگے اس کا مطلب یہ نہیں کہ برائی کرنے والوں کے حق میں ظلم اور ہضم ہوگا اگرچہ نہ وہ سزا پائینگے اور ان کے نیک عمل ایسے نہ ہونگے جو ان کو سزا سے بچا سکیں اسلئے یہ ترکیب اختیار کی ہو اور اس سے پہلی آیت میں ہو من حمل ظلما ۔ تو گویا ظلم اللہ تعالیٰ انسان پر نہیں کرتا بلکہ برا انسان خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہو پس جس نے خود اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا اسے کسی ظلم کا خوف نہیں اور جس نے اپنے نفس کے حقوق کو تلف نہیں کیا اس کی حق تلفی کوئی نہ ہوگی اسلئے اسکے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ ظلم اور ہضم کی سزا سے بیخوف ہوگا +

احداث

۲۱۰۷ یحدث ۔ حدث کیلئے دیکھو ۱۵۱۶ اور احداث وجود میں لانا ہو حتی احدث لك منه ذكرا (الكهف [۱۸] ۔ ۷۰) لعل الله يحدث بعد ذلك امرا (الطلاق [۶۵] ۔ ۱) +

اور ذکر سے مراد یہاں شرف وعظمت ہو دیکھو ۱۹۱ اور قرآنا عربیا سے مراد ہو کھولکر بیان کرنیوالا دیکھو ۱۵۱۶ اور آیۃ کا معنی یہ ہو یعنی نہ صرف وہ بدیوں سے بچ جائینگے بلکہ یہ قرآن انکے لئے ایک عظمت اور شرف کا مقام پیدا کردے گا +

قرآن کے متعلق جلدی کرنے کے حکم کا منشا

۲۱۰۸ الحق کیلئے دیکھو ۱۵۰ قرآن کے متعلق جلدی کرنے سے مراد یہ لی گئی ہو کہ جیسا حدیث میں ذکر ہو پہلے نبی کریم صلعم اس خوف سے کہ کچھ

ع ۱۳/۱۴

آدم اور شیطان یا حق و باطل کا مقابلہ

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ۱۱۵ ۱۱۶

اور یقیناً ہم نے آدم کو پہلے حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا عزم نہ پایا ۲۰۹ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ ۭ أَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ إِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ ۱۱۷

کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو انہوں نے فرمانبرداری کی مگر ابلیس نے (نہ کی)، اس نے انکار کیا تو ہم نے کہا اے آدم یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے سو یہ تم

لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ ۱۱۸

دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے پس تو تکلیف میں پڑ جائے ۲۱۰ تیرے لئے یہ (مقرر) ہے کہ تو اس میں بھوکا نہ ہو اور

لَا تَعْرٰى ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ ۱۱۹ ۱۲۰

نہ ننگا رہے اور یہ کہ تو اس میں پیاسا نہ رہے اور نہ دھوپ میں رہے ۲۱۱ پس شیطان نے اس کی طرف وسوسہ ڈالا

رہ نہ جائے ملک سے وحی لینے میں جلدی کیا کرتے تھے مگر یہاں وعید کا ذکر ہے اسلئے یہ مراد نہیں ہو سکتی اصل یہ ہے کہ ابتدائی سورتوں میں وعدا ور وعید کا ذکر زیادہ تر مجازاً ور استعارہ کے رنگ میں ہی جیسا کہ اوپر بھی وعید کا اسی رنگ میں ذکر ہوا اور رسول اللہ صلعم یہ چاہتے تھے کہ انکو ان کی بدکرداریوں اور مخالفت حق کا انجام صاف لفظوں میں جلد بتا دیا جائے اسلئے فرمایا کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کرو بلکہ کہو رب زدنی علماً یعنی اور زیادہ علم دیا جائے اور آنحضرت صلعم کی دعا مذکور ہے اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا اے اللہ مجھے اس سے نفع پہنچا جو تو نے مجھے علم دیا ہے اور مجھے وہ علم دے جو مجھے نفع دے اور میرا علم بڑھا ؎

آدم کی عصمت

۲۰۹ عزم کیلئے دیکھو نمبر ۲۹ کسی امر کے کر گزرنے کیلئے دل کو پختہ کر لینا اور یہاں نسیان کا قرینہ بتاتا ہے کہ جو امر آدم سے سرزد ہوا وہ نسیان کا نتیجہ تھا عزم یعنی عمداً اور ارادہ سے نہ تھا۔ بالفاظ دیگر ذنب پر عزم نہ تھا یہ معنی ابن زید وغیرہ سے مروی ہیں (ر) اور راغب نے یوں معنی کئے ہیں کہ یہاں مراد اس امر کی محافظت۔ یعنی جو کچھ حکم دیا گیا تھا اس کی حفاظت نہ کر سکے اور قیام پر ہم نے ان میں عزم نہ پایا (غ)، دونوں صورتوں میں نسیان کا لفظ آدم کی عصمت پر بیّن دلیل ہے ؎

وحی سے فطری کمزوری کا علاج

یہاں چونکہ اوپر ایک معاملہ میں جلدی کرنے سے روکا تھا تو اس لحاظ سے حضرت آدم کا ذکر کیا کہ انہوں نے بھی جلد ایک نتیجہ کو حاصل کرنے کے خیال سے غلطی کھائی اور یا اس لحاظ سے ذکر ہے کہ انسان وحی الٰہی کے بغیر خود بخود اپنی فطری طاقت سے بدی کا مقابلہ نہیں کر سکتا چنانچہ حضرت آدم بھی جب فطری عہد کو قائم نہ رکھ سکے تو اس کمزوری کا علاج وحی الٰہی سے کیا گیا ؎

شقاء

۲۱۰ تشقٰی۔ شقا اور شقاوۃ کیلئے دیکھو ۱۵۰۴ کسی قسم کی خیر سے محرومی اور شقاء شدت اور عسرت (سختی) اور تنگی کو بھی کہتے ہیں (ل)، جنت سے نکلنے کا نتیجہ شقاوت ہے یہ شقاوت شدت و عسرت ہی ہے ؎

جوع

۲۱۱ تجوع۔ جُوع وہ تکلیف ہے جو انسان کو معدہ کے کھانے سے خالی ہونے کی وجہ سے پہنچتی ہے (غ)، اور علم کیلئے استعارۃً یعنی طلب، جوع یہ ہے کہ اس سے انسان سیر نہ ہو اور جائع الی لقائہ کے معنی ہیں اس کی ملاقات کی خواہش کی (ل) یعنی معانی میں بھی اس کا استعمال ہے ؎

عراء

تعری عَرِیَ کے معنے ہیں ننگا ہوا اور عَرِیَ من الذنب کے معنی ہیں ذنب سے عاری (غ)، اور حدیث میں آنحضرت صلعم کی صفت ہے انا النذیر العریان یعنی کھول کر بیان کرنیوالا ڈرانیوالا (ل) ؎

١٢١ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ فَاَكَلَا مِنْهَا

کہا اے آدم کیا میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا پتہ دوں اور ایسی بادشاہت کا جو پرانی نہ ہو ٢١١٢ سو دونوں نے اس سے کھایا

فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ

تو ان کے عیب ان کیلئے ظاہر ہو گئے اور وہ جنت کے پتوں سے اپنے آپکو ڈھانکنے لگے اور

١٢٢ عَصٰىٓ اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ○

آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس ناکام ہوا ٢١١٣ پھر اس کے رب نے اسے چن لیا ٢١١٤ پس اسپر رحمت سے متوجہ ہوا اور رستہ دکھایا

ظماء — تظمؤا۔ ظماء کے معنی پیاس ہیں۔ اور ظمآن پیاسا یحسبہ الظمآن ماء (النور ٢٤ - ٣٩) +

ضحی — تضحی۔ ضحی (یضحی) تعرّض للشمس یعنی اپنے آپکو سورج کے سامنے رکھا اور لا تضحی کے معنی ہوئے کہ سورج کی گرمی سے محفوظ کر لیتا ہو (غ) +

اس عالم کی جنت میں اسباب آسایش کے مہیا ہونے سے مراد — ان دو آیات میں اسباب راحت کو جمع کر دیا ہو بھوک کی تکلیف سے بچا رہے ننگا نہ ہو پیاس اور دھوپ سے محفوظ رہے کھانا پینا پہننا مکان یہی انسان کی ضرورت کی چار چیزیں ہیں اور ان کا مہیا ہو جانا گویا انسان کی آسایش کے اسباب کا اجتماع ہو۔ اور دوسری جگہ اسی خیال کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہو وکلا منہا رغدا حیث شئتما (البقرة ٢ - ٣٥) گویا دونوں جگہ ہر قسم کی فراغت کا ہی ذکر ہو۔ مگر کیا اس سے مراد جسمانی طور پر فارغ البال ہونا ہو اور انسان کی جنت یہی ہو کہ اسے کھانے پینے کو بہت ملے؟ تو پھر اس جنت کو بہت سے بدکار بھی اس دنیا میں حاصل کر لیتے ہیں آیت ١٢٤ اس کو حل کرتی ہو جو شخص میرے ذکر سے منہ پھیرتا ہو اس کیلئے تنگی کی روزی ہو ظاہر ہو کہ اس تنگی کی معیشت سے یہ مراد نہیں کہ اسے جسم کو قایم رکھنے کیلئے سامان معیشت کم ملیگا یا نہ ملیگا بلکہ وہ یہی تنگی ہو جس کا نتیجہ یہ ہو کہ قیامت کے دن وہ اندھا اُٹھایا جائیگا۔ اسی مضمون پر دیکھو ١٠٦١ و ٩٤٤۔ پس گو لفظ بھوک اور پیاس غیرہ کے استعمال ہوئے ہیں مگر مراد یہی ہو کہ روحانی طور پر تنگی نہیں بلکہ آسایش حاصل ہو اور یا مطلب یہ ہو کہ جب انسان اپنی زندگی کی اصل غرض ذکر اللہ یا لقاء اللہ کو سمجھے تو کھانے پینے وغیرہ سامانوں کے متعلق اسے آسایش حاصل ہوتی ہو اسلئے کہ وہ ان کے پیچھے نہیں پڑتا اور کھانے پینے کو اللہ تعالیٰ ویسے ہی دیتا ہو تفصیل کیلئے دیکھو ٢١١٦ نیز دیکھو ٥٤٧ +

شجرۃ الخلد سے مراد — ٢١١٢ دوسری جگہ ہو الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین (الاعراف ٧ - ٢٠) پس شجرۃ الخلد سے مراد ہمیشہ کی زندگی ہے دیکھو ١٠٦٢ +

غوی — ٢١١٣ غوی۔ کے معنی یہاں جَھِل کئے گئے ہیں یعنی جاہل ہوا یا خاب یعنی ناکام رہا یا فسد علیہ عیشہ یعنی اس کی زندگی میں فساد واقع ہوا ان الفاظ کی تفسیر ١٠٦٤ میں گزر چکی ہو +

٢١١٤ اجتبٰی کے لفظ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بھلائی کی باتوں کو جمع کیا تھا دیکھو ٥٧٥ اور ھدیٰ میں اس ہدایت کی طرف اشارہ کیا جو بذریعہ وحی الٰہی ملتی ہو فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ (البقرة ٢ - ٣٧) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ سے ان غلطیوں سے بچایا جن کے وقوع کرنے پر فطرت انسانی اکیلی قادر نہیں +

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ ١٢٣

فرمایا تم سب۔ اس (حالت) سے نکل جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ سو اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت

هُدًى لا فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ١٢٤

آئے سو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑیگا ٢١١٥ اور جو کوئی میرے ذکر سے منہ

ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝

پھیریگا تو اس کیلئے تنگی کی زندگی ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائینگے ٢١١٦

٢١١٥ اهبطا کیلئے اور بعضکم لبعض عدو کیلئے دیکھو ٥٦ ذکر تو دونوں کا ہے مگر کل نسل انسانی کو خطاب کیا ہے اسلئے کہ یہ دونو ساری نسل کیلئے بمنزلہ اصل کے ہیں اور بتایا یہ ہے کہ جو قانون ان دو پر حاوی ہے وہی سب نسل انسانی پر حاوی ہوگا ❖

٢١١٦ ضنك کے معنی ضیّق یعنی تنگ ہیں ❖

ضنك

دنیادار کی زندگی کی تنگی سے مراد

تنگی کی زندگی سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے اسے عذاب قبر قرار دیا ہے بعض نے عذاب جہنم۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ امر دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ اسکے بعد آتا ہے ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی پس لازماً وہ کوئی اور بات ہے اور اب بیان ۔ اللہ سے اعراض کا ذکر ہے اور دوسری جگہ فرمایا الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد ١٣-٢٨) یعنی اطمینان قلب انسان کو اس دنیا کی زندگی میں صرف ذکر اللہ سے ملتا ہے اور جو ذکر اللہ سے اعراض کریگا ظاہر ہے کہ وہ اطمینان قلب کو کبھی حاصل نہیں کرسکتا اور فی الحقیقت زندگی میں وسعت اور تنگی کثرت وقلت سامان پر منحصر نہیں بلکہ حالت قلب پر اس کا انحصار ہے جسے اطمینان قلب میسر آجاتا ہے اسکے لئے تھوڑے سامان بھی بہت ہیں اور جسے اطمینان قلب نہیں ملتا اس کیلئے ساری دنیا بھی ہو تو بھی اور زیادہ جلن کا موجب ہی ہوتی ہے اور حضرت ابن عباس سے معیشۃ ضنکا کے معنی شقاء مروی ہیں (ج) یعنی خیرات اور نیکیوں سے محرومی اور بعض کے نزدیک رزق حرام اور کسب خبیث مراد ہے کیونکہ وہ باوجود فراخی کے تنگی ہے (ج) پس دنیادار کی زندگی فی الواقع ایک تنگی کی زندگی ہے اور وہ خود اس تنگی کو محسوس کرتا ہے اور ایک اور لحاظ سے بھی یہ تنگی کی زندگی ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قسم کے قویٰ دیئے ہیں اور ان سب قویٰ سے کام لینے سے ہی انسان کی زندگی میں حقیقی کشایش پیدا ہوتی ہے لیکن جو لوگ اخلاقی اور روحانی پہلو کی طرف سے آنکھیں بند کرکے صرف دنیا کی زندگی پر ہی گرے رہتے ہیں وہ خود اپنی زندگی کو ایک تنگ دائرہ میں محدود کردیتے ہیں اور ان کا زندگی کے حقیقی پہلو سے آنکھیں بند رکھنا ہی اس بات کا موجب ہے کہ وہ قیامت کے دن اندھے اُٹھینگے کیونکہ وہ یہاں اندھے ہیں ومن کان فی ہذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی (بنی اسرائیل ١٧-٧٢) اس سے بھی معلوم ہوا کہ انسان کو جنت یا سکون یا اطمینان قلب اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے سے ملتا ہے اور وہ جنت جو انسان اس دنیا میں حاصل کرسکتا ہے اور جس میں پہلے آدم کو رکھا گیا تھا یہی اطمینان قلب کی جنت تھی دیکھو ٥٤ ❖

حشر میں اندھا ہونے سے مراد

اعمی یا اندھا اٹھانے سے کیا مراد ہے؟ دوسری جگہ ہے ونحشرھم یوم القیامۃ علی وجوھھم عمیا وبکما وصما (بنی اسرائیل ١٧-٩٧) یعنی اندھے بہرے گونگے اُٹھائے جائینگے عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ انکی آنکھیں نہیں ہونگی مگر وہ آگ کو دیکھیں گے ورا المجرمون النار (الکہف ١٨-٥٣) اور اپنا نامہ اعمال بھی پڑھینگے اقرا کتابک (بنی اسرائیل ١٧-١٤) پس یہ ایسا اندھاپن ہے کہ سزا کے سامانوں کو دیکھینگے اور نعماء کو نہ دیکھ سکینگے اور ان نعماء کو وہی دیکھ سکتا ہے جو خود اپنے اندر ایسی آنکھیں پیدا کرتا ہے جن سے وہ نعماء دیکھی جاسکتی ہیں ایک راستباز انسان جس راحت اور جنت کو اس دنیا کی زندگی میں محسوس کرتا ہے اسے ایک طالب دنیا نہیں دیکھ سکتا پس نعمائے جنت کو کس طرح دیکھے اور آیت ١٢٦ میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترک

١٢٥ ١٢٦ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا

کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا اور میں دیکھنے والا تھا ۲۱۱۷ کہا ایسا ہی تیرے پاس میری آیات آئیں

١٢٧ فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ

تو تو نے انکی پروا نہ کی اسیطرح آج تیری بھی پروا نہ کی جائیگی اور اسیطرح ہم اسے بدلہ دیتے ہیں جو زیادتی کرے اور اپنے رب کی باتوں پر

١٢٨ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۝ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ

ایمان نہ لائے اور آخرت کا عذاب یقیناً زیادہ سخت اور زیادہ دیر پا ہے ۲۱۱۸ تو کیا ان کیلئے واضح نہیں کیا کہ ان سے

اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

پہلے ہم نے کتنی نسلوں کو ہلاک کیا جن کے رہنے کی جگہوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں یقیناً اس میں عقل

١٢٩ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ؑ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى

والوں کیلئے نشان ہیں ۲۱۱۹ اور اگر تیرے رب کیطرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک وقت مقرر (نہ ہوتا) تو یقیناً (عذاب) آہی لگا ہوتا ۲۱۲۰

ع ٧ / ١٤ — حق کی کامیابی اور مجرموں کی سزا یقینی ہے

کیا جانا یا لقاء اللہ سے محرومی یہی نابینائی ہے ٭

۲۱۱۷ اس کا یہ کہنا کہ میں بصیر تھا تو مراد اس سے دنیوی معاملات میں بصیرت ہے اگلی آیت میں جواب سے یہ ظاہر ہے جہاں فرمایا کہ ہماری آیات آئیں تو ان کی پروا نہ کی یعنی ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ اسلئے دنیا کے معاملات میں بصیرت وہاں فائدہ نہیں دے سکتی اور جو آنکھ یہاں بند رہی وہ وہاں بھی بند ہو گی ٭

اسراف — ۲۱۱۸ اسراف کسی فعل میں حد سے گزر جانے کا نام ہے اور یہاں شہوات میں انہماک مراد ہے اور عذاب آخرت کو جو اشد و ابقی کہا تو مراد ہے کہ دنیا کے عذاب سے وہ زیادہ سخت اور دیر پا ہے اور دنیا کا عذاب وہ ہے جس کا ذکر فان له معيشة ضنكا میں ہے گویا وہی تنگی سخت تر صورت میں ظاہر ہو جائیگی ٭

هدى له — ۲۱۱۹ یهد ۔ هداية کے معنی کیلئے دیکھو ۵ اور هدى یعنی بَيَّنَ بھی آتا ہے جیسے محمد بن کعب کی حدیث میں فما هدى رجعا دجعم جس کے معنی ہیں کہ اس نے جو جواب دیا اس میں نہ بات کو واضح کیا نہ کوئی دلیل دی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لغت اہل غور میں هديت لك کے معنی ہیں بَيَّنْتُ لك یعنی بات کو کھول کر بیان کیا اور یہی معنی یہاں ہیں (ل) ٭

عذاب استیصال آکر رہیگا — ۲۱۲۰ ترکیب یوں ہے ولولا كلمة سبقت من ربك واجل مسمى لكان لزاما مگر لكان لزاما کو مقدم اسلئے کیا کہ فی الحقیقت یہ مستحق تو اسی بات کے تھے کہ عذاب فوراً ان کے لازم حال ہو جاتا اور کلمہ جو پہلے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو چکا ہے وہ اس کی رحمت کی سبقت غضب پر ہے جس کی وجہ سے وہ جلد گرفت نہیں کرتا۔ اور اجل مسمی یہ تھی کہ مخالف اپنی تمام تدابیر کو کمال تک پہنچا کر آخر اسلام کو تلوار سے نیست و نابود کرنے کیلئے نکل پڑیں سيهزم الجمع ويولون الدبر (القمر ۵۴: ۴۵) اسلئے اجل مسمی سے مراد بعض نے یوم بدر لیا ہے اور اس پر یہ اعتراض درست نہیں کہ یہاں ذکر عذاب استیصال کا ہے اور بدر میں استیصال نہیں ہوا اسلئے کہ وہ اس کی ابتدا ہے اور فتح مکہ کے ساتھ وہ عذاب استیصال کمال کو پہنچ گیا ٭

۱۳۰ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ

سو اس پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں اور سورج کے نکلنے سے پہلے اور اسکے ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ

۱۳۱ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ وَلَا تَمُدَّنَّ

تسبیح کر اور رات کے وقتوں میں بھی تسبیح کر اور دن کی طرفوں میں بھی تاکہ تو راضی ہو جائے ۲۱۲۱ اور اپنی نگاہیں اسکے

عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ

پیچھے لمبی نہ کر جو ہم نے ان میں سے قسم قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی آرایش کیلئے سامان دیا ہے تاکہ ہم انکو اسکے ذریعہ

۱۳۲ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ

سے آزمائیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور زیادہ دیرپا ہے ۲۱۲۲ اور اپنے اہل کو نماز کا حکم دے اور اس پر مضبوط

۱۳۳ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ وَقَالُوْا

رہ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے ہم تجھے رزق دیتے ہیں اور اچھا انجام تقویٰ کے لئے ہے ۲۱۲۳ اور کہتے ہیں

اوقات نماز

۲۱۲۱ مصائب پر صبر کے ساتھ ہمیشہ نماز کا ذکر ہوتا ہے کیونکہ اس میں رجوع الی اللہ ہے واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔ اور یہاں بھی پانچ اوقات نماز کا ذکر ہے صبح اور عصر کا ذکر تو صراحتًا ہے قبل طلوع الشمس وقبل غروبہا اور باقی نمازوں کا ذکر اٰناء الیل واطراف النہار میں ہے۔ دن کی طرفین یوں بھی ہو سکتی ہیں کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور زوال آفتاب کے بعد اور یہی مراد طرفی النہار (ھود ۱۱۴) میں ہے اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ زوال آفتاب کے بعد اور غروب آفتاب کے بعد اور یہی یہاں مراد ہے یعنی ظہر اور مغرب۔ اور ترضٰی میں یہ اشارہ ہے کہ کامیابی کو حاصل کرے کیونکہ کامیابی پر ہی انسان راضی ہوتا ہے +

نماز سے حصول کامیابی

زھرۃ

۲۱۲۲ زھرۃ۔ زَھْرَۃٌ سبزی کی کلی کو کہتے ہیں اور بعض نے اسے سفید سے مخصوص کیا ہے اور زھرۃ الدنیا۔ اس کی تروتازگی اور حسن اور خوشنمائی کو کہا جاتا ہے اور زُھْرَۃٌ حسن اور سفیدی کو کہا جاتا ہے اور رَجُلٌ اَزْھَرُ اس مرد کو کہا جاتا ہے جسکا سفید رنگ ہو اور جس کا منہ روشن ہو (کیونکہ اَزْھَرَانِ چاند کو اور اَزْھَرَان سورج اور چاند کو کہتے ہیں) اور عورت کو زَھْرَاء کہا جاتا ہے اور نبی کریم صلعم کی صفت میں ہے اَزْھَرُ اللَّوْنِ یعنی آپ کا رنگ سفید چمکدار تھا اور حضرت فاطمہؓ الزَّھْرَاء کہلاتی ہیں +

نبی کریم کا رنگ

آرایش ظاہری کے سامان

ان آیات میں خطاب عام ہے اور اگر رسول اللہ صلعم کو بھی خطاب سمجھا جائے تو اصل مقصود امت سے خطاب ہے جس کے سامنے یہ زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا کے سامان آنیوالے تھے نبی کریم صلعم کے سامنے ایسی قومیں نہ تھیں جنہوں نے دنیوی زندگی کی آرایش کو کمال تک پہنچایا ہو۔ یہ نقشہ آج یورپ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور اسی زمانہ کے مسلمان بالخصوص مخاطب ہیں کہ وہ دوسری قوموں کے سامان زینت و آرایش و حسن کو دیکھکر دنیا کے سامانوں کی طرف نہ جھک جائیں اور فی الحقیقت ایسا ہی ہوا ہے کہ آرایش ظاہری کی بیماری اور دنیا طلبی مسلمانوں میں بھی سرایت کر گئی ہے یہانتک کہ خدا کے آگے جھکنے کیلئے انہیں وقت بھی نہیں ملتا اسکے بالمقابل رزق رب کا ذکر کیا جس سے مراد نبوت و ہدایت لیگئی ہے مگر فی الحقیقت تمام وہ امور اس میں داخل ہیں جو روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں +

نماز نمازی کیلئے رزق روحانی ہے

۲۱۲۳ اَھْل دیکھو ۱۳۲؎ یہ لفظ عام ہے اور صرف بیبیاں مراد نہیں اگر خطاب رسول اللہ صلعم سے لیا جائے تو آپکے کل متبعین

۱۳۴ لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ وَلَوْ

ہم پر ایک نشان اپنے رب کی طرف سے کیوں نہیں لے آتا کیا انکے پاس اسکی کوئی کھلی دلیل نہیں آچکی جو پہلے صحیفوں میں ہے ۲۱۲۴ اور اگر

أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا

ہم انہیں اس سے پہلے عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیتے تو کہتے اے ہمارے رب کیوں تو نے ہماری طرف رسول نہ بھیجا

۱۳۵ فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ ۝ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ۖ

تو ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے ۲۱۲۵ کہو سب ہی انتظار کرنیوالے ہیں سو تم بھی انتظار کرو

فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ۝

پس تم جان لوگے کہ کون سیدھے رستے پر چلنے والے ہیں اور کون ہدایت پر قایم ہے

اس میں شامل ہیں اور اگر عام ہو تو ہر شخص کے ساتھ اتحاد کا رنگ رکھنے والے لوگ اس میں داخل ہیں اور یہ جو نماز کے ذکر کے ساتھ فرمایا کہ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے تو مطلب یہ ہو کہ نماز سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اسکی بڑائی اور عظمت زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ نحن نرزقک میں بتایا کہ یہ نماز انسان کے رزق روحانی کا موجب ہو اور نماز کی ہدایت کر کے اللہ تعالیٰ انسان کو اس کا اصل رزق دیتا ہو اور یہی وہ رزق ہو جو انجام کار کام آنیوالا ہو اسی کی طرف والعاقبۃ للتقوی میں اشارہ ہو اور اس طرف بھی کہ متقی کا انجام لازماً اچھا ہوگا +

مطالبہ عذاب ہلاکت کا لطیف جواب

۲۱۲۴ قرآن کریم کی طرز تبلیغ اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہو جب ان کے سامنے قوموں کی ہلاکتوں کا ذکر ہوتا تو کہتے کہ اس قادر قوموں کی ہلاکت کا جو ذکر ہمیں سنایا جاتا ہو ایسا ہی ایک نشان ہلاکت ہم پر کیوں نہیں لے آتا. آیۃ من ربہ میں تنکیر نہ صرف نشان مطلوب کی عظمت کیلئے ہو بلکہ نکرہ لانے میں یہ بھی اشارہ ہو کہ جیسا نشانوں کا ذکر سنایا جاتا ہو ویسا کوئی ایک نشان استیصال ہم پر بھی لے آتے اس کا جواب نہایت لطیف دیا ہو ان کے پاس پہلے صحیفوں کا بیّنہ یعنی رسول رحمۃ للعالمین آچکا ہو یہ اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے جیسا دوسری جگہ وقالوا لولا انزل علیہ آیات من ربہ (العنکبوت ۲۹ - ۵۰) کا جواب دیا ہو او لم یکفہم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیہم ان فی ذلک لرحمۃ وذکریٰ لقوم یؤمنون (العنکبوت ۲۹ - ۵۱) یعنی کتاب میں ان کیلئے رحمت موجود ہو وہ اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے ایسا ہی یہاں ہو کہ پہلے صحیفوں میں رسول کریم کا ذکر موجود ہو اور وہ کھلی دلیل اب انکے پاس آچکی ہو کیونکہ پہلے صحیفوں کا بھی مصدق ہو اور بینۃ رسول کریم صلعم کو دوسری جگہ صفائی سے فرمایا لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین منفکین حتیٰ تاتیہم البینۃ رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطہرۃ (البینۃ ۹۸ - ۱ و ۲) اور دوسرے یہ بھی اشارہ کیا ہو کہ جب پہلے صحیفوں کے مکذبوں پر عذاب آیا تو قرآن کریم کے جھٹلانے والے کیونکر اس سے بچ سکتے ہیں +

بینۃ سے مراد رسول کریم ہیں

عذاب اور رسول کا تعلق

۲۱۲۵ یہاں دو باتیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ مکذبین کا فساد اور شرارت تو پہلے ہی اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ انہیں ہلاک کر دیا جاتا مگر اتمام حجت کیلئے ضروری تھا کہ رسول انکے پاس آجاتا اس سے بھی معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں بینۃ سے مراد رسول ہی ہو اور دوسرے عذاب جو مکذبین نبی کریم پر آنیوالا تھا اسکی نوعیت بھی بیان فرما دی ان نذل ونخزیٰ یہ عذاب ذلت و رسوائی کا تھا. اسی میں ان کا استیصال اور یہی ان کی ہلاکت تھی کہ آخر کار اسی کے سامنے ذلیل اور مغلوب ہو کر آئے جس کو مٹانے کے درپے تھے آخری آیت میں صاف کہہ دیا کہ الٰہی فیصلے کا انتظار کریں وہ آکر رہے گا +

مکذبین نبی کریم کے عذاب ہلاکت کی نوعیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنیوالے کے نام سے

اس سورت کا نام الانبیاء ہے اور اس میں سات رکوع اور ۱۱۲ آیتیں ہیں لفظ انبیاء اس سورت میں نہیں آتا مگر اس کا مضمون انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہی ہے ان پر اعتراضات - ان کا مقام بلند - انکے مخالفین کی ہلاکت انکے دشمنوں کے ہاتھ سے انکی نجات انکا اور انکے متبعین کا وارث زمین ہونا انہیں باتوں کا اس میں ذکر ہے - اور بالخصوص اس میں عصمت انبیاء کا مضمون نہایت صفائی سے بیان ہوا ہے کہ وہ اپنے قول اور فعل دونوں میں کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلتے ہیں اس لحاظ سے اس کا نام الانبیاء ہے +

خلاصہ مضمون

اس سورت کی ابتدا اس سے ہوتی ہے کہ اعمال کی جزا و سزا کی لوگ پروا نہیں کرتے بارہا جب اللہ تعالیٰ کیطرف سے ایک جگانیوالا آتا ہے تو اس پر اعتراض کرتے ہیں کبھی اسکی تعلیم کو پریشان خوابیں کہتے ہیں کبھی افترا قرار دیتے ہیں کبھی اسے شاعر بتاتے ہیں ان کا جواب دیا کہ رسول ہمیشہ بشر ہی ہوتے رہے - دوسرے رکوع میں انبیاء کے مقام عظیم کا ذکر کیا کہ گو وہ انسان ہیں انسانوں کیطرح کھاتے پیتے ہیں مگر ان کا اللہ تعالیٰ کیطرف سے آنا اس سے ظاہر ہے کہ انکے مخالف اور بدخواہ جب انہیں یا انکی تعلیم کو نیست و نابود کرنیکے درپے ہوجاتے ہیں تو آخر خود ہلاک ہوجاتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کا طاقتور ہاتھ انکی تائید میں نہ ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا کہ ایک اکیلا انسان ساری طاقتوں کا مقابلہ کرکے غالب آجاتا اسی رکوع کے دوسرے حصہ میں صاف الفاظ میں بتایا کہ انبیاء کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اس قدر ہے کہ ساری دنیا کی مخالفت کے باوجود وہ لذت جو انہیں اس میں حاصل ہوتی ہے وہ ترقی پر ہوتی ہے پھر بتایا کہ یہی لوگ خدا کی توحید کو دنیا میں پھیلاتے ہیں پھر بتایا کہ وہ خدا کے ایسے کامل فرمانبردار ہوتے ہیں کہ نہ قول میں اور نہ فعل میں ان سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوتی ہے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو تیسرے رکوع میں اول بتایا کہ جس طرح بارش سے زمین کی روئیدگی قوت پکڑتی ہے اسی طرح سے وحی سے قلوب انسانی میں نشو ونما پیدا ہوتا ہے اور جو لوگ اس آسمانی بارش سے اپنے آپکو محروم کر دیتے ہیں - وہ ضرور آخر کار نقصان اُٹھائینگے چوتھے میں بتایا کہ حق کس طرح دلوں پر تسلط کرتا چلا جاتا ہے اور یہ اسکی آخری کامیابی کا کھلا نشان ہے - پانچویں میں بتایا کہ حضرت ابراہیم نے جب تعلیم توحید دی تو کسطرح لوگ انکے دشمن ہوگئے اور کسطرح انہیں ہلاک کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے آپکو بچا لیا اور آپکے ذریعہ حق کو دنیا میں پھیلایا چھٹے رکوع میں کئی ایک دوسرے انبیاء کے ذکر سے اس بات کو واضح کیا کہ کسطرح بڑے مصائب میں وہ مبتلا ہوکر آخر بچے اور کامیاب ہوئے - ساتویں میں خاتم النبیین کا ذکر کیا اور بتایا کہ اب بھی اسیطرح حق کامیاب ہوگا - اور آخر کار راستباز زمین کے وارث ہونگے +

تعلق

اس سورت کا تعلق پچھلی سورت سے ظاہر ہے اس میں مضمون کا خاتمہ اس بات پر کیا کہ آنحضرت صلعم دنیا میں ناکام نہیں ہوسکتے اور آخر آپکی قبولیت پھیلے گی اس میں اسی کو اور واضح کیا اور بتایا کہ انبیاء اور راستباز ہمیشہ ہی کامیاب ہوتے رہے ہیں اور جو دشمن انہیں تباہ کرنا چاہتے ہیں ان سے انہیں بچا کر آخر کار حق کو غالب کیا جاتا ہے اور انہیں زمین کا وارث بنایا جاتا ہے +

زمانہ نزول

اس سورت کا زمانہ نزول بھی آنحضرت صلعم کی مکی زندگی کا پہلا حصہ ہے یعنی ہجرت حبش سے پہلے کا زمانہ دیکھو بنی اسرائیل پر نوٹ - بنی اسرائیل سے لیکر اس سورت تک اوائل زمانہ کی سورتیں ہیں جیسا کہ حضرت ابن مسعود کی کھلی شہادت وہاں نقل ہوچکی ہے +

٢ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا يَأْتِيْهِمْ

لوگوں کیلئے انکا (وقت) حساب قریب ہو اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں ٢١٢٦ کوئی نصیحت ان کے

٣ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِيَةً

رب کیطرف سے انکے پاس نہیں آتی مگر وہ اسکو سنتے ہیں حالانکہ وہ کھیل رہے ہوتے ہیں ٢١٢٧ ان کے دل

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ

غافل ہوتے ہیں اور جو ظالم ہیں وہ چھپکر مشورہ کرتے ہیں (کہ) وہ کچھ نہیں مگر تمہاری طرح ایک

مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝

انسان ہو تو کیا تم سحر کو قبول کرتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو ٢١٢٨

رسول پر مختلف اعتراض اور انکا جواب

حساب کے قریب ہونے سے مراد

٢١٢٦ حساب کا یا حساب کے وقت کا قریب ہونا کئی طرح پر ہو ایک یہ کہ انسان کا ہر عمل ساتھ ساتھ ہی نتیجہ پیدا کرتا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ موت پر بھی ایک حساب انسان کے سامنے آجاتا ہو اور موت کا وقت بھی ہر انسان سے قریب ہو تیسرا یہ کہ اس قوم یا ان لوگوں کیلئے جن میں رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے تھے ان کا وقت حساب قریب آگیا تھا کیونکہ ان کے اعمال اس قابل ہوگئے تھے کہ اس دنیا میں ان کو سزا دی جانے اور رسول کا آنا اتمام حجت کیلئے تھا چوتھا یہ کہ سب لوگوں کا حساب قریب ہے یعنی قیامت کبریٰ بھی جلد آنیوالی ہو انا والساعة کھاتین اور بعض تحقیق وقوع کے لحاظ سے قرب مراد لیا ہو کیونکہ جو چیز لامحالہ آنیوالی ہو وہ قریب ہی ہو (د) اس سورت کی ابتدا اس مضمون سے کہ اعمال کی جزا سزا یقینی ہو نہایت موزون ہو اسلئے کہ اس میں بحث ہی نبوت پر ہو اور ایک بات جس پر انبیاء خاص زور دیتے ہیں وہ اعمال کی جزا و سزا ہے

احداث ۔ محدث

٢١٢٧ حدث ۔ حدوث کیلئے دیکھو ١٥١٦ اور احداث کے معنی وجود میں لانا ہیں اور مُحْدَث وہ چیز جو وجود میں لائی جائے بعد اس کے کہ وہ نہیں تھی۔ اور یہ بعض وقت اس کی اپنی ذات میں ہوتا ہو اور بعض وقت ان لوگوں کیلئے جنہیں یہ حاصل ہوتی ہو (غ)

مُحَدَّث کے لغوی معنے

اور مُحَدَّث جو حضرت عمر کیلئے حدیث میں آیا ہو اور جس قسم کے لوگوں کا اس امت میں ہونے کا وعدہ دیا گیا ہو اس کے معنی ہیں وہ شخص جس کے دل میں ملاء اعلیٰ کی طرف سے ایک بات ڈالی جائے (غ) اور صادق الظن شخص کو محدث کہتے ہیں اور احادیث میں اس کی تفسیر مُلْہَم سے کی گئی ہو اور اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جن کے دل میں ایک بات ڈالی جاتی تو وہ دور اندیشی اور فراست سے اس کی خبر دیں گویا انکے ساتھ ایک بات کی گئی ہو جسے وہ کہہ دیتے ہیں (ل) اور ایک حدیث میں حضرت عمر کے ذکر میں مُحَدَّث کا لفظ آتا ہو اور دوسری حدیث متفق علیہ میں اسی حدیث میں محدثون کی جگہ الفاظ رجال یُكَلَّمُوْن من غیر ان یکونوا انبیاء آتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوا کہ مُحَدَّث

اصطلاح شریعت میں

اصطلاح شریعت میں وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہو مگر وہ نبی نہیں ہوتے +

مخالفین کا قرآن کو سحر قرار دینا

٢١٢٨ ابتدائی زمانہ کی سورت ہو بڑے بڑے معجزات ابھی ظاہر نہیں ہوئے اور قرآن کریم اندر ہی اندر دلوں کو کھینچ رہا ہو یہانتک کہ سخت ترین تکلیفیں اٹھا کر بھی لوگ اسے قبول کرتے چلے جاتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام میں یہ اثر ہی تھا جس کی وجہ سے اسے سحر کہتے تھے +

قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ بَلْ ۵

(رسول نے) کہا میرا رب (ہر) بات کو جانتا ہو (جو) آسمانوں میں اور زمین میں (کہی جاتی ہو) اور وہ سننے والا جاننے والا ہو بلکہ

قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَاۤ

کہتے ہیں (یہ) پریشان خوابیں ہیں بلکہ (یہ کہ) اسنے افترا کیا بلکہ (یہ کہ) وہ شاعر ہو سو ہمارے پاس کوئی نشان لائے جسطرح

اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَاۤ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ ۶

(کہ نشانوں کے ساتھ) پہلوں کو بھیجا گیا[۲۱۲۹] ان سے پہلے کوئی بستی ایمان نہیں لائی جسے ہم نے ہلاک کیا تو کیا یہ

یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ ۷

ایمان لائینگے اور تجھ سے پہلے ہم نے کسی کو نہیں بھیجا سوائے مردوں کے جنکی طرف ہم وحی کرتے تھے پس اہل علم سے پوچھ لو

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ۝ ۸

اگر تم نہیں جانتے[۲۱۳۰] اور انکو ہم نے ایسے جسم نہ بنائے تھے کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر متغیر تھے[۲۱۳۱]

قرآن کریم کے متعلق مختلف رائیں

۲۱۲۹ پہلی بات جو قرآن کریم کے متعلق کہتے ہیں وہ یہ ہو کہ یہ پریشان خواب ہیں پھر جب اس پر خود بھی مطمئن نہیں ہوسکتے اور اس کے نظم کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں افترا ہو یہ اس نے خود بات بنا کر کہدی ہو تیسرا قول یہ ہو کہ یہ محض شاعر ہو یعنی اس کے الفاظ حقیقت سے خالی ہیں قرآن کریم کے مخالف آج بھی ایک بات پر متفق نہیں ایک کچھ کہتا ہو تو دوسرا کچھ۔ پریشان خوابوں میں تعلق کوئی نہیں ہوتا وہ کاہنوں کی طرح چند بے معنی فقرے چاہتے تھے مگر قرآن کریم میں ایک غرض اور مقصد صاف نظر آتا ہو اسلئے بول اٹھتے ہیں کہ یہ بناوٹ ہو پھر محض بناوٹ نہیں کیونکہ بناوٹ میں اتنا اثر نہیں اسلئے پھر یہ خیال گزرتا ہو کہ یہ شاعرانہ کلام ہو کیونکہ شاعر تخیل کے زور سے کلام میں اثر پیدا کرتا ہو۔

۲۱۳۰ یہ بشرا مثلکم (۳) کا جواب ہو یعنی پہلے بھی انسان آتے رہے اور رسول بشر ہی ہوسکتا ہو تاکہ وہ ان کیلئے نمونہ بنے۔ اگر رسول کسی اور جنس سے ہوتا تو وہ انسانوں کیلئے نمونہ کا کام نہ دے سکتا تھا۔

وفات مسیح پر فیصلہ کن دلیل

۲۱۳۱ خلود اور خالد کیلئے دیکھو ۱۳۹ اسکے اصل معنی فساد واقع ہونے سے بری ہونا ہیں اور کھانے کا محتاج ہو وہ خالد نہیں ہوسکتا یعنی اس کا جسم تغیر سے پاک نہیں ہوسکتا کیونکہ کھانا بدل ما یتحلل ہے اور انسان کو کھانے کی ضرورت اس لئے ہوتی ہو کہ اس کے جسم خاکی سے کچھ اجزا ہر وقت نکلتے رہتے ہیں ان کی جگہ دوسرا اجزا لیتے رہتے ہیں اسلئے وہ کھانے کا محتاج ہوتا ہے اور کچھ اجزا کا نکلنا اور دوسروں کا ان کی جگہ لینا فانی ہونے کی دلیل ہو اور یہاں بتایا ہو کہ رسولوں کا جسم خاکی بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہوتا ہے یعنی تغیر اس میں بھی ہوتا رہتا ہو یہ دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر زندہ ہونے کو جیسا کہ بہت مسلمانوں کا خیال ہو صریحاً باطل ٹھہراتی ہو۔

۱۰ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ○ لَقَدْ

پھر ہم نے (اپنا) وعدہ انہیں سچ کر دکھایا سو انہیں ہم نے نجات دی اور (اور) جسے چاہا۔ اور زیادتی کرنیوالوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ۲۱۳۲ یقیناً

۱۱ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ ع وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً

ہمنے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے جس میں تمہاری بڑائی ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۲۱۳۳ اور کتنی بستیاں ہمنے ہلاک کر دیں جو ظالم تھیں

رکوع ۲ — مقام انبیاء

۱۲ وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ○ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ ○

اور انکے بعد ہم نے دوسری قوم کو اٹھا کھڑا کیا ۲۱۳۴ پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو اس سے بھاگنے لگے ۲۱۳۵

۱۳ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ○

بھاگو نہیں اور اس کی طرف لوٹ جاؤ جس میں تمکو آسائش دیگئی تھی اور اپنے مکانوں کی طرف تاکہ تم سے سوال کیا جائے ۲۱۳۶

مخالفین کے خیالات کا جواب

۲۱۳۲ یہ ان کے اقوال آیت ۵ کا جواب ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو مومنوں کی نجات اور مکذبوں کی ہلاکت کے متعلق ہے پورا ہو کر اس خیال کو باطل ٹھہراتا ہے کہ یہ پریشان خوابیں ہیں پریشان خوابوں کا نتیجہ سالہا سال کے بعد کیونکر وہی نکل سکتا ہے جو قبل از وقت بتایا جاتا ہے ایسا ہی ان وعدوں کے پورا ہونے سے افترا یا بناوٹ ہونے کا خیال بھی باطل ہوتا ہے کیونکہ ایک مفتری آیندہ کے متعلق کوئی پر زور دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بالخصوص جب وہ خود سخت بے سرو سامانی کی حالت میں ہو اور چاروں طرف مخالفت کا زور ہو رہا ہو۔ شاعر موزون کلام بنا سکتا ہے مگر وہ بھی یہ نہیں کر سکتا کہ بڑی بڑی قوموں کا تنہا مقابلہ کر سکے۔ شاعر تو خود عموماً بادشاہان وقت کے ذلیل غلام ہوتے ہیں انہوں نے کیا مقابلہ کرنا ہے +

قرآن کے ذریعے قومیں عظمت حاصل کریں گی

۲۱۳۳ ذکر کے معنی کیلئے دیکھو ۱۹۱۔ اور یہاں یعنی شرف یا بزرگی مراد لئے گئے ہیں (ج) اور ابن عباس سے یہی معنی مروی ہیں (د) مطلب یہ ہے کہ نہ صرف ایمان لانیوالوں کے لئے نجات اور مکذبین کیلئے ہلاکت کی خبر ہے بلکہ فی الحقیقت اس کے اندر وہ اعلےٰ درجہ کے جوہر موجود ہیں کہ ان کو عمل میں لا کر ایک قوم دنیا میں عظیم الشان مرتبہ پر پہنچ سکتی ہے اور مومن دنیا میں ایک عظیم الشان قوم بن جائیں گے +

قصم

انبیاء کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کا نشان

۲۱۳۴ قصمنا۔ قَصْم کسی چیز کا کوٹنا سخت چیز کا توڑنا۔ ہلاک کرنا ہے (ل) ان چند آیات میں بتایا ہے کہ رسول بیشک عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق اس سے ظاہر ہے کہ بڑی بڑی بستیاں اور قومیں جب اس کی مخالفت میں کھڑی ہو جاتی ہیں تو بجائے اس کے کہ اس کا کچھ بگاڑ سکیں خود تباہ ہو جاتی ہیں اگر اس شخص کا تعلق اس مقتدر ہستی سے نہ ہو جسکے قبضۂ قدرت میں زمین و آسمان کی سب طاقتیں ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ ایک اکیلے آدمی کے مقابلہ پر اتنی زبردست قومیں ہلاک ہو جائیں رکوع کے پچھلے حصہ میں انبیاء علیہم السلام کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ذکر ہے +

رکض

۲۱۳۵ یرکضون۔ رَکْض کے معنی پیر کے ساتھ مارنا ہیں سوار کیطرف منسوب ہو تو سواری کے دوڑانے پر آتا ہے اور چلنے والے کیطرف ہو تو چلنا مراد ہوتا ہے ارکض برجلک (ص ۳۸ : ۴۲) اور یہاں مراد انہزام یعنی بھاگنا ہے (غ) +

۲۱۳۶ اپنی آسودہ حالی اور فراخی کی طرف لوٹ جاؤ تاکہ تم سے سوال کیا جائے کہ تم پر کیا ماجرا گزرا یا اعمال سے سوال مراد ہے

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا ۱۴ ۱۵

انہوں نے کہا ہم پر افسوس ہم ظالم تھے ۔ سو یہی ان کی پکار رہی یہانتک کہ ہم نے انہیں کٹے ہوئے کھیت اور بجھے ہوئے

خٰمِدِيْنَ ○ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ ۱۶ ۱۷

(شعلہ کی طرح) کر دیا 2137 اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ انکے درمیان ہے بلا مقصد پیدا نہیں کیا 2138 اگر ہم ارادہ کرتے کہ (کھیل)

لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ ۱۸

بے حقیقت بنائیں تو اپنے پاس سے اسے بناتے ہم (ایسا) کرنے والے نہ تھے 2139 بلکہ ہم حق کو باطل پر ڈالتے ہیں سو وہ اسکا سر توڑ دیتا ہے

فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۗ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ○ وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ ۱۹

پس ناگہاں وہ نابود ہو جاتا ہے اور تمہارے لئے اس کی وجہ سے افسوس ہے جو تم بیان کرتے ہو 2140 اور اسی کیلئے ہے جو کوئی آسمانوں میں اور زمین میں ہے

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ○

اور جو اسکے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں

خمد ۔ خامد

2137 خامدین ۔ خمدت النار کے معنی ہیں آگ کا شعلہ بجھ گیا اور اس کا کوئلہ نہیں بجھا اور ھمدت کے معنی ہیں اسکا کوئلہ بجھ گیا (ل)، وتری الارض ھامدۃ (الحج ۲۲ ۔ ۵) حصید 1388 ۔

قوموں کی تباہی سے مراد

یہاں انکی اس آخری حالت کو دو باتوں سے تشبیہ دی ہے ایک کھیتی سے جو انکی پہلی سرسبزی کی طرف اشارہ ہے مگر وہ کھیتی کاٹ لی گئی دوسرے آگ سے جس کا شعلہ بجھ گیا ہو گویا وہ ان کا غیظ و غضب فرو ہو گیا پس یہ بھی قوموں کی تباہی ہی ہے کہ انکے اقبال ہی کی آجائے اور حق کے مقابل ان کا غیظ ٹھنڈا پڑ جائے جیسا اوقات اسلئے ہوتا ہے کہ وہ مخالفت ترک کرکے حق کو قبول کر لیتی ہیں

جزاء و سزا کا انکار خدا کے کاموں کو بے حقیقت قرار دیتا ہے ۔

2138 لعب (دیکھو 845)، یہ ایسا فعل ہے جس سے کوئی مقصد صحیح مدنظر نہ ہو پس بتایا کہ زمین میں کوئی مخلوق ہو یا آسمان میں ہر ایک کی پیدائش میں ایک مقصد صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں جو شخص اعمال کی جزاء و سزا کا منکر ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی خلق کو محض ایک لعب سمجھتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اعمال بد پر اسے کوئی سزا نہیں ملے گی ۔

لھو

2139 یہاں لھو کے معنی بہت سے مفسرین سے زوجۃ اور ولد مروی ہیں (ج)، لیکن پہلی آیت میں لعب کا قرینہ بتاتا ہے کہ اسی مضمون کو جاری رکھا ہے لھو و لعب میں فرق کیلئے دیکھو 932 اور مطلب یہ ہے کہ ہمارا ارادہ ہی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی چیز بے حقیقت ہو اور ان کنا فاعلین میں اِنْ نافیہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہماری شان ہی یہ نہیں کہ ہم ایسا کرتے ۔

دمغ

2140 یدمغ ۔ دَمَغ کے معنی دماغ کا توڑ دینا ہیں (غ) ۔

پہلی دو آیتوں میں جو کچھ فرمایا تھا اس کا نتیجہ یہاں بتایا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو مقصد صحیح سے پیدا کرتا ہے اس لئے حق جب آجاتا ہے تو باطل کا باوجود اس کی ساری طاقت کے سر کچل دیتا ہے اسی طرح توحید سے شرک کی تعلیم دنیا میں مٹ جائیگی اور باطل حق کے سامنے بھاگ جائیگا ۔

۲۰ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ○ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ

رات اور دن تسبیح کرتے ہیں　سست نہیں ہوتے ۲۱۴۱ کیا انہوں نے زمین سے معبود بنا لئے ہیں　جو پیدا

۲۲ یُنْشِرُوْنَ ○ لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ

کرتے ہیں ۲۱۴۲ اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا کوئی معبود ہوتا تو دونوں بگڑ جاتے سو اللہ عرش کا رب

۲۳ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ ○

اس سے پاک ہے　جو وہ بیان کرتے ہیں　۲۱۴۳ اس سے اس کے متعلق پوچھا نہیں جاتا جو وہ کرتا ہے اور ان سے پوچھا جائیگا

استحسار - فتر

۲۱۴۱ حَسَر کیلئے دیکھو ۲۰۵ اور استحسار اس سے ابلغ ہے اور فتور کیلئے دیکھو ۲۸۴ اور یفترون کے معنی کئے ہیں لا یسکنون عن نشاطہم فی العبادۃ (تاج) یعنی عبادت میں ان کو اس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے کہ وہ ٹھہرتے نہیں۔ یہاں من عندہ کا سے فرشتے مراد لئے گئے ہیں مگر یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے پاک بندوں پر بھی صادق آتے ہیں کیونکہ دن اور رات تسبیح وہ بھی کرتے رہتے ہیں یعنی تسبیح پر وہ دوست کرتے ہیں قول سے اور فعل سے۔ اور وہ خدا کی عبادت سے تھکتے نہیں اور انہیں اس میں نشاط بھی حاصل ہوتی ہے اسلئے اس میں سست نہیں ہوتے۔ یا جس طرح ملائکہ کو رسالت تسبیح سے نہیں روکتی اسی طرح نیک لوگوں کو بھی نہیں روکتی اور یہاں ذکر انبیاء کا ہے کیونکہ انہیں کے متعلق یہ اثبات کرنا ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے تو پہلے یہ تعلق اس رنگ میں ظاہر کیا کہ ان کے مقابلہ پر بڑی بڑی قومیں بھی گر جاتی ہیں اور اب اسی تعلق کو صاف الفاظ میں بیان فرمایا اور انکے مقام بلند کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کے حضور انکو حاصل ہے اور بتایا کہ یہی کیسا کھلا نشان انکے تعلق باللہ کا ہے کہ انہیں ذکر الٰہی میں کمال درجہ کا سرور حاصل ہوتا ہے اور وہ اس کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت کرتے ہوئے تھکتے نہیں بلکہ باوجود مخالفت کے اس میں خوشی سے لگے چلے جاتے ہیں۔

انبیاء کا تعلق اللہ تعالیٰ سے انکی عبادت میں نشاط سے ظاہر ہے

نشر - انشار

۲۱۴۲ ینشرون - نُشور اور نشر کے لئے دیکھو ۱۹۰۲ اور نَشَرَ الْمَیِّتُ کے معنی ہیں مردہ جی اٹھا اور اَنشَرَ اللّٰهُ کے معنی ہیں اللہ نے مردہ کو زندہ کیا اور نَشَّرَ اللّٰهُ کے بھی یہی معنی ہیں اور حدیث میں ہے لا رضاع الا ما انشر اللحم و انبت العظم۔ جہاں انشر اللحم کے معنی ہیں گوشت کو مضبوط کیا اور قوت دی (انشار سے جیسے معنی احیاء ہیں (ل)) اسلئے یہاں بعض مفسرین نے معنی مردہ زندہ کرنا کئے ہیں اور بعض نے صرف یخلقون یا پیدا کرتے ہیں معنی کئے ہیں اور یہ دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں اسلئے کہ ان معبودان باطل کے متعلق قرآن کریم میں بار بار یہ مطالبہ کیا ہے کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیہم (الرعد ۱۳: ۱۶) ام ھم الخالقون (الطور ۵۲ - ۳۵)۔

توحید باری پر دلیل اول ایک سے زیادہ خدا ہوں تو نظام عالم قایم نہیں رہ سکتا

۲۱۴۳ یہ توحید باری پر دلیل ہے اور اس مضمون کے یہاں لانے کی وجہ آیت ۲۵ میں صاف بیان فرما دی ہے کہ تمام رسول توحید کی تعلیم لیکر آئے اور انہی کی تعلیم سے اللہ تعالیٰ کی توحید دنیا میں پھیلی۔ ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو نظام عالم قایم نہ رہ سکتا کیونکہ ایک ایک طرح پر اسے چلاتا تو دوسرا اپنے حسب منشا دوسری طرح پر چلاتا۔ نظام عالم کا قیام بھی اسبات پر ہے کہ ایک قانون کے ماتحت یہ چل رہا ہے مختلف خدا ہوں تو مختلف قانون ہوں اور نظام عالم تباہ ہو جائے اگلی آیت میں لا یسئل عما یفعل اسی قانون کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ قانون کے ماتحت سبکو چلنا پڑتا ہے سوال تو وہ شخص کرے جو اس قانون سے باہر ہو مگر کل مخلوق ایک قانون میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور بندوں پر تو اولی خلاف ورزی قانون کریں تو مواخذہ ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں سوال فعل کے رنگ میں ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ ٢٤

کیا اس کے سوائے (اور) معبود بنالئے ہیں — کہو اپنی روشن دلیل لاؤ — یہ اس کا ذکر ہو جو میرے ساتھ ہیں

وَذِكْرُ مَن قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ فَهُم مُّعْرِضُونَ ۝

اور اسکا ذکر جو مجھ سے پہلے ہو — بلکہ ان میں سے اکثر — حق کو نہیں جانتے — اس لئے وہ منہ پھیرے ہوئے ہیں ٢١٤٤

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا ٢٥

اور تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا — مگر اس کی طرف ہم (یہی) وحی کرتے تھے کہ میرے سوائے کوئی معبود نہیں سو

فَاعْبُدُونِ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ ٢٦

میری عبادت کرو ٢١٤٥ — اور کہتے ہیں رحمٰن نے بیٹا بنا لیا — وہ پاک ہی — بلکہ وہ — معزز

مُّكْرَمُونَ ۝ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝ ٢٧

بندے ہیں — وہ بات میں اس سے آگے نہیں بڑھتے — اور اس کے حکم کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں ٢١٤٦

دوسری دلیل۔ توحید میں سب قوموں ایک ہو کر شرک کی سو بدیں شرک میں غیر

٢١٤٤ ذکر من معی سے مراد ہو اس اُمت کا ذکر اور ذکر من قبلی سے پہلی اُمتوں کا ذکر مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہی میرے ساتھیوں کا ذکر ہو اور یہی پہلوں کا ذکر تھا یعنی وہ بھی توحید پر قایم تھے۔ جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا کہ پہلے رسولوں کی طرف بھی یہی وحی ہوتی تھی کہ اللہ ایک ہو۔ پس ایک طرف توحید الٰہی ہو جس پر نہ صرف محمد رسول اللہ صلعم اور آپکے ساتھیوں کی شہادت ہو بلکہ جس قدر راستبازنیکی کے معلم پہلے گزرے ان کی بھی یہی شہادت ہو۔ اسکے مقابل شرک پر اپنی برہان پیش کرو۔ اور یہ کیسی عجیب بات ہو کہ ہر قوم کا شرک دوسری قوم سے علیحدہ رنگ کا ہو اور ایک قوم کے شرک کی دوسری تائید نہیں کرتی۔ پرستاران مسیح اہرمن کو اور ہندوستان کے تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو نہیں مانتے اور اہرمن کے ماننے والے اور ہندو مسیح کو خدا نہیں مانتے لیکن ان شریکوں کو چھوڑ کر ایک خالق کو مانتے ہیں سب ایک ہیں۔

تیسری دلیل ہر نبی کی تعلیم میں توحید ہی ہے

٢١٤٥ یہ تیسری دلیل توحید الٰہی پر ہو کہ جس قدر انبیاء دنیا میں ہوئے کسی کو سوائے توحید کے اور کوئی تعلیم نہیں دی گئی۔ یہ بھی ایک زبردست دلیل توحید الٰہی پر ہو یہاں تک کہ ان انبیاء کی تعلیم پر بڑے بڑے تغیرات آجانے کے باوجود بھی انکی تعلیم توحید ابتک قایم ہو اگر ایک خدا کے سوائے کوئی اور بھی خدا ہوتا تو کسی نبی کی تعلیم میں بھی یہ لفظ موجود ہوتے مگر ایسا نہیں۔

٢١٤٦ آیت ٢٦ سے لیکر ٢٩ تک کا مصداق ملائکہ کو سمجھا گیا ہو لیکن کئی ایک قرائن صاف بتاتے ہیں کہ ان میں مراد انبیاء علیہم السلام ہی ہیں اور ولدیت کا عقیدہ بھی انبیاء کے متعلق ہی بنا۔ اول اتخذ الرحمٰن ولدا سبحانہ میں عموماً عیسائیوں کے عقیدۂ ولدیت مسیح کی تردید ہی کی گئی ہو گو اور بھی اس میں شامل ہو جائیں اور عباد کا لفظ اسلئے استعمال کیا کہ مسیح کے سوائے اور لوگوں کو بھی خدا کا بیٹا بنایا گیا ہو جیسے عزیر جن کا ذکر قرآن شریف میں ہو اور اور بھی اس قسم کے عقاید مروج ہیں دوم اوپر جو ذکر تھا وہ یہی تھا کہ کسی رسول کو یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ خدا کے سوائے کوئی اور بھی لائق عبادت ہو پس یہاں رسولوں کا ہی ذکر ہو سوم اُنتیسویں آیت میں ہو ومن یقل منہم انی الٰہ جو کوئی ان میں سے کہے میں معبود ہوں ظاہر ہو کہ فرشتے انسانوں کو اس طرح کہنے نہیں آتے بلکہ انسانوں کو انسان ہی کہہ سکتا ہو اور دوسرے انسان تو ایسا کہنے والے ہوتے ہیں یعنی جنہوں نے اپنے آپکو خدا کہا مگر فرشتہ کوئی ایسا نہیں ہو سکتا اور نہ ہوا مفسرین نے اس وقت

۲۸ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِّنْ

وہ جانتا ہو جو کچھ انکے سامنے ہو اور جو انکے پیچھے ہو اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اسی کیلئے جسے وہ پسند کرے اور وہ اسکی

۲۹ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ○ وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ فَذَٰلِكَ

ہیبت سے ڈرتے ہیں ۲۱۴۷ اور جو کوئی ان میں سے کہے کہ میں اسکے سوائے معبود ہوں تو اسے ہم

۳۰ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ○ أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَ

دوزخ کی سزا دینگے اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں کیا جو کافر ہیں وہ غور نہیں کرتے کہ آسمان اور

الْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ○

زمین دونوں بند تھے تو ہم نے انہیں کھولا اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے بنایا تو کیا یہ ایمان نہیں لائینگے ۲۱۴۸

(حاشیہ: ع ۱۲ — کہ زمین پر حرکت کا آنا ضروری تھا)

کو یوں حل کیا ہو کہ ابلیس نے ایسا کہا مگر اول تو ابلیس نے ایسا کہا نہیں دوسرے ابلیس ملائکہ میں سے نہیں پس منہم کی ضمیر انسانوں کی طرف ہی جا سکتی ہو چنانچہ ماکان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ (آل عمران ۷۸) میں صاف یہی ذکر موجود ہو اور یہ دونوں مقامات ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں پنجم آخری آیت کے آخری الفاظ کذالک نجزی الظالمین صاف بتاتے ہیں کہ انسانوں کا ذکر ہو کیونکہ فرشتہ پر لفظ ظالم آ ہی نہیں سکتا ۔

عصمت انبیاء پر قطعی دلیل

پس اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے مقام بلند کا ذکر ہو اور ان کی عصمت پر دلیل ہو وہ نہ تو قول میں اللہ تعالیٰ پر سبقت کرتے ہیں نہ عمل میں یعنی وہی تعلیم لوگوں کو دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہو اور ان کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں پس نہ قولاً اور نہ عملاً وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک ذرہ بھی انحراف کر سکتے ہیں اور یہی مقام عصمت ہو ۔ اور یہ آیت انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر قطعی دلیل ہو ۔

دوسرے کیلئے استغفار شفاعت ہے

۲۱۴۷ لمن ارتضیٰ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے منقول ہو شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ ۔ اور ان کی شفاعت استغفار ہو جو دنیا اور آخرت میں ہو (د) درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی شفاعت بھی اپنی اُمتوں کیلئے استغفار ہی ہو یعنی ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ اُمتوں کی بعض کمزوریوں کی پردہ پوشی کر دیتا ہو ۔

رتق ۔ فتق

۲۱۴۸ رتقاً ۔ فتقنا ۔ رَتْق ۔ فَتْق کے خلاف ہو اور فتق کے معنی شق یعنی پھاڑنا ہیں اور فَتَق تھوڑی بارش کو بھی کہتے ہیں اور صبح کے پھٹنے کو بھی ۔ اور رَتْق ملجانا ہو اور بعض مفسرین نے کہا ہو کہ آسمان کا رتق یہ ہو کہ اس سے بارش نہ برسے اور زمین کا رتق یہ کہ اس میں سبزی نہ اُگے اور فتق اس کے مقابل پر آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین میں سبزی کا نکلنا ہو اور یہی زجاج کا قول ہو اور رتق سے مراد یہاں ذوی رتق ہو یعنی رتق والے تھے اور رُتَق کے معنی ظلمت بھی ہیں (ل) ۔

قرآن کریم کی علمی صداقت جسکا اسکے نزول کے وقت دنیا کو علم نہ تھا

آسمان اور زمین کے بند ہونے اور انکے کھولا جانے سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہو کہ یہ سب چیزیں ایک غیر ممیز صورت میں باہم ملی جلی تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے تمام اجرام کو الگ الگ کر کے ایک دوسرے سے ممیز کر دیا اور اس کی طرف آگے کل فی فلک یسبحون (۳۳) میں اشارہ بھی ہو کہ اب وہ سب اپنے اپنے افلاک میں چکر لگا رہے ہیں اور اس معنی سے ملتے جلتے معنی مفسرین نے کئے ہیں اور سائنس بھی یہی کہتا ہو کہ یہ سب نظام ایک ابتری کی حالت میں سے نکلکر اس موجودہ نظام پر آیا اور دوسرے معنی جو اوپر نقل کئے گئے ہیں حضرت ابن

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ ۳۱
اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تا وہ انہیں غذا پہنچائیں اور ہم نے اس میں کھلے رستے بنائے تاکہ وہ

يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ ۳۲
راہ پائیں ۲۱۴۹ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور وہ اسکے نشانوں سے منہ پھیر رہے ہیں ۲۱۵۰

عباس سے مروی ہیں یعنی آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے روئیدگی کا نکلنا اور اس صورت میں یہ یا تو قانون عام ہو کہ جب آسمان سے پانی نہیں برستا زمین سے بھی روئیدگی نہیں نکلتی اور یہی ابتدائے آفرینش کی طرف اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے پانیوں کو الگ کر دیا تو اسکے ذریعہ سے زمین میں روئیدگی ہوئی اور اس کی صداقت کا بھی سائنس گواہ ہو اور جعلنا من الماء کل شئی حی میں اس دوسرے معنی کی طرف اشارہ ہو۔

پانی سے زندگی کا ہونا

پانی سے ہر زندہ چیز کا ہونا یہ بھی ایک عظیم الشان صداقت ہو جس کا اعتراف سائنس نے آج کیا ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس صداقت کا علم ایک عرب کے اُمی کے منہ سے آج سے تیرہ سو سال پیشتر دنیا کو دیا یوں اس ایک آیت میں تین ایسی عظیم الشان علمی صداقتیں اکٹھی کر دی ہیں جن کا علم دنیا کو آج ہوا ہو اور پھر کیسے پر حکمت طریق سے ایمان کیلئے اسے بطور گواہ ٹھہرایا یعنی جسطرح وہاں آسمان سے پانی آتا ہو تو زندگی نمودار ہوتی ہو اسی طرح قلب انسانی وحی الٰہی کیلئے بمنزلہ زمین کے ہو جب وحی کی بارش کا اس پر نزول ہوتا ہو تو اس قلب کی مردہ قوتیں زندہ ہو جاتی ہیں اگر انبیاء نہ آئیں تو یہ زمین قلوب انسانی بالکل مردہ ہو جائے اس لحاظ سے پچھلے حصہ میں مکذبین کی ہلاکت کا ذکر کیا کیونکہ جو لوگ اس بارش سے اپنے آپ کو محروم کرتے ہیں ضرور ہو کہ انجام کار وہ نقصان اُٹھائیں

فج

۲۱۴۹ فجاج فج کی جمع ہو اور وہ اصل میں وہ شگاف ہو جس کا احاطہ دو پہاڑوں نے کیا ہوا ہو (غ) یا دو پہاڑوں کے درمیان کھلی جگہ اور پھر ہر کشادہ رستہ پر اس کا استعمال ہوا ہو (غ) من کل فج عمیق (الحج ۲۲ - ۲۷)۔

اس مضمون پر دیکھو ۱۷۲۵ اور یہ شہادت ہیں گو ظاہر طور پر رستہ پانا ہی مراد ہو مگر اس میں اشارہ یہ ہو کہ ان جسمانی انتظامات سے روحانی انتظامات کی طرف بھی ہدایت ملتی ہو۔

سقف

۲۱۵۰ سَقف چھت کو کہتے ہیں اور اس کی جمع سُقُف ہو لبیوتھم سُقُفاً من فضۃ (الزخرف ۴۳ - ۳۳) اور سقیف ہر مکان کو کہتے ہیں جس کی چھت ہو (غ) اور اسی سے سقیفۃ بنی ساعدہ ہو جہاں آنحضرت صلعم کی وفات پر مہاجرین و انصار انتخاب خلیفہ کے لئے جمع ہوئے تھے۔

محفوظ

محفوظ حِفظ کا لفظ ہر قسم کے تعہد اور نگہداشت پر بولا جاتا ہو (غ) مثلاً انا لہ لحافظون (الحجر ۱۵ - ۹) میں مراد ہو کہ اسے تحریف یا فساد سے بچایا جائے گا والحافظین فروجہم والحافظات (الاحزاب ۳۳ - ۳۵) میں مراد عفت کی رو سے حفاظت ہو اسی طرح حافظوا علی الصلوٰت (البقرۃ ۲ - ۲۳۸) وما ارسلنا ک علیہم حفیظا (الانعام ۶ - ۱۰۸) وغیرہ میں تعہد اور نگہداشت کے مختلف پہلو ہیں۔

نظام عالم کی تشبیہ ایک گھر سے

یہاں آسمان کو سقف کہا ہو اور محفوظ بھی۔ اور دوسری جگہ سماء کو بناء یعنی عمارت کہا ہو ان الفاظ کے استعمال میں بتایا ہو کہ یہ تمام نظام عالم بمنزلہ ایک گھر کے ہو جس کا ایک مالک ہو اور اسے محفوظ کہا ہو یعنی وہ نظام فساد سے محفوظ ہے یعنی اتنا بڑا نظام بگڑتا نہیں اگر اس کی پیدا کرنے والی ایک مدبر بالارادہ ہستی نہ ہو تو اتنا بڑا نظام جس میں لاکھوں اجرام شب و روز گردش لگا رہے ہیں کس طرح قائم رہ سکتا ہو یہی وہ آیات ہیں جن سے کفار اعراض کرتے ہیں اور ان موٹی موٹی باتوں پر غور نہیں کرتے۔

۳۳ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ وَمَا جَعَلْنَا

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا سب (اپنے اپنے) فلک میں تیزی سے چل رہے ہیں[۲۱۵۱] اور تجھ سے پہلے

۳۵ لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ

ہم نے کسی انسان کیلئے خلد نہیں بنایا تو کیا اگر تو مر جائے گا تو یہ رہ جائینگے[۲۱۵۲] ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے

۳۶ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن

اور کھرا کھوٹا الگ کرنے کیلئے ہم تمہیں دکھ اور سکھ سے آزماتے ہیں اور تم ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے[۲۱۵۳] اور جب وہ جو کافر ہوئے تجھے

يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ

دیکھتے ہیں وہ صرف تجھے ہنسی بناتے ہیں کیا یہی وہ ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے اور وہ خود رحمٰن کے ذکر کا انکار کرنے والے

۳۷ كَافِرُونَ ۝ خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ۝

ہیں انسان جلد بازی سے پیدا ہوا ہے میں تمہیں اپنے نشان دکھاؤں گا سو تم مجھ سے (وہ) جلدی نہ مانگو[۲۱۵۴]

فلک

۲۱۵۱ فلک ۔ مجری الکواکب یعنی سیاروں کے چلنے کی جگہ ہے (غ)، یا مدار النجوم (ل) جس میں ستارے گھومتے ہیں (ل)، اور سمندر کی موج کو بھی فلک کہا جاتا ہے جو آتی اور جاتی ہے اور زجاج نے کل فی فلک یسبحون میں کہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک فلک ہے (ل)، اور سبح کیلئے دیکھو ۱۹۴۷ ہوا یا پانی میں تیز گزرنے پر بولا جاتا ہے +

اجرام سماوی کا اپنے افلاک میں تیز چلنا

یسبحون کا استعمال بتاتا ہے کہ وہ سیارے خود فلک میں تیز دوڑ رہے ہیں نہ یہ کہ فلک ان کو لئے ہوئے گھوم رہا ہے پس فلک وہ رستہ ہے جس میں یہ اجرام مختلفہ چلتے ہیں اور وہ فلک ہر جرم کیلئے الگ ہے جیسا کہ زجاج کا قول ہے اور فی فلک میں واحد کا استعمال جنس کیلئے ہے جس سے مراد جمع ہوتی ہے جیسے کساھم حُلّۃ میں مراد ایک حلہ نہیں بلکہ ہر ایک کیلئے الگ حلہ ہے (د)، اور کل میں ضمیر بعض نے شمس و قمر کیلئے لی ہے گر مراد سب کواکب ہیں کیونکہ سورج اور چاند سب سے روشن اجرام ہیں اور بعض کے نزدیک ضمیر نجوم کی طرف ہے گو ان کا ذکر موجود نہ ہو اسلئے کہ جو بیان ہو رہا ہے اس سے ان کے ذکر پر دلالت ملتی ہے (د) اجرام سماوی کا اپنے اپنے فلکوں میں گھومنا ایک اور علمی حقیقت ہے جس کو قرآن کریم نے ظاہر کیا ہے +

خلد سے خضر اور عیسیٰ کے زندہ نہ ہونے پر دلیل

۲۱۵۲ خلد سے مراد خلود ہے (دیکھو ۱۸۱۵) اور یہاں مکث طویل یعنی دیر تک زندہ رہنا معنی لیکر اس سے خضر علیہ السلام کے زندہ نہ ہونے پر دلیل لی گئی ہے (د)، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس استدلال سے کیونکر باہر رہ سکتے ہیں +

فتنۃ ۔ شر ۔ خیر

۲۱۵۳ یہاں فتنۃ اپنے اصل معنی میں ہے (دخالُ الذھب النار لتظھر جودتہ من رداءتہ) اور شر اور خیر سے مراد یہاں شدۃ اور رخاء یعنی سختی اور نرمی یا دکھ اور سکھ ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے (د) +

انسان کے عجلت سے پیدا ہونے سے مراد

۲۱۵۴ خلق الانسان من عجل کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عجلت میں پیدا کیا یا ایسے وقت پیدا ہوا جب دن تھوڑا رہ گیا تھا مطلب صرف اس قدر ہے کہ عجلت انسان میں اس قدر ہے کہ گویا اسی سے پیدا ہوا ہے جیسے اللہ الذی خلقکم من ضعف (الروم ۳۰ ۔ ۵۴) اور لسان العرب میں ہے کہ جب انسان میں ایک چیز بہت پائی جائے تو اہل عرب یوں کہتے ہیں خُلِقتَ منہ یعنی تو اس سے

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ ۳۸ ۳۹

اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم سچے ہو کاش جو کافر ہیں اس وقت کو جانیں جب

لَا يَكُفُّونَ عَن وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَن ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ○

اپنے منہوں سے آگ کو نہ روک سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ انہیں مدد دی جائے گی

بَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ○ وَلَقَدِ ۴۰ ۴۱

بلکہ وہ (گھڑی) ان پر اچانک آجائے گی پس وہ ان کو مبہوت کر دے گی تو وہ اسے ہٹا نہ سکیں گے اور نہ انہیں مہلت ملے گی اور یقیناً

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ

تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ ہنسی کی گئی تو انہیں جو ان میں سے ہنسی کرتے تھے اسی نے آ لیا جس کے ساتھ وہ ہنسی کرتے تھے ۲۱۵۵

ع ۳

قُلْ مَن يَكْلَؤُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ ۗ بَلْ هُمْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِم مُّعْرِضُونَ ○ أَمْ لَهُمْ ۴۲ ۴۳

کہو کون رات کو اور دن کو رحمان سے تمہاری حفاظت کرتا بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیر رہے ہیں ۲۱۵۶ کیا ان کے

حق دلوں پر تسلط حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔

آلِهَةٌ تَمْنَعُهُم مِّن دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنفُسِهِمْ وَلَا هُم مِّنَّا يُصْحَبُونَ ○

معبود ہیں جو ہمارے مقابلہ میں انہیں بچا لیں گے۔ وہ آپ اپنی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی حفاظت ہوگی ۲۱۵۷

پیدا ہوا ہے مثلاً خُلِقَت مِن لَعِب ایسے کہیں گے جو بہت کھیلتا ہو اور سیاق خود بتاتا ہے کہ یہی معنی ہیں اسلئے کہ ساتھ ہی جلد بازی سے روکا ہے*

متی ہذا الوعد میں سوال نشان ہلاکت ہے

۲۱۵۵ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ وہ عذاب جس کے متعلق وہ سوال کرتے ہیں اس دنیا کا عذاب ہے کیونکہ اس چیز کا آ لینا جس سے وہ ہنسی کرتے تھے ان کی ہلاکت ہی ہے نہ کچھ اور اور درحقیقت یہ سارا دیکھا آیاتی اور فلا تستعجلون سے صاف ظاہر ہے کیونکہ وہ جس نشان کو جلدی مانگتے ہیں وہ نشان ہلاکت ہے نہ قیامت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایسے ہی نشان دکھانے کا وعدہ ہے قیامت نشان نہیں کہلا سکتی ہے پس آیت ۳۹ میں جو آگ کو منہوں اور پیٹھوں سے نہ ہٹا سکنے کا ذکر ہے تو

نار سے مراد

اس سے مراد مجازاً جنگ ہی ہے اور منہوں اور پیٹھوں کا ذکر اسلئے کیا کہ جب وہ حملہ کر کے آئیں گے تب بھی دکھ اٹھائیں گے اور نہ پیٹھ پھیر جائیں گے تب بھی دکھ اٹھائیں گے اور آیت ۴۰ سے بھی یہی ظاہر ہے اسلئے کہ مبہوت ہونا اسی زندگی کیلئے ہے جب نشان کے لانے میں مقابلہ سے عاجز آ جائے

کِلاءۃ

۲۱۵۶ یکلؤ ۔ کِلَاءَۃ کسی چیز کی حفاظت کرنا اور اس کو باقی رکھنا ہے (غ) ٭

من الرحمٰن سے مراد ہے رحمان کی سزا سے مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمانیت نہ ہوتی تو اپنے اعمال بد کی سزا میں کفار فوراً پکڑے جاتے ۔ بااینہمہ رب رحمان کی طرف رجوع نہیں کرتے ٭

صحب ۔ اَصحَبَ

۲۱۵۷ یصحبون صَحِبَہٗ کے معنی ہیں عاشرہٗ یعنی اسکے ساتھ رہا اور اَصْحَبَ الرجل کے معنی ہیں اس کی حفاظت کی اور یہاں یہی معنی ہیں یُصْحَبُونَ بالاجارۃ ۔ اور قتادہ کا قول ہے لا یصحبون من اللہ بخیر اور اَصْحَبْتُ الرَّجُلَ کے معنی ہیں منعتہٗ اس کی حفاظت کی اور صَحِبَكَ اللہ کے معنی بھی حفظك اللہ آتے ہیں یعنی اللہ تیری حفاظت کرے (ل) ، اور یوں

۴۴ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ

بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو سامان دیا یہاں تک کہ انکی عمر لمبی ہوگئی تو پھر کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ہم زمین کو اسکے

۴۵ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَاؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْىِ ز صلے

کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں تو کیا وہ غالب ہونگے ۲۱۵۸ کہو میں تمہیں صرف وحی کے ساتھ ڈراتا ہوں

۴۶ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ○ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ

اور بہرے پکار کو نہیں سنتے جب انہیں ڈرایا جائے ۲۱۵۹ اور اگر انہیں تیرے رب کے عذاب کی ایک لپٹ

۴۷ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ

چھو جائے تو کہینگے اے افسوس ہم پر ہم ظالم تھے ۲۱۶۰ اور ہم قیامت کے دن انصاف کی میزانیں

الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔاؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ

رکھینگے پس کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائیگا اور اگر ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی (عمل) ہوگا

اَتَيْنَا بِهَاؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○

ہم اسے لے آئینگے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں ۲۱۶۱

بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ہماری طرف سے وہ چیز نہیں ہوگی جو ان کا ساتھ دے یعنی سکینت اور کشایش اور نرمی وغیرہ جو اولیاء اللہ کو ملتی ہے
یعنی جو انکے معبود ان باطل ہیں وہ تو اپنے آپکو دوسروں کے مقابل پر نہیں بچا سکتے جیساکہ اگلے رکوع میں حضرت ابراہیم کے ذکر سے واضح کردیا ہے اور جب سزا کا وقت آجائیگا تو پھر وہ رحمٰن کی حفاظت بھی نہیں رہے گی اس لیے اس وقت ان کے بچنے کا کوئی سامان بھی نہ رہے گا ◆

غلبہ اسلام کا نشان

۲۱۵۸ ایک قوم پر جب ایک لمبے زمانہ تک اللہ تعالیٰ گرفت نہیں کرتا تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا میں ہمیشہ رہینگے جو چاہیں کریں اور غور کی عادت بھی چھوڑ دیتے ہیں عمر سے مرادیہاں ایک قوم کی عمر ہے اطراف کے گھٹانے سے مراد کفار کے دلوں پر اسلام کا اثر ہونا ہے دیکھو ۱۶۳۲ اسلیئے فرمایا کہ اب اسلام کے غالب آنے کے نشان تو واضح ہیں ◆

۲۱۵۹ وحی کے ساتھ ڈراتا ہوں یعنی یہ میں قیاس سے نہیں کہتا بلکہ اس خبر کا سرچشمہ یقینی ہے ◆

نفحة

۲۱۶۰ نفحة - نفح الریح ہوا چلی اور نفح الطیب مشک نے خوشبو دی اور نفحة ہوا کا جھونکا ہے اچھا ہو یا برا (ل) ◆

خردل

۲۱۶۱ خردل - واحد خردلة ہے - رائی - میزان پر دیکھو ۱۰۵۰ اور قسط موازین کی صفت ہے چونکہ مصدر ہے اس لئے واحد لایا گیا اور یا ذوات القسط مراد ہے - مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا وزن قایم ہے کہ اس سے ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی عمل باہر نہیں رہتا ◆

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاۗءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ ۴۸ ۴۹

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور روشنی اور متقیوں کیلئے نصیحت دی ۲۱۶۲ وہ جو

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ ۵۰

غیب میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ اس، گھڑی کا ان کو خوف ہے ۲۱۶۳ اور یہ بابرکت نصیحت ہے جو

اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ ۵۱

الربع ع ۵

ابراہیم اور لوط دشمن سے نجات پاتے ہیں

ہم نے اتارا ہے تو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو اور ہم نے ہی ابراہیم کو پہلے سے اسکے (لائق حال) ہدایت دی اور ہم

كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ ۵۲

اسکو خوب جانتے تھے ۲۱۶۴ جب اس نے اپنے بزرگ اور اپنی قوم سے کہا یہ مورتیں کیا ہیں جن کی تعظیم میں تم

لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ ۵۳ ۵۴

لگے ہوئے ہو ۲۱۶۵ انہوں نے کہا ہم نے اپنے بڑوں کو انکی عبادت کرتے ہوئے پایا کہا تم اور تمہارے

اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ ۵۵

بڑے کھلی گمراہی میں تھے انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس حق لایا ہے یا تو کھیل کرنیوالوں میں سے ہے

۲۱۶۲ فرقان ضیاء۔ ذکر سب توریت کے نام بھی ہو سکتے ہیں۔ فرقان حق و باطل میں فرق کرنے کے لحاظ سے ضیاء اس لحاظ سے کہ ہر قسم کی ظلمت کو دور کر کے اس کی جگہ روشنی کر دی اور ذکر اس لحاظ سے کہ اپنے پیرووں کو کمال تک پہنچایا اور یا فرقان وہ معجزات ہیں جنہوں نے حق و باطل میں فرق کر دیا۔ ضیاء دلائل ہیں جن سے تعلیم روشن ہوئی اور ذکر خود وہ تعلیم ہے تینوں چیزیں موسیٰ اور ہارون دونوں کو دی گئیں ۔

۲۱۶۳ بالغیب یا تو مفعول سے حال ہے یعنی اللہ سے ڈرتے ہیں حالانکہ وہ غیب میں ہے اور یا فاعل سے حال ہے یعنی اس حال میں ڈرتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوتے ہیں۔ اگلی آیت میں توریت کے مقابل پر قرآن کو مبارک کہا ہے جس کیلئے دیکھو ۹۸۲

عصمت انبیاء

۲۱۶۴ رشد کیلئے دیکھو ۶۰۹ و ۱۹۰۹ اور چونکہ یہ غی اور ضلال کا نقیض ہے اسلئے رشد کے دینے میں ضلالۃ اور غی کی نفی پائی جاتی ہے اور رشدہ اسلئے کہا کہ یہ معمولی رشد نہیں نہ صرف دنیا کے کاموں میں رشد تھا بلکہ ایسا رشد جو اس کے لائق حال تھا یعنی رشد کامل جو رسولوں اور نبیوں کو دیا جاتا ہے من قبل میں اشارہ حضرت موسیٰ کی طرف یا خود آنحضرت صلعم کی طرف ہے اور بعض نے مراد من قبل البلوغ لیا ہے یعنی بچپن سے ہی وہ ہدایت پر تھے (ج)، اور اسکو جاننے میں اشارہ انکے کمالات کیطرف ہے

تمثال

۲۱۶۵ تماثیل۔ تمثال کی جمع ہے اور تمثال صورت کو کہتے ہیں (ل)، معلوم ہوتا ہے یہ بت انسانوں وغیرہ کی صورت پر بنائے تھے۔ اور ما یہاں سوال کیلئے نہیں بلکہ تحقیر کیلئے ہے ۔

۵۶ قَالَ بَل رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ

کیا بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہی دینے والوں

۵۷ ۵۸ الشّٰهِدِیْنَ ○ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ○ فَجَعَلَهُمْ

میں سے ہوں اور اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہوں اسکے بعد کہ تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ سو اس نے ۲۱۶۵

۵۹ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ○ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ

ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر انکے بڑے کو رہنے دیا، تاکہ وہ اسکی طرف رجوع کریں ۲۱۶۶ کہنے لگے ہمارے معبودوں سے کس نے یہ کام کیا ہو یقیناً

۶۰ ۶۱ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ○ قَالُوْا فَاْتُوْا

وہ ظالموں میں سے ہی ہوگا (کہنے لگے) ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے کہنے لگے اسے لوگوں کے

۶۲ بِهٖ عَلٰۤی اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ○ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا

سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہی دیں کہا اے ابراہیم کیا تونے ہمارے معبودوں سے

۶۳ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ○

یہ کام کیا ہے اس نے کہا بلکہ یہ کیا (جس نے کیا) ان کا بڑا یہ ہے سو ان سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں ۲۱۶۷

کید

۲۱۶۵ کید کیلئے دیکھو ۵۰۰ اور کاد کے معنی ارادہ بسوء آتے ہیں اور یہاں معنی لاُریدنّ بہا سُوءً ہی ہیں (غ)۔

جذاذ

۲۱۶۶ جذ اذا جذّ کے معنی توڑنا اور ریزہ ریزہ کر دینا ہیں، اور جذاذ ٹوٹے ہوئے اور ٹکڑے ٹکڑے کئے ہوئے کو کہتے ہیں (ل)۔

ابراہیم کے بڑے بت کو نہ توڑنے کی وجہ

کبیرا لھم میں ضمیر عبادت کرنیوالوں کی طرف ہے اور مراد ہے ان کفار کا بڑا بت۔ اور الیہ یرجعون میں جمہور نے ضمیر کو ابراہیم کیطرف لیا ہے یعنی اس سے دریافت کریں۔ اور بعض نے اللہ کی طرف یعنی بتوں کو ٹوٹا ہوا پاکر اللہ کی طرف رجوع کریں اور بعض نے بڑے بت کی طرف اور میرے نزدیک یہ آخری توجیہ صحیح ہے کیونکہ ابراہیم یا خدا کیطرف رجوع کرنے کیلئے تو چاہیے تھا کہ سارے توڑ دیئے جاتے۔ اس غرض کیلئے ایک کو باقی رکھ لینا بے معنی ہے اور مطلب یہ ہے کہ حل مشکلات کیلئے اس کی طرف رجوع کریں یعنی ایک طرف تو اپنے بتوں کو ٹوٹا ہوا پاکر یہ سمجھیں کہ اگر یہ نفع نقصان کے مالک ہوتے تو خود کیوں ٹوٹ جاتے اور دوسری طرف بڑے کو سالم پاکر اس کی طرف رجوع کرتے اور دیکھ لیتے کہ وہ جو سب سے بڑا تھا باوجود صحیح سالم ہونے کے ان کی کچھ مدد نہیں کر سکتا اور نہ ان کی مشکلات کو حل کر سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑنا بڑے بت کی طرف منسوب نہیں کیا نہ جھوٹ بولا

۲۱۶۷ یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ بل فعلہ پر وقف ہے اور اسی کو مدنظر نہ رکھنے سے حضرت ابراہیم کی طرف یہ جھوٹ منسوب کرنا پڑتا ہے کہ آپ نے خود بت توڑنے سے انکار کیا اور جواب یہ دیا کہ بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو توڑ دیا ہے۔ یہ کہنا کہ اس طرح ان پر الزام دینا مقصود تھا صحیح نہیں اسلئے کہ اس قسم کا الزام تو بغیر اس جھوٹ کے بھی دیا جا سکتا تھا اور اس معنی کے خلاف اور قرائن بھی ہیں اول حضرت ابراہیم نے علی الاعلان انہیں کہہ دیا تھا لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین مفسرین نے اس صریح خطاب کو جو قوم

فَرَجَعُوٓا إِلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوٓا إِنَّكُمْ أَنتُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ ۚ ۶۴ ۶۵

سو انہوں نے اپنے آپکی طرف رجوع کیا اور کہنے لگے تم خود ہی ظالم ہو ۲۱۶۸ پھر اپنے سروں پر اوندھے گر گئے (اور بولے)

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَٰٓؤُلَآءِ يَنطِقُونَ ۝ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا ۶۶

تو جانتا ہے کہ یہ بات نہیں کرتے ۲۱۶۹ کہا تو کیا اللہ کو چھوڑ کر تم اسکی عبادت کرتے ہو جو تمہیں کچھ

يَنفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۝ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ ۶۷

نفع نہیں دیتا اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتا۔ تف ہو تم پر اور اس پر جس کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے

سے حضرت ابراہیم نے کیا مخفی طور پر کہنا قرار دیا ہے اگر مخفی تھا تو بعد ان لوگوں کے کیا معنی ہوتے وہ تو کچھ لوگوں کو خطاب کر کے کہہ رہے ہیں کہ تم پھر جاؤ گے تو میں انہیں نقصان پہنچاؤں گا۔ اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم کو ڈرایا ہوگا کہ اگر تم بتوں کے خلاف کوئی بات منہ سے نکالو گے تو وہ تمہیں نقصان پہنچائینگے حضرت ابراہیم نے کہا انہوں نے مجھے کیا نقصان پہنچانا ہے میں انہیں نقصان پہنچاؤں گا اور طرز عبارت صاف بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ بات میدان مقابلہ میں کہی ہے اور بہت لوگوں نے اسے سنا ہے اسی لئے جب بت ٹوٹے ہوئے پائے گئے اور تحقیقات شروع ہوئی تو بہت سے لوگ بول اٹھے کہ ہم نے ابراہیم کو یوں کہتے سنا تھا۔ اسی سے ابراہیم کو بلایا گیا تا کہ سب کے سامنے یہ گواہی دی جائے۔ یہ دوسرا قرینہ اس بات پر ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے فعل کا اخفا نہیں کیا اور اخفا کرنے سے ان کی اصل غرض ہی پوری نہ ہوتی تھی۔ تیسرا اور نہایت قوی قرینہ یہ ہے کہ بڑے بت سے پوچھنے کیلئے نہ حضرت ابراہیم کہتے ہیں اور نہ پجاری بڑے بت کے متعلق نہ بولنے کا عذر کرتے ہیں بلکہ حضرت ابراہیم بھی کہتے ہیں فسئلوھم ان کانوا ینطقون اور وہ بھی جواب میں کہتے ہیں ما ھؤلاء ینطقون۔ اگر بڑے بت کو اسلئے چھوڑا گیا تھا کہ قتل کو اس کی طرف منسوب کیا جائے تو فسئلوہ کہنا چاہئے تھا نہ فسئلوھم اور وہ بھی جواب میں کہتے کہ یہ بولتا نہیں پس وہ صورت الزام بھی نہیں ہے جو اس جھوٹ کی غرض بتائی جاتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کسی مصلحت اور غرض کیلئے کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ انکی سب اغراض اور انکے سب مصالح سچائی سے پورے ہو جاتے ہیں۔ بل فعلہ پر وقف ہو اور کسائی جیسے نحوی نے ان الفاظ کی توجیہ یوں کی ہے فعلہ من فعلہ کیا جس نے کیا یعنی فاعل محذوف ہے۔ تو حضرت ابراہیم نے جواب یوں دیا ہے کہ جس نے کیا یا کسی اور نے کیا۔ تم اس تحقیقات کے کیوں درپے ہو اور اس سے کیا حاصل۔ اگر تمہارے یہ بت کچھ کر سکتے ہیں کوئی نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہیں تو ابھی سب سے بڑا بت موجود ہے یہ کیوں کچھ نہیں کر لیتا اگر یہ مجھے نقصان پہنچانے پر قادر ہیں تو یہ بڑا موجود ہے رہا یہ کہ کس نے کیا تو خود ان سے کیوں نہیں پوچھتے جس شخص کو مار پڑے وہ خود بتا دیا کرتا ہے کہ مجھے فلاں نے مارا ہے یہ کیوں نہیں بتاتے پس اگر یہ نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں اور نہ بول سکتے ہیں تو انکی عبادت کے کیا معنی اور بل جو حرف اضراب ہے تو کبھی پہلے جملہ کے خیال کے ابطال کیلئے ہوتا ہے وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا سبحانہ بل عباد مکرمون اور کبھی ایک غرض سے دوسری غرض کیطرف انتقال کے لئے آتا ہے جیسے قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی بل تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا (مغنی)۔

۲۱۶۸ اپنے آپ کی طرف رجوع کرنے سے مراد تفکر و تدبر ہے یعنی اپنے دلوں میں سوچا۔

۲۱۶۹ نکسوا۔ نکس کے معنی ہیں کسی چیز کا سر کے بل الٹا کر دینا۔ اور نکّس راسہ کے معنی امالہ آتے ہیں یعنی اسے جھکایا اسی سے ہے ناکسوا رؤسہم عند ربہم (السجدۃ ۳۲: ۱۲) اور بیماری میں نکس یہ ہے کہ افاقہ کے بعد بیماری سے مریض ہو جائے

بل

نکس۔ ناکس

۶۸ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ○ ۶۹ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ

کہنے لگے اسے جلا دو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو اگر تم کچھ کرنے والے ہو ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور

سَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ○ ۷۰ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ○ ۷۱ وَ

سلامتی ہو جا ۲۱۷ت اور انہوں نے اس سے جنگ کرنا چاہا تو ہم نے انہی کو نقصان اٹھانے والے کر دیا اور

نَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ○

ہم نے اسے اور لوط کو اس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے قوموں کیلئے برکت رکھی تھی ۲۱۷ا

تنکیس

اور یہاں معنی لئے گئے رجعوا علیٰ انفسہم من الحجۃ لابراہیم یعنی ابراہیم کی جس دلیل کا اعتراف کیا تھا اس سے رجوع کیا۔ اور ننکسہ فی الخلق (یٰسٓ ۳۶-۶۸) میں معنی ہیں کہ قوت کی جگہ ضعف بدل دیا اور جوانی کی جگہ بڑھاپا (دل) ۔

حضرت ابراہیم کا آگ سے بچایا جانا

۲۱۷ ت حضرت ابراہیم کے آگ میں ڈالا جانے اور رہنے کے قصوں کو بعض مفسرین نے عجیب عجیب پیرایوں میں بیان کیا ہے چالیس دن تک لکڑیوں کا جمع کیا جانا پھر ایک عظیم الشان آگ کا جلانا پھر کفار کو سمجھ نہ آنا کہ کس طرح حضرت ابراہیم کو اس آگ میں ڈالیں اور شیطان کا آکر انہیں گوپیا بنانا سکھانا پھر حضرت ابراہیم کا اس آگ میں چالیس یا پچاس دن رہنا اور ایسے ایسے قصوں کو نقل کر کے روح المعانی میں لکھا ہے کہ "اس قصہ کی بہت سی روایتیں ہیں لیکن بجا الحیط میں ہے کہ لوگوں نے حضرت ابراہیم کے ماجرا کو بیان کرنے میں بہت سی باتیں بنائی ہیں اور صحیح وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا" اور یہی صحیح ہے۔ اب قرآن کریم میں کفار کے ارادہ کا ذکر یہاں تو صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے کہا حرقوہ اور دوسری جگہ ہے اقتلوہ او حرقوہ (العنکبوت ۲۹-۲۴) اسے قتل کر دو یا جلا دو اور بحاشیہ پر دیکھو ۲۰۹۸ اور تیسری جگہ ہے ابنوا لہ بنیانا فالقوہ فی الجحیم اس کے لئے عمارت بناؤ اور اسے جحیم یعنی دوزخ میں ڈالدو (الصّٰفّٰت ۳۷-۹۷) اور کیا ہوا اس کے متعلق یہاں فرمایا قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراہیم اور دوسری جگہ کہا ہے فانجٰہ اللہ من النار (العنکبوت ۲۹-۲۴) اور تیسری جگہ ہے فارادوا بہ کیدا فجعلنٰہم الاسفلین (الصّٰفّٰت ۳۷-۹۸) اور یہاں بھی بردا و سلاما کے بعد یہی لفظ آتے ہیں اسلئے اگر ہم قرآن کریم کے بیان سے آگے نہ نکلیں تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا فی الواقع حضرت ابراہیم کو اس آگ میں ڈالا گیا یا جیسا کہ انجٰہ اللہ من النار سے ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے حضرت ابراہیم کو آگ میں پڑنے سے پہلے نجات دیدی اور کسی دوسری طرف نکال دیا جیسا کہ آیت ۷۱ سے ظاہر ہے اور حضرت ابراہیم کا وہاں سے ہجرت کر جانا تو صاف معلوم ہوتا ہے جس طرح خدا نے حضرت نوح کو طوفان سے حضرت موسیٰ کو سمندر سے حضرت عیسیٰ کو صلیب سے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو قتل سے بچا لیا حالانکہ آپ کے گھر کا محاصرہ ہو چکا تھا وہ اسباب پر بھی قادر تھا کہ حضرت ابراہیم کو آگ سے بچا دے۔ خواہ آگ میں پڑ کر آپ بچائے گئے ہوں اور خواہ اس سے بھی پیشتر اس آگ کو ابراہیم کے حق میں (علی ابراہیم) ٹھنڈا کر دیا گیا ہو۔ اور آیت ۷۱ سے اور ایسا ہی (الصّٰفّٰت ۳۷-۹۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ابھی ارادہ ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں سے نجات دیدی ۔

۲۱۷ا برکت والی زمین سے مراد ملک شام ہے جدھر حضرت ابراہیم اور حضرت لوط ہجرت کر کے چلے گئے ۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ○ وَجَعَلْنٰهُمْ ٧٢ ٧٣

اور ہم نے اسے اسحاق دیا اور یعقوب پوتا اور سب کو ہم نے نیک بنایا اور ہم نے انہیں

اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ

امام بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے انکی طرف نیکیوں کے کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ

وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۙ○ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ٧٤

دینے کی وحی کی اور وہ ہماری عبادت کرنیوالے تھے اور لوط کو بھی ہم نے اسے فہم اور علم دیا

وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ

اور اسے اس بستی سے نجات دی جو ناپاک کام کرتی تھی وہ برے لوگ (اور) نافرمان

فٰسِقِيْنَ ۙ○ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ع ○ وَنُوْحًا اِذْ ٧٥ ٧٦

تھے اور ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل کیا وہ نیکوں میں سے تھا اور نوح کو جب

نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ○

اس سے بھی، پہلے اس نے پکارا تو ہم نے اس کی دعا، قبول کی سو اسے اور اس کے اہل کو بڑی سختی سے نجات دی۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ ٧٧

اور اسے اس قوم کے مقابل پر مدد دی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے۔ وہ برے لوگ تھے

فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ ٧٨

سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ کھیتی کے معاملہ میں فیصلہ کرتے تھے

اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ○

جب اس میں لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئیں اور ہم انکے فیصلہ کے گواہ تھے ٢١٧٢

ع ۶ — نیکیوں اور استقامت کی نجات کا عام قانون

نفش — ٢١٧٢ نفشت۔ نَفَشَ اون کا کوٹنا یہاں تک کہ اس کے اجزا ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں یعنی اس کا دھننا۔

منفوش — کالعھن المنفوش (القارعۃ ۵) اور نَفَشَ اونٹوں بکریوں کا چرواہے کے علم کے بغیر پھیل جانا اور چرنا ہے (ل)۔

بکریوں کے کھیتی چر جانے کے واقعہ کی اہمیت کی وجہ — اس واقعہ کا ذکر خصوصیت سے کیا حالانکہ حضرت داؤد اور سلیمان بادشاہت کی حیثیت میں بڑے بڑے اہم امور ملکی طے کرتے تھے اور یہ ایک نہایت خفیف سا معاملہ ہے کہ کسی کی بکریاں رات کو کھیت چر گئیں اس میں یہ توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ

۷۹ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۖ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ

سو ہم نے اسے سلیمان کو سمجھا دیا اور سب کو ہم نے فہم اور علم دیا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو جو تسبیح

الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

کرتے تھے اور پرندوں کو داؤد کے ساتھ کام میں لگا دیا اور ہم ہی کرنیوالے تھے ۲۱۷۳

سے تعلق رکھنے والے بادشاہ بھی ہو جائیں تو وہ اپنی رعایا میں سے معمولی لوگوں کی شکایات کی طرف اسی طرح توجہ کرتے ہیں جس طرح اہم امور ملکی کیطرف، ایسی کی مثالیں ہمارے خلفائے راشدین اور بعض دیگر اسلامی بادشاہوں میں ملتی ہیں کہ کس طرح رعایا کے غریب سے غریب لوگوں کی خاطر وہ خود تکلیف اور مشقت اُٹھانے کے عادی تھے یہی بادشاہت کا وہ رنگ ہے جسے اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے کہ بڑے سے بڑے آدمی تک چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی آواز پہنچ سکے آج کل کی جمہوریت میں دفاتر کی پابندیوں کی روک بڑے سے بڑے مطلق العنان بادشاہوں کے استبداد سے بڑھکر ہے اور وہ سادگی جو انسانیت کا اصل فخر ہے بالکل مفقود نظر آتی ہے۔

اسلام حسن قسم کی بادشاہت چاہتا ہے

۲۱۷۲ سلیمان کو فیصلہ سمجھا دیا۔ حالانکہ حضرت داؤد کی موجودگی میں سلیمان نبی نہ تھے پس فہم معاملات میں بعض وقت ایک غیر نبی نبی سے بڑھ سکتا ہے۔

فہم معاملات میں غیر نبی کی فضیلت

پہاڑ حضرت داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے تھے بعض کے نزدیک یہ معجزہ تھا جس طرح کنکریوں کا نبی صلعم کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنا جسے دوسرے لوگوں نے سُنا۔ مگر یہاں اس کا ذکر بطور معجزہ نہیں جو ایک دفعہ کا واقعہ ہوتا ہے بلکہ عادت کے طور پر ہے اور اکثر لوگوں کا قول ہے کہ ان کی تسبیح کو صرف حضرت داؤد سنتے تھے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ تسبیح زبان حال سے تھی۔ اور حالانکہ قرآن کریم کے ظاہر الفاظ طیر کو تسبیح میں ساتھ شامل نہیں کرتے مگر بعض نے یہ مانا ہے کہ پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔

پہاڑوں کی تسبیح

قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں بھی اور سورۃ سبا میں بھی تین باتوں کا اکٹھا ذکر ہے ۱۔ پہاڑوں کی تسخیر یعنی انکا حضرت داؤد کے کام میں لگایا جانا اور تسبیح کرنا ۲۔ پرندوں کا انکے کام میں لگایا جانا ۳۔ حضرت داؤد کا زرہیں بنانا چنانچہ دوسری جگہ ہے یٰجبال اوّبی معہ والطیر و النّا لہ الحدید۔ ان اعمل سٰبغٰت و قدّر فی السرد (السبا ۳۴۔ ۱۰ و ۱۱) دونوں جگہ ان تینوں باتوں کا اکٹھا ذکر کرنا بتاتا ہے کہ ان میں باہم کوئی تعلق ہے۔ اب ان تینوں میں سے جہانتک زرہیں بنانے کا سوال ہے۔ اس کی غرض ظاہر ہے تاکہ وہ جنگوں میں کام دیں اور خود بھی قرآن کریم نے یہ وضاحت کردی ہے لتحصنکم من بأسکم۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت داؤد کے وقت میں بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں جن سے سلطنت اسرائیلی نہایت درجہ مستحکم ہوگئی اور جب زرہیں بنانے کا تعلق صاف طور پر ان فتوحات سے ہے تو لازماً دوسری باتوں کا تعلق بھی فتوحات سے ہی ہونا چاہئے ورنہ تینوں باتوں کا اکٹھا ذکر نہ ہوتا پرندوں کا تعلق جنگوں اور فتوحات سے دو طرح پر ہو سکتا ہے ایک یہ کہ پرندے جنگوں میں خبر رسانی کا کام دیتے تھے اور اسی لئے حضرت سلیمان کے ذکر میں بھی پرندوں کا ذکر آتا ہے اور میرے نزدیک پرندوں کے حضرت داؤد کے ساتھ مسخر ہونے یا کام میں لگا جانے سے منشا یہی ہے مگر ایک اور رنگ میں بھی پرندوں کا ذکر فتوحات میں اشعار عرب میں آتا ہے جیسا کہ نابغہ کے شعر میں ہے اذا ما غزا بالجیش حلّق فوقہ ـ عصائب طیر تھتدی بعصائب یعنی جب وہ لشکر کے ساتھ نکلتا ہے تو اس کے اوپر پرندوں کے جھنڈ حلقہ باندھ لیتے ہیں جو ان لشکروں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور بائبل میں بھی پرندوں کے مفتوح فوج کو کھانے کا ذکر ہے "تو اسرائیل کے پہاڑوں پر گرجائیگا تو اور تیرا سارا لشکر اس گروہ سمیت جو تیرے ساتھ ہے۔ اور میں تجھے ہر قسم کے شکاری پرندوں اور میدان کے درندوں کو خوراک کے لئے دوں گا" (حزقی ایل ۳۹: ۴)، تیسری بات پہاڑوں کی تسخیر اور ان کی تسبیح ہے ایک رنگ میں تو زمین و آسمان کی سب چیزیں انسانوں کیلئے مسخر ہیں چنانچہ دوسری جگہ کشتی کی اور دریاؤں کی اور چاند

حضرت داؤد کیلئے پہاڑ اور پرندوں کا مسخر کیا جانا

پرندوں کا جنگوں سے تعلق

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ وَلِسُلَيْمٰنَ ۸۱

اور ہم نے اسے تمہارے لئے زرہ بنانی سکھائی تاکہ تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرے تو کیا تم شکرگزار ہوگے ۲۱۷۴ اور ہم نے سلیمان

الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝

کیلئے تیز چلنے والی ہوا کو (کام میں لگا دیا) وہ اسکے حکم سے اس زمین کیطرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں ۲۱۷۵

پہاڑوں کی تسخیر اور تسبیح سے مراد

اور سورج کی تسخیر کا ذکر آتا ہے بلکہ یوں بھی وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ (الجاثیۃ ۱۳) اور تسبیح بھی ہر چیز کرتی ہے وان من شیء الا یسبح بحمدہ (بنی اسرائیل ۴۴) اسلئے یہاں کوئی خصوصیت ہونی چاہئے میرے نزدیک زمینوں اور پرندوں کے تعلق کو مدنظر رکھتے ہوئے پہاڑوں کا مسخر ہونا اور تسبیح کرنا اس معنی میں ہے کہ وہاں پر حضرت داؤد کی حکومت قائم ہوگئی اور انکی تسبیح سے مراد ان پہاڑی قوموں کا تسبیح کرنا ہے جو ظاہری اور باطنی دونوں رنگوں میں حضرت داؤد کے ساتھ ہوگئیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ جس معنی میں کل مخلوق کو انسان کیلئے مسخر کیا ہے اسی معنی میں پہاڑ اور پرند حضرت داؤد کیلئے مسخر کئے۔ کل مخلوق انسان کیلئے اسی معنی میں مسخر ہے کہ وہ اس کے کاموں میں معاون ہے پھر جس قدر انسان اس پر زیادہ تصرف حاصل کرے اسی قدر زیادہ مسخر ہو جاتی ہے مثلاً ہوا سب انسانوں کیلئے بھی مسخر ہے یعنی ان کے کام میں لگی ہوئی ہے پھر جو انسان اس سے دوسروں سے بڑھکر فائدہ اٹھاتا ہے اس کیلئے خصوصیت سے مسخر ہوگئی پس پہاڑوں اور پرندوں کے مسخر ہونے کے معنی سوائے اسکے کچھ نہیں ہو سکتے کہ پہاڑ اور پرند ان کے کام میں دوسروں کی نسبت زیادہ آئے اور ان کیلئے نصرت کا موجب ہوگئے اور اسی کی طرف وکنا فاعلین میں اشارہ ہے۔ ایسا ہی تسبیح جس رنگ میں کوئی چیز کرتی ہے اسی رنگ میں کریگی پہاڑ بھی خدا کی تسبیح کرتے ہیں مگر اسی طرح جس طرح ہر چیز تسبیح کرتی ہے ولکن لا تفقہون تسبیحہم (بنی اسرائیل ۴۴) ہاں اگر جبال سے مراد اہل جبال یعنی پہاڑی قوم

جبال سے مراد اہل جبال

لی جائیں جیسے بعض وقت قریہ سے مراد اہل قریہ یعنی بستی کے رہنے والے لئے جاتے ہیں یا بڑے بڑے انسان مراد لئے جائیں دیکھو ۱۶۲۳ تو ان کی تسبیح بلاشبہ حضرت داؤد کی طرح ہی ہوگی۔

لبوس لبس

۲۱۷۴ لبوس۔ لَبِسْتُ کے معنی ہیں میں نے پہنا اور لَبَّسْتُ کے معنی ہیں میں نے مشتبہ کر دیا۔ اور لباس اور لبوس اول سے ہے یعنی مَا یُلْبَسُ یعنی جو چیز پہنی جاتی ہے اور لبوس کے معنی کپڑے بھی ہیں اور ہتھیار بھی اور اس صورت میں مذکر ہوتا ہے اور جب اس سے مراد زرہ ہو تو مونث لایا جاتا ہے (ل)۔

حضرت داؤد کا زرہ بنانا

حضرت داؤد کو زرہ بنانی سکھائی یہ سب علم اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے یہ بھی ضروری نہیں کہ اس سے پہلے زرہ کا استعمال بالکل نہ ہوتا ہو بلکہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں انہوں نے ترقی کی اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ کثرت سے ان کا استعمال کیا اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت داؤد پہلے بیت المال سے گزارہ لیتے تھے پھر زرہ بنا کر اسکی اجرت سے اپنا گزارہ کرتے تھے۔

حضرت سلیمان کیلئے ہوا کی تسخیر

۲۱۷۵ ولسلیمن الریح میں سخرنا مقدر ہے یعنی سلیمان کیلئے ہوا کو مسخر کر دیا مفسرین لکھتے ہیں کہ سلیمان کیلئے شیاطین نے ایک فرسخ لمبا اور ایک فرسخ چوڑا فرش بنایا تھا جس پر سلیمان مع اپنے درباریوں اور دیگر لوگوں کے بیٹھ جاتے اور پرندے اکٹھے ہوکر سر پر سایہ کئے ہوئے ہوتے اور پھر ہوا اسے اٹھا کر لے جاتی اور بعض نے ایک عجیب قسم کا مرکب بنایا ہے جس میں ہزارہا مکان تھے اور جسے شیاطین اٹھاتے اور پھر ہوا اسے چلاتی۔ مگر قرآن کریم ان قصوں سے پاک ہے اور ہوا کا حضرت سلیمان کیلئے مسخر ہونا یہی ہے کہ آپکے کام میں معاون تھی جس طرح یہ ہوا سے مدد ملا کرتی ہے اور غالباً تجری بامرہ میں اس ہوا کے کشتیاں چلانے کی طرف اشارہ ہے یا خود کشتیوں کا چلنا ہی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہوا کے موافق یا بادبانوں وغیرہ کے استعمال سے جہاز دور دور کا سامان ایک ملک شام میں جو ارض مبارک

۸۲ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ

اور کئی سرکش تھے جو اسکے لئے غوطہ زنی کرتے اور اسکے سوائے اور کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کی

۸۳ حٰفِظِيْنَ ۝ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

حفاظت کرنیوالے تھے[۲۱۷۶] اور ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہو اور تو سب رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہو[۲۱۷۷]

آسکتے تھے۔ چنانچہ یہودی انسائکلو پیڈیا میں ہو کہ خلیج فارس اور خلیج عقبہ کے درمیان حضرت سلیمان کے جہاز چلتے تھے اور اس تجارت سے ملک میں سونا اور دولت بہت بڑھ گئی تھی اور یہی وجہ حضرت سلیمان کی شان وشوکت کی تھی اور قرآن شریف میں دوسری جگہ آتا ہو وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہٖ (ابراھیم ۱۴-۳۲) اور ہوسکتا ہو کہ یہاں بھی بامرہٖ میں اشارہ امر الٰہی کیطرف ہی ہو اور یہاں ریح کو عاصفۃ کہا ہو اور دوسری جگہ ہو تجری بامرہٖ رخاء (صٓ ۳۸-۳۶) تو مطلب یہ ہو کہ وہ ریح عاصفہ ایسی نہ تھی کہ نقصان پہنچاتی بلکہ باوجود تیز ہوا ہونے کے اس میں نرمی پائی جاتی تھی ✦

شیاطین سے مراد

<u>۲۱۷۶</u> شیاطین۔ شیطان ہر سرکش کو کہتے ہیں جن ہو یا انسان [۲۶] اور یہاں سرکش انسان ہی مراد ہیں جیسا کہ ان کے غوطہ زنی کرنے اور دوسرے کام کرنے سے صاف ظاہر ہو ✦

غَوص

غوّاص

یغوصون۔ غوص کے معنی ہیں پانی کے نیچے داخل ہونا اور اس سے کسی چیز کا نکال لانا اور پھر جو کوئی کسی پوشیدہ چیز پر اچانک آئے اور اسے نکال لے تو اسے غائص کہا جاتا ہو خواہ وہ کوئی چیز ہو یا علم ہو اور غواص وہ ہو جو کثرت سے ایسا کرے اور یغوصون سے یہاں یہی مراد ہو کہ اس کیلئے نادر کام اور افعال بدیعہ کرتے تھے اور فقط موتیوں کا نکالنا مراد نہیں (غ)، مگر دوسرے اعمال کا ذکر یعملون عملا دون ذٰلک میں موجود ہو اور اس کی تفصیل دوسری جگہ موجود ہو یعملون لہ ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیٰت (السبا ۳۴-۱۳) ✦

شیاطین غوطہ زن اور معمار انسان تھے۔

حالانکہ لغت میں صاف طور پر موجود ہو کہ شیطان سرکش انسان کو بھی کہا جاتا ہو اور قرآن کریم میں شیاطین الانس بالتصریح مذکور ہیں اور کئی جگہ پر خود مفسرین نے بالاتفاق شیاطین سے مراد صرف سردار یعنی انسان لئے ہیں جیسے واذا خلوا الیٰ شیاطینہم (البقرۃ ۲-۱۴) اور حالانکہ یہاں غوطہ زنی کا صاف ذکر ہو جو کام ہمیشہ سے انسان کرتے چلے آئے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں لیکن مفسرین کو یہ اصرار ہو کہ یہ سچ مچ کے شیطان ہی تھے جو غوطہ زنی کرتے تھے اور پھر کنا لہم حافظین میں یہ قصہ بنایا گیا ہو کہ ان شیطانوں پر ایک گروہ ملائکہ کا اور مومن جنوں کا حفاظت کیلئے مقرر تھا۔ اور پھر وہ شیطان سچ مچ معماروں کا کام بھی کرتے تھے والشیاطین کل بناء وغواص (صٓ ۳۸-۳۷) گویا وہ زمانہ ایسا تھا کہ جتنے کام آج کل انسان کرتے ہیں اس وقت وہ شیاطین کیا کرتے تھے اور شیاطین اس وقت بدی کے محرک نہ تھے اور یہ قانون اللہ تعالےٰ کا پیچھے بنا کہ ان الشیطان یجری من ابن اٰدم مجری الدم صاف اور سادہ الفاظ کو عجوبہ بنانے سے اور قرآن کریم کے سادہ بیانات میں عجیب وغریب قصے داخل کرنے سے قرآن کریم کی عظمت بڑھتی نہیں بلکہ اس سے اسے نقصان پہنچتا ہو۔ اور ان کاری گروں کو شیاطین اسلئے کہا کہ وہ سرکش قوموں میں سے تھے جنہیں سلیمان نے فتح کرکے مغلوب کیا تھا اور بعض کو ان میں سے قید کرکے کام لیا جاتا تھا جیسا کہ اٰخرین مقرنین فی الاصفاد (صٓ ۳۸-۳۸) سے ظاہر ہو اسی لئے کنا لہم حافظین بھی فرمایا ہو اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نہ ہوتی تو ان سے کام لینا آسان نہ تھا ✦

حضرت ایوب کی تکلیف

<u>۲۱۷۷</u> قرآن کریم نے اس ضر یا تکلیف کی کوئی تشریح نہیں فرمائی مفسرین نے کچھ بائبل سے اخذ کرکے اور کچھ اس پر اور بڑھا کر خطرناک پیرایہ جسمانی تکالیف کا بنایا ہو گو یہ بھی ممکن ہو مگر اصل یہ ہو کہ انبیاء کی تکالیف اور رنگ کی ہوتی ہیں اور بیماریوں سے بڑھکر ان میں

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ

تو ہم نے اسکی دعا قبول کی اور جو اسے تکلیف تھی وہ دور کردی اور ہم نے اسے اسکے اہل دیدیئے اور انکی مثل انکے ساتھ اور بھی دئیے یہ ہماری طرف سے

عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۸۵

رحمت تھی اور عبادت کرنیوالوں کیلئے یاددلانیکو ۲۱۷۸ اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو — سب صبر کرنیوالوں میں سے تھے ۲۱۷۹

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا ۸۶ ۸۷

اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کیا وہ نیکوکاروں میں سے تھے — اور ذوالنون کو جب وہ (قوم پر) ناراض ہو کر چلا گیا

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ

اور اسے یقین تھا کہ ہم اس پر تنگی نہیں کرینگے پس اسنے مشکلات میں پکارا کہ تیرے سوائے کوئی معبود نہیں تو پاک ہو

اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ ۸۸

بیشک میں (اپنے اوپر) ظلم کرنے والوں میں سے ہوں ۲۱۸۰ سو ہم نے اسکی (دعا) قبول کی اور اسے غم سے نجات دی

صبر دکھانا پڑتا ہو، ہاں یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہو اور دوسری جگہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہو کہ حضرت ایوب اپنے اہل وعیال سے الگ ہو گئے تھے

حضرت ایوب کو انکے اہل اور اسکی مثل دیا جانے سے مراد

۲۱۷۸ کہا گیا ہو کہ حضرت ایوب کی سب اولاد مر گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کردیا اور اٰتینٰہ اھلہ سے یہی مراد لی گئی ہو لیکن قرآن شریف میں نہ ان کے مرنے کا ذکر ہو نہ دوبارہ زندہ ہونے کا اور دینے سے مطلب صرف یہی ہو کہ وہ دوبارہ اسے مل گئے اور نہ صرف وہی مل گئے بلکہ اور بھی اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سی اولاد دی۔ اور ابن عساکر وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کی ہو کہ آنحضرت صلعم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ ردا اللہ تعالیٰ امراتہ الیہ وزاد فی شبابہا حتی ولدت لہ ستۃ وعشرین ذکراً (د) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی بی بی اس کی طرف لوٹادی اور اس کی شباب کو بڑھایا یہاں تک کہ چھبیس لڑکے اس کیلئے جنی۔ اور ذکریٰ للعٰبدین یہ بتانے کیلئے ہو کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اللہ تعالیٰ اسے دنیوی نعمتوں سے بھی محروم نہیں رکھتا +

ذوالکفل حزقیل ہیں

۲۱۷۹ ذا الکفل۔ ذوالکفل کون تھے اس میں اختلاف ہوا ہو کئی اور ناموں کے علاوہ زکریا۔ الیاس۔ یوشع بن نون کا نام بھی لیا گیا ہے راؤول نے ایک سیاح کی سند پر لکھا ہو کہ عرب کے لوگ حزقیل کو کفل کہتے ہیں اور مفسرین لکھتے ہیں کہ یہود کہتے ہیں کہ ذوالکفل سے مراد حزقیل ہیں پس ان دونوں شہادتوں کی بنا پر یہی صحیح معلوم ہوتا ہو کہ ذوالکفل حضرت حزقیل کا نام ہو +

دو صابر انبیاء

جب حضرت ایوب کا ذکر کیا جو صبر میں ایک نمونہ ہیں تو اپنے اپنے وقتوں کے اور ایسے انبیاء کا بھی ذکر کیا جنہوں نے صبر میں کمال دکھایا ان سب کے سرتاج حضرت اسمٰعیل ہیں جنہوں نے بلوغت سے بھی پیشتر اپنی گردن چھری کے آگے رکھدی اور حزقیل نبی بھی صبر میں نمونہ ہیں اسلئے کہ وہ اس وقت مبعوث ہوئے جب یہودی قید اور یروشلم تباہ ہو گیا تھا اور بنی اسرائیل پر سخت ترین مصائب کا زمانہ تھا +

نون۔ ذوالنون

۲۱۸۰ ذا النون۔ نون بڑی مچھلی کو کہتے ہیں اور حضرت یونس کو ذوالنون مچھلی کی وجہ سے کہا گیا ہو جس نے آپکو منہ میں لیا تھا (غ)

قدر علیہ

نقدر علیہ، قدر کے معنی اندازہ ہیں اور قدرت علیہ الشیٔ کے معنی ہیں ضیقتہٗ اسے تنگ کردیا گویا یہ اندازہ ہو اس وسعت کے خلاف جو بغیر حساب میں پائی جاتی ہو ومن قدر علیہ رزقہ (الطلاق ۶۵ - ۷) یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر (الرعد ۱۳ - ۲۶) اور

۸۹ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ

اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑیو اور

۹۰ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ؗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ

تو سب وارثوں سے بہتر ہی سو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ دیا اور اسکی بی بی کو اس کیلئے اچھا کر دیا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا

بلاشبہ وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے

۹۱ خٰشِعِيْنَ ○ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ

عاجزی کرنے والے تھے ۲۱۸۱ اور وہ جس نے اپنی عصمت کو محفوظ کیا سو ہم نے اپنا کلام اس میں پھونکا اور

۹۲ جَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ

اسے اور اسکے بیٹے کو قوموں کیلئے نشان بنایا ۲۱۸۲ یہ تمہاری جماعت

یہاں بھی لن نقدر علیہ کے معنی ہیں اس پر تنگی نہیں کرینگے (غ) +

حضرت یونس کی قوم پر ناراضگی اور بلا اذن ہجرت

حضرت یونس ناراض ہو کر چلے گئے کس سے ناراض ہو کر؟ قریبًا تمام بڑے بڑے مفسرین نے اس قول کو ترجیح دی ہی کہ وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے یعنی ان لوگوں سے جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا کیونکہ انہوں نے آپ کو قبول نہ کیا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے کہ اس نے عذاب کیوں ٹال دیا کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ نبی تو ایک طرف رہا یہ ایک معمولی مومن کی بھی شان کے خلاف ہی۔ اور یہ آپ کا قوم سے ناراض ہو کر جانا بطور ہجرت تھا لیکن ہجرت کا حکم ان کو نہیں ہوا تھا (ل) اور انہیں یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر گرفت نہیں کرے گا مگر ہجرت کیلئے انہیں حکم الٰہی کا انتظار کرنا چاہئے تھا اسی لئے فرمایا فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت (القلم ۶۸ - ۴۸) نتیجہ یہ ہوا کہ ظلمات یعنی مشکلات میں پڑ گئے ظلمات بمعنی شدائد کیلئے دیکھو ۹۵ اور انی کنت من الظالمین اسلئے کہ نبی کی ادنیٰ غلطی بھی گو وہ کسی حکم الٰہی کی خلاف ورزی نہ ہو اور گناہ نہ ہو ظلم میں داخل ہی کیونکہ ظلم کا لفظ بہت وسیع ہی اور ہجرت جیسا اچھا فعل بھی محض اسلئے ظلم میں داخل ہو گیا کہ بغیر اجازت الٰہی اسے اختیار کیا گیا دیکھو ۵۵ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے متعلق دوسری جگہ بحث آئے گی اور حضرت یونس کی دعا لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کے متعلق

دعائے یونس

حدیث میں ہی کہ جو مومن مشکلات میں یہ دعا مانگتا ہی اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرماتا ہی اسی کی طرف اگلی آیت کے الفاظ وکذٰلک ننجی المؤمنین میں اشارہ ہی +

۲۱۸۱ بی بی کی اصلاح یا اچھا کرنے سے مراد بعض مفسرین نے یہ کی ہی کہ اسکے اخلاق اچھے کر دیئے مگر قرآن کریم نے جو نقص خود دوسری جگہ بیان فرمایا ہی وہ اس کا عقیم ہونا ہی اسی نقص کے دور کرنے کو یہاں اصلاح بیان فرمایا ہی +

مریم میں نفخ روح کے مراد

۲۱۸۲ نفخ روح سے کیا مراد ہی حضرت آدم کے متعلق آتا ہی نفخت فیہ من روحی (ص ۳۸ - ۷۲) پس اگر نفخ روح سے مراد جان ڈالنا لیا جائے تو یہ جان حضرت مریم میں پھونکی گئی حالانکہ وہ زندہ تھیں اس مشکل کو دور کرنے کیلئے بعض مفسرین نے یہ توجیہ اختیار کی ہی کہ یہاں

أُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ○ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۗ كُلٌّ ۹۳

ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میری عبادت کرو ۲۱۸۳ اور انہوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سب

اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ○ ۶ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ ۹۴

ہماری طرف لوٹ کر آنیوالے ہیں تو جو کوئی کچھ اچھے کام کرے اور وہ مومن ہو تو اسکی کوشش کی ناقدری

لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ○ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○ ۹۵

نہ ہوگی اور ہم اس کیلئے لکھ لینگے ۲۱۸۴ اور اس بستی پر لازم ہے جسے ہم ہلاک کر دیں کہ وہ لوٹ کر نہیں آتے ۲۱۸۵

زمین کے وارث راستباز ہوں گے

مضاف حذف ہے یعنی مراد ہے فنفخنا فی ابنہا من روحنا مگر یہ تاویل بعید ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں روح سے مراد کلام الٰہی ہے دیکھو ۱۱۱ یعنی اس میں اپنا کلام پھونکا یا اسے وحی کی اور مریم اور انکے بیٹے کے نشان ہونے پر دیکھو ۲۲۷۱ +

سب انبیاء اور راستباز ایک جماعت ہیں

۲۱۸۳ امۃ کے معنی جماعت بھی ہیں اور دین بھی جیسے انا وجدنا اٰباءنا علٰی امۃ (الزخرف ۴۳-۲۲) دغ، اور یہاں دونوں طرح پر معنی ہو سکتے ہیں یعنی انبیاء اور راستبازوں کی ایک ہی جماعت ہے جس طرح ایک کو اپنے اعداء سے نجات دی دوسرے کو بھی دی اور اسکی عبادت کرنے والوں کو وہ اب بھی نجات دیگا اور دین معنی لیکر مراد یہ ہوگی کہ ملت توحید اور اسلام ہی سب کا اصل مذہب ہے +

کُفر۔ کفران **کُفور**

۲۱۸۴ کفران بمعنت کا کُفر اور کُفران اسکے ادائے شکر کو ترک کر کے اس کا چھپانا ہے اور یہاں یہی معنی ہیں اور کُفران کا کثر استعمال انکار نعمت ظاہری ہیں اور کُفر کا اکثر استعمال دین میں ہے اور کُفور کا استعمال دونوں میں ہے فابی الظٰلمون الا کفورا (بنی اسرائیل ۱۷-۹۹) اما شاکرا و اما کفورا (الدھر ۷۶-۳) +

مومنوں کو خوشخبری

جب گروہ انبیاء کا اور انکو مصائب سے نجات دینے کا ذکر کیا اور اس میں رسول اللہ صلعم کو خوشخبری دی تو اب ساتھ ہی مومنوں کا بھی ذکر کیا تاکہ وہ بھی مصائب کے وقت ان الفاظ سے تسلی حاصل کریں کہ وہ بھی اگر انبیاء کے نقش قدم پر چلیں تو انکے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ ہوگا۔ خدا کی راہ میں کوشش کرنیوالا کوئی ہو اسکی کوشش کی اللہ تعالٰی قدردانی فرماتا ہے اور یہاں مراد ویسی ہی کوشش ہے جو حق کے پھیلانے سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اسکے بالمقابل اگلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو مخالفت حق کی وجہ سے ہلاک کر دیا جاتا ہے +

حرام

۲۱۸۵ حرام کے معنی ممنوع ۱۸۱ میں بیان ہو چکے ہیں اگر یہی معنی لئے جائیں تو لا یرجعون بطور تاکید ہوگا گویا ترکیب عبارت یوں ہے کہ جس بستی کو ہم ہلاک کر دیں اس کیلئے پھر حق کی مخالفت ممنوع ہے اسلئے کہ وہ لوٹ کر نہیں آتے۔ اور حرام بمعنی واجب بھی اشعار جاہلیت میں آیا ہے۔ فان حراما لا اری الدھر باکیا علٰی شجوہ الا بکیت علٰی عمرو یعنی مجھ پر واجب ہے کہ میں کسی کو اسکے غم پر روتا ہوا نہ دیکھوں مگر کہ عمرو پر رووں۔ اور دوسری قرأت حِرْم اس معنی کی موید ہے مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے

مرکر اس دنیا میں واپس نہیں آسکتے

حضرت ابن عباس سے ایک قول میں صراحت سے منقول ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جو لوگ ہلاک کر دیئے جائینگے وہ قیامت سے پہلے پھر دوبارہ نہ آئینگے یعنی اس دنیا میں لوٹ کر نہ آئینگے اور دوسرا قول میں منقول ہے کہ جن پر ہلاکت کا حکم ہو چکا وہ توبہ نہیں کرینگے اور پہلا قول زیادہ واضح ہے (دث) اگر سیاق مضمون کو مدنظر رکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہاں ذکر یہی ہے کہ جنکو اللہ تعالٰے ہلاک کر دے وہ اس دنیا میں لوٹ کر نہیں آتے کیونکہ ذکر انبیاء اور انکے مخالفین کا ہے جب انبیاء اور راستبازوں کی اعداء اور مصائب سے نجات کا ذکر کیا تو ساتھ ہی بتا دیا کہ جو قوم بوجہ مخالفت حق ہلاک کر دی جاتی ہے وہ لوٹکر اس دنیا میں نہیں آتی کہ دوبارہ مخالفت کرے لیکن اس خاص موقعہ پر ایک عام قانون بیان کر دیا کہ جو مر جائے وہ اس دنیا میں لوٹکر نہیں آیا کرتا جس طرح پچھلی آیت میں

۹۶ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ

یہانتک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائینگے اور وہ ہر بلندی سے تیزی سے نکل پڑینگے ۲۱۸۶ اور سچا وعدہ

۹۷ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ

قریب آجائیگا تو ناگاہ انکی آنکھیں جو کافر ہیں کھلی کی کھلی رہ جائینگی ہائے افسوس ہم اس سے

۹۸ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

غفلت میں رہے بلکہ ہم ظالم تھے ۲۱۸۷ تم اور وہ چیزیں جن کی تم اللہ کے سوائے عبادت کرتے ہو

بھی ایک خاص موقعہ پر عام قانون بیان کردیا۔ اور اسی پر نسائی اور ابن ماجہ کی حدیث بھی گواہ ہی جو پہلے نقل ہوچکی ہی دیکھو ۲۳۲۴ جس میں مذکور ہی کہ جابر بن عبداللہ کے باپ کو جو شہید ہوگئے تھے حبیب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ مانگتے ہو مانگو اور انہوں نے دوبارہ دنیا میں جانیکی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد سبق منی انہم لا یرجعون یہ میں پہلے سے کہہ چکا ہوں کہ مردے لوٹکر دنیا میں نہ جائینگے

حدب ۲۱۸۶ حدب۔ حَدَب پیٹھ کا باہر کو نکل آنا اور پیٹ کا اندر ہو جانا ہی یعنی کبڑا ہو جانا۔ اور اسی سے حَدَب بلند زمین کو کہتے ہیں حدب الماء پانی کی موج کی بلندی کو کہا جاتا ہی (ل)۔

خروج یاجوج ماجوج اور مسلمان یاجوج ماجوج پر دیکھو ۱۹۶ وغیرہ انکے کھولے جانے سے مراد انکا خروج ہی جس کا ذکر احادیث میں آتا ہی اور یہ آخری زمانہ کے متعلق ہی اور کئی حدیثوں میں خروج دجال اور خروج یاجوج ماجوج کا اکٹھا ذکر ہی اور خروج یاجوج ماجوج سے مسلمانوں پر خاص طور پر بلاؤں اور مشکلات کا آنا مذکور ہی یہانتک کہ لکھا ہی کہ مسلمان اپنے شہروں اور گھروں میں گھس جائینگے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اور سلطنت انکے ہاتھ سے نکل جائیگی اور یہ جو بعض احادیث میں ہی کہ وہ دریاؤں کا سب پانی پی جائینگے تو شاید اس لحاظ سے ہی کہ پانی ہی زندگی کا موجب ہی تو مطلب یہ ہی کہ دوسری قوموں کی اور بالخصوص مسلمانوں کی زندگی کے سامانوں کو وہ چٹ کر جائینگے

یاجوج ماجوج کا ساری روئے زمین پر تصرف اور ہر بلندی سے تیزی سے نکل پڑنے کے معنی صاف ہیں کہ ہر بلندی پر تھوڑے عرصہ میں قابض ہو جائینگے یعنی خشکی اور تری کے تمام مقامات پر ان کا قبضہ یا انکا تصرف ہو جائیگا چنانچہ حدیث میں ہی کہ وہ ساری زمین کو ڈھانک لینگے اور نسل کیلئے دیکھو ۲۶۴ اور ان الفاظ کی یہ مراد حدیث سے بھی ظاہر ہی جہاں آتا ہی لا ید ان لاحد بقتا لہم ان کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت دنیا میں کسی قوم کو

ان کی ہلاکت نہیں ہوگی اور ان کی آخری حالت کا ذکر یوں فرمایا وترکنا بعضہم یومئذ یموج فی بعض (الکہف ۱۸ - ۹۹) یعنی وہ ایک دوسرے سے ہی الجھ پڑینگے اور یہی ان کی ہلاکت کا موجب ہوگا اور یہاں یاجوج ماجوج کا ذکر اسلئے کیا کہ حق کے مخالفین اور انکی ہلاکت اور ہلاکت کے بعد دنیا میں لوٹکر نہ آنیکا ذکر تھا تو اسلئے فرمایا کہ اتنی بڑی زبردست اقوام بھی جو دنیا کی ہر بلندی پر قابض ہونگی اور جنکے ساتھ جنگ کی طاقت کسی کو نہ ہوگی وہ بھی اسی قانون کے ماتحت ہیں مگر وہ بھی آخر ہلاک ہونگی اور ہلاکت کے بعد لوٹکر نہ آئینگی۔

تشخص۔ شاخص ۲۱۸۷ شاخصة شَخَصَ کھڑے ہوتے ہوئے انسان کا وجود ہی جو دور سے نظر آئے (غ)، اور شَخَصَ بَصَرُ فلان کہا جاتا ہی جب آنکھ کھولے اور جھپکے نہیں۔ اور حدیث میں ذکر میت میں ہی اذا شَخَصَ بَصَرُہٗ یعنی پلکوں کا اوپر کو اٹھ جانا اور نظر کی تحدید اور اسکا جگہ سے اکھڑ جانا۔ اور جب ایک قلق میں ڈالنے والا امر کسی پر پڑے تو کہا جاتا ہی شُخِصَ بہ (ل)، تشخص فیہ الابصار (ابراہیم ۱۴ - ۴۲)

وعدحق سے مراد مفسرین نے قیامت لی ہی مگر اس سے موت بھی مراد ہوسکتی ہی اور ہلاک یا زوال طاقت کا وقت بھی ہو سکتا ہی بلکہ چونکہ ذکر یہاں ان کی ہلاکت کا ہی چلتا ہی اسلئے زیادہ قرین قیاس یہی ہی اور اس وقت وہ کہینگے کہ یہ امر حق تھا جسکی طرف

حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ ○ لَوۡ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوۡهَا ۹۹

دوزخ کا ایندھن ہو تم اس میں داخل ہو گے ۲۱۸۸ اگر یہ معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے

وَكُلٌّ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ○ لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّهُمۡ فِيۡهَا لَا يَسۡمَعُوۡنَ ○ ۱۰۰

اور سب اسی میں رہینگے ان کیلئے اس میں چلانا ہوگا اور وہ اس میں (کچھ) نہ سنینگے

اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ○ ۱۰۱

جن کیلئے ہماری طرف سے پہلے سے بھلائی پہنچ چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائینگے ۲۱۸۹

لَا يَسۡمَعُوۡنَ حَسِيۡسَهَا ۚ وَهُمۡ فِىۡ مَا اشۡتَهَتۡ اَنۡفُسُهُمۡ خٰلِدُوۡنَ ○ ۱۰۲

وہ اس کی آہٹ (بھی) نہ سنینگے اور وہ اس میں جو ان کے دل چاہیں رہینگے ۲۱۹۰

ہم غافل رہو بلکہ غافل ہی نہیں ظلم کرکے اس کی مخالفت کرنے رہے ہو اس میں بھی ان کے قبول حق کیطرف ہی اشارہ معلوم ہوتا ہے ۔

حصب — ۲۱۸۸ حصب ۔ حَصَب ۔ اور حَصْبَۃ پتھروں یا کنکریوں کو کہتے ہیں اور حَصَب کنکریاں پھینکنے کو ۔ اور حَصَب ہر اس چیز کو کہتے ہیں یعنی لکڑی وغیرہ جو آگ میں ڈالی جائے اور یہاں یہی مراد ہے اور بعض کے نزدیک اہل یمن کی لغت میں حَصَب اور حَطَب کے ایک ہی معنی ہیں (ل) ، اور بعض نے حصب کے معنی صرف مایُرمٰی بہ لئے ہیں یعنی پھینکی گئی چیز ۔

کون سے معبود جہنم میں جائیں گے — کفار یا مخالفین حق کا جہنم کا ایندھن ہونا تو ایک ظاہر امر ہے لیکن ما تعبدون سے کیا مراد ہے ؟ بعض نے کہا صرف بت مراد ہیں کیونکہ ما غیر ذوی العقول کیلئے آتا ہے ۔ اور بعض احادیث ایسی ہیں جن میں ہر قسم کے معبود یہاں مراد لیکر نیکوں کو ان الذین سبقت لہم منا الحسنی میں مستثنی کیا گیا ہے ۔ مگر دیکھو ۱۳۹۱ جہاں دکھایا گیا ہے کہ اس موقعہ پر مراد صرف وہ معبودان باطل ہیں جو اپنے آپ کو معبود کے رنگ میں پیش کرتے تھے یعنی صرف انکے بڑے بڑے پیشوا جو حکم خدا کے خلاف انہیں اپنی مرضی پر چلاتے تھے اور ان سے حق کی مخالفت کراتے تھے اس لئے کہ ما تعبدون من دون اللہ میں یوں تو سورج چاند ستارے ہوائیں بادل دریا ۔ درخت پتھر کتنے بلیاں اور دوسرے بہت سے جانور آجاتے ہیں اسلئے کہ دنیا کی قوموں نے ان چیزوں کی عبادت کی ہے لیکن ان چیزوں کا حشر نہیں ہوگا کہ وہ خاص خاص چیزیں جن کی عبادت کی گئی ہے از سر نو بنا کر دوزخ میں ڈالی جائیں اور نہ انکے دوزخ میں ڈالنے سے کچھ حاصل ہے ۔ پس یہاں مراد صرف انکے کبراء اور رساوات ہیں جن کے دوزخ میں ہونے کا بار بار ذکر بھی آتا ہے چونکہ انہوں نے اپنی عبادت کرائی یا ایسی تعظیم کرائی جو عبادت کے قائم مقام تھی اسلئے وہ مستحق دوزخ ہیں اور لو کان ھٰؤلاء اٰلھۃ میں یہی بتایا ہے کہ جیسا کہ یہ اپنے آپ کو پیش کرتے تھے اگر سچ مچ ویسے ہوتے تو دوزخ میں کیوں داخل ہوتے ۔

سبق — ۲۱۸۹ سبقت ۔ سَبْق کے معنی اصل میں چلنے میں آگے بڑھنا ہیں پھر کسی چیز کے نفوذ یا ہو جانے پر یا تقدم یعنی پہلے سے ہو چکا ہونے پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے لولا کلمۃ سبقت من ربک (طٰہٰ ۲۰ ۔ ۱۲۹) (غ) ۔

یہ لوگ وہی ہیں جو دنیا میں ہی جنت میں پہنچ چکے ہیں یعنی نفوس مطمئنہ اسلئے فرمایا کہ انہیں حسنٰی پہلے سے پہنچ چکی ہے ۔

حسیس ؛ — ۲۱۹۰ حسیس حِسّ کیلئے دیکھو ۴۲۴ و ۵۳۹ اور حَسِیس اور حِسّ سے مراد حرکت بھی لی جاتی ہے (غ) ۔

شہی ۔ اشتہی — اشتہت ۔ شَہِیَ الشَّیءَ اور اِشْتَہَاہُ کے معنی ہیں ایک چیز سے محبت کی اور اس کی طرف مائل ہوا (ل) ۔

۱۰۳ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

سب سے بڑے خوف کی بات انہیں غمگین نہ کرے گی اور فرشتے ان سے ملینگے　یہ وہ تمہارا دن ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا ۲۱۹۱

۱۰۴ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لینگے جس طرح تحریروں کا طومار لپیٹ لیا جاتا ہے جس طرح ہم نے پہلی پیدائش شروع کی اسے پھر لوٹا دینگے یہ ہم پر

۱۰۵ عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ

وعدہ ہے ضرور ہم (یہ) کرنے والے ہیں ۲۱۹۲ اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا　کہ زمین کے

۱۰۶ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝

وارث میرے صالح بندے ہونگے ۲۱۹۳　یقیناً اس میں عبادت کرنیوالے لوگوں کیلئے پیغام ہے

مومنوں کی محبت اوران کا میلان کس چیز کی طرف ہوتا ہے؟ دنیا میں وہ معمولی سے معمولی چیزوں پر گذارہ کر لیتے ہیں اور انکی اصل تڑپ اور خواہش حصول رضائے الٰہی کیلئے ہوتی ہے اسی لئے جنت کی سب سے بڑی نعمت بھی وہی ہے ورضوان من اللہ اکبر (التوبۃ ۹ - ۷۲) ؛

فزع　۲۱۹۱ فزع - فَزَع اس انقباض اور گھبراہٹ کو کہتے ہیں جو ڈرانے والی چیز سے پہنچے اور وہ جَزَع کی جنس سے ہے (جزع اس غم کو کہتے ہیں جو انسان کو اس کے مقصد سے روک دے) اللہ تعالیٰ کے متعلق خوف کا لفظ آسکتا ہے فزع کا نہیں - ففزع من فی السمٰوٰت ومن فی الارض (النمل ۲۷ - ۸۷) وھم من فزع یومئذ اٰمنون (النمل ۲۷ - ۸۹) اور فَزِعَ الیہ کے معنی ہیں فزع کے وقت اس سے مدد چاہی - اور

تفزیع　تفزیع فزع کا دور کرنا ہے حتیٰ اذا فُزِّعَ عن قلوبھم (السبا ۳۴ - ۲۳) اور فزع الاکبر سے مراد آگ میں داخل ہونے کی گھبراہٹ ہے -

طیّ - طوی　۲۱۹۲ نطوی - طَوٰی (مصدر طَیّ) کے معنی ہیں لپیٹا - اور طَیّ کے معنی عمر گزر جانا بھی آتے ہیں جیسے طَوَتْكَ خُطُوْبُ دَھْرِكَ بَعْدَ نَشْرٍ ہیں اور

مطوّی　والسمٰوٰت مطویٰت بیمینہ (الزمر ۳۹ - ۶۷) میں پہلے معنی بھی ہوسکتے ہیں اور دوسرے بھی یعنی مراد صرف یہ ہے کہ وہ فنا کر دیئے جائینگے (غ)، اور طوی البلاد کے معنی ہیں شہر سے شہر کو گیا (ل) ؛

سجل یسجل　سجل یسجل کیلئے دیکھو ۱۴۹۱ اور سِجِلّ کتاب عہد وغیرہ کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد کاتب ہے اور سِجِلّ صحیفہ کو بھی کہتے ہیں جس میں کتاب ہو (ل)، یعنی کچھ لکھا جائے ؛

آسمان کو لپیٹ لینے سے مراد　آسمان کو لپیٹنا یا فنا کرنا دونوں سے مراد ایک انقلاب عظیم معلوم ہوتا ہے اور کما بدانا اول خلق نعیدہ سے بظاہر مراد قیامت ہے لیکن اس انقلاب عظیم کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے جب کفر کی صف لپیٹ کر اسکی جگہ حق کو قایم کیا جائے جیسا کہ یہ نظارہ ہمارے نبی کریم صلعم کی زندگی میں ملک عرب میں دیکھا گیا اور اس اشارہ کو کھول کر اگلی آیت میں بیان کیا ہے جہاں یہ ذکر ہے کہ زمین کے وارث اسکے صالح بندے ہونگے ؛

صالحا زمین کے وارث ہونگے -　۲۱۹۳ زبور ۳۷ : ۲۹ میں ہے "صادق زمین کے وارث ہونگے" اسی کی طرف یہاں اشارہ ہے - اور الارض سے مراد ارض مقدس بھی ہوسکتی ہے دیکھو ۱۵۶ جہاں دکھایا گیا ہے کہ اس زمین کا وعدہ حضرت ابرٰہیم کی اولاد سے تھا - اور اب اصل نسل ابراہیمی کے قایم مقام مسلمان ہیں اور اس کا دو دفعہ انکے ہاتھ سے عارضی طور پر نکل جانا پیشگوئیوں کے مطابق ہے اور الارض سے مراد عام زمین بھی ہوسکتی ہے اور اس صورت میں اشارہ مسلمانوں کی حکومت اور بادشاہت کیطرف ہوگا جیسا کہ احادیث

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ○ ۱۰۷

اور ہم نے تجھے تمام قوموں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے ۲۱۹۴

آنحضرت کی اپنی اُمت کیلئے پیشگوئی

نبوی میں صاف آتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اِنَّ رَبِّیْ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَاُرِیْتُ مشارقہا و مغاربہا وان تالث امتی سیبلغ ما زُوِیَ لِی منہا و اُعطیت الکنزین الاحمر والابیض یعنی میرے ربّ نے زمین کو میرے لئے سکیڑ دیا اور اسکی مشرقی اور مغربی زمینیں مجھے دکھائی گئیں اور میری اُمت کی بادشاہت وہاں تک پہنچے گی جہانتک زمین سکیڑ کر مجھے دکھائی گئی اور مجھے دو خزانے دیئے گئے ہیں ایک سرخ اور ایک سفید۔ یہ حدیث مسلم ابو داؤد ترمذی میں ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم نے ملک عرب سے باہر اپنی اُمت کی بادشاہت کی کھلی پیشگوئی کی تھی۔ اور موجودہ غلبہ کفر اس کو غلط نہیں کرتا اسلئے کہ اسی

ربّ کے سرخ اور سفید خزانوں سے مراد

حدیث میں یہ پیشگوئی بھی موجود ہے کہ مجھے دو خزانے دیئے گئے ایک سرخ اور ایک سفید اور سرخ خزانہ مشرقی اقوام کا اسلام میں داخل ہونا ہے اور سفید خزانہ مغربی اقوام کا جو سفید رنگ کی ہیں اور اس میں صاف بشارت ہے کہ جسطرح مشرق میں اسلام پھیلا مغرب میں بھی پھیلے گا اور یوں بھی مسلمان زمین کے وارث ہونگے اس لئے اگلی آیت میں توجہ دلائی کہ عابد بن جاؤ تو بادشاہت بھی تمہیں مل جائے گی ٭

رحمة للعالمین

۲۱۹۴ آنحضرت صلعم کو دنیا کی تمام قوموں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ یہ ایک عظیم الشان حقیقت ہے اس میں نہ صرف یہ بات بتائی گئی ہے کہ آپ کل دنیا کی طرف مبعوث ہوئے بلکہ یہ بھی کہ آپ رحمت کے رنگ میں مبعوث ہوئے اور دشمنوں کو تباہ اور برباد کرنے کے لئے نہیں آئے جیسا کہ زبور دشمنوں کی تباہی اور رسوائی کی دعاؤں سے بھری ہوئی ہے بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی نہ صرف آپنے ہی

دشمنوں کیلئے رحمت

رحم کا سلوک کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ رحم ہی کیا اور انکی ہلاکت محض انکی قوت توڑ دینے تک محدود کی نہ قوم کی تباہی اور بربادی پر۔ چنانچہ یہ تشریح ان الفاظ کی خود حدیث نبوی میں موجود ہے کہ جب آپسے کہا گیا کہ یا رسول اللہ مشرکوں پر بد دعا کیجئے تو آپنے فرمایا انی لم اُبعث لعانًا و انما بُعثت رحمۃ میں لعنت کرنے کیلئے مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں پس آپکے اعداسے اللہ تعالیٰ نے بھی رحم کا ہی سلوک کیا ہے۔ اور اسی بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے یہاں اس کا ذکر کیا کیونکہ یہاں ذکر تو یہی تھا کہ راستباز زمین کے وارث ہونگے اور یہ وراثت چاہتی تھی کہ دشمن برباد ہوں اور تباہ ہو جائیں تاکہ ان کی جگہ راستباز لیں۔ تو فرمایا کہ ایسا نہیں ہو گا اسلئے کہ ہم نے رسول کو رحمت بنا کر بھیجا ہے پس مسلمانوں کو زمین کی وراثت تو ملے گی مگر نہ پہلی قوموں کو برباد کر کے بلکہ ان پر رحم کے ذریعہ سے چنانچہ اسلام کی تاریخ میں ایسا ہی نظر آتا ہے کہ کسی قوم کو برباد نہیں کیا گیا ٭

غیر مسلموں کیلئے رحمت

ان الفاظ میں یہ بھی بتایا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ صرف دوست ہی اس سے فائدہ نہیں اُٹھائینگے بلکہ دشمن بھی اور یہ صرف مسلموں کیلئے ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کیلئے بھی ہے چنانچہ قرآن کریم کی تعلیم سے بہت سی ان قوموں نے فائدہ اُٹھایا ہے اور یہ ان کے حق میں رحمت ثابت ہوا ہے جنہوں نے بظاہر اسلام کو قبول نہیں کیا خود یورپ کی قومیں اسی رحمة للعالمین سے فائدہ اُٹھا رہی ہیں گو اس کی دشمن بھی ہیں وہ اصول سعی پر عمل پیرا ہیں جو انجیل کی نہیں بلکہ قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ وہ ہر بات میں ایک نظام رکھتی ہیں یہ بھی اسلام کی تعلیم ہے جس نے نماز اور خیرات تک میں اعلیٰ درجہ کا نظام قایم کیا وہ وقت کی قدر کرتی ہیں جو اسلام کی کھلی تعلیم ہے ان کا رستوں تک کا صاف رکھنا اسلام کی تعلیم اماطة الاذی عن الطریق پر عمل ہے اور آج بیسیوں خوبی کی باتیں جو ان میں ہم دیکھتے ہیں ایک ایک کر کے تعلیم اسلامی کا نتیجہ دکھائی جا سکتی ہیں ٭

۱۰۸ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

کہو میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو کیا تم (اللہ کے) فرمانبردار بنتے ہو

۱۰۹ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ

پھر اگر پھر جائیں تو کہدے میں نے تمہیں انصاف کی بات کہکر خبردار کر دیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے یا دور ہے

۱۱۰ مَّا تُوْعَدُوْنَ ○ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ○

جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ [۲۱۹۵] وہ پکار کر کہی ہوئی بات کو جانتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو

۱۱۱ ۱۱۲ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ○ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ

اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لئے آزمایش ہے اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانا (رسول نے) کہا میرے رب حق کے

النصف

بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ○

ساتھ فیصلہ فرما۔ اور ہمارا رب رحمان ہے جس سے ان باتوں پر مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو [۲۱۹۶]

اذن — ۲۱۹۵ اٰذنت۔ اٰذَنْتُهٗ بکذا اور اٰذَنْتُهٗ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ایک بات کا علم و یدینا دغ)، دیکھو ۱۲۳ و ۳۵۷۔ علی سواء کے لئے دیکھو ۴۵۵ اور انصاف کی بات یہ ہے کہ ایک خدا کو مان لیں۔ دوسری جگہ ہے تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم (آل عمران ۳ - ۶۳)۔

۲۱۹۶ مصائب اور مشکلات کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرنا چاہئے اور اسی سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ حق کے ساتھ فیصلہ کرے اور حق کو دنیا میں پھیلائے۔

سورة الحج مدنية وهي ثمان وسبعون آية وعشر ركوعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنیوالے کے نام سے

اس سورت کا نام الحج ہے اور اس میں دس رکوع اور ۷۸ آیتیں ہیں اور اس کا نام الحج اس حکم سے لیا گیا ہے جو حج کے متعلق اس سورت میں دیا گیا ہے حج ارکان اسلام میں سے چوتھا رکن ہے اور محبت الٰہی میں عاشقانہ رنگ پیدا کر کے اسے اس کی ترقی کے کمال تک پہنچاتا ہے اور محبت الٰہی جب کمال کو پہنچتی ہے تو انسان اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کیلئے قربان کر دیتا ہے یہانتک کہ جان بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیدیتا ہے اور یہی ضرورت اس وقت پیش آئی تھی اسلئے کہ کفار نے مسلمانوں کو تلوار کے ساتھ نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام الحج رکھا ہے +

خلاصہ مضمون

اس سورت کی ابتدا ازلزلۃ الساعۃ کے ذکر سے ہوئی ہے جس میں حق کی مخالفت کرنے والی قوم کی تباہی کا بھی ذکر ہے اور پھر بتایا ہے کہ محاسبۂ اعمال ضروری ہے۔ دوسرے رکوع میں بتایا ہے کہ حق کی نصرت یقینی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس نصرت کو روک نہیں سکتی۔ تیسرے رکوع میں اہل حق کے نیک انجام کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ انہیں خانہ کعبہ سے روکا گیا ہے اور مقام حرمت میں ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ چوتھے میں خانہ کعبہ کی ابتدا کا ذکر کر کے فرضیت حج کا ذکر کیا ہے پانچویں میں قربانی کی اصل غرض بتائی اسلئے کہ حج میں قربانی کرنی ضروری ہے۔ چھٹے میں مضمون کا انتقال ضرورت جنگ کی طرف کیا جس کیلئے اعلیٰ درجہ کی قربانیوں کی ضرورت تھی اور جس کا موقعہ اب آ چکا تھا۔ ساتویں میں اعدائے حق اور انکے انجام کا ذکر کیا۔ آٹھویں میں بتایا کہ مومن کامیاب ہونگے۔ نویں میں بتایا کہ توحید ایک مضبوط اصول ہے جس کی دنیا کی سب قوموں کو تعلیم دی گئی اور اب یہ دین توحید کی طرف ہی بلاتا ہے اور آخری رکوع میں شرک کی کمزوری اور بے بنیادی کا ذکر کر کے مسلمانوں کو بشارت دی اور ساتھ ہی سمجھایا کہ کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ پر پورا زور لگاؤ +

تعلق

پچھلی سورت سے اس کا تعلق یوں ہے کہ اس میں انبیاء کی کامیابی اور ان کے اعدا کی ہلاکت کا عام ذکر تھا یہاں اسبات کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ تمہیں بھی اپنے اعدا سے نجات دی جائے گی۔ مگر اس کیلئے جنگوں کی ضرورت پیش آئے گی +

زمانہ نزول

بعض لوگوں نے اس سورت کو مدنی قرار دیا ہے اور بعض نے اسے مکی قرار دیا ہے اور ابن عباس سے ایک روایت میں ہے کہ سوائے ھٰذان خصمان والی چار آیات کے یعنی آیت ۱۹ سے ۲۲ تک کے یہ سورت مکی ہے اور ان چار کو مدنی کہنا بھی اس وجہ سے ہے کہ وہ خصمان سے مراد جنگ بدر میں بالمقابل دو فریقوں کو لیتے ہیں۔ مگر اسکے لئے کوئی سند نہیں۔ البتہ اس سورت میں جنگ کی اجازت سے اور ہجرت کے ذکر سے یہ یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے آخری ایام کی ہے اور ممکن ہے کہ بعض آیات کا نزول بعد ہجرت ہوا ہو +

۲ يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا

اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو اُس گھڑی کا زلزلہ ایک بڑی چیز ہے ۲۱۹۷ جس دن تم اسے دیکھو گے

تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى

ہر دودھ پلانیوالی (بدحواس ہوکر) اسے چھوڑ دے گی جسے دودھ پلاتی تھی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور تو لوگوں کو

النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝

متوالے سمجھے گا حالانکہ وہ متوالے نہیں ہونگے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے ۲۱۹۸

ع ۱۰ — حق و باطل میں فیصلہ کا وقت

زلزلۃ الساعۃ

۲۱۹۷ زلزلۃ الساعۃ کیا چیز ہے مفسرین نے اختلاف کیا ہے کہ قیامت سے پہلے ہے یا قیامت یعنی مردوں کے جی اُٹھنے کے بعد روایات دونوں قسم کی ہیں اور بعض نے اسے قبل قیامت قرار دے کر اشراط الساعۃ میں سے لکھا ہے اور روح المعانی میں ہے کہ قیامت سے پیشتر ایک زلزلہ عظیم کی خبر بہت سے آثار میں پائی جاتی ہے اور اسے زلزلۃ الساعۃ اسلئے کہا کہ اسکے قرب میں اور اس کے نشانوں میں سے ہوگا۔ اور بعض احادیث کی رو سے اس کا وقوع مردوں کے جی اُٹھنے کے بعد ہے۔ اور ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے مگر مردوں کے جی اُٹھنے کے بعد حمل والی عورتیں اور دودھ پلانے والی عورتیں کہاں ہونگی دوسری آیات قرآنی پر جن میں زلزلہ کا ذکر ہے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ وہ ہے جس سے زمین تباہ ہو جائے گی مثلاً وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ (الحاقۃ ۶۹-۱۴) اور اذا رجت الارض رجا (الواقعۃ ۵۶-۴) کے بعد وکنتم ازواجا ثلثۃ آتا ہے اور وہ تین قسم قیامت میں ہونگے مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ قیام قیامت کے بعد زلزلہ ہوگا بلکہ پہلے زلزلہ عظیم آکر یہ نظام تباہ ہو جائے گا پھر قیامت قایم ہوکر لوگ تین گروہ ہو جائینگے اور اذا زلزلت الارض زلزالہا سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ زلزلہ کے ذکر کے بعد آتا ہے یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالہم (الزلزال ۹۹-۶) تو گویا اس سب کو ایک یوم قرار دیکر یوں فرمایا کہ پہلے زلزلہ سے اس نسل انسانی کا خاتمہ ہو جائیگا پھر مردے اُٹھینگے تاکہ اپنے اعمال کے نتائج دیکھیں پس زلزلۃ الساعۃ قبل قیامت ہی ہے مگر اس طرح پر کہ وہی قیامت کا انتہا ہے البتہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ساعتیں تین ہیں دیکھو ۱۰۰۸ اور لفظ ساعۃ کی تشریح کیلئے ۹۳۱ یعنی صغریٰ وسطےٰ کبریٰ۔ صغریٰ جو ہر انسان کی موت سے تعلق رکھتی ہے اس کا ذکر تو یہاں نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں خطاب سب لوگوں کو ہے۔ اور وسطےٰ اور کبریٰ دونوں قیامتوں پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں اور ساعت وسطےٰ کی صورت میں لفظ زلزلہ سے مراد زمین کا کانپنا نہیں بلکہ اھوال وشدائد جنگیں وغیرہ ہیں دیکھو ۲۷۳ اور زلزلہ سے یہاں مراد مجازاً اھوال وشدائد کا ہونا مفسرین نے بھی قبول کیا ہے والزلزال ھو ما یحصل للنفوس من الرعب والفزع کما قال اللہ تعالیٰ ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالا شدیدا یعنی زلزلہ سے مراد دلوں میں رعب اور گھبراہٹ کا پیدا ہونا ہے اور یہاں اس ساعت وسطیٰ کیطرف یقیناً اشارہ ہے اسلئے کہ پچھلی سورت کا خاتمہ اس ساعت وسطیٰ یعنی نشان ہلاکت کے ذکر پر ہوا تھا۔ تو اب کھولکر اسکے اہوال سے ڈرایا ہے اور ساعت وسطیٰ ساعت کبریٰ کیلئے بطور ایک گواہ کے ہے اسلئے اس کے قیام سے تقویٰ اللہ کیطرف دل مائل بھی ہوتے ہیں اور اس سورت میں آگے چل کر جنگ کی اجازت بھی دی ہے پس یہ تمام قرائن بتاتے ہیں کہ یہاں خصوصیت سے اشارہ ایک قوم کی ساعت وسطیٰ کیطرف ہے +

ذھل

۲۱۹۸ تذھل۔ ذھل ایک چیز کا چھوڑ دینا ہے خواہ ارادتاً چھوڑی جائے یا کوئی دوسرا شغل اس سے روک دے (ل) یا ایسی بات جس سے حزن اور نسیان پیدا ہو (غ) +

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۙ ٣

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے اور ہر بھلائیوں سے خالی شیطان کی پیروی کرتا ہے

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ ٤

اس کی نسبت لکھا جا چکا ہے کہ جو کوئی اسے دوست بناتا ہے وہ اسے گمراہ کر دیتا ہے اور اسے جلتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف لیجاتا ہے ٢١٩٩

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ ٥

اے لوگو اگر تمہیں جی اٹھنے میں شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ

نطفہ سے پھر لوتھڑے سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے جو (کبھی) پورا بن جاتا ہے اور (کبھی) ادھورا رہتا ہے تاکہ تمہارے لئے کھول کر بیان کردیں ٢٢٠٠

مرضع - مرضعة: مراضعة۔ رضع کیلئے دیکھو ٣٠٢ مُرْضِع اور مُرْضِعة میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ مراضع بلحاظ صفت دودھ پلانیوالی ہے اور مُرْضِعَة وہ ہے جو فی الواقع دودھ پلا رہی ہو یعنی جس کی چھاتیاں بچہ اس وقت چوس رہا ہو (ل) ۔

گھبراہٹ کی شدت کی یہ تصویر کھینچی ہے کیونکہ ماں کا دودھ پیتے ہوئے بچہ کو چھوڑنا یا حمل والی کا حمل گرجانا سخت ترین غم سے ہی ہو سکتا ہے اور سکاری سے مراد یہاں شراب سے بدمست ہے یعنی بدحواس ایسے ہونگے اور عقل پر اس قدر پردہ پڑا ہوا ہوگا کہ گویا شراب سے بدمست ہیں حالانکہ وہ بدحواسی شراب سے نہ ہوگی بلکہ شدت عذاب سے ہوگی ۔

٢١٩٩ ہر دو آیات عام ہیں نضر ابن الحرث ہو یا ابوجہل یا اور کوئی ان کا مثیل ۔ بلکہ ابوجہل اور اسکے مثیلوں کا ذکر شیطان مرید کے لفظ میں ہے اور اتباع کرنیوالے عام لوگ ہیں اور شیطان مرید سے رؤسائے کفار مراد ہونا مفسرین نے بھی مانا ہے (ر) اور اتباع کا لفظ انہی کیلئے زیادہ موزون ہے علیہ میں ضمیر اسی شیطان مرید کیطرف ہے کہ اسکی دوستی سے انجام کار قلب کو راحت نہیں ملتی بلکہ جلن ہی پیدا ہوتی ہے

علق - علقة: ٢٢٠٠ علقة۔ عَلَق کے اصل معنی کسی چیز کو مضبوط پکڑ لینا یا تعلق پیدا کر لینا ہیں اور عَلَقَة وہ خاص حالت ہے جس سے بچہ بنتا ہے (غ) اور اس کے معنی عموماً خون کا لوتھڑا کئے جاتے ہیں ۔

مضغة: مضغۃ گوشت کے ٹکڑے کو کہتے ہیں اس اندازہ سے جو چبایا جا سکے اور جنین کی اس حالت کا نام ہے جو علقہ کے بعد ہوتی ہے

مخلّقة: مخلّقة۔ خلق کیلئے دیکھو ٣٣ و ٤٣١ اور مُخَلَّقَة سے مراد تامۃ الخلق ہے یعنی جس کی پیدائش کمال کو پہنچ گئی اور ایک قول ہے

غیر مخلقة: کہ مخلقة وہ ہے جس کی خلق ظاہر ہو گئی اور غیر مخلقة وہ ہے جس کی تصویر نہیں بنی اور قِدْحٌ مُّخَلَّقٌ اس تیر کو کہتے ہیں جو برابر اور نرم کیا گیا (ل)

پیدائش جسمانی کے مختلف مراتب: جو لوگ موت کے بعد جی اٹھنے کو امر مستبعد خیال کرتے ہیں اور اس بنا پر اس میں شک کرتے ہیں کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے انکو بتایا ہے کہ انسان کی پہلی پیدائش پر غور کریں پہلی اس کی حالت مٹی کی ہوتی ہے گویا ہر انسان کی پیدائش مٹی سے شروع ہوتی ہے اس مٹی سے نطفہ بنتا ہے کیونکہ مٹی سے غذائیں غذاؤں سے خون صالح خون صالح سے منی بنتی ہے ۔ یہ انسان کی دوسری حالت ہے پھر یہ نطفہ رحم مادر سے تعلق پیدا کرتا ہے اور اس کی حالت علقہ کی ہو جاتی ہے ۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ علقہ اس حالت کا نام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں ایک نیا تعلق پیدا ہوتا ہے جو نطفہ رحم مادر سے تعلق پیدا نہیں کرتا وہ بچہ نہیں بنتا پس علقہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی ابتدائی حالت ہے پھر یہ نشوونما پاتا ہوا ایک گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے ۔ اور مخلقة اور غیر مخلقة سے صحیح مراد وہی ہے جو مجاہد نے کہا ہے یعنی مخلقة ﮈ

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا

اور ہم جو چاہتے ہیں رحموں میں ایک مقررہ وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر تمہیں بڑھاتے ہیں، تاکہ تم اپنے کمال

أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ

کو پہنچو اور تم میں سے کوئی ایسا ہے جو وفات پا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے وہ ہے جو نکمی عمر کی طرف لوٹا یا جاتا ہے تاکہ علم حاصل کرنے

مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا

کے بعد اسے کچھ علم نہ رہے ۲۲۰۱ اور تو زمین کو بے حس پڑی دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے

۶ الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ

ہیں تو وہ لہلہاتی ہے اور اُبھرتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما روئیدگی اگاتی ہے ۲۲۰۲ یہ اسلئے کہ

اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اللہ ہی حق ہے اور کہ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے ۲۲۰۳

ہو جس کی مدت حمل پوری ہو جاتی ہے اور غیر مخلقۃ وہ ہے جو ادھورا رہ کر ناتمام گر جاتا ہے (ر)۔ اور یہ مراتب اسلئے بیان کئے کہ تا انسان پر واضح ہو جائے کہ اگر ایسے حالات میں سے ایک خوبصورت انسان بن سکتا ہے تو اعمال سے اس کو ایک اور زندگی ملنا کونسا مستبعد امر ہے۔ اور دوسری طرف یہ خلق جسمانی کے مراتب خلق روحانی کے مراتب کے مقابل پر ہیں یعنی اعمال انسانی پہلے اسی طرح پراگندہ سے ہوتے ہیں جس طرح انسان کے اجزا مٹی میں پھر نطفہ کی حالت میں آ کر ان اعمال میں ایک غیر محسوس طریق پر زندگی پیدا ہوتی ہے مگر یہ زندگی نطفہ کی طرح قابل نشو و نما نہیں ہوتی جبتک کہ ان اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہ ہو پھر وہ تعلق کبھی ناقص ہوتا ہے کبھی کامل ۔

طفل **۲۲۰۱** طفل بچہ کو کہتے ہیں جبتک وہ نرم و نازک ہو۔ اطفال جمع ہے واذا بلغ الاطفال (النور ۲۴-۵۹) ۔

اس حصہ میں بتایا کہ بچہ ہونے سے انسان کس طرح ترقی کر کے اپنے جسمانی کمال کو پاتا ہے پھر اپنے روحانی کمال کو حاصل کرتا ہے اور کمال جسمانی کے بعد پھر اس میں زوال بھی آنے لگتا ہے جو اس کے مخلوق ہونے پر دلالت ہے اور یہ تنزل کی حالت یہانتک پہنچ جاتی ہے کہ انسان پھر ایک بچہ کی طرح ہو جاتا ہے اور سب کچھ حاصل کیا ہوا پھر بھول جاتا ہے ۔

ھامدۃ **۲۲۰۲** ھامدۃ ۔ ھمدت النار کے معنی ہیں آگ بجھ گئی اور ارض ھامدۃ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں سبزی کوئی نہ ہو (غ)۔

بہجۃ ۔ بھیج بھیج ۔ بھجۃ رنگ کی خوبصورتی اور خوشی کے ظاہر ہونے کو کہا جاتا ہے حدائق ذات بھجۃ (النمل ۲۷-۶۰) (غ) ۔

اس روحانی زندگی کے ذکر کو جو پہلے حصہ میں بطور اشارہ چلا آیا ہے یہاں مردہ زمین اور پانی کا ذکر کر کے زیادہ واضح کیا

۲۲۰۳ گویا اللہ تعالیٰ کے ان قانونوں سے معلوم ہوا کہ اللہ حق ہے اور جس طرح وہ مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے اسی طرح مردہ دلوں کو روحانی بارش یعنی وحی الٰہی سے زندہ کرتا ہے یحی الموتی سے یہاں یہی مراد ہے۔ قیامت میں مردوں کو اٹھانے کا ذکر اگلی آیت میں الگ ہے یعنی ساعت کا آنا اور جو قبروں میں ہیں ان کا اٹھا کھڑا کیا جانا ۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَمِنَ ٨

اور کہ وہ گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور کہ اللہ انہیں اٹھائیگا جو قبروں میں ہیں اور لوگوں میں سے

النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ ٩

کوئی ایسا ہے جو اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے حالانکہ نہ علم رکھتا ہے اور نہ ہدایت اور نہ روشنی دینے والی کتاب اعراض

عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ

کرنیوالا تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ کرے اس کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور ہم اسے قیامت کے

الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ع وَمِنَ ١١

ع ٢ ١٢

حق کیلئے نصرت الٰہی یقینی ہے

دن جلنے کا عذاب چکھائینگے ۲۲۰۴ یہ اس کی وجہ سے ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں اور لوگوں

النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ

میں سے کوئی ایسا ہے جو کنارہ پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے سو اگر اسے کوئی فائدہ پہنچا ہے تو اس پر مطمئن رہتا ہے اور اگر اسے تکلیف

فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۣ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝

پہنچتی ہے تو اپنے منہ پر الٹا پھر جاتا ہے دنیا اور آخرت میں گھاٹے میں رہا یہی کھلا گھاٹا ہے ۲۲۰۵

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ ١٢

اللہ کو چھوڑ کر اسے پکارتا ہے جو اسے نقصان نہیں دے سکتا اور جو اسے نفع نہیں پہنچا سکتا یہ پرلے درجہ کی گمراہی ہے

عطف — ثانی عطفه

۲۲۰۴ ثانی عطفه۔ ثنی کے لئے دیکھو ۱۴۴۲ عُطف کسی چیز کے متعلق کہا جاتا ہے جب اس کی ایک طرف دوسری پر دوہرا دی جائے اور عِطف انسان کی جانب اسکے سر سے لیکر ران تک ہے اور ثنیٔ عِطفه کے معنی ہیں اعراض کیا الگ ہو گیا جیسے نأبجانبه (بنی اسرائیل ۱۷-۸۳) (غ) +

علی حرف

۲۲۰۵ علی حرف۔ حَرف کے معنی کنارہ یا طرف بیان ہو چکے ہیں ۵۳۵ اور کہا جاتا ہے فلان علی حرف من امرہ یعنی اپنے معاملہ میں وہ ایک کنارہ پر کھڑا ہے گو یا انتظار کر رہا ہے کہ اگر آرام اور سکھ ملتا رہے تو خیر اور ذرا تکلیف پہنچی تو فوراً دوسری طرف مائل ہو گیا اور زجاج نے علیٰ حرف کے معنی علی شكٍ کئے ہیں یعنی شک کی حالت میں رہ کر (ل) +

علی وجهه — حق کو حق کی خاطر قبول کرنا چاہئے

علیٰ وجہہ سے مراد ہے کہ وہ دائیں بائیں التفات کئے بغیر الٹا پھر جائیگا اور بعض نے اسے بھاگ جانے سے کنایہ سمجھا ہے (ن) یہ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو دین کو دین کی خاطر قبول نہیں کرتے بلکہ دنیوی فوائد کیلئے قبول کرتے ہیں اسلئے جبتک کچھ فائدہ پہنچتا رہا خوش رہے لیکن دین کی خاطر بڑی بڑی تکلیفیں بھی اٹھانی پڑتی ہیں۔ بخاری میں ہے کہ ایک شخص مدینہ میں آتا پھر اس کی عورت لڑکا جنتی اور اس کی گھوڑیاں بچے جنتیں تو کہتا یہ اچھا دین ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کہتا یہ بڑا برا دین ہے ایسے لوگ اعراب

۱۳ ۱۴ يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ

اسے پکارتا ہے جس کا نقصان اسکے نفع سے قریب تر ہے کیا ہی برا دوست اور کیا ہی برا رفیق ہے ۲۲۰۶ اللہ ان لوگوں کو جو ایمان

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اللہ جو ارادہ

۱۵ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

کرتا ہے کر گزرتا ہے جسے یہ خیال ہے کہ اللہ اس (رسول) کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا

فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا

تو چاہیئے کہ وہ اپنے آپکو کسی ذریعہ سے آسمان پر پہنچائے پھر اسے قطع کردے پھر دیکھے کہ کیا اس کی کوششیں اسکو دور کردیتی ہے جس پر وہ

۱۶ يَغِيْظُ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝

غیظ میں ہے ۲۲۰۷ اور اسی طرح ہم نے اسے اتارا (کہ) کھلی آیتیں (ہیں) اور اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

میں سے تھے جنہیں دین کی خاطر کوئی دکھ اٹھانا نہیں پڑا ورنہ ابتدائی مسلمانوں کا بیشتر حصہ وہ تھا جنہوں نے دین کی خاطر سر بھی دیدیئے اور یہاں یہ سمجھایا ہے کہ حق کو حق کی خاطر قبول کرنا چاہیئے نہ اس لئے کہ اس سے کوئی دنیوی فائدہ پہنچتا یا نقصان دور ہوتا ہے ۰

۲۲۰۶ پہلی آیت میں ذکر ہے کہ وہ اسے بلاتا ہے جو نہ اسے نفع پہنچاسکتا ہے نہ نقصان اور دوسری میں یہ ہے کہ اسے بلاتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے قریب تر ہے اور ان دونوں باتوں میں تناقض سمجھا گیا ہے حالانکہ تناقض فی الحقیقت کوئی نہیں معبود باطل فی الحقیقت نہ نفع پہنچاسکتا ہے نہ نقصان یعنی نہ وہ کسی کا کچھ بنا سکتا ہے نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ مگر اسکی عبادت عبادت کرنیوالے کو یقیناً نقصان پہنچاتی ہے اور عبادت کرنیوالا اس میں نفع سمجھتا ہے تو یہ نقصان اس کے فرضی نفع سے قریب تر ہے یعنی نفع کی امید تو اسے آیندہ کیلئے ہے اور نقصان اسکے اخلاق کو جب وہ اپنے آپکو ایک مخلوق کے سامنے گراتا ہے فوراً پہنچ جاتا ہے ۰

قطع

۲۲۰۷ یقطع۔ قطع کے معنی کسی چیز کا علیحدہ کردینا ہیں خواہ وہ مادی چیز ہو جو آنکھ سے دیکھی جاسکے اور خواہ بصیرت سے معلوم کی جاتی ہو (غ) اور یہاں حبل یعنی رسہ کا قطع کرنا بھی مراد لیا گیا اور اجل یعنی زندگی کا قطع کرنا بھی (غ) ۰

حق کی نصرت کو کوئی نہیں روک سکتا سبب

من ینصرہ میں ضمیرہ کی رسول اللہ صلعم کیلئے ہے اور یہ ابن عباس اور دوسرے مفسرین سے مروی ہے (ر) اور خود قرینہ بھی یہی چاہتا ہے اسلئے کہ ذکر رسول اللہ صلعم سے جھگڑنے والوں کا ہے فلیمد دبسبب الی السماء ثم لیقطع کے ایک معنی سبب کے معنی رسہ اور سماء کے معنی سقف بیت یعنی گھر کی چھت لیکر اور یقطع کے معنی یختنق یعنی گلا گھونٹ لے لیکر یہ کئے گئے ہیں کہ چھت سے رسہ لٹکا کر پھانسی لیلے یعنی نصرت تو بہرحال آئیگی مگر چونکہ سبب کے معنی کوئی ذریعہ ہیں جس سے کسی چیز تک پہنچا جائے ملا ۲۰۷ اسلئے یوں بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ نصرت الٰہی تو رسول کیلئے آئیگی جو شخص اسے روکنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ کسی ذریعہ سے آسمان پر پہنچ کر یعنی اللہ تعالےٰ تک رسائی حاصل کرکے اس نصرت کو قطع کردے مگر کسی کی کوشش کچھ نہیں کرسکتی۔ اور رسول

۱۷ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَ

جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہیں اور صابی اور نصرانی اور مجوس اور

الَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

جو مشرک ہیں اللہ انکے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا اللہ ہر چیز پر گواہ

۱۸ شَهِيدٌ ○ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَ

ہے ۲۲۰۸ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ کی ہی فرمانبرداری کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ

سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جاندار اور بہت سے لوگ (بھی)

وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ

اور بہت (ایسے ہیں کہ) عذاب ان پر لازم ہوگیا۔ اور جسے اللہ ذلیل کرے تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں اللہ جو

السجدۃ ۱۹ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۩ ○ هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ

چاہتا ہے کرتا ہے ۲۲۰۹ یہ دو جھگڑنے والے ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا

کیلئے نصرت کا آنا یقینی ہے کسی کے غیظ و غضب سے یہ سلسلہ قطع نہیں ہو سکتا ٭

مجوس

۲۲۰۸ مجوس۔ وہ لوگ جو خالق نور اور خالق ظلمت الگ الگ مانتے ہیں اور آتش پرست ہیں حدیث میں یُمَجِّسانہ آیا ہے یعنی اسے مجوسیوں کے دین کی تعلیم دیتے ہیں (ل) ٭

اختلاف عقاید مٹ نہیں سکتا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اختلاف عقاید اس دنیا میں رہیگا اور اس کا فیصلہ قیامت میں ہی ہوگا یہ نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان ادیان کو بکلی مٹادے

سجدۂ تسخیری اور سجدۂ اختیاری

۲۲۰۹ سجدہ کیلئے دیکھو ۵۲ بعض مخلوق صرف سجدۂ تسخیری کرتی ہے اور بعض یعنی انسان دوسری مخلوق کے ساتھ سجدۂ تسخیری میں شامل ہے اور سجدہ اختیاری اس کا امتیاز ہے اسلئے پہلے من فی الارض میں انسان بھی شامل ہے اور سجدہ تسخیری میں اس کا بھی ذکر ہے اور اسکے بعد جو سورج چاند درختوں وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ صرف یہ بتانے کیلئے ہے کہ یہ چیزیں جن کی بعض لوگ عبادت کرتے ہیں یہ خود اللہ تعالےٰ کے قانون میں جکڑی ہوئی اور اس کے احکام کے پابند ہیں جتنی چیزوں کا یہاں نام لیا ہے ان سب کی عبادت کی گئی ہے یہانتک کہ درختوں اور چارپایوں کی بھی لوگوں نے عبادت کی ہے۔ اور کثیر من الناس میں سجدہ اختیاری کا ذکر ہے مگر اس سے بھی لازماً مراد صرف زمین پر ماتھے کا رکھنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری ہے اور ان لوگوں کا ذکر جو احکام الٰہی کی فرمانبرداری نہیں کرتے کثیر حق علیہ العذاب میں کیا یعنی انہوں نے سجدہ اختیاری سے انکار کرکے اپنے آپ کو سزا کا مستوجب کر لیا۔ اور آخر پھر بھی اللہ تعالےٰ کے قانون سے باہر نہ نکل سکے۔ لان من دون اللہ کی فرمانبرداری اور عبادت انسان کو ذلیل کرنے والی شے ہے اور اللہ کی فرمانبرداری اسے عزت دینے والی ہے ٭

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ

تو جو کافر ہیں ان کیلئے آگ کے کپڑے قطع کئے گئے ہیں انکے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی ڈالا

٢٠ ٢١ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝

جائیگا ٢٢١٠ اس سے جو کچھ انکے پیٹوں میں ہے اور کھالیں گل جائینگی ٢٢١١ اور انکے لئے لوہے کے گرز ہونگے ٢٢١٢

٢٢ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝

جب کبھی ارادہ کرینگے کہ اس سے (یعنی) غم سے نکل جائیں اس میں لوٹائے جائینگے اور جلنے کا عذاب چکھو ٢٢١٣

ع ٣ — اہل حق کا خانہ کعبہ سے روکا جانا

٢٣ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں باغوں میں داخل کرے گا جنکے نیچے نہریں

الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝

بہتی ہیں ان میں انہیں سونے کے کڑے اور موتی پہنائے جائینگے اور ان کا لباس ان میں ریشم کا ہوگا

صبّ — ٢٢١٠ یصب ۔ صَبّ پانی کا اوپر سے گرانا ہے ۔ انا صببنا الماء صبّا (عبس ۔ ٢٥) فصب علیہم ربک سوط عذاب (الفجر ١٣) (غ ٨٩)
هٰذٰنِ خصمان کے متعلق قیس کی روایت ابوذر سے بخاری میں ہے کہ بدر کے دن حضرت علی اور آپکے دو ساتھیوں اور عتبہ اور اسکے دو ساتھیوں کے حق میں یہ نازل ہوئی مگر یہ سورت مکی ہے اور صحیح یہی ہے کہ دو جھگڑنے والوں سے مراد مومنوں اور کافروں کے فریق ہیں (د) جن میں سے ایک فریق حق کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے اور دوسرا فریق اللہ تعالیٰ کی توحید کو اور نیکی کو دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے چنانچہ اسکی وضاحت آیت ٢٥ میں کردی ہے اور آگ کے کپڑے قطع کرنا بطور مجاز ہے کیونکہ کپڑے تو انسان کی پردہ پوشی اور زینت کیلئے ہوتے ہیں ان کی پردہ پوشی اور زینت کا کام آگ دے گی ۔ ایسا ہی سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالنا اس وجہ سے ہے کہ وہ سر کو اللہ تعالیٰ کے آگے نیچا نہ کرتے تھے

صَھَر صِھْر — ٢٢١١ یصھر ۔ صَھْر ۔ چربی کا پگھلانا ہے ۔ اور صِھْر بیٹی اور بہن کے خاوند کو کہتے ہیں اور عورت کے اہل بیت اصھار کہلاتے ہیں فجعلہ نسبا وصھرا (الفرقان ٢٥ ۔ ٥٤) (غ) ✤

عذاب کی غرض — وہ آلائشیں جو ان کے اندر جمع ہوگئی ہیں وہ بھی نکال دی جائینگی اور جلد یعنی باہر کا حصہ بھی صاف کردیا جائے گا ✤

مقمع — ٢٢١٢ مقامع ۔ مِقْمَع کی جمع ہے جس سے مار کر مطیع کیا جاتا ہے یا یضرب بہ ویذلل اور قمعتہ فانقمع کے معنی ہیں میں نے اسے روکا سو وہ رک گیا (غ) اور قمع کے اصل معنی ہی مغلوب اور مطیع کرنا ہیں اور مِقْمَع گرز یا کوڑے کو کہا جاتا ہے (ل) ✤

قمع

عذاب کی غرض — معلوم ہوا اس کی اصل غرض بھی انکی سرکشی کے مادہ کو دور کرنا اور ان میں اطاعت اور فرمانبرداری کی روح پیدا کرنا ہے ✤

عذاب کی نوعیت — ٢٢١٣ من غم کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں یا یہ منہا سے بدل ہے یعنی اس غم سے باہر نکل جانا جو ان کے لاحق حال ہے گو یا بتایا ہے کہ اصل عذاب انکا وہ غم ہے جو ان کے دلوں کو کھا رہا ہے اور وہی آگ بنکر ان کے جسموں پر محیط ہو جائے گا اور یا من غم علت خروج ہے یعنی اس غم کی وجہ سے نکلنا چاہینگے جو انہیں ہوگا ۔ اور بعض نے غم سے مراد یہاں ڈھانک دینے والا عذاب لیا ہے ✤

۲۴ وَهُدُوٓا۟ إِلَى ٱلطَّيِّبِ مِنَ ٱلْقَوْلِ وَهُدُوٓا۟ إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلْحَمِيدِ ۝ ۲۵ إِنَّ

اور ان کو پاک بات کی طرف ہدایت کی گئی اور انہیں تعریف کئے گئے رستہ کیطرف ہدایت کیگئی ہے ۲۲۱۴ جو

ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ ٱلَّذِى جَعَلْنَٰهُ لِلنَّاسِ

لوگ کفر کرتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور مسجد حرام سے جسے ہم نے سب لوگوں کے لئے یکساں

سَوَآءً ٱلْعَٰكِفُ فِيهِ وَٱلْبَادِ ۚ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

بنایا ہے (خواہ) اس میں بسنے والا ہو اور (خواہ) باہر سے آنیوالا اور جو کوئی اس میں ظلم کیساتھ ناانصافی کا ارادہ کرے اسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائینگے ۲۲۱۵

قول طیب اور صراط الحمید

۲۲۱۴ اس ہدایت سے مراد اس دنیا کی زندگی میں ہدایت ہے اور طیب من القول توحید ہے یا سب اچھی باتوں کا اقرار اور صراط الحمید میں اضافت بیانیہ ہے یعنی ایسا رستہ جو محمود ہے اور مراد اس سے ہر قسم کے اچھے فعل ہیں کیونکہ رستہ پر چلنا بذریعہ افعال کے ہے اور بتایا ہے کہ جنت انسان کی پاک باتوں اور اچھے فعلوں سے ہی پیدا ہوتی ہے اور صراط الحمید میں بعض نے الحمید سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صراط سے مراد اس کا بنایا ہوا رستہ یعنی اسلام ہوگا +

اعدائے حق

۲۲۱۵ اس آیت میں یہ واضح کردیا ہے کہ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو شرارت کی راہ سے لوگوں کو حق کے قبول کرنے سے روکتے تھے اور مسجد حرام سے بھی روکتے تھے اور یہ کفار مکہ تھے جن کی اذیت مسلمانوں کے حق میں اسوقت کمال کو پہنچ چکی تھی جس کی وجہ سے مسلمان مکہ کو چھوڑ کر بھاگ رہے تھے +

مکانات مکہ کی بیع اور کرایہ

مسجد حرام کی حرمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مکہ کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنیوالے سب اس میں برابر ہیں تو اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ اس میں مکانوں کا کرایہ حاجیوں سے لینا جائز نہیں اور بعض نے اسی بنا پر وہاں کے مکانات کی بیع کو بھی جائز نہیں رکھا مگر امام شافعی کے نزدیک یہ جائز ہے اور درست بھی یہی معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ یہاں ذکر یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اسکے مقابل پر عاکف اور باد کا برابر ہونا اسی لحاظ سے ہوسکتا ہے کہ اس میں عبادت کرنے سے کسی کو نہ روکا جائے اور مکانات کا بیع ہونا روایات سے ثابت ہے چنانچہ حضرت عمر نے دار السجن کو خریدا اس میں شک نہیں کہ دوسری طرف بھی بعض روایات ہیں مثلاً ایک شخص نے اپنے گھر کو دروازہ لگایا تو حضرت عمر نے ناپسند فرمایا اور کہا کہ تم حاجیوں کو گھر میں جگہ دینے سے روکتے ہو تو اس نے کہا کہ میں نے ان کے اسباب کی حفاظت کیلئے دروازہ لگایا ہے مگر اس سے صرف اسی قدر اخذ ہوسکتا ہے کہ جسکے پاس جگہ ہو اس کا فرض ہے کہ حاجیوں کو آرام دے البتہ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص مکہ کے گھروں کا کرایہ کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتا ہے لیکن جس مکان کی بیع جائز ہے اسکے کرایہ کا ناجائز ہونا خلاف اصول ہے +

الحاد

من یرد فیہ بالحاد بظلم سے کیا مراد ہے الحاد کیلئے دیکھو ۱۰۸۶ اور الحد فلان کے معنی ہیں مال عن الحق یعنی حق سے مائل ہوگیا یعنی حق بات کو ترک کردیا اور خانہ کعبہ کے متعلق الحاد یہ ہے کہ جو اس کی غرض ہے اسے پورا نہ ہونے دیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ نے تو اسے اپنی عبادت کا گھر اور لوگوں کا مرجع بنایا تو جو شخص اللہ کے نام لینے والوں کو اس سے روکتا ہے وہ اس میں الحاد چاہتا ہے اور بظلم ساتھ بڑھایا ان مظالم کیطرف اشارہ کرنے کیلئے جو مسلمانوں پر ہو رہے تھے اور یہ جو الحاد میں شرک اور احتکار غلہ وغیرہ کو داخل کیا ہے تو یہ چیزیں من وجہ الحاد میں داخل ہوسکتی ہیں مگر اصل غرض یہ نہیں +

ع ۸ — حج کی اذن فرضیت

۲۶ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ

اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ (کعبہ) کی جگہ کو مرجع بنایا کہ ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور قیام کرنیوالوں

۲۷ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى

اور رکوع (اور) سجدہ کرنیوالوں کیلئے پاک کر ۲۲۱۶ اور لوگوں میں حج کیلئے ندا کردے وہ تیری طرف آئینگے (کچھ) پیدل اور (کچھ) ہر طرح

۲۸ كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا

کی دبلی (سواریوں) پر جو ہر دور کے رستے سے آتی ہونگی ۲۲۱۷ تاکہ اپنے فائدہ کی باتوں پر گواہ ہوں اور مقرر دنوں میں

اسْمَ اللّٰهِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ

اللہ کے نام کا ذکر اس پر کریں جو اس نے انہیں چارپائے جانور دیئے ہیں۔

بوّأ — تطہیر خانہ کعبہ

۲۲۱۶ بوّأ کیلئے دیکھو ۵۰۰ و ۹۱ چونکہ باء بمعنی وجہ بھی آتا ہے اسلئے بوّانا کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں ہم نے اس کیلئے مرجع بنایا اور ہم نے اس کو جگہ دی اور زجاج نے معنی کئے ہیں ہم نے اسے خانہ کعبہ کی جگہ بتا دی اور طہر بیتی سے مراد ہے شرک سے پاک کر اور یہ مجاہد سے مروی ہے (ج) اور شرک کے ذکر کے بعد طہر کا لانا بتاتا ہے کہ اسی سے پاک کرنا مراد ہے اور پھر طواف قیام رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک کرنا بھی یہی ہو سکتا ہے یہی مضمون البقرۃ ۲-۱۲۵ میں بھی آچکا ہے۔ دیکھو ۱۵۹ ٭

حضرت ابراہیم کے خانہ کعبہ سے تعلق پر بحث ۱۵۷ میں گزر چکی ہے اور ۱۶۲ میں بتایا گیا ہے کہ خانہ کعبہ کو کب کب اور کس کس نے بنایا۔ خانہ کعبہ کا موجودہ طول و عرض وغیرہ حسب ذیل ہے بلندی ۲۷ ہاتھ طول ۲۵ ہاتھ عرض ۲۰ ہاتھ ٭

ضمر — ضامر

۲۲۱۷ ضامر ضمر اور ضمور ھزال یعنی دُبلاپن کو کہتے ہیں اور اَضمَرَ کے معنی ہیں ایک چیز کو مخفی کیا (دل) اور اسی سے ضمیر ہے اسلئے کہ اس پر اطلاع پانا کچھ مشکل ہوتا ہے یعنی وہ چیز صاف طور پر بیان نہیں ہوتی اور ضامر تھوڑے گوشت والے گھوڑے وغیرہ کو کہا جاتا ہے جس کی گوشت کی کمی اس کے زیادہ کام کرنے کا نتیجہ ہو نہ ھزال سے (غ) اور ضامر کے لفظ میں اشارہ ہے کہ لوگ بڑی بڑی مشقتیں اُٹھا کر خانہ کعبہ کی زیارت کو آئینگے ٭

عمیق

عمیق۔ عُمق اس بُعد کو کہتے ہیں جو نیچے ہونے کے لحاظ سے ہو اور یہاں عمیق مطلق بعید کے معنی میں ہے (غ) ٭

ارکان حج کی ابتدا

اَذِّن میں خطاب عموماً حضرت ابراہیم سے مانا گیا ہے گویا ارکان حج حضرت ابراہیم کے قائم کردہ ہیں اور خانہ کعبہ کا حج ان کے ذریعہ ہی مقرر ہوا اور اذّن میں اسی قسم کا اعلان ہے جیسا اذان من اللہ و رسولہ میں اور یہ خیالات کہ حضرت ابراہیم کی آواز دنیا میں پہنچانے کیلئے پہاڑ نیچے کئے گئے اور بستیاں بلند کی گئیں یا اصلاب اور ارحام میں آواز پہنچائی گئی محض خیالات ہی ہیں جس طرح انبیاء کی تبلیغ دنیا میں پہنچتی ہے اسی طرح حضرت ابراہیم کی آواز بھی پہنچی۔ اور بعض کے نزدیک یہ خطاب آنحضرت صلعم سے ہے جس کا حکم آپکو حجۃ الوداع میں دیا گیا لیکن یہ سورت مکی ہے اور حجۃ الوداع میں اس آیت کا نزول صحیح نہیں بلکہ خطاب

فرضیت حج

آنحضرت صلعم سے ہے اور اس میں حج کی فرضیت کا ذکر ہے ٭

فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۞ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا ۲۹

سو ان سے کھاؤ اور تکلیف والے محتاج کو کھلاؤ ۲۲۱۸ پھر چاہیئے کہ اپنی میل کچیل دور کریں اور اپنی نذروں کو

نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۞

پورا کریں اور آزاد گھر کا طواف کریں ۲۲۱۹

بائس ۔ بؤس

۲۲۱۸ بائس ۔ وہ ہے جسے بُؤس پہنچا ہو دیکھو ۲۱۵ اور بؤس اس شدت کو کہتے ہیں جو فقر کی وجہ سے ہو (غ)

حج کے منافع

منافع سے مراد دنیوی اور اُخروی دونوں قسم کے فوائد لئے گئے ہیں مگر اصل غرض منافع اُخروی ہیں اور منافع کی تنکیر ان کی عظمت اور کثرت کیلئے ہے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑا نفع ہے مگر لفظ کا جمع لانا خود بتاتا ہے کہ اس میں مختلف قسم کے فوائد شامل ہیں اور حج میں روحانی فوائد بہت کثرت سے ہیں انہی میں سے ایک مساوات کا وہ منظر ہے جو سوائے حج کے اور دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا ۔ ایسا ہی سب مسلمانوں کا ملکر دعا کرنا وغیرہ ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کا دل پر اثر مسلمانان عالم میں اتحاد ۔ اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کی تجاویز کو عمل میں لانا وغیرہ +

اعمال حج کی اصل غرض

ایام معلومات سے مراد عموماً ایام نحر لئے گئے ہیں یعنی عید کا دن اور دو دن اس کے بعد کیونکہ یہاں قربانیوں کا خاص طور پر ذکر ہے اور فی الحقیقت ایام حج بھی اس میں شامل ہیں اس لئے کہ قربانی حج کی آخری منزل ہے اور امام ابوحنیفہ نے ذوالحج کے دس دن ہی مراد لئے ہیں پس مراد صرف جانوروں کو ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام لینا نہیں بلکہ عبادت مراد ہے یہاں تک کہ قربانی کا دن آجائے اور ان الفاظ میں یہ ذکر اسلئے کیا کہ تا قربانی کی اصل غرض کی طرف توجہ دلائی جائے ۔ اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ اعمال حج کل کے کل صرف اللہ کے ذکر کیلئے ہیں اور اسی بات کو کہ قربانی کی غرض ذکر اللہ

قربانی کا گوشت

کس طرح پر ہے اور کھول کر آیت ۳۴ میں بیان کیا ہے ۔ اور آخر پر ہدایت فرمائی کہ قربانیوں کے گوشت سے خود بھی کھاؤ جس میں دوستوں عزیزوں کو کھلانا بھی آجاتا ہے اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانیوں کا گوشت ضائع نہیں ہونا چاہیئے اور اس میں سے ایک حصہ محتاجوں کو بھی کھلانا چاہیئے +

تفث ۔ قضاء

۲۲۱۹ تفث ۔ اصل میں ناخن کی میل کو کہا جاتا ہے اور ایسی چیز کو جسے بدن سے دور کرنا چاہیئے ۔ اور قضاء کے معنی چونکہ قطع کرنا آتے ہیں اسلئے یہاں مراد اس کا ازالہ ہے (غ) +

عتیق

عتیق ۔ متقدم کو کہتے ہیں یعنی جو دوسروں سے آگے بڑھا ہوا ہو خواہ زمانہ کے لحاظ سے ہو یا مکان کے یا رتبہ کے اسلئے قدیم کو بھی عتیق کہا جاتا ہے اور کریم کو بھی اور جو غلامی سے آزاد ہوا سے بھی اور خانہ کعبہ کو عتیق اسلئے کہا کہ وہ اس سے ہمیشہ آزاد

عتق

رہا ہے کہ جبابرہ اس کو ذلت پہنچا سکیں (غ) اور عتق خلاف رِق ہے اور اس کے معنی حریت ہیں ۔ اور عتیق حضرت ابو بکر

خانہ کعبہ کو بیت عتیق کہنے کی وجہ

صدیق کا نام ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اَنْتَ عَتِيْقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ یعنی آگ سے آزاد کیا گیا ۔ اور حدیث ابن زبیر میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام اسلئے بیت عتیق رکھا ہے کہ اسے ظالم حملہ آوروں سے آزاد کیا اور کبھی کوئی ظالم حملہ آور اس پر غالب نہیں آیا اور بیت عتیق اس کے قدیم ہونے کے لحاظ سے بھی اس کا نام ہے کیونکہ وہ اول بیت وضع للناس ہے دل ، پس عتیق کے معنی قدیم بھی ہیں اور آزاد یا اعلیٰ درجہ کا بھی اور روح المعانی میں ہے تُبّع نے اس کا قصد کیا تو اسے فالج ہو گیا ۔ اور ابرہہ نے قصد کیا تو اس کا قصہ اصحاب فیل کے واقعہ کے نام سے مشہور ہے اور حجاج کا منشا کعبہ کی اہانت نہ تھا بلکہ ابن زبیر کا اخراج اور قرامطہ کا حجر اسود کے جانا بشا بد اسی قبیل سے تھا +

۳۰ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ

یہ (یوں ہو) اور جو شخص اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرتا ہے تو وہ اسکے رب کے نزدیک اس کے لئے بہتر ہو اور تمہارے لئے

لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ

چارپائے حلال ہیں سوائے اسکے جو تم پر پڑھا جاتا ہو پس بتوں کی ناپاکی سے بچو اور

۳۱ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

جھوٹ بات سے بچو ۲۲۲ اللہ کیلئے یکسو ہوکر اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتے ہوئے اور جو کوئی اللہ کیساتھ شریک بناتا

فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ

تو گویا وہ بلندی سے گر پڑا پھر اسے پرندے اُچک لیں یا ہوا اسے اُڑا کر دور کے مکان میں پھینک دے ۲۲۱

ظاہری صفائی کی تاکید

یہاں مطلب تو صرف اس قدر تھا کہ قربانی سے فارغ ہو کر بال وغیرہ کٹوا لیں یا حالت احرام سے نکل جائیں مگر اس کو ادا ان الفاظ میں کیا ہو کہ اپنی میل کچیل کو دور کریں اور میل کیلئے بھی ناخن کی میل کا لفظ استعمال کیا ہے جس میں یہ بتانا مقصود ہو کہ ایام حج میں بعض افعال کا نہ کرنا جیسے بال یا ناخن کتروانا وغیرہ ایک خاص مقصد کیلئے ہے۔ ورنہ اللہ تعالےٰ اسے پسند نہیں کرتا کہ ایک مسلمان کا ناخن بھی ایسا ہو کہ اس میں میل ہو اس میں اعلیٰ درجہ کی جسمانی صفائی کی تعلیم دی ہو اور نبی کریم صلعم کے حالات سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ جسم کی ظاہری صفائی کے تمام مراتب کو بدرجہ غایت ملحوظ رکھتے تھے ٭

نذروں کے پورا کرنے سے مراد اعمال حج کا پورا کرنا بھی ہو سکتا ہو اور ابن عباس نے اسکی تخصیص قربانیوں سے کی ہو اور ایسے نیک عمل بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اپنے اوپر واجب کر لئے ہوں اور یہاں طواف کے خاص حکم سے مراد طواف افاضہ ہو جو قربانی کے دن ہوتا ہو اور بعض نے طواف الصدر بھی مراد لیا ہو یعنی روانگی کے وقت کا طواف ٭

طواف افاضہ طواف صدر

ذٰلک

۲۲۲ ذٰلک (ذٰلک (ر)) - یہ اور ایسے ہی دوسرے اسمائے اشارہ دو کلاموں کے درمیان فصل کیلئے رکھے جاتے ہیں اور مراد ہو الامر

حرمات

حرمات - حُرمۃ کی جمع ہو وہ چیزیں جن کا احترام واجب ہے اور وہ تمام مناسک حج ہیں اور ابن زید کہتے ہیں پانچ چیزیں ہیں - مشعر حرام - مسجد حرام - بیت حرام - شہر حرام اور مُحرم ٭

وثن

اوثان - وَثن جو اپنی جگہ پر ٹھہرا ہوا ہو اور حرکت نہ کرے اور وَثن صنم یعنی بت کو کہتے ہیں یا چھوٹے بت کو اور ابن اثیر نے وَثن اور صنم میں یہ فرق کیا ہو کہ وثن وہ ہو جس کیلئے جثہ ہو خواہ وہ زمین کے جواہر سے بنایا گیا ہو یا لکڑی اور پتھر سے (ل) مثلاً آدمی کی صورت پر جو بنایا جائے اور قایم کیا جائے اور اسکی عبادت کیجائے اور صنم صورت بلا جثہ ہو اور بعض نے دونوں میں کچھ فرق نہیں کیا

وثن اور صنم میں فرق

جب ظاہری میل کچیل کا ذکر کیا تو دو اندرونی ناپاکیوں کا بھی ذکر کیا یعنی ایک بتوں کی ناپاکی اور دوسرے جھوٹ کی ناپاکی اسلئے کہ خانہ کعبہ توحید کا نشان ہو اور صدق توحید کیطرح تمام نیکیوں کی جڑ ہو گو یا بتایا کہ حج کرتے ہو تو ہر قسم کی اندرونی ناپاکیوں سے بھی بچو اور انعام کا ذکر جو نکہ حج میں آتا تھا اسلئے انکا بھی یہاں ذکر کیا ہو اور اسلئے بھی کہ چارپایوں کے ساتھ بہت سی مشرکانہ رسوم کو وابستہ کیا گیا تھا

سحق - سحیق

۲۲۱ سحیق - سَحْق کسی چیز کا باریک پیسنا ہو اور سُحق کے معنی بُعد یعنی دوری ہیں فسحقا لاصحٰب السعیر (الملک ۔ ۱۱) اور سحیق کے معنی بعید ہیں (ل) ٭

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ ۳۲

یہ درست ہے، اور جو کوئی اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے ۲۲۲۲ تمہارے لئے ان میں ایک مقرر

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ ع وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا ۳۳

ع ۵

وقت تک فائدے ہیں پھر انکی آخری منزل آزاد گھر کیطرف ہے ۲۲۲۳ اور ہر قوم کیلئے ہم نے عبادت مقرر کی ہے

لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

تاکہ اللہ کا نام اس پر یاد کریں جو اس نے انہیں چارپائے جانوروں سے دیئے ہیں پس تمہارا معبود ایک ہی معبود

وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ ۳۴

ہے سو اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ اور عاجزی اختیار کرنیوالوں کو خوشخبری دو ۲۲۲۴ وہ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے

شرک میں ذلت

اس میں شرک کا انجام بتایا گویا توحید سے انسان کا مقام بلند ہوتا ہے اور شرک کرکے وہ اپنے آپ کو نیچے گراتا ہے اور مشرک فی الواقع اپنے آپکو اس قدر ذلیل کرتا ہے کہ اس سے بڑھکر انسان کی ذلت نہیں ہوسکتی۔ اور خر من السماء اس لئے فرمایا کہ فطرتاً تو انسان کو بلند مقام پر کھڑا کیا گیا ہے پس شرک کو اختیار کرنا اس مقام بلند سے گرنا ہے اور پرندوں کے اچک لیجانے کی تشبیہ خواہشات سفلی کے افکار کو پریشان کرنے سے ہے کیونکہ ایسے شخص کو اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا اور ہوا کے دور پھینک دینے سے مراد ضلالت میں اس قدر دور نکل جانا ہے کہ جس کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے کچھ نہیں۔

افعال حج کا مقصد

۲۲۲۲ گو ہر عبادت کے ظاہری ارکان ہیں جیسے حج کے مگر ان تمام افعال کا مقصد بھی دل کی حالت کا بدلنا ہے اور دل میں تقویٰ پیدا کرنا اسلئے فرمایا کہ شعائر اللہ کی تعظیم سے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی عزت پیدا کرو۔ شعائر اللہ کیلئے دیکھو ۱۸۱ اس سے مراد تمام وہ امور ہیں جن میں انسان شرعاً مکلف کیا گیا ہے یعنی سب حدود و فرائض اور خصوصیت سے اعمال حج بھی ہوسکتے ہیں اور قربانیاں بھی۔

۲۲۲۳ مَحِلّ مصدر بھی ہے اور مَحِلُّ الدَّيْن کے معنی ہیں قرضہ کی اجل یعنی اس کا مقرر وقت (ل) اور یا وقت نحر مراد ہے (د) اور فیہا میں قربانیوں کی طرف ہی اشارہ ہے جیسا کہ اگلے رکوع کے مضمون سے ظاہر ہے اور بعض نے کل اعمال حج مراد لیکر محلہا کے معنی لوگوں کا حالت

حج کل عبادتوں کا منتہیٰ ہے

احرام سے نکلنا لیا ہے اور کل حدود و فرائض کو مراد لیکر یوں بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ تمام احکام دینی کی آخری منزل حج ہے کیونکہ حج میں اللہ تعالیٰ سے عاشقانہ تعلق کا اظہار ہوتا ہے اور دیگر عبادات میں محض عبودیت کا رنگ ہے اور بیت عتیق کا لفظ شاید اسی طرف اشارہ کرنے کیلئے اختیار کیا کہ تمام تعلقات سے آزاد ہو کر انسان صرف اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اور چونکہ حج ہی اس رکوع کا مضمون ہے اور شعائر اللہ کے لفظ کو قربانیوں پر محدود کرنے کیلئے کوئی وجہ نہیں اس لئے یہ آخری معنی ہی اصل منشائے قرآنی معلوم ہوتا ہے اور اگر یا بھی جائے تو بھی قربانیوں کے کرنے میں انسان کے اپنے حصہ حیوانیت کو قربان کرنے کی طرف اشارہ ہے دیکھو اگلا نوٹ۔

منسک

۲۲۲۴ منسک دیکھو ۱۹۳ اصل اسکی یہی ہے کہ کل عبادات اور طاعات پر بولا جاتا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہاں اسکے معنی نحر یعنی قربانی ہیں مگر آیت ۶۷ میں جہاں یہی الفاظ ہیں لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ سب عبادات اور طاعات ہی مراد ہیں اور یہاں بھی لفظ عام ہی ہیں اور لیذکروا میں نتیجہ ان عبادات کا بتایا ہے۔

قربانی کا اصل مقصد

اس رکوع میں قربانی کا مضمون بیان کیا ہے اور اس کی ابتداء یوں کی ہے کہ ہر قوم کیلئے ہم نے عبادات مقرر کیں اور ان

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ وَمِمَّا

تو انکے دل خوف محسوس کرتے ہیں اور اس پر صبر کرنیوالے جو انہیں (تکلیف) پہنچتی ہو اور نماز کے قایم کرنیوالے اور وہ

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا ۳۶

اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہو خرچ کرتے ہیں ۲۲۲۵ اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے نشانوں سے ٹھہرایا ہو تمہارے لئے ان میں

خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا

بھلائی ہو تو اللہ کا نام ان پر یاد کرو (جب وہ) قطار باندھے ہوئے (ہوں)، پھر جب وہ پہلو کے بل گر پڑیں تو ان سے کھاؤ

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

اور سوالی اور مصیبت زدہ کو کھلاؤ اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے کام میں لگا دیا ہو تاکہ تم شکر کرو ۲۲۲۶

عبادات کی اصل غرض یہ ہو کہ وہ اللہ کا نام چارپایوں پر یاد کریں بالفاظ دیگر قربانی کریں ایک جانور کی قربانی عبادت کی غرض کیونکر ہوسکتی ہو وہ خود کھلے الفاظ میں بتا دیا کہ ایک خدا کی ہی فرمانبرداری کرو۔ گویا اصل غرض یہ ہو کہ کل خواہشات حیوانی وسفلی کو اس معبود حقیقی کی فرمانبرداری کے سامنے قربان کر دیا جائے پس قربانی فی الحقیقت انہی خواہشات حیوانی کو قربان کرنے کا نام ہو اور اسی معنی میں یہ عبادت کی غرض ہو۔ اور بھیمۃ الانعام کی قربانی بھی اسی حقیقی قربانی کا ظاہری نشان ہو۔ ظاہر ہو کہ انسان دو مختلف قسم کی خواہشات سے بنا ہوا ہو ایک اس کی حیوانی خواہشات ہیں جو اس سفلی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک ملکی خواہشات ہیں جو ان خواہشات حیوانی سے الگ اور ان سے بالاتر ہیں مثلاً اپنا آرام چاہنا یہ ایک ایسی خواہش ہو جو حیوانی زندگی سے تعلق رکھتی ہو انسان کا جسم آرام کا محتاج ہو اور اپنی حقیقی ترقی کیلئے یا دوسروں کی بھلائی کیلئے اپنے آپکو تکلیف میں ڈالنا یہ ایک ملکی خواہش ہو ایسا ہی ہر چیز کو اپنے قبضہ میں لانا یہ ایک حیوانی خواہش ہو اور دوسروں کے حقوق کی عزت کرنا یہ ایک ملکی خواہش ہو انسان کو جس قدر عبادات سکھائی گئی ہیں ان کی اصل غرض یہی ہو کہ حیوانی خواہشات کو ملکی خواہشات کے ماتحت کر دیا جائے بالفاظ دیگر ان کے سامنے قربان کر دیا جائے یعنی انسان میں جو حصہ حیوانیت کا ہو اسے ملکی حصہ کے سامنے قربان کر دیا جائے یہی اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری ہو اور یہی وہ سبق ہو جو چارپایوں کی قربانی ہمیں سکھاتی ہو گویا حیوان کے ذبح کرنے میں مقصود یہ ہو کہ حصہ حیوانیت کو قربان کر دیا جائے اور اس کیلئے یہ ظاہری نشان ہو۔ اسی اصول کو قرآن کریم نے یہاں کھول کر بیان کیا ہو اور جس طرح حیوانات میں ایک اجل مسمی تک فوائد ہیں اسی طرح انسان کی حیوانی زندگی میں بھی ایک اجل مسمی تک فوائد ہیں جس کی طرف پچھلی آیت میں اشارہ بھی ہو اگلی آیات میں اور خود یہاں لفظ مخبت میں اسی مضمون کی مزید تشریح ہو +

۲۲۲۵ اس آیت میں پہلی آیت کے مضمون کی ہی مزید وضاحت ہو دل میں خوف الٰہی کا احساس ہونا۔ مصائب پر صبر کرنا۔ نماز کے ذریعے اپنے نفس کی اصلاح کرنا اپنے مال اور اپنے قویٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں مخلوق خدا کی بھلائی میں لگا دینا یہی چیزیں ہیں جو انسان میں قربانی کی وہ روح پیدا کرتی ہیں جس سے اس کی خواہشات سفلی بکلی حالت اعتدال پر آجاتی ہیں +

۲۲۲۶ بدن۔ بَدَن جسم کو کہتے ہیں اور یہ نام جثہ کی بڑائی کے لحاظ سے ہے جس طرح جَسَد اسکے رنگ کے لحاظ سے ہو فالیوم ننجیک ببدنک (یونس۱۰-۹۲) اور بَدُنَ کے معنی موٹا ہو گیا۔ اور بَدَنَۃٌ جس کی جمع بُدْن ہو، قربانی کو اس کی موٹائی کے لحاظ

بَدَن
بَدَنَۃ

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ

انکے گوشت اللہ کو نہیں پہنچتے اور نہ انکے خون لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے اسی طرح

سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ ۳۸

۲۲۲۷

اس نے انہیں تمہارے کام میں لگا دیا تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی کرو جو اس نے تمہیں ہدایت دی اور احسان کرنیوالوں کو خوشخبری دے

اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝

اللہ ان لوگوں سے (دشمنوں کو) ہٹاتا رہیگا جو ایمان لائے - کیونکہ اللہ کسی دغا باز ناشکر گزار کو پسند نہیں کرتا ۲۲۲۸

سے کہا جاتا ہے (غ) اور اونٹ اور گائے کی قربانی پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے یا صرف اونٹ پر (ل) +

صافّة — صوافّ - صافّة کی جمع ہے یعنی صف میں کھڑے ہوتے اور بعض نے اسکے معنی صافن کئے ہیں یعنی ایسی حالت میں کھڑے ہوئے کہ ان کی اگلی ٹانگ بندھی ہوئی ہو +

وجوب — وجبت - وُجوب کے معنی ثبوت یا ٹھہرجانا ہیں اور وجبت الشمس کے معنی ہیں غربت یعنی سورج غروب ہوگیا اسی معنی میں یہاں ہے یعنی گرجانے سے اس کا پہلو زمین سے لگ جائے +

قناعة - قانع — قانع - قَنَاعَةٌ تھوڑی ان چیزوں پر راضی ہوجانا ہے جن کا انسان محتاج ہو اور یہ قَنِعَ یَقْنَعُ سے ہے اور قُنُوع (مصدر قَنَعَ) کے معنی ہیں سوال کیا - اور بعض کے نزدیک قانع وہ سوالی ہے جو الحاح نہیں کرتا اور جو مل جائے اس پر راضی ہوجاتا ہے اور بعض کے نزدیک

قناع — قانع قِناع سے ہے جس کے ساتھ سر ڈھانکا جاتا ہے گویا وہ ایسا محتاج ہے جو اپنی محتاجی کے اخفا کیلئے سر ڈھانک لیتا ہے (غ) +

معتر عرّ - معرّة — معتر وہ ہے جو سوال کیلئے آگے آئیوالا ہو اور عَرّا ور عُرّ خارش کو کہتے ہیں جو بدن میں عارض ہوجاتی ہے اور اسی سے تشبیہ کے لحاظ سے مَعَرَّةٌ

قانع اور معتر میں فرق — مضرت کو کہا جاتا ہے فتصیبکم منهم معرّة بغیر علم (الفتح ۴۸ - ۲۵) (غ) بعض کے نزدیک قانع اور معتر میں فرق یہ ہے کہ قانع سائل کرنے والا ہے اور معتر وہ جو تمہارے پاس اپنی حاجت کیلئے آتا ہے خواہ سوال کرے یا نہ کرے (ل) اور بعض کے نزدیک قانع وہ ہے جو اس پر راضی ہو جو اسکے پاس ہے اور معتر وہ جو سوال کیلئے آگے آتا ہے (د) اور ابن جبیر کا قول ہے کہ قانع اہل مکہ ہیں اور معتر سب لوگ (د) +

اس آیت میں اونٹوں کی قربانیوں کو من شعائر اللہ کہکر صاف بتا دیا کہ وہ بطور نشان کے ہیں اور اصل مقصد کی قربانی میں کچھ اور ہے جو اگلی آیت میں اور بھی صراحت سے مذکور ہے اور اونٹ کو ذبح کرنے کا طریق بھی اس میں بتا دیا +

ینیل — ۲۲۲۷ ینال - یَنَلْ وہ چیز ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے لیتا ہے لن تنالوا البر (آل عمران ۳ - ۹۱) ولا ینالون من عدو نیلا (التوبۃ ۹ - ۱۲۰) (غ) اور اللہ کا ہاتھ اس کی قدرت اور طاقت ہے +

غرض قربانی تقویٰ کا پیدا کرنا ہے — یہاں صفائی سے بیان کردیا کہ قربانی کی غرض اس کا گوشت نہیں جو کھایا جاتا ہے نہ اس کا خون ہے جو گرایا جاتا ہے نہ تو خون کے گرانے کا نام قربانی ہے اور نہ گوشت غربا کو کھلانے کا نام بلکہ قربانی حقیقت میں وہ تقویٰ ہے جو انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے اور لحوم اور دماء کا ذکر اس لئے کیا کہ خون چھڑکنے اور گوشت پھیلانے کی رسم اہل جاہلیت میں بھی پائی جاتی تھی اور اور اقوام میں بھی پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا تعلق قلوب سے ہے نہ اجسام سے +

قربانی اور جنگ — ۲۲۲۸ یدافع دیکھو ۳۲۲ اس آیت میں صاف جنگ کا مضمون شروع کردیا ہے جو اگلے رکوع کا مضمون ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اصل مضمون کی طرف رجوع کیا ہے ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام جسکے آخر پر ہے ومن یرد فیہ بالحاد بظلم

ع ۶ الثلثة — ۱۳ جنگ اور اس کی ضرورت

۳۹ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ

ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہو اسلئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً انکی مدد پر قادر ہی ۲۲۲۹

۴۰ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ

وہ جو اپنے گھروں سے بغیر کسی صحیح وجہ کے نکالے گئے سوائے اسکے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھریاں اور گرجے اور عبادتگاہیں

وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ

اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہو گرا دی جاتیں ۲۲۳۰ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرتا ہو یقیناً اللہ طاقتور غالب ہو

نذقه من عذاب اليم (۲۵) گویا وہ عذاب الیم آنحضرت صلعم کے دشمنوں پر جنگوں کے رنگ میں آنیوالا تھا اور قربانی اور جنگ میں یوں تعلق بھی بتا دیا گویا اگر تم میں قربانی کی روح پیدا ہو گئی ہو تو پھر تم اس قابل بھی ہو کہ حق کی خاطر جنگ کرو اور یہاں گو اللہ تعالیٰ نے مدافعت کو اپنی طرف منسوب کیا ہو مگر مطلب یہ نہیں کہ تم خاموش ہو کر بیٹھے رہو بلکہ بتایا یہ ہو کہ اب تمہیں جنگ کیلئے تیار رہو جانا چاہیئے اللہ تعالیٰ کس طرح دشمن کو دور کرتا ہو یہ بھی خود ہی آگے بتا دیا ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض (۴۰) +

۲۲۲۹ حضرت ابن عباس کا قول ہو کہ یہ پہلی آیت ہو جو قتال کے بارہ میں نازل ہوئی (ث) بعض روایات میں ہو کہ جب نبی کریم صلعم کو کفار نے مکہ سے نکال دیا تو آپ نے فرمایا کہ اب یہ ہلاک ہو جائینگے تب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ ضرور لڑائی ہوگی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ ہجرت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی یا ہجرت میں یا اس سے کچھ پہلے کیونکہ گو نبی کریم صلعم دیر سے نکلے مگر صحابہ سب پہلے ہجرت کر چکے تھے ...... اور یہ جو فرمایا کہ ان الله على نصرهم لقدير تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سوائے جنگ کے دوسری طرح پر بھی مدد کر سکتا تھا بلکہ یہ مطلب ہو کہ باوجود اس قدر قلیل تعداد میں ہونے کے انہیں جنگ کی اجازت دیجاتی ہو تو یہ ہلاک نہیں ہونگے اس لئے کہ ان کا مددگار اللہ ہو +

هدم - تهديم

۲۲۳۰ هدّمت - هَدْم عمارت کا گرانا ہو اور تهديم میں کثرت پائی جاتی ہو (غ) +

صومعة

صوامع - صَوْمَعَة کی جمع ہو اور وہ ایسی کوٹھری ہو جو اوپر سے تنگ ہو۔ کیونکہ اَصْمَع اس شخص کو کہتے ہیں جس کے کان چھوٹے ہونے کی وجہ سے سر سے ملے ہوئے ہوں (غ) اور صَوْمَعَة راہب کی کوٹھڑی کو کہتے ہیں (ل) +

بيعة

بيع - بِيْعَة کی جمع ہو جو نصاریٰ کے عبادتگاہ پر بولا جاتا ہو اور بعض نے اسے یہود کی عبادتگاہ کہا ہو (ل) +

صلوة

صلوات - صلوٰة کی جمع ہو مسجد پر بھی بولا گیا ہو اور یہود کی عبادتگاہ کو بھی کہتے ہیں دیکھو ۶۶۳ اور اس کے اصل معنی عام عبادتگاہ ہی ہیں خواہ کسی مذہب کی ہو۔ کیونکہ جب نصاریٰ کے راہبوں کی کوٹھریوں تک کا اور انکے گرجاؤں کا ذکر کر دیا اور یہود بھی آنحضرت سے پہلے آخری ہی مذہب تھا تو اب علیحدہ علیحدہ مذاہب کا نام لینے کی بجائے ایسا لفظ بولدیا جو ہر عبادتگاہ پر صادق آتا ہو

اسلامی جنگوں کی غرض

یہاں نہایت صفائی سے اسلامی جنگ کی غرض صرف مساجد کو بچانا نہیں بلکہ ہر قوم کی عبادتگاہوں کو بچانا بتائی ہو یہانتک کہ عبادتگاہوں کو چھوڑ کر عبادت کرنیوالوں کی کوٹھڑیوں کو بھی حفاظت میں شامل کیا اور صحابہ کی جنگوں میں بھی اس بات کو

ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ أَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا۟ ۴۱

وہ جنہیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز کو قایم کرینگے اور زکوٰۃ دینگے اور اچھی باتوں کا

بِٱلْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا۟ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَٰقِبَةُ ٱلْأُمُورِ ۝ وَإِن يُكَذِّبُوكَ ۴۲

حکم کرینگے اور بری باتوں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہی ہے ۲۲۳۱ اور اگر تجھے جھٹلاتے ہیں

فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ۝ وَقَوْمُ إِبْرَٰهِيمَ وَ ۴۳

تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود نے جھٹلایا اور ابراہیم کی قوم اور

قَوْمُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحَٰبُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ فَأَمْلَيْتُ لِلْكَٰفِرِينَ ثُمَّ ۴۴

لوط کی قوم نے اور مدین کے رہنے والوں نے اور موسیٰ (بھی) جھٹلایا گیا سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر

أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَٰهَا ۴۵

انہیں پکڑا پس میرا انکار (ان پر) کیسا تھا ۲۲۳۲ سو کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا

مدنظر رکھا جاتا تھا کہ کسی راہب کی کوٹھڑی کو اور کسی عبادتگاہ کو نقصان نہ پہنچے بلکہ بعض معاہدات کی رو سے گرجا گھروں کی حفاظت اور مرمت کا انتظام بھی بیت المال کے ذمے تھا پس اسلام کی جنگ مذہبی آزادی کیلئے تھی نہ صرف مسلمانوں کی آزادی کیلئے۔ یہ اسلام کا کمال ہے کہ نہ صرف سب مذاہب کی اصلیت کو خدا کی طرف سے مانا اور تمام انبیاء پر ایمان لانا اصول ایمان میں داخل کر دیا بلکہ دوسرے مذاہب کی عبادتگاہوں کی حفاظت کو بھی مسلمانوں کے فرایض میں داخل کر دیا اور پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ کس قدر پر زور الفاظ میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ چند منتشر مسلمان جو نزول آیت کے وقت اپنی جانیں بچانے کیلئے بھاگ گئے تھے اور جن کی جمعیت کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا ان کی تائید میں خدا کا ہاتھ ہوگا اور وہ غالب آئینگے اور اس قابل ہونگے ۔

۲۲۳۱ مکہ کے آخری ایام کی یہ سورت ہے مسلمان کچھ حبش میں ہیں کچھ مدینہ میں آنحضرت صلعم کو خود مکہ چھوڑنا پڑا ہے۔ کفار اپنی کامیابی پر خوش ہیں۔ اور ادھر حکومت اور بادشاہت کی خبر ہی نہیں دی جاتی بلکہ اتنی وسیع حکومت کی خبر دی جاتی ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی مسلمانوں کے ماتحت آجائینگے اور پھر ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی کی جاتی ہے کہ حاکم اور بادشاہ ہوکر یہ لوگ کیا نمونہ دکھائینگے ۔ یہ تمام باتیں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتیں جس طرح یہ بات بھی اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی کہ کسی قوم نے سوائے مسلمانوں کے حکومت پاکر نیکی کا دنیا میں پھیلانا اپنی زندگی کی اصل غرض سمجھا ہو یا فی الواقع فتوحات کے نشہ میں انتظام ملکی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پروا کی ہو۔

نکیر۔ انکار ۲۲۳۲ نکیر۔ نکیر اور انکار کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ضد عرفان ہے دیکھو ۱۲۸۱ اور نکرت علی فلان اور انکرت کے معنی ہیں اسکے ساتھ ایسا معاملہ کیا جو اسے روک دے (غ)، اور نکیر اس انکار کا نام ہے جس کے معنی تغیر ہیں یعنی خوشی کی حالت سے ایسی حالت کی طرف تبدیل کر دینا جو تمہیں ناپسند ہو (ل)، اور منکر وہ فعل ہے جسے عقل صحیح قبیح ٹھہرائے یا اگر عقل صحیح اسکے قبیح یا حسن کا حکم نہ لگا سکے تو شریعت اسکے قبیح کا حکم لگائے اور تنکیر کے معنی ہیں ایسا کر دینا کہ پہچانا نہ جا سکے نکروا لہا عرشہا (النمل ۲۷۔ ۴۱) (غ) ۔

تنکیر

یہاں جن اقوام کی تکذیب کا ذکر کیا وہ تاریخی ترتیب سے ہے اور بتایا ہے کہ جب انہوں نے حق کو قبول نہ کیا اور دنیوی زندگی

وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ○

اس حال میں کہ وہ ظالم تھیں سو وہ خالی ہیں انکی عمارتیں گری ہوئی اور کتنے بیکار کنوئیں اور مضبوط محل ویران ہیں ۲۲۳۳

۴۶ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ

تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں تا ان کے لئے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے یا کان ہوتے

يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي

جن سے وہ سنتے کیونکہ وہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو

۴۷ الصُّدُورِ ○ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ

سینوں میں ہیں ۲۲۳۴ اور تجھ سے عذاب جلد مانگتے ہیں اور اللہ اپنے وعدے کا خلاف ہرگز نہیں کرے گا اور ایک

۴۸ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ○ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا

دن تمہارے رب کے نزدیک ایک ہزار سال کی طرح ہے جیسے تم گنتے ہو ۲۲۳۵ اور کتنی بستیاں ہیں جنہیں میں نے مہلت دی

۴۹ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ○ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ

اور وہ ظالم تھیں پھر میں نے انہیں پکڑا اور میری طرف ہی انجام کار آنا ہے کہہ اے لوگو میں صرف تمہارے لئے کھلم کھلا ڈرانے

ع ۹ — اعدائے حق ۱۴ اور انکا انجام

۵۰ مُّبِينٌ ○ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ○

والا ہوں پس جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں انکے لئے حفاظت اور عزت والا رزق ہے

پر ہی گر گئے تو اللہ تعالیٰ نے انکی اس آرام کی حالت کو دکھ کی حالت میں تبدیل کر دیا +

بئر۔ تعطیل

۲۲۳۳ بئر معطلۃ۔ بئر کے معنی کنواں ہیں اور مُعَطَّلَة عَطَل سے ہے جس کے معنی ہیں زینت اور شغل کا جاتے رہنا اور تعطیل زینت اور عمل سے فارغ کر دینا ہے (غ) بئر اور قصر قریۃ پر عطف ہیں +

۲۲۳۴ یعنی زمین میں چلنے پھرنے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ غور کرتے کہ کس طرح پہلی قومیں ہلاک ہوئیں اور آخر میں تباہ و برباد ہوئیں آنکھوں سے تو انسان بہتیرا کچھ دیکھتا ہے مگر غور نہ کرنے سے ہی نقصان اٹھاتا ہے یعنی جب اس کی ہلاکت آتی ہے تو اس کی وجہ آنکھوں کا اندھا ہونا نہیں ہوتی بلکہ دل اندھا ہو جاتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صم بکم عمی میں یا من کان فی ھذہ اعمیٰ وغیرہ میں آنکھوں کا اندھاپن مراد نہیں بلکہ دل کا اندھاپن مراد ہے +

۲۲۳۵ اللہ کے نزدیک ایک دن کے ہزار سال کے برابر ہونے کا ذکر صرف اسلئے نہیں کیا کہ جسے تم بہت وقت سمجھتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھوڑا سا ہوتا ہے بلکہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ بعض قوموں کو ایک ایک ہزار سال تک کی مہلت بھی دے دیتا ہے اور دوسری جگہ صاف طور پر اسلام کی ترقی کے ایک ہزار سال تک رکا رہنے کا ذکر ہے ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنة مما تعدون (السجدۃ ۳۲-۵) +

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ ۵۱ ۵۲

اور جو ہماری آیتوں کی مخالفت میں کوشش کرتے ہیں خیال کرتے ہوئے کہ عاجز کر دینگے وہی دوزخ والے ہیں ۲۲۳۶ اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی

قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ

رسول نہیں بھیجا اور نہ نبی مگر جب اس نے آرزو کی شیطان نے اس کی آرزو کے بارہ میں وسوسہ اندازی کی

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

پس اللہ اسے مٹا دیتا ہے جو شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۲۲۳۷

معاجز — ۲۲۳۶ معاجزین عجز کیلئے دیکھو ۱۰۱۸ اور اعجزت عجّزت عاجزت سب کے ایک ہی معنی ہیں اسے عاجز کیا۔ گو معاجزین کے معنی بیان کئے گئے ہیں ظانین ومقدّرین انہم یعجزوننا یعنی یہ خیال کرتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے کہ ہمیں عاجز کر دینگے (غ)۔

تمنی — ۲۲۳۷ تمنی تمنّی کے معنی کسی چیز کا نفس میں اندازہ کرنا اور اس کی صورت بنانا ہیں ۔۔۔ اور یہ کبھی محض تخمینہ اور اندازہ سے ہوتا ہے اور کبھی اس کی بنا اصلیت پر ہوتی ہے (غ)۔

قصہ غرانیق اور اس کی بے بنیادی — اس آیت کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے ایک جھوٹا قصہ لکھ دیا ہے جس کی کوئی صحیح سند نہیں ابن کثیر لکھتے ہیں قد ذکر کثیر من المفسرین ھھنا قصۃ الغرانیق ۔۔۔۔ ولکنہا من طرق کلہا مرسلۃ و لم ارھا مسندۃ من وجہ صحیح یعنی بہت سے مفسرین نے یہاں غرانیق کا قصہ لکھ دیا ہے ۔۔۔ لیکن یہ سب روایات مرسل ہیں اور میں نے کسی وجہ صحیح سے اس کی سند کو رسول اللہ صلعم تک نہیں پایا اور غرانیق کا قصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم سورۂ نجم پڑھتے وقت جب یہاں پہنچے افرایتم اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری تو بجائے الکم الذکر ولہ الانثی تلک اذا قسمۃ ضیزی کے جو الفاظ قرآنی ہیں یوں پڑھ دیا تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی یعنی یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی امید رکھی جاتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک اس قصہ پر بحث تو سورۂ نجم میں ہی ہوگی یہاں اس قدر ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس قصہ کو سورۂ حج کی اس آیت سے ملانا واقعات تاریخی کی پوری لاعلمی کا ثبوت دیتا ہے۔ سورۂ نجم ابتدائی زمانہ کی سورت ہے اور ہجرت حبش کے ابتدائی ایام کی ہے یعنی پانچویں سال بعثت کی۔ اور سورۂ حج اس قدر پچھلے زمانہ کی ہے کہ بہت سے لوگوں نے اسے مدنی قرار دیا ہے اور اصل یہ ہے کہ یہ مکہ کے آخری ایام کی ہے جس پر کافی اندرونی شہادت موجود ہے اب ان دونوں سورتوں میں آٹھ سال کا فرق بتاتا ہے کہ یا تو وہ تلک الغرانیق العلی آٹھ سال تک پڑھا جاتا رہا جس کی غلط روایات خود ہی تردید کرتی ہیں اور پھر کفار کی ایذا رسانی اور شعب میں محصور کرنا وغیرہ سب فرضی قصے ہونے چاہئیں اور یا اس آیت کا کوئی تعلق سورۂ نجم کی اس آیت سے نہیں اور یہی لازماً ماننا پڑے گا۔

نبی کی وحی میں شیطان القا نہیں کرتا — اگر سیاق و سباق پر غور کیا جائے تو خود معلوم ہو جائیگا کہ جو معنی اس آیت کے عام طور پر سمجھے گئے ہیں وہ ہرگز مراد نہیں ان آیات سے پہلے بھی مخالفت حق کرنے والوں اور ان کی سزا کا ذکر ہے وکاین من قریۃ املیت لھا وھی ظالمۃ ثم اخذتھا (۴۸) اور پیچھے بھی یہی ذکر ہے حتی تاتیہم الساعۃ بغتۃ او یاتیہم عذاب یوم عقیم (۵۵) اور اس مسلسل مضمون کے درمیان ایک بالکل غیر متعلق واقعہ کا آ جانا جس کا اس مضمون سے ادنی تعلق بھی نہیں دکھایا جا سکتا کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا یہاں ذکر نبی کی مخالفت کا ہے اور یہی ذکر پہلے اور پیچھے ہے۔

۵۳ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ

تاکہ وہ اسے جو شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہو ان لوگوں کیلئے آزمائش کا موجب بنائے جنکے دلوں میں بیماری ہو اور جن کے دل سخت

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ۙ

ہیں اور بلاشبہ ظالم پرلے درجہ کی مخالفت میں ہیں

خود الفاظ آیت کو لو تو بھی صاف یہی نتیجہ نکلتا ہو اصل غلطی صرف لفظ تمنیٰ کے استعمال سے لگتی ہو۔ جو اس میں شک نہیں کہ اکثر جھوٹی آرزوؤں کیلئے بولا گیا ہو مگر جیسا کہ امام راغبؒ نے صفائی سے لکھا ہو اس کا استعمال ایسی خواہش اور ایسے اندازہ پر بھی ہوتا ہو جس کی بنا اصلیت پر ہو پس نیک آرزو اور نیک خواہش بھی امنیۃ ہو اور یہاں وہی مراد ہو اور غلط آرزو ہرگز مراد نہیں اور الفا فی امنیتہ خود اس قصہ کی غلطی کو ظاہر کرتے ہیں اسلئے کہ قصہ تو یہ ہو کہ شیطان نے وحی میں دخل دیکر وحی کو بدل دیا۔ اور الفاظ قرآنی میں یہ نہیں کہ القی الشیطن فی وحیہ بلکہ فی امنیتہ ہو اور اس کے معنی صرف اسی قدر ہیں کہ نبی کی نیک آرزو کے بارہ میں شیطان لوگوں کے دلوں میں وساوس ڈالتا رہتا ہو نہ یہ کہ وہ نبی کی وحی میں کچھ ڈالتا رہتا ہو پھر الفاظ کے حصر کو دیکھو۔ کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں بھیجا کہ اس کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوا ہو۔ تو کیا حضرت عیسیٰ کی وحی میں بھی شیطان نے القا کر دیا تھا؟ غالباً اس سوال کا جواب رسول کریم سے بڑھکر حضرت عیسیٰ سے محبت رکھنے والے مسلمان کبھی اثبات میں نہ دینگے۔ پھر سب کو چھوڑو ایک بھی نبی کا ذکر قرآن شریف میں نہیں جس کی وحی میں القائے شیطان کا ذکر آیا ہو حالانکہ دوسرے معاملات میں جہاں ایسا حصر کیا ہو اسکی مثالیں بھی وہی ہیں مثلاً جب یہ فرمایا کہ سب نبیوں سے استہزا ہوا سب نبیوں کی تکذیب ہوئی تو ایک ایک نبی کا ذکر کرکے اس کی تکذیب کا ذکر بھی کر دیا۔ پھر کیا یہ جائے تعجب نہیں کہ حصر تو یہ کیا جائے کہ کوئی نبی اور رسول ایسا ہوا ہی نہیں جس کی وحی میں شیطان نے القاء نہ کیا ہو اور ایک نبی کی بھی مثال پیش نہ کی جائے کہ اس کی وحی میں شیطان نے یوں القاء کر دیا تھا پھر نتیجہ اس کا بتایا ولیعلم الذین اوتوا العلم انہ الحق تو کیا صاحب علم لوگوں کو اسکے حق ہونے کا علم نہ ہو سکتا تھا جبتک کہ شیطان وحی میں القا نہ کرے کیسی باہی البطلان بات ہو۔

آیت کے معنی صاف ہیں اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا والذین سعوا فی ایاتنا معاجزین یعنی ہماری آیتوں کے ابطال کی کوشش کرتے ہیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ خدا کو عاجز کر دینگے تو اب فرمایا کہ یہ مخالفت کچھ تمہارے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ سب انبیاء و رسل کے ساتھ ایسا ہی ہوا یعنی جب کسی نے خدا کے نام کو دنیا میں پھیلانا چاہا اور نیکی کے پھیلانے کی آرزو کی تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی شروع کی کہ اس کی مخالفت کرو یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہو کہ وحی نبی میں شیطان کا القا۔ ایک ایسا امر ہے جس کی تردید قرآن شریف کا لفظ لفظ کر رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہو فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربہم (الجن ۷۲-۲۷ و ۲۸) یعنی وحی کے آگے پیچھے اللہ تعالیٰ پہرہ لگا دیتا ہو تاکہ جان لے کہ ان کے رب کا صحیح صحیح پیغام پہنچا دیا گیا ہو اور ہمارے مفسرین قصہ گھڑتے ہیں کہ خدائی پہرہ پر شیطان غالب آجاتا ہو پھر وہ فرماتا ہو کہ شیطان کا میرے بندوں پر کچھ تسلط نہیں اور اس لغو قصہ سے یہ اصول تسلیم کیا جاتا ہو کہ انبیاء پر بھی شیطان کا تسلط ہو جاتا ہو۔ یہاں تو ذکر نہیں کہ شیطان کس کی طرف القا کرتا ہو مگر قرآن کریم نے دوسری جگہ خود بتا دیا کہ شیطانوں کا القا۔ شیطانوں یا ان کے متبعین کیطرف ہی ہوتا ہے ان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم (الانعام ۶-۱۲۲) اور درحقیقت اس آیت کی تفسیر اس دوسری آیت سے ہوتی ہو وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن یوحی بعضہم الی بعض زخرف القول غرورا (الانعام ۶-۱۱۳) ہر نبی کے لئے ہم نے شیطان انسان اور جن دشمن بنائے ہیں جو ایک دوسرے کے دل میں باتیں دھوکا دینے کیلئے ڈالتے رہتے ہیں پس یہی مراد یہاں ہے

شیطان کا القا شیاطین کیطرف ہی ہوتا ہو

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ ۵۴

اور تا کہ وہ جنہیں علم دیا گیا ہے جان لیں کہ وہ تیرے رب کیطرف سے حق ہے پس وہ اس پر ایمان لائیں پس انکے دل اس کیلئے نرم ہو جائیں

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۵۵

اور یقیناً اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے سیدھے رستہ کیطرف ہدایت کرنیوالا ہے اور جو کافر ہیں وہ اس کے بارے میں

فِىْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝

شک میں ہی رہینگے یہانتک کہ وہ گھڑی ان پر اچانک آجائے یا انپر تباہ کرنیوالے دن کا عذاب آجائے ۲۲۳۸

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِىْ جَنّٰتِ ۵۶

بادشاہت اس دن اللہ کیلئے ہی ہوگی وہ انکے درمیان فیصلہ کریگا پس جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وہ نعمت کے باغوں

النَّعِيْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۤئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ۵۷

میں ہونگے اور جو کافر ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں تو ان کیلئے ذلیل کرنیوالا عذاب ہے

نبی کی آرزو کو باطل کرنے کیلئے شیطان اپنے اولیاء کے دلوں میں طرح طرح کی باتیں مخالفت کی ڈالتا رہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کو منسوخ کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو مضبوط کر دیتا ہے یعنی حق کو قایم کر دیتا ہے ہاں یہ شیطان کی مخالفت کمزوروں اور سخت دلوں کیلئے موجب فتنہ ہو جاتی ہے کیونکہ مخالفت کی وجہ سے مومنوں کو زور لگانا پڑتا ہے اور کمزور دل چاہتے ہیں کہ سکھ ہی سکھ ہو ایسا ہی سخت دل لوگ بھی چونکہ حق کی آخری کامیابی پر ایمان لا ہی نہیں سکتے اس لئے ان کیلئے بھی یہ مخالفت موجب فتنہ ہو جاتی ہے جیسا کہ اگلی آیت میں صاف فرمایا اور اہل علم کیلئے یہی مخالفت ازدیاد ایمان کا موجب ہو جاتی ہے جس کا ذکر اگلی سے اگلی آیت میں ہے اور اسی کے مطابق دوسری جگہ ہے ولما را المؤمنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله (الاحزاب ۳۳: ۲۲)

۲۲۳۸ عقیم عُقم وہ یُبس ہے جو اثر قبول نہ کرنے دے چنانچہ داء عُقام وہ بیماری ہے جو علاج قبول نہ کرے اور وہ عورت عقیم کہلاتی ہے جو نطفہ کو قبول نہ کرے عجوز عقیم (الذّٰریٰت ۵۱: ۲۹) اور الریح العقیم (الذّٰریٰت ۵۱: ۴۱) دو طرح پر ہو سکتی ہے یعنی فاعل کے معنی میں جو بادل کو اور درخت کو بار دار نہیں کرتی یا بمعنی مفعول جو خود اچھا اثر قبول نہیں کرتی اور یوم عقیم وہ دن ہے جس میں خوشی کوئی نہ ہو (غ) اور بعض نے یوم عقیم سے مراد جنگ کا دن لیا ہے۔ اس لئے کہ اس دن ان کی اولاد قتل ہو جاتی ہے (ل)۔

یہاں ساعۃ اور عذاب کو الگ الگ کرکے صاف بتا دیا کہ دونوں سے مراد اس دنیا کا عذاب ہے۔ ساعۃ سے مراد ان کی ہلاکت کی گھڑی ہے اور عذاب اس سے کمتر۔

عقیم

ع ۷ ۱۵
مومن کامیاب ہونگے

۵۸ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا

اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل ہو گئے یا مر گئے اللہ انہیں اچھا رزق

۵۹ حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ

دے گا اور اللہ یقیناً بہترین رزق دینے والا ہے ۲۲۳۹ وہ ضرور انہیں ایسی جگہ میں داخل کریگا جسے وہ پسند کرینگے اور اللہ یقیناً

۶۰ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ ذَٰلِكَ ۖ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ

جاننے والا بردبار ہے یہ (اسیطرح ہوگا) اور جو اس کی مثل سزا دے جو اسے ایذا دی گئی اور اس پر زیادتی ہوئی ہو اللہ ضرور اس کی مدد

۶۱ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ

کرے گا یقیناً اللہ معاف کرنیوالا بخشنے والا ہے ۲۲۴۰ یہ اسلئے ہے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات

۶۲ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ

میں داخل کرتا ہے اور کہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے یہ اسلئے کہ اللہ ہی حق ہے اور کہ جو کچھ

مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

اسکے سوائے پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور کہ اللہ بلند شان والا بڑا ہے ۲۲۴۱

۲۲۳۹ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت شروع ہو چکی تھی اور رزق حسن سے مراد یہاں وہ رزق ہے جو انہیں حیات ابدی کا مستحق ٹھہراتا ہے یہ تسلی دی کہ ہجرت کرکے اگر قتل بھی ہو جائے یا مر بھی جائے تاہم عنداللہ وہ ثواب کا مستحق ہے۔

۲۲۴۰ عاقب یا عقاب کا اصل مفہوم تو بدی کے پیچھے اس کی سزا کا لانا ہی ہے مگر یہاں عوقب ابتدائی ایذا رسانی پر بولا گیا ہے۔ اور یہ بتانے کو کہ اس کی تکلیف کسی اس کے قصور کا نتیجہ نہ تھی ثم بغی علیہ بڑھا دیا ہے یعنی اس پر زیادتی ہوئی۔ اور ثم یہاں ترتیب کے لئے نہیں بلکہ ایک اور امر کے اظہار کے لئے ہے دیکھو ۲۲۴ و من عاقب میں جہاں صاف طور پر کفار کو سزا دینے کا ذکر ہے یہ بتا دیا کہ مسلمانوں کو حکومت اور غلبہ ملے گا اور وہ اپنے دکھ دینے والوں کو سزا دینے پر قادر ہوں گے۔ اور اللہ انکی تائید کرے گا۔ اور مسلمانوں کے غلبہ اور حکومت کی طرف ہی اگلی آیت میں بھی رات اور دن کے ایک دوسرے میں داخل کرنے میں اشارہ ہے جیسا کہ دوسری جگہ تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء کے مقابل پر بھی تولج الیل فی النہار و تولج النہار فی الیل (آل عمران ۳ - ۲۶) فرمایا ہے اور آیت کے آخر پر اللہ تعالیٰ کی صفات عفو و غفر لانے سے یہ منشا ہے کہ اگرچہ اتنی سزا بھی نہ دو تو اور بھی بہتر ہے کیونکہ اللہ جو تمہارا رب ہے وہ عفو و غفر کرنے والا ہے اور یہی سچ ہے کہ نبی کریم صلعم نے ہرگز اتنی سزا نہیں دی جتنا دکھ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو دیا گیا تھا۔

۲۲۴۱ پس اللہ کا نام لینے والے بھی ضرور دنیا میں کامیاب ہونگے اسلئے کہ حق قائم رہتا ہے اور باطل نابود ہو جاتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللَّهَ ۶۳

کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ بادل سے پانی اُتارتا ہے تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے اللہ باریک

لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۞ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ ۶۴

باتوں کا جاننے والا خبردار ہے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ بے نیاز تعریف

الْحَمِيدُ ۞ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ ۶۵

ع ۹ ۱۶ دلائل توحید اور شرک پر دلیل کا نہ ہونا

کیا گیا ہے کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور کشتی کو (بھی) جو اسکے حکم سے سمندر میں

بِأَمْرِهِ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ

چلتی ہے اور وہ مینہ کو روکتا ہے کہ سوائے اس کی اجازت کے زمین پر پڑے یقیناً اللہ لوگوں پر

لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۞ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۶۶

مہربان رحم کرنیوالا ہے ۲۲۴۲ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مار یگا پھر تمہیں زندہ کریگا

وقوع ۔ واقعۃ

۲۲۴۲ تقع ۔ وُقُوع کسی چیز کا ٹھہرے رہنا اور اس کا گرنا ہے اور واقعۃ صرف سختی اور ناپسندیدگی کے موقعہ پر بولا جاتا ہے اور قرآن شریف میں وقع کا لفظ اکثر عذاب اور سختیوں کے موقعہ پر ہی آیا ہے اذا وقعت الواقعة لیس لوقعتها کاذبة (الواقعة ۵۶ - ۲،۱) فیومئذ وقعت الواقعة (الحاقة ۶۹ - ۱۵) اور قول کا وُقُوع یہ ہے کہ جس بات پر وہ شامل ہے وہ حاصل ہو جائے ووقع القول علیہم بما ظلموا (النمل ۲۷ - ۸۵) کے معنی ہیں کہ عذاب جس کا انہیں وعدہ دیا گیا تھا وہ واجب ہو گیا ۔ اذا وقع القول علیہم (النمل ۲۷ - ۸۲) اور فقد وقع اجرہ علی اللہ (النساء ۴ - ۱۰۰) میں بھی مراد اس کا واجب ہونا ہے اور وَقَعَ المَطَرُ سَقَطَ کی طرح ہے یعنی بارش پڑی (غ) اور امساک کیلئے دیکھو ۲۹۵ اور سماء کیلئے دیکھو ۳۱ ۔

سماء کا زمین پر گرنا

سماء کے معنی آسمان بلندی بارش بادل ہیں دیکھو ۳۱ پس سماء کے گرنے سے مراد یا آسمان کا گرنا ہو سکتا ہے یا مینہ کا پڑنا ۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے رفع السموات بغیر عمد ترونہا (الرعد ۱۳ - ۲) اور ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا (فاطر ۳۵ - ۴۱) مگر یہاں منشا یہ معلوم نہیں ہوتا اور اس پر الا باذنہ بڑا بھاری قرینہ ہے جو بتاتا ہے کہ جب اللہ کا اذن ہوتا ہے تو وہ سماء گرتا بھی رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ آسمان کبھی زمین پر نہیں گرا اور یہ خیال کہ اس میں اشارہ قیامت کیطرف ہے اسلئے درست نہیں کہ قیامت میں آسمانوں کے انفطار انشقاق وغیرہ کا ذکر تو ہے مگر آسمان کے زمین پر گرنے کا کہیں ذکر نہیں جیسا کہ روح المعانی میں بھی تسلیم کیا ہے پس یہاں سماء سے مراد مینہ ہے ۔ اور جیسا کہ امام راغب نے قول نقل کیا ہے سماء کا لفظ بارش پر بالخصوص اس وقت تک بولا جاتا ہے مالم یقع علی الارض جبتک وہ زمین پر نہ گرے اور اللہ تعالیٰ کا مینہ کو روکنا کہ سوائے اس کی اجازت کے زمین پر نہ پڑے درحقیقت عظیم الشان اسباب رحمت الٰہی سے ہے نہ صرف اسلئے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے نہ روکے اور اندازہ سے نہ اتارے تو وہی مینہ بجائے رحمت کے تباہی کا موجب ہو جاتا ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اسکے روکنے سے ہی وہ مختلف قطعات زمین پر پہنچتا ہے ورنہ سمندر سے اٹھکر سمندر پر برس جائے یہ اللہ تعالیٰ کی لوگوں پر

٦٧ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ ۝ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا

یقیناً انسان ناشکرا ہے ہر ایک قوم کیلئے ہم نے عبادت کا طریق مقرر کیا جس پر وہ چلیں پس تجھ سے

٦٨ يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ۝ وَإِن

اس امر میں تنازع نہ کریں اور تو اپنے رب کیطرف بلا یقیناً تو سیدھے رستہ پر ہے ۲۲۴۳ اور اگر

٦٩ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

تجھ سے جھگڑا کریں تو کہدے اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن ان باتوں

٧٠ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

کا فیصلہ کریگا جن میں تم اختلاف کرتے تھے کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔

٧١ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ

یہ (سب) کتاب میں ہے یہ اللہ پر آسان ہے اور اللہ کے سوائے اس کی عبادت

اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ۝

کرتے ہیں جس کی اس نے کوئی مضبوط دلیل نہیں اُتاری اور جس کا انہیں کوئی علم نہیں اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ۲۲۴۴

مہربانی اور رحمت ہو کہ کہاں سے اُٹھا کر کہاں لاکر اسے برسنے کی اجازت دیتا ہے سیاق مضمون بھی اسی معنی کو چاہتا ہے اور یہاں ان باتوں کا ذکر اس لئے کیا کہ توحید پر یہ بھی دلائل ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے نہ دوسرے معبودوں نے +

حقانیت توحید پر دلیل

۲۲۴۳ منسک کے معنی عبادت یا عبادت کا طریق ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو اپنی نعمائے جسمانی سے بہرہ ور کیا ہے اسی طرح اپنی عبادت کا طریق بھی سب قوموں کو بتایا جس طرح زمین سب کیلئے ہے بارش سب کے لئے ہے اسی طرح طریق عبادت الٰہی بھی سب قوموں کو بتایا اور یہ مذہب توحید کی حقانیت پر کھلی دلیل ہے۔ کیونکہ مختلف قوموں اور مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریق سکھانے والے لوگ پیدا ہوتے ہیں اسلئے الامر یعنی دین کے معاملہ میں جھگڑا کیسا اور مطلب یہ ہے کہ تم انکے جھگڑے کی پرواہ نہ کرو اور دعوت الی اللہ میں لگے رہو +

شرک پر کوئی دلیل نہیں

۲۲۴۴ یعنی توحید الٰہی پر تو ساری دنیا گواہ ہے باایں ایک خدا کو چھوڑ کر کوئی مسیح کو خدا بناتا ہے کوئی اہرمن کو کوئی بتوں کو حالانکہ ان میں سے کسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی کیونکہ کسی نبی پر یہ تعلیم نہیں اُتری پھر ان کے پاس اس کی کوئی علمی دلیل بھی نہیں۔ اور آخری بات یہ ہے کہ من دون اللہ کی مدد جس پر انہیں بھروسہ ہے وہ بھی انہیں نہیں ملے گی یعنی عملی طور پر بھی کوئی ثبوت اس کا نہیں +

٧٦ وَمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ

اور انسانوں میں سے اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ۲۲۴۷ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو انکے پیچھے ہے اور اللہ کی طرف ہی

٧٧ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ

سب کام لوٹائے جاتے ہیں اے لوگو جو ایمان لائے ہو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرو

٧٨ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ

السجدة

تاکہ تم کامیاب ہو اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو جو اسکی (راہ میں) کوشش کا حق ہے۔ اس نے تمہیں چن لیا ہے اور دین کے معاملہ

فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اسنے تمہارا نام پہلے سے اور اس (قرآن) میں بھی مسلم رکھا

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

تاکہ رسول تمہارا نیشوا رہے اور تم لوگوں کے پیشوا بنو سو نماز کو قایم کرو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ ع

اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوط پکڑو وہ تمہارا آقا ہے سو کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے ۲۲۴۸

۲۲۴۷ یہاں فرشتوں اور انسانوں کے رسول بنانے کا ذکر مضمون توحید کے لحاظ سے ہی کیا ہے کیونکہ انسانوں کو خدا بنایا گیا ہے تو اسلئے فرمایا کہ انسان کی برگزیدگی کا بلند سے بلند مرتبہ رسالت کا ہے اس سے اوپر کچھ نہیں اور اس کی مخلوق تو فرشتے بھی ہیں انہیں بھی وہ رسالت کا مرتبہ ہی دیتا ہے خدائی کے حصہ دار وہ بھی نہیں ہوتے +

مسلمانوں کو اعلائے کلمۃ اللہ پر پورا زور لگانیکی نصیحت

۲۲۴۸ شرک کی تردید کرکے اب مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ توحید پھیلانے کیلئے زور لگائیں آیت ۷۷ میں تکمیل نفس کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کا نام پھیلانے میں وہی قوم کامیاب ہوسکتی ہے جو پہلے اصلاح نفس کرے اسلئے اس آیت میں اصلاح نفس کا حکم دیکر اب فرمایا کہ اللہ کی راہ میں وہ کوشش کرو جو کوشش کا حق ہے ادھوری اور ناتمام کوششیں کسی معمولی دنیوی امر میں بھی انسان کو کامیاب نہیں کرسکتیں دین میں کس طرح کامیاب کریں۔ اور ھو اجتبٰکم میں بتایا کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پھیلانے کیلئے چن لیا اور رسولوں کے صطفٰا مذکورہ آیت ۷۵ کے مقابل امت مسلمہ کا اجتباء صاف بتاتا ہے کہ جو کام رسول کرتے تھے وہ اب اسی امت مسلمہ کے سپرد کیا گیا ہے اور اسات میں کہ اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مسلم رکھا پہلے بھی یعنی پہلی کتابوں میں بھی اور فی ھذا یعنی اس قرآن میں بھی اسبات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کامل فرمانبرداری ان کا شیوہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مسلم رکھا ہے اور اس کی وجہ بھی خود ہی بتادی کہ تم لوگوں کے پیشوا یعنی معلم توحید بنو جس طرح رسول تمہارا معلم توحید ہے اس پر دیکھو ۱۷۱ +

سورة المؤمنون مكية وهي مائة وثمان عشرة آية وست ركوعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ ۱

مومن یقیناً کامیاب ہیں ۲۲۴۸ ؎

ع ۲۲ — مومنوں کی کامیابی

نام — اس سورت کا نام المؤمنون ہے اور اس میں چھ رکوع اور ۱۱۸ آیتیں ہیں اس کا نام المؤمنون پہلی ہی آیت میں آتا ہے جہاں یہ بتایا کہ مومنوں کی کامیابی کا انحصار کن باتوں پر ہے۔ اور اسی لحاظ سے یعنی یہ بتانے کو کہ مومن اپنی کامیابی صرف دنیوی ترقی کو نہ سمجھیں اس سورت کا یہ نام رکھا ہے ✦

خلاصہ مضمون — پہلے رکوع میں بتایا ہے کہ مومنوں کی فلاح کن امور میں ہے اور سمجھایا ہے کہ فلاح یا کامیابی کی بنیاد اخلاق فاضلہ پر رکھنی چاہیئے۔ رہا یہ کہ اپنے دشمنوں سے نجات ملے اور ایک قوم دنیوی رنگ میں بھی کامیاب ہو تو حضرت نوح کا دوسرے رکوع میں اور آپ کے بعد کے انبیاء کا تیسرے رکوع میں ذکر کرکے بتایا کہ یہ بھی ان لوگوں کو میسر آجاتا ہے جو اپنی فلاح کا مدار اخلاق پر رکھتے ہیں چوتھے رکوع میں پھر صفائی سے بتایا کہ فلاح حصول مال و دولت سے نہیں بلکہ اخلاق فاضلہ و تعلق باللہ سے ہے اس لحاظ سے پانچویں رکوع میں اثبات توحید و ابطال باطل کیا اور چھٹے میں بتایا کہ اعدائے حق کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اسلئے کہ وہ غلط راہ پر چلتے ہیں ✦

تعلق — پچھلی سورت میں بتایا تھا کہ آنحضرت صلعم بھی دیگر انبیاء کی طرح کامیاب ہونگے مگر اس کیلئے جنگیں کرنی پڑینگی جن میں وہ فاتح ہونگے مگر اس لئے کہ فتوحات اور بادشاہت اور مال و دولت کو کامیابی نہ سمجھ لیں یہاں یہ بتایا کہ مومنوں کی فلاح کن باتوں میں ہے ✦

زمانہ نزول — یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ اور مضمون کے لحاظ سے مکہ کے آخری زمانہ میں رکھی جاسکتی ہے ✦

ترقی کی بنیاد اخلاق پر ہے — ۲۲۴۸ ؎ اس رکوع میں مومنوں کی فلاح یا کامیابی کا ذکر ہے فلاح میں کیا کیا امور شامل ہیں دیکھو ۱۶ اور اس فلاح کیلئے مومنوں میں چند صفات کا موجود ہونا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ اور وہ صفات کیا ہیں صلوٰۃ ۱ یعنی رجوع الی اللہ۔ ان باتوں ۲ اور کاموں سے اجتناب جن کا اثر انسان کی ترقی اور بہتری پر اچھا نہیں۔ ہر ایک ۳ فعل میں پاکیزگی یا قوائے انسانی کے نشو و نما کو مدنظر رکھنا۔ تو ۴ اسے شہوانی پر پورا غلبہ حاصل کرنا۔ امانتوں ۵ اور عہد کی پابندی نمازوں ۶ پر محافظت۔ پس فلاح قومی کو اللہ کا کلام اخلاقی ترقی سے وابستہ کرتا ہے مومنوں کو بلاشبہ وہ سب مشکلات پیش آنے والی ہیں جو دنیا میں قوموں کو پیش آتی ہیں لوگ ان کے مخالف اور دشمن ہونگے انکو ظلم سے کچلنا چاہینگے انکو لڑائیاں کرنی پڑینگی انکو مختلف قوموں اور مذاہب سے واسطہ پڑے گا انہیں دنیوی رنگ میں اپنی تجارتوں وغیرہ کا فکر کرنا ہوگا۔ مگر انکی قومی ترقی کی جڑ ان کی فلاح کا رنگ بنیاد اخلاق میں پابندی کو قرار دیا گیا اگر وہ اخلاق فاضلہ پر قائم ہونگے تو باقی صفات جن سے دنیا میں قومیں ترقی کرتی ہیں خود بخود ان میں پیدا ہو جائینگی۔ گو دشمن انہیں کچلنا چاہیگا مگر انہیں ان تجاویز کے سوچنے کی ابھی ضرورت نہیں جن سے دشمن کو زک پہنچ سکے گو انہیں جنگ کرنی پڑے گی مگر انہیں فن جنگ سیکھنے اور سامان حرب اکٹھا کرنے کی ابھی ضرورت نہیں۔ انکی پہلی ضرورت اخلاق میں ترقی رجوع الی اللہ لغو سے بچنا۔ شہوات پر حکمرانی امانت اور عہد کا پورا کرنا ہے دنیا کی کسی کتاب نے قومی ترقی کا یہ راز نہیں بتایا جو قرآن شریف نے بتایا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس بنیاد پر جو عمارت

۳ اَلَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ صَلَاتِهِمۡ خَاشِعُوۡنَ ۙ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ

جو اپنی نماز میں عاجزی کرنیوالے ہیں ۲۲۴۹ اور جو لغو سے منہ پھیرنے والے ہیں ۲۲۵۰

صحابہ کی زندگیوں کا نقشہ قرآن کریم میں

یہ وہ کیسی مضبوط پیشگوئی قرآن کریم کا ایک طرف مسلمانوں کی فلاح کیلئے ان صفات کو ضروری ٹھہرانا اور دوسری طرف آنحضرت صلعم کے ساتھیوں کی فلاح کی بار بار پیشگوئیاں کرنا صاف بتاتا ہے کہ یہ سب صفات نبی کریم صلعم کے صحابہ میں پائی جاتی تھیں اور یہ وہ انقلاب تھا جو آپ کی قوت قدسی سے ملک عرب کے رہنے والوں میں پیدا ہوا جن کی پہلی حالت ان سب باتوں کے خلاف تھی اور قد افلح المؤمنون کے آگے جو مومنوں کی تصویر کھینچی ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا ہی نقشہ ہے اسی سے محمد رسول اللہ کی زندگی کے حالات کا اندازہ کرلو ۔

نماز میں خشوع کیا ہے

۲۲۴۹ خشوع ۔ سکون اور فرمانبرداری عاجزی کی حالت کا نام ہے ۔ نماز میں خشوع سے مراد کیا ہے ۔ خائف اور سکون کی حالت میں ہونا ۔ آنکھ کا نیچا رکھنا ۔ سر جھکا ہوا ہونا وغیرہ مختلف معنی لئے گئے ہیں مگر درحقیقت یہ سب باتیں اسمیں شامل ہیں ۔ اور نماز میں سکون یہی ہے کہ نماز کے سوائے اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ ہو ۔ جب یہ حالت ہوگی تو قلب میں بوجہ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کے احساس کے اس مقام کی پوری عظمت ہوگی اور جوارح خود ہی سب سکون کی حالت میں ہونگے نماز میں ادھر اُدھر دیکھنا یا کپڑوں یا اپنے جسم کے کسی حصہ سے لغو حرکتیں کرنا یا اسے جلدی جلدی بیگار کی طرح ادا کرنا سب نماز میں خشوع کے خلاف ہیں اور مومن کیلئے نماز میں خشوع اس کی روحانی ترقی کا پہلا قدم ہے ۔

صلوٰۃ اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے ۔

اسلام نے صلوٰۃ یا رجوع الی اللہ کو تمام اخلاق فاضلہ کی جڑ قرار دیا ہے اس لئے کہ خلوص جو تمام اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے وہ کبھی کسی قوم میں یا کسی انسان میں سوائے خدا سے تعلق کے پیدا نہیں ہوسکتا ۔ اور جبتک تمام اخلاق اور معاملات میں خلوص نہ ہو اس وقت تک اخلاق فاضلہ کا نام بھی ان کو نہیں دیا جاسکتا اور اسی لئے یہاں محض نماز پڑھنا نہیں رکھا ۔ بلکہ نماز میں خشوع رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کا اثر جبتک دل پر پیدا نہ ہو کچھ فائدہ نہیں ۔

لغو

۲۲۵۰ لغو ۔ دیکھو ۲۸۸ ایسا کلام جو غور و فکر سے نہیں کیا جاتا اور لغا چڑیا اور پرندوں کی آواز کو کہتے ہیں اور قبیح بات کو بھی لغو کہدیا جاتا ہے لا یسمعون فیہا لغوا ولا تاثیما (الواقعۃ ۵۶ ۔ ۲۵) واذا مروا باللغو مروا کراما (الفرقان ۲۵ ۔ ۷۲) اور

لاغیۃ ۔ لغۃ

لاغیۃ بھی لغو کے معنی میں ہی ہے لا تسمع فیہا لاغیۃ ۔ (الغاشیۃ ۸۸ ۔ ۱۱) اور اسی سے لغۃ ہے (غ) اور لغو میں بے حقیقت اقوال اور افعال دونوں شامل ہیں (د) ۔

ان اقوال و افعال سے اجتناب جن میں نسل انسانی کی بہتری مد نظر نہیں ترقی کا دوسرا بنیادی پتھر ہے ۔

اخلاقی اور روحانی ترقی میں لغو سے اعراض کو دوسرا مرتبہ قرار دیا ہے اور اس سے مراد نہ صرف لغو باتیں ہیں بلکہ لغو کام بھی جن میں اکثر لوگ مبتلا رہتے ہیں اور اس زمانہ کی تہذیب کے خاص اشغال میں سے ہیں سلمان کی حدیث میں ہے ایاکم و ملغاۃ اول اللیل یعنی اول شب میں لغو باتوں سے بچو (ل) اگر دیکھا جائے تو آجکل مسلمانوں نے دوسروں کی نقل کرکے اول شب کی لغو باتوں کو دنیا جہان کی ضروریات میں سب پر مقدم کیا ہوا ہے ہنسی اور ٹھٹھے اور عیب چینی اور غیبت کی مجلس جمتی ہے تو آدھی آدھی رات گذر جاتی ہے ایسی حالت میں شب بیداری تو ایک طرف رہی نماز فجر کی بھی پروا نہیں ہوتی ۔ ایسا ہی تاش وغیرہ کے اشغال ہیں جنہوں نے انسانی زندگی کو چارپایوں کی زندگی سے بڑھکر بلا مقصد بنا دیا ہے اور قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی ایسا فعل یا کلام نہ کیا جائے جس میں انسان یا نسل انسانی کی بہتری مد نظر نہ ہو پس کہاں تعلیم قرآن اور کہاں موجودہ مسلمانوں کا عمل ۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ

اور جو پاکیزگی کے لئے کام کرتے ہیں ۲۲۵۱ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیبیوں سے

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

یا اس سے جنکے انکے داہنے ہاتھ مالک ہوئے تو وہ ملامت کئے گئے نہیں ۲۲۵۲ لیکن جو اس سے آگے نکلنا چاہیں

۲۲۵۱ زکوٰۃ کیلئے دیکھو ۱۹۴۷ و ۱۹۸۱ یہاں مراد تزکیہ ہی للزکوٰۃ میں لام علت کا ہی یعنی جو وہ کرتے ہیں اس غرض سے کرتے ہیں کہ انکے نفس کا تزکیہ ہو (غ) ، اور اگر ادائیگی زکوٰۃ مراد ہوتی تو فاعلون کا لفظ یہاں نہ لایا جاتا اسلئے کہ فعلت الزکوٰۃ نہیں کہتے اور یہاں زکوٰۃ کے معنی مصدری یعنی تزکیہ ہی ہیں (د) اور سیاق بھی اسی معنی کو چاہتا ہی اس لئے کہ یہ تیسرا مرتبہ انسانی ترقی میں ہی پہلا مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنا اور اس سے تعلق پیدا کرنا ہی دوسرا یہ کہ انسان اپنے اوقات کو لغو باتوں اور لغو کاموں سے بچائے اور لغو سے وقت کو بچانا خود چاہتا ہی کہ اسے کسی بہتر مصرف پر لگایا جائے پس اب وہ مصرف بتایا کہ تزکیہ کو اپنے ہر ایک فعل کی غرض رکھے اور تزکیہ سے مراد صرف پاکیزگی اپنے تمام معنوں میں نہیں بلکہ اس کے معنی ہی نفس کو خیرات و برکات سے ترقی دینا ہیں دیکھو ۱۹۴۴ وغیرہ پس کامیابی کیلئے یہ ضروری ہی کہ اپنے اوقات کو ایسے مصرف میں لگایا جائے جس میں انسان کی اپنی یا اس کی قومی بہتری مد نظر ہو ۰

۲۲۵۲ فروج - فرج کی جمع ہی اور وہ اصل میں دو چیزوں کے درمیان شگاف کو کہتے ہیں اور مراد اس سے وہ ہی جو دونوں پاؤں کے درمیان ہی اور شرمگاہ کیلئے اس کا استعمال بوجہ کثرت صریح کے طور پر ہوگیا ہی اور ہر ایک موضع مخافت کو یعنی جہاں کوئی خوف ہو فرج کہا جاتا ہی (غ) ۰

حفظ فروج تو فی الحقیقت وسیع معنی میں ہی یعنی ہر ایک موضع مخافت کا یعنی ایسے مقام کا جہاں سے شیطان حملہ آور ہو سکتا ہی محفوظ رکھنا مگر یہاں ازواج کا استثناء بتاتا ہی کہ مراد ایسے مواضع مخافت ہیں جو قوت شہوانیہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مراد صرف زنا سے بچنا نہیں بلکہ شہوات کے تمام موقعوں سے اپنی حفاظت کرنا ہی یہانتک کہ بدنظری سے بچنا بھی اس میں داخل ہی اسلئے جس طرح مردوں کو حفاظت فروج کا حکم ہی عورتوں کو بھی ہی والحافظین فروجھم والحافظات (الاحزاب ۳۳ - ۳۵) لیکن یہاں استثنا میں الا ما ملکت ایمانھم سے ایک وقت پیدا ہوتی ہی اور وہ یہ کہ ذوج سے مراد تو مرد کی صورت میں اس کی بی بی اور عورت کی صورت میں اس کا خاوند ہیں اور او ما ملکت ایمانھم میں غلام اور لونڈی دونوں داخل ہیں سوائے اسکے کہ قرینہ اسے غلاموں سے مخصوص کردے یا لونڈیوں سے اب یہاں بظاہر کوئی ایسا قرینہ نہیں لیکن اجماع نے مرد مملوک سے آزاد عورت کا تعلق بغیر نکاح ناجائز ٹھہرایا ہوا اور زن مملوکہ سے آزاد مرد کا تعلق جائز رکھا ہی۔ اسلئے او ما ملکت ایمانھم سے یہاں صرف لونڈیاں مراد لی ہیں مگر یہ سوال الگ ہی کہ لونڈی کیساتھ تعلق بذریعہ نکاح ہو سکتا ہی یا بغیر نکاح سو اس پر ۶۰۵ و ۶۳۹ میں مفصل بحث گذر چکی ہی ۰

انسانی ترقی کا یہ چوتھا مرتبہ ہی جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہی اور اس کا منشا یہ ہی کہ انسان کے قوائے شہوانی جو اسے قدرت نے دیئے ہیں ان پر اسکو پوری حکومت حاصل ہو۔ یہ وہ بات ہی جس کی طرف سے اکثر قوموں نے غفلت کی ہی اور یہی آخر کار ان کی تباہی کا موجب ہوئی ہی قوائے شہوانی کو جبتک حد اعتدال کے اندر نہ رکھا جائے یہ تمام دوسری قوتوں کو دبا لیتے ہیں اور ان کا ہیجان آہستہ آہستہ انسانوں کو اور قوموں کو بڑے بڑے اخلاق فاضلہ سے عاری کر دیتا ہی آج بھی کس قدر قومیں ہیں جو اپنے آپکو مہذب اور ترقی یافتہ سمجھتی ہیں مگر قوائے شہوانی کی غلامی کی طرف ان کا قدم اٹھ رہا ہی اور وہ نہیں جانتیں کہ وہ ہلاکت کے گڑھے کے قریب ہوتی چلی جا رہی ہیں ۰

حاشیہ:
ﷲ معنی تزکیہ
انسانی ترقی کا تیسرا مرتبہ نفس کا تیسرا اسے برکات سے ترقی دینا ہی
فروج
حفظ فروج سے مراد
انسانی ترقی کا چوتھا مرتبہ قوائے شہوانی پر حکومت ہی

۹ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ

وہ حد سے بڑھنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کو نگاہ رکھنے والے ہیں ۲۲۵۲ اور جو اپنی نمازوں

۱۱ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا — وقف لازم

کی محافظت کرتے ہیں ۲۲۵۳ یہی وارث ہیں جو فردوس کو ورثہ میں لیتے ہیں وہ اسی میں

۱۳ خَالِدُونَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي

رہینگے اور ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کرتے ہیں ۲۲۵۴ پھر ہم اسے ایک مضبوط ٹھہرنے کی جگہ میں

۱۴ قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ

نطفہ بناتے ہیں پھر ہم نطفہ کو لوتھڑا بناتے ہیں اور لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بناتے ہیں اور گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں

عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝

۲۲۵۵ بناتے ہیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں پھر ہم اسے ایک اور پیدایش دیکر اٹھا کھڑا کرتے ہیں پس اللہ بابرکت ہے (وہ) سب بنانیوالوں سے بہتر ہے

ترقی کا پانچواں مرتبہ پابندی عہد ہے

۲۲۵۲ یہ ترقی کا پانچواں مرتبہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی مدعی تہذیب قوموں کی حالت کو مدنظر رکھکر ہی یہ علاج بتائے گئے ہیں جب ایک قوم دنیوی ترقی کے معراج پر پہنچتی ہے تو پھر اسے امانت اور عہد کی کوئی پروا نہیں رہتی اسلئے کہ وہ زبردست ہے اور جو چاہے کر سکتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ امانت اور عہد کے عدم ایفا سے قوموں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساتھ ہی انکا رعب جاتا رہتا ہے اور رعب کے بغیر کوئی مادی قوت کچھ کام نہیں دیتی۔

حفاظت نماز ترقی کا آخری مرتبہ ہے

۲۲۵۳ چھٹے اور آخری مرتبہ پر نمازوں کی محافظت رکھی ہے اور اسی طرح سورۃ المعارج میں بھی آخری مرتبہ نمازوں کی محافظت کو ہی رکھا ہے اور اس سے مراد جیسا کہ ۷۰: ۳۴ میں دکھایا گیا ہے صرف اوقات و ارکان کی حفاظت ہی نہیں بلکہ ہر ایک فحشاء اور منکر سے بچنا بھی ہے اور نماز یا خدا کیطرف رجوع ایسے انسان کیلئے بطور ایک غذا کے بنجاتا ہے جس کے بغیر اسے چین نہیں پڑتا اور یہی وجہ ہے کہ نماز کو مومن کا معراج کہا ہے کیونکہ اسکی ترقی کا آخری مرتبہ بھی یہی ہے جب انسان اس مرتبہ کو حاصل کرتا ہے تو اسکا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ بلند سے بلند اخلاق والے لوگ دنیا میں مادی ترقی کے لیڈر نہیں بلکہ وہ روحانی پیشوا ہوئے ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل ہوا ہے اور تمام دنیا کی اقوام انہی لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ کرتی ہیں +

سلالۃ

۲۲۵۴ سلالۃ۔ سلّ ایک چیز کا دوسری سے کھینچکر نکال لینا ہے اور سلالۃ وہ صاف جوہر ہے جو زمین سے کھینچکر نکال لیا جاتا ہے (غ)۔ +

انسان مٹی سے کس طرح بنتا ہے

قرآن کریم میں کئی جگہ انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کا ذکر ہے یہاں اس کی تصریح فرما دی اور بتا دیا کہ مٹی سے بنایا نہیں بنایا جاتا بلکہ اس کا خلاصہ نکالا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے کثیف جوہر سے جیسے مٹی ہے وہ نہایت لطیف جوہر پیدا کرتا ہے جس سے انسان کی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے اور جسے کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی پس جب مٹی جیسی کثیف چیز سے اللہ تعالیٰ زندگی کے جوہر نکالتا رہتا ہے اور یہ نظارہ دن رات ہماری آنکھوں کے سامنے ہے تو اعمال سے اس سے بھی لطیف تر ایک جوہر کیوں نہیں بن سکتا جو انسان کی دوسری زندگی کیلئے بطور ایک بنیاد کے ٹھہرے +

۲۲۵۵ جسمانی زندگی کے مدارج کو روحانی زندگی کے مدارج پر بطور شہادت کے پیش کیا ہے اور یہاں بھی چھ ہی مدارج بیان ہوئے ہیں

ثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا ۱۷

پھر تم اسکے بعد یقیناً مرنے والے ہو پھر تم قیامت کے دن اُٹھائے جاؤ گے اور ہم نے تمہارے

فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ﴿١٧﴾ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۱۸

اوپر سات رستے بنائے اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ۲۲۵۶ اور ہم بادل سے ایک اندازہ سے پانی

بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ﴿١٨﴾ فَأَنشَأْنَا لَكُم ۱۹

اُتارتے ہیں پھر اسے زمین میں ٹھہراتے ہیں اور ہم اسے لیجانے پر یقیناً قادر ہیں ۲۲۵۷ پھر ہم اسکے ساتھ تمہارے لیے

بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٩﴾ وَ ۲۰

وقف لازم

کھجوروں اور انگوروں کے باغ اُگاتے ہیں ۔ ان میں تمہارے لئے بہت پھل ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو اور

شَجَرَةً تَخْرُجُ مِن طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْآكِلِينَ ﴿٢٠﴾

ایک درخت جو سینا پہاڑ سے نکلتا ہے وہ روغن اور کھانے والوں کیلئے سالن لیے ہوئے نکلتا ہے ۲۲۵۸

اور انشانا کا خلقا آخر میں نفس ناطقہ یا عقل انسانی کے دیئے کی طرف اشارہ ہے یعنی بتایا ہے کہ انسان کی زندگی کی ترقیات کو ہم نے محض حیوان کی زندگی کی ترقیات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے کوئی چیز زائد بھی دی ہے جو اسکے اعمال کے محاسبہ کو اور بعثت کو ضروری ٹھہراتی ہے۔ اسی لئے اس کے بعد اس کی موت کے ساتھ اس کی بعثت کا ذکر کیا ۔

سات رستے اور نظام شمسی

۲۲۵۶ سات رستوں کی توجیہ مفسرین نے یوں کی ہے کہ وہ سات آسمان ہیں اور رستے انہیں اس لئے کہا ہے کہ فرشتوں کی آمد و رفت ان میں ہے یا کواکب ان میں چلتے ہیں۔ مگر طرائق اس چیز کو نہیں کہتے جس میں کوئی رستہ بھی ہو یوں تو زمین بھی طریقہ ہوئی کیونکہ اس میں سبلاً فجاجاً ہیں۔ بلکہ طریقہ خود رستہ کو کہتے ہیں۔ اور یہاں صرف طریقوں کا ذکر ہے دوسرے قرآن کریم نے خود بتا دیا ہے کہ وہ چلنے والے کون ہیں۔ والسماء والطارق وما ادرلک ما الطارق النجم الثاقب اور نجم ثاقب زہرہ ہے پس معلوم ہوا کہ جن کے یہ رستے ہیں ان میں سے ایک چلنے والا زہرہ ہے اور باقی بھی اسی کے ساتھ کے دوسرے کواکب ہیں جو زمین کے علاوہ نظام شمسی میں سات ہیں پس انہی سات کے رستوں کو سبع طرائق کہا ہے نہ آسمانوں کو۔ ہاں سبع سماوات کا لفظ خود ان سات سیاروں پر اس لحاظ سے صادق آتا ہے کہ وہ اوپر ہیں۔ اور ما کنا عن الخلق غافلین اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے بیان فرما رہا ہے اور ان اجرام فلکی کی طرف اسلئے توجہ دلائی کہ انسان کی پیدایش کیا حقیقت رکھتی ہے اللہ تعالیٰ نے اتنے اتنے بڑے اجرام بھی پیدا کئے ہیں اور ممکن ہے کہ ما کنا عن الخلق غافلین میں یہ اشارہ ہو کہ ان اجرام میں جو مخلوق ہے ہم اس کی بھی خبر گیری کرتے ہیں ۔

۲۲۵۷ پانی کے لیجانے سے مراد اس کا زمین میں کم کر دینا بھی ہو سکتا ہے اور اس کا اوپر بخارات کی صورت میں اُٹھا کر لیجانا بھی۔ سیاق کی رو سے دوسرے معنی کو ترجیح ہے کیونکہ یہاں صرف نعمتیں دینے کا ذکر ہے ۔

سینا سینین

۲۲۵۸ سینا، سیناء اور سینین شام میں ایک مشہور پہاڑ ہے (ل)، اور بعض نے اس کے معنی مبارک کئے ہیں اور بعض نے درختوں والا (ق)، اور اس کا وہ پہاڑ ہونا جس پر سے موسیٰ علیہ السلام پکارے گئے مشہور ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ پہاڑ ہے جس پر آنحضرت صلعم پکارے گئے (ح)

۲۱ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ

اور یقیناً تمہارے لئے چارپایوں میں بھی عبرت ہے ہم تمہیں اس سے پلاتے ہیں جو انکے پیٹوں میں ہے اور ان میں تمہارے لئے بہت سے فائدے ہیں

۲۲ ۲۳ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۙ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ

ع ۲ ۱۰ حضرت نوحؑ کا دشمنوں سے نجات پانا

اور ان سے تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کیطرف بھیجا

۲۴ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَقَالَ

سو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اسکے سوا کوئی معبود نہیں تو کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے تو ان لوگوں کے

الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ

سرداروں نے جو اس کی قوم میں سے کافر ہوئے کہا یہ صرف تمہیں جیسا ایک بشر ہے چاہتا ہے کہ تم پر بڑائی حاصل

عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝

کرے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اتار دیتا ہم نے یہ پہلے اپنے باپ دادوں میں نہیں سنا ۲۲۵۹

۲۵ ۲۶ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝

وہ صرف ایک ایسا شخص ہے جسے جنون ہے تو ایک وقت تک اسکے بارے میں انتظار کرو (نوح نے) کہا اے میرے رب مجھے مدد دے اسلئے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ۲۲۶۰

۲۷ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ

پس ہم نے اسکی طرف وحی کی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے کشتی بنا پس جب ہمارا حکم آئے اور زمین اپنا پانی جوش مارے

دھن ۔ صبغ

دُھن ۔ روغن کو کہتے ہیں اور صبغ سالن کو اس لحاظ سے کہ کھانا کھانے والا روٹی کو سالن میں ڈبو کر کھاتا ہے ۱۴۳ +

زیتون کا درخت

یہ درخت زیتون ہے (ج) اور اس کے الگ ذکر میں حالانکہ اوپر بارش کے ساتھ باغ وغیرہ لگانے کا ذکر ہے اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ (النور ۲۴ : ۳۵) جہاں اسلام کو درخت زیتون سے تشبیہ دی ہے اور بعض احادیث میں زیتون کی تعریف بھی بہت آئی ہے +

تفضّل

۲۲۵۹ یتفضل تَفَضُّل یہ ہے کہ اپنے ہمسروں پر فضیلت کا دعوے کرے یعنی وہ چاہتا ہے کہ رسول بنکر عام لوگوں سے اس کی قدر و منزلت زیادہ ہو (ل) +

۲۲۶۰ بما کذبون میں ما سبب کیلئے ہے یا بدل کیلئے اور آلہ کیلئے لیکن ایک یوں معنی بھی ہو سکتے ہیں اس چیز کیساتھ میری مدد کر جس میں انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے یعنی اس عذاب کو بھیجکر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے +

فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ

تو اس میں ہر (ضرورت کی) شے کے نر و مادہ دو دو لیلے اور اپنے اہل کو بھی سوائے اسکے جسکے متعلق اُن میں سے پہلے حکم ہو چکا

وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ۞ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ ۲۸

اور انکے متعلق مجھ سے خطاب نہ کرنا جو ظالم ہیں وہ غرق کئے جائینگے پس جب تو اور جو تیرے ساتھ

مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۞ وَقُلْ ۲۹

ہیں کشتی پر مضبوط ہو کر بیٹھ جاؤ تو کہہ سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی ۲۲۶۱ اور کہو

رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۞ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ ۳۰

اے میرے رب مجھے برکت والا اتارنا اتار اور تو سب اتارنیوالوں سے بہتر ہے ۲۲۶۲ یقیناً اس میں نشان ہیں اور ہم

إِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ۞ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۞ فَأَرْسَلْنَا ۳۱ ۳۲

آزمائش کرتے رہتے ہیں ۲۲۶۳ پھر ہم نے انکے بعد ایک اور نسل پیدا کی پس ان میں انہی

فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۞ وَقَالَ الْمَلَأُ ۳۳

میں سے رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اسکے سوائے کوئی معبود نہیں تو کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے ۲۲۶۴ تو اسکی قوم کے

مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

سرداروں نے کہا جو کافر تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی میں آسودگی دی تھی

ع ۱۸ — انبیاء بعد نوح کا اپنے دشمنوں سے نجات پانا

دوسرے کی مصیبت پر خوش نہ ہونا چاہیئے

۲۲۶۱ حالانکہ قوم غرق ہو گئی تھی مگر ان کے غرق ہونے پر الحمد نہیں کہا بلکہ اپنی نجات پر اور نجات بھی ان لوگوں کے ہاتھ سے جنہوں نے ظلم کرکے چند خدا کے بندوں کو ہلاک کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہونا چاہیئے ٭

مُنزَل

۲۲۶۲ مُنزَل مصدر بھی ہو سکتا ہے یعنی انزال اور اُترنے کی جگہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یہ دعا اس بنا پر کہ اذا استویت انت کے بعد آئی ہے کشتی میں داخل ہونے کے متعلق سمجھی گئی ہے مگر بجا ہے اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ یہ وہ دعا ہے جو حضرت نوح کو کشتی سے اُترنے کے وقت کرنیکا حکم تھا اور یہ زیادہ قرین قیاس ہے۔

اِنْ

۲۲۶۳ اِن بمعنی اِنَّ ہے۔ اور مراد قوم نوح کی آزمایش بھی ہو سکتی ہے مگر نشان کے ذکر کے لحاظ سے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے بندوں کی آزمایش مراد لی جاسکے یہ الفاظ ایک قانون کے رنگ میں ہیں یعنی ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم بندوں کی آزمایش کرتے رہتے ہیں یعنی ان کی جودت اور رداءت کو ظاہر کرتے رہتے ہیں ٭

۲۲۶۴ قوم نوح کے بعد جس قوم کا ذکر قرآن شریف نے کیا ہے وہ عاد ہی ہے واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح (الاعراف ۶۹) اور ان کے رسول حضرت ہود علیہ السلام تھے ٭٭

۳۳ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ○

یہ کچھ نہیں مگر تم جیسا ایک انسان ہے اسی سے کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور اسی سے پیتا ہے جو تم پیتے ہو

۳۴ ۳۵ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ

اور اگر تم اپنے جیسے ایک انسان کی اطاعت کروگے تو اس حال میں تم یقیناً نقصان اٹھانیوالے ہوگے کیا وہ تمہیں ڈراتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور

۳۶ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ○ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ○

مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤگے تو تم (پھر) نکالے جاؤگے دور بہت ہی دور (از عقل) وہ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے [۲۲۶۵]

۳۷ ۳۸ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ○ اِنْ هُوَ

یہ کچھ نہیں مگر صرف ہماری دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائینگے [۲۲۶۶] وہ کچھ نہیں

۳۹ اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ

مگر صرف ایک شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا ہے اور ہم اس پر ایمان لانیوالے نہیں (رسول نے) کہا میرے رب

۴۰ ۴۱ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ○ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ○ فَاَخَذَتْهُمُ

میری مدد کر اسلئے کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے فرمایا تھوڑی ہی دیر میں یقیناً پشیمان ہونگے [۲۲۶۷] تو ایک ہولناک

الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ج فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○

آواز نے انہیں حق کے ساتھ آپکڑا سو ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ کر دیا پس ظالم لوگوں کیلئے دوری ہے [۲۲۶۸]

هیهات — [۲۲۶۵] ہیہات ایک کلمہ ہے جو کسی چیز کے دور کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے (غ) اور جو اسم اس کے ساتھ ہوتا ہے اس پر عرب لام داخل بھی کرتے ہیں جیسے یہاں اور نہیں بھی کرتے (ج)۔

تناسخ — [۲۲۶۶] نموت ونحیا۔ ہم مرتے ہیں اور ہم زندہ ہوتے ہیں یعنی پچھلے مرتے چلے جاتے ہیں نئے پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور بعض نے اس سے تناسخ کا عقیدہ نکالا ہے یعنی ان کا منشا یہ ہے کہ ہم جب مر جاتے ہیں تو کسی نئی صورت میں زندہ ہو کر آجاتے ہیں۔ اور بعثت یا نئی زندگی کوئی شے نہیں۔

[۲۲۶۷] عما قلیل کی ترکیب ہے عن زمان قلیل اور ما جار و مجرور کے درمیان صلہ ہے جو قلت کے معنی کی تاکید کیلئے ہے۔

غثاء — [۲۲۶۸] غثاء۔ سیلاب اور ہانڈی کا غثاء وہ چیز ہے جو ایک جگہ جمع ہو کر متفرق ہو جائے جیسے خشک شدہ نبات یا ہانڈی کی جھاگ اور اس کے ساتھ اس چیز کی مثال دی جاتی ہے جو ضائع ہو جائے اور اس کی کچھ قدر و قیمت نہ سمجھی جائے۔ بُعد کیلئے دیکھو [۱۴۷۷]۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا ۴۲ ۴۳

پھر انکے بعد ہم نے اور نسلیں پیدا کیں کوئی قوم نہ اپنے وقت مقرر سے آگے جا سکتی ہو اور نہ

يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ ۴۴

پیچھے رہ سکتی ہو پھر ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے جب کبھی کسی قوم کے پاس اسکا رسول آیا انہوں نے اسے جھٹلایا

فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

تو ہم بھی ایک کے پیچھے دوسرے کو (ہلاکت میں) پہنچاتے رہے اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا پس ان لوگوں کیلئے دوری ہو جو ایمان نہیں لاتے ۲۲۶۹

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ ۴۵ ۴۶

پھر ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور کھلی مضبوط دلیل کے ساتھ بھیجا فرعون اور اس کے

وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا ۴۷

سرداروں کیطرف مگر انہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے تو انہوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لائیں

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝ وَلَقَدْ ۴۸ ۴۹

اور انکی قوم کے لوگ ہمارے خدمتگار رہیں ۲۲۷۰ سو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہلاک شدہ (قوموں) میں سے ہو گئے اور ہم نے

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً ۵۰

موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ ہدایت پائیں اور ہم نے ابن مریم اور اسکی ماں کو ایک نشان بنایا۔

۲۲۶۹ تترا۔ مُوَاتَرَۃٌ سے فَعْلیٰ ہے جس کا مادہ وَتْر ہے اور مواترۃ کے معنی ہیں وتر و تتریعنی ایک ایک کر کے ایک کو دوسرے کے پیچھے لانا اور اسکی اصل واؤ ہے جو تا سے بدل گئی ہو (غ)۔

احادیث۔ دیکھو ۱۵۱۶ د اور یہاں مراد ہے کہ ان کا ذکر صرف خبروں کے طور پر رہ گیا جنکے ساتھ مثال دی جاسکے (غ)۔

۲۲۷۰ عابدون۔ عابد کے معنی خادم مطیع بھی ہیں اور عبادت کرنے والے بھی۔ مگر یہاں خادم ہی مراد ہیں اسلئے کہ دوسری جگہ ہے وتلک نعمۃ تمنہا علیّ ان عبّدت بنی اسرائیل (الشعراء ۲۶ - ۲۲) اور عبّدہٗ کے معنی ہیں اسے عبد یا غلام بنا لیا۔

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝ۧ

اور ان دونوں کو ایک بلند جگہ پر پناہ دی جو ہموار اور چشموں والی تھی ۲۲۷

ربوۃ

۲۲۷ ربوۃ۔ کُلُّ مَا ارتفع من الارض یعنی جو زمین بلند ہو اسے ربوۃ کہا جاتا ہے (ل) اور وہ ایسی بلند زمین ہے جہاں پہاڑ نہ ہو (د) یعنی سطح مرتفع۔ مکان ما ارتفع من الارض علی ما حوله (ج)۔

قرار

قرار۔ کے معنی ٹھہرنا ہیں۔ اور ذات قرار کے معنی ہیں ایسی زمین جس میں پانی ٹھہرے (ل)، یا سطح مستوی یعنی ہموار جگہ (ج)، یا پھلوں والی (ج)۔

معین

معین۔ ماء معین اور ماء مَعْیُوْن کے ایک معنی ہیں ظاہر یعنی جسے آنکھ زمین پر چلتا دیکھے (ل)، کیونکہ عین آنکھ کو کہتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ اور آپکی والدہ کا نشان ہونا

ابن مریم اور اس کی ماں کو ایک نشان بنایا کس لحاظ سے؟ مفسرین اکثر بن باپ پیدائش کی طرف ہی گئے ہیں مگر یہاں ذکر نیک لوگوں کی فلاح اور انکے ظالموں کے ہاتھ سے نجات پا جانے کا ہے اور اسی کو بار بار نشان کہا گیا ہے ان فی ذٰلک لاٰیۃ اور قوم نوح کو غرق کرنے کے بعد فرمایا وجعلنٰھم للناس اٰیۃ (الفرقان ۲۵۔ ۳۷) پس قوم نوح اگر ہلاک کیا جانے کے لحاظ سے نشان ہے تو ابن مریم اور انکی والدہ بچائے جانے کے لحاظ سے نشان ہیں پس مراد ان کا نشان ہونا اسی لحاظ سے ہے کہ انہیں ظالم قوم کے ہاتھ سے نجات دی گئی اور قرآن کریم نے خود اس آیت کا بیان اگلے الفاظ میں کر دیا ہے۔

حضرت عیسیٰ کو پناہ کہاں ملی

یہ جگہ کونسی تھی جہاں ابن مریم اور انکی والدہ کو پناہ ملی مفسرین کا اس میں بہت اختلاف ہے کوئی اسے فلسطین قرار دیتا ہے کوئی بیت المقدس کوئی دمشق اور کوئی مصر۔ مگر سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ قرآن شریف کے لفظ۔ ربوۃ۔ ذات قرار۔ ذات معین ان میں سے کسی پر بھی صادق نہیں آتے۔ ربوۃ چاہتا ہے کہ بلند زمین ہو۔ ذات قرار چاہتا ہے کہ ہموار ہو پہاڑ نہ ہو۔ یا بہت پھلوں والی ہو۔ ذات معین چاہتا ہے کہ اس میں سطح زمین پر چشمے اور نہریں بہ رہی ہوں ان تمام صفات میں اگر کوئی یکتا قطعہ زمین ہے تو

حضرت عیسیٰ کا کشمیر آنا

وہ کشمیر ہے۔ اور فلسطین اور بیت المقدس اور دمشق اور مصر تو بہر حال نہیں کشمیر کی بلندی چار ہزار فٹ یا اس سے اوپر ہے۔ پھر یہ ذات قرار ہموار میدان ہونے کے لحاظ سے بھی ہے اور پھلوں والی جگہ ہونے کے لحاظ سے بھی پھر چشمے بھی اس میں اس کثرت سے بہتے ہیں کہ انکی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ایواء یا پناہ دینے کا ذکر ہے اور انبیاء کا جس قدر ذکر قرآن شریف میں ہے وہ بعد تبلیغ ظالم مخالفوں کے ہاتھ سے نجات دینے پر ہی ہے پس حضرت عیسیٰ کو جو یہ پناہ ملی ہے یہ بھی اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے ملی اور جیسا کہ ۲۶۷ میں دکھایا گیا ہے حضرت عیسیٰ صلیب سے زندہ اتر آئے اور یہاں قرآن کریم نے اس عقدہ کو بھی حل کر دیا کہ صلیب سے زندہ اتر کر پھر کیا ہوا۔ اور یہاں بتا دیا کہ انہیں اور انکی والدہ کو ایک اور ملک میں پناہ ملی اور اس کا نقشہ ایسا بتا دیا کہ دنیا کے کسی دوسرے حصہ ملک پر وہ صادق نہیں آ سکتا گویا فلسطین سے انہوں نے ہجرت کی۔

یوزآسف نبی کی قبر حضرت عیسیٰ کی قبر ہے

کشمیر میں حضرت عیسیٰ کا آنا تاریخ سے بھی ثابت ہے چنانچہ محلہ خان یار شہر سرینگر میں ایک قبر ہے جو یوزآسف کی قبر کے نام سے موسوم ہے اور جسے نبی صاحب کی قبر بھی کہا جاتا ہے اور یہ نہ صرف زبانی روایتوں سے ہی معلوم ہوتا ہے بلکہ تاریخ اعظمی کشمیر جیسے لکھے ہوئے ڈیڑھ سو سال گزر چکا ہے اس میں صفحہ ۸۲ پر اس قبر کا ذکر بدیں الفاظ ہے کہ یہ قبر عام طور پر ایک نبی کی قبر مشہور ہے اور کہ وہ ایک شہزادہ تھا جو کشمیر میں کسی دوسرے ملک سے آیا اور کہ اس کا نام یوزآسف تھا۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد تو کوئی نبی ہوا نہیں اور نہ کسی ولی کی قبر نبی کی قبر کہلا سکتی تھی۔ اور نبی کا لفظ عربی اور عبرانی زبانوں کا ہے پس لازماً یہ کوئی عبرانی نبی ہے عرصہ جو روایتاً بیان کیا جاتا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے ملتا ہے اور پھر سب سے بڑھکر یہ کہ نام یوزیا یوس (کیونکہ س۔ ز سے بدل جاتا ہے) اور یسوع باہم ملتے ہیں یہ دلائل ایک زبردست قرینہ ہیں کہ وہ قبر جو محلہ خانیار میں ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہی ہے اور کسی نبی کی قبر نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ ٥١

اے رسولو پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور اچھے عمل کرو میں اسے جو تم کرتے ہو جانتا ہوں ٢٢٧٢

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ٥٢ ٥٣

اور کہ یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میرا تقویٰ کرو پھر انہوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں قطع کرکے ٹکڑے

زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ ٥٤

ٹکڑے کر دیا سب گروہ اس پر جو انکے پاس ہے خوش ہیں ٢٢٧٣ سو انہیں اپنی جہالت میں ایک وقت تک چھوڑ دے

ملاح حصول مال و دولت سے نہیں اخلاق فاضلہ اور تعلق باللہ سے ہے

افغانوں اور کشمیریوں کا بنی اسرائیل سے ہونا

علاوہ ازیں اور بھی وجوہات ہیں کہ حضرت عیسیٰ مشرق کی طرف آئے۔ افغان اب تک اپنے آپکو بنی اسرائیل بتاتے ہیں اور انکی روایات اسکے رسم و رواج سے ان کے نقشوں سے ان کا بنی اسرائیل ہونا ثابت ہوتا ہے یہی بات اہل کشمیر کے متعلق معلوم ہوتی ہے اور کشمیر کے بہت سے شہروں کے نام فلسطین کے شہروں پر ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حصہ بنی اسرائیل کا ایام جلاوطنی میں افغانستان اور کشمیر میں آ آباد ہوا۔ اور حضرت عیسیٰ کو جب یہود فلسطین کی ایذا دہی سے ہجرت کرنی پڑی تو آپ نے ان اقوام بنی اسرائیل کی طرف رخ کیا جو اپنے وطن سے الگ ہو چکی تھیں۔ اور حدیث میں جو آتا ہے ان عیسیٰ عاش مائۃ وعشرین سنۃ یعنی حضرت عیسیٰ ایک سو بیس سال زندہ رہے اس کی رو سے بھی ضروری ٹھہرتا ہے کہ بقیہ عمر آپ نے کہیں اور گزاری ہو۔

حضرت عیسیٰ کا ایک سو بیس برس عمر پانا

٢٢٧٢ یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہے اور ایک شخص کیلئے بعض وقت جمع کا صیغہ استعمال ہو جاتا ہے (ج) اور مراد یہ ہے کہ ہم نے جب عیسیٰ اور ان کی والدہ کو اچھی جگہ پر پناہ دی تو ساتھ ہی ان کو یہ بھی کہدیا کہ طیبات سے کھاؤ (د) جس سے معلوم ہوا کہ وہ خطہ زمین میووں والا بھی تھا جیسا کہ ذات قرار کے معنی میں بیان ہوا ہے۔ اور یا یہ حکایت کے طور پر ہے کہ ہر رسول سے اس کے زمانہ میں یہی خطاب ہوا تھا اور اب کو یا نبی کریم صلعم کو انہی الفاظ میں خطاب ہوتا ہے اور امام راغب کہتے ہیں کہ رسل کے لفظ میں نبی کریم صلعم کے ساتھ آپ کے برگزیدہ اصحاب شامل ہیں۔

تمام مذاہب کا ایک ہی منشا اور رسل کا ایک ہی طرف ایک رسول کا آنا

٢٢٧٣ مختلف رسولوں کا ذکر کرنے سے منشا یہ ہے کہ سب خدا کی طرف سے آئے اور اصلاح خلق انکے مد نظر تھی سب کے حالات انکا دشمنوں کے ہاتھ سے نجات پانا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں قایم کرنا یکساں تھا اسی لئے پہلے یاایہا الرسل میں سب کو ایک ہی لفظ سے خطاب کیا پھر ان کی بعثت کا مقصد ایک ہونے کا ذکر اور بھی صراحت سے ان الفاظ میں کیا ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ یعنی رسولوں کی جماعت ایک ہی جماعت ہے اور ان کی بعثت کی غرض دنیا میں اس بات کا قایم کرنا ہے کہ سب کا رب اللہ ہے اس کا تقویٰ اختیار کیا جائے لیکن ان کے پیرؤوں نے اس واحد مقصد کو ملیا میٹ کر دیا اور امر دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہر گروہ صرف جو اس کے اپنے پاس تھا اس پر خوش ہو گیا اور دوسرے رسولوں کی رسالت کا انکار کر دیا اور نسل انسانی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اس آیت کا مضمون ہے اور اس کے بیان کرنے کی غرض صاف ہے کہ اس حالت میں ضروری تھا کہ سب کو ایک دین پر جمع کرنے کیلئے اور اس حقیقت کو دنیا میں آشکارا کرنے کیلئے کہ سب خدا جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں ایک رسول مبعوث ہوتا جیسا کہ آگے چلکر تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا (الفرقان ٢٥ - ١) میں بیان فرمایا۔

۵۵ ۵۶ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَل

کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ جو ہم انکو مال اور بیٹوں سے مدد دے رہے ہیں تو ہم ان کیلئے اچھی چیزیں جلدی کھینچ رہے ہیں بلکہ وہ

۵۷ ۵۸ لَّا يَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم

محسوس نہیں کرتے ۲۲۷۴ جو لوگ اپنے رب کے خوف کی وجہ سے ڈرتے رہتے ہیں ۲۲۷۵ اور وہ جو

۵۹ ۶۰ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝ وَالَّذِينَ

اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور وہ جو

۶۱ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ

دیتے ہیں جو کچھ کہ وہ دیتے ہیں حالانکہ انکے دل خوف سے بھرے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے رب کیطرف لوٹ کر جانیوالے ہیں ۲۲۷۶ یہ لوگ

۶۲ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور وہ انکی وجہ سے سبقت لیجانیوالے ہیں ۲۲۷۷ اور ہم کسی شخص پر کچھ مشقت نہیں ڈالتے مگر اسکی وسعت کے مطابق

دنیا کا مال اور جتھہ کامیابی نہیں

۲۲۷۴ یہاں بتایا ہے کہ لوگ دنیا کے مال اور جتھے کو یعنی دنیوی طاقت کو ہی کامیابی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ وہ فلاح سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ انکو یہ احساس بھی نہیں کہ فلاح کسے کہتے ہیں اور حقیقی کامیابی بلند اخلاق سے ہے نہ مال و دولت سے۔ اسی کو غمرۃ یعنی انکی جہالت کہا ہے جس میں وہ ڈوبے ہوئے ہیں اور اسی لئے اس کے بالمقابل اگلی آیات میں پھر اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ذکر کیا ہے جو اخلاق فاضلہ کی بنیاد ہے۔

شَفَق

۲۲۷۵ مشفقون۔ شَفَق دن کی روشنی کا رات کی سیاہی سے مل جل جانا ہے جو غروب آفتاب کے وقت ہوتا ہے فلا اقسم بالشفق (الانشقاق ۸۴-۱۶) اور

اشفاق

اِشْفَاق فکر ہے جو خوف کے ساتھ ملا ہوا ہو وھم من الساعۃ مشفقون (الانبیاء ۲۱-۴۹) اور جب اس کا صلہ من ہو تو خوف کے معنی اس میں غالب ہوتے ہیں اور فی صلہ ہو تو فکر کے معنی غالب ہوتے ہیں انا کنا قبل فی اھلنا مشفقین (الطور ۵۲-۲۶)

شفقۃ

مشفقین مما کسبوا (الشوریٰ ۴۲-۲۲) ء اشفقتم ان تقدموا (المجادلۃ ۵۸-۱۳) (غ)۔ اور شَفَقَۃ اسی سے اسم ہے چنانچہ کہتے ہیں اَشْفَقْتُ علیہ وانا مُشْفِقٌ وشفیق (ل)۔

ایتاء

۲۲۷۶ یؤتون ما آتوا۔ ایتاء کے معنی اعطاء یا دینا ہیں اور صدقات کے دینے پر بالخصوص بولا گیا ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور انکا خوف اسلئے ہوتا ہے کہ انکا دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہوگا یا نہیں یا اسلئے کہ کافی طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے یا نہیں اور ان آیات میں دو ہی باتوں کا ذکر کیا ایک اللہ تعالیٰ کا خوف اور عظمت دل میں ہونا اور اس کی توحید پر قایم ہونا اور دوسرے اپنے مال کو مخلوق خدا کی خدمت میں لگا دینا۔

۲۲۷۷ اوپر کہا تھا کہ مال اور جتھہ خیرات نہیں یعنی ایسی بھلائیاں جو انسان کی فلاح کا موجب ہوتی ہیں تو اب اللہ تعالیٰ سے تعلق اور مخلوق خدا کی خدمت کا ذکر کرکے بتایا کہ خیرات یہ ہیں یعنی انسان کی فلاح کا تعلق ان چیزوں سے ہے اور جو لوگ بجائے دنیا مال پر جھپٹنے کے ان کے لینے کے لئے جلدی کرتے ہیں وہ ان خیرات کی وجہ سے سابق بن جاتے ہیں یعنی دوسرے لوگوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔

وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا ۶۳

اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ سچ بتا دیتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا ۲۲۷۸ بلکہ انکے دل اسکے متعلق جہالت میں ہیں اور

وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ○ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ ۶۴

اسکے سوائے ان کے اور عمل بھی ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں ۲۲۷۹ یہانتک کہ جب ہم نے انکے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑا

اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ○ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ○ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى ۶۵ ۶۶

تو اسوقت وہ چلانے لگے ۲۲۸۰ آج مت چلاؤ تمہیں ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں دیجائیگی میری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی

عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ○ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ○ ۶۷

جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں پر اُلٹے پھر جاتے تھے ۲۲۸۱ تکبر کرتے ہوئے اسے مشغلہ بناتے ہوئے (حق کو) ترک کرتے تھے ۲۲۸۲

۲۲۷۸ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام انسان کی فلاح کیلئے دیئے ہیں یا جو راہیں ترقی کی اسے بتائی ہیں تو یہ کوئی ایسے امور نہیں جو عام انسانوں کی وسعت سے باہر ہوں۔ اور کتاب ینطق بالحق میں اپنا قانون بیان فرمایا کہ اعمال کے نتائج پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ جو کچھ انسان کرتا ہے اسی کے مطابق نتیجہ پاتا چلا جاتا ہے +

۲۲۷۹ ان کے دل جہالت میں ہیں یعنی اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ترقی کی راہیں انسان کے اخلاق میں مضمر ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ پھر طرح طرح کی بدعملیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں +

اہل مکہ پر عذاب قحط

۲۲۸۰ گو ان الفاظ کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ جب ہم انہیں عذاب میں پکڑینگے تو وہ چلائینگے لیکن آیت ۷۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی کوئی عذاب ان پر آیا تھا اور چونکہ یہ سورت مکی ہے اسلئے غالباً یہ عذاب قحط تھا جس کیلئے نبی کریم صلعم نے دعا بھی کی تھی اور جس کا ذکر قرآن کریم میں پیشگوئی کے طور پر سورۃ الدخان میں آتا ہے (الدخان ۴۴ - ۱۰ تا ۱۲) اور احادیث میں ہے کہ یہ قحط اس قدر شدید ہوا کہ انہوں نے مردار اور چمڑے اور ہڈیاں کھائیں اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبل از ہجرت تھا اور بعض سے یہ کہ یہ بعد از ہجرت تھا اور چونکہ یہ سات سال کا قحط تھا اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ ہجرت سے قبل شروع ہو کر بعد تک رہا +

نکص

۲۲۸۱ تنکصون۔ نکص کے معنی ہیں ایک امر سے پھر گیا یا بھلائی کی جس حالت پر تھا اس سے لوٹ گیا اور یہ خصوصیت سے بھلائی سے لوٹ جانے پر بولا جاتا ہے (ل) +

سمر - سامرا

۲۲۸۲ سامرا۔ سُمرۃ گندم گوں رنگ کو کہتے ہیں اور سَمَر رات کی سیاہی کو اور رات کے وقت باتیں کرنے کو بھی کہا جاتا ہے اور یہاں سامر جمع کے مقام پر استعمال ہوا ہے (غ) +

ھجر

تھجرون ھَجَرَ کے اصل معنی دوسرے سے الگ ہو جانا ہیں۔ اور ھُجر وہ کلام ہے جس کی برائی کی وجہ سے اسے ترک کر دیا گیا ہو اسلئے اَھْجَرَ کے معنی ہیں قصداً ایسا کلام کیا اور ھَجَرَ المھیض کے معنی ہیں بلا قصد ایسا کلام کیا (غ) +

مستکبرین بہ میں جمہور مفسرین نے مراد لیا ہے خانہ کعبہ کی وجہ سے متکبر بنے ہوئے تھے مگر ضمیر کا قرآن شریف کیطرف پھیرنا جس کا ذکر آیاتی میں ہے اولیٰ ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کو سنکر متکبرانہ روش کو چھوڑ جاتے تھے اور سامرا میں انکا خانہ کعبہ میں بیٹھکر راتکے وقت قرآن شریف کے متعلق طرح طرح کی باتیں بنانا ہے گویا قرآن شریف کا ذکر ایک مشغلہ کے طور پر کرتے تھے +

۶۸ ۶۹ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْ

قَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ

تو کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا یا ان کے پاس وہ آیا ہے جو ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس نہ آیا تھا ۲۲۸۳ کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا

۷۰ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ

سو وہ اس کے منکر ہیں ۲۲۸۴ کیا کہتے ہیں اسے جنون ہے بلکہ وہ ان کے پاس حق لایا ہے اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند

۷۱ كَارِهُونَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ

کرتے ہیں ۲۲۸۵ اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو آسمان اور زمین اور جو کوئی ان کے اندر ہیں بگڑ جاتے

بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۝ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ

بلکہ ہم ان کے پاس ان کی بڑائی (کا سامان) لائے ہیں سو وہ اپنی بڑائی سے منہ پھیرنے والے ہیں ۲۲۸۶ کیا تو ان سے کچھ صلہ مانگتا ہے تو تیرے رب کا صلہ

۷۲ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے اور یقیناً تو انہیں سیدھے رستہ کی طرف بلاتا ہے

الرَّبِّ

أَمْ

۲۲۸۳ اَم ... [illegible] استعمال کی دو وجہ پر ہے کبھی وہ متصلہ ہوتا ہے اور اس سے پہلے ہمزۂ تسویہ آتا ہے جیسے سواء علیہم استغفرت لہم ام لم تستغفر لہم [illegible] (المنٰفقون ۶۳ - ۶) سواء علینا اجزعنا ام صبرنا (ابراھیم ۱۴ - ۲۱) اور یا اس سے پہلے ہمزہ طلب آتا ہے جیسے ءانتم اشد خلقا ام السماء [illegible] بنٰہا (النّٰزعٰت ۷۹ - ۲۷) اور دوسرا یہ کہ وہ منقطعہ ہوتا ہے اور اس صورت میں یا اس سے پہلے محض ایک خبر ہوتی ہے جیسے تنزیل الکتاب لا ریب فیہ من رب العالمین ام یقولون افترٰہ (السجدۃ ۳۲ - ۲ و ۳) یا اس سے پہلے ہمزہ ہوتا ہے جو استفہام انکار کیلئے ہے جیسے الہم ارجل یمشون بہا ام لہم اید یبطشون بہا (الاعراف ۷ - ۱۹۵) جہاں ہمزہ انکار کیلئے ہے یا اس سے پہلے استفہام بغیر ہمزہ ہوتا ہے جیسے هل یستوی الاعمٰی والبصیر ام هل تستوی الظلمٰت والنور ام جعلوا للّٰہ شرکاء (الرعد ۱۳ - ۱۶) جہاں مراد ان کے شرک [illegible] کا انکار اور یا مراد [illegible] دینا ہے اس صورت میں یہ بمعنی بَل یعنی بلکہ ہوتا ہے (مغنی)، اور یہاں اَم بمعنی بَل ہے اور مراد ذکر یا قرآن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ [illegible] آزمائش ہے کہ ان کو اتنی آسودگی ملی ہے جو ان کے باپ دادوں کو نہیں ملی تھی اس لئے قرآن پر غور نہیں کرتے۔

۲۲۸۴ مطلب یہ ہے کہ رسول کو تو یہ پہچانتے ہیں اس کے کوئی حالات ان سے مخفی نہیں۔ وہ آپ کی نیکی کے اس حد تک معترف تھے کہ آپکو الامین کے نام سے پکارتے تھے پس ایسے راستباز انسان کا جسے بچپن سے جانتے تھے انکار جائے تعجب تھا۔

۲۲۸۵ یعنی رسول کو تو جانتے ہیں کہ وہ صادق اور امین ہے مگر وہ حق جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہے وہ پسند نہیں۔

۲۲۸۶ آسمان و زمین کا قیام پابندیٔ قانون پر ہے مگر وہ اپنی خواہشات کی پیروی میں کسی قانون کا پابند ہونا نہیں چاہتے اگر حق بھی ایسا ہوتا تو یہ عالم قائم نہ رہتا۔ اور اس قانون کی اتباع میں ان کے لئے عزو شرف ہے جس سے وہ منہ پھیرتے ہیں۔